مفکر اسلام حضرت علامہ و مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کے حالات و کمالات، امتیازات و خصوصیات، علمی، دینی، ملی، قومی، و سیاسی خدمات، افکار و نظریات اور بہت سے علمی، فکری اور تاریخی مباحث پر مشتمل ایک تحقیقی و دستاویزی مرقع، ملی اداروں اور تحریکات کی مستند تاریخ اور مکمل سوانح حیات۔

اختر امام عادل قاسمی

اذکروا محاسن موتاکم الحدیث
(رواہ الترمذی وابوداؤد)

حیاتِ ابوالمحاسنؒ

(محاسن التذکرۃ)

مفکر اسلام حضرت علامہ ومولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کے حالات وکمالات، امتیازات وخصوصیات، علمی، دینی، ملی، قومی وسیاسی خدمات، افکار ونظریات اور بہت سے علمی، فکری اور تاریخی مباحث پر مشتمل ایک تحقیقی دستاویزی مرقع، کئی اداروں اور تحریکات کی مستند تاریخ اور مکمل سوانح حیات

اختر امام عادل قاسمی
مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف

ناشر
جامعہ ربانی منورواشریف

تفصیلات

نام کتاب : حیات ابوالمحاسنؒ (سوانح حیات مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ)

مصنف : اختر امام عادل قاسمی

صفحات :

سال اشاعت : ۲۰۱۹ء

قیمت: : 950

ناشر : جامعہ ربانی منوروا شریف ضلع سمستی پور (بہار)

باہتمام : محمد ناصر خان

ملنے کے پتے

- فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی
- الجمعیۃ بلڈنگ، گلی قاسم جان، لال کنواں دہلی
- مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)
- مکتبہ جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور (بہار)

مندرجات کتاب حیات ابوالمحاسنؒ

پہلا باب

عہد، علاقہ اور خاندان

دوسرا باب

ولادت سے تعلیم وتربیت تک

تیسرا باب

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے اساتذہ کرام

چوتھا باب

نکاح، ازواج واولاد

پانچواں باب

تعلیم روحانی وتزکیۂ باطن

چھٹا باب

علمی مقام ومرتبہ

ساتواں باب

علمی خدمات

آٹھواں باب

تحریک خلافت اور حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ

نواں باب

جمعیۃ علماء ہند کا قیام

دسواں باب

امارت شرعیہ

گیارھواں باب

ہندوستان میں اسلامی نظام قضا کا نفاذ

بارھواں باب

دعوتی، اصلاحی وفلاحی خدمات

تیرھواں باب

حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کی سیاسی زندگی

چودھواں باب

حزب اللہ کا قیام

پندرھوں باب

موجودہ ملکی و عالمی حالات کے تناظر میں حضرت مولانا سجاد کے افکار ونظریات کی معنویت

سولھواں باب

محاسن اخلاق-کمالات وامتیازات

سترھواں باب

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی اولیات

اٹھارھواں باب

وفات حسرت آیات

فہرست مندرجات حواشی

حیات سجّاد

مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ
ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نائب امیر شریعت
کے مختصر حالات

از

مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی

حسب الارشاد

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی

انصاری برقی پریس دہلی میں چھپا

حضرت مفکر اسلام ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کی شخصیت پر آپ کی وفات کے بعد شائع ہونے والا پہلا کتابچہ (صفحات ۷) مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ کے قلم سے، پہلے یہ مضمون کے طور پر اخبار مدینہ بجنور میں شائع ہوا تھا، بعد میں حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند کی ہدایت پر اسے باقاعدہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔یعنی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے حضرت مولانا محمد سجادؒ کی شخصیت پر پہلی تاریخی پیشکش (یہ ترتیب نفس تحریر کے لحاظ سے ہے، ورنہ کتابچہ کی صورت میں اشاعت کی تاریخ معلوم نہیں)

حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کے حالات زندگی پر شائع ہونے والی تاریخی ترتیب کے لحاظ سے دوسری کتاب، ایک دستاویزی مجموعہ (مجموعۂ مقالات۔ صفحات: ۱۷۸) مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ، جس کو آپ کی وفات کے تقریباً چار ماہ کے بعد اپریل ۱۹۴۱ء میں مولانا محمد سمیع اللہ صاحب نے اپنے کتب خانہ عزیزیہ دہلی سے شائع کیا۔
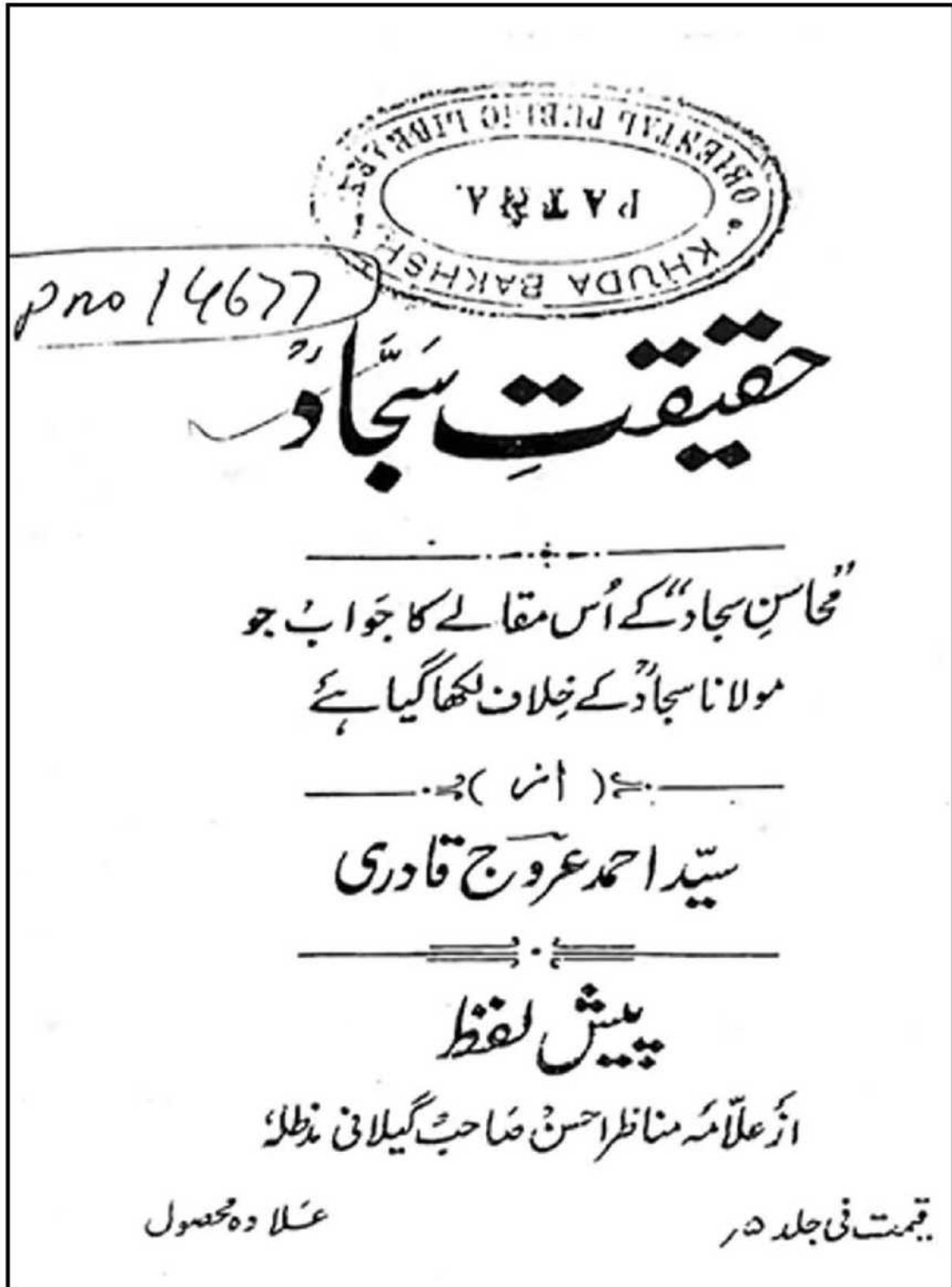
حضرت مولانا سجادؒ کی مبارک زندگی پر تاریخی ترتیب کے لحاظ سے شائع ہونے والی تیسری کتاب (صفحات: ۵۴) مولانا سید احمد عروج قادری امجھریؒ کے قلم سے، ایک علمی، تاریخی اور تحقیقی کتاب، جو وفات ابوالمحاسنؒ کے قریب چھ ماہ بعد جون ۱۹۴۱ء میں آستانۂ امجھر شریف گیا (بہار) سے شائع ہوئی۔

(نوٹ) یہ کتاب علامہ راغب احسن کے مقالے کے جواب میں لکھی گئی تھی، امارت شرعیہ پھلواری شریف نے بھی اس مقالہ کا ایک تفصیلی جواب "نائب امیر اور امارت شرعیہ" کے نام سے شائع کیا تھا، افسوس وہ نسخہ دستیاب نہ ہوسکا، اس کو بھی شامل کیا جائے تو حضرت کی شخصیت پر امارت شرعیہ کی مطبوعات کی تعداد چار ہوجائے گی۔

حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کے حالات وخدمات پر تاریخی لحاظ سے شائع ہونے والی چوتھی علمی، تحقیقی اور دستاویزی کتاب (مجموعۂ مقالات-صفحات: ۱۶۰) مرتبہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، جو مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے وفات حضرت ابوالمحاسنؒ کے تقریباً ایک سال کے بعد نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی، یعنی حضرت مولانا سجادؒ پر امارت شرعیہ کی طرف سے پہلی سوانحی پیشکش۔

حضرت مفکر اسلام ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کی شخصیت پر شائع ہونے والی پانچویں کتاب (محاسن سجاد: مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ اور حیات سجاد: مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے منتخب مقالات کا مجموعہ، صفحات: ۱۹۱) مرتبہ: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، جو آپ کی وفات کے اٹھاون سال کے بعد ۱۴۱۹ھ م ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی، یعنی امارت شرعیہ بہار کی طرف سے دوسری سوانحی پیشکش۔
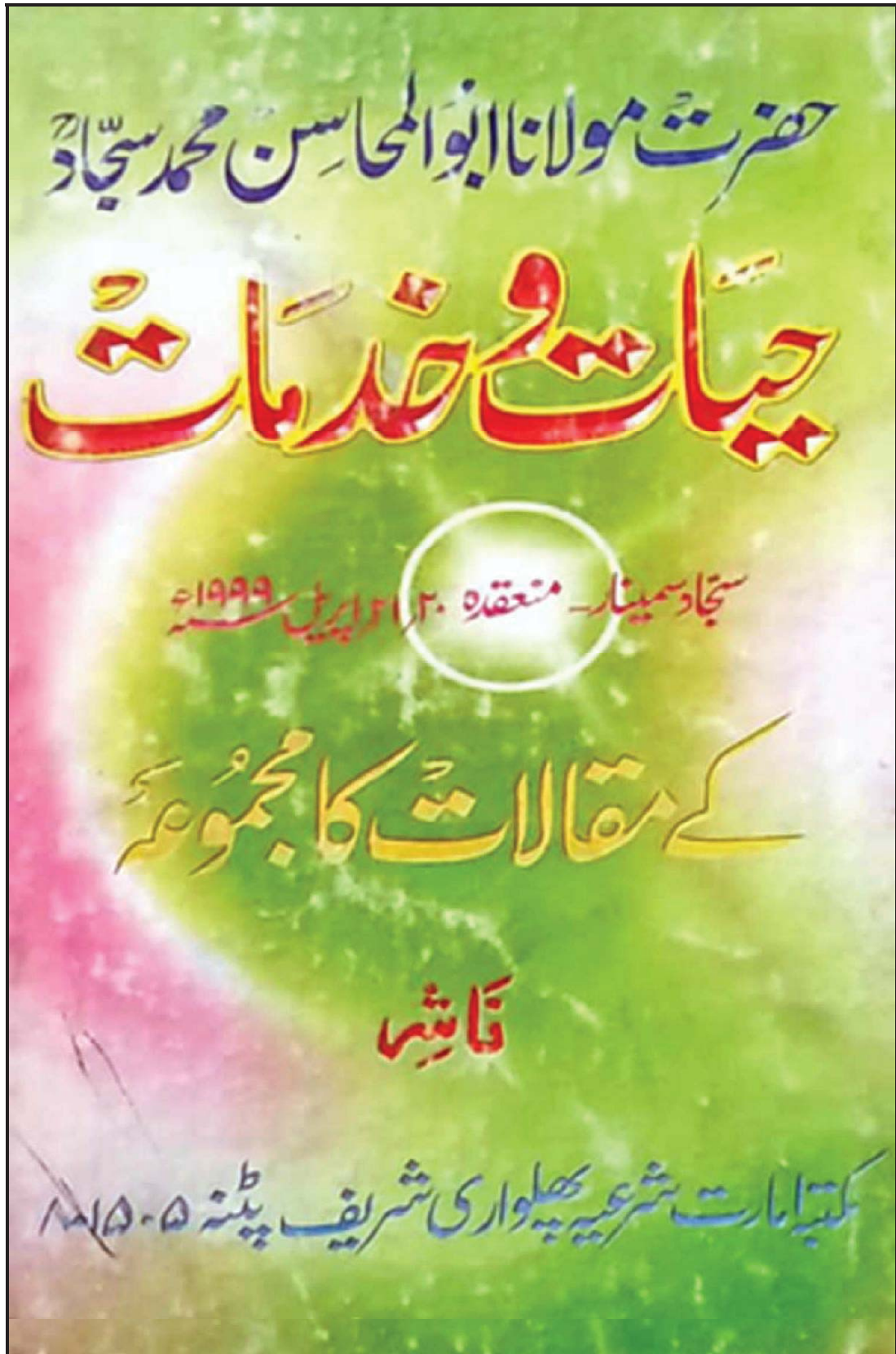
حضرت مولانا سجاد کی حیات وخدمات پر شائع ہونے والا چھٹا علمی، تاریخی اور دستاویزی مجلہ (امارت شرعیہ پٹنہ میں حضرت مولانا سجاد سیمینار-منعقدہ ۲۰، ۲۱ /اپریل ۱۹۹۹ء- میں پیش کئے گئے مقالات کا مجموعہ، صفحات: ۵۲۰) مرتبہ: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، جس کو مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے وفات حضرت ابوالمحاسنؒ کے تر سٹھ سال کے بعد ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔ یعنی امارت شرعیہ پھلواری شریف کی طرف سے تیسری سوانحی اشاعت۔
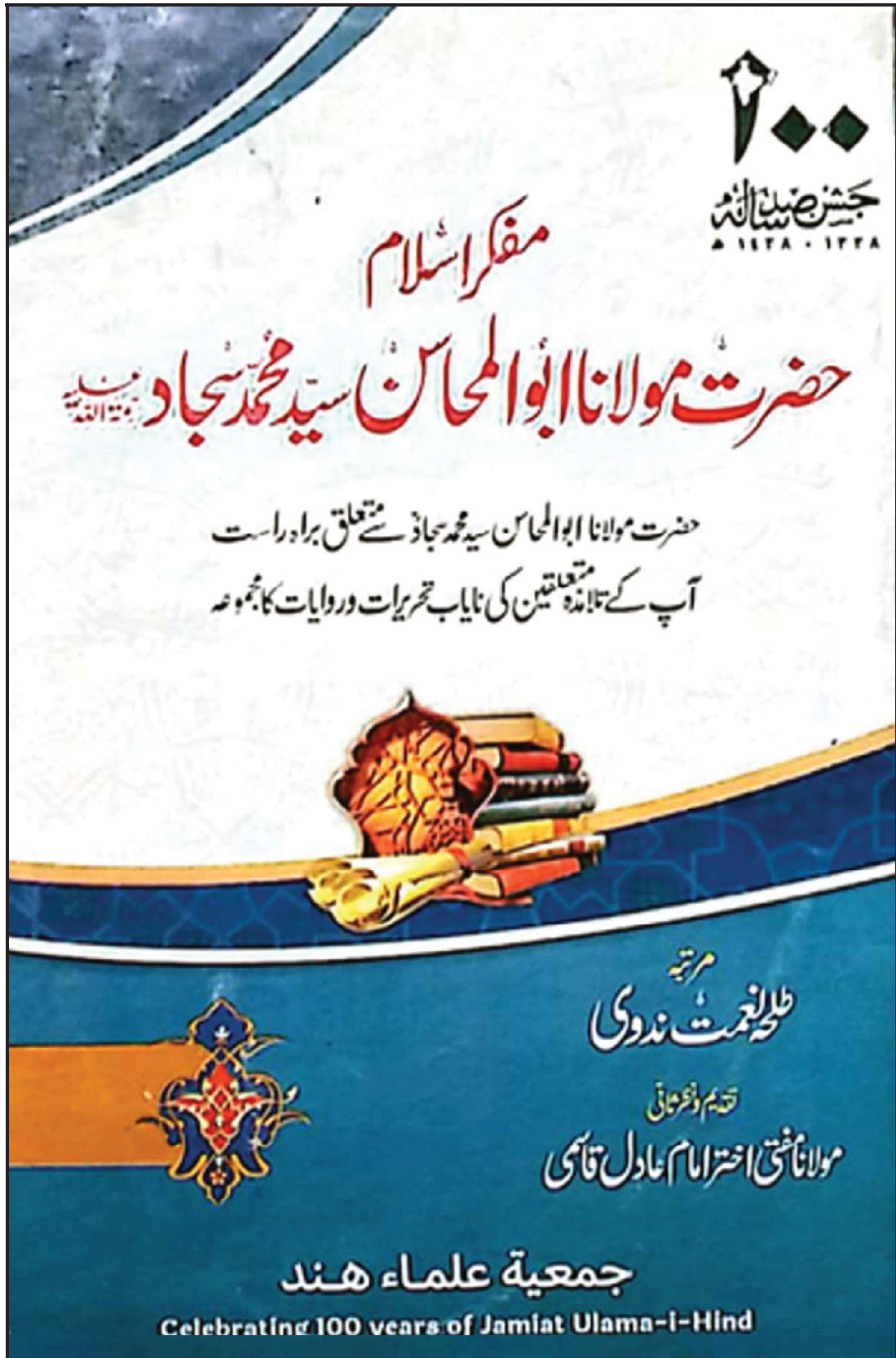
حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کی شخصیت پر شائع شدہ ساتواں تاریخی دستاویزی مجموعہ (حضرت مولانا سجادؒ کے معاصرین ومشاہدین کے مقالات ومضامین کا مجموعہ-صفحات: ۵۸۲) مرتبہ: مولانا طلحہ نعمت ندوی، جس کو جمعیۃ علماء ہند نے آپ کی وفات کے اٹھتر سال کے بعد اپنی صد سالہ تقریبات کے موقعہ پر ۲۰۱۸ء میں شائع کیا، یعنی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے دوسری تاریخی پیشکش۔

حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کی حیات وخدمات پر شائع ہونے والی آٹھویں علمی، تاریخی، دستاویزی شاہکار (یعنی جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد سیمینار منعقدہ ۱۵/دسمبر ۲۰۱۸ء میں پیش شدہ مقالات کا مجموعہ، صفحات: ۶۸۸) مرتبہ: اختر امام عادل قاسمی، جس کو جمعیۃ علماء ہند نے حضرت مولانا سجادؒ کی وفات کے ۷۹ برس بعد اپنی صدسالہ تقریبات کے موقع پر ۲۰۱۹ء میں شائع کیا، یعنی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے تیسری تاریخی وسوانحی پیشکش۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلاش وتحقیق کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی ہے

مفکر اسلام حضرت امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم العالیہ
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا ءبورڈ وسجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نوراللہ مرقدہ بڑی غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے، پچھلی صدی میں گذرے ہوئے، اُن صاحب علم ونظر، باکردار اور باعمل بزرگ کے اثرات آج بھی سرزمین ہند پر تازہ ہیں، ان کے بنائے ہوئے ادارے آج بھی تب وتاب کے ساتھ زندہ ہیں، اور ان کا فیض پھیل رہا ہے، جن اداروں کا انہوں نے خواب دیکھا، پہلا نقشہ بنایا وہ بھی آج بڑا کام کرر ہے ہیں، یہ اثر ہے ان کے اخلاص وللّٰہیت کا، نظر صحیح اور فکر سلیم کا، بیدار مغزی اور روشن ضمیری کا۔

انہوں نے درسی تعلیم مکمل کی، ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے فارغ ہوئے، تو سب سے پہلے اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوئے، اور سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ عارف باللہ حضرت قاری سید احمد صاحب شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر توبہ کی، اور مرشد محترم کی تربیت میں سلوک کی منزلیں طے کیں، بعد میں قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، اور تربیت میں رہے، حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نائب امیر شریعت نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت سجادؒ سال میں دوبار خانقاہ رحمانی ضرور آتے تھے اور تصوف کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

پڑھنے سے فراغت ہوئی تو عملی زندگی کی بسم اللہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں تدریس سے کی اور کم وبیش نو سال بحیثیت مدرس خدمت انجام دیتے رہے، اور اپنی صلاحیتوں کو چمکاتے رہے، یہ پورا زمانہ اسلامی علوم کی تدریس میں گذرا، ساتھ ہی ملت کے امور ومعاملات پر غور وفکر بھی جاری رہا، مدرسہ سبحانیہ میں وہ ایک کامیاب استاذ اور شفیق مدرس کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، طلبہ کا ان کی طرف

رجوع تھا، ان کا درس مختصر ہوتا، مگر پوری بات طلبہ کے سمجھ میں آجاتی تھی، وہ طلبہ کی فکری اور عملی تربیت کی طرف بڑی توجہ دیتے تھے ـــــ انہوں نے ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۲ء میں الہ آباد کو الوداع کہا اور ایک عزم کے ساتھ بہار آ گئے۔

حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرکز چاہئے تھا، جہاں بیٹھ کر وہ خدمت کا سلسلہ قائم کرتے، انہوں نے صوبہ بہار کے شہر گیا کو پسند کیا، اور مدرسہ انوار العلوم گیا کو زندہ کیا، چند برسوں میں یہ مدرسہ ترقی کر گیا، اس کی تعلیم وتدریس کا شہرہ ہوا، حضرت سجادؒ جہاں مدرسہ کے کاموں میں لگے رہتے تھے، آنیوالے دنوں کی پلاننگ بھی کرتے رہتے تھے، اور اس زمانہ کے مشاہیر علماء کرام سے خط وکتابت کے ذریعہ رابطہ بھی رکھتے تھے، اور یہ مشاہیر انہیں ایک کامیاب مدرس کے ساتھ دور تک سوچنے والی شخصیت بھی ماننے لگے تھے، اور ان حضرات کا اعتماد بھی انہیں حاصل ہو گیا تھا۔

پانچ سال بہار میں رہ کر مدرسہ میں پڑھایا، علماء اور عوام سے رابطہ بھی مضبوط کیا، اور علماء کرام کی ملک گیر تنظیم کا خاکہ بھی بنایا گیا، حالات کے پیش نظر حضرت سجادؒ نے مناسب سمجھا کہ صوبہ بہار سے اجتماعی خدمت کی شروعات کی جائے، انہوں نے ۱۹۱۷ء میں مجلس علماء بہار قائم کی۔ یہ عملی شکل جب علماء بہار کے سامنے آئی اور حضرت سجادؒ نے اس کی کاروائی کو عام کیا، مشاہیر علماء کو اس فکر کی دعوت دی تو دہلی میں پہلے پہل دس بارہ مشاہیر علماء کرام کی نشست مشہور بزرگ حضرت سید حسن رسول نما کی درگاہ پر منعقد ہوئی، اس مختصر مگر بہت قیمتی افراد کی میٹنگ میں حضرت سجادؒ نے بڑی مؤثر اور دلنشیں باتیں فرمائیں، جن کا گہرا اثر سبھی باکمال اور بااثر علماء کے دلوں پر ہوا، اور اسی مجلس میں عہد وپیمان ہوا، وعدے کیے گئے، اور وعدے لیے گئے، کہ ہندوستان گیر پیمانے پر علماء کرام کی تنظیم قائم کی جائے۔

جب ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کا اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا، تو وہ مشترکہ اجلاس تھا، خلافت کانفرنس کے ساتھ جمعیۃ علماء کا ـــــ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجلس علماء بہار کی پذیرائی کیسی ہوئی، ایک صوبائی مجلس، جو ابتدائی مرحلہ میں تھی، کل ہند سطح کی جمعیۃ کے لیے نشان راہ بن گئی، اور اس زمانہ کے اکابر علماء نے فکر سجاد کو کس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا، دل میں جگہ دی، اور جمعیۃ کا تخیل جماعت سازی کی شکل میں آتا چلا گیا ـــــ امرتسر کے اس اجلاس میں بھی حضرت سجادؒ نے مختصر مگر بڑی جامع اور مؤثر تقریر جمعیۃ علماء کے موضوع پر کی، اور جمعیۃ علماء کا کارواں بنتا چلا گیا۔

حضرت سجادؒ اندر سے صوفی منش اور بے نیاز انسان تھے، کبھی عہدہ کا خیال بھی دل میں نہیں

آیا، نہ منصب کی چاہ پیدا ہوئی، جو بے نیاز کا بندہ تھا بے نیاز رہا، مگر فکر جمعیۃ میں وہ مرکز خیال ونظر رہے، انہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے ارباب جمعیۃ کی رہنمائی کی۔ چاہے مرحلہ پالیسی کا ہو، طریق عمل کا ہو یا تجویزوں کا، حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی سوچ، ان کی زبان اور ان کے قلم کی ضرورت سب محسوس کرتے تھے، اور یہ حقیقت ہے کہ جمیعۃ علماء کے اجلاس اور عاملہ کی تجویزیں اکثر حضرت سجاد کے قلم کی ہیں۔

حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا بڑا فکری اور عملی کارنامہ ''امارت شرعیہ'' ہے، جس کی مثال نہ صرف بھارت میں نہیں ہے، بلکہ جس کی سوچ اور خدمت کو سمجھ کر دور اور قریب کے مما لک کے علماء وفضلاء اور دانشور بھی حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ تھا کہ امارت شرعیہ کو بھی ہندوستان گیر بنایا جائے ——بات بڑھی، چلی اور دور تک گئی، مگر منزل آشنا نہ ہوسکی، ان سطروں کا لکھنے والا اُن تلخ وشیریں حقائق وواقعات سے بڑی حد تک واقف ہے، لیکن اب ان خوشگوار اور ناگوار باتوں کو لکھا جائے، تو اپنی ہی شکایت ہوگی، بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں ؎

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

حضرت سجاد کی اجتماعی، سیاسی، دینی، غیر معمولی دور اندیشی کا ایک ثبوت وہ بھی ہے، جسے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے نام سے سب جانتے ہیں —— حضرت سجادؒ نے پارٹی بنائی، الیکشن لڑایا، مسلم لیگ کو کھلی شکست دی، اور اقلیت میں ہوتے ہوئے، بہار میں حکومت بھی بنا ڈالی، یہ ایسا سیاسی کارنامہ ہے، جس کے لیے بھارت ابھی بھی تشنہ لب اور چشم براہ ہے۔ اگر فکر سجاد رحمۃ اللہ علیہ کو بھارت نے قبول کیا ہوتا اور پورے ملک میں سیاسی پارٹی بنالی گئی ہوتی، تو آج اکتوبر ۲۰۱۹ء میں صورتحال بالکل دوسری ہوتی، امیت شاہ شہریت کے معاملہ کو لے کر دھاڑتا نہیں، اور بی جے پی حکومت مسلمانوں کو ملک بدر اور در بدر کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں بل نہیں لاسکتی۔

ہم سب کی بدنصیبی کو کیا کہئے کہ فکر سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی آبیاری کے نتیجہ میں جو جمعیۃ علماء تندرست اور توانا بنی، اسے دین کی سربلندی، ملت کی شیرازہ بندی اور اجتماعی زندگی میں ہر آفت کے مقابلہ میں دیوار چین ہونا تھا، اور ہر مشکل مرحلہ میں سد سکندری بننا، اور امت کی امیدوں کو پورا کرنا اور اس کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا تھا، وہ خاص طور پر آج لگتا ہے کہ غلط راہ پر آگئی ہے اور آج بی جے پی کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہے، اس جمیعۃ علماء ہند کا جنرل سکریٹری انٹرنیشنل میڈیا میں بی جے پی کی زبان بول رہا ہے، اور کچھ ''مفتیوں'' نے ٹوک ٹاک کی تو بھارت کے اردو میڈیا میں ''سجدہ

سہو“ کر رہا ہے۔بس اس کا رونا تو اللہ کے دربار میں ہے۔

حضرت سجادؒ نے اور بھی کئی اہم اور دور رس خدمت انجام دی ہے، مثلاً ان کی مسلم ہندو اختلاف کو دور کرنے کی کوششیں مثالی ہیں، اس کے لیے ان کی فکرمندی اور اصلاح حال کے لیے بااثر صحیح لوگوں سے رابطہ کرنا اور ان سے مسئلہ حل کرنے میں مدد لینا ہم سبھوں کے لیے بڑی مثال اور قابل تقلید نمونہ ہے، انھوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ طریق راہ فراہم کرتی ہیں — بہت ساری چیزیں آپ کو اگلے صفحات میں مل جائیں گی، حضرت سجادؒ پر یہ کتاب قیمتی ہے، اور ان کی زندگی کے بہت سے گوشوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اب تک اُن پر جو کچھ لکھا گیا ہے، ان پر تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا اور تلاش و تحقیق کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی۔

اس کتاب کو آخری شکل دے کر مصنف محترم نے بڑی خدمت انجام دی ہے، بحمد اللہ مصنف جواں سال مگر کہنہ مشق اہل قلم، صاحب تصانیف، صاحب فقہ وفتویٰ ہیں، انہیں زبان وادب اور شریعت وطریقت سے بھی گہرا لگاؤ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں زود نویسی اور خوب نویسی کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے، اور یہ کتاب ان باتوں کی کھلی شہادت ہے — ابھی تو وہ جوان ہیں، رب کریم ان کے قلم اور سوچ کو بڑھاپے سے بچائے اور لانبی عمر دے، تاکہ وہ خدمت لوح وقلم بھی کریں، خدمت دین متین بھی جاری رہے، اور ان کی آہ سحر گاہی سے ایک دنیا سیراب ہو، آمین یارب العالمین۔

محمد ولی رحمانی
سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر (بہار)

۷رصفر المظفر ۱۴۴۱ھ
۷راکتوبر ۲۰۱۹ء (پیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضرورت کی تکمیل

حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

کہتے ہیں کہ سہیل ستارہ کبھی کبھی چمکتا ہے، لیکن جب چمکتا ہے تو اس کی روشنی اور آب وتاب بے پناہ ہوتی ہے۔ بعض خطے، بعضے علاقے بھی ایسے ہیں کہ وہاں سے جب کوئی فاضل شخص اور قائد ورہنما نمودار ہوتا ہے وہ بھی بے پناہ ہوتا ہے۔ بہار کے قدیم اور مشہور علم پرور، علم افزا علاقہ، نالندہ کے ایک گاؤں پنہسہ (PANHASSAH) میں ایک ایسا ہی فرد کامل، خانوادۂ سادات میں مولوی سید حسین بخش کے گھر میں صفر ۱۳۰۱ھ [دسمبر ۱۸۸۳ء] کو پیدا ہوا، جو آگے چل کر، ستارہ نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب ثابت ہوکر، ہندوستان کے دینی، علمی، فکری، سیاسی افق پر اس طرح نمودار وجلوہ گر ہوا کہ یہ پورا ملک اور اس کے اکثر اعاظمِ رجال اور برگزیدہ اہل کمال کے علاوہ، اہل بصیرت، اہل سیاست ان کے کمال، قوت عمل اور فکر وبصیرت کے برملا معتقد ہوئے اور ہندوستان کی ممتاز ترین دینی، ملی، سیاسی تحریکات، مولانا کے فکر وخیالات اور کوششوں کی مرہون منت رہیں۔ یہ مولانا ابوالمحاسن سجاد تھے جو ۲۱؍شوال ۱۳۵۹ھ [۲۳؍نومبر ۱۹۴۰ء] کو سفر آخرت پر روانہ ہوکر، پھلواری شریف [پٹنہ، بہار] کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الأبرار الصالحین!

مولانا ابوالمحاسن سجاد، اس عہد کے بڑے دینی، ملّی قائد اور ایسے فرد فرید تھے کہ جن کے ناخن تدبیر نے ملت اسلامیہ کے بہت سے مسائل کی گرہ کشائی کی اور اس طرح دین وشریعت، علم ودیانت اور فقہ وبصیرت کے گہرے امتزاج سے، مستقبل کے متوقع خطرات کو پہچاننے، جاننے کی صلاحیت رکھتے تھے اور ان سے بچنے کی تدبیریں جانتے تھے۔

مولانا ابوالمحاسن سجاد ۱۹۴۰ء سے قبل کے ہندوستانی مسلمانوں کے ان زعمائ، مفکرین اور رہنماؤں میں صف اول کے رہنما، بلکہ امیر رہنمایاں تھے، جنہوں نے یہاں مسلمانوں کو سیاسی

کاموں کا حوصلہ بخشا، صحیح سمت میں ان کی اعلیٰ درجہ کی رہنمائی کی اور دین وسیاست کی آمیزش سے، وہ نظام اور ترتیب قائم کر کے دکھائی، جس کو صحیح اسلامی سیاست کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ جس میں نہ ذاتی مفادات کا شائبہ تھا، نہ حرص ولالچ کی گندگی، نہ فریب میں آنا، نہ ہی کسی بڑے سے بڑے انسان یا شخصیت کی خاطر اپنے مقصد اور اپنے اصولوں سے منہ موڑنے اور سمجھوتہ کرنے کا معمول یا دستور!

مولانا ابوالمحاسن سجاد، ہندوستان کی مسلم سیاست کے ایک حد تک گویا بادشاہ گر تھے، انہوں نے سب سے پہلے ملی سیاست کی تشکیل نو کی جانب توجہ کی، مولانا غالباً پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علماء اور دین وسیاست کو ایک لڑی میں پرو کر، جمعیۃ علمائے بہار کی تشکیل کی اور جب یہ تجربہ مفید و مستحکم ثابت ہوا تو اسی نہج پر پورے ملک میں ایک بڑی دینی، ملی تحریک وتنظیم کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لئے بہار سے نکلے، لکھنؤ پہنچے، مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے مشورہ کیا، وہاں سے دہلی جا کر جمعیۃ علماء کے خیال کو، خلافت کانفرنس دہلی کے اجلاس کے موقع پر اہل علم ونظر کے سامنے رکھا۔

مولانا ابوالمحاسن سجاد، بانیانِ جمعیۃ میں ایک بڑی اور اساسی شخصیت تھے، جو اس کی تمام مجلسوں میں شریک اور قائدین جمعیۃ بلکہ اس کے مؤسسین میں ممتاز رہے، جمعیۃ کے باقاعدہ کل ہند صدر بھی منتخب کئے گئے اور اجلاس جمعیۃ العلماء مراد آباد منعقدہ: ۱۳۴۳ھ [۱۹۲۵ء] میں معرکہ آرا خطبہ پیش کیا، جس کو اب تک یاد کیا جاتا ہے۔ بعد میں جمعیۃ کی مقامی ذمہ داریاں نبھائیں اور اس میں آخر دم تک پوری صلاحیتوں اور فکر مندی کے ساتھ شریک رہے اور کہا جاسکتا ہے کہ جمعیۃ علماء کی تاسیس وترقی میں مولانا کے نفس گرم اور جذبۂ دروں کا بڑا حصہ ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر چہ مولانا جمعیۃ کے بانیوں میں شامل اور اس کے ہر ایک پروگرام اور نظام کے گویا روح رواں رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی مولانا نے جمعیۃ کے نظریۂ متحدہ قومیت کو کھل کر مسترد کیا اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔

اسی طرح نہرو رپورٹ اور گئوکشی کے مسئلہ میں، جمعیۃ علماء اور دوسرے لوگوں کی رائے سے ناخوش اور الگ رہے، مولانا نے ان سب سے برملا اور واضح اختلاف کیا، اور ان مباحث میں شرعی نقطۂ نظر کھل کر واضح کیا اور یہ خیال بالکل نہیں کیا کہ اس میں ہماری جماعت یا تنظیم کا کیا موقف ہے، صرف کلمۂ حق اور اصول شریعت کو سامنے رکھ کر بات کہتے اور **"ولا یخافون فی اللّٰہ لومۃ لائم"** کا ہمیشہ ثبوت پیش فرماتے رہے۔

مولانا سجاد، اس عہد کے علماء میں سے تھے، جب ہندوستان بڑے علماء، محدثین کرام، فقہاء،

اصحاب معقولات ومنقولات ، ارباب علم وفضل کی فراوانی کی وجہ سے مجمع علوم وکمالات بنا ہوا تھا، اس ملک کوعلماء اور اہل کمال کی کثرت کی وجہ سے دارالعلم والعلماء کہا جاتا تھا، جب مولانا سجاد متحرک وفعال تھے اور ہندوستان کے دینی ،علمی ، سیاسی افق پر چھائے ہوئے تھے، اس وقت علامہ انورشاہ کشمیری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، اور علامہ سید سلیمان ندوی [رحمہم اللہ تعالیٰ] جیسے جبالِ علوم جلوہ افروز تھے اور اپنے اپنے دریائے علم سے دنیا کو شاداب و پُر بہار فرمارہے تھے، اس فضا میں مولانا ابوالمحاسن سجاد کو، شیخ العلماء اور کاروان علم وسیاست کا پیشوا تسلیم کیا گیا۔ اس پیشوائی اور قیادتِ کارواں کا اس سے بھی اندازہ اور علم ہوتا ہے کہ مولانا کی وفات پر اساطین علم اور اصحاب نظر نے ،مولانا کو جس طرح اور جن اونچے الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا، وہ بلاشبہ غیر معمولی تھا۔

مولانا ابوالمحاسن سجاد، علمی تفوق اور فکر وبصیرت کے علاوہ، عمل کی بے پناہ دولت اور اپنے تمام منصوبوں کو وہ شرعی ،قانونی ہوں ، یا سیاسی اور انتظامی، جہاں ضرورت ہو وہاں نافذ کرکے، ان کے ذریعہ سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی، نادر روزگار صلاحیت وقدرت بھی رکھتے تھے۔

اس ملک کی سواسو سالہ علمی ، سیاسی تاریخ میں، ایسا کوئی سیاست داں عالم نظر نہیں آتا ، جو ہندی سیاست اور یہاں موجود غیر مسلم سیاسی جماعتوں، تنظیموں اور رہنماؤں کے ذہن ودماغ کو، اس طرح پڑھ سکتا ہو اور اپنی پوری سادگی اور ٹھیٹ دیہاتی طریقۂ زندگی کے باوجود، ان کو اپنے دلائل ونظریات سے متأثر کرکے ہم خیال بنا سکتا ہو۔

یہ مولانا کے غیر معمولی کمالات اور خداداد صلاحیت کا ایک کرشمہ ہی کہا جائے گا کہ وہ اپنے صوبہ میں ایک سیاسی جماعت تشکیل دیتے ہیں اور بہت سخت اور کڑے اصولوں پر، دین وشریعت اور اخلاق وانسانیت کی پوری رعایت رکھتے ہوئے، اس کے ضوابط تجویز کرتے ہیں اور پھر ایسے ہی افراد کو اس کا نمائندہ بناتے ہیں اور ٹکٹ دیتے ہیں، جو انسانیت کی ترازو میں باون تولہ پاؤرتی کا وزن رکھتے ہوں اور ان کی دیانت وکردار پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ہو۔

یہ ناقابل یقین سی بات ہے کہ مولانا نے بہار اسمبلی میں اپنی جماعت کی نمائندگی کے لئے ایسے افراد کا انتخاب کیا اور یہ اس سے زیادہ ناقابل یقین ہے کہ ان کو کامیاب کرکے دکھایا۔

یہ مولانا کے کمالات وقوت عمل کا اک نمونہ تھا، مولانا میں اس طرح کی اور بہت سی خوبیاں اور کمالات تھے، جس میں سے بڑی بات دور بینی، اصابت فکر، قول وعمل کی یکسانیت اور پختہ تر دینی مزاج

کے ساتھ ساتھ، اپنے دور کے دینی، مذہبی علماء اور سیاست دانوں، دونوں سے نہ صرف گہرے تعلقات بلکہ دونوں کے مزاج، فکر اور طریقہ کار کو سمجھنے کی بے پناہ صلاحیت تھی، جس کا ایک غیر معمولی بلکہ نادر روزگار اثر یہ تھا کہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم سیاست داں، مولانا کو ان کے اصولوں سے ڈگمگا نہیں سکے، مولانا کی فکر اور تدبیر سے بعض موقعوں پر اختلاف تو کیا گیا، لیکن مولانا کی معاملہ فہمی اور اخلاص پر کسی کو انگلی اٹھانے کا کبھی موقع نہیں ملا۔

مولانا کا یہ خاص مزاج تھا کہ وہ کسی بھی نازک سے نازک موقع پر اور بڑی سے بڑی سیاسی شخصیت کے روبرو، کبھی بھی اپنے دینی، علمی، سیاسی سوچے سمجھے نظریات سے انحراف نہیں کرتے تھے اور کسی کی خوشی و ناخوشی کی خاطر، کسی ادنیٰ سے شرعی اصول کو بھی پامال نہیں ہونے دیا اور یقیناً زبان حال بلکہ قال سے بھی یہ فرماتے رہتے تھے:

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

میدان سیاست میں نکلے تو اپنے سے پہلے چلنے والوں، اپنے ساتھیوں اور معاصرین سے آگے نکل گئے اور بعد والوں کے لئے ایک نمونہ اور مثال بن گئے کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جو سیاست کے پرخار راستوں اور وادی تیہ میں اتر کر بھی، صاف دامن نکل آتے ہیں۔ سیاست کی دنیا ایسی آلودہ اور اخلاق و کردار کی کمزوریوں اور گندگیوں سے بھری ہوئی ہے، کہ ان برائیوں سے دامن بچا کر نکل آنا عجیب ہے، لیکن مولانا اور ان کے چند معاصرین نے دکھا دیا کہ اولوالعزم اور عالی ہمت اصحاب اس کو بھی اس طرح طے کرتے ہیں، کہ اس پر اپنے کردار و عمل کے نشانات چھوڑ جاتے ہیں۔

ہندی ملت اسلامیہ ۱۹۴۷ء کے بعد جن حوادث و آفات کا شکار ہوئی اور اس کو جس طرح بار بار مر مر کے جینا پڑا، ایسے میں مولانا کی یاد کا آنا ایک فطری بات ہے، یوں تو نظام قدرت کی اپنی مصلحتیں اور ترتیب ہے، جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں، لیکن خیال ہوتا ہے کہ اگر حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد ۱۹۴۷ء میں حیات ہوتے اور اس کے بعد بھی مولانا کو چند سال زندگی کے اور مل جاتے، تو شاید صورت حال اس سے بہتر ہوتی، کم از کم اتنی خراب نہ ہوتی لیکن **و کان أمر الله قدراً مقدوراً**۔

مولانا کے کمالات و خدمات کے علاوہ، ان کے احسانات کا یہ حق اور تقاضہ تھا کہ مولانا کی زندگی کے ہر پہلو کو تحریر و تالیف کا عنوان بنایا جاتا، مولانا پر طرح طرح کے کام ہوتے، مولانا نے ہندی ملّتِ اسلامیہ کی جس فکر و بصیرت کے ساتھ رہنمائی فرمائی اور مستقبل کے لئے جو خاکے تیار کئے اور یہاں کے قوانین، خصوصاً مسلمانوں سے وابستہ قوانین کی تاسیس و تشکیل، سرکاری قوانین کے مسودات کی تنقیح و تصحیح

اوران کے نفاذ کے بنیادی اصولوں کی جو وضاحت فرمائی، جس سے برصغیر کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اب بھی فائدہ اٹھارہی ہے، ان میں سے ہر ایک کا تقاضہ ہے کہ اس کو مستقل توجہ کا موضوع بنا کر اس پر کئی پہلوؤں سے مسلسل کام کیا جائے۔

مولانا کی جیسی بڑی شخصیت اور مولانا کی عالی عملی خدمات اور علمی مرتبہ کا حق اور ہمارا قومی، ملّی، اجتماعی فریضہ تھا کہ حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد کو یادرکھتے، نئی نسلوں کو ان سے واقف کرائے، ملت اور خصوصاً نئی نسلوں کو، مولانا کی فکر، اصابت رائے اور صلابت کردار سے آگاہی بخشتے، لیکن جو خودسویا ہوا ہو، وہ دوسروں کو کیسے بیدار کرسکتا ہے، اس لئے سب اپنے اپنے اداروں، جمعیتوں کی توسیع وترقی میں مشغول رہے، کسی نے بھی اس ضروری اور اہم کام پر توجہ نہیں کی، اگرچہ مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے اس پر ایک عمدہ مجموعہ 'مقالات ومضامین محاسنِ سجاد' کے نام سے مرتب اور شائع کر کے اس پر کام کی ابتداء کردی تھی، لیکن پھر دیر تک ادھر کوئی قدم نہیں بڑھا، مولانا کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد، امارت شرعیہ بہار نے، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد کے آثار وباقیات کی اشاعت کی فکر کی اور حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد کی زندگی پر ایک اور مختصر تالیف، حیات سجاد[1] سامنے آئی۔

حضرت مولانا کے چند مقالات ومضامین بھی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے تصحیح کر کے مقالاتِ سجاد[2] کے نام سے شائع کئے تھے، ایسے ہی حضرت مولانا کے مکاتیب کے ایک مختصر سے مجموعہ کی اشاعت کا اہتمام ہوا، جو مکاتیب سجاد[3] کے عنوان سے چھپے اور مولانا ابوالمحاسن سجاد کی دو مختصر مگر جامع تالیفات، حکومت الٰہی[4] اور قانونی مسودے[5] بھی شائع کی گئیں، مگر یہ مولانا کے فضل وکمال کے چند مختصرترین نمونے اور ایک پایاب دریا کی چند موجیں یا حضرت مولانا کے علوم کے چند قطرے تھے۔ ضرورت تھی کہ حضرت مولانا کے مفصل احوال اور قومی ملّی خدمات کا وسیع پیمانہ پر احاطہ وتذکرہ کیا جاتا، اس مقصد کے لئے، اول جمعیۃ علمائے ہند نے، اپنے قیام کی سوسالہ یادگار منانے اور جمعیۃ علماء کے رہنماؤں کو یاد کرنے کا ارادہ کیا۔ خوشی کی بات ہے کہ اس کے آغاز ہی میں

---

[1] مرتبہ: مولانا انیس الرحمن قاسمی، صفحات: ۱۹۱، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

[2] جمع وترتیب: ضمان اللہ ندیم، تصحیح وتقدیم: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۱۶۵، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ/ مارچ ۱۹۹۹ء

[3] جمع وترتیب: ضمان اللہ ندیم، تصحیح وتقدیم: قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صفحات: ۱۰۶۔ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ/ مارچ ۱۹۹۹ء

[4] تالیف: حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد، تصحیح وتقدیم: قاضی مجاہد الاسلام کل صفحات: ۱۳۴، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ/ مارچ ۱۹۹۹ء

[5] تالیف: مولانا ابوالمحاسن سجاد، تصحیح وتقدیم: قاضی مجاہد الاسلام صفحات: ۶۳، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ/ مارچ ۱۹۹۹ء

مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب پر توجہ کی گئی، مولانا پر ایک مجموعۂ مقالات ومضامین جو مولوی طلحہ نعمت ندوی صاحب [نالندہ، بہار] نے مرتب کیا، جمعیۃ علمائے ہند نے اس کو شائع کیا، اس کے بعد مولانا ابوالمحاسن سجاد پر ایک بڑے سیمینار کا اہتمام کیا گیا، جو ۷ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ [۱۵ردسمبر ۲۰۱۸ء] کو منعقد ہوا تھا، اس میں مولانا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اچھے مضامین پیش کئے گئے، جس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ملک کے اہل ذوق اور نوجوانوں کو، مولانا کے احوال اور سوانح کی جستجو شروع ہوئی اور انہوں نے مولانا کی فکر ونظریات کی دوبارہ دریافت اور نئی توسیع واشاعت کے لئے قدم بڑھائے۔

ان مجموعوں اور مقالات کی ترتیب واشاعت کے بعد ضروری تھا کہ مولانا ابوالمحاسن سجاد کی ایک مفصل سوانح لکھی جائے، جس میں مولانا کی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش ہو، مولانا کی خدمات اور کارناموں کا معتبر مآخذ اور معتبر ذرائع سے تذکرہ کیا جائے اور اب تک مختلف تحریروں اور مقالات میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ان کو ایک جگہ سمیٹ کر، اس طرح پیش کیا جائے کہ مولانا کی زندگی کا ہر ایک گوشہ ترتیب سے، ایک ساتھ سامنے آجائے اور پڑھنے والے اس کتاب کے ذریعہ سے، مولانا کی سیرت اور کمالات کا ایک تفصیلی جائزہ اور ضروری معلومات یکجا حاصل کرلیں۔ مولانا اختر امام عادل کی یہ زیر نظر تالیف: حیات ابوالمحاسن سجاد، اس سلسلہ کی سب سے جامع اور مفصل کاوش ہے، یہ کتاب اس وقت تک دریافت اکثر معلومات کا احاطہ کرتی ہے اور مولانا ابوالمحاسن کی زندگی اور امت کی رہنمائی کی تقریباً ایک تہائی صدی کی، ایک ایسی تاریخ ودستاویز ہے، جس کے آئینہ میں ہم بہت کچھ جان سکتے ہیں، سیکھ سکتے ہیں۔ یقیناً مولانا اس قافلہ مخلصین کے ایک ممتاز فرد تھے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

جن کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

ایک ہمارا دور ہے کہ جس میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے کہ جو شاید خود کو کچھ اس طرح یاد کرتے ہوں گے، بلکہ ایسے لوگوں کو اس کا احساس ہونا چاہئے، بلکہ اس کا برملا اعتراف کرنا چاہئے کہ: ما سیہ کاریم ما ملت فروش!

ایسے لوگوں کے لئے مولانا سراج الحق الہ آبادی نے کہا تھا:

مرد فاجر، باعث تائید دیں
حیف ملایاں، رفیق مشرکیں

مولانا کی زندگی، تدبر، فکر، بالغ نظری، حال اور مستقبل کی صحیح پہچان کے علاوہ، ایک بڑا سبق یہ دیتی ہے کہ ہمیں کبھی کبھی کفر کی تعلیمات اور طاقتوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہونا چاہئے، یہ نہ صرف ایک وقتی بات ہے بلکہ ملت کا اجتماعی فریضہ اور ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دینی اصولوں، ملّی مفادات کو سیاست سے بالاتر اور بہت مقدم رکھے اور کسی بھی مرحلہ پر [خدانخواستہ] اپنے ایمان اور ضمیر کا سودا نہ کرے۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر، قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو، تو محمل نہ کر قبول

مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب نے حضرت مولانا سجاد صاحب کی یہ سوانح ترتیب دے کر، وقت کے ایک اہم تقاضہ اور مطالبہ کو پورا کیا ہے اور ایسے بہت سے لوگوں کو، جو دینی قیادت کا لبادہ اوڑھ کر، نہ جانے کیا کیا کرتے رہتے ہیں، آئینہ دکھایا ہے۔ کاش! ان کو اس سے سبق حاصل ہو۔ میں اس بڑی خدمت پر مولانا کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے پیغام کو عام فرمائے اور ہمارے لوگوں کو اس سے سبق حاصل کرنے کی توفیق دے، آمین! فقط

میں مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب کا ممنون و شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے، ایسی عالی مرتبت شخصیت کے تذکرہ وسوانح پر مجھ ناچیز طالب علم کو چند سطریں لکھنے کا موقع عنایت کیا۔ **ش کریہ!** جزاک اللہ تعالیٰ!

نور الحسن راشد کاندھلوی
مفتی الٰہی بخش اکیڈمی
مولویان، کاندھلہ، ضلع شاملی [یوپی]

۳ر صفر المظفر ۱۴۴۱ھ
۳؍اکتوبر ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حروف اوّلین

مؤلف کتاب

بہار علم وحکمت کی سرزمین ہے، اس کے لفظ کی ساخت ہی میں درس ومعرفت کا مضمون شامل ہے، برصغیر کا یہ واحد صوبہ ہے جس کا نام علم وعرفان کے نام پر رکھا گیا، اور صرف نام ہی نہیں بلکہ ہر دور میں یہاں بڑی بڑی تاریخ ساز شخصیتیں بھی پیدا ہوئیں، جنہوں نے اپنے عہد پر گہرے اور دوررس اثرات ڈالے، اور جن کے نفوس قدسیہ کی خوشبو صدیوں تک مشام جان کو معطر کرتی رہی، حضرت امام محمد تاج فقیہؒ سے لے کر ملاموہن بہاریؒ، مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ، قاضی محب اللہ بہاریؒ، اور آخری دور کی شخصیات میں، علامہ نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلویؒ، حضرت شاہ بدرالدین پھلوارویؒ، علامہ ظہیرالدین شوق نیمویؒ، علامہ ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور علامہ مناظر احسن گیلانیؒ وغیرہ تک عبقری شخصیات کا ایک زریں سلسلہ ہے، جو ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا منظر پیش کرتا ہے، جن میں ایک ایک فرد علم وحکمت، شعور وآگہی اور دینی، علمی وروحانی فیض رسانی کے لحاظ سے ایک زمانہ پر بھاری نظر آتا ہے۔

حضرت علامہ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحبؒ بھی اسی خوبصورت تسلسل کا ایک حصہ ہیں، جنہوں نے اپنے افکار ونظریات اور انقلابی واقدامی خدمات سے ایک زمانے کو متاثر کیا، اور تنہا اتنے کام کئے، جو ایک جماعت کے کرنے کا تھا، جنہوں نے خدمت دین کے ہر محاذ پر اپنے نقش قدم چھوڑے، جن کے قائم کردہ خطوط آج بھی امت کے لئے قیمتی شاہراہ عمل ہیں، علمی، فکری، قومی، ملی، سیاسی کوئی میدان عمل ایسا نہیں جو اس مرد مجاہد کے ضرب کلیمی کا مرہون منت نہ ہو، آپ کے وقت اور عمل میں اتنی برکت تھی کہ آپ کے عزم وارادہ کے سامنے ماہ وسال کی گردشیں تھم جاتی تھیں، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنی مختصر سی زندگی کے تیس پینتیس سالہ عرصے میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو طویل مدت حیات پانے والے لوگوں کے لئے بھی عام طور پر ممکن نہیں

ہوتے۔۔لوگ کسی ایک تحریک کے پیچھے چل کر زندگیاں گذار دیتے ہیں اور یہاں نہ معلوم کتنی تحریکیں آپ کی فکر و کاوش کے ذخیرے سے برآمد ہوئیں اور آپ کے گرد و پیش کے ماحول نے ان کی پرورش کی، وہ تنظیموں سے نہیں تنظیمیں ان کے خم وابرو سے اپنا سمت سفر معلوم کرتی تھیں، حضرت مولانا سجادؒ جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اب شاید صدیوں میں بھی پیدا نہ ہوں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

وہ اپنے عہد کے تنہا انسان تھے جس میں ہر طرح کی کامل صلاحتیں موجود تھیں، اور جس نے بھی یہ بات کہی تھی درست کہی کہ:

''وہ ہر شخص کی قائم مقامی کرسکتے تھے لیکن ان کی قائم مقامی کوئی نہیں کرسکتا۔''[۱]

ان میں مختلف طبقات وخیالات کو جوڑنے کی بھی بے پناہ صلاحیت تھی، اور اسی صلاحیت کی بدولت انہوں نے اپنے دور کی مختلف المزاج تنظیموں اور جماعتوں کی قیادت کی، اور ہر مکتب فکر کے لوگوں کے یہاں وہ یکساں مقبول رہے ــــ ان کے یہاں عقیدہ کی پختگی، جذبہ کی سچائی، عمل کا خلوص، علم کی گہرائی، فکر ونظر کی وسعت، ذوق وشوق کی وارفتگی اور تعمیر وانقلاب کا جوش سب کچھ تھا، بلکہ ایک کامل شخص میں جن محاسن وکمالات کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام عناصر ان میں موجود تھے، انہوں نے ایک انتہائی متحرک، دیدہ ور اور بیدار مغز قائد کی زندگی گذاری اور اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ امت کے مفادات کے لئے خرچ کیا، آپ کا شمار ہندوستان کے ان چند قائدین میں ہوتا ہے، جنہوں نے سب سے زیادہ ملت اسلامیہ کو نفع پہنچایا، اور خود اپنے لئے کوئی متاع زندگی جمع نہیں کی، فرحمہ اللہ، اس شعر کے مصداق ؎

پھونک کر اپنے آشیانے کو روشنی بخش دی زمانے کو

حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت پر تذکرہ نویسی کی سرگذشت عہد بہ عہد

آج سے قریب اسّی سال قبل ۱۷ ارشوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۱۸ رنومبر ۱۹۴۰ء) کی تاریخ تھی، جب اس دور کے قائد وامام حضرت مفکر اسلام مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ نے اس عالم ناسوت کو الوادع کہا، وصال کے دس دن کے بعد ۲۸ رنومبر ۱۹۴۰ء کو جمعیۃ علماء ہند کے

۱۔ برہان دہلی نظرات مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ دسمبر ۱۹۴۰ء ص ۴۰۲، ۴۰۳

زیر اہتمام پورے ملک میں ''یوم سجادؒ'' منایا گیا، ملک کے مختلف اخبارات اور جرائد نے تعزیتی پیامات اور سوانحی مضامین شائع کئے، تمام معتبر رسالوں نے حضرت مولاناؒ کی شخصیت پر ادارتی نوٹس یا خصوصی گوشے تحریر کئے، جن میں معارف، الجمعیۃ، برہان، مدینہ، نقیب، صدق، اور الفرقان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

☆ رسالہ 'الہلال' (جو آپ کی سیاسی پارٹی 'بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی' کا ترجمان تھا) نے آپ پر خصوصی اشاعت کا پروگرام بنایا، مدیر رسالہ مولانا زکریا فاطمی ندوی اور رکن ادارت مولانا مسعود عالم ندوی وغیرہ نے اس کے لئے بڑی محنتیں کیں، اور اس کے لئے ملک کے مختلف اہل علم اور اصحاب قلم سے رابطے کئے، اور مضامین جمع کئے، لیکن الہلال کا یہ نمبر شائع نہ ہوسکا، بلکہ آپ کے وصال کے بعد یہ رسالہ ہی التواء کا شکار ہوگیا۔[1]

☆ بعد میں (ربیع الاول ۱۳۶۰ھ/اپریل ۱۹۴۱ء کو) یہ مجموعۂ مقالات 'محاسن سجادؒ کے نام سے شائع ہوا، اور غالباً تاریخی لحاظ سے یہ پہلی باقاعدہ کتاب تھی جو آپ کی سیرت وخدمات پر آپ کی وفات کے چار ماہ کے بعد شائع ہوئی، لیکن یہ ایک محض نقش اول تھا، اور حضرت مولانا سجادؒ کے محبین ومتعلقین کو امید تھی کہ آئندہ اس سے بہتر چیزیں بھی سامنے آئیں گی، جیسا کہ خود مرتب کتاب مولانا مسعود عالم ندوی نے اپنے پیش لفظ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''مولانا محمد سجاد رحمۃ اللہ کی سیرت اور خدمات سے متعلق یہ پہلی کتاب شائع ہو رہی ہے لیکن توقع کی جاتی ہے کہ یہ آخری کتاب ثابت نہیں ہوگی۔''[2]

☆ الہلال کا خصوصی نمبر تو شائع نہ ہوسکا لیکن بعض احباب نے الہلال مرحوم کی یادگار میں ایک اشاعتی ادارہ کے طور پر 'الہلال بک ایجنسی' قائم کی، جس کا مقصد حضرت مولانا سجادؒ کی سیرت وسوانح اور آپ کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت تھا، جیسا کہ مولانا مسعود عالم ندویؒ نے لکھا ہے:

''الہلال بک ایجنسی کے نام سے بعض دوستوں نے ایک دارالاشاعت کی بناڈالی ہے، اور ان کے ارادے بڑے ہیں، اللہ کرے ان کی کوششیں کامیاب ہوں، اور دنیا مولانا مرحوم کے افکار وآراء سے پوری طرح واقف ہوسکے۔''[3]

لیکن غالباً 'الہلال' کا یہ منصوبہ بھی پورا نہ ہوسکا، اور یہ ایجنسی افسانۂ ماضی بن گئی۔

۱- پیش لفظ محاسن سجاد ص 'ی' مضمون مولانا مسعود عالم ندویؒ، پیش لفظ حیات سجاد حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۳

۲- پیش لفظ محاسن سجاد ص 'ن' مضمون مولانا مسعود عالم ندوی

۳- پیش لفظ محاسن سجاد ص 'ن' مضمون مولانا مسعود عالم ندویؒ

☆ اس زمانے میں بڑی تعداد میں اہل ذوق نے منظوم کلام بھی تحریر کئے تھے، آپ کے حلقۂ تعلق میں بے شمار اصحاب فن اور شعری مذاق رکھنے والے اہل علم موجود تھے، خود آپ کے داماد علامہ رونق استھانویؒ بھی اپنے وقت کے جید عالم دین، صاحب دیوان اور استاذ شاعر تھے، لیکن اس شعری سرمایہ کا ذخیرہ بھی آج محفوظ نہیں ہے، الہلال (اور بعد میں محاسن سجاد) میں اشاعت کے لئے بھی بہت سی نظمیں موصول ہوئی تھیں جو شائع نہ ہوسکیں، مولانا مسعود عالم صاحب لکھتے ہیں:

"نظمیں تو بالکل نہ دی جاسکیں، صرف برادرم سید احمد صاحب عروج کی نظم دی جارہی ہے جو انہوں نے راقم کی فرمائش پر خاص اسی مجموعہ کے لئے لکھی تھیں۔"[۱]

☆ بعض معتبر حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ کے وصال کے بعد لوگوں کو آپ کی سیرت وسوانح کی بڑی جستجو رہی، حضرت جیسی صاحب فیض شخصیت کا اچانک اٹھ جانا لوگوں کے لئے ناقابل برداشت تھا، بقول حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ لوگوں کی تمنا تھی کہ:

''مرنے والے کی زندۂ جاوید زندگی کو سپرد قلم کیا جائے، تاکہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کی زندگی سے اسی طرح فائدہ اٹھایا جائے، جیسا کہ اس کی زندگی میں ہم فائدہ اٹھاتے تھے۔''[۲]

مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کا بیان ہے کہ:

''صورت حال یہ تھی کہ دفتر امارت شرعیہ میں ایک طرف اس طرح کے خطوط آنے لگے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت وحالات پر کوئی کتاب لکھی گئی ہو تو بھیج دی جائے اور دوسری طرف احباب کا اور مولانا کے ارادت مندوں کا تقاضا شروع ہوا کہ اس کام کو جلد سے جلد انجام دیا جائے۔''[۳]

چنانچہ انہی تقاضوں کے پیش نظر حضرت کے وصال کے صرف ایک سال کے عرصے میں کئی کتابیں منظر عام پر آگئیں، جو تاریخی ترتیب کے لحاظ سے درج ذیل ہیں:

☆ حیات سجاد، مرتبہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی حسب ارشاد حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقی ملیح آبادیؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند۔ یہ انصاری برقی پریس دہلی سے چھپی، کتابی صورت میں یہ کب شائع ہوئی یہ تو معلوم نہیں ہے، البتہ اخبار ''مدینہ بجنور'' میں اشاعت کے لحاظ سے یہ سب سے اولین تحریر ہے، اس کا حوالہ ''محاسن سجاد'' (مضمون مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ) میں دیا گیا ہے۔

☆ محاسنِ سجاد (مرتبہ حضرت مولانا مسعود عالم ندویؒ) یہ چند ممتاز اہل قلم اور اصحاب علم مشاہدین

۱- پیش لفظ محاسن سجاد ص 'ن' مضمون مولانا مسعود عالم ندوی
۲- پیش لفظ حیات سجاد حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۳
۳- پیش لفظ حیات سجاد حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۳

و متعلقین کے مضامین کا مجموعہ ہے اس پر مولانا عبدالماجد دریابادی کا پیش لفظ ہے۔

☆ حقیقت سجاد، مؤلفہ مولانا سید عروج احمد قادریؒ سجادہ نشیں آستانۂ مجھر شریف گیا بہار، یہ کتاب دراصل علامہ راغب احسن صاحب جنرل سیکریٹری مسلم لیگ کلکتہ کے مقالے کے جواب میں لکھی گئی، اور آستانۂ مجھر شریف گیا سے شائع ہوئی، اس پر علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا مقدمہ ہے۔

علامہ راغب احسن اپنے دور کے بڑے صاحب علم، دقیقہ رس مفکر، دور اندیش سیاست داں، کئی تحریکات اور تنظیموں کے بانی وقائد، اور انقلابی شخصیت کے مالک تھے، حضرت مولانا سجادؒ کے وطن ثانی گیا کے رہنے والے تھے، لیکن مولانا سے صرف ایک ملاقات گیا خلافت کانفرنس کے موقعہ پر ہوئی، اس کے بعد دوبارہ کبھی مولانا کی زیارت یا تبادلۂ خیالات کا موقعہ ان کو نہیں ملا، وہ حضرت مولاناؒ کے مداح تھے، لیکن کئی سیاسی اور ملی مسائل میں (بعض غلط فہمیوں اور غلط اطلاعات کی بنیاد پر) اختلاف بھی رکھتے تھے، جب حضرت مولاناؒ کا پہلا سوانحی مجلہ ''محاسن سجاد'' مرتب ہو رہا تھا، مولاناؒ سے ان کے خصوصی تعلق کی بنا پر ان سے بھی مضمون کا مطالبہ کیا گیا، وہ غالباً مولاناؒ پر اظہار خیال سے گریز کرنا چاہتے تھے، اور مضمون لکھنے پر آمادہ نہ تھے، لیکن مولانا مسعود عالم ندوی (مرتب) کے مسلسل اصرار پر بالآخر انہوں نے اپنے خیالات سپرد قلم کئے[1] اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، راغب صاحب کا قلم قابو میں نہ رہا، اور تازہ حادثۂ وفات کے موقعہ کی نزاکت بھی انہوں نے ملحوظ نہیں رکھی، اور مولاناؒ کے محامد کے ساتھ اپنے اختلافات کو بھی ہم رشتہ کر دیا، اور تنقید کے موقعہ پر لب ولہجہ کا اعتدال بھی برقرار نہ رہ سکا، مضمون وصول ہونے کے بعد ان سے گذارش کی گئی کہ کم از کم لب ولہجہ پر نظر ثانی کریں، لیکن وہ اس کے لئے بھی راضی نہ ہوئے، اور حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ مضمون کو من وعن شائع کرنا ضروری ہو گیا، مرتب صاحب نے اس پر اختلافی نوٹس چڑھائے، جناب شمس ہاشمی نے بھی 'سرود رفتہ (استدراک)' کے نام سے اس کا جواب رقم کیا، اور وہ شامل کتاب (محاسن سجاد) ہوا۔

لیکن کتاب جب شائع ہوئی تو کسی نے بھی اس تنقیدی مضمون کی حوصلہ افزائی نہیں کی، مولاناؒ کے حلقہ میں اس کو سخت ناپسند کیا گیا[2] اور کئی حضرات نے اس کا جواب دینے کی بھی کوشش

۱- پیش لفظ محاسن سجاد مولانا مسعود عالم ندویؒ ص ل

۲- مولانا عبدالصمد رحمانیؒ صاحب رقمطراز ہیں: ''محاسن سجاد جب اس طرح پریس سے نکلا تو پڑھنے والوں پر یہ اثر ہوا کہ مولاناؒ کے ارادتمندوں اور اپنوں کو راغب صاحب کے مضمون کی وجہ سے اس درجہ آزردگی اور تکلیف ہوئی، کہ وہ اس کا تحمل نہ کر سکے، اور محاسن سجاد کے مجموعہ سے تبری کا اظہار کیا۔'' (حیات سجاد پیش لفظ ص ۴ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ)

کی، حقیقت سجاد'' بھی اسی کی ایک کڑی ہے ، جس میں تفصیل کے ساتھ تمام حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے، اور ایک ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔

☆ خود امارت شرعیہ نے بھی اس کا ایک نسبتاً مفصل جواب 'نائب امیر اور امارت شرعیہ' کے نام سے شائع کیا، یہ جواب کس نے لکھا تھا، معلوم نہیں ہے، اور نہ اس کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب ہوسکا، اس کا ذکر حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے ''حیات سجاد'' کے پیش لفظ (حاشیہ) میں کیا ہے:

> ''راغب صاحب کے معاندانہ اعتراضات کے جواب میں ایک مختصر جواب 'حقیقت سجاد' کے نام سے عروج قادری صاحب نے دیا ہے، اور ایک مفصل جواب 'نائب امیر اور امارت شرعیہ' کے نام سے ادارہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے شائع ہوا ہے۔''[1]

☆ حیات سجاد (مرتبہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ) یہ بھی چند ممتاز اہل علم اور عینی شاہدین کے مقالات وتحریرات کا مجموعہ ہے، اور نسبتاً زیادہ مفصل اور معلوماتی ہے۔

جناب راغب احسن صاحب کے مضمون سے جو سوال و جواب کا ماحول بن گیا تھا، وہی اس کا محرک بنا کہ کوئی مثبت سوانحی کتاب سامنے آئی، اور حیات سجاد اسی تحریک کے نتیجے میں تیار ہوئی۔

مگر ظاہر ہے کہ مذکورہ کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب باقاعدہ سوانح نہیں ہے ، یا تو مقالات کے مجموعے ہیں، یا سوالات و جوابات، سوانح کی ضرورت اب بھی باقی تھی، چنانچہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی ''حیات سجاد'' ہی میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اس ضرورت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ:

> ''حضرت مولاناؒ کے محاسن کو بتلانے اور آپ کی سوانح کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے کا کام چند اوراق میں نہیں ہوسکتا، اس کے لئے اچھی خاصی کتاب لکھنے کی ضرورت ہے ، خدا کرے یہ آرزو جلد پوری ہو۔''[2]

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ حیات سجاد کی اشاعت کے بعد نہ معلوم ملک میں کیا حالات پیدا ہوئے ، امارت شرعیہ اور جمعیۃ علماء ہند کن مسائل سے دوچار ہوئی کہ آہستہ آہستہ ادھر سے توجہ ہٹتی چلی گئی، اور پھر ماحول میں ایسا سناٹا چھا گیا، کہ پورے ستاون سال یعنی نصف صدی سے بھی زائد مدت تک فضائے بسیط میں اس تعلق سے کہیں کوئی ارتعاش نظر نہیں آتا، ایک پوری نسل ختم ہوگئی، جو لوگ اس کام کو کرسکتے تھے ایک ایک کر کے سب اس دنیا سے رخصت ہوگئے، یہاں تک

١- پیش لفظ حیات سجاد حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۴ (حاشیہ)

٢- حیات سجاد ص ۲۱ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ

کہ حضرت مولاناؒ کے شاگردوں کے شاگرد بھی بوڑھے ہو گئے،، بعد کی نسلوں میں حضرت مولانا کی قدر وعظمت کا وہ احساس بھی باقی نہ رہا، جوان کو دیکھنے والے اکابر میں موجود تھا، اس لئے کہ بعد کے لوگ ان سے خاطر خواہ واقف ہی نہیں تھے، بس اکا دکا چند لوگ تھے جن کو مولاناؒ کی عظمت کا تصور اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا، وہی لوگ مولاناؒ کو جانتے تھے، یا ان کے بارے میں تفصیل سے انہوں نے پڑھ رکھا تھا۔

فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نائب امیر شریعت وقاضی القضاۃ امارت شرعیہ بھی انہی چند مغتنم شخصیتوں میں سے ایک تھے، جن کو فکر وعمل اور علم وفضل میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا عکس جمیل کہا جاتا تھا، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی وفات کے وقت ان کی عمر صرف چار سال کی تھی، لیکن آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبد الاحد صاحبؒ اور آپ کے مرشد اکبر حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ حضرت مولانا سجادؒ کے اخص ترین لوگوں میں تھے، ان کو یہ معرفت وعظمت اپنے ان بزرگوں سے حاصل ہوئی، علاوہ امارت شرعیہ سے وابستگی کے بعد برسوں ان کو مولانا کے علوم ومعارف کے مطالعہ کا موقعہ ملا تھا، اس طرح مولانا کی عقیدت ان کے دل میں پوری بصیرت کے ساتھ نقش ہو گئی تھی، اگر حضرت قاضی صاحبؒ حضرت مولاناؒ کی شخصیت پر کام کرتے تو اس دور میں ان سے بہتر کوئی شخص اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا، لیکن قاضی صاحبؒ بھی علمی، ملی اور قومی مسائل میں کچھ اس طرح گھرے رہے کہ اپنے پورے عہد شباب میں وہ اس کے لئے وقت نہ نکال سکے، اور جب انہوں نے اس کام کا ارادہ کیا تو ان کی عمر اور صحت کا آفتاب ڈھل چکا تھا، زندگی کے آخری دنوں میں جب کہ عمر عزیز کے صرف چند سال ان کے حصے میں رہ گئے تھے، آپ نے اس اہم ترین کام کی شروعات کی، اور سب سے پہلے آپ کے علوم ومعارف کے احیاء کا پروگرام بنایا، اس لئے کہ شخصیت کی عظمت کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے، علاوہ ان علوم کی اس دور میں بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ پہلے تھی، سب سے پہلے حضرت کے فتاویٰ پر قاضی صاحبؒ نے خود کام شروع کیا، اور تحقیق وتعلیق کے ساتھ اس کی ایک جلد شائع کی، پھر یکے بعد دیگرے آپ کے قضایا، مقالات، مکاتیب اور دیگر علمی چیزوں پر کام کرنے کے لئے ایک پوری ٹیم آپ نے مقرر کر دی، جس نے پوری عرق ریزی کے ساتھ حضرت مولاناؒ کے میسر علمی سرمایہ پر بہترین کام کیا، اور اس طرح ایک درجن کے قریب کتابیں منظر عام پر آ گئیں، یہ علمی دنیا پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور حضرت امیر شریعت سادس

مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کا بہت بڑا احسان ہے، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

اسی کے ساتھ ان دونوں بزرگوں نے حضرت مولانا سجاد کی شخصیت اور خدمات پر ایک عظیم الشان کل ہند سیمینار کرنے کا تاریخ ساز فیصلہ کیا، مگر اس کے لئے ضرورت تھی کہ حضرت مولاناؒ کے حالات تک اہل قلم کی رسائی ہو، ستاون سال قبل مولاناؒ کے حالات پر جو مختصر مجموعے شائع ہوئے تھے، وہ بھی قصہ ماضی بن چکے تھے، چند مخصوص لائبریریوں کے علاوہ اس کے نسخے دستیاب نہیں تھے، اسی ضرورت کے پیش نظر حضرت قاضی صاحب کے ایماء پر جناب مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ نے محاسن سجاد اور حیات سجاد سے چند منتخب مقالات (کل سولہ مقالات) کا مجموعہ مرتب فرمایا اور امارت شرعیہ نے ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں اسے بھی 'حیاتِ سجاد' کے نام سے شائع کیا، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے تحت حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی حیات و خدمات پر منعقد سیمینار (۲۰، ۲۱/ اپریل ۱۹۹۹ء) کے موقعہ پر اسی مجموعہ نے رہنما خطوط کا کام کیا، اکثر شرکاء نے اس کو بطور مأخذ کے اپنے پیش نظر رکھا، سیمینار کے اکثر شرکاء کو اصل کتاب محاسن سجاد اور حیات سجاد کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔۔ بہر حال سیمینار میں مقالے پڑھے گئے، اور پھر ان مقالات کا مجموعہ 'حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد: حیات و خدمات' کے نام سے ۲۰۰۳ء میں مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف سے شائع ہوا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستاون سال کے بعد امارت شرعیہ سے جو دو سوانحی مجموعے (حیات سجاد، اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات و خدمات) شائع ہوئے، سوانحی نقطۂ نظر سے وہ پچھلی ہی باتوں کا اعادہ تھا، اس میں شخصیت یا فکر کے تعلق سے سابقہ ذخیرے میں کوئی اضافہ نہیں تھا، بلکہ پچھلی کتابوں کے کئی اہم مضامین نظر انداز کر دیئے جانے کی بنا پر علم و تحقیق کا دائرہ سمٹ گیا تھا۔ البتہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کتابوں یا سیمینار کے ذریعہ فضا میں ایک نئی ہلچل پیدا ہوئی، نئی نسل کو حضرت مولاناؒ کی شخصیت کی طرف توجہ ہوئی، خاص طور پر امارت شرعیہ نے حضرت مولانا سجادؒ کی نایاب کتابوں کا جو سیٹ شائع کیا، وہ ایک عظیم الشان علمی کارنامہ ہے جو امارت شرعیہ کے علاوہ کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی مثال بھی ''ایک انار صد بیمار'' کی تھی، ان کو مہلت نہیں ملی، ورنہ انہوں نے جس عزم اور حوصلہ کے ساتھ ان کاموں کی شروعات کی تھی، وہ بہت آگے تک کا منصوبہ رکھتے تھے، اور حضرت مولاناؒ کے تعلق سے دہائیوں کی اس بھول کو دہرانا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے 'حضرت مولانا سجاد سیمینار'

سے خطاب کرتے ہوئے اپنے احساس کا اظہار کیا تھا کہ:

''دوستو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو ہم نے جتنا دن بھلا کے رکھا ہے، آئندہ اس گناہ کو دہرانا نہیں چاہئے، ''کل شی ءمرہون باوقاتہ'' اللہ نے جو وقت رکھا تھا، اس وقت ہم نے ان کو زندہ کیا ہے، ان شاء اللہ ہمارا مستقبل بھی انہیں باقی رکھے گا''[1]

انہوں نے اسی سیمینار میں حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت پر سوانحی کام کے عزم کا بھی اظہار کیا تھا وہ مولانا پر ایک تحقیقی مرکز بھی قائم کرنا چاہتے تھے جو مولانا کے علوم و معارف پر کام کرے وہ ہر سال ایک یادگاری خطبہ کا اہتمام بھی کرنا چاہتے تھے، جو نئی نسل کی ذہنی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرے اور تمام شرکاء سیمینار نے ان تجاویز پر مہر توثیق ثبت کی تھی۔

اس سیمینار پر قریب بیس سال کا عرصہ بیت گیا، خود حضرت قاضی صاحبؒ اس سیمینار کے بعد قریب تین سال سے زیادہ باحیات رہے، لیکن ان میں سے کسی ایک چیز کی طرف بھی پیش رفت نہ ہوسکی۔

ابھی چند سال قبل ۲۰۱۷ء میں جناب مفتی نیر اسلام قاسمی صاحب استاذ حدیث و ادب دارالعلوم امارت شرعیہ کی ایک کتاب 'تاریخ علمائے امارت شرعیہ' جلد اول منظر عام پر آئی، جو حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے، مگر یہ پوری کتاب پٹنہ سیمینار کے مقالات کا مجموعہ – حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد – حیات و خدمات، مرتبہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی کے گرد گھومتی ہے، اسی مجموعہ کے مختلف اقتباسات کو نئے انداز میں مرتب کردیا گیا ہے۔

قریب اسّی سال کی یہ پوری روئیداد یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی سیرت و سوانح کا قرض ابھی تک باقی ہے، اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں، اور علوم و افکار کے مختلف شعبوں پر تحقیق و مطالعہ کا فرض ابھی ادا نہیں ہوا ہے، جوں جوں وقت گذر رہا ہے، اور دنیا نئے حالات سے دوچار ہورہی ہے مولاناؒ کے افکار و نظریات کی معنویت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، ضرورت ہے کہ مولانا کی زندگی کو بحیثیت شخص بھی اور بحیثیت فکر بھی ایک نمونۂ عمل کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

میری اس تالیف کی سرگذشت اور خصوصیات

یہ حسن اتفاق تھا یا میری خوش بختی کہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنی صد سالہ تقریبات کی مناسبت

۱– حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد – حیات و خدمات ص ۲۷ مرتبہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، خطاب حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

سے حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ پر سیمینار کا فیصلہ کیا اور اس کی علمی ذمہ داری میرے دوش ناتواں پر ڈال دی، گوکہ آج سے قریب بیس سال قبل حضرت مولانا سجاد سیمینار پٹنہ کی مناسبت سے مجھے کچھ پڑھنے اور حاصل مطالعہ مرتب کرنے کا موقعہ ملا تھا، لیکن وہ ایک ابتدائی اور رسمی قسم کا مطالعہ تھا، اور میری حیثیت عام خریداران یوسف کی طرح محض اس فہرست میں اپنا نام درج کرانے والے سے زیادہ نہ تھی، جسے نہ حقیقت کے پانے کی امید ہو اور نہ اس کی خاطر خواہ طلب۔ لیکن جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے اس ذمہ داری کے بعد مجھے مبہم طور پر لیلائے مقصود تک رسائی کی امید قائم ہوگئی، اور دل میں شوق وطلب کی آگ بھڑک اٹھی، چنانچہ میں نے روز وشب کے اکثر اوقات اس کام کے لئے فارغ کئے اور حضرت مولانا سے متعلق ہر چھوٹی بڑی چیز جمع کرنے اور اصل ماخذ تک پہنچنے کی کوشش کی، مختلف لائبریریوں کے چکر لگائے، متعلقہ مقامات وشخصیات تک خود پہنچنے کی جدوجہد کی، اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس موقعہ پر مجھے کچھ علم نواز اور تحقیق کی خور کھنے والے دوستوں کی ایک مختصر سی ٹیم میسر ہوگئی، جس نے تقسیم کے اصول پر مختلف محاذوں پر علم وتحقیق کے اس سفر میں میرا تعاون کیا، ان میں خاص طور پر جناب مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی (بھتورا مدھوبنی)، جناب ڈاکٹر کفیل احمد ندوی (بہار شریف) اور جناب مولانا طلحہ نعمت ندوی (استھاواں، نالندہ) کا بطور خاص ذکر کروں گا، کہ ان حضرات نے متعلقہ شخصیات ومقامات کی دریافت اور مطلوبہ کاغذات ودستاویزات کے حصول میں ایک اہم کے طور پر حصہ لیا۔

خاندان سے متعلق اکثر معلومات جناب مولانا ڈاکٹر کفیل احمد ندوی نے حاصل کیں، وہ خود بہار شریف کے رہنے والے ہیں، اور حضرت مولانا سجادؒ کے خاندان سے ذاتی مراسم بھی رکھتے ہیں، اس طرح مولانا کے خاندانی حالات پر جو ایک عرصہ سے گمنامی کی گرد پڑی ہوئی تھی، ڈاکٹر صاحب کی محنت سے بڑی حد تک وہ گرد صاف ہوگئی۔

مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی صاحب سفر وحضر میں میرے رفیق رہے، کئی لائبریریوں اور اداروں سے کتابوں کی فوٹو کاپیاں حاصل کرنے میں انہوں نے معاونت کی، اور بالخصوص مدرسہ انوار العلوم گیا کے تعلق سے بڑی اہم معلومات جمع کیں۔

مولانا طلحہ نعمت ندوی صاحب نے بہار شریف اور اطراف کی شخصیات کے بارے میں بیش قیمت مواد اور حوالہ جات کی نشاندہی کی، خاص طور پر حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے داماد علامہ رونق استھانویؒ کے حالات زندگی اور آپ کے شعری سرمایہ کا بڑا حصہ انہی کے ذریعہ حاصل ہوا۔

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے رشتے کے عزیز جناب سید محمد شرف صاحب (پٹنہ) متولی صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف نے بھی اپنے قابل قدر تعاون سے نوازا۔

اس طرح اس علمی اور تحقیقی مہم جوئی کے نتیجے میں دو کتابیں منظر عام پر آئیں، جن کو جمعیۃ علماء ہند نے شائع کیا:

۱- مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ (مرتبہ مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی) یہ ان قدیم مضامین کا مجموعہ ہے جو حضرت مولانا سجاد کے وصال کے بعد علماء اور اہل قلم نے تحریر کئے تھے، اس فہرست میں ان کے تلامذہ بھی ہیں، متعلقین ومحبین بھی، اور مشاہدین وناقدین بھی، یہ مضامین مختلف مجموعوں اور کتابچوں میں بکھرے ہوئے تھے، اور بعض نایاب تھے، بڑی مشکل سے ان کو حاصل کیا گیا، اور کوئی شبہ نہیں کہ اس میں جمعیۃ علماء ہند کا بھرپور تعاون مجھے حاصل رہا، میری خواہش پر مولانا طلحہ نعمت ندوی صاحب نے بڑے سلیقہ کے ساتھ ان مضامین کو از سرنو مرتب کیا اور ان پر ضروری فٹ نوٹ لگائے، اور جمعیۃ علماء ہند کے سیمینار (۱۵/دسمبر ۲۰۱۸ء) میں اس دستاویزی مجموعہ کا اجراء عمل میں آیا۔

یقیناً یہ ایک تاریخی اور دستاویزی پیشکش ہے، جو نئی تحقیقات کا محور اور سوانحی کاموں کا معتبر مآخذ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ پرانے ہی کاموں کا تحفظ واعادہ ہے۔

۲- تذکرۂ ابوالمحاسن (مرتبہ اختر امام عادل قاسمی) یہ جمعیۃ علماء ہند کے مذکورہ سیمینار (۱۵/دسمبر ۲۰۱۸ء) میں پیش کئے گئے مقالات کا مجموعہ ہے، جس کو ۲۰۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند نے شائع کیا، ظاہر ہے کہ یہ بھی سوانحی ترتیب پر نہیں ہے، اور ہر مجموعہ کی طرح اس میں بھی مکررات موجود ہیں، البتہ اس میں پچھلے کاموں کے مقابلے میں کچھ نئی چیزیں بھی شامل ہیں، مثلاً حضرت مولانا سجادؒ کے خاندانی احوال وکوائف، آپ کا فقہی مقام ومرتبہ، تدریسی خدمات، جمعیۃ علماء ہند سے آپ کا ارتباط، آپ کے افکار ونظریات کی معنویت وغیرہ کئی نئی چیزیں ہیں، جن سے پچھلے مجموعے خالی ہیں۔

غرض مذکورہ بالا تمام مجموعوں کی اشاعت کے باوجود سوانح کا قرض ابھی امت کے ذمہ باقی تھا۔ میری زیر نظر تالیف ''حیات ابوالمحاسن'' اسی قرض کو اتارنے کی حقیر سی کوشش ہے، یہ پچھلی تمام کوششوں کا خلاصہ اور سابقہ تحقیقات کا لب لباب ہے، علاوہ اس میں وہ تمام اجزاء اور عناصر موجود ہیں جن کے بغیر سیرت کی تکمیل نہیں ہوسکتی، اس میں ان تحریکات اور اداروں کی مستند تاریخ بھی

آ گئی ہے، جن سے حضرت مولانا سجادؒ کا گہرا تعلق رہا ہے، خاص طور پر تحریک خلافت، جمعیۃ علماء بہار، جمعیۃ علماء ہند، امارت شرعیہ بہار، تحریک حزب اللہ، بہار مسلم انڈی پینڈینٹ پارٹی کی پوری مرتب تاریخ مستند حوالوں کے ساتھ اس کتاب میں آ گئی ہے، جس میں ان کے تمام بنیادی پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، خاص طور پر ان تحریکات کے ابتدائی ادوار کی تاریخ بالکل تشنہ اور نامکمل تھی، اس ضمن میں بہت سے تاریخی سوالات کے جوابات بھی آ گئے ہیں جن سے اب تک تعرض نہیں کیا گیا تھا، یا یہ کہ ان کے صحیح جوابات نہیں دیئے جا سکے تھے، کئی علمی وفقہی مباحث بھی آئے ہیں، جن کے بغیر متعلقہ مسائل کی تشریح مکمل نہیں ہو سکتی تھی، کئی پیچیدہ واقعات اور مسائل کو صحیح تاریخی پس منظر میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کئی تاریخی تضادات کو دور کیا گیا ہے، اور ان میں تطبیق یا ترجیح کی راہ نکالی گئی ہے، تاریخی اغلاط کی تصحیح بھی کی گئی ہے، نیز حضرت مولاناؒ کے علوم ومعارف اور افکار ونظریات، کمالات وخصوصیات اور امتیازات واولیات پر پہلی مرتبہ تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، خاص طور پر نظام دار القضاء، تعلیمی وسیاسی نظریات اور ملکی اور عالمی مسائل ومشکلات کے حل کے لئے آپ کے اسلامی تصورات پر اس سے پہلے کوئی بحث نہیں آئی تھی، اس کتاب میں ان تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

اس میں متعلقہ شخصیات ومقامات کے ممکنہ تعارف کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، خاص طور پر جن شخصیات کا مولانا کی تذکرہ نویسی سے تعلق رہا ہے یا کسی خاص مہم میں ان کی اہم حصہ داری رہی ہے، تقریباً ان سب کے احوال مستند کتابوں کے حوالے سے اخذ کئے گئے ہیں، البتہ بہت زیادہ معروف شخصیات (بشرطیکہ واقعات میں ان کا زیادہ ذکر نہ آیا ہو) یا نسبتاً کم وابستہ لوگ یا ضمناً زیر تذکرہ آ جانے والے حضرات کے حالات لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اس لئے کہ اس سے کتاب کا حجم غیر معمولی طور پر بڑھ جاتا — حوالہ جات میں استناد اور ثقاہت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ حتی الامکان براہ راست روایات ہی پر اعتماد کیا جائے، اور (چند مقامات کو چھوڑ کر جن کی توثیق دوسرے ذرائع سے ہوتی ہے) بالواسطہ روایات کو قبول نہ کیا جائے، مآخذ میں بھی صرف اصل مأخذ پر اعتماد کیا گیا ہے، اسی لئے حوالہ کے لئے محاسن سجاد اور حیات سجاد کے صرف ان نسخوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو خود ان کے مرتبین کی نگرانی میں شائع ہوئے تھے، بعد میں شائع ہونے والے نسخوں سے یا منقول شدہ حوالہ جات سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے — کسی روایت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا گیا، جب تک کہ وہ متصلاً (قولاً یا تحریراً) صاحب واقعہ سے ثابت نہ ہو جائے،

خواہ وہ کتنی ہی مشہور ہو، لب ولہجہ مثبت اور علمی رکھا گیا ہے، جارحانہ یا غیر علمی لب ولہجہ سے کلیتاً احتراز کیا گیا ہے، باقی کتاب خود قارئین کے سامنے ہے، خدا کرے کہ میری یہ کوشش حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات کے تعارف میں کسی لائق ثابت ہو، اور بارگاہ الٰہی میں بھی قبولیت نصیب ہو آمین۔

زیر نظر کتاب کا تعارف

یہ کتاب اٹھارہ (١٨) ابواب پر مشتمل ہے، جن کے تحت حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت اور خدمات کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے:

☆ پہلا باب حضرت مولانا سجادؒ کے عہد، وطن اور خاندان سے متعلق ہے، آپ کی ذہنی نشوونما اور فکری تعمیر میں جن کا بنیادی حصہ ہے، تاریخ کے مختلف حوالوں سے اس باب کو مزین کیا گیا ہے، خاندان کے تعلق سے 'تذکرۂ ابوالمحاسن' کے بعد یہ پہلی کتاب ہے جس میں اس قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔

☆ دوسرا باب ولادت سے تعلیم وتربیت تک کے احوال کو محیط ہے، حضرت مولانا سجادؒ کی طالب علمانہ زندگی پر پہلی بار اس کتاب میں تفصیلی گفتگو آئی ہے، قدیم کتابوں میں آپ کی زندگی کے اس حصہ سے بہت کم تعرض کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ ان مدارس کا تعارف بھی ہم رشتہ ہو گیا ہے، جہاں آپ نے تعلیم حاصل کی تھی۔

☆ تیسرے باب میں حضرت مولاناؒ کے جلیل القدر اساتذہ کا ضروری تذکرہ ہے، شاگرد اپنے استاذ کے کمالات کا آئینہ ہوتا ہے، شاگرد کی عظمت کے پیچھے استاذ کی عظمت نہاں ہوتی ہے، اس لئے استاذ کا حق بنتا ہے کہ شاگرد کے تذکرہ سے قبل اس کے استاذ کا ذکر بھی کیا جائے، اس سے شخصیت میں استناد اور اس کی عظمت میں وقار پیدا ہوتا ہے۔

قدیم تذکروں میں حضرت مولاناؒ کے صرف چند اساتذہ کا مبہم ذکر ملتا تھا، آپ کے تمام اساتذہ کا ادوار تعلیم کے لحاظ سے تفصیلی تذکرہ پہلی بار اس کتاب میں آیا ہے۔

☆ چوتھا باب نکاح، ازواج واولاد اور خانگی زندگی سے متعلق ہے، قدیم تذکروں میں یہ حصہ بھی بے حد تشنہ اور نامکمل تھا، خاندان کے لوگوں اور بعض معتبر تذکروں کے ذریعہ اس سلسلہ کی مستند معلومات حاصل کی گئیں، جن سے مولانا کی زندگی کا یہ حصہ پہلی بار روشنی میں آیا ہے۔

☆ پانچواں باب آپ کی روحانی اور خانقاہی زندگی سے متعلق ہے، اس میں آپ کے تصوف وسلوک، بیعت وارشاد، خلافت واجازت، روحانی تعلیمات وارشادات اور بعض کرامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ حصہ کسی بھی عالم ربانی کی زندگی میں بے حد اہمیت رکھتا ہے، لیکن اب تک کے کسی تذکرہ میں اس حصہ کا ذکر نہیں آیا، بعض بزرگوں نے چند سطروں میں اس کی طرف اشارات کئے ہیں، ان کی تشریح آپ اس کتاب میں پڑھیں گے، گوکہ مولانا کے سلسلۂ طریق کے بارے میں جس قدر معلومات مطلوب تھیں باوجود سعی وکوشش کے حاصل نہ ہوسکیں، اس لئے اس باب پر ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے، شاید آئندہ اللہ پاک اس کے لئے کوئی راستہ پیدا فرمائے آمین۔

☆ چھٹے باب میں آپ کے علمی مقام ومرتبہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، حضرت مولانا جامع الکمالات اور بحر العلوم تھے، لیکن آپ کی قومی، ملی اور سیاسی خدمات کو جو اہمیت دی گئی وہ اس حصہ کو حاصل نہ ہوسکی، اس باب میں حضرت مولاناؒ کی مفسرانہ، محدثانہ، فقیہانہ، متکلمانہ، فلسفیانہ، ادیبانہ اور قانونی شخصیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، جو بلاشبہ اس کتاب کی دریافت ہے۔

☆ ساتویں باب سے آپ کی خدمات اور کارناموں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس باب میں آپ کی علمی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس میں تدریسی اور قلمی دونوں طرح کی خدمات شامل ہیں، اس سے پہلے آپ کی تدریسی زندگی پر بہت کم گفتگو کی گئی تھی، اس باب میں آپ کی تدریسی زندگی کے مختلف ادوار پر مدلل گفتگو کی گئی ہے، جو اس ترتیب اور تفصیل کے ساتھ پہلی بار اس کتاب میں آئی ہے، اس ضمن میں ان مدراس کی تاریخ بھی مرتب ہوگئی ہے جہاں جہاں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، اس مضمون کا ایک حصہ تذکرۂ ابوالمحاسن میں اس سے قبل شائع ہو چکا ہے۔
قلمی خدمات کے تحت آپ کی تصنیفات اور رسائل کا بنیادی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

☆ آٹھواں باب تحریک خلافت میں حضرت مولانا سجادؒ کے بنیادی کردار سے متعلق ہے، اس میں خلافت اسلامی کے شرعی تصور اور تسلسل سے لیکر ہندوستان میں تحریک خلافت تک کی پوری تاریخ تمام علمی، فقہی، شرعی اور تاریخی مباحث کے ساتھ آ گئی ہے، شاید اتنی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ تحریک خلافت کی بحث پہلے کسی تذکرہ میں نہیں آئی، یہ بھی اس کتاب کی ایک اہم پیش رفت ہے۔

☆ نواں باب جمعیۃ علماء ہند کی تحریک وتاسیس کے لئے خاص ہے، اس میں جمعیۃ علماء کے تصور وتحریک، جمعیۃ علماء بہار کی تاریخ، جمعیۃ علماء ہند کا قیام، حضرت مولانا سجاد کا بنیادی کردار، اس

کے اصل بانی کی تحقیق و تنقیح، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات جیسے اہم ترین اور حساس مسائل پر نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، جو اس کتاب کی پہلی تاریخی و تحقیقی پیشکش ہے۔

اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی ادوار کی ایک مرتب تاریخ بھی تیار ہوگئی ہے،

جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ پر متعدد قیمتی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱- تذکرۂ جمعیۃ علماء ہند، مرتبہ حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ، بلاشبہ یہ جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی دور کی سب سے مکمل اور مستند تاریخ ہے، لیکن حکومت وقت نے اشاعت کے ساتھ ہی اس کو ضبط کرلیا تھا، پھر رفتہ رفتہ یہ نایاب ہوگئی، اب اس کا ایک نسخہ بھی شاید کہیں موجود نہ ہو، اس کے صرف بعض اقتباسات محفوظ رہ گئے ہیں، جو کئی کتابوں میں منقول ہوئے ہیں۔

۲- جمعیۃ علماء کیا ہے؟ حصہ اول و دوم، مرتبہ حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ

۳- جمعیۃ علماء ہند کا تعارف اور خدمات جمعیۃ علماء ہند (صفحات ۱۶) مرتبہ: مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۱۹۵۸ء۔

مگر ان دونوں کتابوں کا موضوع جمعیۃ علما ہند کا عمومی تعارف اور اس کی خدمات کا تذکرہ ہے، جمعیۃ کی تحریک و تاسیس کی تاریخ سے بہت کم بحث کی گئی ہے۔

۴- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ، مؤلفہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ خلف الرشید حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب، بلاشبہ یہ کتاب جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی احوال سے بحث کرتی ہے، مگر یہ ایک خاص پس منظر میں لکھی گئی تھی اس لئے تاریخی تقاضوں کی تکمیل نہیں ہوسکی کئی ضروری اجزاء تذکرہ سے رہ گئے۔

۵- مختصر تاریخ جمعیۃ علماء ہند، مؤلفہ: مولانا حامد الانصاری غازی، مدیر اخبار مدینہ بجنور، شائع کردہ: شعبۂ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ کا ٹریکٹ ۴۔ یہ سولہ صفحات کا مختصر سا رسالہ ہے جو جمعیۃ علماء ہند کے عمومی تعارف پر لکھا گیا ہے، اور مولانا حامد الانصاری غازی کے خطبۂ استقبالیہ سے ماخوذ ہے، جو انہوں نے جمعیۃ علماء ضلع بجنور کی کانفرنس (منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۹، ۱۰، ۱۱ اپریل ۱۹۴۵ء بمقام دھام پور) میں بحیثیت صدر استقبالیہ پڑھا تھا،[۱] اس میں

۱- مطبوعہ خطبہ ٹائٹل سے ماخوذ

جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی دور کے احوال کلیۃً موجود نہیں ہیں، یہ محض فکری اور دعوتی رنگ کا ایک خطاب ہے۔

۶- تاریخ جمعیۃ علماء ہند، مرتبہ مولانا اسیر ادروی صاحب، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۱۴۰۳ھ۔

یہ جمعیۃ علماء ہند کی سب سے مفصل تاریخ ہے، جلد اول، ۵۶۷ صفحات، جلد دوم ۲۷۳ صفحات (جلد دوم حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے پچیس سالہ دور صدارت کی تاریخ پر مشتمل ہے) لیکن اس میں بھی جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی ادوار کا محض سرسری تذکرہ ہے، تاریخ کے تمام پہلوؤں سے اس میں بحث نہیں کی گئی ہے، اور نہ مکمل واقعات دیئے گئے ہیں، جمعیۃ کے قیام وتاسیس کے مسئلے کو بھی محض سرسری طور پر بیان کردیا گیا ہے، مصنف کا عذر ہے کہ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۹ء تک کا رجسٹر کاروائی ریکارڈ میں نہیں ملا، اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حکومت کے خوف سے یا تو کاغذی ریکارڈ محفوظ نہیں کئے گئے یا حکومت کے چھاپوں میں وہ ضائع ہوگئے،[۱] ظاہر ہے کہ اس سے پہلے (۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۰ء تک) کے حالات بھی اس سے مختلف نہیں تھے۔ البتہ بعد کے واقعات نسبتاً تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

غرض جمعیۃ علماء ہند کے ابتدائی ادوار کی مکمل تاریخ ان میں سے کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، اس کتاب نے اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ دسویں باب میں امارت شرعیہ کی تحریک وتاسیس کی تاریخ، شرعی تصور اور تسلسل، شبہات واعتراضات کے جوابات، امارت ہند کے قیام کی مشکلات وموانع، اور امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات جلیلہ جیسے اہم عنوانات پر اعتدال اور توازن کے ساتھ علمی، تحقیقی اور تاریخی بحث کی گئی ہے، اس طرح امارت شرعیہ کی بھی ایک علمی اور تاریخی تصویر تیار ہوگئی ہے، بلاشبہ امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت پر خود بانی امارت اور امیر شریعت اول کی کتاب ''امارت شرعیہ شبہات وجوابات اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کی کتاب 'ہندوستان اور مسئلۂ امارت' اور امارت کی تاریخ اور خدمات پر مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی کتاب 'تاریخ امارت' اور حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کی کتاب 'امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب' بہترین کتابیں ہیں، اس باب میں متعلقہ ادوار تک ان تمام کتابوں کا خلاصہ آ گیا ہے، ان کے علاوہ کئی اہم مباحث ایسے بھی ہیں، جن کا مذکورہ کتابوں میں ذکر نہیں ہے، اس باب میں امارت شرعیہ کے تعلق سے اٹھائے گئے

۱- تاریخ جمعیۃ علماء ہند ص ۱۴ مرتبہ مولانا اسیر ادروی صاحب، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۱۴۰۳ھ

مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ امارت شرعیہ کی تاریخ پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ گیارہویں باب میں ہندوستان میں اسلامی نظام قضا کے نفاذ اور اس میں حضرت مولانا سجادؒ کے کلیدی کردار سے بحث کی گئی ہے، غیر مسلم ملکوں میں اسلامی نظام قضا کی شرعی حیثیت، اور تقرر قاضی کا طریقہ بھی زیر بحث آیا ہے اور شرعی پنچایت کی قانونی حیثیت بھی واضح کی گئی ہے۔

☆ بارہویں باب میں حضرت مولانا سجادؒ کی دعوتی، اصلاحی اور فلاحی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، حضرت مولاناؒ کی حیات طیبہ کا یہ حصہ بے حد اہم ہے، لیکن اب تک کے تذکروں میں اس کو وہ اہمیت حاصل نہ ہوسکی جو ہونی چاہئے۔

☆ تیرہواں باب حضرت مولانا سجادؒ کی سیاسی زندگی سے متعلق ہے، اسلامی سیاست کا حکم اور خط وخال، علماء پر سیاسی ذمہ داری، ماضی کے سیاسی علماء، بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی۔تحریک سے تاسیس اور تشکیل حکومت تک کی پوری تاریخ، دیگر سیاسی پارٹیوں سے تعلقات اور مسائل، حضرت مولانا سجادؒ کے سیاسی نظریات وامتیازات وغیرہ جیسے انتہائی حساس اور زندہ موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

شاید حضرت مولاناؒ کی سیاسی زندگی پر اتنی مفصل اور مرتب تحریر اس سے پہلے نہیں آئی تھی۔

☆ چودہواں باب حزب اللہ کے بارے میں ہے، یہ بھی تاریخ کا ایک فراموشیدہ باب ہے، حضرت مولانا سجادؒ نے بڑے منصوبہ بند طور پر اس جماعت کی بنیاد ڈالی تھی، اور اس کے اصول وضوابط وضع کئے تھے، اور اس کی بڑی افادیت تھی، یہ جماعت اگر آج موجود ہوتی تو اس کی افادیت اور بھی زیادہ ہوتی، لیکن اب یہ قصۂ ماضی بن چکا ہے، اس کی پوری تاریخ آپ کو اس باب میں ملے گی۔

☆ پندرہویں باب میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے بعض وہ افکار ونظریات بیان کئے گئے ہیں، جو موجودہ عالمی اور ملکی حالات میں آج بھی اپنی معنویت وافادیت رکھتے ہیں، آپ کے افکار ونظریات کا یہ باب اب تک تشنہ ہے، اس باب میں ان کا ایک نمونہ آپ کو ملے گا، جو اس موضوع پر آئندہ کام کرنے کے لئے دلیل راہ بن سکتا ہے۔

☆ سولہواں باب آپ کے محاسن واخلاق، اوصاف ومعمولات اور کمالات وامتیازات پر مشتمل ہے، یہ باب بھی آپ کی عظمت شان کا بہترین مظہر ہے۔

☆ سترہواں باب آپ کی اولیات سے متعلق ہے، اس میں ان خدمات جلیلہ کا تذکرہ ہے جن

میں آپ کو اپنے عہد میں اولیت وسابقیت حاصل ہوئی۔

☆ اٹھارہویں باب میں زندگی کے آخری لمحات کے احوال اور وفات کے بعد کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔

اس طرح اس کتاب کے ذریعہ حضرت مولانا سجادؒ کی زندگی کے کچھ بنیادی خطوط کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے خدا کرے کہ یہ کوشش قبول ہو اور ان کی روشنی میں آپ کی کوئی مکمل سیرت تیار کی جاسکے، **اللھم آمین۔**

کلماتِ تشکر

میں اس موقعہ پر اپنے ان تمام محسنین، معاونین اور رفقاء کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس اہم علمی تحقیقی کام میں کسی درجہ میں بھی میرا تعاون کیا، خاص طور پر حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب زید مجدہم ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کا بے حد ممنون ہوں جن کی تحریک ودعوت پر میں نے اس کام کا آغاز کیا اور اپنا ہر ممکن تعاون پیش فرمایا، اسی طرح حضرت مولانا معز الدین القاسمی ناظم ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کا بھی شکر گذار ہوں جو اس تحریک کے روح رواں رہے، اور جن کے مخلصانہ تعاون اور حوصلہ افزائی سے میرا یہ سفر بحسن وخوبی تمام ہوا۔

میں حضرت اقدس امیر شریعت مولانا سید شاہ محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کا حد درجہ ممنون ہوں کہ آپ نے انتہائی مصروفیت کے باوجود اپنے کلماتِ عالیہ سے سرفراز فرمایا، نیز ممتاز محقق حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا بھی میں شکر گذار ہوں کہ آپ نے میری درخواست پر اپنے بیش قیمت مقدمہ سے اس کتاب کی استنادیت میں اضافہ فرمایا۔

اللہ پاک ان حضرات کو اپنی شایان شان بدلہ عنایت فرمائے آمین۔

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور

۳۰؍شوال المکرم ۱۴۴۰ھ مطابق ۴؍جولائی ۲۰۱۹ء

(ا)

پہلا باب

عہد، علاقہ اور خاندان

فصل اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالمحاسن محمد سجادؒ اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، بلند پایہ مفکر، بے نظیر داعی انقلاب، اور انتہائی عظیم قومی، ملی اور سیاسی رہنما تھے، وہ علم و عمل کا مجسمہ اور فکر و انقلاب کا پیکر تھے، ان کے ذہن و دماغ کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے، ان کا علم زندہ، روحانیت مضبوط اور جذبۂ عمل طاقتور تھا، وہ نگاہ دوربیں اور ذہن رسا کے مالک تھے، ان کی شخصیت بصیرت دینی، فراست ایمانی اور تبحر علمی کی شاہکار تھی، وہ اشیاء کے حقائق اور معاملات کی تہوں تک پہنچنے والے رہنما تھے، ان کا تدبر بے نظیر اور تفکر عالمگیر تھا، وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی زندہ مثال تھے، وہ اس عہد زوال میں انسانیت کے لئے رب کائنات کا بیش قیمت عطیہ تھے، جس عہد میں وہ پیدا ہوئے اور جہاں انہوں نے شعور و آگہی کی آنکھیں کھولیں اس میں ایسے ہی زندہ دل، بلند حوصلہ، تازہ دم اور پختہ کار رہنما کی ضرورت تھی۔

تصویرِ عہد

آج سے تقریباً بیس سال قبل امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے زیر اہتمام 'مولانا سجادؒ سیمینار' (منعقدہ ۲۰، ۲۱ر اپریل ۱۹۹۹ء) کے موقعہ پر اس حقیر نے ایک مقالہ پیش کیا تھا، جو بعد میں وہاں سے شائع ہونے والے سیمیناری مجلہ کا حصہ بنا، اور اس کے اقتباسات میرے کئی مضامین میں بھی نقل ہوئے، اس موقعہ پر اپنے گذشتہ احساسات اور عہد ماضی سے رشتہ استوار کرتے ہوئے اسی مقالہ کا ایک اقتباس دہرانا پسند کرتا ہوں کہ:

> ''حضرت مولانا سجادؒ نے جس عہد میں اپنی آنکھیں کھولیں، وہ عہد انتہائی انتشار کا تھا، ہندوستان کی سرزمین پر صدیوں حکومت کرنے والی ایک تاریخی امت سیاسی منظرنامہ سے غائب ہو چکی تھی، اور ہندوستان کے سیاسی افق پر ایک نئی قوم کا سورج طلوع ہو چکا تھا، صدیوں سے قائم ایک شاندار تہذیبی، سیاسی، اور اقتصادی نظام کا شیرازہ بکھر چکا تھا، اور ایک نیا اخلاقی، تہذیبی، سیاسی، اور معاشی نظام اس کی جگہ لے رہا تھا، ایک بساط الٹ چکی تھی، اور نئی بساط پر

سنئے مہرے جمائے جارہے تھے، پرانے تمام اقدار مسخ کئے جارہے تھے، اور سنئے مصنوعی اقدار کو جگہ دی جارہی تھی، جس قوم نے سرزمین ہند کی سب سے شاندار تاریخ بنائی تھی، اب وہ خود تاریخ کا حصہ بنتی جارہی تھی، اور جس امت نے اپنی قابل فخر فیاضانہ روایت کے مطابق دنیا کو صرف دینا اور نوازنا سیکھا تھا، آج وہ خود سنئے حکمرانوں کے حضور سوالیوں اور حقوق ونوازشات کے امیدواروں کی صفوں میں کھڑی تھی۔

غور کیجئے! کتنا المناک اور اذیت ناک دور تھا وہ، (اور آج بھی اس سے مختلف نہیں ہے) علامہ حالیؒ بھی تڑپ اٹھے تھے، اور درد سے ابل پڑے تھے:

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر وکسریٰ
وہ آج خود مہمان سرائے فقراء ہے

اور اپنا غم اپنے آقاؐ کے حضور بھی پیش کیا تھا:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اقبالؒ بھی خون کے آنسو روئے تھے:

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

آج اس کربناک دور کا تصور بھی ہمارے رونگٹے کھڑے کردینے کے لئے کافی ہے، حضرت مولانا سجادؒ خلاق فطرت کی جانب سے حساس اور فکرمند دل ودماغ لے کر آئے تھے اور وہ خود بھی اس منظرنامہ کے عینی شاہد تھے۔۔انہوں نے ایک خوشحال اور زمیندار گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں اور نیا عہد زمیندارانہ نظام پر خط تنسیخ کھینچ رہا تھا۔"[1]

[1] حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ حیات وخدمات، ص ۴۳۰، ۴۳۱ (مجموعۂ مقالات) بعنوان 'حضرت مولانا محمد سجادؒ ایک نئے عہد کے بانی' مضمون: اختر امام عادل قاسمی، ناشر: مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۲۰۰۳ء۔

فصل دوم

تصویر وطن

راج گیر کا علاقہ

راج گیر کا یہ علاقہ پہاڑیوں سے گھرا ہوا اور تاریخی مآثر سے لبریز ہے، ایک زمانہ میں یہاں خطرناک جنگلات تھے، ہر مذہب کے لوگ یہاں ریاضت کے لئے آتے تھے، گوتم بدھ نے بھی برسوں یہاں بیٹھ کر گیان کی تلاش کی تھی، لیکن یہاں پر عہد قدیم سے آبادی کا سراغ ملتا ہے، ''رامائن اور مہابھارت کے بیان کے مطابق انتہائی قدیم زمانے میں بھی یہاں صرف آبادی ہی نہ تھی، بلکہ ایک ذی اقتدار راجا کی باقاعدہ حکومت موجود تھی۔ راج گیر میں بن گنگا نالے کے متصل جو قدیم قلعے کی سنگین فصیل کے آثار پائے جاتے ہیں ڈاکٹر رس ڈیوڈس کی تحقیق میں سارے ہندوستان میں یہی قدیم ترین سنگین دیوار ہے جس کا وجود اب تک باقی ہے۔[1]

مگدھ سلطنت کا پایۂ تخت

تاریخی مگدھ سلطنت کا پایۂ تخت یہیں تھا عصر حاضر کے ممتاز مؤرخ اور عالم دین مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر ہنٹر گزیٹر میں لکھتا ہے: راجگیر کے پہاڑ دوقلہ متوازی الخط کی صورت میں جنوبی وغربی سمت کو چلے گئے ہیں، جن کے درمیان ایک تنگ وادی ہے، جس کو جگہ جگہ نالے اور دَرّے قطع کرتے ہیں، یہ پہاڑ جو کسی جگہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہیں، عظیم الشان چٹانوں سے مرکب اور گھنی جھاڑیوں سے مزین ہیں، اور ایک خاص قدیمی دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ ان پر اکثر مذہب بودھ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں——
>
> جنرل کنگھم کہتے ہیں کہ: چینی سیاح ہیوین سیانگ (Hiven Tsiang) نے جو کپوٹیکا (Kapotica) پہاڑی کا ذکر کیا ہے، وہ یہی ہے، گرم جھرنے یہاں بہت ہیں——

۱- تاریخ مگدھ (مقدمہ) ص۱ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء

ڈاکٹر بچنن ہملٹن کہتے ہیں کہ: یہ راجگیر وہی راجگر یہا ہے جو بودھ گوتما کا مسکن تھا۔ اور قدیم مگدھ کا پایہ تخت تھا، نیا راجگیر دو ثلث مربع میل پر پرانے شہر سے واقع ہے۔"[1]

راجگیر کی پہاڑیاں

راجگیر مگدھ دیش میں ایک بہت پرانا شہر ہے، اسی کا نام مہا بھارت میں گری براج پور لکھا ہے، گری براج پور کے لفظی معنیٰ پہاڑوں سے گھرے ہوئے شہر کے ہیں اور اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یہ نام بہت مناسب ہے، یہ پہاڑیاں شہر گیا سے ۳۶ میل تک ایک دوسرے کے آمنے سامنے دریائے پنچانا تک چلی جاتی ہیں، اور گریک گاؤں کے آگے تک گئی ہیں، راجگیر مہاتم میں (جو وایو پران سے بنایا گیا ہے) پانچ پہاڑوں کے نام اس طرح لکھے ہیں:

۱- بیوہار، ۲- اپیل، ۳- رتن کوٹ، ۴- گری برج، ۵- رتنا چل۔

اور پالی کی کتابوں میں انہیں کے نام گجی کوٹ اسیگلئ، بیوہارو، ہیپلو اور پانڈ ہیں، اور اب ان کے نام بیوہار گر، ہیپل گر، رتنا گری اودیا گر اور سونا گر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام قریب قریب وہی ہیں جو مہا بھارت میں لکھے ہیں، مہا بھارت میں گری براج پور کو ایک شہر لکھا ہے، اور راجگیر ہی کو مہاتم میں ایک پہاڑی لکھا ہے۔

راجگیر کا ایک معنی راج گرہ بھی ہے، جس کے معنیٰ ہیں "راجاؤں کا گھر" راج گیر مگدھ راج کا دار السلطنت رہا ہے، راجہ پرادیت جو سونک کے خاندان کا تھا مگدھ کا بادشاہ ہوا، ویشنو پران کے مطابق سونک خاندان کے پانچ بادشاہوں نے ایک سو اڑتیس سال تک مگدھ میں حکومت کی۔[2]

بدیپہ خاندان کی حکومت اور بدھ مذہب کا آغاز

سونک کے بعد بدیپہ خاندان کی حکومت آئی جس کا پہلا راجہ 'شیسو ناگ' تھا، جس کی حکومت اضلاع پٹنہ و گیا تک تھی اور اس کا دار الحکومت راجگیر تھا، مگدھ میں اس خاندان کی حکومت تین سو باسٹھ سال رہی ہے، شیس ناگ سے خاندان کا چوتھا بادشاہ بھائیا ہوا، اسی کے زمانہ میں کپل بستو میں ۵۵۸ برس ق م ساکیہ راجا کی نسل میں سالیہ سنگھ (جس کا نام بعد میں گوتم بدھ ہو گیا)

۱- تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳ ص ۱۹۷، ۱۹۸ حاشیہ مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی، بحوالہ سیرت الشرف باختصار ص ۶۵ و ۶۷

۲- ماڈرن ریویو کلکتہ کے حوالہ سے ایک قدیم کتاب "جین دھرم کے مقدس مقامات" مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ سے ماخوذ

پیدا ہوا، [۱] اور اس کے پانچ سال بعد راجگیر کے محل میں بھائیا کے ایک لڑکا بھیم بسار (سرنیکا) پیدا ہوا، جو شیس ناگ خاندان کا پانچواں حکمراں ہوا، جس نے اس خاندان میں سب سے زیادہ شہرت پائی، اس نے مگدھ کی حکومت کو وسعت دے کر انگا (ضلع بھاگلپور اور غالباً مونگیر) تک بڑھالیا، اور راجگیر کے پرانے قلعے کے باہر شمالی جانب ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام سگر پور یعنی کوس گھانس والا شہر تھا، راجہ بھیم بسار نے یہاں انچاس سال تک حکومت کی، اسی کے دور حکومت میں گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی، اور راجہ بھیم بسار بھی ان کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہوا، اس طرح یہ شہر مہاتما بودھ کا روحانی مرکز بن گیا۔ [۲]

جین مذہب کا آغاز

جین مذہب کا آغاز بھی راجگیر میں بھیم بسار کے زمانہ ہی سے ہوا، مہابیر وردھان سوامی [۳] ایک زمانہ تک بپپل گری میں رہے۔ [۴]

راجگیر کے کئی نام ملتے ہیں، مثلاً: واسومتی، بریہدلاتھ پورا، گریورا جا، کساگراپورا، اور راجگیر۔

راجگیر چاروں طرف فصیل شہر سے گھرا ہوا تھا، جس کی دیواریں پانچ میٹر موٹی اور تین تا پانچ میٹر بلند تھیں، جس پر جابجا پہرے دار مقرر ہوتے تھے، اندرون شہر کی دیوار دوسری فصیل کا کام

۱- گوتم بدھ کے باپ کی حکومت کپیل وستھو (ضلع بتیا کے مضافات) میں تھی، گوتم بدھ نے حکومت اور تمام علائق دنیا ترک کر کے حقانیت کی جستجو کا سفر شروع کیا، اس کے لئے ایک عرصہ تک راجگیر کے پہاڑوں پر فقیرانہ زندگی بسر کی، اور الرا اور راؤ کا نامی دو برہمنوں کی شاگردی اختیار کی، لیکن ان کی تعلیم سے تشفی نہ ہوئی، تو بودھ گیا کی طرف چلے گئے، اور ایک مدت تک مگدھ کے جنگلوں میں رہنے کے بعد گیا میں ایک درخت کے نیچے ان کو حقانیت کی روشنی ملی، اس کے بعد انہوں نے پھر راج گیر کی طرف مراجعت کی اور گردھا کوٹا یعنی گدھ والے پہاڑ کی چوٹی اور بانس کے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر کرنے لگے، اور یہیں سے اپنے وعظ و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، بہت سے لوگ اس نئے مذہب کے معتقد ہوئے، یہاں تک کہ وہاں کا راجہ بھیم بسار اور پھر اس کے بیٹے اجوت سترو نے بھی اسی دھرم کو قبول کرلیا، بودھ مذہب کی مقدس کتاب کا نام ''تری پتاکا'' ہے جس کے معنیٰ تین سبدیاں ٹوکریوں کے ہیں (تاریخ مگدھ ص ۱۶ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء)

۲- تاریخ مگدھ ص ۱۳، ۱۵، ۲۳ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء

۳- جین مذہب کے بانی مہابیر وردھان گوتم بدھ کے ہم عصر تھے، ابتدا میں انہوں نے پارس ناتھ نامی ایک مذہبی پیشوا کے اصول کی پیروی کی، لیکن اس کو ناقابل تقلید سمجھ کر خود ایک مذہب ایجاد کیا، اور اس کی اشاعت و تلقین شروع کی، مہابیر جی کی ماں مگدھ اور چمپا (بھاگلپور) کے راجا سے قرابت رکھتی تھی، اس سبب سے ان کو اپنے دھرم کی اشاعت میں خاطر خواہ مدد ملی، تیس (۳۰) سال اسی مگدھ میں گزار کر مہابیر جی نے ۵۲۷ قبل مسیح میں مقام اپاپ پوری (جس کے معنیٰ بے گناہی کی جگہ کے ہیں) اور اب پاواپوری کے نام سے مشہور ہے، قصبۂ بہار سے چند کوس پر گریک سے تین میل شمال میں سڑک کے پورب جانب واقع ہے، انتقال کیا (تاریخ مگدھ ص ۱۷ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء)

۴- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۵، ۲۶ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء

کرتی تھی، جو سات کلو میٹر پر محیط تھی۔ [۱]

آج بھی راجگیر کی تاریخی اہمیت اور جغرافیائی قدرتی مناظر کی سحر کاری کی بڑی قدر و قیمت ہے، یہ حسین و شاداب پہاڑوں کے درمیان آباد ہے، جس کا منظر کافی دلکش و دلفریب ہے، خصوصاً موسم سرما میں راجگیر ملکی اور غیر ملکی سیاحوں سے بھرا رہتا ہے، گرم پانی کے چشمے، پہاڑیاں اور معتدل موسم اس قصبہ کا خاص امتیاز ہے، یہاں گرم جھرنوں کی ایک کثیر تعداد ہے، جن میں مخدوم کنڈ کا گرم پانی صحت و شفا کے لئے مشہور ہے۔

راجگیر میں اسلامی آثار

یہ شہر مسلمانوں کی توجہات کا بھی مرکز رہا ہے۔

☆ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدینؒ نے اس کے جنگلوں میں سالہا سال تک چلہ کشی کی ہے، جیسا کہ ان کے تذکروں میں معروف ہے۔

☆ اسی طرح حضرت مظفر بلخیؒ (متوفی ۳؍رمضان ۷۸۸ھ مطابق ۶؍اکتوبر ۱۳۸۶ء) خلیفہ حضرت مخدوم الملکؒ اور حضرت شاہ شعیبؒ جیسے بزرگوں نے بھی یہاں ریاضتیں کی ہیں۔

☆ یہاں سلسلۂ شطاریہ کی ایک خانقاہ بھی قائم تھی۔ اس سلسلہ کے بانی شیخ بایزید طیفور بسطامی (۱۳۶ھ-۲۳۱ھ/ ۷۵۳ء-۸۴۵ء) ہیں، لیکن ہندوپاک میں اس سلسلہ کا رواج شاہ عبداللہ شطاریؒ (متوفی ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء) کے ذریعہ ہوا جو ایران سے آئے تھے، اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد میں تھے، لیکن طریقۂ عشقیہ (شطاریہ) میں شیخ محمد عارف سے اجازت و خلافت حاصل تھی، آپ کے دو خلفاء: شیخ محمد اعلیٰ معروف بہ شیخ قاضن بنگالی اور شیخ حافظ جونپوریؒ کے ذریعہ اس سلسلہ کو بڑا فروغ ملا، ان میں شیخ قاضن بنگالی کو زیادہ شہرت ملی، ان کے فرزند و جانشیں شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست (م ۹۴۶ھ/ ۱۵۷۸ء) اور پھر ان کے بعد ان کے خلیفہ شیخ ظہور حمیدالدین حضور (۹۳۰ھ/ ۱۵۲۴ء) کی روحانی سرگرمیوں کا مرکز یہ بہار شریف اور اس کے اطراف کا یہی علاقہ بتایا جاتا ہے۔ [۲]

☆ مغل عہد حکومت میں یہ سرکار بہار (بہار شریف) کا ایک پرگنہ تھا، ابوالفضل نے آئین اکبری میں سرکار بہار کے ایک پرگنہ کی حیثیت سے راجگرہ کا ذکر کیا ہے، یہ پہلے سے اسی نام سے پکارا جاتا تھا، مسلم عہد حکومت میں یہاں ممتاز خانوادے آباد تھے، لیکن اب چند گھر رہ گئے ہیں، نیز قدیم آثار

۱- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۶، ۲۷ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء

۲- تذکرۂ علماء و مشائخ پاکستان و ہند ج ا ص ۶۱۱ مؤلفہ محمد اقبال مجددی، مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور، ۲۰۱۳ء۔

بھی بہت ہیں۔

'نالندہ' علم ومعرفت کی سرزمین

آپ کے وطن پنہسہ سے صرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر تاریخی شہر 'نالندہ' ہے، یہ بودھ مذہب کی تعلیم اور نشر واشاعت کا اہم مرکز رہا ہے، گوتم بدھ کے سب سے عزیز اور مشہور شاگرد ساری پترا کی پیدائش اسی مقام پر ہوئی تھی، جین مذہب کے بھی کافی آثار یہاں نظر آتے ہیں، اور یہ ہندو مذہب کے لئے بھی اہم علاقہ ہے، اس طرح نالندہ جین، بودھ اور ہندو تینوں مذاہب کا ایک حسین سنگم اور مثلث ہے، نالندہ کے کئی نام پالی زبان کی کتابوں میں ملتے ہیں، مثلاً نالہ، نالکا، نالکا گرام، نالند یا نالندہ۔

نالندہ کی وجہ تسمیہ

'نالندہ' سنسکرت زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں 'کنول کا پھول' کیونکہ یہاں تالابوں کی بڑی کثرت تھی، اور واقعتاً یہ قدیم زمانہ سے علم ومعرفت کی سرزمین رہی ہے، اور یہاں علم کے پھول کھلتے رہے ہیں۔[1]

☆ یوان چوانگ نے اس کی ایک دوسری وجہ تسمیہ بتائی ہے وہ یہ کہ اس مقام کے جنوب میں آم کے درختوں کے جنگل کے درمیان ایک تالاب تھا، اور اس میں ایک اژدھا رہتا تھا جس کو نالندہ کہتے تھے، اسی کے نام پر اس جگہ کا نام نالندہ پڑ گیا۔[2]

☆ ایک تیسری تحقیق یہ ہے کہ نالندہ اصل میں ''نالم دا'' سے تراشیدہ ہے، جس کے معنیٰ ہیں ''دینے کی انتہا نہیں'' یعنی نالندہ فلاح عامہ کی جگہ تھی،[3] چنانچہ واقعتاً اس شہر نے انسانیت کو فیض پہنچانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا، اس کی شہرت واہمیت گپت عہد ۱۳۴ قبل مسیح سے جاری ہے، ہندوستان کے علمی، فکری، روحانی، ثقافتی اور تمدنی عروج کی ابتدا اسی سرزمین سے ہوئی۔[4]

دنیا کی عظیم ترین یونیورسیٹی—نالندہ یونیورسیٹی

اسی شہر میں چندر گپت وکرمادت کے لڑکے راجہ کمار گپت اول مہندرادت نے (پاٹلی

۱- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۵، ۲۶ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء

۲- تاریخ مگدھ ص ۶۶ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء

۳- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۵، ۲۶ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء

۴- حیات محی الملۃ والدین پر حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا مقدمہ ص ۱۳ شائع کردہ دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

پترا کی راج گدی پر مسند نشیں ہونے کے بعد) پانچویں صدی عیسوی میں عالمی شہرت یافتہ قدیم ترین (دارالعلوم) یونیورسیٹی کی تعمیر کی تھی جس کے کھنڈرات آج بھی دنیا بھر سے آنے والے زائرین اور ماہرین تاریخ کو محو حیرت کرنے کے لئے کافی ہیں، یہاں دنیا کے مختلف ملکوں (مثلاً: چین، کوریا، جاپان، برما، تبت وغیرہ) کے قریب آٹھ ہزار پانچ سو (۸۵۰۰) طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے، اساتذہ کی تعداد ایک ہزار پانچ سو دس تھی، یہاں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان گہرے دوستانہ ماحول کی فضا قائم تھی، یہ دنیا کی عظیم ترین یونیورسیٹی تھی۔[۱]

چینی سیاح ہیون سیانگ جو یونیورسیٹی کے قیام سے سات سو سال بعد وہاں پہنچا تھا اور مسلسل دس سال تک مقیم رہا تھا، اس نے اپنے سفر نامہ میں اس یونیورسیٹی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

''نالندہ یونیورسیٹی میں (میرے وقت میں) چھ منگوار تھے، جن میں ایک گر گیا تھا، اور پانچ باقی تھے، ان میں سے ایک مگدھ کے راجا شنکر ادت (مہندر کمار گپت) کا بنوایا ہوا تھا، اس کے بیچ ایک ویہار بھی بنا ہوا ہے، وہ ویہار اب تک موجود ہے، یہاں چالیس سنتوں کو ہمیشہ کھانا ملتا ہے، شنکر اوت کے دربار میں ایک نجومی تھا جس نے کہا تھا کہ یہ جگہ سب سے بہتر ہے یہاں پر بنا سنگھ رام پوری دنیا میں مشہور ہوگا، اور یہ ایک زمانے تک تعلیم کا گہوارہ رہے گا، شنکر ادت کے بعد اس کا بیٹا بدھ گپت گدی پر بیٹھا، اس نے بھی اپنے باپ کے بنوائے سنگھ رام کے دکھن میں دوسرا سنگھ رام بنوایا، اس کے بعد جتنے راجا ہوئے سب نے ایک ایک سنگھ رام بنوایا، اس طرح یہاں پر کل چھ سنگھ رام بنوائے گئے، ان سب سنگھ راموں کے بیچ میں اسکول تھا، اس کے کنارے کنارے کی دیواروں سے متصل آٹھ بڑے درجات بھی تھے، رصدگاہ اتنے اونچے تھے کہ نظر کام نہیں کرتی تھی، اس کے اوپر کا سرا ایسا لگتا تھا، کہ بادل کو چھو رہا ہے، ان کے اوپر ایسے ایسے آلات نصب تھے کہ لگتا تھا کہ ہوا اور پانی آرہا ہو، ان سے سورج چاند کے گہن کا معائنہ کیا جاتا تھا، ویہار سے الگ ایک بورڈنگ ہاؤس تھا، جو چار تلے کا تھا، اس میں موتی کی طرح سفید رنگ والے کھمبوں کی لائٹیں تھیں، جو اوپر جڑی تھیں اور چھجوں کی لڑیوں کے سرے پر طرح طرح کے جانوروں کے سر بنے ہوئے تھے، یہاں دور دور سے لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے، صرف ہین یان اور مہایان کا ہی علم نہیں سکھایا جاتا تھا، بلکہ دید درشن وغیرہ کے علوم بھی سکھائے جاتے تھے، وہاں تقریباً پندرہ سو اساتذہ تھے، جن میں سے ایک ہزار اساتذہ تیس کتابوں کا علم سکھلاتے تھے، ان میں پانچ سو اساتذہ چوبیس کتابوں کے استاذ تھے، ان سب کے صدر شیل

---

۱ – اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۳۳، ۳۴ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء ☆☆ علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۴۵ مصنفہ ڈاکٹر مہر النساء بحوالہ انشنٹ جیوگرافی آف انڈیا، رپورٹ آرکیالوجیکل سروے آف ایسٹرن، سرکل بابت ۱۹۰۱ء، ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۶ء، و ۱۹۱۹ء وغیرہ۔

بھدر تھے، یہاں کے طالب علم بڑے سنجیدہ ہوتے تھے، سات سو سالوں سے جب سے یہ اسکول بنا ہے کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کسی طالب علم نے یہاں ڈسپلن شکنی کی ہو، اس یونیورسیٹی میں بڑے بڑے عالم استاد رہ چکے ہیں، دھرم پال، چندر پال، پربھا ترا، شیل بھدر وغیرہ مشہور ہیں۔"[1]

کسی تعلیمی اور تحقیقی ادارہ کا صدیوں تک اپنی روایات پر برقرار رہنا بجائے خود سخت حیرت انگیز ہے، چینی سیاح "اتسنگ" (جس نے اسی یونیورسیٹی میں تعلیم حاصل کی تھی) کا بیان ہے کہ:

"نالندہ کے دھرم گنج کے حصہ میں تین بڑی بڑی اونچی عمارتوں کی لائبریری تھی، ان کے نام "رتنا ساگر، رتن نودھی، رجک تھے، ان میں رتن نودھی نوکھنڈوں میں تھا، سبھی کھنڈ میں لاتعداد گرنتھ رتن بھرے تھے۔"[2]

اس یونیورسیٹی کی بڑی خوبی یہ تھی کہ یہاں تہذیبی قدروں کا بڑا لحاظ رکھا جاتا تھا، وقت کی پابندی اور ایک دوسرے کا احترام مثالی تھا۔

سنگھ رام میں ہر شخص کے رہنے کے لئے الگ الگ کمرہ کا انتظام تھا، پتھر کی نقاشی قابل دید تھی، عام اجلاس کے لئے ایک الگ سے ہال تھا جس میں دو ہزار افراد تک بیٹھنے کی گنجائش تھی، علاج ومعالجہ کے لئے ایک اسپتال بھی تھا اور دواخانہ بھی جس میں مفت علاج میسر تھا، ہر شخص کو روزانہ ایک سو بیس جمبیر، بیس سپاری، آدھا چھٹانک کپور اور ساڑھے تین چھٹانک باریک باسمتی اروا چاول ملتا تھا، علاوہ اسی حساب سے تیل اور مکھن بھی۔[3]

اس یونیورسیٹی کا زوال مگدھ کے تہذیبی اور سیاسی زوال سے شروع ہوا، بتایا جاتا ہے کہ ۶۰۰ء کے قریب کارن سوار (بنگالہ) کے بت شکن برہمن راجا نے مگدھ پر چڑھائی کر کے بودھ دھرم کی مورتیوں اور عمارتوں کو توڑ کر خاک میں ملا دیا تھا، اور اس کے متبعین کا سارا نظام درہم برہم کر ڈالا تھا، پھر محمد بن بختیار خلجی کے بعد اس کی طرف اور بھی لوگوں کی توجہ کم ہوتی چلی گئی۔[4]

اس کے علاوہ اور بھی کئی بڑی یونیورسیٹیاں یہاں موجود تھیں، مثلاً: اوتنت یونیورسیٹی، وکرم شیلا یونیورسیٹی، اور تک شیلا یونیورسیٹی وغیرہ۔

چینی سیاح ہیون سیانگ کے مطابق اس وقت نالندہ میں تین ہزار سادھو رہتے تھے، جس

۱- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۳۳، ۳۴ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء، بحوالہ مجلہ مدرسہ منیر الاسلام سوہ ڈیہہ، بہار شریف ص ۷۱، ۷۲

۲- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۳۴ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۰ء

۳- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۳۴ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء

۴- تاریخ مگدھ ص ۶۹، ۷۰ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء

کے اخراجات کے لئے دوسو گاؤں کی آمدنی وقف تھی۔ [۱]

سنسکرت ادبیات کا نشوونما اور چانکیہ کی آئینی وقانونی دستور کی تدوین بھی اسی علاقے میں ہوئی۔ [۲]

پال خاندان کی حکومت

آٹھویں صدی سے بارہویں صدی تک یہاں پال حکمرانوں کی حکومت رہی ہے، ان میں زیادہ تر کا تعلق بودھ مذہب سے تھا، نویں صدی عیسوی میں پال خاندان کے حکمرانوں میں دیوپالی، گوپال دوام اور مہی پال اول کی انفرادی قدروعظمت مسلم ہے کیونکہ ان حکمرانوں نے نالندہ کو کافی فروغ دیا، نالندہ کی شہرت ومقبولیت نے ساترا اور جاوا کے حکمرانوں کو بھی متوجہ کیا۔ پال خاندان کے دور میں بکثرت سیاح یہاں آیا کرتے تھے، تانترک بدھ کے بہت سے بت اور مجسمے راجگیر میں انہی بادشاہوں کے بنوائے ہوئے ہیں جن میں کچھ اب تک ویبوہار پہاڑی پر موجود ہیں۔ [۳]

نالندہ اسلامی دور میں — علم وحکمت کا مرکز

ہندوستان کے اسلامی دور میں بھی قطب الدین ایبک سے لے کر سلطان شمس الدین التمش تک پھر اس کے بعد شاہ عالم نابینا کے زمانہ تک نالندہ علم وحکمت کا مرکز بنا رہا۔ [۴]

☆ نالندہ سے قریب ہی 'کڑا' گاؤں (راجگیر کے راستہ میں بہار شریف سے پندرہ کلومیٹر کی دوری پر، آج کل حیدر گنج کڑا کے نام سے مشہور ہے) میں حضرت مولانا قاضی محب اللہ بہاریؒ جیسی عظیم علمی شخصیت پیدا ہوئی، جن کی کتابوں نے تقریباً تین صدیوں تک ہندوستان پر علمی حکمرانی کی، اور بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

> ''یہ کتابیں پوری ایک صدی تک اودھ کے مشہور علمی خاندان فرنگی محل کی ذہنی تگ ودو کا میدان رہی ہیں۔'' [۵]

جن کی کتابوں کی شرح بلکہ شرحوں کی شرحیں لکھ کر بہت سے علماء زندۂ جاوید بن گئے، اس دور میں کسی بڑے سے بڑے صاحب علم کو عالمیت کی سند نہیں مل سکتی تھی جب تک کہ وہ ان کی

۱- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۴۳ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء

۲- حیات محی الملۃ والدین پر حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا مقدمہ ص ۱۳ شائع کردہ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

۳- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۵، ۲۶ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء۔ ☆ نیز کچھ چیزیں ماڈرن ریویو کلکتہ کے حوالہ سے ایک قدیم کتاب ''جین دھرم کے مقدس مقامات'' مطبوعہ خدابخش لائبریری پٹنہ سے بھی ماخوذ ہیں۔

۴- حیات محی الملۃ والدین پر حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا مقدمہ ص ۱۳ شائع کردہ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

۵- نقوش سلیمانی ص ۴۰۳ علامہ سید سلیمان ندویؒ، ناشر: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء۔

کتابوں میں کمال حاصل نہ کرلیتا۔ اپنے وقت میں اور آپ کے بعد بھی ہندوستان کی علمی تاریخ میں آپ کا کوئی مثیل نہیں ملتا۔ [1]

سیرت طیبہ پر دو بے نظیر کتابیں اسی علاقہ میں لکھی گئیں:

☆ سیرۃ النبی مرتبہ: علامہ سید سلیمان ندویؒ

☆ النبی الخاتم مرتبہ: علامہ مناظر احسن گیلانیؒ

نالندہ کی مردم خیز بستیاں

نالندہ کے چہار جانب بہت ساری مسلم بستیاں تھیں اور اکثر آج بھی موجود ہیں جہاں سے ایک زمانہ تک ساری دنیا میں علم کی شعائیں پھیلی ہیں، مثلاً بہار شریف کے علاوہ پنہسہ، کہٹہ،

۱- قاضی محب اللہ عثانی صدیقی صوبۂ بہار کے ملک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، والد کا نام عبدالشکور تھا، ولادت ضلع نالندہ کے کڑا گاؤں میں غالباً ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء میں ہوئی (مجلہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی، ڈاکٹر محمد طاہر ملک مرحوم، شمارہ ۲۰۰۱ء ص ۱۳۱ ☆ تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۲۲۲ مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی) آپ کے آباء و اجداد باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے، آپ نے درسیات کی تعلیم علامہ قطب الدین شہید سہالویؒ (۱۰۴۰ھ ۱۱۰۳ھ/۱۶۳۱ء-۱۶۹۲ء) اور بعد ازاں علامہ قطب الدین شمس آبادیؒ (۱۰۵۱ھ-۱۱۲۱ھ/۱۶۴۱ء ۱۷۰۹ء) سے حاصل کی، (نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی لکھنویؒ ص ۲۵۰، دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء) فراغت کے بعد واپس وطن تشریف لائے، اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، وطن میں ان کا قائم کردہ مدرسہ تین پشتوں تک جاری رہا، (مقالات شبلی ج ۳ ص ۹۸) پھر دکن تشریف لے گئے، اس زمانے (۱۰۹۲ء تا ۱۱۱۹ء) میں اورنگزیب دکن کے مقامی حکمرانوں سے معرکہ آرائی میں مصروف تھے، اورنگزیب نے مولانا محب اللہ بہاریؒ کی علمی لیاقت اور خصوصاً فقہ کی مہارت سے متاثر ہوکر انہیں لکھنؤ کا قاضی مقرر کیا، جہاں ان کے ہم درس مولانا عبداللہ بنارسی (م ۱۱۳۳ھ) اہم عہدۂ صدارت پر فائز تھے، ان سے علمی مباحثوں کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کی عبقری صلاحیت نے آپ کو محسود الاقران بنادیا، اور آخر لکھنؤ کا عہدۂ قضا چھوڑنا پڑا۔ لیکن عالمگیر آپ سے متاثر تھے، اس لئے انہوں نے اس کے بعد ۱۰۹۷ھ (۱۶۸۶ء، ۱۶۸۷ء) میں آپ کو حیدرآباد کا قاضی بنادیا، لیکن یہاں بھی حاسدوں کی سازش کامیاب ہوگئی اور عالمگیر نے پھر معزول کردیا (سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۷۷ مؤلفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ) البتہ آپ کو سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لئے عالمگیر نے شاہی محل کا جزو بنا لیا، اور اپنے پوتے رفیع القدر ابن معظم شاہ (المعروف بہ شاہ عالم) کا استاذ اور اتالیق مقرر کیا، جب ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء میں شاہ عالم کابل کا صوبیدار بنا، تو مولانا محب اللہ صاحب بھی اپنے شاگرد کے ساتھ کابل چلے گئے، ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء میں عالمگیر کے بعد جب شاہ عالم بادشاہ ہند بنا تو اس نے انہیں قاضی القضاۃ کا عہدہ عطا کیا، اور فاضل خاں کے خطاب سے نوازا (سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۷۷ مؤلفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، طبع بمبئی ۱۳۰۳) آپ کی تصانیف میں مسلم الثبوت (اصول فقہ) اور سلم العلوم (منطق) نے بے نظیر شہرت پائی، جس نے ہندوستان کے تعلیمی نظام و نصاب کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ملا نظام الدین السہالوی (۱۱۶۱ھ) شیخ احمد عبدالحق فرنگی محلی (۱۱۸۷ھ)، ملا حسن فرنگی محلیؒ (۱۱۹۹ھ) بحر العلوم عبدالعلیؒ ((۱۲۲۵ھ)، ملا مبین (۱۲۲۵ھ)، امین اللہ فرنگی محلیؒ (۱۲۵۳ھ)، ولی اللہ لکھنویؒ (۱۲۷۱ھ) اور مولانا محمد برکت اللہ آبادیؒ جیسے بڑے بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں، اور کئی شارحین آپ کی کتابوں پر شرحیں لکھ کر زندۂ جاوید بن گئے (مآثر الکرام، مصنفہ مولانا آزاد بلگرامیؒ ص ۲۹۱، ۲۹۲، اردو ترجمہ شاہ محمد میاں فاخری، دائرۃ المصنفین کراچی ۱۹۸۳ء) آپ کی وفات بہار شریف میں ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں ہوئی، اور وہیں مدفون ہوئے (علماء بہار کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۴۳۱ تا ۴۳۵ مصنفہ: مہر النساء، پی ایچ ڈی مقالہ کراچی یونیورسٹی)

اوگانواں، ہرگانواں، شکراواں، شیخ پورہ، چرواواں، استھانواں، گیلانی، قمص پور، چشتی پور، پیڈھوکہ، معافی، بلچھی، چند پورہ، عماد پور، چندوارہ، رمضان پور، برنگہہ، سلاؤ، راجگیر، اسلامپور، ہلسہ، دیسنہ، سروہدی، بڑاکر سکندر پور، ڈیاواں، دیناواں، ڈمراواں، سبیت، میزرہ، مولانا ڈیہ بلووا، کہٹا انڈوس، پیٹھانہ، جمواواں، کڑا، بہاری چک وغیرہ۔[1]

ان میں خاص طور پر استھانواں، دیسنہ، اوگانواں اور گیلانی بہارشریف کے بعد سب سے زیادہ مردم خیز بستیاں ہیں۔ ان بستیوں میں اہل علم اور اصحاب کمال بڑی تعداد میں پیدا ہوئے، بطور نمونہ چند نمایاں شخصیات کی مختصر فہرست پیش کی جارہی ہے:

☆ سلطان سلیم شاہ لودھیؒ کے زمانہ کے ممتاز بزرگ اور نامور طبیب شیخ بڑھؒ یا شیخ بڈھؒ۔

> ''شیر شاہ شوری کو ان سے ایسی عقیدت تھی، کہ خود اپنے ہاتھ سے وہ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا، شیخ علائیؒ کے مشہور ہنگامہ میں دارالسلطنت آگرہ کے علماء کی باہمی کشاکش میں شیخ بڑھؒ ہی کو حکم مقرر کیا گیا تھا، انہوں نے ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف ''ارشاد'' کی ایک شرح لکھی تھی۔''[2]

☆ عالمگیر کے استاذ ملا موہن بہاریؒ (م ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء)[3]

☆ سلطنت تیموریہ کے قاضی و مفتی، شاہزادوں کے استاذ حضرت مولانا ابوالفتح محمد عارف گیاویؒ (بہاری چک)

☆ عہد عالمگیری کے مشہور فاضل و محدث ملا محمد عتیق محدث بہاریؒ (۱۰۷۵ھ ۱۱۴۹ھ/ ۱۶۶۴ء-۱۷۳۶ء)

☆ مولانا شیخ عبدالرزاق بہاریؒ

☆ مولانا شعیب الحق بہاری (متوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء) شاگرد رشید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ و مولانا محمد قاسم الہ آبادیؒ۔

☆ شاہ دلاور حسین دیسنویؒ ☆ شاہ غوث علی دیسنویؒ تلامذہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (یہ دونوں حضرات پانی پت چلے گئے تھے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے)

☆ بڑے بڑے علماء و محدثین کے استاذ علامہ شمس الحق محدث ڈیانویؒ (م ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

۱- مواضعات کی اس فہرست کا بڑا حصہ مولانا ڈاکٹر کفیل احمد ندوی (بہارشریف) کے مضمون سے ماخوذ ہے (تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۱۴ مرتبہ: اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۲۰۱۹ء)

۲- نقوش سلیمانی ص ۴۰۲ علامہ سید سلیمان ندویؒ

۳- ملا موہن کا اصل نام محی الدین تھا، قصبہ بہارشریف کے رہنے والے تھے، نو سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ مکمل کیا، حضرت شاہ حیدر نبیرہ شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، شاہجہاں کے دربار سے منسلک ہوئے تو اورنگ زیب کی تعلیم کی بھی خدمت ان کے سپرد ہوئی، ۱۰۶۸ھ/ ۱۶۵۸ء میں چوراسی سال کی عمر میں وطن ہی میں انتقال فرمایا (بزم تیموریہ ص ۲۲۳ مؤلفہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے دارالمصنفین، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)

مطابق ۱۲؍مارچ ۱۹۱۱ء) صاحب غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد، تلمیذ رشید مولانا نذیر حسین محدث دہلوی و بہاری۔

☆ مولانا محمد احسن استھانویؒ شاگرد رشید مولانا نذیر حسین دہلویؒ۔

☆ مولانا سعادت حسین بہاریؒ (ولادت بمقام کڑاہ نزد بہار شریف ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء- وفات: ۱۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ مطابق ۵؍جون ۱۹۴۱ء) تلمیذ رشید مولانا نذیر حسین محدث دہلویؒ۔

☆ مولانا یعقوب صاحب (دیسنہ) ☆ مولانا مصطفیٰ شیر صاحبؒ (دیسنہ) ☆ مولانا بشارت کریمؒ (پڑھوکہ)

☆ مولانا عبدالوہاب بہاری سر بہدویؒ (م ۲۸؍ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱؍فروری ۱۹۱۷ء)

☆ مولانا محمد احسن گیلانیؒ (م ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء) شاگرد رشید علامہ فضل حق خیر آبادیؒ، (علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کے جدامجد) آپ نے سند حدیث مولانا عالم نگینوی تلمیذ حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ سے حاصل کی، بڑے بڑے علماء کے استاذ ہیں، سرحد کابل تک سے اہل علم آپ سے پڑھنے کے لئے آتے تھے اور بڑی تعداد میں آتے تھے، ایک درخت اور ایک چھپر کے نیچے پڑھاتے تھے۔[۱]

☆ مولانا ابوالنصر گیلانیؒ، ☆ مولانا یعقوب دسنویؒ۔

☆ مولانا رفیع الدین شکرانویؒ (ولادت: ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء- وفات: ۱۳۳۸ء/ ۱۹۱۹ء) شکراواں میں ایک عظیم کتب خانہ قائم کیا تھا۔

☆ مولانا عبدالشکور اوگانویؒ شاگرد رشید مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ (محلہ میرداد بہار شریف میں مدفون ہیں)

☆ مولانا لطف علی راجگیریؒ (ڈھنچوہی) ☆ مولانا الٰہی بخش بڑاکریؒ ☆ مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی (بختیارپور کے قریب کسی دیہات کے رہنے والے تھے) ☆ مولانا غلام جیلانی برقؔ استھانویؒ ☆ مولانا سید عبدالغنی وارثیؒ، ☆ مولانا سید رحیم الدین استھانویؒ۔

☆ مولانا سید علی احمد دربھنگویؒ (اصلاً بہار شریف کے رہنے والے تھے- ۱۳۱۸ھ/ ۱۸۹۰ء تک زندہ تھے)

☆ مولانا سید وحید الحق استھانویؒ (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء) حضرت مولانا محمد سجادؒ کے استاذ اور خسر محترم

☆ مولانا ابوالبرکات استھانویؒ (متوفی ۱۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ م ۲؍اپریل ۱۹۰۱ء)

☆ مولانا سید عبدالغنی بہاری ثم محی الدین نگریؒ (کاغذی محلہ بہار شریف) تلمیذ رشید حضرت

۱- ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۴۳۰

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ وخلیفۂ اجل حضرت مولانا فضل رحماں گنج مرادآبادیؒ، وخسر محترم حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ۔ وغیرہ

یہ سب ایسی نادرۂ روزگار ہستیاں تھیں جو اسی علاقے کی خاک سے اٹھیں اور برصغیر کے علمی آفاق پر چھا گئیں۔۔ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

> ''جن کے فضل وکمال کے آوازہ سے ان کی زندگی میں پورا ہندوستان گونج رہا تھا مگر اب تاریخ کے نقارخانہ میں ان کے نام کی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔''[۱]

'بہار شریف' روحانیت کا مسکن

نالندہ سے قریب ہی وہ تاریخی شہر 'بہار شریف' ہے، جس کے نام پر پورا صوبہ 'بہار' کہلاتا ہے، بہار کا اصل تلفظ 'وہار' ہے، اس کے معنیٰ خانقاہ، مٹھ یا مدرسہ کے ہیں، ایک زمانہ میں یہاں بدھسٹوں کی خانقاہیں تھیں۔ نیز یہ مقام ہندوؤں کے علوم وفنون کا بھی مرکز تھا، اس لئے بہار کے نام سے موسوم ہوگیا۔ [۲]

بہار شریف ایک تاریخی وتہذیبی قدامت وانفرادیت کا حامل شہر ہے، اس کی تاریخ بہت قدیم ہے، اینٹی کیرین ریمینس آف بہار کے مطابق ۲۸۰۰ سال قبل مسیح پر موریہ راجا نے اسے بسایا، اور اس کا نام ویشالی پوری رکھا، کننگھم نے اس کا نام پوسودرم پورا بتایا ہے، بگلر نے اس کا نام حسن پورا رکھا ہے، جس کے معنیٰ ہیں کہاروں کے رکھنے کی جگہ، جب بودھ مذہب کا عروج ہوا تو اس کا نام دنداپورا رکھا گیا، پھر دنداپورا سے دنداں دیہار ہوا، پھر یہ نام اودنت پوری میں تبدیل ہوگیا، مسلمان حکمرانوں نے اس کا نام دند بہار کردیا، جو آگے چل کر صرف 'بہار' رہ گیا۔ [۳]

طبقات ناصری میں سلطان شہاب الدین غوری کے مفتوح ممالک کی فہرست میں 'اوند بہار' بھی لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ نام غیر معروف نہیں تھا۔ [۴]

۱- نقوش سلیمانی ص ۴۰۴ علامہ سید سلیمان ندویؒ

۲- تاریخ فرشتہ ج ۴ ص ۶۵۷، مصنفہ محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ اردو: عبدالحی، مطبع علمی پرنٹنگ پریس لاہور نومبر ۱۹۶۲ء ☆ اعیان وطن (آثارات پھلواری شریف ص ۶ مصنفہ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب، طابع وناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۴۷ء۔

۳- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۹، ۳۰ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء۔

۴- تاریخ مگدھ ص ۸۷ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء

ایک روایت یہ ہے کہ ۷۵۰ء کے قریب راجہ گوپال نے یہاں ایک بڑا 'ویہارہ' بنوایا تھا اوراس کے بعد اس خاندان کے اور راجاؤں نے وقتاً فوقتاً اسی قصبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور ویہارے کی تعمیر میں بھی اضافہ کیا، انہی ویہاروں کے سبب قصبے کا نام ویہارہ ہوگیا اور دارالحکومت ہونے کے سبب تمام مگدھ پر اسی نام کا اطلاق ہوگیا۔ [۱]

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۲۴ء تک شمالی بہار (متھلا) کے کرناٹ حکمراں بہار کے ترک صوبے داروں کو نذرانہ دیا کرتے تھے، لیکن غیاث الدین تغلق نے شمالی بہار کو فتح کرکے اسے وسطی بہار میں ملا دیا، عہد تغلق میں یہی بہار شریف بہار کا دارالسلطنت بنا، اور صوبہ کا نام بھی اسی مناسبت سے بہار پڑ گیا۔ [۲]

بہار شریف اسلامی دور میں

اور یہ عجیب بات ہے کہ جب یہاں اسلامی دور کا آغاز ہوا تو اس وقت بھی اس کی شہرت زیادہ تر خانقاہوں کی ہی بنیاد پر ہوئی۔

☆ ساتویں صدی ہجری میں غالباً قطب الدین ایبک یا شمس الدین التمش کے زمانے میں بہار شریف کو حضرت شیخ خضر پارہ دوستؒ کی خانقاہ کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی، جو حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے مرید وخلیفہ تھے، اور آپ کی خانقاہ بہار میں دوسری چشتی خانقاہ تھی، پہلی خانقاہ جیٹھلی شریف پٹنہ میں حضرت صوفی آدمؒ نے قائم کی تھی، حضرت خضر دوستؒ کی خانقاہ کی اطلاع حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو ہوئی تو آپ نے بھی یہاں حاضری کا ارادہ کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کو یکسوئی کی تلاش تھی، لیکن جب ان کو یہاں بھی عقیدت مندوں کے ہجوم کی خبر ملی تو انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا، یہاں ایک محلہ چشتیانہ (یہ اب کاغذی محلہ، بھیسا سور، اور کاشی تکیہ تین محلوں پر مشتمل ہے) آج بھی موجود ہے، اسی محلہ میں کہیں حضرت خضر پارہ دوستؒ کی خانقاہ تھی اور یہیں آپ کا مزار بھی ہے۔ [۳]

زمانۂ مابعد میں اس شہر کو سب سے زیادہ شہرت حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین

۱- تاریخ مگدھ ص ۸۷، ۸۸ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۲۴ء
۲- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۲۸، ۲۹ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء۔
۳- سیر الاولیاء کرمانی ص ۱۱۲ بحوالہ محی الملۃ مقدمہ علامہ گیلانی ص ۲۱ ☆ تاریخ مشائخ بہار ص ۱۶۱ ڈاکٹر طیب ابدالی۔

احمد یحییٰ منیری (۶۶۱ھ ۷۸۶ھ) کی خانقاہ اور روحانی آماجگاہ کی نسبت سے ہوئی، [۱] جو اپنے زمانہ

۱- حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کا شمار اسلام کے چند بڑے مجددین میں ہوتا ہے، اسم گرامی 'احمد'، لقب 'شرف الدین' مخدوم الملک بہاری خطاب، والد کا نام 'شیخ یحییٰ' تھا، جوز بیر بن عبدالمطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے، آپ کے پڑدادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء و مشائخ میں تھے، الخلیل (مملکت ہاشمیہ اردنیہ کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۱۵، ۱۶ میل پر واقع ہے، جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے) سے نقل سکونت کر کے بہار کے قصبہ منیر میں قیام پذیر ہوئے، یہاں آپ کے ذریعہ اسلام کی بہت اشاعت ہوئی، پھر آپ اپنے وطن خلیل لوٹ گئے، لیکن آپ کا خاندان منیر ہی میں رہا۔

شیخ احمد شرف الدین کے نانا شیخ شہاب الدین جگجوتؒ سہروردی سلسلے کے بزرگ اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مرید ومجاز تھے، آبائی وطن کاشغر تھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جیٹھلی میں قیام فرمایا جو پٹنہ میں تین میل کے فاصلہ پر ہے، انہی کی ایک صاحبزادی سے شیخ احمد شرف الدینؒ اور دوسری سے شیخ احمد چرم پوشؒ جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے، آپ حسینی سادات میں سے تھے، اس طرح شیخ احمد شرف الدینؒ مادری لحاظ سے سادات سے ہیں۔

شیخ احمد شرف الدین کی ولادت آخری جمعہ شعبان ۶۶۱ھ مطابق جولائی ۱۲۶۳ء میں قصبہ منیر میں ہوئی، آپ کے تین بھائی اور تھے، شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین، اور شیخ حبیب الدین۔

ابتدائی سے متوسطات تک کی تعلیم اپنے وطن کے بڑے اساتذہ سے حاصل کی، جن کے اسماء گرامی معلوم نہیں ہیں، اعلیٰ تعلیم کے لئے مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی کے نظام تعلیم وتدریس کا سب سے درخشندہ ستارے تھے، آپ کی شہرت ومقبولیت باعث حسد بن گئی اور غالباً سلطان غیاث الدین بلبن (عہد حکومت ۶۶۴ھ تا ۶۸۶ھ) کے زمانہ میں بعض حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر اشارۂ سلطانی سے ترک وطن پر مجبور ہوئے، اور ملک کے آخری سرحدی شہر سنارگاؤں (مسلمانوں کے عہد میں یہ مشرقی بنگال کا دارالحکومت اور بڑا اسلامی شہر تھا، شیر شاہ کی بنوائی ہوئی سڑک اسی شہر پر جا کر ختم ہوتی ہے، لیکن اب یہ غیر معروف مقام ہے اور پینام (Painam) کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے، دریائے برہم پتر اس سے دو کوس کے فاصلے پر ہے) کے لئے ہجرت کی، راستہ میں بہار سے گذرتے ہوئے چند روز منیر میں قیام فرمایا، منیر والوں نے مولانا کا استقبال کیا، اور یہیں حضرت شیخ کو قریب بارہ سال کی عمر میں مولانا کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا، شیخ آپ کے علم سے بے حد متأثر ہوئے، اور والدین کی اجازت سے آپ کے ساتھ سنارگاؤں تشریف لے گئے شیخ نے اپنی کتاب 'خوان پر نعمت' میں اپنے استاذ سے بے حد عقیدت کا اظہار کیا ہے، شیخ نے لکھا ہے کہ پورے ہندوستان میں علم میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا، مولانا شرف الدین نے اپنی فراست سے پہچان لیا کہ یہ لڑکا اپنے وقت کا مجدد ہونے والا ہے، پوری توجہ کے ساتھ آپ کو تعلیم دی۔ تمام علوم معقول ومنقول کی تکمیل ہوگئی تو مولانا نے اپنی صاحبزادی سے شیخ کا نکاح کر دیا، شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ ذکی الدین سنارگاؤں میں پیدا ہوئے، اسی دوران وطن میں والد کی وفات (۱۱رشعبان ۶۹۰ھ م ۱۶راگست ۱۲۹۱ء) ہوگئی، خط کے ذریعہ آپ کو اطلاع ملی تو ماں کا خیال آیا اور استاذ کی اجازت سے وطن واپس ہوئے، وطن پہنچ کر بچہ کو ماں کے حوالے کیا اور عرض کیا کہ اس کو میری جگہ پر سمجھئے، اور مجھے سفر کی اجازت دیجئے، اور سمجھئے کہ شرف الدین مر چکا ہے، (مناقب الاصفیاء ص ۱۳۲ مطبع نور الآفاق کلکتہ)

۶۹۰ھ کے آخر یا ۶۹۱ھ کے آغاز میں دہلی کی طرف روانہ ہوئے، بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ہمراہ تھے، دہلی پہنچ کر مشائخ وقت کے یہاں حاضری دی، تاکہ کسی کو اپنا خضر طریق بنائیں، مگر کسی سے قلب نے تأثر قبول نہیں کیا، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے یہاں آپ متأثر ہوئے، لیکن وہاں آپ کا حصہ نہیں تھا، دہلی سے پانی پت آئے، یہاں شیخ بوعلی (شرف الدین) قلندر پانی پتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے عقیدت بھی پیدا ہوئی، لیکن فرمایا کہ مغلوب الحال ہیں، تربیت نہیں کر سکتے، مایوس ہو کر واپس لوٹ رہے تھے کہ بڑے بھائی کے مشورہ سے دہلی میں شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کے یہاں حاضر ہوئے، اس وقت آپ کے منہ میں پان اور رومال میں بھی پان کے پتے تھے، آستانۂ فردوسی پر پہنچے تو ایک دہشت سی طاری ہوئی، اور بدن پسینہ پسینہ ہوگیا، تعجب ہوا اور کہا کہ اس سے پہلے دوسرے مشائخ کے یہاں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی، شیخ کی نظر پڑی تو فرمایا: منہ میں پان اور رومال میں بھی پان کے پتے اور دعویٰ کہ ہم بھی شیخ ہیں؟ آپ نے فوراً پان کو منہ سے نکال دیا اور ایک رعب کی حالت میں مؤدب بیٹھ گئے، کچھ وقت گذر جانے کے بعد بیعت کی درخواست کی، خواجہ نے قبول فرمایا اور داخل سلسلہ کر لیا، اور تحریری اجازت دے کر رخصت فرمایا (مناقب الاصفیاء ص ۱۳۲) شیخ نے عرض کیا: مجھے ←

← تو ابھی خدمت عالیہ میں چند روز ہوئے ہیں، سلوک کی تعلیم بھی خاطر خواہ حاصل نہیں کی، میں اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے عہدہ برآ ہوسکوں گا، خواجہ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارۂ غیبی سے ہوا ہے اور ان کی تربیت نبوت کی طرف سے ہوگی، اس کے بعد ان کو رخصت فرمایا اور کہا کہ:

''راستہ میں کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہوں''

چنانچہ ایک ہی دومنزل طے کی تھی کہ حضرت خواجہ کی وفات کی اطلاع ملی، لیکن آپ نے حسب وصیت سفر جاری رکھا، عشق کی حرارت ساتھ میں لے کر نکلے تھے، بہیا (منیر سے تقریباً بیس — ۲۰ — میل مغرب ضلع شاہ آباد (آرہ) میں واقع ہے) پہنچے اور مور کی آواز سنی، تو دل میں ہوک اٹھی، اور ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا، گریبان چاک کیا اور جنگل کی راہ لی، ساتھیوں نے بہت تلاش کیا، لیکن کچھ سراغ نہ ملا، آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدین کے تبرکات لے کر واپس ہوگئے، اور والدہ کے حوالے کردیا، کہتے ہیں کہ بارہ (۱۲) برس تک آپ جنگل میں گم رہے دکھائی دیتے تھے مگر ملاقات نہ ہوتی تھی، بارہ برس کے بعد جنگل میں ظاہر ہوئے اور پھر کچھ لوگوں کو شرف ملاقات بخشنے لگے، انہی میں حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ مولانا نظام مولی بھی تھے، وہ حضرت مخدوم سے وقتاً فوقتاً جنگل میں جاکر ملتے تھے، حضرت نے ان کے طلب صادق کو دیکھتے ہوئے خطرناک جنگل میں آنے سے منع کیا، اور فرمایا کہ میں خود جمعہ کے دن شہر آجایا کروں گا، یہی معمول کچھ دنوں جاری رہا، معتقدین کی تعداد بڑھی تو انہوں نے مشورہ کرکے آپ کے آرام کے لئے ایک جگہ بنائی اور اس پر دو چھپر ڈال دیئے، آپ وہیں احباب کے ساتھ بیٹھتے اور کبھی ایک دو روز قیام بھی کرلیتے، اس کے بعد مولانا نظام الدین مولی نے مجدالملک صوبہ دار سے اجازت لے کر اپنے مال سے ایک پختہ عمارت بنوادی، عمارت مکمل ہونے کے بعد جملہ متوسلین سلسلۂ نظام الدین اولیاء نے استقبالیہ پروگرام کیا اور آپ کو مسند سجادگی پر بٹھایا، یہ واقعہ ۷۲۱ھ اور ۷۲۴ھ (۱۳۲۱ء اور ۱۳۲۴ء) کے درمیان کا ہے، یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا عہد حکومت تھا،

جب ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کو صوفیا اور مشائخ کو گوشۂ عزلت سے نکالنے کا بڑا شوق تھا، اس کو پرچہ نویسوں کے ذریعہ حضرت مخدوم کے بارے میں جنگل کی روپوشی اور عزلت وگوشہ نشینی کے بعد شہر میں تشریف آوری کا علم ہوا تو اس نے مجدالملک صوبہ دار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے خانقاہ تعمیر کی جائے، اور پرگنہ راجگیر فقراء خانقاہ کے خرچ کے لئے ان کے حوالے کیا جائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے، اس کے ساتھ ایک مصلائے بلغاری خدمت میں بھیجا، مجدالملک نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ اگر آپ قبول نہ فرمائیں گے تو اس کو میری حکم عدولی تصور کیا جائے گا اور نہ معلوم میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، حضرت نے ان کی مجبوری دیکھتے ہوئے تعمیر خانقاہ کی اجازت دے دی، اس کے بعد اس خانقاہ کو جو مرجعیت حاصل ہوئی اس نے ہندوستان میں دعوت وارشاد کی ایک نئی تاریخ رقم کی، ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) سے لیکر ۷۸۲ھ (۱۳۸۰ء) تک قریب نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت وارشاد میں گذرا، اس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو (۳۰۰) آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے، بہت سے ہندو فقیر اور مرتاض جوگی آپ کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ کی مجالس اور مکاتیب نے اصلاح احوال کے باب میں وہ انقلاب برپا کیا، جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، آپ کے مکاتیب سے بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''صدہا اشخاص نے شیخ کامل ومحقق کے انفاس وتوجہات کا فائدہ اٹھایا، ہر صدی میں ہزاروں انسانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا، خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا، اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح وتقریر کی، اور صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ان میں ایسی تاثیر وزندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے ابھی لکھا ہے، اور ان کے الفاظ تیر ونشتر کی طرح دل کے پار ہوجاتے ہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳)

علاوہ مکاتیب کے آپ کی دوسری کتابیں بھی علم وادب کی شاہکار ہیں، اور جس کی ادبیت کو ہر دور میں تسلیم کیا گیا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب عہد اکبری میں ابوالفضل نے دفتر ابوالفضل تیار کیا تو حضرت مخدوم کی کتاب ''شرح آداب المریدین سے تین ابواب شامل کئے (معارف نمبر ۲ ج ۹۲ ص ۵۹ ۴ بحوالہ دفتر ابوالفضل مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) وفات حسرت آیات شب جمعرات ۶ شوال المکرم ۷۸۲ھ (۱۱رجنوری ۱۳۸۱ء) کو پیش آئی، نماز جنازہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ (متوفی ۲۸ محرم الحرام ۸۲۸ھ م ۲۹ر دسمبر ۱۴۲۴ء) نے پڑھائی، اگلے روز پنجشنبہ کے دن چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳ ص ۱۷۳ تا ۲۳۶ مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی)

کے عظیم مجدد دین اسلام میں تھے، جن کی بدولت برصغیر میں اسلام کو نئی توانائی اور نئی تازگی ملی، اسی کے ساتھ آپ کے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم احمد چرم پوش تیغ برہنہ سہروردیؒ کو بھی یہاں بڑی شہرت حاصل ہوئی [۱]، فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۵۱ء (۷۵۲ھ) میں بہار کا دورہ کیا تو ان دونوں بزرگوں کے دربار میں حاضری دی، اور خانقاہ کے لئے بہت سی زمینیں وقف کیں۔ [۲]

اسی طرح ملک العشاق حضرت مولانا مخدوم مظفر شمس بلخیؒ کی شخصیت نے بھی بہار شریف کی عظمت کو چار چاند لگایا جن کا سلسلۂ نسب سولہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے،

۱- مخدوم احمد چرم پوش، حضرت پیر جگجوتؒ کے نواسے اور حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمدؒ کے خالہ زاد بھائی تھے، حضرت مخدوم سید احمد چرم پوش تیغ برہنہؒ کے والد حضرت سید سلطان محمد موسیٰ کاظم بن سید سلطان شارک ہمدانی ملک ایران کے شہر ہمدان کے رہنے والے تھے، جو ہمدان کے بڑے رؤساء اور صاحب ثروت واقتدار لوگوں میں شمار ہوتے تھے، حضرت چرم پوشؒ حضرت امام حسین شہید کربلاؓ کی اولاد سے ہیں، بڑے جلالی بزرگ تھے، سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت مولانا علاء الدین علاء الحق سہروردیؒ سے بیعت اور آپ کے مجاز وخلیفہ تھے (شرفاء کی نگری ج ۱ ص ۱۰۹ از سید قیام الدین نظامی قادری فردوسی ☆ تاریخ بارہ گانواں ومضافات ص ۱۳، از ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء)

آپ کی پیدائش ۶۵۷ھ (۱۲۵۹ء) میں شہر ہمدان میں ہوئی، آپ کے والد بزرگوار شہر ہمدان کے سلطان تھے، سلطنت چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی، اس کے بعد حضرت چرم پوش کچھ دن ہمدان کے بادشاہ رہے، پھر تخت وتاج چھوڑ کر ملتان چلے آئے، اپنے پیر کے اشارہ پر لہاسہ (تبت) تشریف لے گئے، آپ کے کمالات وکرامات سے متأثر ہو کر وہاں کا راجہ اور دیگر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، اس کے بعد چھپرہ ضلع سیوان تشریف لائے، یہاں ایک بزرگ حضرت حسین پیارےؒ مدت سے مشتاق دیدار تھے، آتے ہی حضرت چرم پوشؒ کے مرید ہو گئے، کہتے ہیں کہ حضرت حسین پیارےؒ کے پاس اس دنبہ کا چمڑہ تھا جو حضرت اسماعیلؑ کی جگہ قربان ہوا تھا، آپ نے حضرت پیارےؒ سے عاجزی کر کے وہ چمڑہ مانگ لیا، اور اس کو چاک کر کے گردن میں ڈال لیا، اسی وقت سے حضرت مخدوم احمد "چرم پوش" کے نام سے مشہور ہو گئے (تاریخ بارہ گانواں ومضافات ص ۱۳ از ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء)

آپ کا ایک لقب "تیغ برہنہ" بھی تھا، اس کی وجہ آپ کی ایک کرامت بتائی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ جب آپ تبت میں داخل ہوئے اور وہاں کے راجہ کو بتایا گیا کہ ایک ملیچھ (مسلمان) آیا ہے، جس سے آپ کے راج کو اور یہاں کے لوگوں کو خطرہ ہو سکتا ہے، راجہ نے اسی وقت آپ کو تبت سے نکل جانے کا حکم دیا، آپ نے عذر پیش فرمایا کہ میں یہاں قیام کے لئے نہیں آیا، چند دنوں آرام کرنے کے بعد چلا جاؤں گا، لیکن وہ لوگ کچھ بھی مہلت دینے کو تیار نہ ہوئے، اور ایک فوجی دستہ ان کے اخراج کے لئے روانہ کیا، جس وقت وہ دستہ آپ کے خیمہ کے قریب پہنچا آپ نماز میں مشغول تھے، نماز سے فارغ ہو کر اس پر نظر پڑی تو جلال آ گیا اور اپنی تلوار ہوا میں اچھال دی، جس سے پورا دستہ تہ تیغ ہو گیا، اس سلسلے میں اور بھی کئی روایات نقل کی جاتی ہیں، (شرفاء کی نگری ج ۱ ص ۱۱۰ از سید قیام الدین نظامی قادری فردوسی)

حضرت چرم پوشؒ نے تبلیغ اسلام کے لئے دور دور تک بادیہ پیمائی کی، اور گشت لگاتے ہوئے دہلی پہنچے، پھر وہاں سے بہار شریف کی سرزمین کو آپ کی فرودگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، آپ کی شہرت دور دور تک پہنچی، دہلی کا بادشاہ سلطان فیروز شاہ بھی آپ کی شہرت سے متأثر ہو کر کئی مرتبہ بہار شریف حاضر ہوا۔

آپ فارسی زبان کے بلند پایہ صوفی شاعر بھی تھے، احمد تخلص کرتے تھے، آپ کا مکمل دیوان موجود ہے۔ آپ کا وصال ۲۶ رصفر روز سہ شنبہ ۷۷۶ھ (۱۴ راگست ۱۳۷۴ء) کو ہوا، محلہ انبیر میں مدفون ہیں، آپ کا مزار مرجع خلائق ہے (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۲۴۵ از مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی)

۲- اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۳۵، ۳۶ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء۔

بلخ سے تشریف لائے تھے اور بہار شریف میں ایک مدت تک قیام فرمایا۔[۱]

بہار میں جن بزرگوں کے ذریعہ سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت ہوئی ان میں حضرت مخدوم یحییٰ منیریؒ (۱۱ر شعبان المعظم ۴۹۰ھ م ۳۰ر جولائی ۱۰۹۷ء- مدفون پٹنہ، منیر شریف) اور حضرت خواجہ بدرالدین بدرزاہدی (۵۷۶ھ میں کئی قلعوں کو فتح کیا- مدفون مہداواں نزد منیر شریف) کے علاوہ حضرت مولانا مظفر شمس بلخیؒ (متوفی ۳ر رمضان المبارک ۷۸۸ھ (۶ر اکتوبر ۱۳۸۶ء)، حضرت سید احمد چرم پوشؒ (۱۳۹۳ء ۷۷۵ھ- مدفون بہار شریف) اور سید تیم اللہ سفید بازؒ (۹ر محرم الحرام ۷۹۰ھ / ۲۷ر جنوری ۱۳۸۸ء مدفون بیجوبن نزد بہار شریف[۲]) سرفہرست ہیں، اور بہار شریف کو ان تینوں بزرگوں کے مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔

۱- والد ماجد کا نام حضرت سلطان شمس الدین بلخی ہے، بلخ کے شاہی خاندان سے تعلق تھا، سلطان شمس الدین نے شاہی زندگی ترک کر کے فقیری کی زندگی اختیار کی، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ آپ کے آباء واجداد میں تھے، انہوں نے بھی سلطانی ترک کر کے فقیری اختیار کرلی تھی، سلطان شمس الدین اپنے اہل وعیال کے ہمراہ دہلی وارد ہوئے اور سلطان التمش کے حوض کے قریب اقامت اختیار کی، سلطان محمد تغلق کو خبر ملی تو اپنے دربار سے وابستہ کرلیا، کوئی منصب بھی تفویض ہوا، مگر دربار کے کسی منصب دار کی چشمک کے سبب منصب ترک کے پیر طریق کی جستجو میں نکل گئے، اور مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے بہار شریف کی سرزمین پر پہنچے، ادھر بہار شریف میں حضرت شیخ احمد چرم پوشؒ کو از راہ کشف اس کی اطلاع ہوگئی تھی، انہوں نے اپنے حلقہ نشینوں سے فرمایا کہ "دوستے می آید" اور اصحاب طریقت کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے، اور نہایت گرمجوشی سے ملے، اور خانقاہ میں اپنی نگاہ کے سامنے ٹھہرایا، سلطان موصوف قدم بوسی کے بعد شرف بیعت سے مشرف ہوئے، اور اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوکر روحانی دنیا کی بادشاہت حاصل کی، بہار میں قیام کے بعد تمام اہل وعیال کو بھی آپ نے دہلی سے بلوالیا، اس طرح حضرت مظفر بلخی بہار شریف پہنچ گئے، بہار پہنچنے سے پہلے مولانا مظفر علم کی تکمیل کر چکے تھے، (معارف ۳ ج ۷۰ مضمون مولانا عبدالرؤف اورنگ آبادی، بعنوان "مولانا مظفر شمس بلخی اور سند حدیث ص ۲۱۱ تا ۲۱۳) یہاں پہنچ کر حضرت مخدوم الملک مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے، اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت مخدوم جہاں کے لاکھوں مریدین میں مقام اخص الخاص تک پہنچے، حضرت مخدوم کے خلفاء میں جو مقام مولانا مظفر بلخیؒ اور شیخ نصیرالدین جونپوریؒ کو حاصل ہوا وہ کسی کو نہ ہوا، حضرت مخدومؒ کی خصوصی توجہ آپ پر تھی، حضرت مخدومؒ کے وصال کے بعد آپ بالاتفاق پہلے سجادہ نشیں ہوئے، اور سجادہ نشینی کا سلسلہ آپ کے خاندان میں تقریباً ایک سوتیس (۱۳۰) سال باقی رہا، آپ کے خاندان کے آخری سجادہ نشیں حضرت شیخ حافظ درویشؒ تھے، بے شمار کرامات کا صدور آپ کی ذات عالی سے ہوا، کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں: مکتوبات مولانا بلخیؒ، دیوان مولانا مظفر بلخیؒ (فارسی)، شرح عقائد نسفی مع عقائد مظہری، رسالہ مظفریہ در ہدایت درویشی وغیرہ (معارف نمبر ۴ ج ۷۰ ص ۲۸۸) آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، آپ نے اپنے برادرزادہ حضرت شیخ حسین سمندر نوشہ توحید بلخیؒ کی اپنی نگرانی میں پرورش وپرداخت کی اور تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا، پھر خلافت عطا فرما کر مسند سجادگی پر فائز کیا (شرفاء کی نگری حصہ اول ص ۱۰۰، سید قیام الدین نظامی قادری الفردوسیؒ) آپ کی وفات عدن میں پچھتر یا چھہتر سال کی عمر میں ۳ر رمضان المبارک ۷۸۸ھ (۶ر اکتوبر ۱۳۸۶ء) کو ہوئی اور بیرون عدن ساحل سمندر سے متصل مدفون ہوئے (علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۲۷۴ مصنفہ ڈاکٹر مہر النساء، کراچی ☆ اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) ص ۴۸ تا ۵۰ مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۲۰۱۰ء)

۲- اسم گرامی "تیم اللہ" لقب "سفید باز" اور وطن چیتھلی شریف پٹنہ ہے، حضرت امام حسین کی اولاد میں ہیں، آپ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت حمیدالدین بن حضرت صوفی آدم کے خلیفہ وجانشین تھے، حضرت مخدوم الملک سے بھی استفادہ کیا تھا، آپ کی شادی بہار شریف کے محلہ چشتیانہ میں تھی، اسی نسبت سے غالباً وہاں سکونت اختیار کرلی تھی (تاریخ مشائخ بہار ص ۲۲۹ ڈاکٹر طیب شاہ ابدالی)

☆ یہیں شہر کے غربی جانب ایک میل دور ایک پہاڑ پر حضرت ملک بیّاؒ (بیو) کا مقبرہ ہے، جن کا خاندانی رشتہ بغداد سے ہے، یہ سلطان محمد تغلق کی فوج کے سپہ سالار تھے، لیکن اہل بہار ان سے ایک صوفی بزرگ کی طرح عقیدت رکھتے ہیں، وہ بہار میں ظالموں کی سرکوبی کے لئے آئے تھے، ان کا روضہ خود بادشاہ نے بنوایا تھا، اور اس کا سنگ بنیاد حضرت مخدوم الملک شرف الدین بہاریؒ، مخدوم سید احمد چرم پوشؒ، اور مخدوم شاہ احمد سیستانیؒ جیسے کبار اولیاء اللہ نے رکھا تھا، اس مقبرہ کی تعمیر پر چھ سو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے، لیکن آج بھی اس کی عمارت تروتازہ محسوس ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ اس کی اینٹوں سے خوشبو نکلتی ہے۔ [1]

بہار شریف میں محلہ بھائے سرائے سے متصل محلہ چشتیانہ ہے جہاں چشتی صوفیاء کی ایک بڑی تعداد دفن ہے، جن میں سہروردیہ سلسلے کے جلال بخاری مخدوم جہانیاں کے داماد اور نامور چشتی بزرگ محمد عیسیٰ تاج کے چھوٹے بھائی احمد عیسیٰ تاج بھی شامل ہیں۔ [2]

☆ حضرت مخدوم بازیستانیؒ جن کا اصل نام میر سید احمد تھا، شاید سہروردی بزرگ تھے، جو کاغذی

۱- حضرت ملک بیّاؒ کا پورا نام سید ابراہیم بن ابوبکر ہے، ملک بیا (بیو) دراصل ایک خطاب ہے جو اگلے زمانہ میں بادشاہوں کی طرف سے امراء کو ملا کرتا تھا، لفظ 'بیو' دراصل 'بیا' کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کے معنیٰ ہیں 'آؤ' سلطان محمد تغلق بہار کی فتح کے بعد سید ابراہیم صاحب سے بہت خوش ہوا، دربار میں جب یہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے مسرت کے ساتھ ''ملک بیا نشیں'' جملہ کو مختصر کر کے 'ملک بیا' کہا، اور رفتہ رفتہ 'بیا' سے 'بیو' ہوگیا، اور آپ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ (تاریخ بارہ گانواں ومضافات ص ۲۰ از پروفیسر مجیب الرحمٰن)

آپ کے اجداد نے بغداد سے غزنی آکر سکونت اختیار کی، سلطان محمد تغلق (سن تخت نشینی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء) کے عہد حکومت میں آپ غزنی سے ہندوستان تشریف لائے، اور سلطان کے دربار سے وابستہ ہوئے، پھر فوج کے سپہ سالار ہوئے، سلطان دہلی کی طرف سے آپ کو اور آپ کے ورثاء کو بہار کی صوبہ داری بھی عطا ہوئی تھی، ''کمپری ہنسو ہسٹری آف بہار'' میں سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں صوبہ بہار کے صوبیداروں کی جو فہرست دی گئی ہے، اس میں آپ کا اور آپ کے ورثاء کا نام موجود ہے۔

(شرفاء کی نگری ج ۱ ص ۱۲۲ از سید قیام الدین نظامی الفردوسی)

ملک ابراہیم بیو ۷۵۲ھ تا ۷۵۳ھ (م ۱۳۵۱ء تا ۱۳۵۲ء) فیروز تغلق کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں اقطاع بہار کے حاکم تھے، جیسا کہ اس دور کے دریافت شدہ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے۔

(تاریخ مگدھ ص ۱۴۳ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۴ء)

سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں بہار کا راجہ ہنس کمار تھا، اس کا پایۂ تخت رہتاس گڑھ تھا، وہ بہت متعصب اور ظالم تھا، اس کا ظلم جب نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تو اس کے استیصال کے لئے سلطان محمد تغلق نے حضرت ملک بیّاؒ کو مقرر کیا، ملک بیّاؒ نے راجہ پر حملہ کیا، رہتاس کا قلعہ فتح کیا، راجہ حملہ میں مارا گیا، اس موقعہ پر آپ خطرات سے مطمئن ہو کر قلعہ سے باہر آرہے تھے، کہ چند چھپے ہوئے دشمنوں نے آپ پر حملہ کر کے شہید کردیا، یہ سانحہ ۱۳ رذی الحجہ ۷۵۳ھ م ۲۸ رجنوری ۱۳۵۳ء کو پیش آیا، لاش بہار شریف لائی گئی، شہر کے پچھم میں ایک میل دور پہاڑ پر مدفون ہیں، بادشاہ محمد تغلق نے آپ کی قبر پر ایک عظیم الشان گنبد تیار کرایا، جس کی بنیاد حضرت مخدوم الملک بہاریؒ، مخدوم سید احمد چرم پوش، اور مخدوم شاہ احمد سیستانیؒ جیسے بزرگوں نے رکھی۔ (تاریخ بارہ گانواں ومضافات ص ۲۰ از پروفیسر مجیب الرحمٰن)

حضرت ملک بیّاؒ کے روضہ کے اندر دیگر دس قبریں اور بھی ہیں، ملک داؤد، ملک بدرالدین، ملک صدرالدین، ملک محمد محسن وغیرہ۔

(تاریخ بارہ گانواں ومضافات ص ۲۰ از پروفیسر مجیب الرحمٰن)

۲- علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۰۲ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء

محلہ کے مقام پر تغلق طرز تعمیر پر بنائے گئے ایک بڑے گنبد والے مقبرے میں دفن ہیں۔ [۱]

☆ سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں ایک بزرگ حضرت عطاء اللہ بغدادیؒ بھی بہار شریف کے محلہ پیر شاہ گھاٹ میں مدفون ہیں، آپ ایک عرصہ تک یہاں مصروف رشد وہدایت رہے، اور یہیں انتقال فرمایا، سن وصال ۸۱۷ھ م ۱۴۱۴ء ہے۔ [۲]

ان کے علاوہ اور بھی بے شمار اولیاء اللہ کا یہ شہر مسکن رہا ہے، قدم قدم پر قبریں اور مزارات ان کی نشانیاں آج بھی موجود ہیں۔

سلطان محمد بن تغلق نے بہار شریف اور راجگیر کی خانقاہوں اور روحانی خدمات کے پیش نظر بہت سی جاگیریں مقرر کی تھیں، بختیار خلجی نے بڑی تعداد میں مساجد، مدارس اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔

بہار شریف کی سیاسی اہمیت

سیاسی اعتبار سے بھی تاریخ میں اس شہر کی بڑی اہمیت رہی ہے، مسلم عہد حکومت میں یہ شہر صوبۂ بہار کا پہلا دارالخلافتہ تھا، بادشاہ ہند شہاب الدین غوری کے سالار محمد بختیار خلجی کے دور سے شیر شاہ سوری (۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء) کے عہد تک اسے صوبہ کے دارالسلطنت کی حیثیت حاصل رہی، اس سے قبل راجہ اندر رمن کے زمانے میں بھی یہ دارالسلطنت تھا جس سے خلجی نے اس شہر کو چھین لیا تھا، خلجی کی شہادت ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں ہوئی، مزار بہار شریف کے محلہ 'عماد پور' میں ہے۔ [۳]

☆ قصبہ بہار شریف میں مخدوم بدر عالم کے مقبرے کے احاطے میں درخت کے نیچے ایک قدیم کتبہ رکھا ہوا ہے، یہ کسی عمارت کا کتبہ ہے، جس کو ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء میں ملک کافی نے تعمیر کرایا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کافی صوبۂ بہار میں حاکم کی حیثیت رکھتا تھا۔ [۴]

☆ ۷۹۹ھ / ۱۳۹۷ھ میں ضیاء الحق بہار کا حاکم تھا، اس کی حکومت کا پتہ اس کی بنوائی ہوئی ایک خانقاہ کے کتبے سے ملتا ہے جو قصبہ بہار شریف کے مشرقی جانب محلہ چھوٹا تکیہ میں مقبرے کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ [۵]

۱- علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۰۳ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء

۲- تاریخ مشائخ بہار ص ۱۱۸ مؤلفہ ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی سجادہ نشیں خانقاہ صوفیہ اسلام پور نالندہ بہار، شائع کردہ مکتبہ، خانقاہ صوفیہ نالندہ، اپریل ۲۰۰۳ء

۳- تاریخ بارہ گانواں ومضافات ص ۵ مصنف: ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، بحوالہ علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۰۱ تا ۱۰۳ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء۔

۴- تاریخ مگدھ ص ۱۴۳ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۴ء

۵- تاریخ مگدھ ص ۱۴۳ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۴ء

☆ کچھ عرصہ یہ سلاطین شرقیہ (ملک سرور جو کہ ملک الشرق یا نواب مشرق کے نام سے جانا جاتا تھا، کے خاندان کے حکمراں) کا بھی صدر مقام رہا ہے، تقریباً تمام ہی شارقی حکمرانوں کی تحریریں بہار شریف میں پائی گئی ہیں۔ سلاطین بنگال کی کئی تحریریں جو ۱۴۴۶ء سے ۱۴۹۱ء تک کے عرصے پر محیط ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ پندرہویں صدی کے آخر تک بہار میں تغلق حکومت کی جگہ شارقی حکومت نے لے لی تھی۔ [1]

☆ ۹۷۰ھ/ ۱۵۶۳ء میں جب سلیمان خان کرارانی (۹۵۰ھ تا ۹۸۰ء/ ۱۵۴۳ء تا ۱۵۷۲ء/ متوفی ۹۸۰ھ/ ۱۵۷۲ء) بہار واڑیسہ کا سربراہ بنا تو شروعاتی دور میں اس کا دارالخلافۃ بھی بہار شریف ہی تھا، بعد میں اس نے ٹانڈہ کو اپنا دارالخلافۃ بنالیا تھا [2] — یہ بہت نیک دل سلطان تھا علماء ومشائخ کا بھی قدردان تھا، اس کی مجلس میں سوڈیڑھ سو مشاہیر علماء ومشائخ موجود رہتے تھے، اور یہ اکثر ان کی صحبتوں میں ساری رات ذکر وعبادت میں گزار دیتا تھا، قصبہ بہار شریف میں مخدوم الملک کی درگاہ کے حلقے کے اندر جو صندل دروازہ مشہور ہے اس جگہ ۹۷۷ھ کا ایک کتبہ ہے جس میں سلیمان کا نام بھی مذکور ہے۔ [3]

۱۵۷۶ء میں اکبر نے کرارانی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ [4]

حضرت مولانا سجادؒ کا گاؤں 'پنہسہ'

مولانا محمد سجادؒ کے گاؤں ''پنہسہ'' کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے، کہتے ہیں کہ اس کی آبادی حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کے وقت سے ہے اس سے قبل یہاں کے لوگ قریبی مقام 'سلاؤ' میں آباد تھے، وہاں ان کی حویلیاں تھیں، اور قریب میں مسجد بھی تھی، جس کو 'سلاؤ ڈیہ مسجد'' کہتے تھے، یہ لوگ سلاؤ سے منتقل ہو کر یہاں کیوں اور کیسے آباد ہوئے، اس کے اسباب معلوم نہیں ہیں۔

پنہسہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے تین اطراف میں پانی کے تالاب تھے، اور ایک جانب سرسبز وشاداب زمینات، اس لئے اس جگہ کا نام پنہسہ ہوگیا، یہ دو لفظ 'پن' اور 'ہاس' سے

۱- کمپریہنزو ہسٹوری آف بہار ج ۲ پارٹ ۱ ص ۱ مرتبہ: ڈاکٹر سید حسن عسکری وڈاکٹر قیام الدین احمد، شائع کردہ: کاشی جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ، ۱۹۸۳ء بحوالہ علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۶ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء۔

۲- تاریخ فرشتہ ترجمہ عبدالحی مقالہ دوم ج ۱ ص ۶۹۴۔

۳- تاریخ مگدھ ص ۱۹۶، ۱۹۷ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۴ء

۴- کمپریہنزو ہسٹوری آف بہار ج ۲ پارٹ ۱ ص ۱۴ مرتبہ: ڈاکٹر سید حسن عسکری وڈاکٹر قیام الدین احمد، شائع کردہ: کاشی جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ، ۱۹۸۳ء بحوالہ علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۱ مقالہ پی ایچ ڈی، مصنفہ: مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء۔

مرکب ہے، جو تغیر کے بعد پنہسہ ہوگیا [۱]، اب اکثر تالاب ختم ہو چکے ہیں، مگر کچھ آج بھی باقی ہیں، آج بھی حضرت مولانا سجاد کی حویلی کے پاس جانب شرق میں بڑا وسیع وعریض تالاب موجود ہے۔ پنہسہ بہارشریف سے راجگیر جانے والی شاہراہ (جواب شاہراہ اعظم-فور لین- بن رہی ہے) پر تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، نہایت تر و تازہ، شاداب اور ترقی پذیر بستی ہے، شاید کسی زمانے میں یہ بہت معمولی سی بستی رہی ہوگی، مگر آج یہ بہت ہی بارونق اور متمول بستی لگتی ہے، نالندہ سے صرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر راجگیر جانے والی شاہراہ پر دور سے ہی زیب نظر معلوم ہوتی ہے، یہ سادات اور شیوخ کی بستی ہے، اکثر لوگ تعلیم یافتہ، مہذب، دیندار اور اسلامی اخلاق سے آراستہ ہیں، لب سڑک گاؤں کی وسیع وعریض عالیشان مسجد ہے جس کے ایک گوشے میں مشرق کی جانب حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے بڑے بھائی حضرت صوفی احمد سجاد صاحبؒ (پہلی قبر) [۲] اور ان

۱- تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۱۵ مضمون مولانا کفیل احمد ندوی۔

۲- صوفی احمد سجاد صاحب مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے، بہارشریف سے کانپور تک پڑھنے گئے، حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب استھانویؒ (بہارشریف متوفی (۱۳۱۵ھ-مطابق ۱۸۹۸ء) اور امام المعقول والمنقول حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ (متوفی ۳/صفر ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۸/اپریل ۱۹۰۴ء) سے شرف تلمذ حاصل کیا، البتہ تعلیم تکمل نہ کر سکے، کانپور میں کچھ دنوں تعلیم حاصل کرنے کے بعد علالت کے سبب سے گھر واپس آ گئے، والد کے انتقال کے بعد اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد سجادؒ کے مربی اور استاذ بھی ہوئے، بڑے صاحب کمالات وکرامات تھے، حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پوری نقشبندیؒ سے بیعت تھے، اور آپ کے خاص خلفاء ومجازین میں شمار کئے جاتے تھے، (محاسن سجاد ص ۲۷) کچھ دنوں کے بعد آپ پر جذب کا غلبہ ہوگیا، خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ کہیں جاتے ہوئے کسی فقیر نے ان کو اپنی بچی ہوئی کھیر کھلا دی تھی، ان کے چچازاد بھائی سید محمد ابوالحسن بھی ساتھ تھے، انہوں نے نہیں کھایا، اس کے بعد وہ برسوں راجگیر کے جنگلات میں مستانہ وار کھوئے رہے، اور نہ معلوم کیا کیا ریاضتیں کیں، کبھی کبھی راہگیروں کو نظر آتے تھے، کہتے ہیں کہ بارہ سال کے بعد پنہسہ واپس آئے تو ان کو پہچاننا مشکل تھا، وہ سیدھے اپنے چچازاد بھائی سید محمد ابوالحسن کے گھر آئے تھے، سید ابوالحسن کی بیٹی بی بی زیتون نے پہچان لیا کہ بڑے ابا ہیں، انہی کے مکان کے ایک حجرہ میں صوفی صاحب ایک زمانہ تک مقیم رہے، بعد میں اس کیفیت پر قابو آ گیا، لیکن جذب باقی رہا، بہارشریف میں بھی کئی مزارات پر مراقب اور چلہ کش رہے، (تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۲۳، ۲۴ مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی بروایت جناب اکبر حسین صاحب کاغذی محلہ، یہ صوفی صاحب کے چچازاد بھائی سید ابوالحسن کے نواسے کے صاحبزادے ہیں) وہ ایک عابد مرتاض کی حیثیت سے علاقے میں مشہور تھے، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ ان کا شمار سلسلۂ فقراء کے طائفۂ مجاذیب وبہالیل میں کرتے تھے (حیات سجاد ص ۶۵ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانی) حضرت مولانا محمد سجادؒ کے وہ صرف بڑے بھائی نہیں، بلکہ مرکز عقیدت بھی تھے،۔ حالت مغلوبی میں جائیداد کی بھی خبر نہ رہی، دوسری طرف مولانا محمد سجادؒ کو بھی قومی اور ملی کاموں سے فرصت نہ ملی، اس طرح موروثی جائیداد جاتی رہی (حیات سجاد ص ۹، ۱۷ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ) گاؤں اور خاندان میں صوفی صاحب 'بڑے مولوی صاحب' اور مولانا محمد سجاد صاحب 'چھوٹے مولوی صاحب' کے نام سے مشہور تھے (محاسن سجاد ص ۶۶ مضمون مولانا مسعود عالم ندویؒ) اس سے صوفی صاحب کی بلند حیثیت عرفی کا پتہ چلتا ہے، صوفی صاحب کا انتقال ۱۳/محرم الحرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۵/نومبر ۱۹۴۸ء کو ہوا (قلمی مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۱۹) مزار مبارک 'پنہسہ' کی مسجد میں مرجع خاص وعام ہے۔

صوفی صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے: (۱) امین الدین، یہ لاولد تھے (۲) صوفی ملامبین، ان سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں، لڑکوں کے نام یہ ہیں: (۱) صلاح الدین (۲) ضیاء الدین (۳) ریاض الدین (۴) منہاج الدین۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں: (۱) عبیدہ خاتون زوجۂ عبدالقادر مرحوم میرنگری (۲) زبیدہ خاتون زوجۂ سید انوار احمد چاندپورہ (۳) صغیرہ خاتون زوجۂ ظفر حسن دیسنہ (تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۲۴، ۲۵)

کے چھوٹے صاحبزادے صوفی ملا مبین صاحبؒ (دوسری قبر۔ یہ بھی مادرزاد ولی تھے، اور اپنے والدگرامی کا عکس جمیل تھے) ایک مسقّف سائبان کے نیچے آسودۂ خواب ہیں، مسقّف حصار سے متصل باہر شمال میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کے داماد مولانا ابو جمال علی حسن رونقؔ استھانویؒ کی قبر ہے، جو بہار شریف کے بڑے عالم اور باکمال شاعر گذرے ہیں۔ صوفی صاحبؒ کو اس دیار میں قدسیت اور روحانیت کی علامت مانا جاتا ہے ان کا مزار آج مرجع خاص وعام ہے، اور اس نسبت سے اب گاؤں کے نام میں شریف کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے 'پنہسہ شریف'۔

پنہسہ کی قدیم ترین مسجد جس کے شمالی مشرقی گوشے میں صوفی احمد سجاد صاحب اور مولانا رونق استھانوی آسودۂ خواب ہیں، اب اس مسجد کی تعمیر جدید ہوگئی ہے۔

'پنہسہ شریف' کی مسجد کا بیرونی منظر

فصل سوم

خاندان

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا خاندان بھی آپ کی پیدائش سے سات آٹھ پشت پہلے عہد عالمگیری ہی میں سلاؤ ڈیہ سے منتقل ہو کر 'پنہسہ' میں آباد ہوا، اسی خاندان کے ایک بزرگ سید نجف تھے۔

سید نجف کے اصول انساب کی پوری تحقیق میسر نہیں ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار شریف کے اطراف میں جاجنیری سادات پھیلے ہوئے ہیں، یعنی سید احمد جاجنیریؒ کی اولاد سے بارہ گاواں، دیسنہ، بہار شریف، راجگیر، پنہسہ، دھنچوہی وغیرہ میں سادات جاجنیری کی نسل تا ہنوز کسی قدر چلی آرہی ہے، کہا جاتا ہے کہ سید احمد جاجنیریؒ[1] کی اولاد بارہ گانواں یعنی (۱) جموارہ[2] (۲) پتر ینا بزرگ (۳) سید پور کنیڈا (۴) بروئی (۵) امرتھ (۶) محمد پورا کساری (۷) فیروز پور منینڈہ (۸) مدام پور ماہے (۹) چڑھیاری (۱۰) رسول پور کٹنی کول (۱۱) چواڑہ[3] (۱۲) اور سانحہ میں آباد ہوئی، پھر آس پاس کی بستیوں "ہرگاواں، بارہ دری، میرداد، اوگانواں، دیسنہ، بہار شریف، راجگیر، پیر بگہہ، گیلانی، استھانواں وغیرہ میں بھی پھیل گئی۔

علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ (آپ کا تعلق بھی جاجنیری سادات سے ہے) لکھتے ہیں:

"ابوالفرح واسطی کی جو اولاد جگت نیر میں آباد ہوئی، اور بعد کو جاجنیری سادات کے نام سے مشہور ہوئی، ان کا ایک سلسلہ بہار ضلع مونگیر میں پایا جاتا ہے، اور چونکہ بارہ گانواں میں یہ آباد ہے اس لئے سادات بارہ گاواں کہلاتے ہیں۔"[4]

۱- سید احمد جاجنیریؒ کا مزار ندیاواں میں ہے، جو سیرانی ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے۔ ان کی اہلیہ بھی یہیں مدفون ہیں (حیات گیلانی ص ۲۴، تالیف حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی، ناشر: مولانا یوسف اکیڈمی بنارس، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء، بحوالہ ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جاجنیری، محافظ خانہ دار العلوم دیوبند ص ۱۲)

۲- یہاں سید احمد جاجنیریؒ کے بیٹے شاہ جمال الدینؒ کا مزار ہے (حیات گیلانی ص ۲۷)

۳- یہاں مغل شہزادی جیتی آرہ بیگم جو بہادر شاہ ظفر کی پوتی ہیں مدفون ہیں۔

۴- حیات گیلانی ص ۲۴ بحوالہ تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۱۴۵۔

سید احمد جاجنیریؒ ہندوستان اور پھر بہار کیسے پہنچے اس کی تفصیل حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ نے دار العلوم دیوبند کے محافظ خانہ میں محفوظ ایک تاریخی دستاویز 'ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جاجنیریؒ' کے حوالے سے نقل کی ہے، حیات گیلانی سے وہ اقتباس پیش خدمت ہے:

''سید احمد جاجنیریؒ مدینہ منورہ سے مقام واسط میں تشریف لائے، چندے مقیم رہے، جو کہ مدینہ منورہ کے قریب ایک دیہات بنام مقام واسط ملقب ہے، اسی وجہ سے ان کا لقب 'واسطی' ہے، مقام واسط میں باعث ظلم وشدت قوم عباسی کے مقام واسط سے کوچ کر کے مقام مشہد مقدس میں تشریف لائے، اور چند روز سکونت پذیر ہوئے، بعدہ وہاں سے کوچ کر کے بمقام بغداد شریف بمحلہ جاجنیر تشریف لا کر سکونت پذیر ہوئے، (یہیں سے جاجنیری آپ کے نام کا جزو بنا) ابتدائے ۵۸۸ھ بغایت ۶۰۲ھ ہنگام تکرار مہاراجہ پتھوڑا یعنی پرتھی راج ملک تخت دہلی کے، کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری ساتھ راجہ مرقوم کے جنگ جہاد میں مصروف تھا، اور راجہ پتھوڑا نے سہ بار سلطان شہاب الدین محمد غوری کو شکست دی تھی اس لئے شہاب الدین ممدوح نے بتلاش قوم سادات بامید شرکت جہاد کے متلاشی ہوا اور جن جن مقاموں میں قوم سادات روشن ضمیر پائے گئے، بغرض جہاد شامل لایا، اور جناب سید احمد جاجنیری قدس سرہ کو بھی ہمراہ لے کر مقام دہلی پر بغرض جہاد چڑھائی کی، اس لڑائی میں جد امجد سادات بارہاں بھی شریک تھے، چنانچہ بفضل خداوند کریم باعث قوم اولاد رسول ﷺ راجہ پتھوڑا مغلوب ہوا اور سلطان کو فتح ہوئی (اس طرح سید احمد جاجنیری سلطان محمد غوری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس کامیابی کی خوشی میں سلطان نے جہاں دوسرے شرکائے جہاد سادات کو جاگیریں عطا کیں اور ان کو ملک کے مختلف حصوں میں آباد کیا) علیٰ ہذا القیاس سید احمد جاجنیریؒ کو بھی ایک جگہ ملی تھی، کہ وہ ملقب بنام قدیم 'جاجنیر' کے ہوا، اور وہ اب ملقب بنام 'جاج' ہوگئی ہے، بعلاقہ کانپور واقع ہے (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سید صاحب کا کسی وجہ سے جی نہیں لگا، تو وہ سلطان محمد غوری کے مشورہ سے علاقہ مونگیر میں تشریف لائے، اور پھر سلطان نے یہاں موصوف کو معقول جاگیر عطا کی) سید احمد جاجنیری قدس سرہ کا نسب حسنی وحسینی ہے، ہنگام حیات سید صاحب کے موالات جاگیر موضع حسین آباد، ومانہ مدام پور، وفیروز پور مانندہ، محمد پور یکساری، وپیغمبر پور، وچواڑہ، وندیانواں، وکمل گڑھ، وپچھ بیگھہ، ودیگر مواضعات پرگنہ امرتھ ضلع مونگیر منجانب سلطان شہاب الدین محمد غوری غازی عطا ہوئی تھی، لیکن من بعد ہنگام دخل وقبضہ اولاد ان کی، باعث ظلم راجہ کامگار خان ونامدار خان تعدیاً لے لیا گیا (البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس تاریخ اور کس سنہ میں انتقال ہوا، لیکن سید صاحب کی وفات اور جاگیر چھن جانے کے بعد ان کی اولاد منتشر ہوگئی)

سید احمد جاجنیریؒ کی چار اولاد تھی، بڑے صاحبزادے کا نام سید خضر معروف بہ سید حیدر باگھ، مزاران کا بجویند جو مقام بہار بفاصلہ تین کوس جانب دکھن واقع ہے، اور منجھلے صاحبزادے کا نام مبارک سید شاہ جمال الدین، مزاران کا بموضع جموارہ پرگنہ امرتھ ضلع مونگیر بالائے کوہ مسطح جانب شمال، نزدکوہ مسطح واقع ہے اور سنجھلے صاحبزادے کا اسم شریف سید شاہ برہان الدین، مزاران کا بموضع سانحہ پرگنہ بلیا ضلع مونگیر عبور دریائے گنگ واقع ہے اور چھوٹے صاحبزادے کا اسم اقدس سید شاہ یوسف ہے، مزاران کا بموضع چونٹر پرگنہ سیمائے ضلع گیا واقع ہے۔ (سید احمد جاجنیریؒ کے پوتوں اور اگلی نسل کے متعلق وضاحت ہے) اور اولاد ابنان سید احمد جاجنیری قدس سرہ کی موضع مدام پور، چواڑہ، فیروز پور، موضع تندہ، وموضع بروئی، کٹنی کول، وجموارہ، وکندہ وحسین آباد پرگنہ امرتھ، وپنرہٹہ، وچندھار ومحلہ یحیٰ پور منجملات شیخ پورہ پرگنہ نالوہ ضلع مونگیر میں مسکن پذیر تھے، وہیں باعث ظلم وتعدی راجہ کامگار خان ونامدار خان کے اکثر اولاد ابناء سید احمد جاجنیری قدس سرہ کی، بموضع اورین، وبیلتھوا، وموضع غوث آباد، ومن بعد بمقام سورج گڑھا وعبور دریائے گنگ بموضع سانحہ پرگنہ بلیا، وبمحلہ مخصوص پور باڑھ من محلات شہر مونگیر سکونت پذیر ہوئے، (یہ بھی لکھا ہے کہ سید صاحب کی اولاد کی اولاد در اولاد بادشاہ اکبر کے دور میں پھر فوج میں داخل ہوئی، اور فوج کی افسری کا فریضہ ادا کیا، بعض عہدۂ قضا پر بھی مامور ہوئے، گویا بعد میں بھی باوقار زندگی گذاری، اور مسلم سلاطین سے وابستہ رہے)۔[۱]

ممکن ہے کہ سید نجف (جو حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ابوالاجداد تھے) سید احمد جاجنیریؒ کے بڑے صاحبزادے سید خضر معروف بہ سید حیدر باگھ کی اولاد سے ہوں، کیونکہ سید خضرؒ کا مزار بہار شریف سے دکھن تین کوس کے فاصلے پر بجویند کے مقام پر ہے، اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ بہار شریف کے اطراف میں جو سادات آباد ہیں وہ انہی کی نسل سے ہوں گے۔[۲]

سید نجفؒ کے تین صاحبزادے تھے، ان میں سے ایک اڑیسہ میں، دوسرے دربھنگہ میں، اور تیسرے پنہسہ میں آباد ہوئے، دربھنگہ اور اڑیسہ والے کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی[۳]، البتہ پنہسہ والے

۱- حیات گیلانی ص ۲۴ تا ۲۸ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی، بحوالہ "ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جاجنیری، محافظ خانہ ص ۳ تا ۱۴۔ بین القوسین کی عبارت حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ کی ہے، اور باقی ترجمہ فارسی آل خاندان سید احمد جاجنیری" کا متن ہے۔

۲- تذکرۂ ابوالمحاسن (مرتبہ اختر امام عادل قاسمی) میں ڈاکٹر کفیل احمد ندوی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت مولانا سجادؒ کے خاندان کے کئی افراد اور متعلقین سے ملاقات کر کے آپ کے حسب ونسب پر قیمتی معلومات جمع کی ہیں، تھوڑے فرق کے ساتھ ان کے مضمون سے بھی فی الجملہ اس کی تائید ہوتی ہے (دیکھئے ص ۱۸، ۱۹)

۳- بروایت خاندان سجادؒ کے اہم فرد سید محمد شرف صاحب متولی صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف وسرپرست مدرسہ عزیزیہ بہار شریف۔

صاحبزادے (جن کا نام معلوم نہیں ہے) کی نسل یہاں پھلی پھولی، انہی کی اولاد میں سید فرید الدین پیدا ہوئے، سید فرید الدین صاحب بڑے زمیندار تھے، تقریباً پانچ سو بیگھہ زمین کے مالک تھے، ان کے چار لڑکے ہوئے:

(۱) مولوی سید حسین بخش [۱]

(۲) سید مخدوم بخش

(۳) سید افضال الدین [۲]

(۴) سید یوسف علی۔ [۳]

مولوی سید حسین بخش اور سید یوسف علی صاحب دونوں آپس میں ہم زلف تھے، یہ دونوں جناب سید داؤد علی صاحب کے داماد تھے جو پنہسہ کے رہنے والے تھے، جیسا کہ ۱۸۹۳ء کے ایک وثیقہ سے معلوم ہوتا ہے، اور وثیقہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سید حسین بخش کی بیوی کا نام بی بی بصیر النساء عرف بصیرن، اور سید یوسف علی کی زوجہ کا نام نصیر النساء عرف نصیرن تھا۔

ان بھائیوں کی حویلی تقریباً ڈیڑھ بیگھہ رقبہ پر مشتمل تھی، یہ حویلی مٹی کی موٹی موٹی دیواروں سے بنی ہوئی تھی، اس میں چھتیس کمرے تھے، ایک ہال نما دالان تھا، پورب جانب بڑا تالاب تھا [۴]، جو آج بھی موجود ہے، البتہ وہ بڑی سی حویلی اب باقی نہیں ہے، وارثوں میں تقسیم ہوکر اس کا نقشہ بدل چکا ہے، اور مٹی کے مکانات کی جگہ پختہ مکانات بن گئے ہیں۔

چاروں بھائیوں میں مشترکہ زمین تقریباً پانچ سو بیگھہ بیگھہ تھی، تقسیم کے بعد ہر ایک کے حصے میں قریب سوا سو بیگھہ زمین آئی۔

۱- سید مخدوم بخش صاحب کے ایک صاحبزادے تھے، جن کا نام مولانا سید ظہیر الدین تھا، ان سے ایک لڑکی اور تین لڑکے پیدا ہوئے، لڑکوں کے نام ہیں: (۱) انوار الحق (۲) ابونصر (۳) عبدالفتاح، اور لڑکی کا نام ہے: رضیہ (تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۳۳) ان میں سید ابونصر صاحب کے صاحبزادہ جناب سید محمد شرف صاحب سے اس حقیر کی ملاقات پنہسہ اور پھر دہلی میں ہوئی ہے، خاندانی روایات واقدار کے امین ہیں، سیاسی شعور پختہ ہے، آج کل صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف کے متولی اور مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کے سرپرست ہیں۔

۲- سید افضال الدین کے ایک لڑکے تھے، جن کا نام عزیز احمد تھا، عزیز احمد کی دو شادیاں ہوئیں، پہلے محل سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام بی بی آمنہ تھا، دوسرے محل سے دو لڑکے تھے (۱) محمد مختار (۲) شمس الہدیٰ (تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۳۴)

۳- سید یوسف علی کے ایک صاحبزادے تھے سید ابوالحسن، ان کو ایک بیٹی ہوئی، ان کا نام بی بی زیتون تھا، بی بی زیتون کو ایک بیٹا - سید اظہر حسین اور ایک بیٹی مہر النساء - ہوئی، یہ حضرات پاکستان منتقل ہوگئے، پاکستان میں ان کی نسل خوب آباد وشاد ہے (تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۳۵ بروایت سید ابوثمر، مقام: سید پور کنڈہ، یہ حضرت مولانا سید ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے چچازاد بھائی سید ابوالحسن کی اکلوتی بیٹی زیتون کی پوتی سیدہ شاکرہ بنت سید اظہر حسین کے شوہر ہیں)

۴- تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۱۹، ۲۰ بروایت سید محمد شرف صاحب۔

مولوی سید حسین بخش اور سید یوسف علی ہم زلف تھے، یہ دونوں جناب سید داؤد علی صاحب کے داماد تھے، سید داؤد علی صاحب کی بڑی صاحبزادی بی بی نصیرن (نصیر النساء) سے مولوی سید حسین بخش کی اور دوسری صاحبزادی بی بی بصیرن (بصیر النساء) سے سید یوسف علی کی شادی ہوئی، سید داؤد علی صاحب غالباً استھاواں کی طرف کے رہنے والے تھے، کیونکہ عام طور پر جاز نیری سادات کے گھرانے کی شادیاں آپس میں سید احمد جاز نیریؒ کے علاقے بارہ گاواں یا سید محمد جاجنیریؒ کے خطے استھانواں وغیرہ میں ہوتی تھیں۔

ان چاروں بھائیوں کی اکثر اولاد پنہسہ اور بہار شریف میں آباد ہیں، کچھ لوگ پاکستان، امریکہ، لندن وغیرہ کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبہ جھارکھنڈ وغیرہ میں بھی مقیم ہیں۔ [1]

مولوی سید حسین بخش کے دو لڑکے ہوئے:

(۱) بڑے صوفی احمد سجاد

(۲) چھوٹے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد۔

اور تین لڑکیاں ہوئیں:

(۱) بڑی بیٹی کا نام معلوم نہیں، ان کی شادی پنہسہ ہی میں ہوئی تھی اور صاحب اولاد بھی ہوئیں۔

(۲) دوسری بیٹی کا نام صغریٰ تھا، ان کی شادی بھی پنہسہ ہی میں جناب محمد خلیل سے ہوئی، صاحب اولاد تھیں، ان کو چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہوئیں، محمد خلیل مشرقی پاکستان چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔

(۳) تیسری بیٹی کا نام رابعہ تھا ان کی شادی اوگانواں میں محمد نور الدین سے ہوئی، ان کو ایک لڑکا ہوا جو بچپن ہی میں انتقال کر گیا، یہ پنہسہ میں اپنے والد کی حویلی میں رہتی تھیں۔ [2]

فی الحال حضرت مولانا محمد سجادؒ کے والد اور چچاؤں کی نسل سے سادات کے تقریباً تیس گھر پنہسہ میں موجود ہیں، ان کے علاوہ شیوخ اور دیگر خاندانوں کے سترّ مسلم گھرانے بھی آباد ہیں۔ [3]

۱- تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۲۰، ۲۱ بروایت سید ابوثمر صاحب۔

۲- تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی ص ۲۱، ۲۲- یہ معلومات موصوف کو مولانا محمد سجادؒ کی نواسی نرگس بانو صاحبہ (مقام: ڈاکٹر ذاکر حسین روڈ ۸۸۴ ضلع ہزاری باغ جھارکھنڈ) بنت سیدہ بنت عزیز النساء زوجۂ اول مولانا محمد سجادؒ سے حاصل ہوئیں۔

۳- تذکرۂ ابوالمحاسن مضمون مولانا کفیل احمد ندوی ص ۲۱۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ہم وطن حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ[۱] رقمطراز ہیں:

''صوبہ بہار میں قصبہ بہار اور گیا کے درمیان کا علاقہ ہندؤں کے عہد میں بودھوں اور جینیوں کی یادگاروں سے بھرا ہوا ہے، اسی راستہ میں چند میل آگے بڑھ کر بودھوں کی مشہور درسگاہ نالندہ کے آثار اور کھنڈر ہیں اسی سے ملا ہوا ''پنہسہ'' نامی مسلمانوں کا ایک گاؤں ہے، جہاں سادات کے کچھ گھرانے آباد ہیں، انہیں میں سے ایک گھر میں مولانا سجاد کی ولادت ہوئی۔''[۲]

آپ کا خاندان دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے ممتاز تھا، خوشحال لوگ تھے، اچھی خاصی زمینداری تھی، جو بعد میں مولانا سجاد کی زندگی کے آخری دور میں بے توجہی اور مالگذاری وغیرہ کی

۱- علامہ سید سلیمان ندوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی پیدائش ضلع پٹنہ کے ایک قصبہ دیسنہ میں ۲۳ر صفر المظفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ھ کو ہوئی، جو سادات کی بستی ہے، ان کے والد حکیم سید ابوالحسن صاحب ایک صوفی بزرگ انسان تھے، آپ دادیہال اور نانیہال دونوں جانب سے سید ہیں، باپ کی طرف سے رضوی اور ماں کی طرف سے زیدی ہیں، آپ کا نسب نامہ سینتیس (۳۷) واسطوں سے حضرت امام حسینؓ تک پہنچتا ہے، (پورا نسب نامہ حیات سلیمان مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں ملاحظہ کریں ص ۷)

تعلیم کا آغاز خلیفہ انور علی اور مولوی مقصود علی سے کیا، اپنے بڑے بھائی حکیم سید ابو حبیب سے بھی تعلیم حاصل کی، ۱۸۹۸ء (۱۳۱۶ھ) میں پھلواری شریف جا کر مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ اور شاہ سلیمان پھلوارویؒ سے وابستہ ہو گئے، خانقاہ مجیبیہ میں حضرت شاہ محی الدین سے ہدایہ اور مولانا عبدالرحمٰن کاکوی سے شرح تہذیب پڑھی، ایک سال کے بعد ۱۸۹۹ء (۱۳۱۷ھ) دربھنگہ مدرسہ امدادیہ میں داخل ہوئے، ۱۹۰۱ء (۱۳۱۹ھ) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، اور سات سال تک وہاں تعلیم حاصل کی، ۱۹۰۷ء میں ندوہ سے فراغت حاصل کی، ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک رسالہ الندوہ کے وقفہ وقفہ سے سب ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی انشاء کے معلم مقرر ہوئے، ۱۹۱۳ء میں دکن کالج پونا میں معلم السنۂ مشرقیہ مقرر ہوئے، ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند عطا کی گئی۔

روحانی تعلیم حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے حاصل کی اور آپ کے مجاز ہوئے۔ اپنے عہد کے انتہائی بلند قامت اور ممتاز علماء میں تھے، ہندوستان کے چند گنے چنے علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا، مؤرخ، ادیب اور سیرت نگار کی حیثیت سے آپ کا پایہ بے حد بلند تھا، خلافت تحریک، جمعیۃ علماء ہند اور بہت سی تحریکوں کی قیادت کی، کئی بڑی کانفرنسوں کی صدارت فرمائی، بیرون ملک وفود میں شرکت وقیادت کی۔

تقسیم ہند کے بعد جون ۱۹۵۰ء میں ساری املاک ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر گئے، اور کراچی میں مقیم ہوئے، یہاں بھی مذہبی وعلمی مشاغل جاری رکھے، حکومت پاکستان کی طرف سے ''تعلیمات اسلامی بورڈ'' کے صدر مقرر ہوئے، انہتر (۶۹) سال کی عمر میں کراچی میں ہی ۲۳ر نومبر ۱۹۵۳ء (۱۶ر ربیع الاول ۱۳۷۳ھ) کو انتقال فرمایا، جنازہ نیوٹاؤن کی جامع مسجد کے سامنے میدان میں ادا کیا گیا، حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، مثلاً: علامہ شبلی نعمانیؒ نے ۱۹۰۳ء میں سیرت النبی لکھنا شروع کیا تھا لیکن ابھی وہ دو جلدیں ہی لکھ پائے تھے کہ ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال کر گئے، اس کی باقی چار جلدیں آپ نے مکمل کیں۔ عرب وہند کے تعلقات۔ حیات شبلی۔ رحمت عالم۔ نقوش سلیمان۔ حیات امام مالکؒ۔ اہل السنۃ والجماعۃ۔ یاد رفتگان۔ سیرت عائشہؓ۔ سیر افغانستان۔ مقالات سلیمان۔ خیام۔ دروس الادب۔ خطبات مدراس۔ ارض القرآن۔ ہندؤں کی علمی وتعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں۔ بہائیت اور اسلام وغیرہ۔

(ماخوذ از حیات سلیمان از مولانا شاہ معین الدین ندویؒ، ناشر دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ھ، کل صفحات ۷۷۵)

۲- محاسن سجاد ص ۷۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

عدم ادائیگی کے سبب نیلام ہوگئی۔[۱]

ضیافت وخوش خلقی کی روایات آج بھی اس خاندان میں موجود ہیں، لوگوں کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں، علم دین کی جگہ علم دنیا نے غلبہ پالیا ہے، لیکن خاندانی نجابت وشرافت، مہمان نوازی، مسافروں کی خدمت، وضع داری اور قرابتوں اور نسبتوں کی پاسداری خاندان کے ایک ایک فرد میں موجود ہے، تعلقات کی وسعت اور دنیوی خوشحالی کے باوجود عزت سادات ابھی گردآلود نہیں ہوئی ہے، یوں بھی یہ پورا علاقہ مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (بہار شریف- ولادت: شعبان ۶۶۱ھ مطابق جون ۱۲۶۳ء- وفات: شوال ۷۸۲ھ مطابق جنوری ۱۳۸۱ء) اور بہت سے اولیاء اللہ کے فیوض عالیہ سے مالامال ہے، اوران کے روحانی اور معنوی اثرات پورے خطے میں واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں۔[۲]

۱- محاسن سجادص ۲۲ مضمون مولانا محمد اصغر حسین بہاریؒ ☆ حیات سجادص ۱۷ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۲- مجھے بہار شریف، نالندہ اور راجگیر ایک سے زائد بار جانے کا اتفاق ہوا ہے، ایک مرتبہ "پنہسہ" جانے کا بھی شرف حاصل ہوا ہے، اس لئے میرے یہ تاثرات شنیدہ نہیں دیدہ ہیں۔

شخصی حالات

(۲)

دوسرا باب

ولادت سے
تعلیم و تربیت تک

فصل اوّل

ولادت باسعادت

نالندہ سے دوکلومیٹر دور تاریخی بستی پنہسہ (Panhassa) میں مولوی سید حسین بخش صاحبؒ کے گھر میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کی ولادت باسعادت صفر ۱۲۹۹ھ مطابق دسمبر ۱۸۸۱ء میں ہوئی [۱] بعض حضرات نے تاریخ ولادت صفر ۱۳۰۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۸۳ء نقل کی ہے [۲] لیکن تاریخی اصول پر پہلا قول زیادہ لائق ترجیح ہے۔ [۳]

۱-محاسن سجادص ۳ (مضمون مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ) وص ۹ (مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی مدیر الہلال) مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ مطبوعہ کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار دہلی، اپریل ۱۹۴۱ء۔

یہ حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت اور خدمات پر تاریخی ترتیب پر دوسری کتاب ہے جو آپ کی وفات کے بعد ایک سال کے اندر شائع ہوئی، یہ ہندوستان کی کئی اہم اور ممتاز شخصیات کے مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے، مثلاً حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا مسعود عالم ندویؒ، مولانا حافظ عبدالحکیم مہتمم مدرسہ انوارالعلوم گیا، مولانا زکریا صاحب فاطمی ندوی مدیر الہلال، مولانا اصغر حسین صاحبؒ نائب پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مولانا حکیم قاری یوسف حسن صاحب بہار شریف، علامہ سید سلیمان ندویؒ، ڈاکٹر سید محمود سابق وزیر تعلیم بہار، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب، علامہ راغب احسن صاحب سکریٹری کلکتہ مسلم لیگ، جناب شمس ہاشمی صاحب اور امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مولانا محمد سمیع اللہ صاحب نے کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار دہلی سے شائع کی اور غالباً دوبارہ شائع نہیں ہوئی، اب عام طور پر دستیاب نہیں ہے، خدابخش لائبریری پٹنہ میں اس کا نسخہ موجود ہے، اور ریختہ ڈاٹ کام پر بھی دستیاب ہے۔

۲-حیات سجادص ۸ مرتبہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، ناشر: مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، پرنٹر: برقی مشین پریس، مرادپور بانکی پور پٹنہ، اکتوبر ۱۹۴۱ء۔ یہ کتاب مکتبہ امارت شرعیہ پٹنہ سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی، اس میں بھی ملک کے ممتاز اہل قلم کے نگارشات شامل ہیں، مثلاً: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، علامہ مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین قادری پھلورویؒ، شاہ ابوطاہر فردوسیؒ، قاضی سید احمد حسین سابق ایم ایل سی، علامہ سید سلیمان ندویؒ، بیرسٹر محمد یونس سابق وزیر اعظم حکومت بہار، شاہ سید حسن آرزو پٹنہ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی نائب صدر جمعیۃ علماء ہند، حافظ محمد ثانی صاحب، شیخ عدالت حسین، مولانا سید محمد عثمان غنی ناظم امارت شرعیہ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، مولانا محمد امین سورت گجرات، اور حکیم محمد شعیب نیر پھلوارویؒ وغیرہ۔ یہ کتاب بھی اب عام طور پر دستیاب نہیں ہے، راقم الحروف کے پاس اس کی فوٹو کاپی موجود ہے۔

۳-دراصل ۱۲۹۹ھ والی روایت مولانا سجادؒ پر شائع ہونے والی کتاب ''محاسن سجاد'' میں موجود ہے، جس کو دو معتبر اور حضرت مولانا سجادؒ کے انتہائی قریب ترین اصحاب قلم مولانا حافظ عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ مہتمم مدرسہ انوارالعلوم گیا (ص ۳) اور مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب مدیر الہلال (ص ۹) نے نقل کیا ہے، جن سے حضرت مولانا سجادؒ کے گھریلو اور وطنی روابط تھے، مولانا کے گھر ان حضرات کی آمدورفت بھی تھی، جبکہ ۱۳۰۱ھ کی روایت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے نقل کی ہے جو مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی مرتب کردہ کتاب ''حیات سجاد'' میں موجود ہے، مولانا منت اللہ رحمانیؒ بھی بلاشبہ حضرت مولانا سجادؒ کے خاص مقربین میں تھے، لیکن مذکورہ بالا بزرگوں کے برابر نہیں، علاوہ علاقائی اور خانگی رابطہ بھی ان کو حاصل نہیں تھا، یہاں تک کہ حضرت مولانا کی حیات میں ان کو کبھی حضرت مولانا سجادؒ کے آبائی گاؤں ''پنہسہ'' جانے کا بھی اتفاق نہیں ہوا (دیکھئے حیات سجادص ۱۹) ان وجوہات سے مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کی روایت (۱۲۹۹ھ) زیادہ قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

اسم گرامی 'محمد سجاد' رکھا گیا اور کنیت 'ابوالمحاسن' تھی۔ [۱]

آپ کے دادا کا نام سید فرید الدین، نانا کا نام سید داؤد علی اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی نصیرن (نصیر النساء) تھا۔

والد ماجد

مولانا محمد سجادؒ کے والد ماجد مولوی حسین بخشؒ صاحب انتہائی دیندار متقی اور صوفیانہ مشرب کے حامل تھے، ریاست، وجاہت، اور اخلاقی بلندی وراثتاً اپنے والد گرامی سید فرید الدین صاحب سے ملی تھی، پورے خطہ میں آپ تقدس مآب نظروں سے دیکھے جاتے تھے، انہوں نے عربی کی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن تعلیم مکمل نہ کر سکے، کچھ دنوں باہر درس وتدریس کا مشغلہ رکھا، پھر اپنے آبائی گاؤں پنہسہ چلے آئے اور آبائی ذریعۂ معاش کاشتکاری وزمینداری میں مشغول ہو گئے، زمینداری کے علاوہ کچھ ٹھیکہ داری کا کام بھی کر لیتے تھے، ساری زندگی یہی مشغلہ رہا۔ [۲]

بڑے وسیع الاخلاق اور مہمان نواز تھے، گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہتا تھا، راہگیر جانے آنے والے لوگ کم از کم ایک وقت ضرور آپ کے مہمان ہوتے، اس طرح اس گھر کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی، آپ کا انتقال ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ [۳]

۱- معلوم نہیں کہ یہ کنیت کس نے رکھی، لیکن بقول حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ ''یہ کنیت گویا الہامی تھی، جو محمد سجادؒ کے مستقبل پر پوری صادق آئی'' (حیات سجاد ص ۸)

۲- حیات سجاد ص ۱۷ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

۳- حیات سجاد ص ۸ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

فصل دوم

تعلیم وتربیت

حضرت مولانا سجادؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے گھر میں ہوئی، ابتداءً ایک مولوی صاحب کے ذریعہ بسم اللہ کرائی گئی، کچھ تعلیم والد ماجد مولوی حسین بخش صاحبؒ سے بھی حاصل کی، ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء والد بزرگوار کے انتقال کے بعد کچھ دنوں اپنے بڑے بھائی 'صوفی احمد سجاد' کے زیر تربیت رہے۔

مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ

قرآن مجید اور اردو فارسی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد عربی تعلیم کے لئے برادر بزرگوار نے (غالباً شوال) ۱۳۱۰ھ مطابق (اپریل) ۱۸۹۳ء میں مدرسہ اسلامیہ بہار شریف (محلہ قمر الدین گنج) میں داخلہ کرادیا، جو وقف نامہ پر درج تاریخ کے مطابق ایک سال قبل ۱۸۹۲ء میں بی بی جین وقف اسٹیٹ کے زیر کفالت قائم کیا گیا تھا[1]، جو بعد میں پورے خطہ کے لئے ایک مرکزی ادارہ بن گیا، اس کے بانی اور ناظم حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب (متوفی ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء) ساکن موضع استھانواں (ضلع پٹنہ) مولانا سجاد صاحب کے رشتہ میں بہنوئی ہوتے تھے، حضرت مولانا سید وحید الحق صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ مولانا سجادؒ کی چچازاد بہن تھیں۔ [2]

۱- جناب سید محمد شرف صاحب موجودہ متولی بی بی صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف کا بیان یہ ہے کہ وثیقۂ وقف پر ۱۸۹۲ء کی تاریخ درج ہے، اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ مدرسہ اسی سال قائم ہوا تھا، لیکن یہ بھی امکان ہے کہ مولانا سید وحید الحق صاحبؒ نے اپنے طور پر مدرسہ پہلے ہی قائم کیا ہو اور وقف کی یہ جائیداد بعد میں حاصل ہوئی ہو، وثیقہ کی تاریخ زمین کی رجسٹری کی تاریخ ہوتی ہے، قیام مدرسہ کی تاریخ سے اس کا تعلق نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ پہلے ہی سے قائم رہا ہوگا اس لئے کہ بانی مدرسہ مولانا سید وحید الحق صاحب استھانوی کا وصال ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوا ہے، اور اس مدرسہ نے حضرت استھانویؒ کی حین حیات تعلیم وتربیت کے میدان میں جو مثالی شہرت و نیک نامی حاصل کی وہ عام حالات میں اس مختصر سی (پانچ چھ سال کی) مدت میں مستبعد معلوم ہوتا ہے، جبکہ اسی علاقے کے نامور مورخ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جس انداز سے مولانا سید وحید الحق استھانویؒ اور مدرسہ اسلامیہ کی انقلابی تعلیمی خدمات کا ذکر کیا ہے، جس کا اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت استھانویؒ کی حیات میں اس مدرسہ کا تعلیمی و تدریسی سفر نصف صدی سے بھی متجاوز رہا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

۲- محاسن سجاد ص ۹، ۱۰ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی مدیر الہلال، حیات سجاد مرتبہ مولانا عبد الصمد رحمانی ص ۸۔

حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ کے زیر سایہ

اس مدرسہ میں آپ کے بڑے بھائی صوفی احمد سجاد صاحبؒ پہلے ہی سے زیر تعلیم تھے، اپنے بھائی کے ساتھ مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی حضرت استھانویؒ کے زیر سایہ پہنچ گئے۔

حضرت مولانا سید وحید الحق صاحبؒ اس وقت بہار کے علماء میں امتیازی شان کے حامل تھے اور اپنی تعلیمی وتربیتی انفرادیت کے لئے مشہور تھے، انہوں نے اس وقت بہار کے تعلیمی ماحول میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی، اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے پہلے آرہ میں مدرسہ فخر المدارس اور پھر بہار شریف میں مدرسہ اسلامیہ قائم فرمایا، تعلیم وتدریس اور افراد سازی ان کی زندگی بھر کا مشن تھا، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

> ''تیرھویں صدی کے شروع میں صوبہ بہار میں مولانا وحید الحق صاحب استھانوی بہاریؒ کے دم قدم سے علم کو نئی رونق حاصل ہوئی قصبۂ بہار میں انہوں نے مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور بہت سے عزیزوں کی تربیت کی، ان میں سے ایک مولانا سجاد بھی تھے۔''[1]

مولانا عبد الوہاب فاضل بہاریؒ سے تلمذ

حضرت مولانا عبد الوہابؒ کی شخصیت بھی اس دیار میں تعلیمی نسبت سے کافی ممتاز اور ان کا علمی پایہ بے انتہا بلند تھا، پورے ملک میں آپ کی علمی صلاحیت کی دھوم تھی، بڑے بڑے اداروں نے آپ سے استفادہ کیا تھا، وہ بہار شریف ہی کے ایک گاؤں (سرینده) کے رہنے والے تھے۔

حضرت مولانا سجادؒ کے تلمیذ ارشد اور معتمد خاص مولانا عبد الحکیم صاحب اوگانویؒ سابق مہتمم مدرسہ انوار العلوم گیا (بہار) نے حضرت مولانا عبد الوہاب فاضل بہاریؒ (متوفی ۲۸ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ر فروری ۱۹۱۷ء) بانی مدرسہ انوار العلوم گیا کو آپ کے اس دور کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔[2]

مولانا عبد الحکیم صاحب کی اس بات میں بظاہر کوئی استبعاد نظر نہیں آتا، لیکن 'محاسن سجاد' کے

۱- محاسن سجاد ص ۷ ۳

۲- محاسن سجاد ص ۳

مرتب مولانا مسعود عالم ندوی صاحبؒ [۱] نے باضابطہ استفادہ کے بارے میں لکھا ہے کہ دوسرے ذرائع سے اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ [۲]

شاید مولانا مسعود عالم ندویؒ کو اس خبر پر حیرت اس لئے ہوئی کہ مولانا عبدالوہاب بہاریؒ نے (مدرسہ انوارالعلوم گیاسے قبل) بہار میں تدریسی خدمات انجام نہیں دی تھیں، بلکہ وہ اکثر بہار سے باہر مصروف تدریس رہے تو پھر مولانا سجادؒ نے ان سے کہاں پڑھا ہوگا؟ ان کی گیا تشریف آوری تک مولانا سجادؒ فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔۔

لیکن میرے نزدیک اس میں حیرت کی بات اس لئے نہیں ہے کہ مولانا محمد سجاد کے والد ایک فیاض دل اور صوفی مزاج زمیندار تھے، ان کی مہمان نوازی پورے علاقے میں ضرب المثل تھی، ایک زمانہ تک خود درس وتدریس سے بھی ان کی وابستگی رہ چکی تھی، ان حالات میں قرین قیاس یہ ہے کہ مولانا عبدالوہابؒ سے بھی ان کے مراسم ضرور رہے ہونگے، اور ان مراسم کی بنیاد پر اگر مولانا سجاد نے ان کے گھر جاکر علمی استفادہ کیا ہو، یا خود مولانا عبدالوہابؒ نے ان پر عنایت کی ہو، تو اس کو مان لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے، وہ بھی جب کہ ایک ثقہ راوی کے ذریعہ براہ راست یہ خبر مل رہی ہو۔

حضرت مولانا سجادؒ کے ایک اور تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ نے بھی مولانا سجادؒ

۱- مولانا مسعود عالم ندوی بن مولانا حکیم سید عبدالشکور اوگانوی، ملک کے ممتاز عالم دین اور عربی زبان کے ممتاز اور معروف ادیب تھے، جنہوں نے عربوں سے اپنی عربی دانی کا لوہا منوایا، ملک سے بیرون ملک تک شہرت حاصل کی، اوگانواں (بہارشریف) میں ۱۹۰۸ء یا ۱۹۱۰ء (۱۳۲۷ھ ۱۳۲۸ھ) میں ان کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم بہارشریف میں اپنے والد سے حاصل کی، کچھ دنوں ایک اسکول میں بھی پڑھا، اس کے بعد مدرسہ عزیزیہ بہارشریف میں داخلہ لیا، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء جاکر دوسال میں عربی ادب کی تکمیل کی، فراغت کے بعد وہاں سے نکلنے والے عربی مجلہ الضیاء کے مدیر مقرر ہوئے، اور اس کے ذریعہ عالم عربی میں اپنی شناخت قائم کی، چار سال کے بعد مجلہ بند ہوگیا تو مدرس کی حیثیت سے ندوہ میں کام کرتے رہے پھر ۱۹۳۷ء میں خدابخش لائبریری پٹنہ میں مخطوطات کے مرتب فہرست کی حیثیت سے چلے آئے اور انگریزی میں عربی وفارسی مخطوطات کی کئی جلدیں مرتب کیں، یہیں جماعت اسلامی سے تعلق پیدا ہوا، ۱۹۴۴ء میں عالم عربی میں جماعت اسلامی کے تعارف اور ایک عربی مجلہ کی اشاعت کی غرض سے پٹھانکوٹ اور راولپنڈی میں اقامت اختیار کی، راولپنڈی میں اس مقصد کے لئے دارالعروبہ للدعوۃ الاسلامیہ قائم کیا اور تقریباً دس سال اس ادارہ کی خدمت کی، ۱۹۴۹ء میں جماعت کے تعارف کے لئے عالم عربی کا سفر کیا، اور عراق کے مختلف شہروں، کویت، اور نجد وحجاز کی سیر کی، مارچ ۱۹۵۴ء (۱۳۷۷ھ) میں کراچی ایک اجلاس میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے تھے کہ وہیں چوالیس (۴۴) سال کی عمر میں وفات پائی اور قبرستان سوداگراں کراچی میں آسودۂ خاک ہوئے۔ بیسیوں کتابیں اور پچاسوں مقالات اردو اور عربی میں یادگار چھوڑیں۔ انگریزی پر بھی قدرت حاصل تھی، نیز جرمن زبان سے بھی کچھ آشنائی تھی۔ (تفصیل کے لئے مطالعہ فرمائیں: ماہنامہ چراغ راہ کراچی کا "مسعود عالم ندوی نمبر مئی 1955" ☆ ڈاکٹر عبدالحمید فاضلی کی کتاب "مولانا مسعود عالم ندوی حیات اور کارہائے نمایاں بحوالہ مولانا طلحہ نعمت ندوی کا عربی رسالہ "الاستاذ مسعود عالم الندوی")

۲- محاسن سجاد ص ۳

کے اساتذہ میں مولانا عبدالوہابؒ کا ذکر کیا ہے۔ ۱ **واللہ اعلم بالصواب**

حضرت مولانا محمد مبارک کریمؒ سے تلمذ

اسی زمانے میں بہار کے مشہور عالم مولانا ابونعیم محمد مبارک کریم صاحب (سپرٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز بہار) بھی مدرسہ اسلامیہ بہارشریف میں اونچی جماعت میں زیر تعلیم تھے، اس زمانہ کے دستور کے مطابق استاذ محترم کے حکم پر مولانا محمد سجادؒ نے بعض ابتدائی کتابیں ان سے بھی پڑھیں۔ ۲

محاسن سجاد کے مرتب مولانا مسعود عالم ندوی صاحبؒ نے مولانا مبارک کریم صاحبؒ کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

''مولانا محمد سجادؒ نے متوسطات تک کی کتابیں مجھ سے پڑھی تھیں۔'' ۳

لیکن میرے خیال میں ابتدائی جماعتوں میں پڑھنے والے بات ہی زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ مدرسہ اسلامیہ بہارشریف کا معیار تعلیم گوکہ اس وقت متوسطات (شرح وقایہ، جلالین شریف، قطبی میر قطبی وغیرہ) تک تھا ۴ اور مولانا مبارک کریم صاحب وغیرہ یہ نصاب پورا کر کے کانپور گئے ہونگے، لیکن مولانا محمد سجادؒ کو وہاں متوسطات تک پہنچنے کا موقعہ نہیں مل سکا تھا اس لئے کہ وہ انہی حضرات کے ساتھ کانپور روانہ ہوگئے تھے، ممکن ہے کہ کانپور میں بھی کچھ استفادہ کیا ہو، مولانا مسعود عالم ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

''دوسرے جاننے والے اس کی تائید نہیں کرتے، ممکن ہے انہیں اس کا علم نہ ہوا ہو۔'' ۵

۱-حیات سجاد مصنفہ: مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی ص ۲، یہ کتابچہ مولانا عبدالحلیم صدیقی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کے حسب الارشاد انصاری برقی پریس دہلی سے طبع ہوا۔ اس رسالہ کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ پر لکھی جانے والی دستیاب تحریرات میں یہ سب سے قدیم ترین تحریر ہے، یہ پہلے مضمون کی صورت میں حضرت مولانا سجادؒ کے وصال کے فوراً بعد اخبار ''مدینہ'' میں شائع ہوا تھا، بعد میں اس کو کتابی شکل دی گئی، مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب محاسن سجاد اس کے بعد شائع ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ محاسن سجاد میں مولانا عبدالحکیم اوگانوی کے مضمون میں اس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے (محاسن سجاد ص ۳، ۴) یہ کتاب جامعہ رحمانی مونگیر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۰ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی مدیر الہلال، واضح رہے کہ مولانا زکریا فاطمی صاحب کا یہ مضمون دراصل خود مولانا مبارک کریم صاحب ہی کا تحریر کردہ ہے، مولانا زکریا فاطمی صاحب نے انہی معلومات اور مواد کوئی شکل عطا کی ہے، جس کی وضاحت خود فاطمی صاحب نے مضمون کے اوپر اپنے مختصر سے نوٹس میں کی ہے (محاسن سجاد ص ۹) اس کا مطلب ہے کہ مولانا مبارک کریم سے ابتدائی کتابیں پڑھنے والی بات (جو اوپر نقل کی گئی) ہی زیادہ درست ہے، اس لئے کہ یہ خود مولانا مبارک کریم کی تحریر پر مبنی ہے، اس لئے مولانا مسعود عالم ندوی صاحب نے مقدمۂ کتاب میں مضمون نگاروں کے تعارف کے ضمن میں مولانا مبارک کریم صاحبؒ کی زبانی مولانا سجاد صاحبؒ کے متوسطات تک پڑھنے کا جوذکر کیا ہے وہ سہو ونسیان سے خالی نہیں ہے (محاسن سجاد ص ۱)

۳-محاسن سجاد ص ۱

۴-محاسن سجاد ص ۱۹ مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۵-محاسن سجاد ص ۱۔ مولانا زکریا فاطمی اور کئی حضرات کو مولانا مبارک کریم صاحبؒ سے مولانا سجادؒ کے استفادہ کی بات معلوم تھی (محاسن سجاد ص ۱۰)

حصول تعلیم کے لئے کانپور کا سفر

بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت مولانا سجادؒ کو آغاز تعلیم میں پڑھنے کی طرف رجحان کم تھا، اور کھیل کود کا شوق زیادہ تھا، (جس کی تائید ان کے آغاز تعلیم سے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف تک پہنچنے کے دورانیہ سے بھی ہوتی ہے) مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں بھی ان کا یہی حال تھا، جس کا مولانا محمد سجادؒ کے گھر والوں کو بے حد رنج تھا[1]، اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ کو بھی اس کا ملال رہا ہوگا، چند سال کا عرصہ اسی طرح گذرا، اور اسی فرار و قرار میں مولانا محمد سجادؒ نے بمشکل عربی کی ابتدائی کتابوں کے اسباق مکمل کئے، ادھر حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب پر ان دنوں ضعف کا غلبہ تھا اور صحت خراب رہنے لگی تھی، دوسری طرف مولانا مبارک کریم اور صوفی احمد سجاد وغیرہ کی تعلیم وہاں کے معیار کے مطابق مکمل ہو رہی تھی، اور یہ حضرات اس سے اوپر کی تعلیم کے لئے کانپور کی طرف پابہ رکاب تھے، چنانچہ حضرت استھانویؒ کی اجازت سے انہی حضرات کے ہمراہ مولانا محمد سجاد بھی کانپور کے لئے روانہ ہوگئے۔[2]

یہ غالباً شوال المکرم ۱۳۱۴ھ مطابق مارچ ۱۸۹۷ء کی بات ہے جب مولانا سجاد صاحب کی عمر قریب پندرہ سال کی ہوگئی تھی۔[3]

دار العلوم کانپور میں داخلہ

یہ حضرات کانپور میں استاذ الکل امام المعقول والمنقول حضرت مولانا سید احمد حسن کانپوریؒ کے مدرسہ میں داخل ہوئے، البتہ یہاں کسی تذکرہ نگار نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ ان حضرات نے مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے کس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی؟ حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ ایک لمبے عرصہ تک مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرس اول رہے ہیں، پھر وہاں سے نکل کر دار العلوم کانپور کے بھی بانی اور مدرس اول ہوئے، مدرسہ احسن المدارس کانپور بھی آپ ہی کا قائم کردہ ادارہ تھا وغیرہ۔

۱- اس روایت کے راوی حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ ہیں، دیکھئے: حیات سجاد ص ۹ مرتبہ مولانا عبد الصمد رحمانیؒ۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۰ مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ۔ حیات سجاد مرتبہ مولانا عبد الصمد رحمانی ص ۸۔

۳- مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ بڑے بھائی کی علالت کے سبب سے چند ماہ کے بعد ہی جب ان حضرات کی کانپور سے واپسی ہوئی اس وقت مولانا محمد سجادؒ کی عمر کا پندرہواں سال تھا (حیات سجاد مرتبہ مولانا عبد الصمد رحمانی ص ۹) آپ کی تاریخ پیدائش (۱۲۹۹ھ) سے اس کو جوڑا جائے تو یہ ۱۳۱۴ھ بنتا ہے۔

تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سن (۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء) میں مولانا محمد سجادؒ کا قافلہ کانپور حاضر ہوا تھا اس وقت حضرت مولانا کانپوریؒ کی تدریسی خدمات کا سلسلہ دارالعلوم کانپور میں جاری تھا[1]، اس لئے یقینی طور پر ان حضرات نے دارالعلوم کانپور میں داخلہ لیا۔

دارالعلوم کانپور

تاریخی ترتیب کے اعتبار سے کانپور میں یہ اس وقت (مدرسہ فیض عام کانپور کے بعد) دوسرے نمبر کا اور معیار تعلیم اور تعداد طلبہ کے لحاظ سے پہلے نمبر کا مدرسہ تھا، اس مدرسہ کو حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ نے مدرسہ فیض عام سے علحدگی کے بعد ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں (یا اس سے بھی قبل) مسجد رنگیان (بکرمنڈی نئی سڑک) میں قائم فرمایا تھا، مسجد رنگیان ایک قدیم مسجد تھی جس کے کتبہ پر سن تعمیر ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء درج ہے، اب اس کی نئی تعمیر ہوگئی ہے، اس لئے پرانے خدوخال رخصت ہو چکے ہیں۔

اس دارالعلوم کے قیام میں آپ کے ایک خاص مسترشد اور نیازمند جناب حافظ امیر الدین صاحبؒ پیش پیش تھے، جیسا کہ وہاں سے شائع ہونے والی بعض کتابوں کے اشتہار سے اندازہ ہوتا ہے، ذمہ دار اور مدرس اول تو حضرت ہی تھے، لیکن یہ منیجر کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے اور غالباً محلہ کے متمول لوگوں میں تھے۔

دارالعلوم کانپور حضرت کانپوریؒ کی آرزوؤں اور علمی خدمات کا آخری مرکز تھا، اس مدرسہ سے بڑے بڑے علماء وفضلاء تیار ہوئے اور بہت سی علمی وتحقیقی کتابیں شائع ہوئیں۔ حضرت کانپوریؒ مدرسہ فیض عام کے بعد تاحیات اسی مدرسہ سے وابستہ رہے، اور اسی مدرسہ سے متصل اپنے ذاتی مکان میں وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسجد رنگیان اب بھی قائم ہے، اس سے متصل حضرت کانپوریؒ کا وہ مکان بھی موجود ہے جس میں اب آپ کے خانوادہ کے لوگ آباد ہیں، لیکن تاریخ کے اس روشن مینار کی ایک لکیر بھی موجود نہیں ہے — مسجد رنگیان کی تعمیر نو کے بعد اب اس مرحوم دارالعلوم کے کھنڈرات کا بھی تصور ممکن نہیں رہا — میں نے کانپور کے ایک سفر میں آس پاس کے کئی سن رسیدہ اور بزرگ حضرات

۱- اس کی پوری تاریخی تحقیق میں نے اپنی کتاب ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' (ص ۲۵۰ تا ۲۷۴) میں پیش کی ہے، تفصیل کے لئے اسی کتاب کی طرف مراجعت کی جائے۔

سے دریافت کیا لیکن ان میں کوئی نہ دارالعلوم کو جاننے والا تھا اور نہ حضرت مولانا کانپوریؒ کو۔ رہے نام بس اللہ کا۔[1]

بھائی کی علالت کے سبب سے وطن واپسی اور فرار

اسی دارالعلوم میں غالباً ہدایۃ النحو یا کافیہ کی جماعت میں مولانا محمد سجادؒ نے داخلہ لیا، لیکن ابھی چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ بڑے بھائی صوفی احمد سجاد صاحبؒ سخت بیمار ہو گئے، اور ان کو بھائی کے ساتھ وطن واپس جانا پڑا، وطن پہنچنے کے بعد پرانی طبیعت عود کر آئی، اور مدرسہ واپس جانے پر رضامند نہ ہوئے، یہ بڑی تشویش کی بات تھی، بڑے بھائی سوچتے تھے کہ میں بیمار ہو کر واپس چلا آیا اور تعلیم جاری نہ رکھ سکا، تو کم از کم ایک بھائی پڑھ لے، بہت سمجھایا لیکن نہیں مانے، آخر ایک دن بڑے بھائی نے سخت زجر و توبیخ کی اور مار پیٹ تک کر ڈالی، جس سے بددل ہو کر مولانا محمد سجاد گھر چھوڑ کر غائب ہو گئے، اور ایک عرصہ تک گھر والوں کو پتہ نہیں چل سکا کہ کہاں گئے؟ جس کا صوفی سجاد صاحبؒ کے قلب و دماغ پر گہرا اثر پڑا اور عجب نہیں کہ ان کی مجذوبانہ کیفیت کے نشو و نما میں اس صدمہ کا بھی دخل رہا ہو۔

بہت دنوں کے بعد (غالباً آنے جانے والے طلبہ سے) معلوم ہوا کہ مولانا موصوف کانپور کے اسی مدرسہ میں زیرِ تعلیم ہیں، جہاں سے چھوڑ کر آئے تھے، اب ان میں پڑھنے کا شوق بھی بیدار ہو گیا تھا، اور بڑی تیزی کے ساتھ تعلیمی سفر شروع کر دیا تھا، یہاں تک کہ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں ان کی متوسطات کی کتابیں سلم اور شرح جامی وغیرہ بھی شروع ہو گئیں۔[2]

یہی وہ زمانہ تھا جب بہار کے ممتاز عالم و خطیب اور شاعر و ادیب حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ (جو راقم الحروف کے جد اکبر تھے) سابق استاذ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ بہار بھی دارالعلوم کانپور میں منتہی جماعتوں میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے پاس زیرِ تعلیم تھے، مولانا عبدالشکور مظفر پوریؒ ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کو دارالعلوم کانپور میں داخل ہوئے، اور مشکوٰۃ کے درس کی سماعت کی، ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں درجۂ فضیلت (دورۂ حدیث شریف) کی تکمیل کی، اور شوال المکرم ۱۳۱۶ھ مطابق فروری ۱۸۹۹ء میں وہ فضیلت ثانیہ (دوبارہ دورۂ حدیث) کے

۱- تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری ص ۲۱۹ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منورواشریف، ۲۰۱۸ء
۲- یہ بات مولانا عبدالشکور مظفر پوریؒ سے ان کے تلمذ کی تاریخ سے ثابت ہوتی ہے۔

لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ [۱]

حضرت مولانا سید عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ سے تلمذ

حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ یا آپ کے تلامذہ کے جتنے تذکرے اب تک سامنے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کانپوریؒ منتہی درجات کے علاوہ کسی درجہ کے طلبہ کو خود نہیں پڑھاتے تھے، یا توان کے اساتذہ الگ ہوتے تھے یا پھر منتہی درجات کے ذہین طلبہ کوان کی تدریس پر مامور کیا جاتا تھا، اوراس عہد میں تقریباً ہر بڑے مدرسہ کا یہی دستور تھا، مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے ساتھ بھی یہی ہوا، ان کا درس مولانا سید عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ کے حوالے کردیا گیا، مولانا عبدالشکور صاحبؒ انتہائی ذہین طالب علم اور حضرت کانپوریؒ کے بے حد مقرب تھے، فہم وذکاوت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، مولانا عبدالشکور صاحب کی مصاحبت نے کیمیا کا کام کیا، مولانا سجادؒ کے علمی رجحان کی تبدیلی اور ذہنی انقلاب میں بھی مولانا عبدالشکور صاحب کی صحبت وتوجہ کا بڑا حصہ معلوم ہوتا ہے [۲]، متوسطات کی اکثر کتابیں (سلم، شرح جامی، شرح وقایہ وغیرہ) مولانا سجادؒ نے مولانا عبدالشکور مظفر پوریؒ سے پڑھیں، بلکہ کہنا چاہئے کہ طالب علمی کی وہ عمر جس میں اصل صلاحیتیں بنتی ہیں، اور طالب علمانہ زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہیں وہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ کے زیر صحبت گذری۔ محاسن سجادؒ میں اس کا ذکر موجود ہے:

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے شاگرد رشید مولانا اصغر حسین صاحب بہاریؒ سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا بیان ہے کہ میں نے مدرسہ سبحانیہ الٰہ باد میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی عہد طالب علمی کا منظر دیکھا ہے، میں اسی زمانے میں قطبی پڑھ کر مدرسہ سبحانیہ حاضر ہوا تھا، اور داخلہ لینے ہی کے لئے گیا تھا مگر اچانک کسی مجبوری کی وجہ سے وطن (بہار شریف) واپس آنا پڑا، اوراس وقت شرف تلمذ سے محروم رہا، یہ شرف مجھے بعد میں بہار شریف میں حاصل ہوا، اس وقت مولانا محمد سجاد صاحب گو کہ حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ بادیؒ سے منتہی کتابوں کا درس لیتے تھے، لیکن

۱-تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری ص ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۸ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منوروا شریف، ۲۰۱۸ء

۲-جس کا اعتراف خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کو بھی تھا، اور مولانا سجاد صاحبؒ نے اس کا برملا اظہار بھی فرمایا ہے (دیکھئے: محاسن سجاد ص ۲۳) مگر افسوس کہ حضرت مولانا سجادؒ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے مولانا عبدالشکور مظفر پوریؒ کی شخصیت کو نظر انداز کیا، اور مولانا سجادؒ کے اساتذۂ کرام کی فہرست میں ان کا نام ذکر نہیں کیا۔۔ یہ تاریخ کے ساتھ بھی ناانصافی ہے۔

نیچے کی جماعتوں کا درس آپ کے ذمہ تھا، اس وقت آپ کی شان یہ تھی کہ آپ تحقیقات ومعلومات کے بحرِ ذخار معلوم ہوتے تھے، ہر طالب علم آپ کا گرویدہ اور آپ کے طرزِ تدریس کا دلدادہ تھا اور کوئی نہ کوئی کتاب آپ سے پڑھنے کی آرزو رکھتا تھا، حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ کے درس کی حیثیت ضعف وکبرسنی کی وجہ سے محض ایک تبرک کی رہ گئی تھی، ظاہر بات ہے کہ ایک طالب علم کی اس درجہ لیاقت مولانا اصغر حسین صاحب کے لئے باعث حیرت تھی، مولانا اصغر حسین صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ایک موقعہ پر میں نے اپنے اس تحیر واستعجاب کا ذکر حضرت الاستاذ مولانا محمد سجادؒ کے سامنے کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

> ''نہیں! وہاں (یعنی حضرت مولانا عبدالکافیؒ کے پاس) بھی روشنی ملتی ہے، علاوہ اس کے میں ایک گونہ صلاحیت پیدا کر کے پہنچا تھا، مولانا محمد عبدالشکور مظفر پوریؒ (فی الحال مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) سے سلم وغیرہ پڑھ کر کتاب فہمی کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی۔''[۱]

مولانا محمد سجادؒ کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب فہمی کی اصل صلاحیت آپ میں مولانا عبدالشکورؒ کی تعلیم وتدریس سے پیدا ہوئی تھی، حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ (متوفی ۲۱ر شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۱ء) وغیرہ سے علمی نسبتیں اور ترقیات حاصل ہوئیں، اس لئے کہ یہ حضرات اکابر تھے اور ان کی توجہات وعنایات سے روشنی ملتی تھی۔

۱ـ محاسن سجاد ص ۲۳ مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ۔

۲۳

قربانی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے ہو کر رہا' ایک طرف تو طلبہ گرویدہ ہو کر آپ ہی کے ہو رہے اور دوسری طرف خود حضرت متفکر اعظم تحقیقات و معلومات کے بحرِ زخار ہو گئے' جس نے دیکھا ہے کہ حافظ صاحب الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تدریس محض ایک تبرک کی حیثیت رکھتی تھی تو اس کے لئے مولانا کی اس علمی ترقی میں حیرت کی اور کبھی کوئی حد نہیں رہتی' چنانچہ میں نے اپنے اس تحیر کو عرض بھی کیا' فرمایا کہ "نہیں وہاں بھی روشنی ملتی ہے" علاوہ اس کے میں ایک گونہ صلاحیت پیدا کر کے پہنچا تھا مولانا محمد عبدالشکور صاحب مظفر پوری (فی الحال مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) سے سلّم وغیرہ پڑھ کر کتاب فہمی کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت متفکر اعظمؒ تہذیب وغیرہ پڑھنے کے زمانے میں کانپور سے دیوبند تشریف لے گئے تھے' لیکن ایک مہتمم سے لڑائی ہو جانے کے قصہ میں بہاری طلبہ کو جس کے سرخیل مولانا محمد عبدالشکور صاحب تھے' دیوبند کو خیرباد کہنا پڑا۔ مگر حضرت سجادؒ کو دیوبند کی یاد تازہ رہی۔ اکثر دیوبند کا ذکر فرمایا کرتے۔ انہی قلبی تاثرات نے سیاسیات کے سلسلہ میں دیوبندیوں سے ایسا ملایا کہ ایک فرد تصور کئے جانے لگے اور اکابر علمائے دیوبند نے بھی آپ کے تبحرِ علمی کے ساتھ ایثار و قربانی' استقلال و فکری جد و جہد کی قدر دانی کرتے ہوئے اپنے مشن کا وزیر بنا لیا بلکہ حقیقت میں جزوِ کل مان لیا۔ آپ ہی کے بار بار تذکرۂ دیوبند نے میرے دل میں تحریک پیدا کر دی جو مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے جلسہ دستار بندی کی شرکت کے بعد گلی جامہ پہن سکی۔ شوال ۱۳۲۶ھ میں الٰہ آباد ہوتا ہوا بمعیت مجھی جناب حافظ عبدالرحمٰن صاحب بہاری (مہتمم مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ) دیوبند پہنچا' ادھر حضرت مولاناؒ بھی مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد تشریف

محاسن سجاد کا ایک صفحہ جس میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ سے تلمذ کا ذکر ہے۔

مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ

حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ سے استفادہ

حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ[1] (ولادت ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء وفات ۱۰/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۸/فروری ۱۹۸۸ء) کی کتاب 'درسِ حیات' سے معلوم ہوتا ہے کہ کانپور کے زمانۂ تعلیم میں مولانا سجادؒ نے حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ (والد محترم قاری فخر الدین گیاویؒ) سے بھی استفادہ کیا تھا، حضرت مولانا خیر الدین صاحب فراغت کے بعد حضرت مولانا کانپوریؒ کے مدرسہ ہی میں مدرس ہوگئے تھے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا سجادؒ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔[2]

آخری دنوں میں جب حضرت مولانا سجادؒ نے گیا کو اپنی علمی ودینی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، تو حضرت الاستاذ مولانا خیر الدین صاحب نے آپ کی بھرپور حمایت فرمائی، خلافت وجمعیۃ کے اجلاس گیا میں بھی وہ مجلس منتظمہ کے اہم ترین لوگوں میں شامل تھے، تاعمر مولانا خیر الدین صاحبؒ جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے۔[3]

مولانا عبد الشکورؒ کے زیر سرپرستی سفر دیوبند

حضرت مولانا سید عبد الشکور مظفر پوریؒ کانپور کا نصاب فضیلت مکمل کر کے شوال المکرم ۱۳۱۶ھ مطابق فروری ۱۸۹۹ میں جب دیوبند جانے لگے تو مولانا سجاد صاحب بھی آپ کے ہمراہ دیوبند تشریف لے گئے، اس سے مولانا عبد الشکورؒ سے مولانا سجادؒ کی دلی وابستگی اور گہری عقیدت کا پتہ چلتا ہے، مولانا اصغر حسین صاحبؒ کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں قیام کے

---

۱ حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ اس آخری دور میں بہار کے ان عظیم علماء ومشائخ میں ہوئے ہیں جنہوں نے تعلیم اور تصوف کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ اپنے زمانے کے اکابر علماء ومشائخ میں تھے، قاری صاحب کی فراغت دار العلوم دیوبند سے تھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے اخص تلامذہ اور خلفاء میں شمار ہوتے تھے، مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ کے پلیٹ فارم سے آپ نے بڑے تعلیمی کارنامے انجام دیئے، شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے، درس حیات اور جنۃ الانوار میں اس کے خوبصورت نمونے موجود ہیں، 'نوائے درد' کے نام سے حضرت گڑھولویؒ کی شان میں مرثیہ لکھا، اسی طرح حضرت گڑھولویؒ کے ایک مصرعہ 'تاثیر دَھا تقریر نہ کر' پر لمبی تضمین فرمائی، جوان کی کتاب درس حیات میں موجود ہے، اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے، ۷۷ رسال کی عمر میں انتقال فرمایا (درس حیات مرتبہ قاری فخر الدین گیاویؒ ص ۲۲۳، مطبوعہ مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا طبع دوم ۱۴۳۱ھ م ۲۰۱۰ء)

۲- درس حیات تذکرۂ خیر الدین ص ۱۲۶ تالیف: حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ، شائع کردہ: مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا، ۱۴۳۱ھ م ۲۰۱۰ء۔

۳- درس حیات تذکرۂ خیر الدین- ص ۱۵۰، ۱۵۱ تالیف: حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ، شائع کردہ: مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا، ۱۴۳۱ھ م ۲۰۱۰ء۔

زمانے میں بھی طلبۂ بہار کے سرخیل وسرپرست مولانا عبدالشکور صاحب ہی تھے۔

حضرت مولانا عبدالشکورؒتو دورۂ حدیث میں داخل ہوئے لیکن مولانا محمد سجادؒکو غالباً 'تہذیب' کی جماعت میں داخلہ ملا، لیکن ابھی چھ ماہ بھی نہیں گذرے تھے [۱] کہ اتفاقی طور پر تبت کے ایک طالب علم سے جھگڑا ہونے کی بنا پر (قریب ربیع الاول ۱۳۱۷ھ مطابق جولائی ۱۸۹۹ء میں) بہار کے کئی طلبہ کو دیوبند چھوڑنا پڑا، ان میں حضرت مولانا سجادؒ بھی شامل تھے، مولانا اصغر حسین صاحب رقمطراز ہیں:

> ''حضرت مفکر اعظمؒ (مولانا محمد سجاد صاحبؒ) تہذیب وغیرہ پڑھنے کے زمانے میں کانپور سے دیوبند تشریف لے گئے، لیکن ایک تبتی سے لڑائی ہوجانے کے قصہ میں بہاری طلبہ کو جس کے سرخیل مولانا محمد عبدالشکور صاحب تھے، دیوبند کو خیرباد کہنا پڑا۔'' [۲]

میرے خیال میں اس واقعہ کے علاوہ دارالعلوم دیوبند سے مولانا سجادؒ کی دل شکستگی کا ایک سبب یہ بھی رہا ہوگا کہ ان کو مطلوبہ جماعت میں داخلہ نہیں مل سکا تھا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مولانا محمد سجاد صاحبؒ کانپور سے متوسطات کی کتابیں پڑھ کر گئے تھے، لیکن دارالعلوم دیوبند میں ان کا داخلہ (نیچے درجہ میں) تہذیب کی جماعت میں ہوا، واللہ اعلم بالصواب۔

واضح رہے کہ تبتی لڑکے والے واقعہ کا مولانا عبدالشکور صاحبؒ پر کوئی اثر نہیں پڑا اور انہوں نے دیوبند کو نہیں چھوڑا، بلکہ انہوں نے حسب ضابطہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (ولادت ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء - وفات ۱۸ /ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ /نومبر ۱۹۲۱ء) کے پاس دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، آپ حضرت شیخ الہندؒ کے انتہائی مقرب تلامذہ میں تھے، کئی واقعات آپ سے وابستہ ہیں۔ [۳]

مولانا محمد سجادؒکو حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ حاصل نہیں

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ چونکہ دیوبند میں متوسطات سے بھی نیچے کے درجہ میں داخل ہوئے تھے اس لئے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ سے باضابطہ تلمذ کا شرف حاصل نہ ہوسکا، حضرت شیخ الہندؒ اس زمانے میں صرف منتہی طلبہ کو پڑھاتے تھے۔

۱- چھ ماہ کی صراحت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے کی ہے (حیات سجاد ص ۹) باقی حضرات نے اجمالی طور پر چند ماہ لکھا ہے۔
۲- محاسن سجاد ص ۲۳
۳- تفصیل کے لئے دیکھئے: حقیر راقم الحروف کی کتاب ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' ص ۲۹۲ تا ۳۰۳

یہاں یہ وضاحت اس لئے ضروری تھی کہ دیوبند میں حضرت مولانا سجادؒ کے داخلہ کی بنا پر بعض اہل قلم کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کا تلمیذ قرار دیا ہے، مثلاً حضرت مولانا سجادؒ کے انتقال پر مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ نے 'مدینہ' اخبار میں ایک مضمون لکھا تھا اور اس میں اسی خیال کا اظہار فرمایا تھا[1] حضرت مولانا سجادؒ کے شاگرد خاص اور محرم راز مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ مہتمم مدرسہ انوار العلوم گیا نے اپنے مضمون میں اس کی تردید کی، مولانا عبدالحکیم صاحب لکھتے ہیں:

''یہ غلط ہے جیسا کہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی نے آپ کے سوانح کے سلسلہ میں 'مدینہ' میں لکھا ہے کہ مولانا مرحوم نے حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے درس لیا اور آپ کے علمی اور روحانی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے۔ مولاناؒ جس وقت دیوبند گئے تھے، متوسطات بھی نہیں پڑھتے تھے، پھر حضرت شیخ الہندؒ کی بارگاہ اور حلقۂ درس تک کیونکر رسائی ہوئی؟ منتہی طلبہ کا مقام اور ہے اور غیر منتہی کا مقام اور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؒ کے علم وفضل، تجر وقابلیت اور افکار واعمال سے متاثر ہو کر ملیح آبادی صاحب نے وہم کرلیا ہے، کہ یہ حضرت شیخ الہندؒ ہی کے شاگرد ہوں گے اور ان ہی سے فیض پایا ہوگا، حالانکہ یہ محض فضل اللہ ہے وہ جس کو چاہے اپنے فضل سے نواز دے، حضرت مولانا ابوالکلامؒ نے کس شیخ الہندؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور کس علامۂ وقت سے پڑھا؟ مگر ان کے فضل وکمال، علم وادب، فہم وفقاہت، اور فکر وتدبر میں کون آپ پر فوق ہے؟''[2]

دیوبند سے کانپور اور کانپور سے وطن واپسی

(تقریباً ربیع الاول ۱۳۱۷ھ مطابق جولائی ۱۸۹۹ء میں)

دیوبند سے واپسی پر مولانا محمد سجاد سیدھے کانپور پہنچے، لیکن یہاں ان کا دل نہیں لگا، یہاں کے ماحول میں وہ پہلا سا انس نہیں ملا، قدیم رفقاء کانپور چھوڑ کر ادھر اُدھر منتشر ہو چکے تھے، اس سے قبل مولانا سجادؒ کے زیادہ تر اسباق مولانا عبدالشکور صاحب سے متعلق تھے، ان کے طریقۂ درس

۱- مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ کا یہ مضمون بعد میں ''حیات سجاد (مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نائب امیر شریعت کے مختصر حالات)'' کے نام سے کتابچہ کی صورت میں شائع ہوا، جو حسب الارشاد حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی انصاری برقی پریس دہلی میں طبع ہوا، اس کتابچہ میں ص ۲ پر حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ والی بات موجود ہے۔ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی جمعیۃ علماء ہند کے اہم ترین لوگوں میں تھے، اور غالباً دار العلوم دیوبند سے فارغ تھے، باقی احوال کا علم نہ ہوسکا۔

۲- محاسن سجاد ص ۳، ۴، مضمون مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ۔

وتفہیم سے ان کو خاص مناسبت بھی ہوگئی تھی، تعلیمی درجہ کے لحاظ سے حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے مستقل استفادہ کی کوئی صورت نہیں تھی، بالآخر مولانا سجاد صاحبؒ تنہائی اور اجنبیت کے احساس سے مجبور ہوکر وطن واپس ہوگئے ، اس طرح کانپور میں مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی کل مدت قیام (درمیانی وقفات کو ملاکر) تقریباً تین تا چار سال رہی۔[۱]

دیو بند سے واپسی پر کانپور میں آپ کا قیام اتنا مختصر رہا، کہ بہت سے لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوسکی، اسی لئے آپ کے بعض تذکرہ نگاروں نے دیو بند سے سیدھے الہ آباد جانے کا تذکرہ کیا ہے، کانپور یا وطن جانے کا ذکر نہیں کیا ہے۔[۲]

لیکن چونکہ دیو بند اور الہ آباد کے درمیان سفر کانپور اور سفر وطن کا اضافہ ثقہ اور بلا واسطہ راوی کے ذریعہ پہنچا ہے اس لئے یہ اضافہ معتبر اور قابل قبول ہے۔

تکمیل تعلیم کے لئے الہ آباد کا سفر

وطن میں قیام کے دوران بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ کی چھوٹی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوگیا، جو آپ کے استاذ بھی تھے اور چچیرے بہنوئی بھی، نکاح اور سسرال کی مصروفیات ختم ہوئیں جس میں تعلیمی سال کا بقیہ حصہ بھی گذر گیا تو بعض بہی خواہوں کے ٹوکنے پر اور خود اپنے طور بھی ادھوری تعلیم کو مکمل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔[۳]

یہ غالباً شوال المکرم ۱۳۱۷ھ مطابق فروری ۱۹۰۰ء کی بات ہوگی، جب مولانا سجادؒ وطن سے روانہ ہوکر سیدھے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد پہنچے، یہ سفر انہوں نے تنہا کیا تھا، اور الہ آباد کو اپنی مرضی سے منتخب فرمایا تھا، مولاناؒ نے الہ آباد کا انتخاب کیوں کیا؟ کیا وہ پہلے سے حضرت مولانا عبد الکافیؒ کی شخصیت سے آگاہ تھے؟ آپ کے کسی تذکرہ نگار نے اس بات سے تعرض نہیں کیا ہے۔لیکن یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ دیو بند اور کانپور جیسی مرکزی درسگاہیں جس طالب علم نے دیکھی ہوں اس نے الہ آباد کا انتخاب کس مناسبت سے کیا؟ جب کہ پہلے سے مولاناؒ کی وہاں کوئی قرابت یا شناشائی نہیں تھی؟

۱-محاسن سجاد ص ۱۱، مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب

۲-محاسن سجاد ص ۳ مضمون مولانا عبد الحکیم اوگانوی۔اور مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے کانپور کا ذکر کیا ہے، بہار جانے کا ذکر نہیں کیا (حیات سجاد ص ۹)

۳-محاسن سجاد ص ۱۱، مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب۔

مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد کا انتخاب

مختلف تاریخی کڑیوں کو ملانے سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ کو الٰہ آباد کا سراغ بھی کانپور سے ملا ہوگا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا سجادؒ حضرت کانپوریؒ کے مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھے، اور کانپور میں ایک بڑی علمی اور روحانی شخصیت حضرت مولانا شاہ محمد عادل کانپوری الحنفیؒ (ولادت ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۵ء وفات ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء) کی تھی، حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے ساتھ ان کے گہرے روابط تھے، بکثرت مولاناؒ کے مدرسہ یا مکان پر ان کی تشریف آوری ہوتی تھی، اور مولانا کانپوریؒ بھی ان کے دارالافتاء اور خانقاہ تشریف لے جاتے تھے، گہرے رابطہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ نے اپنے نماز جنازہ کی وصیت شاہ عادل کانپوری کے لئے کی تھی، اور انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، جبکہ کانپور علماء، فقہاء اور مشائخ سے لبریز تھا[1]، شاہ عادل صاحبؒ 'نارہ' الٰہ آباد کے رہنے والے تھے[2]، اور حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ کا آبائی وطن بھی 'نارہ' ہی تھا، ممکن ہے شاہ عادل کانپوریؒ نے ہی مولانا عبدالکافیؒ کی نشاندہی کی ہو جو ایک ممتاز عالم دین ہونے کے ساتھ اولیاء کاملین میں سے تھے، مولانا سجادؒ کو اب تک حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ تک مایوسی ہی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور کسی عالی نسبت شخصیت سے تلمذ کی تمنا اب تک تشنۂ تکمیل تھی، عجب نہیں کہ دل شکستگی کے انہی لمحات میں حضرت شاہ عادل کانپوریؒ نے ان کو سہارا دیا ہو، اور ایک بڑے صاحب نسبت وعلم شخصیت تک پہنچنے میں ان کی مدد کی ہو۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ گو کہ مولانا محمد سجادؒ کسی بڑی مرکزی درسگاہ کے سند یافتہ نہ تھے، لیکن علم وعمل کی جن انتہاؤں تک آپ کی رسائی ہوئی آپ کے اکثر معاصرین وہاں تک نہ پہنچ سکے، دراصل علم کی عطا بارگاہ ذوالجلال سے قلب کی درماندگی وشکستگی اور جذبۂ شوق کی وارفتگی پر ہوتی ہے، مشہور درسگاہوں سے محض انتساب پر نہیں۔ **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا محمد سجاد صاحبؒ متوسطات کی کتابیں کانپور کے زمانۂ تعلیم میں پڑھ چکے تھے، اور کتاب فہمی کی بھرپور صلاحیت ان میں پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ آپ نے مدرسہ سبحانیہ میں جلالین کی جماعت میں داخلہ لیا اور پھر اس کے بعد مشکوٰۃ المصابیح اور دورۂ

۱۔ تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۲۳۳
۲۔ نزہۃ الخواطر مصنفہ حضرت مولانا عبدالحی الحسنی لکھنویؒ ج ۸ ص ۲۶۴

حدیث تک کی اکثر کتابیں حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ (ولادت ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق اگست ۱۸۶۳ء وفات ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۳۲ء) کے پاس پڑھیں، اور کچھ کتابیں مولانا عبدالحمید جونپوریؒ سے بھی پڑھیں۔

الٰہ آباد میں آپ کا قیام دائرۂ شاہ اجملؒ محلہ یاقوت گنج میں مولانا عبدالحمید بن حیدر حسین جونپوریؒ (تلمیذ مولانا عبدالسبحان نارویؒ[1]) کی کوٹھی کے ایک گوشہ میں چھپر کے ایک سائبان میں تھا، جس میں چند طلبہ اور بھی رہتے تھے، مولانا عبدالکافیؒ کا مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد چوک کی مسجد میں واقع تھا۔[2]

مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد

مدرسہ سبحانیہ کی بنیاد حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ نے اپنے چچا اور شیخ حضرت مولانا عبدالسبحان نارویؒ [3] کے نام پر رکھی، پہلے محلہ یاقوت گنج میں مولوی عبدالحمید صاحب کے مکان سے تدریس کا آغاز کیا، شروع میں طلبہ کا رجوع کم تھا، جس سے آپ کبیدہ خاطر رہتے تھے، ایک بار اپنے مرشد زادہ مولوی حکیم مسیح الدین سے اس کا شکوہ کیا، تو انہوں نے تسلی دی اور آئندہ کے لیے روشن امکانات کی بشارت دی، چند دنوں بعد حاجی صوبہ دار خاں صاحب جو پنجاب کے باشی اور آپ کے مرید تھے انہوں نے آپ کو جامع مسجد کی امامت وخطابت کی پیشکش کی، اور درس کی بھی گذارش کی، اس طرح ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء سے جامع مسجد میں باقاعدہ آپ کا درس شروع ہوا، اور آپ کی درس گاہ 'مدرسہ سبحانیہ' کے نام سے مشہور ہوئی، اور باذوق طلبہ کا کافی رجوع ہوا، اور آپ کی صحبت وتربیت سے بہت سے متبحر اور ممتاز علماء پیدا ہوئے، جامع مسجد کی موجودہ وسیع وعریض اور شاندار عمارت آپ ہی کی توجہ سے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں تعمیر ہوئی، جس کو اب چوک کی

۱– نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۲۷۶۔

۲– محاسن سجاد ص ۱۷ مضمون مولانا محمد اصغر حسین صاحب۔

۳– مولانا عبدالسبحان بن محمد محسن الحنفی ناروی بڑے شیخ، عالم اور فقیہ تھے، الٰہ آباد کے گاؤں ''نارہ'' میں پیدا ہوئے، اس گاؤں کو احمد آباد بھی کہا جاتا تھا، ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، پھر الٰہ آباد جا کر حضرت مولانا سید فخر الدین الحسینی الٰہ آبادیؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور علم ظاہر اور علم باطن دونوں آپ سے حاصل کیا، ایک عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہے پھر مسند تدریس پر فائز ہوئے، ایک زمانہ نے آپ سے فیض پایا، بڑے متقی اور اہل نسبت بزرگوں میں تھے، منکرات پر نکیر کرنے میں شہرت رکھتے تھے، آپ کے تلامذہ میں مولانا عبدالکافی اور مولانا عبدالحمید جونپوریؒ کافی مشہور ہوئے، شاگردوں کے علاوہ کئی تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں مثلاً: التھدید فی وجوب التقلید، الدلائل القاطعۃ فی تحقیق الفرقۃ الناجیۃ، خیر المقالۃ فی ازالۃ الجہالۃ، اور رسالۃ فی اسرار الصلوٰۃ، سانحۂ وفات الٰہ آباد میں بعمر ۶۳ سال بتاریخ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۵ء بروز جمعہ پیش آیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۲۷۶)

مسجد کہتے ہیں، مشہور شاعر حضرت اکبرالہ آبادیؒ جن کو آپ سے بیعت کا شرف حاصل تھا مسجد کے بارے میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہوا۔

مسجد کافی کی شانِ آسمانی دیکھئے خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے [۱]

مولانا محمد سجادؒ کے عہد طالب علمی کے امتیازات

مولانا محمد سجادؒ نے الہ آباد میں اپنی ذہانت وسعادت مندی اور تعلیمی انہماک سے تمام اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا عبدالکافی صاحب کا دل جیت لیا تھا، اساتذہ آپ کی شاگردی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھنے لگے، آپ مدرسہ کے ممتاز اور قابل فخر طالب علم شمار کئے جاتے تھے، ایک سال کے بعد ہی مبتدی اور متوسط درجات کے اسباق آپ سے متعلق ہو گئے، آپ کے طریق تدریس سے طلبہ اتنے مانوس ہوئے کہ مولانا کے عہد طالب علمی کے عینی شاہد مولانا اصغر حسین صاحب کا بیان ہے کہ طلبہ اساتذہ سے زیادہ مولانا محمد سجادؒ سے کتابیں پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، مولاناؒ کا طریقۂ تفہیم طلبہ کو بے حد پسند تھا، مولانا سجاد صاحبؒ کا شب وروز وہاں مطالعۂ کتب یا طلبہ کو پڑھانے میں صرف ہوتا تھا، مولانا اصغر حسین صاحبؒ کے الفاظ میں:

> ''مولانا کی شان نرالی ہے، بستر کے سرہانے کروٹ میں کتابیں قطار در قطار رکھی ہیں، جن کے مطالعہ میں انہماک ہے، یا بعض طلبہ کے درس دینے سے سروکار ہے، حافظ عبدالکافی قدس سرہ نے چوک الہ آباد کی مسجد کے احاطہ میں مدرسہ سبحانیہ قائم کر رکھا ہے، جس میں عموماً طلبہ پڑھتے ہیں، لیکن حضرت سجادؒ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کے شوق میں کم از کم ایک سبق بھی ضرور رکھنا چاہتے ہیں، اور جنہیں موقع ملا پڑھ رہے ہیں، اس کشش سے ظاہر ہے کہ طلب علم ہی کے زمانہ سے آپ کی تعلیم میں مقناطیسی اثر تھا، اِدھر اساتذہ کی عنایات وتوجہات سے عیاں ہو رہا تھا، کہ ان حضرات کے لئے حضرت سجادؒ کی شاگردی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی خاص توجہ اور قدردانی بالکل بجا تھی، ــــ ذہانت، فطانت، قوت حافظہ، شوق مطالعہ، سلامت روی، سادگی، محنت اور اطاعت شعاری جو جو صفتیں جاذب توجہ ہو سکتی ہیں، حضرت سجادؒ میں بدرجہ کمال موجود تھیں۔'' [۲]

۱- ضیاء طیبہ ڈاٹ کام۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۷، ۱۸، مضمون مولانا محمد اصغر حسین صاحب۔

عہد طالب علمی ہی سے ایسی علمی اور تدریسی شہرت بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتی ہے، الہ آباد میں طالب علمی کے ان دنوں کے شاگردوں میں مولانا فرخند علی سہسرامیؒ، مولانا حافظ عبدالرحمٰن بادشاہ پوری جون پوری اور جناب حکیم مولانا محمد یعقوب صاحب گیاویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں، مولانا اصغر حسین صاحب بھی انہی دنوں قطبی پڑھ کر وہاں داخلہ کے لئے حاضر ہوئے تھے لیکن کسی مجبوری کے تحت اس وقت داخلہ نہ لے سکے، اس طرح اس وقت شاگردی سے محروم رہے، لیکن بعد میں جب مولانا محمد سجاد صاحبؒ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں مدرس ہوئے اس زمانے میں انہیں مولاناؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، اور دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم مولاناؒ سے اسی مدرسہ میں حاصل کی۔[1]

فراغت اور دستار بندی

شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ مطابق نومبر ۱۹۰۲ء میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے مدرسہ سبحانیہ سے سند فراغت حاصل کی، لیکن آپ کی علمی اور تدریسی صلاحیت کی وجہ سے اساتذہ نے آپ کو کچھ دن اور مدرسہ میں روک لیا، اور اس دوران حضرت مولانا سجادؒ منتہی درجات کے طلبہ کو پڑھاتے بھی رہے اور خود بھی اپنے اساتذہ کی صحبتوں سے مستفیض ہوتے رہے[2]، بالآخر ۱۷، ۱۸، ۱۹ / ربیع الاول ۱۳۲۲ھ مطابق ۳، ۴، ۵ / جون ۱۹۰۴ء کو حضرت مولانا عبدالکافی صاحبؒ نے حسب روایت بڑے تزک واحتشام کے ساتھ ایک سہ روزہ عظیم الشان جلسۂ دستار بندی کا انعقاد فرمایا، جس میں پورے ملک سے اکابر اہل علم، سربرآوردہ شخصیات اور ممتاز خطیبوں نے شرکت کی، اسی میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کی دستار بندی کی رسم بھی نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دی گئی[3]، دراصل یہی دور اس

۱-محاسن سجاد ص ۲۰ مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ۔

۲-حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے منتسب خاص مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب مدیر الہلال کی تحریر سے یہ پس منظر اور بھی صاف ہوجاتا ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ سبحانیہ کی طرف تشنہ کامان علوم اور معاونین کی توجہ زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی پھر بعض بہی خواہوں مثلاً مولانا مبارک کریم صاحب وغیرہ کے اصرار پر اپنے استاذ اور خسر حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں آکر تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔'' (محاسن سجاد ص ۱۲)

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ فراغت کے بعد بھی کچھ دن مدرسہ میں مقیم رہے اور طلبہ آپ کے علمی فیوض سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

۳-محاسن سجاد ص ۵ مضمون مولانا عبدالحکیم صاحب، ص ۱۱، ۱۲ مضمون مولانا زکریا فاطمی صاحب، حیات سجاد ص ۹، ۱۰ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

مدرسہ کا عہد عروج اور یہی اجلاس اس شہر علم کا نقطۂ ارتقا بھی تھا، پھر اس کے بعد کبھی اس شہر نے نہ علم کا وہ دور شباب دیکھا اور نہ کبھی کوئی دوسرا ''سجادؒ'' زیب اسٹیج ہوا فرحمہ اللہ۔

اس اجلاس کے بعد حضرت مولانا سجادؒ وطن مالوف تشریف لے آئے، اور زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔

تعلیمی حالات

(۳)

تیسرا باب

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے جلیل القدر اساتذہ ومشائخ

شاگرد استاذ کے کمالات کا آئینہ ہوتا ہے

یہاں رک کر ایک نظر آپ کے جلیل القدر اساتذۂ کرام پر ایک نظر ڈال لیں، اس لئے کہ ہر شخصیت کی تعمیر وترقی اور اس کی کامیابیوں میں فضل الٰہی کے ساتھ اس کے اساتذہ کی تعلیم وتربیت کا دخل ہوتا ہے، استاذ اپنے خون جگر سے طالب علم کی کشت حیات کو سیراب کرتا ہے، ایک غیر مرتب ڈھانچہ کو تراش خراش کر ایک خوبصورت سانچہ میں ڈھالتا ہے، محض گوشت پوست کے انسان کو علم وفن کے پیکر میں تبدیل کردیتا ہے، اور ایک معمولی فرد کو غیر معمولی مقامات تک پہنچاتا ہے، انسان کی بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ اسے اچھے اساتذہ میسر آجائیں، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بھی انہی خوش نصیب افراد میں تھے جن کو تربیت کا ہنر جاننے والے اور لالہ زار حیات کے لئے خون جگر صرف کرنے کا سلیقہ رکھنے والے اساتذہ کی سرپرستی حاصل ہوئی، گذشتہ صفحات میں ان کے تعلیمی روداد سفر میں کئی اساتذہ ومشائخ کا ذکر آیا ہے، ان کی قدرشناشی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مختصر احوال سے اس کتاب کے صفحات کو برکت وزینت بخشی جائے، ممکن ہے کہ ان کے اور بھی کچھ اساتذہ ہوں جن تک ہماری رسائی نہ ہوسکی، لیکن جن اساتذہ کا ہمیں علم ہوسکا ہے، تعلیمی ادوار کی ترتیب پر ان کا مختصر تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ

صوبۂ بہار کے انتہائی بزرگ، قانع، متقی، داعی الی اللہ اور بافیض علماء میں تھے، عربی زبان وادب کے رمز شناس اور اس دیار کے استاذ الکل تھے۔

'استھانواں' ایک علمی اور تاریخی بستی

آپ کا وطن مالوف 'استھاواں' ہے، جو شرفاء وسادات کی قدیم بستی ہے، بہار شریف سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، بڑے بڑے اہل علم اور اصحاب کمال ہستیاں اس چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئیں، تذکرۂ غوثیہ کے مطابق عارف باللہ حضرت شاہ غوث علی صاحبؒ یہیں کے

رہنے والے تھے، جن کا مزار پرانوار پانی پت میں ہے، بستی کے اتر جانب کسی اور بزرگ کا بھی مزار واقع ہے۔

اسی طرح مولانا ابوالحسن صاحب عرف مولوی دلاور علی صاحب مرحوم شاگرد رشید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی یہیں کے باشندے تھے، جن کے علمی تبحر اور جامعیت کا ایک زمانہ نے لوہا تسلیم کیا، رامپور کے ایک بڑے عالم مفتی شرف الدین صاحب جب بہار تشریف لائے، اور آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کی جامعیت واستعداد سے بے حد متأثر ہوئے، آپ کے ایک ہم وطن عالم دین نے اپنا تأثر ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ہم جیسے لوگوں کو فراغت کے بعد بھی کچھ دنوں آپ کی صحبت وتربیت میں رہنا چاہئے۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی اہم نام ملتے ہیں، مثلاً:

☆ مولانا حکیم غلام جیلانی صاحبؒ شاگرد مولانا مفتی سعد اللہ صاحب ومولانا تراب علی صاحب لکھنویؒ ☆ مولانا مجتبیٰ صاحبؒ شاگرد مفتی سعد اللہ صاحب لکھنویؒ ☆ اور مولانا عبدالوہاب صاحب استھانویؒ وغیرہ۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ دیگر بستیوں کی طرح یہ بستی بھی اصحاب فضل وکمال سے خالی ہوتی گئی۔[۱]

حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ کو حضرت مولانا لطف علی راج گیریؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے، جو اس علاقہ کے ایک مشہور عالم تھے اور حضرت مولانا سجادؒ کے وطن کے قریب ہی قریہ 'ڈھنچوہی' متصل راجگیر کے رہنے والے تھے، جنہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔[۲]

آپ کے اساتذہ میں دوسرا اہم نام مشہور معقولی عالم مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوریؒ کا ملتا ہے، جن سے بظاہر انہوں نے جونپور میں استفادہ کیا ہوگا۔

باطنی تعلیم حضرت قاری احمد شاہجہاں پوریؒ سے حاصل کی۔[۳]

آپ کو تعلیم وتربیت کا خاص ملکہ حاصل تھا، اسلامی ہند کے سقوط کے بعد جن بزرگوں نے بہار میں تعلیمی انقلاب کا صور پھونکا، اس کی صف اول میں آپ کی شخصیت بھی تھی، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ:

''تیرھویں صدی کے شروع میں صوبہ بہار میں مولانا وحید الحق صاحب استھانویؒ بہاری کے دم

۱- احسن البیان فی خواص القرآن از مولانا محمد احسن استھانوی، مکتبہ اسحاقیہ، اردو بازار کراچی، ص ۹، ۱۰ حاشیہ

۲- ملاحظہ ہو احسن البیان فی خواص القرآن از مولانا محمد احسن استھانوی، مکتبہ اسحاقیہ، اردو بازار کراچی، ص ۱۰

۳- محاسن سجاد، ص ۲۷

قدم سے علم کو نئی رونق حاصل ہوئی۔" [۱]

کئی گمنام چہرے آپ کے فیض تربیت سے آفاق عالم پر چمکے، آپ کا آبائی وطن 'استھانواں' ضلع نالندہ ہے، پوری زندگی درس وتدریس میں گذری، فراغت کے بعد آپ نے اپنے شاگرد مولانا عبدالغنی وارثی کی اطلاع کے مطابق پٹنہ میں ایک امیر کے یہاں ملازمت اختیار کی، پھر نگرنہسہ اور اس کے علاوہ مختلف مقامات پر کئی سال گذار کر آرہ پہنچے، جہاں کے باشندوں نے آپ کو تدریسی خدمت کے لئے بلایا تھا، چنانچہ آپ نے وہاں مدرسہ فخر المدارس قائم فرمایا اور اسی میں درس دیتے رہے یہاں تک کہ زمانہ نے کروٹ لی اور مدرسہ ختم ہوگیا، تو بہار شریف تشریف لاکر یہاں ''مدرسہ اسلامیہ'' قائم فرمایا، جو اس خطہ کا سب سے بافیض اور مرکزی ادارہ ثابت ہوا، اس کی سن تاسیس کی خبر نہیں ہے لیکن کہتے ہیں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے قبل بہار میں عربی زبان وادب کا یہ مرکزی ادارہ تصور کیا جاتا تھا، جہاں عربی زبان وادب کی تعلیم کے لئے دور دراز سے طلبہ حاضر ہوتے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ میں ایک بڑا کتب خانہ بھی آپ نے جمع فرمایا تھا، جس میں مختلف علوم وفنون کی نادر کتابیں موجود تھیں، افسوس اب وہ کتب خانہ ضائع ہو چکا ہے۔

مشرکانہ رسوم وعقائد کی اصلاح میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

حضرت مولانا استھانویؒ کو اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا، آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مولانا عبدالغنی وارثیؒ، اور مولانا مبارک کریمؒ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں آپ سے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں کسب فیض کیا۔

اپنے نامور تلامذہ کے علاوہ کئی کتابیں یادگار چھوڑیں:

☆ کتاب الترادف جو ابوعلی الرمانی کی 'الالفاظ المترادفۃ' کے طرز کی ہے

☆ عربی زبان کے قواعد پر 'مغنی الصبیان'

☆ اردو رسالہ 'نصیحۃ الاخوان' تعزیہ داری کے رد میں۔

آپ کی وفات ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوئی، مدفن کا علم نہیں ہے۔ [۲]

۱- محاسن سجاد ص ۷۳۔

۲- الاستاذ مسعود عالم الندوی فی ضوء حیاتہ وخدماتہ ص ۲۵ حاشیہ، تالیف: مولانا طلحہ نعمت الندوی ناشر: مجمع الاسلام بھٹکل۔ مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں مرتبہ مولانا عمران خاں ندوی، بحوالہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نقوش وتاثرات، مرتبہ طلحہ نعمت ندوی، مطبوعہ علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی استھانواں، بہار شریف، 2016 ص 13

شمس العلماء حضرت مولانا عبدالوہاب فاضل بہاریؒ

اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں تھے، آپ کے علم و فضل کی ہلچل مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک محسوس کی گئی، اسم گرامی عبدالوہاب، والد گرامی کا نام احسان علی، اور کنیت ابوالخیر تھی، 'سر بہدہ (یا سرینده)' ضلع شیخ پورہ (بہار شریف سے قریب) کے رہنے والے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے اطراف کے علماء – مولانا بشارت کریم دیسنوی، مولانا محمد سعید بنارسی، اور مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری – سے حاصل کی، اس کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے، اور حضرت علامۂ زماں، محدث دوراں مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کی، سند حدیث مولانا سید نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلویؒ سے حاصل کی، فراغت کے بعد ایک عرصہ تک مدرسۃ العلوم کانپور میں خدمت تدریس انجام دی، اس دوران ندوہ تحریک میں پیش پیش رہے، پھر مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں مدرس ہوئے، اور حیدرآباد دکن کو اپنے علوم سے فیضیاب کیا، حیدرآباد کے بعد کچھ عرصہ گیا میں قیام فرمایا اور اسی دوران مدرسہ انوار العلوم گیا کی بنیاد ڈالی، یہ مدرسہ آپ کے جانے کے بعد ختم ہو گیا تھا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے اس کو دوبارہ زندہ فرمایا، یعنی اسی نام سے مولانا سجادؒ نے ایک نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، تاکہ یہ حضرت الاستاذؒ کی خدمات کی یادگار رہے۔

گیا کے بعد ۱۹۰۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے، اور تقریباً آٹھ برس وہاں تدریسی خدمات انجام دیں، پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے، ۱۹۱۳ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا، بڑے عالم فاضل، منطقی فلسفی اور بافیض مدرس تھے، 'فاضل بہاری' اور 'فخر بہار' کے نام سے مشہور تھے، آپ کے تذکرہ نگار مولانا فضل حسین مظفر پوری کا بیان ہے کہ مولاناؒ کا رجحان ابتداء مسلک اہل حدیث کی طرف تھا، لیکن مدرسہ عالیہ کلکتہ کی ملازمت کے بعد پختہ حنفی ہو گئے۔[۱]

ممتاز تلامذہ

آپ کی درسگاہ سے بڑے بڑے علماء و اعیان تیار ہوئے، آپ کے تلامذہ میں شمس العلماء مولانا محمد یحییٰ سہسرامیؒ، مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ، مولانا ابوالفتح حسین احمدؒ، مولانا حکیم الٰہی بخش مبارکپوریؒ اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بہت ممتاز ہوئے، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے اپنے

۱- دبستان نذیریہ (الحیاۃ بعد المماۃ) ص ۳۹۶ مرتبہ مولانا فضل حسین مظفر پوری۔

علاقہ ہی میں (۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء کے آس پاس) آپ سے استفادہ کیا۔

تصنیفات وتالیفات

آپ صاحب تصنیف بھی تھے، فلسفہ اور فقہ پر کئی وقیع کتابیں یادگار چھوڑیں:

☆ الصحیفۃ الملکوتیۃ (حاشیہ رسالہ میرزاہد) اسی کے نتیجہ میں مناظرۂ رامپور کا مشہور واقعہ رونما ہوا۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے مولانا عبدالحق خیرآبادیؒ پر کئی مقامات پر سخت اعتراضات کئے ہیں، جو علماء خیرآباد کے لئے ناقابل برداشت بات تھی، چنانچہ خیرآبادی سلسلۂ علم وفن کے لوگوں سے آپ کا مناظرہ ہوا، جس میں آپ کے مدمقابل مشہور منطقی عالم مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکیؒ (اصلاً بہار کے رہنے والے تھے) بھی تھے، لیکن افسوس عین دوران مناظرہ مولانا عبدالوہاب بہاریؒ کا اچانک انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، شاید یہ برصغیر کے علماء معقولات کی تاریخ کا آخری مناظرہ تھا۔

☆ وقایۃ العصمۃ بشرح ہدایت الحکمۃ: علامہ اثیرالدین الابہری (م ۶۶۳ھ) کی مشہور کتاب 'ہدایۃ الحکمۃ' کی شرح ہے، اس میں بھی علامہ عبدالحق خیرآبادی کا تعاقب کیا گیا ہے، مطبع خلیلی آرہ سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوئی۔[1]

☆ الرد علی ابن ابی شیبۃ: امام ابن ابی شیبۃ نے مصنف میں ایک باب الرد علی ابی حنیفۃ لکھا ہے، یہ کتاب اسی باب کے رد میں لکھی گئی ہے، اس کا ذکر مفتی عمیم الاحسان مجددی نے اپنی کتاب ''تاریخ علم حدیث'' میں کیا ہے۔

☆ الاحقاق فی مسئلۃ الطلاق، طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر انتہائی قیمتی کتاب ہے، مولانا عبداللہ پنجابی گیلانی نے 'تحقیق المغاث فی مسئلۃ الطلاق' لکھی تھی، جس میں ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ثابت کیا گیا تھا، اس کا رد مولانا ابوالنصر گیلانی نے 'الغیاث من المغاث' کے نام سے لکھا اور حنفی نقطۂ نظر کو ثابت کیا، اس کا جواب مولانا علی حسن مدھوپوری نے مقدمۃ المغاث کے نام سے تحریر کیا، مولانا گیلانیؒ کی الغیاث کی تائید میں مولانا عبدالوہاب بہاری نے 'الاحقاق فی مسئلۃ الطلاق' لکھی، الاحقاق کا جواب مولانا علی حسن مدھوپوری نے 'اظہار الشقاق لمؤلف الاحقاق' کے نام سے اور مولانا ابوتراب عبدالرحمٰن گیلانی نے 'تردید العموم' کے نام سے لکھا۔

۱- نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۰۶۔

ستارۂ ہند پریس کلکتہ سے ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی، تعداد صفحات چودہ بائی بیس کے سائز میں اکسٹھ ہے، زبان و بیان سلیس اور رواں ہے۔[1]

☆ نظامیہ: فن معقولات کے بعض اشکالات کے حل میں ہے، مطبع عزیز دکن سے طبع ہوئی، تعداد صفحات ۱۷ ہے۔

☆ پردۂ عصمت ملقبہ یادگار بمبئی، اس میں مولاناؒ نے پردے کی اہمیت اجاگر کی ہے، اور خواتین اسلام کو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، مطبع باقری بمبئی سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوئی۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو وصال ہوا۔[2]

حضرت مولانا مبارک کریم صاحبؒ

یہ بہار کے مشہور اور ممتاز عالم دین تھے، پورا نام ابونعیم محمد مبارک کریم'' تھا، آبائی وطن شیخ پورہ تھا، ان کے والد مولوی حکیم عبدالکریم صاحب وہاں کا مکان ضائع ہونے کے بعد اپنی سسرال بہار شریف میں آکر آباد ہوگئے تھے، یہیں انہوں نے حضرت مولانا سید وحیدالحق استھانوی کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی اور آپ سے خصوصی استفادہ کیا۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ مولانا مبارک کریم صاحب ایک غریب گھرانے کے آدمی تھے اور بچپن میں شادی بیاہ وغیرہ تقریبات میں باجہ بجاتے تھے، کسی بارات میں یہ ڈھول باجہ کے ساتھ استھانواں پہنچے، صبح میں ان کی ملاقات غالباً حضرت مولانا وحیدالحق صاحب سے ہوئی، حضرت نے ان کو دیکھا تو پوچھا، بچے کیا تم پڑھو گے؟ تمہاری پیشانی سے علم جھلک رہا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے والد اجازت دیں تو ضرور پڑھوں گا، چنانچہ والد نے اجازت دے دی، اور وہ حضرت مولانا سید وحیدالحق صاحب کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، اور آپ نے ان کو خود سے تعلیم دی، اس کے بعد دنیا نے دیکھا کہ مولانا کتنے بڑے عالم ہوئے۔[3]

۱- بہار میں اردو نثر کا ارتقاء (۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک) ص ۱۳۴ مرتبہ: ڈاکٹر سید مظفر اقبال صدر شعبۂ اردو بھاگلپور یونیورسٹی، ناشر: کتاب خانہ ترپولیا پٹنہ، ۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن۔

۲- نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۳۰۶ ☆ دبستان نذیریہ (الحیاۃ بعد المماۃ) ص ۳۹۵ تا ۴۰۱ مرتبہ مولانا فضل حسین مظفرپوری ☆ تذکرہ علماء ہندوستان (مظہر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء) تالیف مولانا سید محمد حسین بدایونی (متوفی ۱۹۱۸ء) ص ۲۶۹، شائع کردہ مکتبہ جام نور، ٹیامحل، دہلی، ۱۹۱۸ء۔

۳- یہ روایت مولانا مبارک کریم کے محلہ (کہنہ سرائے) کے رہنے والے ایک معمر صاحب علم اور فاضل جناب نسیم اختر صاحب علیگ سابق استاد سائنسی علوم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے میرے عزیز دوست مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی کے سامنے نقل کی، جو انہوں نے خود مولانا مبارک کریم صاحب سے سنی تھی (تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۷۰)

پھر جونپور جا کر مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری [۱] سے بھی پڑھا، وہاں سے کانپور حاضر ہوئے اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے علاوہ مولانا ابوالانوار نور محمد صدر المدرسین مدرسہ احسن المدارس کانپور سے بھی تمام کتابیں بالخصوص صحاح ستہ مکمل پڑھیں، فراغت کے بعد پہلے ایک اسکول میں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے، پھر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے بعض ذمہ داروں کے اصرار پر اسکول سے استعفیٰ دے کر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں مدرس اول کے عہدہ پر بحال ہوئے، آپ کے عہد میں مدرسہ نے تعلیمی اعتبار سے بہت ترقی کی، بہار شریف میں مدرسہ عزیزیہ کے قیام کے بعد اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے، پھر گورنمنٹ ایڈیڈ سینئر مدرسہ دارالعلوم ڈھاکہ کے پرنسپل ہوئے، ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے ٹائٹلر کلاس کے لئے منتخب ہوئے، ۱۹۲۲ء میں جب اسلامی تعلیم کی نگرانی (سپرنٹنڈنٹ آف اسلامک اسٹڈیز) کا عہدہ قائم کیا گیا تو اس منصب پر آپ کا تقرر عمل میں آیا، اس دوران مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے خصوصی نگراں بھی رہے، ۱۹۴۰ میں اس عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ [۲] انگریزی حکومت کی طرف سے آپ کو ''خان بہادر'' کا خطاب ملا۔ [۳]

۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء کے درمیان کسی سال اعتکاف کی حالت میں اپنے محلہ ''کہنہ سرائے

۱- مولانا ہدایت اللہ جونپوری ابن مولانا رفیع اللہ اخون زادہ رام پور میں پیدا ہوئے، انیسویں صدی کے نامور عالم دین اور استاذ الاساتذہ تھے، ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، صرف ونحو کی تکمیل حافظ غلام نبی سے کی، منطق میں میرزاہد تک مولانا جلال الدین سے پڑھا، اس کے بعد برسوں تک علامہ فضل حق خیرآبادی سے اکتساب علوم وفنون کیا، مولانا ہدایت اللہ کا شمار علامہ خیرآبادی کے ان چار خصوصی تلامذہ میں ہوتا ہے جنہیں سلسلۂ خیرآباد میں ''عناصر اربعہ'' کہا جاتا تھا، مولانا نے رام پور میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مدرسہ عالیہ رام پور میں ملازم ہوگئے، ۱۸۷۰ء میں مدرسہ حنفیہ جون پور کے مہتمم اور صدر مدرس ہوگئے، اور زندگی کی آخری سانس تک اسی مدرسہ سے وابستہ رہے، اسی لئے آپ کو جونپوری بھی کہا جاتا ہے، آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں مولانا امجد علی اعظمی، مولانا شاہ سلیمان اشرف بہاری، مولانا عبدالاول جون پوری، مولانا سید برکات احمد ٹونکی، مولانا لطف الرحمٰن، مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں مسلک اہل سنت کی حمایت میں ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے مرشدآباد بنگال میں مناظرہ کیا، اور ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں ندوۃ العلماء کی اصلاح کے لئے جو اجلاس ہوا تھا، اس میں شریک ہوئے، اپنے استاذ مولانا جلال الدین کے چھوٹے بھائی شاہ چھوٹے میاں سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے، یکم رمضان ۱۳۲۶ھ/ ۲۷ ستمبر ۱۹۰۸ء کو جون پور میں ہی مولانا کا وصال ہوا، اور خانقاہ رشیدیہ جون پور کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ مولانا کی کوئی اولاد ذکور نہیں تھی (تذکرۂ علماء ہندوستان تالیف: مولانا سید محمد حسین بدایونی، تحقیق، تدوین، تحشیہ: ڈاکٹر خوشتر نورانی، ص ۸۳۰، ۸۳۱ بحوالہ باغی ہندوستان ص ۳۸۵ تا ۳۸۷، تاریخ شیراز ہند جون پور ص ۸۹۷-۹۰۷، تذکرۂ علماء اہل سنت ص ۲۶۱، ۲۶۲، تذکرۂ علماء حال ص ۹۸، تذکرہ کاملان رامپور ص ۵۱۴ تا ۵۳۴، نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۴۰۱)

۲- نور ہدیٰ حیات خدمات نور الہدیٰ بیرسٹر ابن شمس الہدیٰ بانی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ ص ۲۷، ۳۷، مطبوعہ برقی مشین بانکی پور پٹنہ، ۱۹۴۱ء۔ ☆ تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۶۳ مضمون مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی۔

۳- تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۸ ۳۳ حاشیہ۔

بہار شریف' میں وفات پائی۔ [۱]

مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں دوران تعلیم تقریباً ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء تا ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں آپ سے استفادہ کیا اور پھر آپ ہی کے ہمراہ کانپور برائے حصول تعلیم تشریف لے گئے۔

استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن فاضل کانپوریؒ

آپ صدیقی النسل تھے، شجرۂ نسب مولانا جلال الدین رومیؒ سے ہوتا ہوا حضرت صدیق اکبرؓ سے جاملتا ہے، آپ کے دادا شیخ عظمت علیؒ مدینہ منورہ سے ہجرت فرما کر پنجاب کے پٹیالا ضلع کے 'ڈسکا گاؤں' میں بس گئے تھے۔

بچپن میں پڑھنے کی طرف بالکل رجحان نہیں رکھتے تھے، بیس برس کی عمر تک کچھ بھی نہیں پڑھا، ایک بار آپ کے ایک دوست کا خط آیا تو کسی دوسرے شخص سے پڑھوانے کے لئے گئے، والد محترم نے دیکھا تو فرمایا مولانا روم کی اولاد میں ہو اور اپنا خط بھی خود نہیں پڑھ سکتے، یہ بات ان کے دل میں اتر گئی، پھر حصول علم کی طرف اس قوت کے ساتھ مائل ہوئے کہ صرف پانچ سال کی مدت میں تمام علوم وفنون میں مہارت حاصل کر لی۔

پھر علم حدیث کی تکمیل کے لئے اپنا آبائی وطن پٹیالہ چھوڑ کر لکھنؤ تشریف لائے، لکھنؤ میں آپ نے حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ [۲]

اس کے بعد دیگر علوم وفنون کی تکمیل کے لئے علی گڑھ پہنچے اور حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڈھیؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا اور فراغت حاصل کی۔

---

۱ - دراصل تذکرۂ علماء بہار (مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی) میں مولانا ظفیر الدین صاحب سابق صدر المدرسین مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کے حوالے سے تاریخ وفات ۱۹۲۰ء لکھی گئی ہے، جب کہ خود مولانا مبارک کریم کے محلہ کے ایک معمر، ذی علم فاضل جناب نسیم اختر صاحب علیگ سابق استاد سائنسی علوم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ سن وفات ۱۹۵۵ء بتاتے ہیں (تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۷۰ حاشیہ ۶ مضمون مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی)

۲ - شہر ادب کانپور مرتبہ: ڈاکٹر سید سعید احمد ص ۶۵، ۶۶ مطبوعہ سید اینڈ سید (پبلیشرز) کراچی ۲۰۰۱ء۔ مقام اشاعت: شاہراہ سعدی، کلفٹن، بلاک ۲ کراچی پاکستان۔ یہ دراصل پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جس پر کراچی یونیورسیٹی نے مصنف کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی ہے۔ کتاب کے مصنف کا آبائی تعلق کانپور سے ہے، والد کا نام حافظ سید محمد حسین مرحوم ہے، صاحب کتاب ایک معتبر محقق ہیں، ان کی کئی تحقیقی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ سے بھی آپ نے علمی استفادہ کیا، آپ کو حضرتؒ سے بے حد عقیدت تھی، آپ ہی کے ایما پر آپ مکہ معظّمہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد بہت دنوں (قریب بارہ برس) تک مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس رہے۔

پھر کانپور تشریف لائے اور مشہور زمانہ مدرسہ فیض عام کانپور کے منصب صدارت کو زینت بخشی اور ایک طویل مدت تک اس منصب پر فائز رہے، متعدد علوم وفنون کی پندرہ کتابوں کا روزانہ پوری قوت وتوجہ کے ساتھ درس دیتے تھے، کاشغر، شام، موصل، حلب، بخارا، افغانستان، سرحد تک کے علماء وفضلاء نے آپ سے درس لیا، درس وتدریس میں آپ اپنے زمانہ میں ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نہایت قوی الحفظ اور ذہن رسا کے مالک تھے، ساٹھ متون آپ کو ازبر یاد تھیں، اسی بنا پر آپ کو ''ملا متون'' بھی کہا جاتا تھا۔

۱۳۰۰ھ کے اواخر میں آپ نے مدرسہ فیض عام سے علٰحدگی اختیار کرلی اور حافظ امیر الدین صاحب وغیرہ کی مدد سے نئی سڑک مسجد رنگیان بکر منڈی میں 'دار العلوم کانپور' کے نام سے ایک نئے ادارہ کی بنیاد ڈالی، اور اسی ادارہ کو ان کے آخری تعلیمی وتربیتی مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی، زندگی کی آخری سانس تک آپ اسی مدرسہ سے وابستہ رہے۔[1]

☆ تحریک ندوہ کے کئی جلسوں کی آپ نے صدارت بھی فرمائی۔

تصنیفات وتالیفات

☆ آپ کی تحریری خدمات میں قرآن کریم کی تفسیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ شرح ترمذی - یہ بھی غالباً قلمی ہی رہ گئی، طباعت کی نوبت نہیں آسکی۔

☆ آپ کے علمی کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ مثنوی مولانا رومؒ پر حواشی کی صورت میں موجود ہے، اس مثنوی کا ترجمہ تو خود آپ کے پیر طریق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے کیا تھا، لیکن تحشیہ کا کام حضرت حاجی صاحبؒ کے حکم سے آپ نے کیا، جسے مطبع نامی نے بڑی آب وتاب اور روایتی حسن کے ساتھ ۱۹۰۰ء میں شائع کیا۔[2]

۱- شہر ادب کانپور مرتبہ: ڈاکٹر سید سعید احمد ص ۶۶ مطبوعہ سید اینڈ سید (پبلیشرز) کراچی۔

۲- شہر ادب کانپور مرتبہ: ڈاکٹر سید سعید احمد ص ۶۶ مطبوعہ سید اینڈ سید (پبلیشرز) کراچی۔

☆ افادات احمدیہ

☆ حمد اللہ کی شرح سلم کا مفصل حاشیہ تحریر فرمایا۔

☆ امکان کذب باری کے متنازع مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ 'تنزیہ الرحمٰن' تحریر فرمایا جس میں دلائل کلامیہ سے امتناع کو ثابت کیا گیا ہے۔

آپ کا سانحۂ ارتحال ۳؍صفر ۱۳۲۲ھ م ۱۸؍اپریل ۱۹۰۴ء کو کان پور میں پیش آیا[۱]، وصیت کے مطابق رئیس الاتقیا حضرت مولانا شاہ محمد عادل کانپوری قدس سرہ نے نماز جنازہ کی امامت کی، آپ کی قبر انور تکیہ بساطیان (قبرستان) کانپور میں ہے۔[۲]

حضرت مولانا محمد سجادؒ کو ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء تا ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء کانپور کے زمانۂ تعلیم میں آپ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، گوکہ براہ راست استفادہ کے مواقع کم ہی میسر آئے لیکن کانپور میں جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت ہی کا فیض تھا۔

حضرت مولانا سید عبدالشکور آہؔ مظفر پوریؒ

آپ اپنے وقت کے ممتاز عالم ربانی، صاحب نسبت بزرگ اور قادرالکلام شاعر وادیب تھے، شاعرانہ تخلص آہؔ رکھتے تھے، مجموعۂ کلام 'کلیاتِ آہؔ' کے نام سے شائع شدہ ہے جس سے ان کی بے پناہ ادبی اور شعری صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ولادت شہر مظفر پور میں ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں ہوئی، ابتدائی سے لے کر متوسطات (مشکوٰۃ شریف) تک کی بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؔ نقشبندیؒ سے پڑھیں، جو اپنے وقت کے جید الاستعداد عالم دین، عظیم مربی اور استاذ الکل تھے، کچھ کتابیں اپنے ماموں جان حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ سے بھی پڑھیں، کچھ عرصہ مدرسہ خادم العلوم (موجودہ مدرسہ جامع العلوم) مظفر پور میں بھی تعلیم حاصل کی۔

پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے والد ماجد کے حکم سے ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں کانپور تشریف لے گئے، اور دارالعلوم کانپور (مسجد رنگیان) میں دوسال امام المعقول والمنقول علامۂ زمن حضرت

۱- نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۱۸۰ مصنفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ۔
۲- تذکرہ حضرت آہؔ مظفر پوریؒ ص ۲۲۴ تا ۲۳۴۔

مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور دیگر اساتذۂ کرام سے استفادہ کیا، منطق وفلسفہ اور حدیث وفقہ کی جملہ کتب متداولہ کی تکمیل کی، اور ۱۵ ۱۳ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں دارالعلوم کانپور سے سند فضیلت حاصل کی۔

اس کے بعد دینیات بالخصوص حدیث شریف میں مزید رسوخ حاصل کرنے کے لئے شوال المکرم ۱۳۱۶ھ مطابق فروری ۱۸۹۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور استاذالاساتذہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، دیوبند میں تقریباً ایک سال قیام رہا، شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۹ء میں آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ جامع العلوم مظفر پور سے کیا اور تقریباً ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء تک آپ مدرسہ کے صدر المدرسین رہے، ۱۹۲۰ء میں آپ بحیثیت مدرس اول دارالعلوم مئو تشریف لے گئے، لیکن صرف دوسال کے بعد ہی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں آپ نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی ملازمت قبول کرلی، اور مسلسل ۲۳ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں آپ یہاں سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد وطن مالوف مظفر پور واپس تشریف لے آئے، مدرسہ جامع العلوم مظفر پور کے ارباب انتظام کی خواہش پر کچھ عرصہ اعزازی طور پر دوبارہ مدرسہ میں درس دیا، یہاں تک کہ وقت موعود آپہنچا، ۱۷/رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۷/جون ۱۹۴۶ء کو سانحۂ ارتحال پیش آیا، مظفر پور کے رام باغ قبرستان (مولوی محمد عیسیٰ کے باغ میں) آپ مدفون ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔[1]

مولانا محمد سجادؒ نے آپ سے کانپور کے زمانۂ قیام (۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء تا ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء) میں استفادہ کیا، جب کہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ خود بھی وہاں منتہی درجات کے طالب علم تھے، اور دارالعلوم دیوبند بھی مولانا محمد سجاد صاحبؒ آپ ہی کے ہمراہ تشریف لے گئے اور زیر سرپرستی بھی رہے۔

حضرت مولانا خیر الدین گیاوی (کامل پوریؒ)

حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ کی پیدائش حضرو ضلع کامل پور اٹک میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے ماموں جان مولانا راغب اللہ صاحب سے حاصل کی، پھر مہینوں کا پیدل سفر طے کرکے دیوبند

۱- حضرت آہؔ کے تفصیلی حالات اور علمی وادبی خدمات کے لئے اس حقیر کی کتاب "تذکرہ حضرت آہؔ مظفر پوریؒ" (کل صفحات ۲۳۷) کا مطالعہ کریں۔

پہنچے، ہدایہ اخیرین حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے پاس پڑھی، دورۂ حدیث حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے پڑھا، یہیں مولانا شاہ ولایت حسین دیوروی گیاویؒ اور مولانا صدیق احمد برادرِ اکبر حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ ان کے رفیق درس ہوئے۔

ان کے حالات میں قاری فخر الدین صاحبؒ نے کوئی سن وغیرہ کی تعیین نہیں کی ہے، قاری صاحب نے لکھا ہے کہ دیوبند سے فارغ ہوکر کانپور تشریف لائے، اور مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے معقولات کی تکمیل کی، اور کانپور میں ان کے ساتھی مولانا غلام حسین کانپوریؒ تھے (مولانا غلام حسین کانپوریؒ نزہۃ الخواطر کے مطابق ۱۳۰۸ھ میں کانپور سے فارغ ہوئے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ ۱۳۰۸ کی ابتدا میں مولانا خیر الدین صاحب دیوبند پہنچے اور اس کے بعد اسی سال کانپور میں معقولات کے درس میں شامل ہوئے)

مولانا خیر الدینؒ کی شادی حضرت مولانا عبد الغفار صاحب سرحدیؒ (متوفی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء) خلیفۂ ارشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بانی مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا بہار کی صاحبزادی سے ہوئی، قاری فخر الدین صاحبؒ آپ کے نامور فرزند اور خلف الرشید ہوئے، انتقال پر ملال ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں ہوا، کریم گنج گیا کے قبرستان میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔[۱]

حضرت علامہ عبد الکافی ناروی الہ آبادیؒ

اپنے زمانہ کی نادرۂ روزگار شخصیتوں میں تھے، اسم گرامی ''عبد الکافی'' اور والد کا نام مولانا عبد الرحمٰن تھا، کسی دوشنبہ کو ربیع الاول ۱۲۷۵ھ مطابق اکتوبر ۱۸۵۸ء میں اپنے وطن قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔

پانچ برس کی عمر میں تعلیم کی ابتدا کرائی گئی، ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں اپنے چچا حضرت مولانا محمد عبد السبحان نارویؒ کے پاس قصبہ کڑا ضلع الہ آباد چلے گئے، وہاں قرآن کریم حفظ کیا، ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں چچا کے ہمراہ الہ آباد پہنچے، اور تمام علوم وفنون کی درسی کتابیں چچا ہی سے پڑھیں، ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں سند فراغ حاصل کی۔

روحانی تعلیم حضرت مولانا حکیم سید فخر الدین الہ آبادیؒ (جو حکیم بادشاہ کے نام سے مشہور تھے)

۱- درس حیات ص ۱۱۹ تا ۱۹۵ تالیف قاری فخر الدین گیاویؒ، شائع کردہ: مدرسہ قاسمیہ گیا، ۱۴۳۱ھ م ۲۰۱۰ء۔

سے حاصل کی اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے، حکیم صاحب کو آپ پر فخر تھا۔ [۱]

فراغت کے بعد محلہ یاقوت گنج دائرۂ شاہ اجملؒ (الہ آباد) میں اپنے رفیق درس مولانا عبد الحمید جونپوریؒ (تلمیذ حضرت مولانا عبدالسبحان نارویؒ) کے مکان سے درس و تدریس کا آغاز کیا، شروع میں طلبہ کا رجوع زیادہ نہیں ہوا، جس سے تھوڑی کبیدگی اور مایوسی پیدا ہوئی، اس کا ذکر ایک بار اپنے مرشد زادہ مولانا حکیم مسیح الدین صاحبؒ سے کیا [۲]، تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور آئندہ کے لیے روشن امکانات کی بشارت دی۔

کچھ دنوں بعد آپ کے ایک مرید حاجی صوبہ دار خاں جو پنجاب کے باشی تھے نے آپ کو جامع مسجد کی امامت و خطابت اور درس کی پیشکش کی، جو آپ نے قبول فرمائی، چنانچہ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء سے جامع مسجد میں باقاعدہ آپ کا درس شروع ہوا، اور آپ کی درس گاہ ''مدرسہ سبحانیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی، اور بہت سے باذوق طلبہ نے آپ کی خدمت میں رہ کر متبحر علماء میں اپنا ممتاز مقام بنایا۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے مدرسہ سبحانیہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی، اور اس کی تعمیر و ترقی میں دل و جان سے لگ گئے، جلد ہی اس مدرسہ کی شناخت قائم ہوگئی، اور ہندوستان کے معروف اور اہم

۱- حضرت مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب ابن محمد زمان ابن رفیع الزماں قادری نقشبندیؒ اپنے عہد کی نابغۂ روزگار شخصیتوں میں تھے، مشہور عالم، فقیہ، حکیم اور مرشد روحانی تھے، 'حکیم بادشاہ' کے نام سے مشہور تھے، الہ آباد میں پیدائش ہوئی اور ابتدائی تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی، پھر عازم لکھنؤ ہوئے اور وہاں کے مشہور و ممتاز علماء سے درس لیا، مثلاً: مفتی نعمت اللہ بن نور اللہ صاحبؒ، شیخ محمد معین فرنگی محلیؒ، مفتی محمد ولی اللہؒ، آخوند شیر الولایتی، مفتی محمد یوسفؒ بن مفتی محمد اصغرؒ اور ان کے والد مفتی محمد اصغرؒ صاحب وغیرہ، سند حدیث شیخ حسین احمد ملیح آبادیؒ سے حاصل کی، پھر حجاز تشریف لے گئے اور حج و زیارت سے فارغ ہو کر الہ آباد واپس ہوئے، اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، اور اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم، مدرس اور حکیم ہوئے۔

طریقت کی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ محمد زمانؒ سے حاصل کی، ان کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی شیخ محمد احسن اشرف قادریؒ سے رجوع کیا، اور ان کے بعد اپنے والد کے سجادہ نشیں ہوئے، طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کی اجازت خسر محترم سید محمد عاشق کرویؒ سے حاصل ہوئی۔

کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں مثلاً: ☆ کف الالسنۃ عن تکفیر الرفضۃ ☆ الفاتحۃ فی جواز الفاتحۃ ☆ ازالۃ الشکوک والاوہام- یہ مولانا محمد اسماعیل شہید کی کتاب 'تقویۃ الایمان' کے رد میں لکھی گئی ہے، ☆ رسالۃ فی تفرقۃ البدعۃ والسنۃ۔۔ وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۸۶ء کو ہوئی (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۲۴)

۲- حکیم مسیح الدین صاحب حکیم بادشاہ مولانا فخر الدین کے صاحبزادے ہیں، الہ آباد کے مشہور علماء میں ہوئے ہیں، ولادت الہ آباد میں ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۴۵ء میں ہوئی، تمام علوم و فنون کی تکمیل اپنے والد ماجد سے ہی کی، آپ کا ایک رسالہ مناسخہ کے موضوع پر اور ایک رسالہ تصوف کے موضوع پر بھی ہے، ایک کتاب ہدایۃ الطالبین بھی ہے، وفات الہ آباد میں ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں ہوئی (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۸۰)

عربی مدارس میں اس کا شمار ہونے لگا، الٰہ آباد کے اطراف اور خاص طور پر بہار و بنگال کے طلبہ کا رجوع اس مدرسہ کی طرف زیادہ رہا، ہر سال طلبہ کی بڑی تعداد فارغ ہوتی تھی، اور سالانہ دستار بندی کا جلسہ بھی منعقد ہوتا تھا، رفتہ رفتہ الٰہ آباد کے اطراف اور دوسرے اضلاع میں اس کی متعدد شاخیں قائم ہوگئیں۔

جامع مسجد کی موجودہ وسیع وعریض اور شاندار عمارت آپ ہی کی توجہ سے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں تیار ہوئی۔

معروف شاعر اکبر الٰہ آبادی جن کو آپ سے بیعت کا تعلق تھا مسجد کے بارے میں ان کا یہ شعر بہت مشہور ہوا:

مسجد کافی کی شانِ آسمانی دیکھئے
خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے

آپ نے درس وتدریس کے ساتھ بیعت کا سلسلہ بھی قائم کر رکھا تھا، آپ کے مریدین ومتوسلین کی بڑی تعداد تھی، بکثرت مجرمین اور بدکرداروں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی، بہت سے غیر مسلم بھی آپ کی محنت وکوشش سے مشرف باسلام ہوئے، مشہور انگریزی ادیب وانشاء پرداز برنا یاڈشا کے بھتیجے نے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ھ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنہوں نے بعد میں ناظم آباد کراچی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء کے مشہور جلسۂ اصلاح ندوہ پٹنہ میں آپ نے شرکت فرمائی۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ اور مولانا فرخند علی صاحب بانیٔ مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام بہت مشہور ہوئے۔

مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے آپ سے ۱۳۱۷ھ تا ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۴ء مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں استفادہ کیا۔

حضرت مولانا عبدالکافی صاحبؒ کو اپنے ان دونوں شاگردوں پر اس قدر اعتماد اور فخر تھا کہ آخری عمر میں اکثر اہم استفتا کا جواب ان دونوں کے مشورہ کے بغیر تحریر نہیں فرماتے تھے۔[۱]

قاری ولی محمد صاحب (متوفی ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۸ھ) اور حکیم ولی احمد صاحب (متوفی

۱- فتاویٰ امارت شرعیہ ج۱ ص۲۹ ترتیب: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ھ) آپ کے صاحبزادے تھے۔

۲۰ رشعبان المعظم ۱۳۵۰ھ مطابق ۳۰ردسمبر ۱۹۳۱ء میں آپ کا وصال ہوا، مزار مبارک یحییٰ پور (الہ آباد) میں ہے۔[1]

✡✡

۱۔نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۲۸۹، ☆ تذکرۂ علماء ہندوستان ص ۶۵۰ تالیف مولانا سید محمد حسین بدایونی بحوالہ "تاریخ مشائخ الہ آباد" ص ۲۲۲ تا ۲۲۴، تذکرۂ علماء حال ص ۵۱، ☆ اور بعض چیزیں ضیاء طیبہ ڈاٹ کام سے بھی لی گئی ہیں۔

خانگی حالات

(۴)

چوتھا باب

نکاح، ازدواج واولاد

نکاح

تعلیم ظاہری سے فراغت کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد سجادؒ کو رشتۂ ازدواج سے منسلک کردیا گیا، والدین کا سایہ تو پہلے ہی سر سے اٹھ چکا تھا، البتہ بڑے بھائی صوفی احمد سجادؒ اور دیگر اکابر خاندان نے اس فریضہ کو انجام دیا۔

محل اولیٰ

حضرت ابوالمحاسنؒ کی یکے بعد دیگرے تین شادیاں ہوئیں، پہلی شادی حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ (جو آپ کے استاذ اور چچازاد بہنوئی بھی تھے) کی چھوٹی صاحبزادی 'عزیز النساء' صاحبہ سے ہوئی [۱]، آپ کی پہلی شادی کب ہوئی؟ اس میں دو طرح کی روایات پائی جاتی ہیں:

☆ مولانا محمد زکریا فاطمی ندویؒ کی روایت یہ ہے کہ پہلی شادی دوران تعلیم دیو بند سے وطن واپسی پر الٰہ آباد جانے سے قبل ہوگئی تھی، یعنی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء سے پہلے، جب آپ کی عمر شریف بمشکل اٹھارہ سال رہی ہوگی۔ [۲]

☆ جب کہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ [۳] کی تحریر کے مطابق پہلی شادی مدرسہ سبحانیہ الٰہ

۱-تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۲۸ مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی بروایت نرگس بانو صاحبہ بنت سیدہ بنت عزیز النساء زوجۂ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ، مقیم: ڈاکٹر ذاکر حسین روڈ ۸۴۴ ہزاری باغ جھارکھنڈ۔ جس وقت یہ روایت لی گئی تھی اس وقت نرگس بانو صاحبہ باحیات تھیں، اب اللہ کو پیاری ہوچکی ہیں، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائیں آمین۔

۲-محاسن سجاد ص ۱۱۔

۳-حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ ہندوستان کے عظیم المرتبت علماء اور قائدین میں ممتاز تھے، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء کے چھوٹے فرزند تھے، اسم گرامی: منت اللہ، اور کنیت: ابوالفضل تھی، آپ کی ولادت ۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (۵ر مئی ۱۹۱۴ء) خانقاہ رحمانی مونگیر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم خانقاہ رحمانی مونگیر میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے پاس ہوئی، گیارہ سال کی عمر میں حیدرآباد بھیج دیئے گئے، وہاں ایک سال حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کی خدمت میں رہے، ان سے صرف، نحو، منطق اور دیگر فنون کی کتابیں پڑھیں، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، یہاں چار سال رہے اور ہدایہ اور مشکوٰۃ وغیرہ تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۳۰ء میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور یہاں بھی چار سال رہ کر ۱۹۳۴ء میں فراغت حاصل کی، اس طرح آپ نے ملک کی دونوں مرکزی درسگاہوں سے فیض پایا، دیو بند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے خاص تعلق تھا، جو آخر تک قائم رہا، دیو بند کی طالب علمی ہی کے زمانہ سے تحریک آزادی میں شامل ہوگئے، اور اس بنا پر کچھ دن جیل میں بھی رہے، فراغت کے بعد خانقاہ رحمانی میں درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، وہاں سے الجامعہ مجلہ جاری کیا جس کے وہ مدیر تھے، اور اسی دوران حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ سے رابطہ ہوا اور ←

آباد سے فراغت کے بعد ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں ہوئی جب آپ کی عمر صحیح تاریخ پیدائش کے مطابق اکیس سال کی تھی۔[۱]

ان دونوں روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ نکاح فراغت سے قبل ۱۳۱۷ھ میں ہوگیا ہواور رخصتی (یا باقاعدہ شادی) ۱۳۲۰ھ میں ہوئی ہو۔

پہلی اہلیہ چودہ برس تک زندہ رہیں، اور بقول حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ ان سے پانچ (۵) اولاد ہوئی، دولڑکے اور تین لڑکیاں۔[۲]

لیکن حضرت مولانا محمد سجادؒ کی اپنی نواسی نرگس بانو (جو پہلے محل ہی سے تھیں) اپنی والدہ سیدہ بنت عزیز النساء سے روایت کرتی ہیں کہ پہلے محل سے تین ہی اولاد ہوئی، دولڑکے اور ایک لڑکی، بڑے لڑکے کا نام 'احسن امام' تھا جو ایام طفلی ہی میں گیا (بہار) میں انتقال کر گئے، دوسرے حسن امام تھے[۳]،

← آپ کے حلقۂ تربیت میں داخل ہوئے، اور آپ ہی کے حکم پر مختلف قومی وملی تحریکات میں حصہ لیا، حضرت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سجادؒ کو اپنی سب سے محسن شخصیت قرار دیتے تھے (جیسا کہ حضرت امیر شریعت رابع کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے)۔

بیعت اپنے والد ماجد سے ہوئے مگر روحانی تعلیم کی تکمیل حضرت مولانا عارف حسین ہرسنگھ پوری سے کی، اپنے برادر بزرگ مولانا شاہ لطف اللہ صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۴۰ء میں خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں ہوئے۔

۱۹۴۵ء میں جامعہ رحمانی کا احیاء کیا، ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ منتخب ہوئے۔ ۲۴/مارچ ۱۹۵۷ء کو امیر شریعت ثالث حضرت مولانا قمر الدین پھلواروی کے انتقال کے بعد بحیثیت امیر شریعت رابع منتخب ہوئے، آپ کے دور امارت میں امارت شرعیہ نے بے مثال ترقی کی، موجودہ عمارتیں آپ ہی کی جدوجہد کی دین ہیں، تقریباً چونتیس سال اس منصب پر فائز رہے۔

۱۹۷۲ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک چلائی، اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تائید کے بعد اس کی تاسیس عمل میں آئی، اور حیدرآباد کے اجلاس میں آپ اس کے پہلے سکریٹری منتخب ہوئے، ۲۹/مارچ ۱۹۹۱ء کی شب میں نماز تراویح کے دوران دل کا دورہ پڑنے سے اچانک انتقال ہوا، اور اپنے والد محترم حضرت مونگیریؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے، مولانا نے ملک وملت کے لئے جو عظیم خدمات انجام دی ہیں وہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکیں گی (ماخوذ از نقیب (امارت شرعیہ پھلواری شریف کا امیر شریعت رابع نمبر، اور 'حضرت امیر شریعت نقوش وتاثرات' از مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی)

۱- حیات سجادؒ ص ۱۶۔

۲- حیات سجادؒ ص ۱۶ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

۳-حضرت مولانا سجادؒ پر لکھے گئے مطبوعہ مضامین اور تذکروں میں آپ کے صاحبزادے کا نام 'حسن سجاد' بتایا گیا ہے (دیکھئے: محاسن سجاد ص ۵۵ مضمون مولانا حافظ عبدالحکیم اوگانوی، وص ۲۷ مضمون مولانا مسعود عالم ندوی۔ وحیات سجادؒ ص ۱۴ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی) جب کہ نرگس بانو صاحبہ جو اس گھر کی فرد ہیں "حسن امام" نقل کرتی ہیں، اصولی طور پر اندرون خانہ کی روایت زیادہ معتبر ہونی چاہئے، لیکن یہ حضرات صاحب علم تھے اور حضرت مولانا محمد سجادؒ کے خاص لوگوں میں تھے، بالخصوص حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ تو مولانا حسن سجادؒ کے رفیق درس تھے، دیوبند میں دونوں نے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی، ناممکن ہے کہ شب وروز ساتھ رہنے والا شخص ان کے اصل نام سے واقف نہ ہو، اسی طرح مولانا مسعود عالم ندویؒ مولانا حسن سجادؒ کے بچپن کے دوستوں میں تھے اور گاؤں میں ساتھ کھیلا کرتے تھے، ان سے زیادہ ان کو کون جان سکتا تھا؟ وہ جنازہ میں شریک رہے، ان کے رشتۂ نکاح کی تفصیلات سے واقف تھے، پڑوس کے گاؤں میں رہتے تھے۔

ان دونوں روایات میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ گھر میں ان کا اصل نام 'حسن امام' ہی رہا ہو، اور گھر کے لوگ اسی نام سے جانتے ہوں، لیکن جب صاحبزادہ کا شعور بالغ ہوا، اور وہ اپنے والد کی شخصیت کی عظمت سے واقف ہوئے اور ملک میں چہار سو ان کی شہرت ونیک نامی کے چرچے سنے ہوں تو اس سے متاثر ہو کر انہوں نے بطور خود یا والد گرامی کی اجازت سے اپنے کو 'حسن سجاد' کہلانا پسند کیا ہو، پھر اسی نام سے دارالعلوم دیوبند میں بھی داخلہ لیا ہو، اور قومی تحریکات میں بھی ان کی حصہ داری اسی نام سے رہی ہو، عرفی نام 'حسن' تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

جو دارالعلوم دیوبند سے فاضل ہوئے، اور ۱۹۳۴ء میں شادی کی تاریخ سے عین دو تین دن قبل ان کی وفات ہوگئی، صاحبزادی کا نام سیدہ تھا، وہ اپنی والدہ عزیز النساء کے انتقال کے وقت صرف دو سال کی تھیں، اس لئے ان کی پرورش و پرداخت ان کی چھوٹی پھوپھی رابعہ خاتون نے کی، رابعہ خاتون پنہسہ ہی میں رہتی تھیں ان کو ایک لڑکا تھا جو تین سال کی عمر میں انتقال کرگیا۔

سیدہ جب بڑی ہوگئیں تو ان کی شادی ہرگاواں میں جناب عبدالقدوس صاحب سے ہوئی، ان سے چھ اولاد ہوئی: ایک لڑکا اور پانچ لڑکیاں۔لڑکا کا نام شکیل تھا، یہ جوان ہونے کے بعد ۱۹۴۶ء میں بہار کے مسلم کش فسادات میں ہرگانواں ندی کے کنارے اپنے والد کے ساتھ شہید کردیئے گئے۔

ان کی پانچ بیٹیوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- عطیہ بانو زوجہ نصیر الدین، مقام: میر نگر ضلع شیخ پورہ بہار۔

۲- رشیدہ بانو زوجہ سید ظفر، مقام: مگھڑا ڈمراواں بہار شریف۔

۳- آرزو زوجہ سید شہاب الدین، مقام: مگھڑا ڈمراواں بہار شریف۔ نکاح کے بعد ہی انتقال کرگئیں۔

۴- نرگس بانو زوجہ سید شہاب الدین (آرزو کے انتقال کے بعد ان سے عقد ہوا) بوقت روایت باحیات تھیں اب فوت ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۵- عشرت بانو زوجہ عبدالماجد، مقام: بہار شریف محلہ سرائی پر، آج کل چھوٹی درگاہ کے نام سے مشہور ہے، یہاں حضرت میر عالم زاہدیؒ کا آستانہ ہے۔[1]

محل ثانیہ

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی دوسری شادی پہلی اہلیہ محترمہ عزیز النساء صاحبہ کے انتقال کے دو برس بعد ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں گیلانی کے مشہور دینی وعلمی خانوادہ کی یادگار ابوالمعالی خان بہادر مولانا سید عبدالعزیز صاحبؒ کی صاحبزادی محترمہ شاکرہ صاحبہ سے ہوئی، مولانا سید عبدالعزیز صاحب کے والد ماجد حضرت میر واعظؒ ایک مشہور صوفی بزرگ تھے، جن سے متأثر ہوکر مشہور آنتی کے راجہ نے اسلام قبول کیا تھا پھر وہ راجہ سلسلۂ فردوسیہ کے مشہور و معروف بزرگ جناب سید شاہ امیر الدین سجادہ نشیں حضرت مخدوم جہاںؒ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوا۔

۱- تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۲۸، ۲۹ مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی بروایت نرگس بانو صاحبہؒ اور ان کے صاحبزادے جناب محمد اسلم صاحب۔

یہ دوسری اہلیہ پہلی اہلیہ کی قریبی رشتہ دار تھیں، بہن کی بیٹی تھیں، یعنی محترمہ عزیز النساء رشتہ میں ان کو خالہ لگتی تھیں، ان سے بھی کئی اولاد ہوئی، بقول مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ ان سے چھ اولاد ہوئی، تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔[1] جب کہ محترمہ نرگس بانو صاحبہ کا بیان یہ ہے کہ ان سے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہوئیں، لڑکے (نام معلوم نہیں) کا انتقال پانچ سال کی عمر میں ہوگیا تھا، پھر ایک لڑکی زبیدہ کا آٹھ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، ان کے بعد دو لڑکیاں (۱) طاہرہ (۲) اور نسیمہ زندہ رہیں، اب انہی دونوں سے حضرت مولاناؒ کی نسل چل رہی ہے۔

☆ طاہرہ کی شادی مولانا علی حسن ابو جمال رونقؔ استھانوی (مقام استھانواں) سے ہوئی، رونق صاحب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے فارغ تھے، اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے، حافظ اور ڈاکٹر بھی تھے، مولانا محمد سجادؒ کے بعد اس خاندان میں آپ کے یہی ایک علمی یادگار باقی رہے، ان کا مستقل تذکرہ آگے آرہا ہے ان شاء اللہ۔

محترمہ طاہرہ صاحبہ سے چار اولاد ہوئی، تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، لڑکے کا نام محمد جمال تھا۔

☆ بڑی لڑکی کا نام نبیرہ خاتون تھا، ان کی شادی محمد سلیم صاحب (بڑی درگاہ بہار شریف) سے ہوئی۔

☆ دوسری لڑکی کا نام نفیسہ تھا، ان کی شادی حضرت مولانا سجادؒ کے چچا جناب مخدوم بخش صاحبؒ کے پوتے عبدالفتاح (متوفی ۱۹۸۱ء) سے ہوئی، نفیسہ صاحبہ کا انتقال ۲۰۰۶ء میں ہوا۔

☆ تیسری لڑکی کا نام شفیقہ ہے، ان کی شادی صلاح الدین (مقام پنہسہ) سے ہوئی۔

حضرت مولاناؒ کی دوسری صاحبزادی (محل ثانیہ سے) نسیمہ خاتون ہیں، ان کی شادی محمد اعظم سے ہوئی، ان سے چھ اولاد ہوئی، چار لڑکے اور دو لڑکیاں۔

لڑکوں کے نام ہیں: (۱) محمد اسلم آرزو - امارت شرعیہ پٹنہ میں تاحیات ملازم رہے (۲) محمد جاوید (۳) محمد شاہد پرویز (۴) شبیر احمد۔ اور لڑکیوں کے نام ہیں (۱) افروز (۲) اور شمسی۔[2]

محل ثالثہ

جب دوسری اہلیہ "بی بی شاکرہ خاتون" کچھ عرصہ کے بعد مسلسل بیمار رہنے لگیں، آنکھوں سے بھی بالکل مجبور ہوگئیں، یہاں تک کہ گھر کا کام کاج اور بچوں کا سنبھالنا بھی مشکل ہوگیا، تو حضرت مولاناؒ نے مجبوراً تیسری شادی (سن کا علم نہ ہوسکا) گیا میں ایک بیوہ خاتون 'نور جہاں' (بنت حافظ

۱- حیات سجاد ص ۱۶ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

۲- تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۲۹، ۳۰ مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی بروایت محترمہ نرگس بانو صاحبہ و صاحبزادہ محمد اسلم۔

ضمیر الدین) سے کی [۱]، ان کا پرنانیہال گیلانی تھا، جس طرح کہ محترمہ شاکرہ صاحبہ کا دادیہال گیلانی تھا، اس بنا پر دونوں میں قریبی رشتہ داری تھی، محترمہ شاکرہ صاحب گیلانی کے مشہور بزرگ حضرت میر واعظ صاحبؒ کی اپنی پوتی (یعنی صاحبزادہ مولانا سید عبدالعزیزؒ کی بیٹی) اور محترمہ نور جہاں صاحبہ اپنی پرنواسی (یعنی نواسی بی بی سکینہ خاتون زوجہ حافظ ضمیر الدین کی بیٹی) تھیں، یعنی شاکرہ، نور جہاں کی اپنی ممیری خالہ ہوتی تھیں، اور نور جہاں، شاکرہ کی پھوپھی زاد بہن کی بیٹی ہوتی تھیں [۲]، شادی کے سن کا پتہ نہ چل سکا، البتہ ان سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا، جو صغرسنی میں ہی انتقال کر گیا۔ [۳]

مولانا محمد حسن سجادؒ

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے بڑے صاحبزادہ کا نام (جو محل اولیٰ سے تھے) محمد حسن سجاد تھا، لیکن خاندان میں وہ حسن امام کے نام سے جانے جاتے تھے، جیسا کہ حضرت مولانا سجادؒ کی اپنی نواسی محترمہ نرگس بانو صاحبہ کے حوالے سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے، خاندان کے لوگ پیار سے ان کو 'حاسو' کہتے تھے [۴]، مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے ان کو اپنا ہم عمر لکھا ہے [۵]، اس لحاظ سے ان کا سن ولادت ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء بنتا ہے، بڑے عالم فاضل اور شعلہ بیان خطیب تھے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کے ساتھ دارالعلوم دیو بند سے ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں فارغ ہوئے۔ [۶]

نوعمری ہی میں قومی وملی معاملات میں اپنے والد ماجد کی طرح انتہائی متحرک اور پرجوش تھے، ۱۹۳۰ء کے سیاسی ہنگاموں کے دوران سول نافرمانی یا تحریک خلافت کے سلسلے میں باڑھ (ضلع پٹنہ) میں ایک تقریر کے جرم میں اسیر فرنگ ہوئے، اور غالباً چھ مہینے کی سزا ہوئی [۷]، مدت تمام کرنے کے بعد گھر واپس تشریف لائے، کچھ عرصہ بعد آپ کے نکاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اور

۱-محترمہ نور جہاں صاحبہ کی پہلی شادی ڈاکٹر محمد شمس الدین (مقام پیہڑ یا ضلع نالندہ) سے ہوئی تھی، یہ سید مقبول احمد صاحب کے بھتیجے تھے جو بہار میں پی ڈبلیوڈی کے وزیر تھے، نور جہاں کو پہلے شوہر سے دو لڑکے تھے: (۱) بدر زاہدی (۲) قمر زاہدی، بدر زاہدی کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، قمر زاہدی سے خاندانی سلسلہ جاری ہے، ان کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، لڑکوں کے نام یہ ہیں: (۱) قیصر اقبال زاہدی (۲) سرور اقبال زاہدی (۳) مظفر اقبال زاہدی (۴) منظر اقبال زاہدی (۵) مظہر اقبال زاہدی۔

لڑکیوں کے نام ہیں: (۱) صبیحہ (۲) طلعت ناہید (تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۳۰، ۱۳۱ مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی بحوالہ سید مجاہد فردوسی کی والدہ جو نور جہاں کے اپنے بھائی سید شاہ جہاں مرحوم کی بیوی ہیں، محلہ خانقاہ بہار شریف کی باشی ہیں)

۲-تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۳۰، ۱۳۱ مضمون ڈاکٹر کفیل احمد ندوی بروایت محترمہ نرگس بانو صاحبہ۔

۳-حیات سجاد ص ۱۶ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

۴-محاسن سجاد ص ۲۷ مضمون مولانا مسعود عالم ندویؒ۔

۵-حیات سجاد ص ۱۴۔

۶-حیات سجاد ص ۱۴۔

۷-محاسن سجاد ص ۵ مضمون مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ۔

شادی کی تاریخ بھی طے ہو چکی تھی کہ اچانک ان پر نمونیہ کا شدید حملہ ہوا، یہ زلزلہ ۱۹۳۴ء (مطابق ۱۳۵۳ھ) کے سال کی بات ہے، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اس وقت سحبان الہند مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ کے ہمراہ چمپارن کے زلزلہ زدہ علاقوں کے دورہ پر تھے، آپ کو تار کے ذریعہ بیٹے کی بیماری کی اطلاع دی گئی، مولاناؒ نے خط ہی کے ذریعہ پٹنہ میڈیکل کالج کے اسپتال میں داخل کرنے کی ہدایت دی، پھر گھر سے تار کیا گیا کہ ''بیٹے کی زندگی خطرہ میں ہے۔'' آپ مصیبت زدگان کو چھوڑ کر گھر واپس جانے پر آمادہ نہ تھے، لیکن مولانا احمد سعید دہلویؒ اور دیگر مخلصین کے اصرار پر آپ گھر تشریف لے گئے، مگر مولانا گھر ایسے وقت پہنچے جب وقت گذر چکا تھا، وہ بیمار بیٹے پر صرف حسرت بھری نگاہ ڈال سکے، اور بیٹا تو یہ بھی نہ کر سکا، وہ بے ہوش تھا، دو تین دن اسی کیفیت میں گذرے، اور مولانا حسن سجادؒ اپنے عظیم باپ کی قربانیوں میں ایک نئے باب کا اضافہ کر گئے، شادی کی تاریخ سے صرف دو تین دن قبل (۱۹۳۴ء) جان جان آفریں کے حوالے کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔[۱]

مولانا ابوجمال علی حسن رونقؔ استھانویؒ

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی دوسری علمی یادگار آپ کے داماد مولانا علی حسن رونق استھانویؒ تھے، آپ کا اسم گرامی 'علی حسن'، کنیت 'ابوالجمال' اور تخلص 'رونقؔ' تھا، والد کا نام سید ابوالحسن اور دادا کا نام وارث علی تھا، پیدائش ۱۹۰۸ء میں استھانواں (ضلع نالندہ) میں ہوئی، آپ حسنی وحسینی سادات اور عالی خاندان میں سے ہیں، دادا کی نسبت سے اب تک اہل خاندان وارثی لکھتے ہیں، ان کے والد خانقاہ محلہ میں معلم تھے، اور چچا مولانا ابوالبرکات استھانوی (متوفی ۱۲/ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۰۱ء) بھی سجادہ نشیں خانقاہ مخدوم الملک بہار شریف حضرت شاہ امین فردوسی کے خلیفہ اور ممتاز عالم دین تھے، اور ایک بھائی مولانا عبدالغفور شررؔ استھانوی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معاون ناظم تھے، ایک بھائی حافظ صدرالحسن صاحب فاضل مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کے ایک سرکاری اسکول میں مدرس تھے، ابتدائی تعلیم مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں حاصل کی اور یہیں آپ نے منشی شمس الدین اعجاز رقم لکھنویؒ کے تلمیذ رشید منشی حبیب الرحمٰن بہاری مرحوم سے فن خطاطی کی سند حاصل کی، اس کے بعد پنجاب، مدرسہ امینیہ دہلی، دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سفر کیا، گیا میں اپنے رضاعی والد حضرت مولانا خیرالدین صاحب گیاویؒ سے عربی پڑھی، اور فخرالحکماء حکیم محمد ابراہیم صاحب سیکریٹری درسگاہ طبیہ گیا سے طب کی تعلیم حاصل کی، علامہ اسمٰعیل

۱- محاسن سجاد ص ۲۷ مضمون مولانا مسعود عالم ندویؒ ☆ حیات سجاد ص ۱۴ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ ☆ وحیات سجاد ص ۹۹، ۱۰۰ مضمون مولانا شاہ سید حسن آرزو۔

رساؔ صاحب گیا وی ٹرپیل ایم اے وگولڈ میڈلسٹ سے فن شاعری میں اصلاح لی، آخر میں مدرسہ انوار العلوم سے سند حدیث حاصل کی، عجب نہیں کہ یہیں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ سے تلمذ حاصل ہوا ہو، ۱۹۲۸ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سند فضیلت حاصل کی، اسی کے ساتھ پٹنہ ہومیو پیتھک نیشنل کالج سے ڈاکٹری کی ڈگری بھی حاصل کی، اس طرح گوناگوں علوم وفنون کے مالک ہوئے، وہ زبردست عالم ہونے کے علاوہ خطاط، عالم، حکیم، ڈاکٹر اور ممتاز شاعر بھی تھے، ملک کے اکثر چھوٹے بڑے اخبارات ورسائل میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے، اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شاعری پر قدرت حاصل تھی، کچھ دنوں اورنگ آباد دکن میں بھی رہے، اسی اثناء ہندوستان کے نامور شاعر حضرت جلیلؔ نواب فصاحت جنگ بہادر استاذ نظام الملک سلطان دکن سے بھی مشورۂ سخن لیا، وہ بھی آپ کی شاعری کی تحسین فرماتے تھے، مولانا تمناؔ پھلواروی بھی آپ کی شاعری کے مداح تھے، مشہور شاعر دردؔ کاکوروی (نذر الرحمٰن یا میر نذر علی درد) سے بھی ان کے مراسم رہے، درد کے ہدیہ کیئے ہوئے کئی مجموعہائے اشعار کتب خانہ الفلاح (استھاواں) میں موجود ہیں، جن پر ''حضرت مولانا علی حسن رونق استھانوی زید لطفہ - درد کاکوروی'' لکھا ہے، فراغت کے بعد کچھ عرصہ جامعہ رحمانی مونگیر میں بھی مدرس رہے، جامعہ رحمانی مونگیر کے ترجمان الجامعہ کے ۱۹۳۰ء کے شماروں میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں، جن میں ان کے نام کے ساتھ استاد جامعہ رحمانی لکھا ہے، جس سے ان کی وہاں تدریس کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے وطن میں مدرسہ محمدیہ کے قیام کے بعد وہاں بھی کچھ دنوں تدریسی خدمت انجام دی، اخیر میں مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں مدرس ہوگئے تھے، اور تقریباً بیس سال خدمت انجام دے کر قریب ۱۹۸۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ سبکدوشی کے بعد تاحیات قریب دس سال تک بہار شریف کے محلہ لہیری میں ایک چھوٹے سے حجرہ میں مقیم رہے۔[1]

وہ صاحب دیوان شاعر تھے ان کا دیوان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں مطبع سلفی بھیرو پٹی ضلع دربھنگہ سے شائع ہوا، اس میں غزل، مسدس، مثلث، قطعات، رباعیات، حمد ونعت ودیگر قومی نظمیں شامل ہیں، یہ دیوان کافی مقبول ہوا اور ارباب سخن سے خراج تحسین وصول کیا۔[2]

۱- تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۱۷۸، ۱۷۹ حاشیہ مولانا طلحہ نعمت ندوی، نیز دیوان رونق کا مقدمہ وغیرہ،
۲- دیوان رونق کا مقدمہ ص ۲ تا ۴ تحریر کردہ جناب سید مطیع الرحمٰن صاحب، یہ دیوان جناب مولوی محمد محسن صاحب محسنؔ بی اے ایڈمنسٹر مسلم ایچ ای اسکول دربھنگہ، اور جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب بی اے وکیل کی فرمائش پر جناب سید مطیع الرحمٰن غوثی سکریٹری دار التصنیف والتالیف بھیرو پٹی ڈاکخانہ چک بہاء الدین ضلع دربھنگہ کے زیر اہتمام مطبع سلفی بھیرو پٹی دربھنگہ سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا، (بشکریہ مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی)

مولانا ابوالیمین محمد یٰسین بسفنوی مدرس اول یتیم خانہ دربھنگہ کے قطعات تاریخ طباعت دیوان رونق دیوان میں شامل ہیں، جس کا ایک بند یہ ہے:

اگر خواہی کہ بینی شان رونق　　بیا بنگر گل بستان رونق
بفصل گل بگو تاریخ فصلی　　شگفتہ ایں دیوان رونق　(۱۳۴۳ف)
ازیں فصلی بیابی سال ہجری　　نگاہے برسرایوان رونق　(۱۱)
(۱۳۵۴ھ)

☆ دوسرا مجموعۂ کلام 'اشک رونق' تاریخی نام 'ضرب رونق' (۱۳۵۸ھ) ان کے برادرزادہ سید احمد سعید صاحب ہنرؔ استھانوی فرزند حضرت علامہ شررؔ استھانوی ندوی کے اہتمام سے حافظ قاری معز الرحمٰن صاحب وصلؔ استھانوی تلمیذ حضرت رونقؔ کی فرمائش پر ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں شاہی پریس لکھنؤ سے چھپ کر دفتر انجمن الفلاح استھانواں ضلع نالندہ سے شائع ہوا اس میں زیادہ تر کلام انہی کا ہے، البتہ کچھ ان کے تلامذہ کے کلام بھی شامل ہیں، آغاز کتاب میں ان کے خویش مولوی حکیم سید مظاہر حسین دسنویؒ کا عرض ناشر ہے۔[1]

استھانواں کی انجمن الفلاح سے ہی ان کا ایک اور مجموعۂ کلام 'لمعات رونق' منشی سید نصیر الدین صاحب استھانوی کی فرمائش پر اور جناب شیخ نجیب الدین صاحب استھانوی کے زیر اہتمام شائع ہوا[2]، رونق صاحب کے زمانہ میں انجمن الفلاح کافی متحرک اور سرگرم تھی۔[3]

نمونۂ کلام رونقؔ

بطور نمونہ ان کی شاعری کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

زہے قسمت کہ میں دل سے ہوا شیدا محمد کا　　نظر آجائے گا اب خواب میں جلوہ محمد کا
خدا کا ہوگیا پیارا یہ عزت ہوگئی حاصل　　جو قسمت سے ہوا کوئی بشر شیدا محمد کا
فرشتے خاک پائے مصطفیٰ آنکھوں سے ملتے تھے　　شب معراج یوں ظاہر ہوا رتبہ محمد کا
نہ کیوں کر دولت کونین مل جائے مجھے رونق　　ان آنکھوں سے اگر دیکھوں رخ زیبا محمدؐ کا

میری آہوں کا شرر شعلہ فگن ہوجائے گا　　دیکھنا بے چین وہ سیمیں بدن ہوجائے گا

۱- یہ معلومات ''اشک رونق'' کے ٹائٹل سے لی گئی ہیں۔
۲- لمعات رونق کے ٹائیٹل سے ماخوذ۔
۳- میں شکر گذار ہوں جناب مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی صاحب کا کہ انہوں نے رونقؔ صاحب کے بارے میں مجھے اہم تفصیلات فراہم کیں، اور آپ کے مجموعہائے کلام کے ضروری صفحات کے عکس ہمیں ارسال فرمائے فجزاہ اللہ۔

جیتے جی کے سب ہیں جھگڑے پھر کہاں سوز والم — ختم اک دن خود بخود رنج ومحن ہو جائے گا
پھول پتوں میں چھپائیں گے حیا سے اپنا منہ — خندہ زن جب باغ میں وہ گلبدن ہو جائے گا
بے کسی آنسو بہائے گی جو میری لاش پر — ہر بگولا دشت کا میرا کفن ہو جائے گا[1]

بے وفا تو جو مرے گھر کبھی مہماں ہوتا — میرے دل کا بھی تو پورا کبھی ارماں ہوتا
دست نازک سے وہ بیڑی جو پہناتے مجھ کو — ہائے کس شان سے میں داخل زنداں ہوتا
منتفع ہوتا جو میں فیض رسا سے پیہم — مجھ سا رونقؔ نہ کوئی آج سخنداں ہوتا[2]

اس قدر علم وفضل کے باوجود مالی اعتبار سے کبھی آسودہ نہیں رہے، مختلف شہروں کا چکر لگاتے رہے، طبیعت میں سیمابیت تھی، کبھی استقرار نصیب نہیں ہوا، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے بہار میں اپنی حکومت بنائی، بڑی طاقت اور اثر ورسوخ کے مالک تھے، بے شمار لوگوں کو آپ نے نفع پہنچایا، مولانا رونق صاحبؒ بھی پانچ روپے کی کسی ملازمت کے خواہاں تھے، لیکن مولانا سجادؒ کی غیرت نے ان کو اپنے عزیز کے لئے کسی کے سامنے لب کھولنے کی اجازت نہیں دی اور وہ اپنے داماد کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ فرحمہما اللہ۔[3]

مولانا رونقؔ صاحب کی وفات ۵؍اپریل ۱۹۹۳ء (۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ) کو کہنہ سرائے میں فیروز نیر صاحب کے مکان پر ہوئی جہاں وہ آخری دنوں میں چند مہینوں سے مقیم تھے، پہلا جنازہ جامع مسجد بہار شریف میں ہوا، بعدہ جنازہ بذریعہ ٹرک موضع پنہسہ لے جایا گیا، جہاں دوسری جماعت ہوئی اور وہیں مسجد کے احاطے میں مدفون ہوئے۔[4]

❁❁

۱- دیوان رونقؔ ص ۵ غزل نمبر ۱، ۲۔
۲--- دیوان رونقؔ ص ۶ غزل نمبر ۴۔
۳--- حیات سجاد ص ۱۵ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔
- تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۸۰ حاشیہ مولانا طلحہ نعمت ندوی بروایت پروفیسر سید امتیاز صاحب علیگ سابق پروفیسر علامہ اقبال کالج بہار شریف ساکن محلہ بارہ دری (بہار شریف) شاگرد رشید علامہ علی حسن رونقؔ صاحب۔

روحانی حالات

(۵)

پانچواں باب

تعلیم روحانی وتزکیۂ باطن

تعلیم روحانی وتزکیۂ باطن

انسان کے کامل ہونے کے لئے علم باطن بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ علم ظاہر، بلکہ علم باطن ہی تمام علوم ظاہرہ کی روح ہے، علم ظاہر ذہن ودماغ کی تربیت کرتا ہے تو علم باطن قلب وروح کی، علم باطن ہی علم ظاہر کا سمت سفر متعین کرتا ہے، علم ظاہر ایک لبادہ ہے جس کے اندر ایک حقیقت مستور ہوتی ہے، اسی حقیقت کو دریافت کرنے کا نام علم باطن ہے، علم باطن ہی صحیح طور پر خلوت وجلوت میں انسان کی نگرانی کرسکتا ہے، اعمال صالحہ تقویٰ کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں، اسی لئے ہر دور کے علماء اور خواص کے یہاں صوفیانہ مزاج ومذاق اور تزکیۂ باطن کا رجحان ملتا ہے، اہل علم ہمیشہ معرفت کی دکانوں سے سودائے دل کے خریدار رہے ہیں، علم ظاہر نے دواماً علم باطن سے جلا حاصل کی ہے، اور علم کے علو نے فقر غیور کی مسکنت سے زندگی کا ادب سیکھا ہے، ہمیشہ اسی طرح ہوا ہے اور آئندہ بھی اسی طرح ہوتا رہے گا، اور جب تک اس پاک روایت کا تسلسل قائم ہے اس امت کے لئے خیر وصلاح کی ضمانت بھی برقرار ہے۔

مولاناؒ کا ذوق تصوف خاندانی تھا

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی اسی قدسی روایت کے امین اور شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے، اور یہ چیز ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، تصوف کا مذاق اس خانوادہ کی سرشت میں موجود تھا، والد ماجد مولوی حسین بخش صاحب بڑے متقی، دیندار، قانع، متوکل اور مولوی سے زیادہ صوفی بزرگ تھے، سلسلۂ نقشبندیہ کے صاحب نسبت بزرگ حضرت قاری سید احمد صاحب شاہ جہاں پوریؒ سے بیعت تھے[1]، پیرومرشد کو دعوت دے کر اپنے گھر (پنہسہ) لائے اور یہاں بیعت

۱- قاری احمد شاہجہاں پوری صاحب کا مکان محلہ جھنڈ کلاں میں چھوارے والی مسجد کے قریب تھا، انگریزی فوج میں ملازم تھے، جنگ کابل میں زخمی ہوگئے تھے، لڑائی ختم ہونے کے بعد ملازمت چھوڑ دی، اور درویشی کی طرف رجحان ہوگیا، خلیفہ محمد علی صاحب سے بیعت ہوئے، اور فن قراءت میں قاری عباس صاحب پیلی بھیتی کے شاگرد ہوئے، قراءت حاصل کرکے حج بیت اللہ کو گئے اور مکہ معظمہ میں پانچ برس تک قیام کرکے قراءت کا تکملہ کیا اور وطن واپس آکر تمام عمر بچوں کی تعلیم میں مشغول رہے۔ احسان خاں نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ قاری صاحب پہلے حاجی سعد اللہ شاہ صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے، اور جب حاجی صاحب حیدرآباد تشریف لے گئے تو آپ نے شاہ غلام جیلانی صاحب سالن بلاسپور علاقہ ریاست رامپور سے خاندان قادریہ میں بیعت کرلی تھی، نواب وزیر الدولہ والی ٹونک آپ کے بہت معتقد تھے اور کچھ خدمت بھی کرتے تھے۔ ۱۳۰۶ھ مطابق 1888ء میں وفات پائی اور چھوارے والی مسجد میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ شاہ جہاں پور محمد صبیح الدین خلیل نامی پریس لکھنؤ، 1936ء تذکرہ قاری احمد صاحب)

ہوئے، اپنے بڑے صاحبزادے صوفی احمد سجادؒ کو بھی ان سے بیعت کرایا، رشتہ کے داماد اور پورے علاقے کے سب سے مرکزی اور بافیض عالم دین حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ بھی حضرت قاری صاحبؒ ہی کے دست گرفتہ تھے ا غرض''

ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است

حضرت قاری سید احمد شاہجہاں پوری نقشبندیؒ سے بیعت

خاندان کا ایک ایک فرد روحانیت کی لذت سے آشنا اور معرفت کے ذوق کا دلدادہ تھا، پھر حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے قدم اس روش پر پیچھے کیسے رہ سکتے تھے؟ تعلیم ظاہری کی رسمی تکمیل سے قبل ہی مولانا محمد سجاد صاحبؒ حضرت قاری سید احمد صاحب شاہ جہاں پوریؒ کے شجرۂ طوبٰی سے وابستہ ہو گئے تھے، جو ان کے گھر، سسرال بلکہ پورے خطے کے پیر و مرشد تھے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا پہلی شادی کے بعد ہی حضرت قاری سید احمد صاحب شاہ جہاں پوری سے مرید ہو چکے تھے۔'' ۲

حضرت مولانا کی پہلی شادی مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کے مطابق اکیس برس کی عمر میں ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ ۳

جب کہ مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحبؒ کے بقول پہلی شادی مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد جانے سے قبل ہی ہوگئی تھی، یعنی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء سے قبل، جب آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ ۴

مولانا محمد سجادؒ کی تعلیم کی رسمی تکمیل اور دستار بندی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں ہوئی، یعنی تعلیم ظاہر کی تکمیل کے ساتھ ہی عین عنفوان شباب میں تعلیم باطن کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

اجازت وخلافت

مولانا نے جس طرح علوم ظاہری میں تیزی کے ساتھ کمال حاصل کیا، علوم باطن میں بھی آپ نے بہت جلد ترقی کی، اور کمال تک پہنچ گئے، تکمیل سلوک کے بعد حضرت شیخ نے آپ

۱- محاسن سجاد ص ۷۲ مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔
۲- حیات سجاد ص ۱۸ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔
۳- حیات سجاد ص ۱۶ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔
۴- محاسن سجاد ص ۱۱ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی۔

کو اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا [۱]، گوکہ آپ نے اپنے طبعی انکسار و بے نفسی کی بنا پر ہمیشہ اپنے کمالات کے باطنی حصہ کا اخفا ہی فرمایا، ملک میں بہت سے صاحب سلسلہ مشائخ موجود تھے، لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، لیکن آپ نے کبھی اپنے مقام ارشاد کی تشہیر نہیں کی، اور نہ اپنی صوفیانہ تعلیمات کی طرف لوگوں کو دعوت دی، اکثر لوگ تو جانتے بھی نہیں تھے کہ مولانا عارف کامل اور شیخ طریق بھی ہیں، البتہ کوئی بہت زیادہ اصرار کرتا تو اس کو بیعت فرما لیتے تھے، یا طریقت کی تعلیم دے دیتے تھے، روحانی ذوق ومزاج کے حامل صاحب قلم حضرت شاہ ابوطاہر قاسم عثمانی فردوسی صاحبؒ [۲] کی شہادت دیکھئے کہ ''ولی را ولی می شناسد۔''

۱- حضرت مولانا محمد سجادؒ نے سلوک کے تمام منازل حضرت قاری سید احمد شاہ جہاں پوریؒ کے پاس طے کئے، اور درجۂ کمال تک پہنچے، اور صاحب ارشاد ہوئے، مولانا محمد سجادؒ کے حالات وواقعات پر لکھے گئے قدیم تذکروں اور مضامین میں (جو براہ راست آپ کے شاگردوں اور فیض یافتگان سے منقول ہیں) کہیں حضرت قاری صاحبؒ کے علاوہ کسی اور پیر طریق کی طرف رجوع کا ذکر نہیں ہے، خود اسی ذوق کی حامل شخصیت اور آپ کے بہت سارے امور کے راز دار حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے بھی آپ کی روحانی تعلیم کے ضمن میں صرف حضرت قاری صاحبؒ کا ذکر کیا ہے، اور قاری صاحب کے وصال کے بعد کسی دوسرے روحانی بزرگ سے مراجعت یا تعلیم لینے کا کوئی تذکرہ بلکہ اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے (دیکھئے: حیات سجاد ص ۱۸ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی) اگر حضرت مولانا محمد سجادؒ نے حضرت قاری صاحبؒ کے بعد کسی اور پیر طریق سے بھی رجوع کیا ہوتا تو یہ بات آپ کے ان خاص احباب سے مخفی نہ رہ سکتی تھی۔
اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ حضرت قاری صاحبؒ کے زیر صحبت ہی درجۂ کمال تک پہنچ گئے تھے، اور انہوں نے اپنی روحانی تعلیم یا باطنی تکمیل کے لئے قاری صاحبؒ کے بعد کسی شیخ وقت کے آستانہ پر حاضری نہیں دی، یوں آپ کے مراسم ہندوستان کے تقریباً تمام ہی علماء کبار اور مشائخ کاملین سے تھے، مگر ان میں یہ غرض شامل نہیں تھی۔

۲- حضرت شاہ قاسم عثمانی فردوسی سملویؒ اپنے بڑے صاحبزادے شاہ طاہر عثمانی کی نسبت سے ابوطاہر کنیت لکھتے تھے، آپ کی پیدائش ۹/ صفر ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ء۔۱۸۹۱ء) کو سملہ ضلع اورنگ آباد میں ہوئی۔ سلسلۂ نسب اڑتیسویں (۳۸) پشت میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، ابتدائی تعلیم قرآن کریم، فارسی اور ضروری دینیات تک گھر میں ہوئی، اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے گیا کے 'ہری داس سیمزی اسکول' (جو ٹاؤن اسکول کے نام سے مشہور تھا) میں داخل کئے گئے، پھر علی گڑھ یونیورسٹی چلے گئے، اور میٹرک پاس کیا، اسی دوران خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں شروع ہو گئیں، تو تعلیم ترک کر کے ان تحریکات میں شامل ہو گئے، مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ الہلال کی تحریک میں شامل رہے، انگریزی چیزوں کا ترجمہ کرتے تھے، مولانا آزاد کی تحریک حزب اللہ سے بھی وابستہ رہے، مولانا آزاد رانچی میں نظر بند کئے گئے تو آپ بھی رانچی منتقل ہو گئے، اسی دوران رانچی میں مدرسہ اسلامیہ قائم ہوا تو آپ اس کے مدرس اول مقرر کئے گئے۔
روحانی تعلیم اپنے جد امجد مولانا شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہیدؒ سے حاصل کی، جو حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کے سلسلۂ فردوسیہ کے صاحب نسبت اور کامل بزرگ تھے، وہ بیعت طریقت کے ساتھ بیعت جہاد بھی لیتے تھے، شاہ قاسمؒ بھی اپنے جد امجد کی تقلید میں بیعت جہاد لیتے تھے، اور سلسلہ کی نسبت سے فردوسی کہلاتے تھے۔
جد امجد کے علاوہ خانقاہ پھلواری شریف سے بھی آپ کا گہرا رابطہ تھا، خانقاہ میں مسلسل دو سال قیام فرمایا۔ اور وہاں سے شائع ہونے والے ماہنامہ 'معارف' کے مدیر رہے، اس دوران وہاں کے علماء سے کچھ دینی علوم بھی حاصل کئے، ان کی زندگی پر دینی رنگ غالب تھا، وضع قطع اور دینی گفتگو سے وہ پورے عالم دین نظر آتے تھے۔ خانقاہ سملہ کے سجادہ نشین تھے، ان کی زندگی سراپا عشق ومحبت اور جذبۂ انقلاب تھی، ان کے خطوط کا مجموعہ نقش دوام کے نام سے شائع ہوا ہے، جس سے ان کی روحانی تعلیمات کی معنویت آشکارا ہوتی ہے۔
طبیعت کی یہی آتش جوالہ ان کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ جیسے بزرگوں کے قریب لے گئی، اور ان کے قدم بہ قدم ان کی تحریکات میں سرگرم عمل رہے، ۱۹۱۲ء سے ۱۹۴۲ء تک جملہ تحریکات میں شریک ہوئے، تحریک ریشمی رومال میں بھی آپ کا اہم رول تھا، اس ضمن میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دیگر ارکان تحریک سے بھی ان کے اچھے مراسم تھے۔ ←

''حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کو لوگ تو عموماً ایک متبحر عالم، بے مثل مدبر، اور وقت کا ایک زبردست مفکر اسلام سمجھتے ہیں، مگر میں تو مولاناؒ کو ان محامد کے ساتھ ایک عالم باعمل، صوفی باصفا، اور عارف باخدا سمجھتا ہوں، ہماری آنکھوں نے تو ان کو تلاوت قرآن کے وقت مکیف اور بے خود دیکھا ہے، میں نے دیکھا کہ ایک ایک آیت کو بار بار پڑھتے ہیں، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ قبلہ رخ جانماز پر دونوں پاؤں اٹھائے ہوئے بطور احتواء تشریف فرما ہیں، پاؤں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ ہے، آنکھیں بند ہیں، ساکت، بے حس وحرکت بیٹھے ہیں، آنکھیں اشکبار ہیں اور محویت کا عالم طاری ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ وہ طریقۃً اور مشرباً نقشبندی تھے، مگر کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ صاحب ارشاد بھی تھے ایک سفر میں میں ریل میں ساتھ تھا، آپ نے بیگ سے قرآن مجید نکالا، اور اس کے جزودان سے چند اوراق نکال کر مجھے عنایت فرمائے اور خود تلاوت میں مشغول ہو گئے ان اوراق میں تمام نقشبندی تعلیمات مرقوم تھے، جو ان کو ان کے شیخ سے پہنچے تھے، جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے، تو میں نے عرض کیا، کیا میں ان تعلیمات کو لکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: لکھ لیجئے، اللہ برکت عطا فرمائے۔

مولانا مرحوم بیعت طریقت بھی لیتے تھے، مگر بہت کم، جب کسی نے بہت اصرار کیا تو لے لیا گیا میں جب تک مولاناؒ کا قیام رہا سملہ ہر عرس میں تشریف لایا کئے، ایک موقعہ پر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں ارکان اسلام کے ساتھ جہاد پر بھی بیعت ہوتی ہے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: کہ بیعت کے ساتھ اہتمام جہاد بھی کرنا چاہئے، میں نے عرض کیا، تو آپ ہی امیر بنیں، میں امیر تسلیم کرتا ہوں، اس گفتگو کے چند دنوں کے بعد میں چند احباب کے ساتھ مدرسہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے تو امیر تسلیم ہی کر لیا ہے، ہمارے یہ مخلص احباب بیعت جہاد کے لئے حاضر ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے بیعت جہاد لی، ان سے جن لفظوں میں آپ نے بیعت لی، ان کے ماثورہ الفاظ یہ ہیں:

بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وان لاننازع الامر اھلہ، وان نقول بالحق حیث کنا ولا نخاف لومۃ لائم۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد تحریک امارت شروع ہوئی اور اللہ نے آپ کو نائب امیر شریعت بنایا۔''[1]

← تحریک امارت شرعیہ کے عناصر ثلاثہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، اور قاضی احمد حسین صاحب کے ساتھ تیسرا نام آپ ہی کا ہے، گو کہ امارت شرعیہ کی تاریخ میں یہ نام فراموش ہوتا جا رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس تحریک کی بنیاد کا پتھر ہیں۔

حضرت مولانا سجادؒ کی روحانی شخصیت سے بھی وہ بہت متاثر تھے، بعض وظائف کی اجازت بھی ان سے لی تھی، حضرت مولانا سجادؒ کے ہاتھ پر تاسیس امارت سے قبل ہی انہوں نے بیعت امارت وجہاد کی تھی۔ وفات ۲۹ رشعبان المعظم ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) کو سملہ شریف میں ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔ (دیکھئے: ''شخصیات'' مرتبہ: شاہ طیب عثانی، و''آئینہ'' ۳۰ رمئی ۲۰۱۶ء مضمون مولانا شاہ محمد طیب عثانی ندوی)

۱- حیات سجاد ص ۱۷۲ تا ۱۷۳ مضمون شاہ ابوطاہر فردوسی صاحب۔

صدق واخلاص اورعشق رسول

حضرت مولانا سجادؒ کو صدق واخلاص اورعشق رسول سے حصۂ وافر ملا تھا، جو کہ مقامات قرب اورمنازل ولایت میں سے ہے، حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ[۱] اپنا ذاتی تجربہ بیان فرماتے ہیں:

''مجھ پرسب سے زیادہ جو چیز ان کی اثرانداز ہوتی وہ ان کا صادق اخلاص اوراپنے پیغمبر ﷺ کے ساتھ کامل وفاداری تھی، اس پہلو پرجب گفتگو ہوتی، اورحسب دستورجب وہ آپے سے باہر ہوجاتا تو خود روتا اور مولانا کو رلاتا تھا، یاد آتا ہے اور وہ سماں کیا حافظہ سے نکل سکتا ہے، جاڑوں کے دن تھے، میں پاسیا(تقیح الدم) کی خطرناک بیماری سے شفایاب ہوکرگیلانی میں رخصت کے دن گذار رہا تھا، حضرت مولاناؒ بھی گیلانی تشریف لائے، باتوں باتوں میں اپنی نعتیہ نظم جو لکھی میں ہے، اس کا ذکر بھی آیا، مولاناؒ نے سنانے کی فرمائش کی، میں خاص لے میں سنانے لگا جب اس بند پر پہنچا سرورکائنات ﷺ کو مخاطب کرکے عرض کیا گیا تھا:

تمری دوارِیا کیسے چھوڑوں   تم سے توڑوں توکس سے جوڑوں
تمری گلیک دھول بٹوروں   تمرے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے
اٹھوں پھراب دھیان یہی ہے

۱-عظیم مفکر، محقق، فلسفی، مؤرخ، محدث، فقیہ، صاحب طرز ادیب اورعبقری صفت عالم دین تھے، آپ کی پیدائش ننیہال استھانواں بہارشریف میں ۹ر ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء میں ہوئی، والد کا نام حافظ ابوالخیر تھا، اورنانا کا نام فدا حسین تھا، والدہ کا نام سیدہ کبری بنت فدا حسین تھا، ابتدائی تعلیم اپنے وطن ''گیلانی'' میں اپنے چچا سید ابوالنصر گیلانیؒ سے حاصل کی، پھر ۱۳۲۴ھ(۱۹۰۶ء) میں مزید تعلیم کے لئے ٹونک حضرت مولانا برکات احمد مرحوم کی خدمت میں بھیج دیا گیا، جہاں سات سال تک آپ نے معقولات کی کتابیں پڑھیں، اوراختصاص حاصل کیا، ۱۳۳۱ھ(۱۹۱۳ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۲ھ(۱۹۱۴ء) میں دیوبند سے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ الہندؒ کی خصوصی توجہ اورتصرف سے آپ کی توجہ معقولات سے ہٹ کر حدیث وتفسیر کی طرف منعطف ہوئی، فراغت کے بعد چند سال رسالہ ''القاسم'' اور''الرشید'' میں معاون مدیر کی حیثیت سے کام کیا، پھر ۱۹۲۰ء(۱۳۳۸ھ) میں آپ حیدرآباد جامعہ عثمانیہ میں دینیات کے استاذ ہوگئے، اورتقریباً ساری زندگی وہیں گذاری، اوروہیں رہ کرعلوم اسلامیہ کے مختلف موضوعات پر ایک عظیم الشان کتب خانہ تیارکردیا، تقریباً تیس(۳۰) سال کے بعد ۱۹۴۹ء(۱۳۶۸ھ) میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے، سبکدوشی کے بعد اپنے وطن گیلانی آگئے، جس کا اصل نام محی الدین پورگیلانی یا محی الدین گیلانی پور باختلاف روایات تھا، جو حضرت شیخ عبدالقادر کی نسل کے ایک بزرگ شیخ منہاج الدین نے بہارشریف سے آکراپنے جداعلیٰ کے نام پر بسایا تھا، اب یہ گاؤں ضلع نالندہ(بہارشریف) میں شامل اورضلع شیخپورہ کی سرحد پر ہے، مولانا نے آخری لمحات حیات یہیں چار پانچ سال گذار کر ۲۵ر شوال المکرم ۱۳۷۵ھ مطابق ۵رجون ۱۹۵۶ء کو وفات پائی اورگیلانی میں اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

کئی اہم تصنیفات آپ کے قلم کی رہین منت ہیں، مثلاً: ☆ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت(دوجلدیں) ☆ تدوین حدیث ☆ تدوین قرآن ☆ تدوین فقہ-اس کا مقدمہ مطبوعہ موجود ہے ☆ ہزارسال پہلے ☆ النبی الخاتم-سیرت النبی پر ایک نادرالوجود کتاب ☆ الدین القیم ☆ مقالات احسانی ☆ سوانح قاسمی (تین جلدیں) ☆ اسفارار بعہ کا ترجمہ، وغیرہ (تفصیل کے لئے دیکھیں ''حیات گیلانی'' از حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی)

مولانا مرحوم بے قرار ہوگئے، دبے ہوئے آنسو تھم نہ سکے، سیلاب رواں دواں ہوا کہ ہچکیاں بندھ گئیں:

تم سے توڑوں تو کس سے جوڑ

اس مصرعہ کو بار بار دہراتے تھے۔"[۱]

رقتِ قلب اور غلبۂ خشیت

مولاناؒ بے انتہا رقیق القلب تھے، دینی معاملات میں یا مسلمانوں کی بے دینی کا حال سن کر اکثر آپ کی آنکھیں ڈبڈبا جاتی تھیں، مولانا منظور احمد نعمانی صاحبؒ[۲] نے حضرت مولانا سجادؒ سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوران ملاقات میں نے کسی سیاسی کانفرنس میں بعض مسلم قائدین کی عملی کوتاہیوں کا ذکر کیا تو حضرت مرحوم نے فرمایا:

"میں تو اس بارے میں ادنیٰ رواداری کو مداہنت سمجھتا ہوں — پھر یک لخت آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، اور فرمایا کہ فسق والحاد کے عموم وشیوع کی وجہ سے ہماری دینی حس بڑی حد تک ماؤف بھی ہو چکی ہے، اور مجھے تو بسا اوقات شبہ ہو جاتا ہے، کہ ہم لوگوں میں ایمان کا ادنیٰ درجہ بھی ہے یا نہیں؟ حدیث میں فرمایا گیا، کہ ہاتھ یا زبان سے برائی روکنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں اس سے قلب میں نفرت، اور عند الاستطاعت اس کے خلاف عملی یا قولی جہاد کی نیت ہر مسلمان کا فرض ہے، اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے جس کے بعد کوئی اور درجہ ہے ہی نہیں (ولیس وراء ذلک مثقال حبة خردلة من ایمان او کما قال علیه الصلوٰة والسلام)[۳] اور

۱- حیات سجادص ۵۸، ۵۹ ارتسامات گیلانیہ۔

۲- ممتاز محدث ومصنف اور مشہور مناظر تھے، ۱۵ ردسمبر ۱۹۰۵ء (۱۷ رشوال المکرم ۱۳۲۳ھ) کو اپنے وطن سنبھل (یوپی) میں پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں ہیں، ۱۹۲۷ء (۱۳۴۵ھ) میں دارالعلوم سے فراغت پائی، دارالعلوم میں آپ نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ وغیرہ جیسے جبال العلم سے استفادہ کیا، فراغت کے بعد پہلے بریلی کے ایک مدرسہ میں مدرس ہوئے اور یہیں سے ۱۹۳۴ء (۱۳۵۳ھ) میں اپنا مشہور زمانہ رسالہ الفرقان جاری کیا جو بعد میں لکھنؤ منتقل ہو گیا اور مولانا بھی لکھنؤ آ گئے اور وہیں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، ۱۹۴۱ء میں تحریک جماعت اسلامی میں شامل ہوئے، لیکن ۱۹۴۳ء میں اس سے علٰحدہ ہو کر جماعت تبلیغ سے وابستہ ہو گئے، متعدد بلند پایہ علمی وادبی تصانیف کے مصنف ہیں جن میں معارف الحدیث کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ۵ رمئی ۱۹۹۷ء (۲۷ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ) میں لکھنؤ میں وفات پائی اور عیش باغ کے قبرستان میں دفن ہوئے، (مزید تفصیل کے لئے مطالعہ کریں مولانا کے فرزند مولانا عتیق الرحمٰن نعمانی کی کتاب مولانا منظور نعمانی اور الفرقان کا خاص نمبر)

۳- یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور پوری روایت اس طرح ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ «مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِى أُمَّةٍ قَبْلِى إِلاَّ كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لاَ يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لاَ يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)» الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۱ ص ۵۰ حديث نمبر: ۱۸۸ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات)

ملاحدہ اور فساق بلکہ کھلے کفار ومشرکین کو علانیہ فسق والحاد اور کفر وشرک کرتے دیکھتے ہیں، اور بسا اوقات ہمارے قلب میں بھی اس کے خلاف کوئی غیظ وغضب پیدا نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے اس ادنیٰ اور آخری درجے سے بھی اُس وقت شاید ہم خالی ہوتے ہیں۔

درحقیقت اپنے ایمان پر یہ خوف وخشیت ہی روح ایمان ہے، اور یہی وہ تقویٰ ہے جس کو ابن ابی ملیکہؒ نے صحابۂ کرامؓ سے بایں الفاظ نقل کیا ہے (**فی البخاری تعلیقاً قال ابن ابی ملیکة لقیت ثلاثین من اصحاب النبیؐ کلھم یخشی علی نفسه النفاق**)۔"[۱]

بے نظیر عزیمت وایثار

آپ ایک مرد انقلاب تھے، جدھر رخ کیا صف کی صف الٹ کر رکھ دی، سب سے پہلے اپنے نفس سے جہاد فرمایا، اور فنائیت وللّٰہیت اور زہد وتقویٰ کے ان مقامات بلند تک پہنچے جن کا تصور بھی اس دور میں نہیں کیا جاسکتا، اس باب میں حضرت مولانا محمد سجادؒ نے عزیمت کی جو تاریخ رقم کی ہے کہ عام تو عام شاید علماء وقائدین اور خواص کی صفوں میں بھی اس کی کوئی دوسری مثال نہ مل سکے: امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے درست لکھا ہے کہ:

"ایک دو نہیں، چھوٹے بڑے ملا کر سیکڑوں قائد ورہنما ہندوستان میں موجود ہیں، لیکن انہیں ذرا اس کسوٹی پر تو پرکھ کر دیکھئے۔"[۳]

اکلوتے جوان بیٹے کو اللہ کے راستے میں قربان کیا، اور امت کے مسائل کو اپنے ذاتی مسائل پر ترجیح دی، ایسے واقعات کتابوں میں پڑھنے کے لئے بہت ملتے ہیں مگر زندگی میں مولانا سجادؒ کی نظر آتے ہیں۔

مؤمن کامل کی پہچان

خود سجادگان پھلواری شریف میں سے حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ

۱- بخاری میں پوری روایت اس طرح ہے: وقال ابن أبي ملكية أدركت ثلاثين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كلهم يخاف النفاق على نفسه (الجامع الصحيح المختصر ج ۱ ص ۲۶ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا)

۲- محاسن سجاد ص ۶۳، ۶۴ مضمون مولانا منظور احمد نعمانیؒ۔

۳- حیات سجاد ص ۱۵ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

آپ کے اس پر عزیمت کردار کا ذکر کرتے ہوئے رشک بداماں ہیں، لکھتے ہیں:

''جس وقت وہ پھلواری شریف پہنچے اور میں نے ان کو دیکھا، مجھے حیرت ہوگئی کہ جس کے باغ امید کا شاداب پھول ابھی خاک میں مل گیا ہے، ان کے چہرے بشرے سے ذرا بھی غم کے آثار ظاہر نہیں ہیں، پھلواری میں بھی قیام کرنا کیسا؟ دوسرے یا تیسرے دن علاقہ چمپارن کے اطراف میں پھر اپنے کام میں چلے گئے، یہ ایسی ہی ذات سے ہوسکتا ہے، جو راہ خدا میں خلوص مجسم ہو، جس کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت بال بچوں اور مال و منال اور تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہو اور یہی مؤمن کامل کی خصوصیت ہے۔'' [۱]

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی خانگی زندگی کے غم و الم کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

''مولانا کی خانگی زندگی غمگین تھی، ان کے بڑے بھائی مجذوب تھے، ان کی بیوی معذور و مختل تھیں، ان کا بڑا لڑکا جو پڑھ لکھ کر فاضل اور گھر کا کام سنبھالنے کے قابل ہوا، عین اسی وقت کہ اس کے نکاح میں چند روز باقی تھے، باپ نے دائمی جدائی کا داغ اٹھایا، اور یہ سننے کے قابل ہے کہ وہ لڑکا مرض الموت میں تھا، کہ مسلمانوں کی ایک ضرورت ایسی سامنے آئی کہ باپ بیمار بیٹے کو چھوڑ کر سفر پر روانہ ہوگیا، واپس آیا تو جوان بیٹا دم توڑ رہا تھا۔ ان کی اپنی زندگی بھی دین وملت ہی کے نذر ہوئی، ترہت کے دور افتادہ علاقے میں جہاں کہ ملیریا کے ڈر سے اِدھر کے لوگ اُدھر جانا موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے، یہ مرد خدا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر سال میں کئی کئی بار جاتا تھا، اور کئی کئی دن وہاں رہتا تھا، آخری سفر بھی وہیں ہوا، اور وہیں سے ملیریا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا اور اسی حال میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔'' [۲]

آپ کی شان میں جس نے کہا، سو فی صد درست کہا:

پھونک کر اپنے آشیانے کو
بخش دی روشنی زمانے کو

قناعت وایثار

قومی کاموں کے ہجوم میں حضرت مولاناؒ کی بہت بڑی جائیداد ہاتھ سے چلی گئی اور مولاناؒ نے اسے بھی دل سے جھٹک دیا۔ [۳]

۱- حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی۔

۲- حیات سجاد ص ۸۵ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی۔

۳- خاندان کی کاشت کا معتدبہ حصہ امانواں راج نے بقایا لگان میں نیلام کرا لیا تھا (محاسن سجاد ص ۹۲ مضمون سید مجتبیٰ صاحب)

مادیت کے جس دور میں ہر شخص اپنے عہدہ ومنصب کے ذریعہ دولت بنانے کی فکر میں مصروف ہو اسی دنیا میں مولانا محمد سجادؒ جیسا مرد درویش بھی تھا، کسی کو آنکھوں دیکھے بغیر یقین نہیں آئے گا، مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ پٹنہ میں مولانا ایک وکیل کے یہاں جارہے تھے، میں نے عرض کیا: وہاں کیا کام ہے؟ فرمانے لگے، چوبیس بیگھہ زمین مالگذاری ادا نہ کرنے کے باعث نیلام ہوگئی، مجھے پہلے کوئی اطلاع نہ تھی، اس لئے وکیل صاحب کے پاس جارہا ہوں، کہ اب اس کے بچانے کی کوئی شکل ہوسکتی ہے یا نہیں، تھوڑی دیر کے بعد مولاناؒ واپس ہوئے، تو میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ فرمایا کہ نیلام ہوئے کچھ عرصہ ہوگیا، اب اس کی واپسی مشکل ہے، مجھے جواب دے کر دوسرے کاموں میں لگ گئے، میں حیران تھا کہ ذرا اس مرد مجاہد کے ایثار و استغنا کو تو دیکھئے، کم از کم پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپے کی جائیداد ہاتھ سے نکل گئی اور ذرا خیال بھی نہ آیا۔''[1]

اپنا ذاتی مکان کیا تعمیر کرتے، قدیم آبائی مکان بھی قومی وملی مصروفیات میں بے اعتنائی کی نذر ہو گیا، مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''مجھے کبھی پنہسہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے مولاناؒ کے مکان کی صحیح تصویر تو نہیں کھینچ سکتا، معتبر ذرائع سے اتنا ضرور سنا ہے کہ پہلے تو اچھی حالت میں تھا لیکن آٹھ دس برس میں وہ بھی بری حالت میں ہے۔''[2]

زاہدانہ زندگی

فضائل وکمالات اور ممکنہ وسائل وفتوحات کے باوجود مولاناؒ بالکل سادہ اور درویشانہ زندگی گذارتے تھے، ان کے ایک ایک عمل پر زہد وقناعت اور صبر وتوکل کا پرتو نظر آتا تھا، آپ کے ہم وطن اور ہم مذاق حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ:

''وہ بے حد خاکسار اور متواضع تھے، کبھی کوئی اچھا کپڑا انہوں نے نہیں پہنا، کبھی کوئی قیمتی چیز ان کے پاس نہیں دیکھی، کھدر کا صافہ، کھدر کا لمبا کرتا، کھدر کی صدری، پاؤں میں معمولی دیسی جوتے، اور ہاتھ میں ایک لمبا عصا، یہ ان کی وضع تھی، مگر وہ اپنی سادہ اور معمولی وضع کے ساتھ بڑے

۱- حیات سجاد ص ۱۷، ۱۸ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔
۲- حیات سجاد ص ۱۹۔

بڑے جلسوں اور بڑے بڑے مجمعوں میں بے تکلف جاتے تھے، اور اپنا لوہا منواتے تھے، جوہر پہچاننے والے بھی تلوار کی کاٹ دیکھتے تھے، غلاف کی خوبصورتی نہیں۔" [۱]

آپ کے انتہائی معتمد ومقرب اور سفر وحضر کے رفیق حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی آنکھوں دیکھی شہادت ملاحظہ کیجئے، جوانہوں نے قلم کوخون جگر میں ڈبوکر رقم کی ہے:

"مولاناؒ ہمیشہ بہت سادہ اور معمولی لباس پہنتے تھے، پیر میں پرانی وضع کا معمولی جوتا جو اکثر پھٹا رہتا تھا، پرانے ہی وضع کا کھدّر کا پائجامہ، کھدر کا لانبا کرتا جس میں گریباں کے دونوں طرف بڑی جیبیں جو ہر وقت کاغذ سے بھری رہتی تھیں، اس کے اوپر ایک بنڈی، سر پر کھدر کا ایک بڑا سا عمامہ جو خراب طریقہ سے بندھا رہتا تھا، یہ تو گرمی کا لباس ہوا، جاڑے میں عمامہ کے علاوہ یہی سب چیزیں موٹے اور معمولی اونی کپڑے کی ہوا کرتی تھیں، اپنے ہاتھ میں ایک بھاری اور موٹی سی لکڑی، جس کے نیچے وزنی لوہا لگا ہوا تھا، بائیں ہاتھ میں چھوٹی سی اٹیچی، جس میں کاغذ، روشنائی، اور ضروری کاغذات بھرے رہتے تھے۔

مولاناؒ کھانا بھی بہت سادہ اور معمولی کھاتے تھے، میرے علم میں اپنے اختیار سے مولانا نے کبھی بھی اپنے لئے اچھے کھانے کا نظم نہیں کیا، اگر حساب لگایا جائے تو مولاناؒ نے برسوں ہوٹل کی خمیری روٹی اور گائے کا کباب کھایا ہے، ایک دفعہ مجھے مولاناؒ کے یہاں کھانے کا اتفاق ہوا، اس وقت مولانا پھلواری شریف میں کرایہ کا مکان لے کر اہل وعیال کے ساتھ مقیم تھے، دسترخوان بچھا، گھر سے جو کھانا آیا اس کی فہرست یہ تھی، موٹے اور لال چاول کا پکا ہوا بھات، تیل میں بگھری ہوئی پتلی دال، اور آلو کا بھرتا جس میں پیاز پڑی تھی مگر بگھارا نہیں گیا تھا، مولاناؒ نے محض میری وجہ سے ہوٹل سے گوشت منگوالیا تھا۔" [۲]

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ رقمطراز ہیں:

"میں ان کی خانگی زندگی سے واقف تھا، اس قدر واقف جتنا ایک گھر کا آدمی واقف ہوسکتا ہے، ان کے ظاہر سے باطن ان کا بہتر اور بہت بہتر تھا، ان کا اخلاص، ان کی صداقت، ان کا ادب احترام آج ڈھونڈھے سے نہیں مل سکتا۔" [۳]

۱- حیات سجاد ص ۸۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

۲- حیات سجاد ص ۱۸، ۱۹ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

۳- حیات سجاد ص ۶۲ مضمون ارتسامات گیلانیہ۔

فقر واستغنا

ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم بہار[۱] کا بیان ہے کہ:

''میں عرصہ سے جانتا تھا کہ ان کی زندگی حد درجہ عسرت سے گذرتی ہے، لیکن انتہائی گہرے تعلقات کے باوجود کبھی لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی، ان کی خود داری کچھ پوچھنے کا موقعہ نہ دیتی تھی، ابھی چند مہینے ہوئے، مجھے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ نہایت عسرت کی زندگی بسر کررہے ہیں، بلکہ گھر میں فاقہ تک کی نوبت آجاتی ہے، اس پر میرا دل تڑپ کر رہ گیا، ضبط نہ ہوا، تو دریافت کیا، وہ مسکرا کر خاموش رہے، جانباز مجاہد ایسے ہوتے ہیں، مگر افسوس! ہماری قوم کو کیا قدر اور کیا پرواہ؟ اب جب نظر دوڑاتا ہوں تو صوبہ بہار کو ہر طرف خالی پاتا ہوں، ایسا بے لوث خادم قوم آسانی سے نہیں پیدا ہوا کرتا۔''[۲]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے بھی نقل فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''نواب خان بہادر عبدالوہاب خان صاحب مونگیر نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے تنہائی

۱- ایم اے، پی ایچ ڈی، سابق وزیر تعلیم بہار، ہندوستان کی تحریک آزادی کے عظیم رہنما، ڈاکٹر سید محمود کی شخصیت ہندوستان کی تاریخ میں غیر متعارف نہیں، سید پور ضلع غازی پور میں ۱۸۸۹ء (۱۳۰۶ھ) میں ان کی پیدائش ہوئی، ان کے والد کا نام محمد عمر اور دادا کا نام قاضی فرزند علی تھا، یہ لوگ بہار کے ہی رہنے والے تھے، درمیان میں کچھ برسوں یہ خاندان غازی پور چلا گیا تھا پھر دوبارہ بہار واپس آگیا، ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۰۱ء میں علی گڑھ یونیورسیٹی میں داخل ہوئے، اور تعلیمی مراحل طے کرنے لگے، یہیں ان کی دوستی تصدق احمد خان شیروانی، عبدالرحمٰن بجنوری، سید حسین، اور سیف الدین کچلو وغیرہ سے ہوئی، لیکن سیاسی سرگرمیوں میں دلچسپی کی وجہ سے ۱۹۰۷ء میں وہاں سے اخراج ہوگیا تو لندن چلے گئے جہاں کیمبرج یونیورسٹی سے گریجویشن اور ایم اے کے بعد بیرسٹر کی ڈگری حاصل کی، کیمبرج ہی میں انہوں نے ''مغل دور کی سیاست اور حکمرانی'' کے موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا، یہاں بھی ان کی سیاسی سرگرمیاں جاری رہیں، چند طلبہ کو ملا کر ایک تنظیم بنائی، اور امیر علی سے بھڑ گئے جو وہاں مسلم لیگ چلا رہے تھے، لندن میں ہی ۱۹۰۹ء میں ان کی ملاقات گاندھی جی اور جواہر لال نہرو سے ہوئی، اور یہ دوستی میں تبدیل ہوگئی، جو تاعمر برقرار رہی، ۱۹۱۲ء میں وہ جرمنی چلے گئے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۱۳ء میں وہ ہندوستان لوٹے، اور مولانا مظہر الحق کے زیر نگرانی لیگل پریکٹس کرنے لگے، ۱۹۱۵ء میں مولانا مظہر الحق کی بھتیجی سے ان کی شادی ہوگئی، ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان اتحاد کی کوششوں میں اہم رول ادا کیا، اس دوران کانگریس کے سرگرم رکن بن کر کام کرتے رہے، تحریک خلافت میں بھی پیش پیش رہے، اور اس کی وجہ سے وکالت ترک کردی، ۱۹۲۱ء میں خلافت کمیٹی کے جنرل سکریٹری ہوئے، ۱۹۲۲ء میں گرفتار ہوکر جیل گئے، لیکن چند ماہ کے بعد رہا کردیے گئے، ۱۹۲۹ء میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے ساتھ مل کر مسلم نیشنل پارٹی قائم کی، ۱۹۲۹ء ہی میں کانگریس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، بہار میں کانگریس کی حکومت بنی تو ان کو وزیر اعظم بنانا طے ہوا تھا، لیکن بعض کانگریسی لیڈروں کی مخالفت کی وجہ سے وہ اس عہدہ پر فائز نہ ہوسکے، اور بہار کے وزیر تعلیم بنے، آزادی کے بعد لوک سبھا کے اولین ممبروں میں شامل ہوئے، حلقہ چمپارن سے منتخب ہوئے، اور ٹرانسپورٹ اور پھر وزارت خارجہ میں نائب وزیر کے عہدہ پر فائز ہوئے، مسلم مجلس مشاورت کی بنیاد انہوں نے ہی نے ڈالی، ان کا شمار ملک کے ممتاز مسلم سیاسی رہنماؤں اور قائدین میں ہوتا ہے، بیرون ملک بھی ہندوستان کی نمائندگی کی۔ اور ملی مسائل کے دفاع میں سرگرم رہے، ۲۸ ستمبر ۱۹۷۱ء (۷ شعبان ۱۳۹۱ھ) کو ان کی وفات ہوئی (مزید حالات کے لئے سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی کتاب ''سید محمود'' دیکھنی چاہئے)

۲- محاسن سجاد ص ۴۶ مضمون ڈاکٹر سید محمود صاحب۔

میں مولاناؒ سے ایک دفعہ کہا کہ مجھ کو اس کا موقعہ دیجئے کہ میں آپ کی خدمت کر کے اپنے لئے سعادت حاصل کروں، تو مولانا نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو معاف رکھئے، اس سے ہمارے اور اللہ کے درمیان میں توکل کا جو رشتہ ہے اس میں خلل واقع ہو جائے گا، نواب صاحب ممدوح نے مجھ سے کہا: اس کے بعد میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں ایک لفظ زبان پر لاؤں۔'' [1]

اقبالؔ نے ایسے ہی بزرگوں کے لئے کہا تھا:

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

فقر اختیاری

'شاہی میں فقیری' کا محاورہ کتابوں میں بہت پڑھا ہے لیکن عہد قریب میں اس کی چلتی پھرتی تصویر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی ذات گرامی تھی، صدیاں بیت گئیں، شاید پہلے بھی اور بعد بھی چشم فلک نے دوسرا سجادؒ کم ہی دیکھا ہوگا، مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا چشم دید بیان ہے کہ:

''۱۹۳۷ء میں جب مولاناؒ نے وزارت قائم کی تھی، تو میں پٹنہ آیا ہوا تھا، اور نواب عبدالوہاب خان وزیر مالیات کا مہمان تھا، میں اور نواب صاحب کے بھائی مسٹر وصی احمد خان وکیل مولانا سے ملنے پھلواری شریف گئے، کچھ عرصہ سے مولانا نے پھلواری ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی، مکان کرایہ کا تھا، مٹی کی دیواریں اور کھپریل کی چھت، اندر کتنی وسعت تھی اس کو تو میں نہیں کہہ سکتا، لیکن باہر جس میں مولانا تشریف فرما تھے، وہ دو دروازوں کی ایک کوٹھری تھی، ایک باہر سے آنے کے لئے اور ایک زنانخانے میں جانے کے لئے، کوٹھری میں ایک طرف مٹی ہی کا اونچا چبوترا تھا، اس پر ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی، جس کے سرہانے مولانا کا بستر بندھا ہوا رکھا تھا، چارپائی کے نیچے کھجور کی چٹائی بچھی تھی، اس پر قلم ودوات، کچھ کتابیں، اور مولاناؒ کی وہی اٹیچی رکھی تھی، ایک طرف موٹے ٹین کے دو بکس تھے، ایک میں کتابیں، دوسرے میں کپڑے، چبوترے سے نیچے ایک کونے میں مٹی کا گھڑا، وہیں پر تانبے کا ایک بڑا لوٹا، اور دوسرے کونے میں مولاناؒ کی وہی لکڑی کھڑی تھی، غرض یہ تھا صوبہ بہار میں حکومت قائم کرنے والے کے گھر کا اثاثہ، خیر مجھے تو کوئی حیرت نہ ہوئی، کہ میں مولاناؒ سے واقف تھا، لیکن مسٹر وصی احمد خان تو حیرت سے کھڑے رہ گئے، مولاناؒ اسی کھری چارپائی پر بستر کا تکیہ لگائے کتاب

۱- حیات سجاد ص ۴۰۔

کا مطالعہ کررہے تھے، اٹھے، اخلاق سے ملے، اسی چٹائی پر ہم سب بیٹھے، لوٹتے وقت راستہ میں مسٹر وہی کہنے لگے، کہ اس قسم کے لوگوں کے متعلق کتابوں میں ضرور پڑھا تھا، مگر دیکھا آج ہی ہے، اس منظر کو وہی صاحب آج تک نہیں بھول سکے۔"[1]

ریاضت ومجاہدہ

حضرت مولاناؒ کی ساری زندگی ریاضت ومجاہدہ ہی میں گذری، اور یہ ریاضت ان کی اضطراری نہیں اختیاری تھی، جناب حافظ محمد ثانی صاحب[2] نے اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کیا ہے کہ:

''حضرت مولاناؒ جیٹھ بیساکھ کی چلچلاتی دھوپ اور جلتی تپش میں بیل گاڑی پر بھی نہایت خوشی کے ساتھ صبح سے شام تک سفر کرتے اور چھتری تک نہیں لگاتے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا، بہتر ہوتا کہ حضور کا دورہ اب سے بعد رمضان شریف یا قبل رمضان ہوتا کہ ہم لوگ روزہ میں تکالیف سفر سے نجات پاتے، مولاناؒ نے تبسم آمیز لہجہ میں فرمایا کہ رمضان شریف میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے، اصلاح وہدایت قوم بہت بڑی عبادت ہے جس کو ہم لوگ اس متبرک مہینہ میں ادا کرتے ہیں۔''[3]

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مولاناؒ صوبۂ بہار کے نائب امیر شریعت تھے، اور لوگ آپ کے لئے اپنی پلکیں بچھانے کے لئے تیار رہتے تھے۔

صحابہ کا رنگ

آپ کی زندگی میں صحابۂ کرامؓ اور پچھلے اولیاء اللہ کا عکس نظر آتا تھا۔ مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب[4] لکھتے ہیں:

۱- حیات سجادص ۲۰،۱۹ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

۲- چمپارن میں مولانا کے اہم مخلصین میں تھے، بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ٹکٹ پر ممبر اسمبلی منتخب کئے گئے، چمپارن میں آپ کی ملی وقومی خدمات کے نقوش بڑے گہرے تھے، چمپارن کے دورہ میں حضرت مولانا سجادؒ کے خصوصی معاون اور شریک رہتے، جیسا کہ حضرت مولاناؒ پر اپنے مضمون میں انہوں نے خود بھی ذکر کیا ہے (حیات سجادص ۱۱۲) غالباً بتیا (چمپارن) کے کسی مدرسہ میں مدرس تھے۔ باقی ان کے تفصیلی حالات کا علم نہ ہوسکا۔

۳- حیات سجادص ۱۱۲، ۱۱۳ مضمون جناب حافظ محمد ثانی صاحب ایم ایل اے۔

۴- مولوی سید مجتبیٰ صاحب ایم اے بی ایل مظفر پور کے رہنے والے تھے، حافظ محمد ثانی صاحب نے ان کو مظفر پوری لکھا ہے (حیات سجادص ۱۱۷) بہار کے مشہور وکلاء میں تھے، حضرت مولانا سجادؒ کے قانونی مشیر رہے، امارت شرعیہ کی طرف سے دائر کئی مقدمات کے انچارج بنائے گئے، اور اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی، بہار میں محکمۂ دیہات سدھار کے آرگنائزر بھی تھے، (محاسن سجادص ۷۵) باقی تفصیلی حالات کا علم نہ ہوسکا۔

''راقم الحروف تقریباً ایک سال تک مولاناؒ کے ہمراہ قانونی مشیر رہا، اس مضمون کے مختصر حدود اجازت نہیں دیتے کہ اس سال کی بھر کی زندگی کو مفصل بیان کرسکوں، مگر اتنا کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اصحاب رسول ﷺ اور قرن اول کے مجاہدین اسلام کے متعلق جو کچھ کتابوں میں پڑھا یا سنا تھا وہ سب ایک مولاناؒ کی ذات گرامی میں بچشم خود دیکھا۔

زفرق تابقدم ہرکجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست [۱]

سراپا اتباع سنت

مولوی مجتبیٰ صاحب ہی رقمطراز ہیں کہ:

''فردائے قیامت میں خداوند قدوس کے سامنے ہزاروں کلمہ گو اس امر کی یقینی شہادت دیں گے کہ یہ بندۂ خدا ابوالمحاسن محمد سجاد بیس سال تک اس صوبہ میں کم از کم تنہا مجاہد اسلام وحریت تھا جس نے سنت محمدی ﷺ کے اجراء اور اصحاب رسول کے نقش پر چلنے میں اپنی جان گنوائی۔ دنیا کی کوئی حرص نہ تھی اور وہ سراپا تمسک بالاسلام پر قدم زن تھا۔ ذہاب فی سبیل اللہ اس کی حیات دنیاوی کی تصویر تھی، مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی تنظیم میں اس ذات گرانمایہ نے ایک ایک لمحۂ حیات صرف کیا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو مرعوب نہ کرسکی، وہ تنگ نظر نہ تھا کہ ہمسایہ اقوام سے اتحاد عمل کرنے میں جی چراتا، وہ طالب جاہ نہ تھا کہ حکومت پر جلوہ فرما ہو کر مظاہرہ ومقابلہ کرتا، اس کی زندگی سراپا جہاد تھی، اور وہ خالص مجاہد اسلام تھا۔'' [۲]

حضرت مولانا سجادؒ کا مشرب

البتہ حضرت مولانا سجادؒ کا طریق زندگی اور صوفیانہ نقطۂ نظر عام ارباب تصوف سے مختلف تھا، وہ تصوف کی مروجہ گوشہ نشینی کے بجائے دین وملت کی بقا وتحفظ کے لئے مجاہدانہ سرفروشیوں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، وہ تنہائی کی نوافل، اوراد واشغال اور وظائف وتعویذات میں وقت صرف کرنے کے بالمقابل عہد فتنہ کے چیلنجوں کے دفاع اور علمی وفکری بنیادوں پر ملت کے استحکام کو بڑی عبادت تصور کرتے تھے، وہ رخصت وعافیت کے راستے سے زیادہ عزیمت کی خاردار راہوں کو عزیز رکھتے

۱- محاسن سجادص ۸۰ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔
۲- محاسن سجادص ۸۰ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔

تھے، اسی لئے مروجہ ارباب تصوف کے یہاں ان کو وہ مقام نہ مل سکا، روحانی اور باطنی کمالات کی بنیاد پر جس کے وہ ہر طرح مستحق تھے، انہوں نے صوفیانہ گداز اور بالیدگی کو مجاہدانہ جفاکشی میں مستور رکھا، یہ دنیا ہمیشہ صورت کی پرستار رہی ہے، اس کو کبھی اندر جھانک کر حقیقت پر نگاہ ڈالنے کی عادت نہیں رہی ہے، آپ کے ذوق آشنا اور محرم اسرار تلمیذ رشید مولانا اصغر حسین صاحبؒ کی تحریر کا یہ اقتباس پڑھئے اور الفاظ کے دروں خانے سے جھانکتے ہوئے پس منظر کو بھی ذہن میں رکھئے:

''حضرت مولاناؒ کا مشرب عقل وشرع کے مطابق ان ارباب تصوف سے جداگانہ تھا، جنہوں نے نوافل واوراد کے سلسلۂ دراز میں الجھ کر اجتماعی شیرازہ کو پراگندگی سے محفوظ رکھنے کی نہ صرف ذمہ داری کا احساس ضائع کر دیا، بلکہ اسی طریق عزلت کو حقیقت اسلام سمجھ کر عام دعوت وتلقین اور دعاوتسخیر کے ذریعہ وسیع کرنا شروع کر دیا، حضرت ابوالمحاسنؒ کو اپنی فطری صلاحیت کے ساتھ ماحول بھی ایسا ملا، جہاں نوافل واوراد کے اشغال شبانہ یوم، قومی وملی خدمات اور مالی وجانی قربانیوں کے مقابل نہ صرف مرجوح بلکہ سنت کے طریق سے جدا متصور ہوتے، پھر تبحر علمی ونکات فہمی کی مزید تائید، آخر ان سب روشنیوں میں اصل حقیقت روشن ہوگئی، کہ اسلام میں عبادت کی مانگ سے کہیں زیادہ اور شدید مانگ صداقت وامانت، تقویٰ وطہارت، اور مالی وجانی قربانی کی ہے، اسی واسطے حضرت مولاناؒ عبادات کے سلسلہ میں فرائض ومؤکدات پر اکتفا کر کے شب وروز فکر وعمل اور اعلاء کلمۃ اللہ میں لگے رہے۔''[1]

البتہ آخری عمر میں خاص لوگوں کو حضرتؒ کے اس ذوق عرفان کا احساس ہونے لگا تھا، جیسا کہ مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''آخر زمانہ میں مولاناؒ کو تصوف سے کچھ زیادہ ذوق پیدا ہوگیا تھا، تسبیح برابر ساتھ رہا کرتی تھی، جہاں موقعہ ملا ٹہل ٹہل کر یا بیٹھے بیٹھے تسبیح پڑھا کرتے تھے، اور بعض تصوف کے مسائل پر گفتگو بھی فرماتے تھے، اور خاص لوگوں کو کبھی کبھی تعویذ بھی دے دیا کرتے تھے۔''[2]

کرامات وانعامات

اللہ پاک اپنے نیک بندوں پر خصوصی انعامات فرماتے ہیں، اور کائنات کی بہت سی چیزوں کو ان کے زیر تسخیر کر دیتے ہیں، پھر ان کے ذریعہ خارق عادات چیزوں کا ظہور ہونے لگتا ہے،

۱- محاسن سجاد ص ۲۷۔

۲- حیات سجاد ص ۱۸ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

جناب حافظ محمد ثانی صاحب نے مولاناؒ کے دورۂ چمپارن کے موقعہ کا ایک چشم دیدہ واقعہ نقل کیا ہے:

زمین پر سکون ہوگئی سنت فاروقی پر عمل کی برکت

''۳۴ء کے زلزلۂ عظیم کے موقعہ پر آخر رمضان میں حضرت مولاناؒ دیہات کے دورہ سے بتیا تشریف لارہے تھے، ٹرین جیسے ہی بتیا اسٹیشن پر پہنچی کہ دفعتاً زلزلہ شروع ہوا اور مسافرین و حاضرین بدحواسی و پریشانی کے عالم میں شوروغوغا کرنے لگے مولانا مرحوم اپنی عصاء مبارک کو پلیٹ فارم پر ٹیک کر نہایت استقلال کے ساتھ کھڑے ہوگئے، اللہ اللہ کہنے لگے اور حاضرین کو بھی تلقین کی چنانچہ سب لوگ کیا مسلم اور کیا غیر مسلم اللہ اللہ ب آواز بلند کہنے لگے اس کے بعد سکون ہوا بعض لوگوں سے مولاناؒ نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ زلزلہ آیا تھا، انہوں نے اپنی عصائے مبارک زمین پر دبایا، خدا نے رحم کیا، میں بھی ان کے غلاموں میں ہوں اس لئے میں نے ان کی سنت پر عمل کیا۔''[1]

چمپارن کی ایک انتہائی معتبر شخصیت جناب حاجی شیخ عدالت حسین صاحب نے مولاناؒ کی دو کھلی کرامات نقل کی ہیں [2]، انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

ڈاکٹری رپورٹ کے برعکس پیٹ سے زندہ بچہ برآمد

''علاقہ رام نگر جنگل کی ترائی میں دورہ فرماتے ہوئے حضرت مولاناؒ موضع سبیا کے سامنے پہنچے،

۱- حیات سجادص ۱۱۱، ۱۱۲ مضمون حافظ محمد ثانی صاحبؒ۔

۲- شیخ عدالت حسین حضرت مولانا محمد سجاد کے قابل فخر اور انتہائی عاشق زار خادموں میں تھے، آپ کی پیدائش شعبان المعظم ۱۲۸۳ھ مطابق جنوری ۱۸۶۷ء میں موضع بہی علاقہ دیوراج، تھانہ لوریہ ضلع چمپارن بہار میں ہوئی، والد کا نام شیخ دلاور حسین تھا، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی، اس کے بعد گورکھپور اور جونپور گئے، اور اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی، کچھ ہندی بھی جانتے تھے، ۱۹۱۴ء میں قومی تحریک میں شامل ہوئے، اور اپنی زندگی ملک وملت کے لئے وقف کردی، نیل کی کاشت کے سلسلے میں مقامی کاشتکاروں پر انگریزی مظالم کے خلاف آواز بلند کی، مولانا مظہر الحق صاحب اور ڈاکٹر راجندر پرشاد ان دنوں وکالت کرتے تھے ان سے مدد لی، پھر ۱۹۱۷ء میں گاندھی جی کو لے کر آئے اور ہندوستان کی سرزمین پر پہلی دفعہ ستیہ گرہ کا تجربہ کیا گیا، اور کامیاب ہوا، ۱۹۲۱ء میں اپنے ضلع کی خلافت تحریک اور کانگریس کے روح رواں رہے، جب لوکل سیلف گورنمنٹ کا رواج ہوا تو ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر ہوئے، اور تقریباً چھ سال تک ممبر رہے، اسی دور میں بہی مڈل اسکول قائم کیا جو ان کی یادگار ہے، اول روز سے امارت شرعیہ کے حامی اور فعال رکن رہے، ۱۹۲۷ء میں راج بتیا کی طرف سے مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے اس کے دفاع اور تلافی میں امارت شرعیہ کی کامیاب جدوجہد میں قدم بہ قدم شریک رہے، ۱۹۳۰ء میں نمک سازی کے جرم میں گرفتار ہوئے اور ایک سال کی سزا پائی، راج کا مینا بازار انگریزوں کا حامی تھا اور ملک کی آزادی کے لئے وہاں کوئی بھی عمل ممنوع تھا، آپ نے اس کے بالمقابل جداگانہ مینا بازار لگوایا اور اس جرم میں گرفتار ہوئے، ۱۹۳۷ء میں ان کی دعوت پر بہی میں کانگریس کا اجلاس ہوا، ۱۹۳۸ء میں عبدالغفار خان کو مدعو کیا اور بگہی کا دورہ کرایا، ۱۹۴۲ء حکومت کے خلاف نوجوانوں کو لے کر تحریک چلائی، حضرت مولانا محمد سجادؒ کے فدائیوں میں تھے، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۳ء کو ۸ بجے صبح داعی اجل کو لبیک کہا (مولانا سجاد- حیات وخدمات ص ۵۱۹، ۵۲۰ مضمون مولانا ابوالکلام قاسمی بحوالہ نقیب فروری ۱۹۵۶ء)

تو وہاں آپ کے انتظار میں حافظ بیبت صاحب مرحوم اور ان کے خاندان کے تمام افراد سڑک پر موجود تھے انتظار کی وجہ یہ بیان کی کہ شیخ شمس الدین صاحب کی بیوی دردزہ میں مبتلا تھیں، سول سرجن دو دفعہ آ چکے ہیں، اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ بچہ پیٹ میں مر چکا ہے، فوراً ہسپتال لے جاؤ، ورنہ زچہ کی جان پر بن جائے گی، ضرورت ہے کہ بچے کو پیٹ چاک کرکے فوراً نکالا جائے، مولاناؒ سواری سے اترے، اور زچہ کے کمرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ایک عورت زچہ کے پیٹ کو دبائے، اور اپنی ہتھیلی پر انگلی رکھ کر کچھ لکھا، اور تالی لگا دی، اور غریب خانہ پر بھی تشریف لے آئے، ایک گھنٹہ کے بعد حافظ صاحب مرحوم شاداں وفرحاں دوڑتے ہوئے آئے، اور کہا کہ حضرت آپ کی توجہ سے زندہ لڑکا پیدا ہو گیا، زچہ ہوش میں آ گئی ہے۔"[1]

سرکش جن نے حکم کی تعمیل کی

"اسی کے ساتھ ایک دوسری مشکل چیز یہ پیش کی کہ میری لڑکی پر کچھ دنوں سے جن مسلط ہو گیا ہے، بڑے بڑے عامل آئے اور ناکام گئے، بعض عامل قبل اس کے کہ پہنچیں راستہ ہی سے افتاں خیزاں اس لئے بھاگ گئے، کہ جن نے پہنچنے سے پہلے ہی دو چار مرتبہ ان کو راستہ میں پٹکا، حضرت مولاناؒ نے ایک تعویذ لکھ کر دی، اور کچھ روغن دم کرکے حوالے کیا، اس دن سے پھر آج تک جن کی تسلیط نہیں ہوئی ہے۔"[2]

۱- حیات سجاد ص ۱۳۱، ۱۳۲ مضمون حاجی شیخ عدالت حسین صاحبؒ۔
۲- حیات سجاد ص ۱۳۱، ۱۳۲ مضمون حاجی شیخ عدالت حسین صاحبؒ۔

علمی مقام

(۶)

چھٹا باب

علمی مقام ومرتبہ

فصل اول

بلند علمی مقام

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا علم بے کراں، مطالعہ وسیع، ذہن رسا، دماغ کشادہ، اور فکر عمیق تھی، ان کا مطالعہ علوم وفنون کو محیط تھا، وہ فن کی روح اور علم کی گہرائی تک رسائی رکھتے تھے، وہ مسئلہ کی تہ تک بے پناہ سرعت کے ساتھ پہنچتے تھے، بلاشبہ وہ اپنے عہد کے مفکر اسلام تھے، تمام اسلامی علوم پر ان کی گہری نظر تھی، مسلسل بیس سالہ تدریسی اشتغال نے ان کی قوت فکر کو بے انتہا بلند اور مطالعہ کو بے حد وسیع کر دیا تھا، ان کا ادراک کسی ایک یا دو فن تک محدود نہیں تھا، بلکہ ان تمام علمی شہپاروں تک محیط تھا جو نصاب درس کا حصہ نہیں ہیں اور لائبریریوں میں محفوظ ہیں، وہ کتابوں کے رسیا اور ان کے بین السطور تک کو پی جانے والے عالم دین تھے، علم سے ان کا رشتہ اس قدر گہرا تھا کہ علم ان کے فکر واحساس کا جزولاینفک بن گیا تھا، بالخصوص اسلامیات پر اتنی گہری نظر اور وسیع قوت ادراک کے ساتھ سوچنے والا عالم دین آپ کے عہد میں غالباً کوئی نہ تھا، مذاہب عالم، قوانین عالم، دنیا کی تمدنی تاریخ، سماجی علوم وروایات پر جیسی ان کی نگاہ تھی، کہ طبقۂ علماء میں شاید ہی کوئی ان کی ہمسری کر سکے۔

فکر صائب

اور سب سے بڑی بات یہ تھی وہ اکثر صواب تک پہنچنے والے محقق تھے، ان کی فکر ان کی صحیح رہنمائی کرتی تھی، ان کا مطالعہ ان کو صحیح سمت میں لے جاتا تھا، جس میں نہ انحراف تھا اور نہ غلو، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں:

> ''ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عطیہ فکر رسا اور رائے صائب تھی۔''[1]

صراط مستقیم کی سچائی تک پہنچنے کی ان میں جو بے حد وانتہا صلاحیت تھی وہ ان کو اپنے ہم

۱-محاسن سجاد ص ۴۰، ۴۱۔

عصروں سے ممتاز کرتی تھی، بلکہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ [۱] کے بقول:

''اگلوں نے تعظیم دی، پچھلوں نے تکریم کی، اور اب جو دیکھا تو ان کے قدم کسی سے پیچھے نہیں، منزلت کے دربار میں ان کی کرسی کسی سے نیچے نہیں---امتیاز ناقصوں میں نہیں کاملوں میں پایا، ذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء، چمک جگنو کی نہیں جو ہر اندھیرے گھپ میں روشنی پیدا کر سکتی ہے، نور ماہتاب کا جو جگمگاتے تاروں کو ماند کر دیتا ہے۔'' [۲]

یا بقول مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ:

''جس نے مولاناؒ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ اس اعتراف پر مجبور ہے، کہ اتنے بہتر دل و دماغ کا مالک، فکر وعمل کا ایسا جامع، ایثار وقربانی کا ایسا پتلا، علوم وفنون کا ایسا ماہر، خلوص وللہیت کا ایسا مجسمہ، اور پھر ان ساری بڑائیوں کے ساتھ ایسا منکسر اور متواضع شخص کم دیکھا گیا۔'' [۳]

ایک زمانہ نے آپ کی علمی برتری کا لوہا تسلیم کیا، مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان میں بڑے فضلاء اور کامیاب ترین درس دینے والے گذرے ہیں اور آج بھی کچھ موجود ہیں، مگر کم لوگوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس قدر جلد علمی صفوں میں نمایاں ہوئے ہوں، جس

۱-مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کی ولادت دریا آباد ضلع بارہ بنکی میں ۱۶/شعبان ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۶/مارچ ۱۸۹۲ء کو ایک قدوائی خاندان میں ہوئی، ان کے دادا مفتی مظہر کریم کو انگریز سرکار کے خلاف ایک فتویٰ پر دستخط کرنے کے جرم میں جزائر انڈومان بھیج دیا گیا تھا، آپ نے تفسیر ماجدی میں سورۂ یوسف کے آخر میں لکھا ہے کہ اٹھانویں پشت پر جا کر آپ کا شجرۂ نسب لاوی بن یعقوب سے جا ملتا ہے۔

آپ مشہور مصنف، مفسر، صحافی، منفرد انشاء پرداز، سچ، پھر صدق، پھر صدق جدید کے مدیر محترم تھے، ان کی اردو تفسیر ''تفسیر ماجدی'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، جس میں قدیم وجدید علوم کی روشنی میں بہت سی ایسی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو دوسری تفسیروں میں نہیں ملتی ہیں، اس کے علاوہ قرآن، سیرت، سفرناموں، فلسفہ اور نفسیات پر پچاس (۵۰) سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں چند بہت ممتاز اور مشہور ہیں:- ☆تفسیر القرآن الکریم (انگریزی) ☆حکیم الامت، ☆آپ بیتی، ☆معاصرین، ☆فلسفۂ اجتماع، ☆فلسفۂ جذبات، ☆فی مافی ملفوظات محمد جلال الدین رومی وتبصرہ، ☆مردوں کی سیمائی، ☆مضامین عبدالماجد دریابادی، ☆محمد علی کی ذاتی ڈائری، ☆وفیات ماجدی، ☆بشریت انبیاء علیہم السلام۔ وغیرہ

آپ کی اردو نثر میں اعجاز وایجاز واختصار، اخذ نتائج، اور پیش کرنے کا اسلوب بڑا موثر اور دلکش ہوتا ہے، ان کی اردو نثر اپنی ایک پہچان رکھتی ہے، تعلیم خالص انگریزی اسکول اور کالجوں کی ہے، ذاتی مطالعہ سے علوم اسلامیہ پر عبور حاصل کیا، اور اپنا مقام بنالیا، ایک زمانہ میں ان پر فلسفہ کا غلبہ تھا، صراط مستقیم پر آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دیوبند حاضر ہو کر بیعت کی، لیکن آپ کی تربیت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمائی، بہت سی تنظیموں اور اداروں سے منسلک رہے، مثلاً: تحریک خلافت، رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن، مسلم یونیورسیٹی علی گڑھ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، وغیرہ، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی اسلامی اور ادبی انجمنوں کے رکن تھے، وفات دریا آباد میں ۷/جنوری ۱۹۷۷ء مطابق ۱۶/محرم الحرام ۱۳۹۷ھ کو ہوئی (تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ ص ۱۸۳، ۱۸۴ از مولانا اسیر ادروی، ناشر: دار العلوم حیدرآباد، منتظم اشاعت: دار المؤلفین دیوبند، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء، نیز کچھ چیزیں آزاد دائرۃ المعارف سے لی گئی ہیں)

۲-محاسن سجاد پیش لفظ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ص ''ہ''۔

۳-حیات سجاد ص ۲۰۔

قدر جلد اور جتنی کم سنی میں مولاناؒ کے علم وتبحر کو اہل علم نے تسلیم کرلیا۔" [۱]

قوت حافظہ

آپ کا حافظہ اتنا مضبوط تھا کہ پڑھی ہوئی باتیں برسوں بیت جانے کے بعد بھی ذہن کے نہاں خانے میں محفوظ رہتی تھیں، وہ نہ محو ہوتی تھی اور نہ ان میں التباس پیدا ہوتا تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہادت ہے کہ:

"ہر چند کہ سالہا سال سے درس وتدریس کا اتفاق نہیں ہوا تھا، مگر جب گفتگو کی گئی ان کا علم تازہ نظر آیا۔۔۔ان کا علم محض کتابی نہ تھا بلکہ آفاقی بھی تھا۔" [۲]

ذوقِ مطالعہ

ملی اور قومی تحریکات کے دور میں بھی آپ کے مطالعہ کا عمل موقوف نہیں ہوا، بلکہ کتابیں آپ کے لمحۂ فرصت کی رفیق رہیں، اس دور کے شریک کار اور عینی مشاہد جناب مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب ایم اے بی ایل آرگنائزر محکمۂ دیہات سدھار بہار کا بیان ہے کہ:

"کتب بینی مولاناؒ کا بہترین مشغلۂ فرصت تھا کثرت مطالعہ سے آنکھیں بہت کمزور ہوگئی تھیں، اور ۱۹۴۰ء میں آنکھوں کی تکلیف بہت زیادہ ہوگئی تھی، مگر مطالعہ کا شوق ویسا ہی باقی تھا، وسعت مطالعہ کا یہ حال تھا کہ مسائل حاضرہ کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جس پر مولاناؒ نہایت تحقیق وتدقیق سے گفتگو کرنے اور حل کرنے پر قادر نہ تھے۔" [۳]

علوم عقلیہ پر ناقدانہ نظر

زمانۂ تدریس میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی شہرت ایک معقولی عالم کی حیثیت سے تھی، اور طلبہ وعلماء آپ کی اس صلاحیت سے بے حد مرعوب رہتے تھے، معقولات کی مشکل ترین کتابیں آپ کے زیر درس ہوتی تھیں، اور آپ اپنے معیار سے کتاب کو فنی طور پر پڑھاتے تھے، بہت سے فلسفیانہ مسائل میں آپ کی خود اپنی مستقل رائے ہوتی تھی، آپ کبھی صاحب کتاب سے

۱-حیات سجاد ص ۱۲۔
۲-محاسن سجاد ص ۴۰ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ۔
۳-محاسن سجاد ص ۹۳۔

اتفاق کرتے تھے اور کبھی اختلاف، معقولات کے ائمۂ فن سے اختلاف کرنے میں بھی آپ کو دریغ نہ ہوتا تھا، اور طلبہ کا احساس یہ تھا کہ مختلف فیہ مسائل میں مولانا کی رائے بہت معتدل اور فیصلہ کن ہوتی تھی، اس تناظر میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ کا یہ تبصرہ کافی بامعنیٰ ہے:

''یہ واقعہ ہے کہ مولانا اس فن میں ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اور ہر مسئلہ میں مولانا کی رائے قول فیصل کا درجہ رکھتی تھی۔''[1]

جس دور کی یہ بات ہے اس دور میں پورے ہندوستان میں حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکیؒ [2] کا استثناء کر کے کسی منطقی عالم کو حضرت مولانا سجادؒ کا ہم پلہ نہیں کہا جاسکتا تھا، اس زمانے میں کانپور کو معقولات میں امتیازی شہرت حاصل تھی، لیکن مولاناؒ کے علم کے سامنے کانپور کا چراغ بھی مدھم پڑنے لگا تھا، اسی لئے آپ جہاں جاتے تھے طلبہ کا ایک ہجوم آپ کے شامل ہوتا تھا، اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے الفاظ میں:

''جس مدرسہ میں پڑھانے پہنچے، وہاں کی حالت ہی بدل دی، مولاناؒ کا پہنچ جانا مدرسہ کی کامیابی

۱- حیات سجاد ص ۱۳۱۔

۲- مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکیؒ سلسلۂ خیرآباد کے نامور فاضل اور یگانۂ روزگار عالم وفلسفی تھے، آپ کی ولادت ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میں ٹونک (راجستھان) میں ہوئی، آبائی طور پر آپ کا تعلق میرنگر (بہار) کے خاندان سادات سے تھا، آپ کے والد مولانا حکیم سید دائم علیؒ (مرید وخلیفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ) دربار ٹونک کے طبیب خاص، استاذ اور وزیر تھے، جب کہ والدہ کا تعلق پھلت، ضلع مظفر نگر میں خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے تھا۔

مولانا ٹونکیؒ نے مولانا لطف علی ڈھنچویؒ (راجگیری) سے حمداللہ اور مولانا محمد حسن ٹونکیؒ سے ہدایہ تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مولانا عبدالحق خیرآبادیؒ (ابن علامہ فضل حق خیرآبادیؒ) کی خدمت میں پندرہ برس رہ کر معقولات میں کمال حاصل کیا، پھر اپنے خالو قاضی محمد ایوب پھلتی (قاضی ریاست بھوپال) سے علم حدیث کا درس لیا۔

زمانۂ طالب علمی ہی میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوگئے تھے، رام پور کے کسی بزرگ سے بیعت وارادت رکھتے تھے، درسیات کی تکمیل کے بعد ابتداء میں مدرسہ نیازیہ خیرآباد کے صدرالمدرسین رہے، اس کے بعد والی ٹونک کے حکم سے اپنے والد کی جگہ ریاست ٹونک کے طبیب خاص کے عہدے پر فائز ہوئے، اس عہدے کے ساتھ درس وافادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور ٹونک میں دارالعلوم خلیلیہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، آپ کے علوم ومعارف اور درس کی شہرت اس قدر ہوئی، کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند کے سیکڑوں طلبہ اور علماء استفادے کی غرض سے آنے لگے، یہاں سے فارغ علماء ہند وبیرون ہند کے جلیل القدر عہدوں پر فائز ہوئے، آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، جن میں بعض آسمان شہرت کی بلندیوں پر پہنچے، ان میں مولانا معین الدین اجمیری، مولانا عبدالقدیر عثمانی بدایونی، علامہ مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالسبحان بہاری، مولانا فضل کریم بہاری، مولانا خلیل الرحمٰن ٹونکی، اور مولانا نصیر احمد پھلتی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بیس برس تک درس وتدریس کے بعد تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے، آپ کی تمام تصانیف عربی زبان میں ہیں، جن میں الحجۃ البازغۃ (مابعد الطبعیات)، ملا بحرالعلوم فرنگی محلی کی شرح منار فارسی کا عربی ترجمہ، شرح ترمذی، رسالہ وجود رابطی، صدقۂ جاریہ فی رد آریہ (دیانند سرسوتی کے فلسفیانہ اصول کی تردید) اور الصمصام القاضب بطور خاص قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ بھی دیگر موضوعات پر مختلف رسائل آپ کی یادگار ہیں، آخر عمر میں تصوف اور ریاضت ومجاہدات کا غلبہ ہوگیا تھا، آپ کا وصال یکم ربیع الاول ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۸/اگست ۱۹۲۸ء کو ٹونک میں ہوا۔ (تذکرۂ علماء ہندوستان ص ۲۲۴ تصنیف مولانا سید محمد حسین بدایونی، تحقیق وتحشیہ: ڈاکٹر خوشتر نورانی)

کی ضمانت تھی۔"[1]

فن معقولات ہی کا فیض تھا کہ بڑے بڑے بد دماغوں کے دماغ وہ چٹکیوں میں درست کر دیتے تھے، قاری یوسف حسن خان صاحب نقل کرتے ہیں کہ:

"اسی زمانہ (تدریس الٰہ آباد) کا ایک لطیفہ ہے کہ ایک بہت بڑا آریہ مناظر مولاناؒ سے ملنے آیا، اور کہنے لگا کہ مولانا! اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان گائے کی قربانی ترک کر دیں، اور ہنود مسلمانوں کو بکرا دے کر قربانی کا انتظام کر دیں، مولاناؒ نے فوراً برجستہ فرمایا: کہ میاں! ہم لوگوں کو جانور کے بالوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملتا ہے، اتنا بال اور جانوروں میں کہاں؟ وہ لاجواب ہوگیا اور کچھ دیر خاموش رہ کر رخصت کی اجازت چاہی۔"[2]

اسی منطق سے ترک گاؤ کے مسئلہ پر آپ نے بکسر میں گاندھی جی کو بھی خاموش کر دیا تھا، جس کی تفصیل مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے اس طرح بیان کی ہے:

"مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس مسئلہ کو ان کے سامنے یوں رکھئے کہ ہر اس مسلم پر جو چالیس روپیہ یا چالیس روپیہ کی مالیت کی چیز کا مالک ہو، اور وہ اس کے حوائج اصلیہ سے زائد ہو، اس پر اسلام میں قربانی واجب ہے، اب ہر وہ کسان جو پانچ کٹھہ بھی کھیت رکھتا ہے، اس پر قربانی واجب ہے، اور ہر وہ عورت جو چالیس روپے کا زیور اپنے پاس رکھتی ہے، اب ایک گھر میں فرض کر لیجئے ایک مرد ہے، جس کو پانچ کٹھہ کھیت ہے، اور گھر میں چھ عورتیں ہیں (جن کے پاس عموماً اتنی مالیت کا زیور ہوتا ہے) سب پر قربانی واجب ہے، اور آئین اسلامی کی رو سے اس کا فریضہ ہے کہ قربانی کرے، اب اگر سات راس خصی خریدتا ہے تو فی خصی دس روپے کے حساب سے ستر روپے اس کو چاہئے اور یہ اس کے امکان سے باہر ہے، اور اگر ایک گائے خریدتا ہے تو زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے میں اس کو مل جاتی ہے اور سب کے سب قربانی کے فریضے سے سبکدوش ہو جاتے ہیں، ایسی حالت میں وہ کیا کرے گا اور اس کے لئے کیا حل ہے؟"[3]

مولاناؒ کی یہ دلیل سن کر گاندھی جی بالکل ساکت ہو گئے اور پورے دورۂ بہار میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی، جب کہ وہ اسی کی تبلیغ کی غرض سے پورے ملک کا دورہ کر رہے تھے۔

مولانا سجادؒ کی طباعی، حاضر جوابی، اور قوت استدلال کے پیچھے جہاں ان کی فطری ذہانت

۱- حیات سجاد ص ۱۱۔
۲- محاسن سجاد ص ۲۳۔
۳- حیات سجاد ص ۴۶، ۴۷۔

وذکاوت کا دخل تھا وہیں علوم عقلیہ سے بے پناہ شغف نے بھی ان کے ذہن ودماغ کو آئینہ کردیا تھا۔

جامع العلوم شخصیت

لیکن مولاناؒ کا علم صرف معقولات تک محدود نہ تھا، وہ ''ہرفن مولیٰ'' انسان تھے، ان کو تمام علوم وفنون میں یدطولیٰ حاصل تھا، قرآن، حدیث، علم فقہ، معانی، بلاغت، اورادب میں بھی ان کو بے نظیر دسترس حاصل تھی، جس موضوع پر بھی بات کرتے لگتا تھا کہ یہ اسی فن کے آدمی ہیں، اور ساری زندگی انہوں نے اسی فن پر محنت کی ہے، ایسی عبقری اور جامع العلوم والفنون شخصیتیں ہر دور میں کم ہوئی ہیں، اوراس دور میں تو عنقا تھیں، لیکن مولاناؒ جس عہد کی پیداوار تھے، اور انگریزی سامراج کے تسلط اور مغربی علوم وتہذیب کے غلبہ نے جس طرح مدارس دینیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی، ان حالات میں ان شکستہ حال درسگاہوں سے حضرت مولانا سجادؒ جیسی شخصیت کی نمود بلاشبہ اسلام کی کرامت اور ملت اسلامیہ کے لئے نصرت ربانی تھی۔

فصل دوم

علوم قرآنی

قرآن کریم سے آپ کو طبعی مناسبت تھی۔

تدبر قرآنی

آپ کا قرآنی مطالعہ بے حد گہرا تھا، قرآن سامنے ہوتا تو بالکل کھوجاتے تھے، بقول مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ:

''وہ (مولانا محمد سجاد صاحبؒ) مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ میں جب قرآن مجید تلاوت کرنے بیٹھتا ہوں تو بمشکل گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ایک صفحہ کی تلاوت کر پاتا ہوں، قرآن کی بلاغت، اس کا عمق، پھر اس کے احکام، پھر احکام کی روح، اور اس کا مناط، پھر اس کے ماتحت اس کے فروع، پھر ان فروع کے تنوعات، پھر ان میں باہمی تفاوت کی بوقلمونی اس طرح ایک ساتھ سامنے آنے لگتی ہیں کہ میں اس میں کھوجاتا ہوں اور اکثر ایک ہی دو آیت میں وقت ختم ہوجاتا ہے، اور تھک کر تلاوت ختم کردیتا ہوں۔''[1]

قرآن کریم سے ان کو وہ کچھ ملتا تھا جس کے سامنے تخت وتاج اور ساری دولت دنیا ہیچ نظر آتی تھی، حافظ محمد ثانی صاحب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ:

''مولانا قرآن پاک کی تلاوت فرمارہے تھے، اور ان پر ایک کیفیت طاری تھی، میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا، کہ دنیادار دنیاوی دولت پر غرور وفخر کیا کرتے ہیں، مگر اللہ پاک نے اپنی مہربانیوں سے کلام پاک کی جو دولت مجھے عطا فرمائی ہے اس کے مقابلہ میں دولتمندوں اور ان کی دولت کی میری نظروں میں کوئی حقیقت نہیں۔''[2]

قرآن کریم سے مسائل کا استنباط

آیات کریمہ میں اسی تعمق کا نتیجہ تھا کہ وہ اسلامی قانون کے ایک ایک جزئیہ کو ان آیات

۱- حیات سجاد ص ۱۳۱، ۳۲۔

۲- حیات سجاد ص ۱۱۳ مضمون جناب حافظ محمد ثانی صاحبؒ۔

میں موجود پاتے تھے، ہر مسئلہ میں ان کا ذہن بڑی تیزی کے ساتھ قرآن کریم کی طرف منتقل ہوتا تھا اور کوئی نہ کوئی آیت کریمہ ان کی رہنمائی کے لئے سامنے آجاتی تھی، اس کا اظہار انہوں نے خود ایک بار فرمایا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ فرمانے لگے کہ جب یہ مسموم ہوا چلنے لگی کہ ہر مسئلہ کا ثبوت قرآن سے طلب کیا جانے لگا، تو اس زمانہ میں تلاوت کے وقت جزئیات فقہ اور فروع اسلامی کے مآخذ کے اخذ کی طرف ذہن کا امالہ ہوگیا، تو کچھ دنوں کے مطالعہ کے بعد خدا کی جانب سے یہ نوازش ہوئی کہ جب میں فقہ کے کسی باب کے فروعی مسائل کے ثبوت کی طرف توجہ کرتا تو آسانی سے مآخذ کی طرف رہنمائی ہوجاتی۔''[۱]

مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا فقیہ النفس تھے، اصول پر بڑی گہری نظر تھی، آیات واحادیث سے بے تکلف استنباط مسائل کرتے۔''[۲]

یہ مقام اجتہاد ہر ایک کو میسر نہیں آسکتا تھا، اس کے لئے مسلسل اشتغال قرآنی کے ساتھ فضل ربانی کی بھی ضرورت ہے، **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔**

چنانچہ بظاہر ایسے مسائل وحوادث میں بھی جن کے لئے قرآنی ثبوت کا بظاہر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، مولانا ان کا مآخذ قرآن کریم میں تلاش کر لیتے تھے۔

اوقاف پر زرعی ٹیکس کا مسئلہ

اس کی ایک مثال اوقاف پر زرعی ٹیکس کا معاملہ ہے، اس کا عدم جواز مولاناؒ نے قرآن کریم سے ثابت کیا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''اسمبلی میں زرعی بل کے موقعہ پر جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اوقاف پر شرعاً زرعی ٹیکس عائد نہیں کیا جاسکتا ہے، تو میں نے پوچھا کہ حضرت! اس کے لئے قرآن مجید میں کیا مآخذ ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس کا مآخذ ہے: فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ

۱- حیات سجادص ۳۲۔

۲- تذکرۂ ابوالمحاسن ص ۵۲۵ مکتوب حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی بنام مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی، تاریخ ارقام ۲۹/مارچ ۱۹۸۶ء۔

یُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ [۱] کیونکہ کسی طرح کی تبدیلی جب وصیت میں جائز نہیں ہے جو مرض الموت کی حالت میں لوجہ اللہ کرتا ہے، تو پھر وقف میں بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں ہوگی، جو صحت اور طمانیت کی حالت میں خدا کی راہ میں وقف کرتا ہے۔" [۲]

وہ اصول فقہ اور قواعد فقہیہ کو بھی اسی طرح قرآن کریم پر منطبق کرتے تھے، اسی مسئلہ میں فقہی ضابطہ "شرط الواقف کالنص" کو وہ اسی آیت کریمہ سے اخذ کرتے تھے۔ [۳]

قرآنی دقائق ونکات پر نگاہ

قرآنی نکات ودقائق پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ کی روایت ہے کہ:

"ایک دفعہ فرمایا کہ مغضوب اور ضالین کی جماعت جس سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں، کفار بت پرست کے مقابلہ میں ان سے تبری کو اس قدر اہمیت کیوں دی گئی ہے کہ سورۂ فاتحہ کا اس کو جزو قرار دیا گیا جس کو رات دن میں ۳۲ مرتبہ ہم نماز میں پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں ان کی جماعتی فطرت یہ ہے کہ ان میں حق کے قبول وانفعال کی استعداد نہیں ہے، اور مشرکین کی جماعتی فطرت میں حق کے قبول وانفعال کی استعداد ہے، یہود ونصاریٰ کے متعلق تو قرآن کا نظریہ یہ ہے کہ: وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ [۴] یہود ونصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کے پیرو نہ ہو جاؤ۔ اور مشرکین کے متعلق قرآن کریم کا نظریہ یہ ہے کہ: وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ [۵] وہ چاہتے ہیں کہ اگر تم نرم ہو تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔" [۶]

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ ہی بیان فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ: فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [۷] کے متعلق علامہ زمخشریؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے غلطی سے عزیز حکیم

۱- البقرۃ ۱۸۱۔
۲- حیات سجاد ص ۳۲۔
۳- حیات سجاد ص ۳۲۔
۴- البقرۃ: ۱۲۰۔
۵- القلم: ۹۔
۶- حیات سجاد ص ۳۳۔
۷- البقرۃ: ۲۰۹۔

کی جگہ'غفور رحیم' پڑھ دیا، تو ایک بدوی نے سن کر کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہوسکتا، وجہ اس کی علامہ زمخشریؒ نے یہ بیان کی ہے کہ زلت ولغزش کے بعد ارباب دانش رحم ومغفرت کا ذکر نہیں کرتے ہیں، کیونکہ یہ اس کو گناہ پر جری بنانے کو مستلزم ہوگا۔

حالانکہ قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں رحم ومغفرت کا ذکر خطا کاروں کی خطا کاری کے بعد مذکور ہے، مولاناؒ نے فرمایا، بدوی کے انکار کی وجہ یہ نہ تھی، بلکہ وہ "فاعلموا" کا بلیغ تیور ہے، جو اس جگہ رحم ومغفرت کے ذکر کے منافی ہے، مولاناؒ کی اس بلاغت پر بے اختیار زبان سے نکل آیا۔

تو ئی چناں کہ تو ئی ہر کسے کجا داند۔ [1]

یہ مثالیں آپ کی فکر قرآنی کی بلندیوں کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

علم حدیث

علم حدیث میں بھی آپ کا پایہ بے انتہا بلند تھا، اور کئی جہتوں سے ان کا قد اپنے ہم عصروں سے ممتاز نظر آتا ہے مثلاً:

ہر حدیث قرآن سے مربوط ہے

☆ ان کا خیال تھا کہ ہر حدیث قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت سے مربوط ہے، اور ہر روایت مشکوٰۃ نبوت کی اس تنویر سے ماخوذ ہے جو قرآن کریم کے مطابق **بما اراک الله** [2] کے تحت آپ کو حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آیات قرآنی کی جو تشریحات منقول ہیں ان میں زیادہ تر قرآنی الفاظ کی طرف اشارات ملتے ہیں، جس طرح کہ مجتہدین مدار حکم کے اشارات آیات منصوصہ میں تلاش کرتے ہیں، اور پھر ان پر قیاس کی بنیاد رکھتے اور مسائل کا استخراج کرتے ہیں، اسی لئے مولاناؒ اس پر بہت زور دیتے تھے کہ درس حدیث کے وقت حتی الامکان یہ واضح کیا جائے کہ اس حدیث کا تعلق قرآن کریم کی کس آیت سے ہے؟

اسی طرح مسائل پر غور کرتے وقت قرآن سے جتنا ثابت ہے پہلے وہ سامنے لانا چاہئے، پھر حدیثوں سے جو رہنمائی ملتی ہے اس کو ظاہر کیا جائے، اس کے بعد درجہ آتا ہے فقہاء امت کے اجتہادات کا، اور پھر واضح کیا جائے کہ فقہاء کرام نے یہ احکام قرآن وحدیث سے کس طرح اخذ

۱- حیات سجاد ص ۳۳۔

۲- پوری آیت اس طرح ہے: إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا (النساء: ۱۰۵)

گئے ہیں؟ اور اس باب میں ان کی خدمات کتنی وقیع ہیں؟ اس سے فرق مراتب کا بھی پتہ چلے گا اور فقہی مجتہدات کی علمی معنویت کا بھی اندازہ ہوگا۔[1]

ظاہر ہے کہ یہ بات لکھنے اور بولنے میں جس قدر آسان ہے عملی طور پر اس کو برتنا اتنا ہی مشکل ہے، اس کے لئے قرآن وحدیث کے گہرے علم وفہم، فراست ربانی اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہے، ایسی درسگاہیں نہ پہلے عام طور پر پائی جاتی تھیں اور نہ آج ان کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

احادیث کا اختلاف اختلاف احوال اور مراتب احکام پر مبنی ہے

احادیث میں جو باہم اختلاف نظر آتا ہے، مولاناؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ اختلاف نسخ نہیں ہے کہ ایک نے دوسرے کو منسوخ کردیا ہو، بلکہ یہ اختلاف اباحت یا اختلاف رخصت وعزیمت ہے، یعنی دونوں شکلیں مباح ہیں، یا ایک عزیمت پر مبنی ہے اور دوسری رخصت پر، اسی لئے آپ فرماتے تھے کہ معمول بہ احادیث کے علاوہ دوسری مختلف احادیث پر بھی زندگی میں ایک بار عمل کرلینا چاہئے مثلاً نماز کی جو مختلف صورتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، ایک ایک مرتبہ سب پر عمل کرلینا چاہئے، تاکہ کسی سنت کی برکت سے محرومی نہ رہ جائے۔[2]

یعنی مولانا کے نزدیک کوئی حدیث منسوخ نہیں تھی، بلکہ ہر حدیث کا ایک محمل مقرر ہے اور وہ کسی نہ کسی درجہ میں معمول بہ ضرور ہے، قرآن کریم کے بارے میں بھی مولانا کا موقف یہی تھا، جس کا عکس جمیل آپ کے علمی جانشین حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی کتاب ''قرآن محکم'' میں نظر آتا ہے، یہ وسیع نقطۂ اتفاق حضرت مولانا سجادؒ کی عبقریت، طبعی سلامتی اور قرآن وحدیث پر ان کی گہری نظر کی علامت ہے۔

نکتہ رسی

حدیث سے ان کے شغف کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ عین حالت مرض الموت میں بھی جب وہ ہوش میں آتے تو بڑی دقیق باتیں فرماتے تھے، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کا بیان ہے کہ:

> ''ایک دفعہ مجھ کو یاد ہے فرمانے لگے کہ اس کی وجہ سمجھتے ہو کہ بیمار پرسی کے لئے حدیث شریف میں ''عیادت'' کا لفظ کیوں حضور ﷺ نے فرمایا، اس کی تعبیر میں ''لقاء مریض، زیارت مریض،

۱- حیات سجادؒ ص ۴۳، ۴۴ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب کے مضمون سے ماخوذ (الفاظ کے فرق کے ساتھ خلاصہ)۔
۲- محاسن سجادؒ ص ۲۶ مضمون مولانا اصغر حسین صاحب بہاری (الفاظ کے فرق کے ساتھ)۔

یا اس طرح کے دوسرے الفاظ کیوں نہیں ارشاد فرمائے؟ پھر فرمایا کہ نکتہ یہ ہے کہ اس تعبیر سے ذہن میں یہ بات ڈالنی ہے کہ مریض اس کا محتاج ہے کہ بار بار اس کی خبر گیری کے لئے اس کے پاس پہنچا جائے کیونکہ عیادت کا مادہ ''عود'' ہے۔ مولاناؒ اس وقت جب یہ فرمارہے تھے، تکلیف سے مضطرب تھے۔''[1]

علم بدیع

بلاغت، معانی، اور عربی زبان وادب میں بھی آپ کو حیرت انگیز مہارت حاصل تھی، آپ عربی زبان میں بھی برجستہ شاعری پر قدرت رکھتے تھے، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''مجھ کو یاد ہے کہ دارا گنج مدرسہ کے ملاحظہ کے لئے جس کو مولانا نے دارا گنج[2] کی وسیع وعریض

۱- حیات سجادص ۲۳۔

۲- پٹنہ میں ایک محلہ دیدارگنج ہے جو پٹنہ سیٹی میں واقع ہے، غالباً کتابت کے سہو سے یہ دارا گنج ہوگیا، دیدارگنج میں جھاؤ گنج کے پاس ٹھیک جمنا کے کنارے ایک وسیع وعریض شاہی مسجد ہے جو سیف خان مرزا صانی کی تعمیر کردہ ہے، جو مدرسہ والی مسجد کے نام سے بھی مشہور ہے، سیف خان، بادشاہ ہندوستان شاہجہاں (عہد حکومت: ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ / ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۹ء) کے دور میں بہار کا صوبیدار (مدت صوبیداری: ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۴۰ھ / ۱۶۲۷ء تا ۱۶۳۱ء) تھا، یہ شاہجہاں کی سب سے چہیتی بیوی ممتاز محل (جس کے نام پر آگرہ کا تاج محل مشہور ہے) کی بہن ملکہ بانو کا شوہر تھا، اس طرح سیف خان شاہجہاں کا ہم زلف تھا، اس نے پٹنہ میں بڑے آن وبان سے حکومت کی، اور رفاہ عام کے بہت سے کام کئے، اس کے عہد میں ایک بڑی عیدگاہ بنوائی گئی، جو محلہ صادق پور سے اتر پچھم اب تک قائم ہے، اور چوک سے پورب لب دریا ایک بڑا مدرسہ اور مسجد کی تعمیر ہوئی، مدرسے کی یادگار اب صرف اس محلے کا نام رہ گیا ہے، لیکن مسجد اب تک موجود ہے، اور شہر میں نہایت پر فضا مقام ہے، سیف خان کے زمانے میں خواجہ قاسم مخاطب بہ 'عقیدت خان' صوبے کا دیوان تھا۔

(تاریخ مگدھ ص ۲۴۵، ۲۴۶ مؤلفہ مولوی فصیح الدین بلخی)

ممکن ہے کہ پہلے اس پورے خطہ کو دیدارگنج ہی کہا جاتا ہو، غالباً حضرت مولانا محمد سجادؒ نے اسی مسجد میں یہ مدرسہ قائم فرمایا تھا، اور اسی میں دینی تعلیم کے ساتھ صنعتی فنون کے شعبہ جات کھولنے کا بھی آپ ارادہ رکھتے تھے، پٹنہ میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا مدرسہ قائم کرنا عین قرین قیاس ہے۔

واضح رہے کہ دارا گنج کے نام سے الہ آباد کے قریب ایک مقام پایا جاتا ہے جہاں لب دریا ایک شاہی مسجد بھی موجود ہے، مگر بہار سے باہر کسی بھی مقام پر حضرت مولانا محمد سجاد کا مدرسہ قائم کرنا ثابت نہیں ہے، الہ آباد کے مدرسہ سبحانیہ کے علاوہ کسی مدرسہ سے آپ کا تعلق نہیں رہا، مدرسہ سبحانیہ میں آپ نے پڑھا بھی اور پڑھایا بھی، لیکن وہاں کسی مدرسہ کی تاسیس کا ذکر آپ کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا ہے، البتہ اس بات کا ذکر متعدد حضرات نے کیا ہے کہ الہ آباد میں تدریس کے دوران بعض حالات وواقعات کے تحت جب آپ کو ایک نمونہ کا مدرسہ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا تو آپ نے الہ آباد ترک فرما کر بہار میں گیا شہر کو یہ عزت بخشی اور وہاں مدرسہ انوار العلوم قائم فرمایا، اور باقاعدہ عوامی رائے عامہ کے جائزہ اور تشکیل کے لئے جانے سے قبل ایک وفد روانہ کیا، اگر آپ کے لئے الہ آباد میں مدرسہ کے قیام کی کوئی صورت ہوتی تو آپ الہ آباد ترک نہ فرماتے جب کہ آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالکافیؒ صاحب بھی اس وقت باحیات تھے، ان کی سرپرستی الہ آباد میں کام کرنے میں آپ کے لئے زیادہ باعث تقویت ہوسکتی تھی۔ غرض یہاں کتابت کی غلطی سے غالباً دیدارگنج سے دارا گنج بن گیا، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کا یہی مضمون جب حیات سجاد (مرتبہ: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی) میں شامل کیا گیا، تو مرتب کتاب نے اس مضمون کو جوں کا توں شائع کردیا، کتابت کی یہ غلطی یہاں بھی برقرار رہی، اور مرتب صاحب نے تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ دارا گنج دنیا کے کس خطہ میں واقع ہے؟

پرشوکت شاہی مسجد میں جولب دریا واقع ہے قائم کیا تھا اور ارادہ یہ تھا کہ اس کو تعلیم کے ساتھ صنعتی مدرسہ بنایا جائے) جب ایک جج صاحب (جن کا نام نامی شاید" کرامت حسین" یا اسی طرح کا کوئی دوسرا نام تھا) تشریف لائے تھے اور مولاناؒ کو ان کی تشریف آوری کی اطلاع کل پندرہ بیس منٹ پہلے ہوئی تھی، اور اس لحاظ سے کہ وہ ذی علم تھے اور عربی ادب سے خاص ذوق رکھتے تھے، مولاناؒ نے ارتجالاً (برجستہ) عربی میں ایک بلیغ قصیدہ لکھا تھا، جس کو سن کر جج صاحب مرحوم بے حد متاثر ہوئے۔"[۱]

علمی جامعیت

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے، اور کسی بھی علم وفن میں ان کا پایہ اپنے کسی ہم عصر سے کمتر نہیں برتر ہی تھا، بقول حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ:

"ان کے علمی رسوخ، سیاسی شعور، اور دینی اخلاص کے جو تجربات ہوتے تھے، وہ مجھے حیرت میں ڈال دیتے تھے، حالانکہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے علم ودین کی بڑی بڑی شخصیتوں تک پہنچنے کا مجھے موقعہ عطا فرمایا لیکن ان تینوں شعبوں کی جامعیت اور وہ بھی اس پیمانہ پر، یہ واقعہ ہے کہ اپنے جاننے والوں میں کسی کے اندر نہیں پاتا، وہ جب منطق وفلسفہ کے نکات پر بحث کرتے تو پتہ کی ایسی بات کہتے کہ مسئلہ کی گرہ کھل جاتی تھی، پھر جب فقہی جزئیات کا ذکر آتا تو ایسے نوادر جزئیات کا پتہ دیتے کہ میں حیران رہ جاتا لیکن جب کتاب کھلتی تو جو کچھ مولاناؒ فرماتے اس کی توثیق کرنی پڑتی تھی، اور سیاسی مہارت جو ان کو حاصل تھی اس کا تجربہ تو مجھ سے زیادہ ان لوگوں کو ہوتا رہا جن کی عمر گذری تھی اسی دشت کی سیاحی میں۔"[۲]

'حقیقتِ سجادؒ کے پیش لفظ میں علامہ گیلانیؒ ہی لکھتے ہیں:

"علوم اسلامیہ اور مغلیہ دور کے عقلی علوم میں مولاناؒ کو جو دسترس حاصل تھا، خلاف معمول اس سلسلہ میں ان سے ہمیشہ مرعوب رہا، خصوصاً فقہی جزئیات پر ان کی وسعت نظری پر ہمیشہ اعتماد کرتا تھا، اسی کے ساتھ علاوہ دماغ کے مولانا مرحوم کے سینے میں درد سے بھرا ہوا جو دل تھا، جس سے کم ہی لوگ واقف ہوں گے اس باب میں ان کا گویا 'محرم اسرار' تھا۔"[۳]

۱- حیات سجادص ۳۱۔

۲- حیات سجادص ۵۷، ۵۸ ارتسامات گیلانیہ۔

۳- حقیقت سجادص "ج" (مصنفہ: سیداحمد عروج قادری) پیش لفظ علامہ مناظر احسن گیلانیؒ۔

اور مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ کے الفاظ میں:

''مولانا جامع العلوم تھے۔''[۱]

عصر حاضر کے مشہور عالم اور ناقد مورخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شہادت ہے کہ:

''میرے محدود علم میں ان کا جیسا دقیق النظر اور عمیق النظر عالم دور دور نہ تھا، فقہ بالخصوص اصول فقہ پر ان کی نظر بڑی گہری تھی، سیاست وتمدن اور تاریخ کا بھی انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، خاص طور پر قانونی اور دستوری باریکیوں اور ہندوستان کے دستور اور سیاسی نظاموں سے وہ گہری دلچسپی رکھتے تھے، اور ان کا انہوں نے بنظر غائر مطالعہ کیا تھا۔''[۲]

اردو اور عربی کے ممتاز ادیب اور مصنف مولانا مسعود عالم ندویؒ نے مولانا کی علمی اور شخصی جامعیت کے بارے اپنا ذاتی تجربہ تحریر کیا ہے کہ:

''اب تک جن لوگوں سے ملا، دو چار مستثنیات کو چھوڑ کر تعلقات کی زیادتی سے بدگمانی ہی بڑھی، بڑے بڑے عالموں کی مجلس میں جا کر بیٹھا، بعضوں کے نام سن کر دور دراز کے سفر بھی کئے، پر نزدیک جا کر معلوم ہوا کہ ''ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی'' لیکن مولانا کا حال اس سے بالکل جدا تھا، ان سے پہلی نظر میں بُعد محسوس ہوتا تھا، دو چار ملاقاتوں میں جا کر ان کے ذہن ودماغ کی بلندی کا صحیح احساس ہو پاتا، اور اگر کہیں انہوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا، پھر تو بے اختیار جی چاہتا کہ علماء وزعماء کی ساری جماعت اس فرد واحد پر نچھاور کر دی جائے۔''[۳]

سحبان الہند حضرت مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ حضرت مولانا کی شان میں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''مولانا مرحوم کے فضائل اس قدر کثیر ہیں کہ ان کے تذکرے کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں، ایک صحیح انسان میں جو خوبیاں اور کمالات ہونے چاہئیں اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کی ذات میں وہ سب جمع کر دیئے تھے۔''[۴]

۱۔محاسن سجاد ص ۵۔
۲۔امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۳ مصنفہ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی۔
۳۔محاسن سجاد ص ۳۷ مضمون مولانا مسعود عالم ندوی۔
۴۔حیات سجاد ص ۱۰۱ مضمون سحبان الہند۔

حضرت مولاناؒ کے مشہور سیاسی ناقد علامہ راغب احسن صاحب ۱ نے بھی باوجود فکری و سیاسی

۱۔ علامہ راغب احسن ایک عالم، فاضل، صحافی اور اپنے عہد کی کئی تحریکات میں حصہ لینے کے حوالے سے بے حد مشہور شخصیت کے مالک ہیں۔ علامہ موصوف تحریکِ پاکستان میں شروع سے پیش پیش رہے اور اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور انہیں اقوامِ عالم میں صحیح مقام دلانے میں صرف کردی۔

علّامہ راغب احسن کا آبائی وطن جرہا پرانپور، متصل دیورہ ضلع گیا (بہار) تھا۔ وہ ایک غریب گھرانے میں ۱۹۰۵ء (۱۳۲۳ھ) میں پیدا ہوئے، ان کے والد ریاض الدین احمد، کلکتہ میں محکمۂ ڈاک میں ملازم تھے۔ راغب احسن صاحب نے کلکتہ میں تعلیم پائی اور بی اے کرنے کے بعد اپنی سیاسی زندگی کا آغاز خلافت کمیٹی میں شمولیت سے کیا اور اسی سلسلہ میں جیل بھی گئے۔ علی پور جیل میں ان کی ملاقات کلکتہ کارپوریشن کے اس وقت کے میئر محمد عثمان سے ہوئی۔ وہاں ان دونوں نے عہد کیا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے اور انگریز کی ملازمت کرنے کے بجائے اس کے خلاف جہاد کریں گے چنانچہ راغب صاحب نے جیل سے رہائی کے بعد ایم-اے کیا، اس دوران مولانا محمد علی جوہر کی صحبت میں رہ کر ان سے بھی استفادہ کرتے رہے، اور ان کے انگریزی اخبار 'کامریڈ' کے اعزازی مدیر بھی رہے، ایم اے کی تکمیل کے بعد صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور انگریزی اخبار "اسٹار آف انڈیا" کے ادارتی عملہ میں شامل ہو گئے۔

مولانا محمد علی جوہرؒ کی صحبت نے علامہ راغب احسن میں ایسا زورِ قلم پیدا کردیا تھا کہ مولانا محمد علی جوہرؒ کے انتقال کے بعد سارا ہندوستان ان کو محمد علی ثانی کہنے لگا تھا۔

علّامہ راغب احسن نے ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا یوتھ لیگ' کی بنیاد رکھی اور اسی دوران 'میثاقِ فکرِ اسلامیت و استقلالِ ملّت' کے نام سے ایک فکر انگیز دستاویز مسلمانوں کے حقوق کے لیے مرتب کی۔ ۱۹۳۶ء میں راغب احسن صاحب نے کلکتہ مسلم لیگ کی بنیاد رکھی اور اس کی تنظیم سازی میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ حسین شہید سہروردی (جو بعد میں متحدہ پاکستان کے وزیر اعظم بنے) کو اس کا صدر اور سید محمد عثمان (سابق میئر کلکتہ) کو جنرل سکریٹری مقرر کیا۔

ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ جس مسئلہ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان متنازع فیہ تسلیم کیا گیا وہ طرزِ انتخاب کا مسئلہ تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مسلم رہنما مثلاً حکیم اجمل خاں، سر علی امام، حسن امام، بیرسٹر مظہر الحق، محمد علی جناح، حسرت موہانی، ڈاکٹر انصاری، مولانا ظفر علی خان، چودھری خلیق الزماں، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ متحدہ طرزِ انتخاب کو ہندوستان کے سیاسی نظام کے لیے بہتر سمجھتے تھے جبکہ مسلم کانفرنس کے اراکین و عہدیداران ہمیشہ جداگانہ طرزِ انتخاب کے حامی رہے جن میں سر محمد شفیع، سر علامہ محمد اقبال، محمد شفیع داودی اور علامہ راغب احسن خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جداگانہ طرزِ انتخاب پر جتنی مدلل تحریریں علامہ راغب احسن صاحب کی ہیں، کسی کی نہیں ہیں۔ موصوف کی سیاست میں استحکام تھا۔ ان کا نام نظریات کے تبدیل کرنے والوں میں نہیں لیا جا سکتا۔

علامہ راغب احسن کی شخصیت کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب قائد اعظم محمد علی جناح ۱۹۳۵ء میں برطانیہ سے ہندوستان تشریف لائے تو دلی کی سرزمین پر تین اہم شخصیتوں محمد علی جناح، علامہ محمد اقبال اور علامہ راغب احسن نے ایک کمرے میں بیٹھ کر گھنٹوں ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار اور عالمی حالات و واقعات پر باتیں کیں۔ اسی اجتماع میں علامہ اقبال نے علامہ راغب احسن سے درخواست کی کہ وہ مسٹر جناح کا ساتھ دیں اور ان کے ہاتھ مضبوط کریں۔ چنانچہ راغب احسن صاحب نے علامہ اقبال کی درخواست قبول کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم میں بھرپور حصہ لیا اور اسے نہایت مستحکم تنظیم بنا دیا۔

علامہ راغب احسن کی عظمت، فہم و فراست اور ذہنی بالیدگی کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ وہ مولانا محمد علی جوہرؔ کے جتنے چہیتے تھے اتنے ہی قائد اعظم محمد علی جناح کے بھی پیارے تھے حالانکہ محمد علی جناح اور محمد علی جوہرؔ میں اصولی طور پر سیاسی اختلافات بھی قائم رہے۔

۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی کے بعد اپریل ۱۹۴۶ء میں منتخب نمائندوں کا کنونشن دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح نے علامہ راغب احسن کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: "کروڑوں ہیں جو میرے اندھے مقلد ہیں، لاکھوں ہیں جو میری تائید کرتے ہیں اور لاکھوں ہیں جو میرے لیے سرگرمی سے کام کرتے ہیں لیکن ہندوستان کے طول و عرض میں مسلم لیگیوں میں صرف ایک راغب احسن ہیں جو اسلام اور پاکستان کے اصول کی محبت میں مجھ پر بے باکی کے ساتھ تنقید کی جرأت کرتے ہیں۔ پاکستان کے نصب العین کی خاطر وہ مجھ پر سخت ترین گرفت کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ وہ مجھ کو چاہتے ہیں لیکن مجھ سے زیادہ اسلام اور پاکستان کو چاہتے ہیں۔۔۔ راغب احسن لیگ اور تحریکِ پاکستان کے زندہ ضمیر ہیں اور راغب احسن پر مجھے فخر ہے۔" ←

← ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں علامہ راغب احسن کے متعلق لکھا کہ: ''مولانا راغب احسن کی قابلیت و صلاحیت کی تصدیق کرتے ہوئے مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے۔ یہ ان گنتی کے چند قابل ترین اور انتہائی ہونہار نوجوانوں میں سے ہیں جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ وہ اسلام اور ہندوستان کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ثابت ہوں گے۔''

علامہ راغب احسن نے بنگال میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تنظیم میں پوری محنت و مشقت صرف کی تھی، اسی لیے وہ تنظیم سارے ہندوستان کی جان قرار پاگئی تھی، ہر گاؤں اور ہر محلہ مسلم لیگ کی تنظیم سے منسلک تھا، جب آل انڈیا مسلم لیگ نے ''یوم راست اقدام'' منانے کا اعلان کیا تو لاکھوں افراد کا مجمع کلکتہ میدان میں جمع ہونے لگا، جس پر ہندوؤں نے منظم سازش کے ذریعے حملہ کردیا۔ کلکتہ کے نقصانات کو وائسرائے ہند لارڈ ویول نے بہ چشم خود دیکھا، وہ اس حادثہ پر انتہائی مضطرب ہوا اور ساتھ ہی مسلم قوم کی جانبازی اور سرفروشی کو بھی پرکھ لیا۔ وائسرائے ہند نے مسلمانوں کی جانب سے ''یوم راست اقدام'' منانے کی حیثیت اور اہمیت کو سمجھ لیا اور اس کے بعد ہی اس نے عارضی حکومت میں آل انڈیا مسلم لیگ کو پانچ وزارتیں دینے کی پیشکش کی جبکہ اس سے چند ہفتہ قبل عارضی حکومت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی شمولیت کو ناقابل قبول قرار دیا تھا۔ عارضی حکومت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی شمولیت، تنہا کلکتہ مسلم لیگ کے عزم بلند کی مرہون منت ہے۔ کلکتہ کے فسادات میں مسلمانوں نے جو شہادت پیش کی اور جس طرح جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا، درحقیقت اسی کے پیش نظر آل انڈیا مسلم لیگ کے پانچ ممبران اسمبلی لیاقت علی خاں، راجہ غضنفر علی خاں، سردار عبدالرب نشتر، آئی آئی چندریگر اور منڈل ہندوستان کی عارضی حکومت میں شامل ہوئے۔ اس عارضی حکومت میں لیاقت علی خان کو وزیر خزانہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ علامہ راغب احسن جو کہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن بھی تھے اور قائداعظم کے ساتھ مل کر جدوجہد آزادی میں نمایاں حصہ لیا، اس کے باوجود علامہ راغب احسن کو نہ ہی ہندوستان کی عارضی حکومت میں شامل کیا گیا اور نہ ہی ان سے حکومت کے نظم و نسق کے لیے کسی قسم کا صلاح و مشورہ کیا گیا۔ تاریخ کے اوراق میں حقائق بکھرے ہوئے ہیں کہ پاکستان کو تعمیر کرنے میں راغب احسن نے کیا کردار ادا کیا لیکن قیام پاکستان کے بعد بھی حکومت کے دروازے ان پر بند کر دیے گئے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی تحریک کی جب ابتدا ہوئی تو اسے بہت سی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ علامہ راغب احسن پر یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آئی کہ جب تک علماء کے حلقے اور خانقاہوں کی گدی نشینوں کو مسلم لیگ کا ہم خیال نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک مسلم لیگ کی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کانگریس کے شکار مذہبی حلقوں کا زور توڑ دیا جائے چنانچہ علامہ راغب احسن نے ''جمعیت علمائے اسلام'' کے قیام اور اس کی کامیابی میں بھرپور حصہ لیا۔ علامہ راغب احسن اپنے ایک مضمون جو اخبار ''زمیندار'' کی اشاعت مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا، لکھتے ہیں: ''جمعیت علمائے اسلام کی تاسیس و تنظیم راقم الحروف نے سالہا سال کی کوشش و کاوش کے ساتھ ۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں کی تھی۔'' (بحوالہ حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی: ۷۸)

جمعیت علمائے اسلام کی وجہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کو ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں بے مثال کامیابی ملی اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

علّامہ شبیر احمد عثمانی نے علامہ راغب احسن کو ''سیف الملّت'' کا لقب دیا تھا جبکہ حسین شہید سہروردی نے ''پاکستان کا ٹینک فورس'' کا خطاب دیا تھا۔

علامہ راغب احسن بنگال کے نامور سیاسی رہنما تحریک آزادی کے مجاہد اور امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیرآبادی کے نائب رہے۔ فنڈلے شیراز جی کی انگریزی تصنیف کا ترجمہ ''افلاس ہند اور اس کے متعلقہ معاشی مسائل'' کے عنوان سے کیا تھا۔ علامہ اقبال کے خطوط بنام آں جناب کو محمد فرید الحق ایڈووکیٹ نے ''اقبال جہان دگر'' کے عنوان سے مرتب کر کے شائع کروادیا تھا، اُن کی ہنگامہ خیز حقیقی خدمات کا اعتراف کیا جاتا رہا، لغت اور لسانیات کے حوالے سے وہ اہم شخصیت مانے گئے ہیں۔

علامہ راغب احسن کی کتابوں میں حسب ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

1 What Muslims want in India
2 Principles of Islamic Economics
3 The Political Case of Musalim India
4 History of Making of Muslim Nationalism in India.

علامہ راغب احسن ۱۹۵۷ء میں اسلامی لاء کمیشن کے رکن مقرر ہوئے۔ سینٹرل اقبال کمیٹی کے نائب صدر اور سلیمان ندوی کمیٹی آف اسلام (کراچی) کے رکن تھے۔ ۱۹۶۵ء کے عام انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کے حق میں اور اس وقت کے صدر پاکستان محمد ایوب خان کے خلاف مشرقی پاکستان میں بے حد کام کیا تھا۔ ←

اختلافات کے آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

''مولانا سجاد غالباً علماء ہند میں واحد شخص تھے جو ایک یورپین ڈپلومات کا تدبر، ایک ہندوستانی زمیندار کے کارپردازی کی ماہرانہ کارپردازی، اور ایک عاشق صادق کی عقیدت وعزم راسخ، اور ایک سالک راہ سلوک کی کمال یکسوئی اور استقلال کے اوصاف اپنی سیرت میں جمع رکھتے تھے[۱]۔''

→ قیام پاکستان کے بعد علامہ راغب احسن پاکستان ہجرت کرتے ہوئے سابق مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ میں مستقل سکونت پذیر ہوئے اور پھر بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ایک دفعہ پھر ڈھاکہ سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لے گئے۔ علامہ راغب احسن کا انتقال ۲۷ر نومبر ۱۹۷۵ء (۲۳ر ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ) کو کراچی میں ہوا اور وہ 'سخی حسن قبرستان' میں مدفون ہوئے۔

۱۹۹۰ء میں حکومت پنجاب نے بعد از مرگ آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ''تحریکِ پاکستان کا گولڈ میڈل'' ایوارڈ پیش کیا۔

ماخذ:

۱- انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا از سیّد قاسم محمود
۲- انسائیکلوپیڈیا تحریکِ پاکستان از اس سلیم شیخ
۳- وفیات ناموران پاکستان از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ
۴- شائق وعثمان وراغب از محمد انیس الرحمان انیس
۵- رہبران پاکستان از سیّد محمد رضی ابدالی
۶- حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی از فیض الانبالوی وشفیق صدیقی
۷- Allama Raghib Ahsan — Quaid-i-Azam Correspondence (1936-1947) by Syed Umar Hayat

(ماخوذ از: جریدہ 'الواقعۂ' کراچی، شمارہ ۷ر ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ/ اکتوبر، نومبر ۲۰۱۲ء مضمون سید محمد رضی ابدالی ☆ وانٹرنیٹ فیس بک)

۱- محاسن سجاد ص ۱۱۰۔

فصل سوم

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ بحیثیت مجتہد فقیہ

حضرت مولانا محمد سجادؒ یوں تو جملہ علوم وفنون کے جامع تھے، لیکن آپ کا اصل میدان فقہ اسلامی اور قوانین عالم کا مطالعہ تھا، اس باب میں ان کو جو خصوصی امتیاز حاصل تھا، اور اسلامی قانون کی باریکیوں اور دنیا کے مختلف ملکوں کے قوانین پر ان کی جیسی نگاہ تھی، کہ شاید اس عصر میں ان کی کوئی نظیر موجود نہیں تھی، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

''میرے خیال میں مولانا کی اصلی خصوصیت تفقہ فی الدین کی خداداد دولت تھی، جس میں وہ فرید اور یگانہ تھے مولاناؒ جس وقت الٰہ آباد سے گیا کو مراجعت کر رہے تھے، اور عمائدین کی جماعت مولاناؒ کو رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن پر آئی تھی، تو ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ'' الٰہ آباد سے فقہ رخصت ہو رہی ہے۔''[1]

قانونی گتھیاں سلجھانا، معاملات کی تہ تک پہنچنا اور ان کو چٹکیوں میں حل کر دینا یہ مولانا سجادؒ کا کمال تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت مولاناؒ کے فقہی اور قانونی ملکہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ اپنے وقت کے مشاق مدرس اور حاضر العلم عالم تھے، خصوصیت کے ساتھ معقولات اور فقہ پر ان کی نظر بہت وسیع تھی، جزئیات فقہ اور خصوصاً ان کا وہ حصہ جو معاملات سے متعلق ہے، ان کی نظر میں تھا، امارت شرعیہ کے تعلق سے اقتصادی ومالی وسیاسی مسائل پر ان کو عبور کامل تھا زکوٰۃ وخراج وقضا وامامت وولایت کے مسائل کی پوری تحقیق فرمائی تھی۔۔۔۔معاملات کو خوب سمجھتے تھے، ان کو بارہا بڑے معاملات اور مقدمات میں ثالث بنتے ہوئے دیکھا ہے، اور تعجب ہوا ہے کہ کیونکر فریقین کو وہ اپنے فیصلہ پر راضی کر لیتے تھے اور اسی لئے لوگ اپنے بڑے بڑے کام بے تکلف ان کے ہاتھ میں دیتے تھے۔''[2]

انہوں نے ہر مکتب فکر ونظر کے علماء اور ماہرین سے اپنی علمی، فقہی اور قانونی برتری کا لوہا

۱-حیات سجادص ۳۵۔

۲-محاسن سجادص ۴۰۔

منوایا تھا، معروف مصنف مولانا امین حسن اصلاحی صاحب [۱] رقمطراز ہیں:

''مولاناؒ نے اسلامی قانون کا نہایت اچھا مطالعہ کیا تھا، تمام حاضر الوقت مسائل میں وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ شرعی نقطۂ نظر متعین کر لیتے تھے، ان کی نظر نہایت گہری تھی، بسا اوقات پہلے وہلے میں ان کی رائے کمزور معلوم ہوتی، مگر ان کی تنقیحات کے بعد جب مسئلہ پوری روشنی میں آ جاتا تو ہر شخص ان کی اصابت رائے کی داد دیتا، پھر وہ صرف جزئیات کے مفتی نہیں تھے بلکہ اسلامی نظام کو اس کے تمام اشکال و صور میں جانتے اور سمجھتے تھے اور اس کے اصولی و فروعی مسائل کی پوری معرفت رکھتے تھے، ان معاملات میں بصیرت رکھنے والے ہندوستان میں بہت کم ہیں۔'' [۲]

۱۔ مولانا امین احسن اصلاحی مدرسہ فراہی کے ایک جلیل القدر عالم دین، مفسر قرآن اور ممتاز ریسرچ سکالر تھے آپ مولانا حمید الدین فراہی کے آخری عمر کے تلمیذ خاص اور ان کے افکار و نظریات کے ارتقا کی پہلی کرن ثابت ہوئے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۰۴ء (۱۳۲۲ھ) میں اعظم گڑھ کے ایک گاؤں موضع بمہور میں ہوئی۔ آپ کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔

ابتدائی تعلیم و تربیت گاؤں کے دو مکتبوں میں ہوئی سرکاری مکتب میں مولوی بشیر احمد جبکہ دینی مکتب میں مولوی فصیح احمد ان کے استاد تھے یہاں سے آپ نے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم حاصل کی جب دس سال کے ہوئے تو آپ کے رشتہ کے چچا مولانا شبلی متکلم ندوہ (مہتمم مدرستہ الاصلاح) کے ایماء پر امین احسن کے والد نے ۹رجنوری ۱۹۱۵ء (۲۲رصفر ۱۳۳۳ھ) کو انہیں مدرستہ الاصلاح سرائے میر میں داخل کر دیا آپ کو مکتب کے آخری (تیسرے) درجے میں بٹھایا گیا مدرسہ میں مولانا امین احسن اصلاحی نے آٹھ سال میں پورے نصاب کی تعلیم مکمل کی اس عرصے میں آپ نے عربی زبان، قرآن، حدیث، فقہ اور کلامی علوم کی تحصیل کی، اردو، فارسی، انگریزی اور بالخصوص عربی میں دسترس حاصل کی، مولانا امین احسن اصلاحی دوران تعلیم ایک ذہین اور قابل طالب علم کی حیثیت سے نمایاں رہے۔

مدرسہ سے فارغ ہوتے ہی مولانا اصلاحی ۱۹۲۲ء (۱۳۴۰ھ) میں اٹھارہ سال کی عمر میں سہ روزہ مدینہ بجنور کے نائب مدیر مقرر ہوئے یہ اخبار ان دنوں تحریک خلافت کا علمبردار اور سیاست میں جمعیت علمائے ہند اور کانگریس کا ہم نوا تھا اخبار کے مالک مجید حسن نے بچوں کے ایک ہفت روزہ غنچہ کی ادارت بھی مولانا کے سپرد کر دی مولانا اصلاحی نے مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کی زیر نگرانی شائع ہونے والے ہفت روزہ سچ میں بھی کام کیا۔

۱۹۲۵ (۱۳۴۳ھ) ء میں مولانا اصلاحی صحافت کو خیر باد کہہ کر مولانا حمید الدین فراہیؒ کی خواہش پر علوم قرآن میں تخصص کی غرض سے ہمہ وقت مدرستہ الاصلاح سے وابستہ ہو گئے، مدرسہ میں تدریسی فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ کے ساتھ مولانا فراہی سے درس قرآن لینے لگے آپ نے مولانا فراہی سے صرف علوم تفسیر ہی نہیں پڑھے بلکہ ان کے طریقۂ تفسیر میں مہارت بھی حاصل کی، عربی شاعری کی مشکلات میں ان سے مدد لینے کے ساتھ ساتھ سیاسیات اور فلسفہ کی بعض کتب بھی ان سے پڑھیں۔

جماعت اسلامی کی تشکیل ۲۶راگست ۱۹۴۱ء (۳رشعبان المعظم ۱۳۶۰ھ) کو ہوئی، مولانا اصلاحی اگرچہ تاسیسی اجتماع میں شریک نہ تھے لیکن ان کے مخلصانہ تعلق کے پیش نظر ان کو جماعت اسلامی کے ارکان میں شامل کر کے الہ آباد، بنارس، گورکھپور، فیض آباد، ڈویژن اور صوبہ بہار کا صدر مقام سرائے میر کو قرار دے کر مولانا اصلاحی کو اس کا نائب مقرر کر دیا گیا، کچھ ہی عرصہ میں آپ کو مولانا مودودی اور ارکان شوریٰ کے ہاں اتنا اعتماد حاصل ہو گیا کہ آپ کو مولانا مودودی کے جانشین کی حیثیت حاصل ہو گئی، لیکن پھر بعض اختلافات کی بنا پر ۱۸رجنوری ۱۹۵۸ء (۲۶رجمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ) کو آپ جماعت سے علاحدہ ہو گئے۔

۱۵ردسمبر ۱۹۹۷ء (۱۴رشعبان ۱۴۱۸ھ) کو ترانوے (۹۳) سال کی عمر میں لاہور میں آپ کی وفات ہوئی کئی اہم تصنیفات آپ نے یادگار چھوڑیں: ☆مبادی تدبر قرآن ☆تدبر قرآن ☆تزکیہ نفس ☆حقیقت شرک وتوحید ☆حقیقت تقوی ☆حقیقت نماز ☆دعوت دین اور اس کا طریقہ کار ☆اسلامی ریاست ☆اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل ☆اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام ☆قرآن مین پردے کے احکام ☆عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ ☆مشاہدات حرم وغیرہ (مولانا امین احسن اصلاحی حیات وخدمات مضمون نازش احتشام اصلاحی زندگی نو، اپریل ۱۹۹۸ء)

۲۔ محاسن سجاد ص ۵۴۔

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی صاحبؒ [۱] نے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کا بہت قریب سے مطالعہ کیا تھا انہوں نے اپنا تجربہ تحریر کیا ہے کہ:

''جمعیۃ علماء میں جب کبھی علمی مسائل پر بحث ہوتی، تو مولانا سجاد صاحبؒ کا اصل جوہر اس وقت کھلتا تھا، ہماری جماعت میں مشہور ہے کہ زبردست دلائل کے ساتھ کسی بات کو مدلل کر کے بیان کرنا حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا خاص حصہ ہے، اور یوں بھی مفتی صاحب کو فقہ اسلامی میں بہت بڑا کمال حاصل ہے، لیکن جماعت کے ذمہ دار ارکان اور میں نے بارہا یہ منظر دیکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ پر حضرت مولانا محمد سجاد صاحب دلائل و براہین فقہی کے ساتھ بحث فرماتے تو حضرت مفتی صاحب بھی بے حد متأثر ہوتے اور ان کے علمی تبحر کا اعتراف کرتے ہوئے بے ساختہ ان کی زبان سے کلمات تحسین نکل جاتے۔'' [۲]

فقیہ النفس عالم دین

قرآن وحدیث اور مراجع فقیہ کی مسلسل مزاولت اور عطاء ربانی کی وجہ سے اسلامی قانون

۱- ولادت سیوہارہ ضلع بجنور کے ایک تعلیم یافتہ معزز خاندان میں ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں ہوئی، آپ کے والد جناب شمس الدین صاحب بھوپال پھر بیکانیر میں اسسٹنٹ انجینئر تھے، ابتدائی تعلیم مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں حاصل کی، پھر مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخلہ لیا، ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور علامہ انورشاہ کشمیری اور دیگر اساتذہ کرام سے استفادہ کیا، ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۲ء) میں سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد ایک سال مدراس پیری میٹ میں رہے، تصنیفی زندگی کا آغاز وہیں سے کیا، ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء) میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے، ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں علامہ کشمیریؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے، وہاں پانچ سال تدریس کے فرائض انجام دیئے، ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۳ء) میں کلکتہ تشریف لے گئے اور درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا، پانچ سال وہاں رہے، ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے دہلی میں ندوۃ المصنفین قائم کیا، تو آپ دہلی آ گئے، ۱۳۶۱ھ (۱۹۴۲ء) میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے، اور بیس سال تک سیاسی ہلچل کے زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔

نوعمری ہی سے خدمت خلق کا جذبہ دل میں موجزن تھا، اسی نے آپ کو سیاست کی طرف متوجہ کیا، ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی کی نمک سازی کی تحریک میں عملی طور پر حصہ لیا، تاعمر کانگریس کے ممبر رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، شعلہ بیان مقرر، آتش نوا خطیب، اور بے پناہ زور بیان کے مالک تھے، تحریک آزادی کے دنوں میں ان کی تقریر آتش سیال تھی، جو دلوں میں جذبات کی آگ بھڑکا دیتی تھی، جنگ آزادی کے ممتاز رہنماؤں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، نیشنلسٹ مسلمانوں کے عظیم قائد تھے، مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے گہرے روابط تھے، متعدد بار جیل گئے، اگست ۱۹۴۷ء (آزادی) کے بعد آپ نے جو بے نظیر ملی اور سیاسی خدمات انجام دیں ان کی بنا پر آپ کو مجاہد ملت کا لقب دیا گیا، کانگریس کے ٹکٹ پر جنوری ۱۹۵۲ء میں حلقہ بلاری ضلع مرادآباد سے اور ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۲ء میں امروہہ سے پارلیامنٹ کا الیکشن لڑے اور بھاری ووٹوں سے کامیاب ہوئے، کئی اہم علمی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں اسلام کا اقتصادی نظام، قصص القرآن، فلسفۂ اخلاق اور بلاغ مبین کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، وفات دہلی میں ۲/اگست ۱۹۶۲ء (۱/ربیع الاول ۱۳۸۲ھ) میں ہوئی، قبرستان مہدیان میں مدفون ہیں (مشاہیر علماء دیوبند ص ۹۷، ۹۸ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ بحوالہ الجمعیۃ دہلی مجاہد ملت نمبر ☆ تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ ص ۸۱ مؤلفہ مولانا اسیر ادروی ☆ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ایک سیاسی مطالعہ از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری)

۲- حیات سجاد ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

ان کے مزاج کا حصہ بن گیا تھا، تفقہ آپ کی فطرت کی گہرائیوں میں پیوست ہو گیا تھا، اور مآخذ کی طرف رجوع کے بغیر بھی مسائل کی روح تک پہنچنے کا بے پناہ ملکہ انہیں حاصل تھا، بقول حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ:

''مولانا ان مسائل میں جو اتفاقی اسباب کی بنا پر آئے دن نئی نئی صورتوں میں رونما ہوا کرتے ہیں، بلا تکلف صائب رائے دیتے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کو پہلے سے سوچے بیٹھے ہیں، اور اس کے شواہد اور نظیر پر غور وفکر کے تمام مراحل کو طے فرما چکے ہیں''۔[1]

اور مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں:

''وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ شرعی نقطۂ نظر متعین کر لیتے تھے۔ بسا اوقات پہلے وہلے میں ان کی رائے کمزور معلوم ہوتی، مگر تنقیحات کے بعد جب مسئلہ پوری روشنی میں آتا تو ہر شخص ان کی اصابت رائے کی داد دیتا۔''[2]

ایسے عالم کو علمی اصطلاح میں 'فقیہ النفس' کہا جاتا ہے، اسلامی تاریخ میں ایسے علماء انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جو اس مقام بلند تک پہنچے ہوں۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے حوالے سے نقل فرمایا کہ:

''ہفتوں کتابوں کو دہراتے دہراتے جس نتیجہ تک ہم پہنچتے تحقیق وجستجو کی آخری سرحد کو پار کر کے وہاں مولانا سجادؒ سوال سن کر پہلے لمحے میں جواب دیتے تھے یہ ان کے فقیہ النفس ہونے کی دلیل ہے گویا ذہنی سانچہ ہی ان کا فقہ میں ڈھلا ہوا تھا، جواب آتا ہی تھا وہ جو فکر صحیح کا نتیجہ ہوتا۔''[3]

اسی بات کو انہوں نے 'قضایا سجادؒ' میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

''جب نازک فقہی سوالات ابھرتے تو مولانا برجستہ کتابوں کی طرف رجوع کئے بغیر جو جواب دیتے وہی جواب ہم سب کتب فقہ اور مراجع علمی کے مطالعہ اور غور وفکر کے بعد جس نتیجہ تک پہنچتے وہی ہوتا جو مولانا اول وہلہ میں فرما دیا کرتے تھے۔''[4]

---

[1] - حیات سجاد ص ۳۵۔

[2] - محاسن سجاد ص ۵۴۔

[3] - مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ - حیات وخدمات ص ۲۶ مضمون حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، ناشر مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۲۰۰۳ء۔

[4] - قضایا سجاد ص ۵ مقدمہ بقلم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا ایک اہم مکتوب (۲۹/مارچ ۱۹۸۶ء) ہے جو مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب چیرمین شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی کے نام ہے، مولانا موصوف نے اس کا عکس مجھے ارسال فرمایا، اس میں امیر شریعت نے حضرت مولانا سجادؒ کے بارے میں اپنے گہرے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''میرے سب سے بڑے محسن حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ تھے مولانا ''فقیہ النفس تھے، اصول پر بڑی گہری نظر تھی، آیات واحادیث سے بے تکلف استنباط مسائل کرتے تھے۔''

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی شہادت

امام العصر خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (ولادت ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء- وفات ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) جو علم حدیث کے ساتھ فقہ پر بھی بہت گہری نظر رکھتے تھے، جو حافظ ابن حجرؒ جیسے محدث فقیہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ:

''حافظ ابن حجرؒ حدیث کے پہاڑ ہیں، اگرکسی پر گریں تو ڈھادیں اور فقہ میں درک نہیں ہے۔''[۱]

اور جو علامہ ابن تیمیہ جیسے محدث، عالم، فقیہ اور معقولی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

''میرا خیال ہے کہ ابن تیمیہ گو پہاڑ ہیں علم کے مگر کتاب سیبویہ کو نہیں سمجھ سکے ہوں گے، کیونکہ عربیت اونچی نہیں ہے، فلسفہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ کم اتنا جاننے والے ہوں گے، مگر ناقل ہیں حاذق نہیں ہیں۔''[۲]

علامہ کشمیریؒ علماء سلف میں امام رازیؒ، علامہ ابن نجیم مصریؒ صاحب البحرالرائق، اور متاخرین میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (جو علامہ شامیؒ کے معاصر تھے) کے فقیہ النفس ہونے کے قائل تھے۔[۳]

علامہؒ فرماتے تھے کہ تین صدیوں سے تفقہ مفقود ہے، وہ درمختار اور ردالمحتار جیسی عظیم فقہی کتابوں کے مصنفین علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ کو محض ناقل فقہ قرار دیتے تھے اور ان کی

۱- ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۳۷ مرتبہ حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ، ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۳۱ھ

۲- ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۳۶۔

۳- ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۳۶ پر امام رازیؒ کے بارے میں ان کا جملہ ہے: ''امام رازی کو فقہ فی النفس حاصل ہے۔''

اور علامہ ابن نجیمؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بارے میں فیض الباری شرح البخاری کی یہ عبارت ہے: واعلم أن ابن نجَيم أفقه عندي من الشَّامي لما أرى فيه أن أمارات التفقُّه تلُوح، والشَّامي معَاصر للشاه عبدالعزيز رحمه الله تعالى، وهو أفقه أيضًا عندي من الشَّامي رحمه الله تعالى (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۹۳)

فقہ فی النفس کے قائل نہیں تھے، ان کے مقابلے میں عہد اخیر کے عالم وفقیہ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو زیادہ بڑا فقیہ (یعنی فقیہ النفس) سمجھتے تھے۔[1]

اس تناظر میں یہ بات بہت زیادہ اہم ہے کہ علامہ کشمیریؒ اپنے ہی عہد کی جس دوسری بڑی علمی شخصیت کے علم وفقاہت سے متأثر ہوئے اوران کو فقیہ النفس تسلیم کیا، وہ حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحبؒ تھے، اس بات کے راوی علامہ کشمیریؒ کے براہ راست شاگرد حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ہیں، مولانا سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ”حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے، کہ مولانا سجاد ”فقیہ النفس“ عالم ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے مسائل کی روح سمجھنے کا ان کو فطری ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مجدد گذرے ہیں، کا یہ فرمانا میرے نزدیک مولانا سجاد صاحب کے تبحر علمی کے لئے ایک بہترین سند ہے۔“[2]

حضرت مولانا سجادؒ سے علامہ کشمیریؒ کے گہرے تأثر اور عقیدت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ’اکفار الملحدین‘ پر جن اکابر علماء سے تقریظات لکھوائیں، ان میں زبدۃ العلماء حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے ساتھ مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ بھی شامل تھے، اور علامہ کشمیریؒ نے انتہائی وقیع الفاظ میں آپ کا اسم گرامی کتاب میں شائع فرمایا:

> **”صورۃ ما کتبہ العلامۃ الفقیہ المحدث المفتی نائب امیر الشریعۃ لولایۃ بہار مولانا ابو المحاسن محمد سجاد ادام اللہ ظلہ۔“**[3]

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت

اور یہی رائے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے بارے میں اسی عصر کے محدث اکبر شیخ الاسلام

---

[1] - (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۹۳) نیز ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۲۳۶ پر علامہ کشمیریؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: ”فرمایا صاحب درمختار اور شامی وغیرہ محض ناقل ہیں، اور فقہ سے (جو کہ عفت نفس ہوتی ہے) مناسبت بھی نہیں ہے محض حضرت گنگوہیؒ کو دیکھ کر ان کو کچھ مناسبت تھی، اور گمان یہ ہے کہ تین صدی سے تفقہ مفقود ہے۔“

[2] - حیات سجاد ص ۱۴۸۔

[3] - اکفار الملحدین فی ضروریات الدین ص ۱۶۳ مصنفہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مطبوعہ مجلس علمی سملک ڈابھیل گجرات طبع ثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی بھی تھی، مولانا سیوہارویؒ لکھتے ہیں:

''بعینہ یہی بات میں نے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی زبانی بھی سنی ہے۔'' [۱]

مولاناؒ کا مسلک فقہی اور دیگر مکاتب فقہیہ کے بارے میں نقطۂ اعتدال

اکابر اور علماء وقت کی مذکورہ بالا شہادتوں اور بیانات سے حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کے بلند علمی وفقہی مقام کا اندازہ ہوتا ہے، اور فقہی وقانونی بصیرت کے معاملے میں وہ اپنے عہد کے سب سے بلند پایہ عالم دین نظر آتے ہیں، جن کی نگاہ شریعت اسلامی پر بھی تھی اور قوانین عالم پر بھی، ان کے یہاں دقت نظر بھی تھی اور اعتدال فکر بھی، وہ فقہ حنفی سے مسلکی انتساب کے باوجود تمام مکاتب فقہیہ کا احترام کرتے تھے، مذاہب فقہیہ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے اختلاف کو وہ اختلاف برہان سے زیادہ اختلاف زمان ومکان، یا اختلاف احوال یا اختلاف مدارج پر محول فرماتے تھے، دیگر ائمہ کے اختلافات کو بھی خاص طور پر معاملات میں مقتضیات احوال یا اور دیگر اسباب پر مبنی قرار دیتے تھے، وہ احادیث کی طرح مسالک فقہیہ میں بھی تطبیقی فکر کے حامل تھے، وہ کہتے تھے کہ اسلام میں مصالح کی بڑی اہمیت ہے اور ائمۂ کرام کے اختلافات کا بڑا منشاء یہ مصلحتیں ہی ہیں، حکم کے مواقع اور مدارج کی یافت ہی اصل تفقہ ہے، اسی لئے وہ مفتیوں کو حضرت امام غزالیؒ کی کتاب اصول کے باب الاستصلاح کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے تھے تاکہ مختلف حالات میں وہ بصیرت کے ساتھ فتویٰ دے سکیں۔ [۲]

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد اصغر حسین بہاری صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''حضرت استاذ محترم مفکر اعظم مذہب وعمل میں حنفی تھے لیکن تنگ نظروں کی طرح اہلسنت کے دوسرے فرقوں سے جنگ آزما نہ تھے، بلکہ فرماتے تھے، کہ نماز کی مختلف صورتیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، ایک ایک مرتبہ بھی سب پر عمل کر لینا چاہئے، تاکہ کسی سنت کی برکات سے محرومی نہ رہ جائے۔'' [۳]

راہ اور منزل کا فرق فراموش نہیں کیا

مولاناؒ کا یہ فکری توسع دراصل اصول وقواعد سے ان کی گہری واقفیت سے مترشح تھا، جس کی

۱- حیات سجاد ص ۱۴۸۔

۲- حیات سجاد ص ۴۳ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی (مفہوم)

۳- محاسن سجاد ص ۲۶ مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ۔

نگاہ کلیات پر جتنی گہری ہوتی ہے وہ اتنا ہی وسیع النظر ہوتا ہے، جب کہ مولانا عملی طور پر حنفی بلکہ خود ان کے لفظوں میں کٹر حنفی تھے[۱] لیکن علمی طور پر وہ کسی کی تغلیط کے قائل نہیں تھے، وہ علمی اساس پر منشاء اختلاف کو سمجھتے تھے، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں:

''انہوں نے راہ اور منزل کے فرق کو کبھی فراموش نہیں کیا، اور احکام مذہب کی پیروی میں التباس اور تصادم سے کبھی بے خبر نہیں رہے۔''[۲]

اختلافی مسائل میں منہج اعتدال

وہ فقہی اور نظری اختلافات کو علمی بنیادوں تک محدود رکھنے کے قائل تھے، اور ان کو جنگ وجدل اور سب وشتم کا ذریعہ بنانے کے سخت خلاف تھے، حنفی اور شافعی کی جنگ ہو، یا دیو بندی، بریلوی اور اہل حدیث کی، وہ اس کو قومی زوال کی علامت تصور کرتے تھے، فرماتے تھے:

''مسائل میں اختلاف ہو تو نہایت زوردار لفظوں کے ساتھ علمی اصول سے بحث کیجئے، جو علماء کے شایان شان ہے بلکہ یہ ان کا فریضہ ہے، میں خود حنفی بلکہ نہایت کٹر حنفی ہوں اور ہندوستان کے اہل حدیث جماعت کے خیالات ومسائل سے مجھ کو بھی اختلاف ہے اور سخت اختلاف، اس لئے ان کے ساتھ گفتگو اور بحث کی نوبت بھی آئی، مگر الحمد للہ آج تک جنگ وجدل اور سب وشتم کی نوبت نہیں آئی اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اہل حدیث احباب بھی اسی اصول کے پابند ہیں، قرآن کریم کی بھی یہی تعلیم ہے کہ:

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ[۳]

ترجمہ: پس اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو اے رسول! ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔

پس اگر کوئی شخص ہمارا ہم خیال نہیں ہے اور ہمارا ہم مشرب نہیں ہے تو ہم اس سنت نبویہ کی اتباع میں اس کے عمل سے بیزاری تو کر سکتے ہیں، لیکن جنگ وجدل کر کے فتنہ برپا کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ غور کیجیے عمل سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے ذات سے نہیں،

۱- خطبہ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۷۷ ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔
۲- محاسن سجاد ص ۳۶۔
۳- سورۃ شعراء: ۲۱۶۔

اس کے علاوہ :سباب المسلم فسوق وقتاله كفر [۱] و لاتحاسدوا و لا تباغضوا وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات موجود ہیں،ان سب کے ہوتے ہوئے مسلمان اور وہ بھی اہل علم مسلمانوں سے واہیات خرافات اور شنیع حرکات کاظہور سخت قابل افسوس ہے۔'' [۲]

دیوبندی بریلوی اختلافات میں بھی وہ نقطۂ عدل پر قائم تھے وہ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد سے فارغ تھے اور ان کے سب سے خاص استاذ جن کے علم وفکر کو بطور اسوہ انہوں نے قبول کیا تھا، حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ تھے، جو مدرسہ سبحانیہ کے بانی اور ناظم تھے، ان کا مسلک بھی اعتدال تھا، وہ کسی خاص مسلک کے داعی وحامی نہیں تھے، وہ دونوں سے محبت اور حسن عقیدت رکھتے تھے،ان امور میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی اپنے استاذ کی روش اعتدال پر قائم بلکہ اس کے وکیل اور ترجمان تھے،فتاویٰ امارت شرعیہ میں ان کا ایک مفصل فتویٰ موجود ہے،جس میں انہوں نے کسی سائل کے جواب میں اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ اور اپنے ''مدرسہ سبحانیہ'' کے مسلک اعتدال پر روشنی ڈالی ہے اس کے پس منظر میں خود ان کا اپنا رجحان بھی واضح طور پر سامنے آ گیا ہے،اس فتویٰ کے بعض اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

''حضرت استاذی مولانا حافظ الحاج محمد عبدالکافی صاحب قدس سرہ عملاً وعقیدۃً حنفی المذہب اور صوفی المشرب تھے،تصوف میں سلسلہ علیہ نقشبندیہ مجددیہ کے پیرو تھے،اورفقہ وعقائد میں محققین فقہاءِ حنفیہ، ومتکلمین ماتریدیہ کی تحقیقات وتنقیحات کی اتباع آپ کا مستحکم مسلک تھا،آپ کا طریق عمل اعتقاداًوعملاً صراط مستقیم اور افراط وتفریط سے خالی تھا،اس لئے آپ کے تعلقات علماء دیوبند واتباع حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ وحضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور علماء بریلی ومتبعین حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم ومغفور کے ساتھ یکساں تھے،لیکن ان دونوں گروہوں میں سے کلیۃً کسی ایک کے بھی ہم خیال نہ تھے مثلاً وہ مجلس میلاد شریف وقیام کے جواز کے قائل تھے اور خود بھی اس کے عامل تھے جو عموماً علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے،اور علماء دیوبند کی تکفیر وتضلیل کے قائل نہ تھے،جو عموماً اتباع حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کا مسلک ہے۔۔انہوں نے اپنی علمی تحقیقات اور کثرت افتاء کے دور میں جو تقریباً ۱۳۴۰ھ تک قائم رہا،علماء دیوبند کے خلاف نہ علی الاطلاق فتویٰ تکفیر دیا اور نہ نام بنام صراحت اسم کے

۱- الجامع الصحيح المختصرج ۱ ص ۲۷ حديث نمبر : ۴۸المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير، اليمامة–بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407
تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

۲-خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۷۷،۷۸ ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔

ساتھ وہ تو علماء اہل حدیث اور غیر مقلدین زمانہ کو بھی کافر نہیں سمجھتے تھے چہ جائیکہ علماء دیوبند کی تکفیر کو بنظر استحسان دیکھنا، یہ تو ان کی شان علمی اور استقامت فی الدین سے کوسوں دور تھا ہمیں خوب یاد ہے کہ حضرت استاذ ایک مرتبہ ایک خاص تقریب کے سلسلہ میں بدایوں تشریف لے گئے تھے، اور اسی تقریب میں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بھی تشریف لائے تھے، وہیں ان دونوں بزرگوں میں مخصوص صحبت وملاقات میں علماء دیوبند کی تکفیر کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی، چونکہ گفتگو مناظرانہ نہیں تھی، اس لئے نہایت سادگی کے ساتھ بہت جلد معاملہ ختم ہوگیا حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ آپ علماء دیوبند کی جن عبارتوں پر گرفت کرکے کفر کا حکم لگاتے ہیں، کیا ان عبارتوں کا کوئی صحیح محمل نہیں ہوسکتا ہے، ہمارے امام ابوحنیفہؒ کا اصول ہے کہ عاقل بالغ کے قول کو جہاں تک ممکن ہو کسی صحیح محمل پر محمول کرنا چاہئے، اسی کے ساتھ اصول ومعانی وبلاغت میں بھی یہ امر متحقق ہے کہ کسی متکلم کے کلام کی مراد کو سمجھنے کے لئے اس کے معتقدات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، اب یہ دونوں اصول ایسے ہیں، جو اپنی جگہ محقق اور منصوص علیہ ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کسی پر حکم لگاتے وقت اس کو بھی پیش نظر رکھیں، تو بہتر ہے۔

اس مختصر سی تقریر محبت آمیز لیکن پر از حقیقت کو سن کر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے فرمایا، بلاشبہ جناب نے ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے، اور بلاشبہ ان اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے اگر ہم ان عبارتوں کے لکھنے والوں کو کافر نہیں کہیں تو خاطی ضرور کہہ سکتے ہیں۔

یہ واقعہ حضرت استاذ نے خود مجھ سے تفصیل سے بیان فرمایا تھا۔ مجھے یہ بھی خوب یاد ہے کہ جب حضرت استاذ قدس سرہ نے اس حکایت کو ختم فرمایا تو میں نے کہا کہ یہ آپ کی صداقت اور اخلاص کا تصرف ہے اور یہ کہ آپ نے ان سے مناظرانہ انداز میں گفتگو نہیں فرمائی، میرے اس کہنے پر حضرت استاذ قدس سرہ حسب عادت شریفہ مسکرادیئے، اس حکایت کی نقل سے مقصود یہ ہے کہ اس قصہ میں بھی حضرت استاذ کی حق گوئی، حق پسندی اور میانہ روی کی ایک روشن حقیقت موجود ہے، اسی کے ساتھ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے اصلی خیال پر ایک روشنی پڑتی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ مدرسہ سبحانیہ جس کے حضرت ہی مہتمم اور نگراں کار تھے یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس مدرسہ کے دار الافتاء سے علماء دیوبند جیسے متبعین سنت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر فتویٰ کفر جاری ہوتا۔ مدرسہ سبحانیہ کا اصلی مسلک اور حقیقی طریق کار وہی ہے جو ہم لوگوں کے زمانہ میں تھا۔ مدرسہ سبحانیہ کی تعلیم وتربیت اور فتویٰ نویسی میں طریق کار رضائی اور دیوبندی سے بالاتر ہے۔"[1]

۱- فتاویٰ امارت شرعیہ فتاویٰ حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ - ج ۱ ص ۲۶ تا ۳۰ مرتبہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۸ء۔

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ علماء دیوبند کی عظمت کے قائل اوران کی اتباع سنت کے معترف تھے، اوراس معاملے میں خودمولانا احمد رضا خان صاحب کا چہرہ ان کے اصل چہرہ سے مختلف تھا، حضرت مولانا عبدالکافی صاحبؒ کی صحبت بابرکت سے جماعتی عصبیتوں اور بے اعتدالیوں کے بہت سے راز ان پر منکشف ہوگئے تھے، اوراس سے نقطۂ اعتدال تک پہنچنے میں ان کوکافی مدد ملی تھی، مولانا سجاد صاحبؒ کوگو کہ اکابر دیوبند سے بہت زیادہ استفادہ کا موقعہ نہیں ملا، لیکن ان کا قلبی رجحان علمی، دینی اور فکری ہرلحاظ سے علماء دیوبند سے قریب تر تھا، اسی لئے طالب علمی کے زمانے میں وہ خودبھی دیوبند پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، اس کے بعد اپنے اکلوتے صاحبزادے ''حسن سجاد'' کی تعلیم کے لئے بھی انہوں نے دارالعلوم دیوبند کا انتخاب فرمایا، اورصاحبزادۂ محترم نے دیوبند ہی سے فراغت حاصل کی، اس بات کا ذکر دیوبند میں ''مولانا حسن سجاد'' صاحب کے رفیق درس مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے کیا ہے۔[۱]

احوال زمانہ اور مدارج احکام پر نظر

ایک فقیہ کے لئے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ وہ احکام فقہی کے مدارج کو سمجھے، احوال زمانہ سے واقف ہو، وسائل اور مقاصد کا فرق اس کی نگاہ میں ہو، کون سا دور کس حکم کا متقاضی ہے، اس سے پوری طرح باخبر ہو، بعض احکام حالات کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، اس ضابطہ کا منشاء کیا ہے؟ اوراس کا غلط استعمال کہاں ہوسکتا ہے؟ ان چیزوں پر اس کی عمیق نظر ہو، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی فقہ ان محاسن سے پوری طرح متصف تھی۔

تبدل احوال سے تبدل احکام کی حقیقت

بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ دینی احکام تو ہمیشہ کے لئے نازل ہوئے ہیں، پھر تبدیلیٔ احکام کے کیا معنیٰ؟ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے اس کی تشریح کی کہ دراصل حکم شرعی کا محل بدل جاتا ہے اور جب وہ محل باقی نہ رہا تو جو حکم تھا وہ بھی باقی نہ رہا، اس کی مثال یہ ہے کہ دھوبی کے یہاں سے ایک کپڑا آیا جس پر کوئی نجاست نہیں ہے تو اس کے پاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا، لیکن اگر اس میں نجاست لگ جائے تو ناپاک قرار دیا جائے گا، تو حقیقتاً حکم شرعی نہیں بدلا، بلکہ وہ چیز باقی نہ

۱- حیات سجاد ص ۱۴ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ۔

رہی، جس پر حکم لگایا گیا تھا اس لئے حکم بھی باقی نہ رہا، اگر کپڑے کی نجاست صاف کردی جائے تو پھر وہی حکم طہارت لوٹ آئے گا، تو ہر محل کے لئے ایک حکم مقرر ہے، محل بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ محل واحد پر کئی طرح کے احکام وارد ہوتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اگر حالات کی تبدیلی سے محل نہ بدلے تو حکم بھی تبدیل نہ ہوگا، مثلاً کسی کا قتل ناحق حرام ہے، عام حالات میں یہی حکم ہے، لیکن اگر اکراہ کی صورت پیدا ہوجائے، اور اپنی جان کا اندیشہ ہو، اس کے باوجود حرمت قتل کا حکم برقرار رہے گا، اور اس کا قتل جائز نہ ہوگا، حالانکہ حالات بدل چکے ہیں، لیکن چونکہ محل حکم نہیں بدلا اس لئے حکم بھی تبدیل نہیں ہوگا۔

یہ وہ گہری حقیقت جسے ہر شخص نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ بتا سکتا ہے، اس اصولی فرق تک رسائی کے لئے ملکۂ فقہی کی ضرورت ہے، خود مولانا محمد سجادؒ کے الفاظ میں:

"اس تبدل حکم کا بتانا بھی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔"[1]

مصالح شریعت پر نظر

اسی لئے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ علماء اور اصحاب افتا کو تاکید فرماتے تھے کہ مصالح شریعت پر نگاہ رکھیں، اور اس کے لئے امام غزالیؒ کی کتاب کے 'باب استصلاح' کا مطالعہ کریں[2]، بلکہ مولانا اس موضوع پر خود ایک "رسالۂ استصلاح" لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے:

"جس میں بتایا جائے کہ مصلحت کی حقیقت کیا ہے اور اس کے کتنے معانی ہیں؟ شریعت اسلامیہ مصلحت کے کس معنیٰ کو اختیار کرتی ہے؟ اور پھر مصلحت کے کتنے مدارج ہیں؟ اور بہ اعتبار مدارج مصالح کسی مصلحت کی رعایت کا کیا حکم ہے؟ اس رسالہ سے یہ مقصود ہے کہ رعایت مصلحت کے باب میں جتنی غلط فہمیاں ہیں دور ہوجائیں گی، اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کے عدم انکشاف کے باعث علماء اور جدید تعلیم یافتہ افراد کا ایک مرکز پر پورے اخلاص کے ساتھ اجتماع نہیں ہورہا ہے بلکہ روز بروز دونوں کے درمیان تفریق کی خلیج وسیع ہورہی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس رسالہ کو بھی تینوں زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں شائع کیا جائے۔"[3]

گو کہ عمر عزیز کے مصروف ترین لمحات میں مولاناؒ اس اہم ترین اصولی کتاب کے لئے وقت نہ

۱- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۷۸ تا ۹۰ شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔
۲- حیات سجاد ص ۴۴ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔
۳- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۶۲۔

نکال سکے، کاش ان کے قلم سے یا ان کی نگرانی میں ایسی کوئی کتاب تیار ہوجاتی تو بالیقین وہ فقہ اسلامی کا قابل افتخار سرمایہ ہوتی، قدر اللہ ماشاء۔

مصالح کی رعایت کے حدود

مدارج احکام اور مصالح احکام میں توازن کو برقرار رکھنا اور افراط وتفریط سے محفوظ رہ جانا ہر فقیہ کے بس کی بات نہیں، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو یہ کمال حاصل تھا، مولانا کے یہاں مصلحت کا خانہ تھا مگر مداہنت کی گنجائش نہیں تھی، مثلاً وہ ہندوستان کے حالات میں مصلحتاً ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے، مگر غیر مسلموں کی رعایت میں کسی حکم اسلامی یا قومی خصوصیت کے ترک کے روادار نہ تھے، ترک گاؤ پر آپ کا تفصیلی فتویٰ اسی نقطۂ عدل کا شاہکار ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ”ان جمیع وجوہ کی بناپر ذبح گاؤ سے پرہیز کرنا ناجائز ہے، ہندو کے خیال سے کہ ان کا دل دکھتا ہے، ذبح گاؤ کو ترک کرنا قطعاً حرام ہے، کیونکہ اس صورت میں تائید علی الشرک ہوتی ہے۔۔۔جب تک ہندوؤں کے اندر جذبہ گاؤ پرستی موجود ہے اس وقت تک ذبح گاؤ سرزمین ہند میں ایک شعار توحید اور شعار اسلام ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :**لئن اتبعت اھوائھم من بعدما جاءک من العلم انک اذالمن الظالمین**۔“[1]

نظریۂ امارت مولاناؒ کے فقہی شعور اور زمانہ شناشی کا آئینہ دار

اسلام کے فقہی ذخیرہ میں کون سا نظریہ کن حالات پر منطبق ہوگا؟ اس کو سمجھنے کے لئے بھی بے پناہ قوت ادراک کی ضرورت ہے مثلاً حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے جب پہلی بار نظریۂ امارت پیش فرمایا تو بعض حضرات کو یہ خلجان ہوا کہ غیر مسلم حکومت میں امارت شرعیہ کا نظریہ خالص اسلامی حکومت کے نظریہ سے دستبردار ہونے کے مترادف ہے، جب کہ خلافت، جمعیۃ، مسلم لیگ اور کانگریس سب کا متحدہ نصب العین ملک کی مکمل آزادی کا حصول تھا، اس مشترکہ نصب العین کے بالمقابل برطانوی ہندوستان میں امارت کا نظریہ غیر مسلم اسٹیٹ کو جواز فراہم کرتا ہے، اور مکمل آزادی کے منشور کے بجائے جزوی آزادی پر قناعت کے ہم معنیٰ ہے، ۔جو حضرات دین کے اصول ولمیات سے واقف تھے ان کو تو زیادہ دقت نہیں ہوئی لیکن جن کی نظر صرف ظواہر شریعت

۱-حیات سجاد ص ۴۴، ۴۵ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی۔فتاوی امارت شرعیہ ج ۱ ص ۲۸۷، ۲۸۸۔

یا محض فقہی جزئیات وفروع پر تھی انہوں نے مولاناؒ کے خلاف ایک محاذ کھڑا کردیا، جب کہ حقیقت یہ تھی کہ مولانا کلی آزادی کے خلاف نہ تھے، بلکہ اسلامی حکومت کا حصول ان کا بھی نصب العین تھا، لیکن مولانا کا کہنا تھا کہ جب تک وہ نصب العین حاصل نہیں ہوتا، مسلمانوں کی اجتماعیت اور دینی وملی تشخصات کی حفاظت کا امارت شرعیہ سے بہتر اور قابل عمل راستہ کوئی نہیں ہے، اور اسی لئے انہوں نے امارت شرعیہ کے زیر نگرانی سیاسی انتخابات میں حصہ داری کو بھی قبول فرمایا۔

مولاناؒ اس فرق سے واقف تھے کہ اسلامی ہند میں مسلمانوں کا فریضہ کیا ہے؟ اور غیر مسلم ہندوستان میں ان کی شرعی ذمہ داری کیا بنتی ہے؟ اسی فرق کو نہ سمجھ پانے کی بنا پر مولاناؒ کے خلاف غلط فہمیوں کا طوفان کھڑا کیا گیا، اور ان کے نظریۂ امارت کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ اول ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند جو حضرت مولاناؒ سے بزرگانہ عقیدت رکھتے تھے، اور والد کی طرح ان کا احترام کرتے تھے، سفر وحضر میں مولاناؒ کے ساتھ رہنے اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کا انہیں موقع ملا تھا، وہ اس معاملے میں خود حضرت مولاناؒ کے بیانات کی روشنی میں ان کا نظریہ نقل فرماتے ہیں:

> ''وہ فرمایا کرتے تھے، کہ اسلام ایک تنظیمی مذہب ہے، اس مذہب کی روح ڈسپلن اور نظم چاہتا ہے، اگر مسلمان منتشر رہیں، اور کسی ایک شخص کی اطاعت نہ کریں، اور اپنا کوئی امیر منتخب نہ کریں تو یہ زندگی غیر شرعی زندگی ہوگی۔ ان کا نظریہ یہی تھا کہ جب تک حکومت کافرہ کا مسلمانوں پر تسلط ہے اور جب تک مسلمان اس ابتلاء میں مبتلا ہیں اور جس وقت تک مسلمان سیاسی اقتدار کے مالک نہیں بنتے، اس وقت تک اپنے اقتصادی اور معاشرتی کاموں کے لئے اپنا ایک امیر منتخب کریں، اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت کریں، تاکہ اس کفرستان میں جس قدر ممکن ہوسکے مسلمان اپنی زندگی کو شرعی بناسکیں، وہ اس مسئلہ پر فقہاء حنفیہ کی تصریحات پیش کرتے تھے، اس پر انہوں نے ایک مفصل فتویٰ بھی مرتب کیا تھا، اور جمعیۃ علماء نے جو تجویز امارت شرعیہ کے سلسلے میں پاس کی تھی وہ بھی انہی کی سعی کا نتیجہ تھا۔''[1]

چنانچہ اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے متعدد جلسوں میں اس نظریہ کی بازگشت سنائی دی، اور امارت شرعیہ بہار کو پورے ملک کے لئے ایک معیاری اور قابل تقلید نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا، مثلاً گیا (جو مولانا کا اصل علمی وفکری صدر مقام تھا) کے اجلاس (۱۹۲۲ء) میں حضرت مولانا حبیب

۱- حیات سجاد ص ۱۰۵۔

الرحمٰن عثمانیؒ (متوفی ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے خطبۂ صدارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت ہیں اور ان کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے والی اور امیر مقرر کریں، دارالقضا قائم کرکے قضاۃ اور مفتین کا تقرر کریں، جمعیۃ علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے اور جمعیۃ العلماء کے اجلاس لاہور میں یہ طے ہوا تھا کہ ایک سب کمیٹی کا اجلاس بدایوں میں منعقد کیا جائے جس میں امیر شریعت کی شرائط وفرائض واختیارات وغیرہ مسائل کو طے کرلیا جائے، اور اس کے بعد انتخاب امیر کا مسئلہ پیش کیا جائے ۔علماء ومشائخ اور کبراء صوبہ بہار کا مسلمانوں پر بھاری احسان ہے کہ انہوں نے اپنے صوبہ میں امیر شریعت قائم کرکے مسلمانوں کے لئے ایک سڑک تیار کردی ہے۔ ۔ہم ان حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ دوسرے صوبوں کے علماء بھی جلد از جلد صوبہ بہار کی تقلید کریں گے۔''[۱]

اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہشتم پشاور (۶ تا ۸ رجمادی الثانیۃ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲ تا ۴ ردسمبر ۱۹۲۷ء) میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ (متوفی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود اتفاق یا کثرت رائے سے امیر شریعت منتخب کریں، ایسے ہی امراء صوبہ وار ہونے چاہئیں، اور امراء کے اتفاق رائے سے تمام ہندوستان کے لئے ایک امیر اعظم ہوگا اگرچہکہ حکومت برطانیہ کے قیام اور تسلط کی وجہ سے ان صوبہ وار اور امیر اعظم کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، مگر مذہبی ضروریات ان کے فیصلوں اور ان کے احکام سے صحیح طور پر واقع اور نافذ ہوسکیں گے اور مسلمانوں کا ایک بڑا مذہبی فرض نصب امارت ادا ہوجائے گا جس میں وہ آج کل مبتلا ہیں۔''[۲]

مولانا کی نگاہ صرف آج پر نہیں زمانۂ مابعد پر بھی تھی، اجلاس مرادآباد کے خطبۂ صدارت میں حضرت ابوالمحاسنؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''مسلمانوں کے لئے جس چیز کی آج ضرورت ہے اور حصول سوراج کے بعد بھی ضرورت ہوگی بلکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل کو قریب کرنے کے لئے جو چیز سب سے زاید مفید ہوگی، یہی

۱-خطبۂ صدارت جمعیۃ علماء ہند گیا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ص ۴۴، ۴۵ مطبع قاسمی دیوبند۔
۲-خطبۂ صدارت جمعیۃ علماء ہند پشاور، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ص ۵۵ جید برقی پریس بلی ماران دہلی۔

نظام اسلام یعنی امارت شرعیہ ہے۔'' [۱]

جہاں تک مسئلۂ امارت شرعیہ کی فقہی حیثیت کا تعلق ہے تو خود حضرت ابوالمحاسن نے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے نام اپنے ایک تفصیلی خط میں اس پر روشنی ڈالی ہے، جو'امارت شرعیہ شبہات وجوابات' کے نام سے مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے، جس کا خلاصہ امارت شرعیہ کے باب میں پیش کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

مسائل کی روح تک رسائی

حضرت مولاناؒ کا ذہن ہر مسئلہ کی شرعی بنیاد تک انتہائی سرعت اور صحت کے ساتھ منتقل ہوتا تھا، گویا وہ پہلے ہی سے اس مسئلہ کو سوچ کر اور حل کر کے بیٹھے ہوں، یہ آپ کا وہ امتیازی وصف تھا، جس میں بہت کم لوگ آپ کی ہمسری کر سکتے تھے، ممتاز محدث ومصنف حضرت مولانا منظور نعمانیؒ صاحب نے لکھنؤ میں مدح صحابہ ایجی ٹیشن کے موقعہ کا خود اپنا آنکھوں دیکھا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے حضرت مولانا سجادؒ کی دقت نظر اور فقہی انفرادیت صاف طور پر نمایاں ہوتی ہے، مولانا نعمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''لکھنؤ میں مدح صحابہ ایجی ٹیشن تھا حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ اور مولانا مرحوم اس کی قیادت فرمارہے تھے، جمعہ کا دن تھا، جس دن کہ قانون امتناع مدح صحابہ کی خلاف ورزی کرکے اجتماعی سول نافرمانی کی جاتی تھی، ٹیلے کی مسجد اس جنگ کا محاذ تھا، نماز جمعہ کے بعد وہیں پر پہلے جلسہ ہوتا تھا، اس کے بعد سول نافرمانی کی جاتی تھی، مردوں کے علاوہ عورتوں کا بھی بڑا مجمع ہوجاتا تھا، اور ان کے لئے قناتوں کے ذریعہ پردہ کا انتظام کیا جاتا تھا، جب گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو پردہ نشیں عورتوں کے مجمع میں سے ایک خط ایک بچہ کے ذریعہ صدر جلسہ کے نام پہنچا، اس میں ایک عورت نے اپنے دینی ولولہ کا اظہار کیا تھا، اور لکھا تھا کہ ''اس ایجی ٹیشن میں عملی حصہ لینے کا موقعہ مجھ کو اور میری اور بہنوں کو بھی دیا جائے'' اس کے لئے اس خط میں صحابیات کی شرکت غزوات کا حوالہ بھی دیا گیا تھا، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ نے جو اس دن جلسہ کے صدر تھے راقم الحروف سے فرمایا کہ لاؤڈ اسپیکر کے پاس جا کر تم اس خط کا میری طرف سے زبانی جواب دے دو اور ان بہنوں کو بتلا دو کہ ابھی تو ہم لوگ باقی ہیں، جب تک ہم میں سے ایک بھی موجود ہے یہ گوارا نہیں ہوسکتا کہ آپ اس راہ میں کوئی تکلیف اٹھائیں۔ میں چلنے لگا تو حضرت امیر صاحب مرحوم نے فرمایا کہ اس کے علاوہ مستورات کو یہ بھی

۱۔ خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۱۳۵۔

سمجھا دینا کہ ''حرب سلمی (یعنی آئینی جنگ یا سول نافرمانی) اور تلوار کی جنگ کے احکام شریعت میں جداگانہ ہیں، تلوار کی لڑائی میں تو خاص حالات میں عورتوں کے لئے بھی شرکت کا موقعہ ہوجاتا ہے مگر یہ آئینی جنگ جس میں اپنے آپ کو گرفتار ہی کرایا جاتا ہے اس میں شرکت کا عورتوں کے لئے کوئی موقع نہیں ہوتا، بلکہ شرعاً ان کے لئے یہ ناجائز ہے، کہ وہ اپنے کو غیر آدمیوں کے ہاتھوں گرفتار کراکے قید میں جائیں، لہٰذا ان بہنوں کا جذبہ قربانی تو قابل قدر ہے لیکن سول نافرمانی میں عملی شرکت کے خیال کو وہ قطعی طور پر دل سے نکال دیں کہ ان کے حق میں یہ معصیت اور خدا کی نافرمانی ہے۔''[۱]

یہ تھی حضرت مولانا سجادؒ کی نظر، کہ فوراً مسئلہ کی شرعی بنیاد تک پہنچ گئے، جہاں عام حالات میں علماء کا ذہن بھی نہیں جاسکتا تھا، نیز اس واقعہ میں مدارج احکام پر مولانا کی جو نگاہ تھی اس کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے۔

مجالس میں کثرتِ رائے پر فیصلہ کی بنیاد

اسی کی ایک مثال وہ واقعہ بھی ہے جسے مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے نقل فرمایا ہے کہ:

''جمعیۃ علماء ہند اور اس طرح کی دوسری کمیٹیوں کی مجلس منتظمہ اور مجلس عاملہ پر ایک مرتبہ گفتگو آئی، اور اس سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ موجودہ طریقہ پر انتظامی امور میں کثرت رائے سے جو فیصلہ کیا جاتا ہے، یا صدر کی رائے کو ترجیحی حیثیت دی جاتی ہے، اس کی کوئی نظیر عہد رسالت یا خلافت راشدہ میں ہے؟ تو مولانا نے فوراً جواب دیا کہ ہاں اس کی نظیر وہ کمیٹی ہے جس کو حضرت عمرؓ نے انتخاب خلیفہ سوئم کے لئے مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر چھ آدمیوں کی کمیٹی میں سے تین تین دونوں طرف ہوجائیں تو عبدالرحمٰن جس طرف ہوں ان کو خلیفہ مقرر کرو، ورنہ اکثریت کی رائے پر عمل کرو۔''[۲]

یہ واقعہ متعدد کتب حدیث و تاریخ میں موجود ہے:

★ عن أبي جعفر قال: قال عمر بن الخطاب لأصحاب الشورى: تشاوروا في أمركم؛ فإن كان اثنان واثنان فارجعوا في الشورى وإن كان أربعة وإثنان فخذوا اصنف الأكثر. "بن سعد"

★ عن أسلم عن عمر قال: وإن اجتمع رأي ثلاثة وثلاثة فاتبعوا اصنف عبد

۱- محاسن سجادؒ ص ۶۱، ۶۲ مضمون مولانا منظور نعمانیؒ۔

۲- حیات سجادؒ ص ۳۵۔

الرحمن بن عوف واسمعوا وأطيعوا."ابن سعد۔"[1]

اس سے حضرت مولانا سجادؒ کی وسعت مطالعہ اور مآخذ تک تیز رسائی کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وقف علی الاولاد کا مسئلہ

ایسے کئی واقعات ہیں کہ بڑے بڑے علماء کا ذہن مسئلہ کی اصل بنیاد تک پہنچنے سے قاصر رہا اور اس کی وجہ سے حکم شرعی کی تطبیق میں غلطیاں ہوئیں، لیکن حضرت ابوالمحاسنؒ عموماً ایسی غلطیوں سے محفوظ رہے تھے، وہ راست مسئلہ کی اسی بنیاد تک پہنچتے تھے جس سے حکم شرعی منقح ہوجاتا تھا اور دوسرے حضرات سے کہاں چوک ہورہی ہے وہ بھی سامنے آجاتی تھی۔

اس کی ایک مثال وقف علی الاولاد کا مسئلہ ہے، جس کے چشم دید راوی رئیس القلم علامہ مناظر احسن گیلانیؒ ہیں، تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مرکز سے مولانا شبلی مرحوم نے وقف علی الاولاد کا مسئلہ اٹھایا، ٹونک کے علماء اور محکمہ شریعت وغیرہ سے دستخط حاصل کرنے کا کام میرے سپرد ہوا، بڑے جوش وخروش سے اس کام کو انجام دیا، تعطیل میں گھر (گیلانی بہار) آیا، استھانواں جو میری نانیہال تھی وہاں بھی گیا، وہاں الفلاح نامی انجمن تھی، جس کے سکریٹری میرے مرحوم ماموں مولانا فضل الرحمٰن صاحب (علیگ) تھے، جو کچھ دن علی گڑھ کالج میں تاریخ کے پروفیسر بھی رہے تھے، انجمن الفلاح کا سالانہ جلسہ تھا مجمع اچھا خاصا تھا منجملہ اور مسائل کے وقف علی الاولاد کی تجویز پاس ہونے کے لئے پیش ہوئی، ماموں مرحوم نے مسلمانوں کی جائیداد کی حفاظت کی اس قانون کو واحد شکل قرار دے کر ایک مبسوط تقریر کی، تقریر میں ان کو کمال تھا، پھول برستے ہوئے کم از کم ان کی تقریر کے سوا اب تک کسی دوسرے مقرر کی زبان سے ان آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے،۔ بہرحال تقریر جب ختم ہوچکی اور میں سمجھے تھا کہ بحث بھی ختم ہوچکی، اور مسئلہ بلا اختلاف پاس ہوجائے گا، کہ

---

[1] -كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج۵ ص ۷۳۳ حديث نمبر: ۱۴۲۵۰، ۱۴۲۵۱ المؤلف: علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني - صفوة السقاالناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة 1401هـ/1981م مصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية۔★جامع الأحاديث ج۲۹ ص ۱ حديث نمبر: ۳۱۵۷۶ المؤلف: جلال الدين السيوطي۔

اچانک ایک دراز قد، چھریرے بدن، سانولے رنگ کے آدمی کو دیکھا کہ تقریر کی میز کے سامنے کھڑا ہے، اور ہکلا ہکلا کر چند باتیں کہہ رہا ہے، پہلے تو توجہ نہ ہوئی لیکن جب بحث کے نکات سمجھ میں آنے لگے تو ذرا سنبھلا کہ یہ تو کوئی غیر معمولی گفتگو ہے، غور سے سننے لگا، (فرمارہے تھے) کہ:

شرعی وارثوں کے حرمان سے مسلمانوں کی جائیداد کی حفاظت کا کام لینا شریعت کے حکم سے انحراف ہے، اس قانون (وقف علی الاولاد) کو پاس کرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ خدا نے جن لوگوں کو وارث ٹھہرایا ہے مورث چاہیں گے تو ان کو ان کے شرعی حق سے محروم کردیں گے، یہ خدائی قانون میں دست اندازی ہے، اس لئے اس کو پاس نہ ہونا چاہئے۔"[1]

بالآخر یہ قانون ترمیم کے مراحل سے گذر کر پاس ہوا۔[2]

یہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ تھے، مولانا گیلانیؒ نے اس وقت تک مولانا سجاد صاحبؒ کا صرف نام ہی سنا تھا، کبھی زیارت کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی تقریر سن کر متاثر ہوئے، اور وہ بھی ایسی تجویز کے خلاف جس کو ندوۃ العلماء سے لے کر ملک کے مختلف حصوں کے ممتاز علماء نے پاس کردیا تھا، اور خود ان کا بھی خیال یہی تھا کہ گویا یہ تجویز باتفاق رائے منظور ہوچکی ہے، لیکن حضرت مولانا سجادؒ اس مسئلہ میں چھپی اس کمزوری تک پہنچ گئے جہاں کسی عالم وفقیہ کا دماغ اب تک نہیں پہنچا تھا، یہ تھی حضرت مولانا سجادؒ کی علمی عبقریت، فقیہ النفسی اور معاصر علماء میں ان کا امتیاز، جس کے ناقل خود ایک بڑے علامۂ زمانہ ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غیر مسلم ملکوں میں نظام قضا یا شرعی پنچایت؟

اس کا ایک اور نمونہ غیر اسلامی ہندوستان میں نظام قضاء کا مسئلہ ہے، ہندوستان سے اسلامی حکومت کے خاتمے کے بعد ۱۸۶۴ء میں انگریزوں نے اسلامی قاضیوں اور مفتیوں کے تقرر پر پابندی لگادی تھی جو صدیوں سے اس ملک میں چلا آرہا تھا[3]، اور جن پر مسلمانوں کے ملی اور سیاسی مسائل ہی

۱-حیات سجادص ۴۹ تا ۵۰، ارتسامات گیلانیہ۔
۲-حیات سجادص ۵۰ حاشیہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔
۳-قانونی مسودے ص ۳۵ تالیف حضرت علامہ سید ابوالمحاسن محمد سجادؒ ترتیب مولانا ضمان اللہ ندیم شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

نہیں بلکہ ان کے بہت سے عائلی اور مذہبی مسائل کا بھی مدار تھا، مثلاً فسخ وتفریق کی کئی صورتوں میں قضائے قاضی کی ضرورت پڑتی ہے، یہ اس ملک میں مسلمانوں کے لئے انتہائی مشکل وقت تھا، مسلمانوں کی دینی زندگی کا تحفظ خطرہ میں پڑ گیا تھا، عورتوں کے ارتداد تک کے واقعات پیش آنے لگے تھے، پورے ملک کے علماء اور ملی رہنما اس صورت حال سے بے حد پریشان اور فکرمند تھے، اور اپنے اپنے حدود میں ان مشکلات کے حل کی تدابیر پر غور کررہے تھے، بلاشبہ اس دور کے علماء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو سبقت حاصل ہے کہ انہوں نے علماء ہند وحجاز کے مشورہ سے "الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة" جیسی وقیع اور دستاویزی کتاب لکھی، حضرت تھانویؒ کے اس انقلابی قدم کی ہر طرف سے تحسین کی گئی، حضرت تھانویؒ نے اس کتاب میں ملک کے موجودہ حالات میں نظام قضاء کے متبادل کے طور پر مسلک مالکی سے 'جماعۃ المسلمین العدول' (شرعی پنچایت) کی تجویز بھی پیش فرمائی تھی، کتاب تیار ہونے کے بعد حضرت تھانویؒ نے اپنی یہ کتاب استصواب رائے کے لئے ملک کے اکثر ممتاز علماء ومفتیان کرام کو ارسال فرمائی، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو بھی اس کا ایک نسخہ موصول ہوا، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے کتاب کے بنیادی مندرجات سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ کے 'جماعۃ المسلمین' والے نظریہ سے اختلاف کیا، حضرت ابوالمحاسنؒ کا خط الحیلۃ الناجزۃ میں شائع شدہ ہے، حضرت کا مکتوب گو کہ بہت مختصر ہے لیکن یہ ان کے فقہی شعور اور بالغ نظری کا عکاس ہے، انہوں نے چند جملوں میں جن بنیادی نکات کی طرف توجہ دلائی ہے، وہ بے حد اہم ہیں، خط سے سے معلوم ہوتا ہے وہ مسئلہ کی روح تک پہنچ چکے تھے، اور ہندوستان کے ماضی، حال اور مستقبل سب پر ان کی گہری نگاہ تھی، مکتوب کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "اس وقت جزو دوم کا مقدمہ سرسری طور پر دیکھا، دارالکفر میں قضا بین المسلمین کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے جو صورت تجویز فرمائی ہیں وہ نہ معلوم کیوں اس رسالہ میں مذکور نہ ہوئیں، یعنی: يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين وان يتفقوا على واحد يجعلونه واليا فيولى قاضيا الخ۔ اور جب یہ صورت موجود ہے تو پنچایت کی صورت اختیار کرنا بلاضرورت مسئلۂ غیر کا اختیار کرنا ہوگا۔
>
> ☆ اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت کے علاوہ پنچایت کی عملی دقتیں بہت زیادہ ہیں، اور ان شرائط کی نگہداشت بھی بہت مشکل ہوگی۔ [۱]

۱- الحیلۃ الناجزۃ ص ۷۷-۳ تا ۹۷-۳ مطبوعہ مکتبہ رضی دیوبند، سن طباعت ۱۹۹۳ء، مکاتیب سجاد ص ۱۷، ۱۸ شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پٹنہ، سن اشاعت ۱۹۹۹ء

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے جن نکات کی نشاندہی فرمائی ہے وہ ان کے گہرے تفقہ اور بلند علمی مقام کی علامت ہے، اس زمانہ میں ان کے نظریہ کو گو خاطر خواہ التفات نہ حاصل ہوسکا ہو (حالانکہ یہ خروج عن المذہب سے محفوظ شکل تھی) لیکن زمانۂ مابعد میں جس طرح ان کے نظریۂ امارت وقضا کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی، اور علماء محققین کی بڑی تعداد اس نظام کو امت میں جاری کرنے کے لئے سرگرم عمل ہوئی یہاں تک کہ فقہ مالکی کے شرعی پنچایت کا نظریہ نظام قضا کے بالمقابل اس ملک میں اجنبی سا بن کر رہ گیا، اس سے حضرت مولانا سجادؒ کی بے نظیر فقہی بصیرت اور زمانہ آگہی کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے دیگر افکار ونظریات کی طرح نظریۂ امارت شرعیہ اور نظریۂ قضا کو جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور جس کامیابی کے ساتھ ان کے تجربات کئے گئے، غیر مسلم ہندوستان میں اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی، خود حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ ارشاد اور اس ملک میں علم وحکمت کے بے تاج بادشاہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اعتراف فرمایا کہ:

> ”حضرت تھانویؒ نے شرعی کمیٹی کے نام سے فقہ مالکی کی رو سے جو حل پیش فرمایا ہے، وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے اہم اقدام ہے، لیکن اس میں بڑی دشواری یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تمام ارکان کمیٹی کا اتفاق فیصلہ میں ضروری ہے اگر یہ اتفاق حاصل نہ ہوسکے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا۔“[1]

☆ علاوہ ازیں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ خود فقہ مالکی میں جماعت المسلمین کے اختیارات بہت محدود ہیں، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں یہ محض عارضی حل ہے، ان کے نزدیک بھی حقیقی حل نظام قضا ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مقام پر قاضی موجود ہو تو جماعۃ المسلمین کو حق تفریق حاصل نہیں ہوتا، فقہ مالکی میں اس کی تصریحات موجود ہیں:

والنقل أنها إن أرادت الرفع ووجدت الثلاثة وجب للقاضي، فإن رفعت لغيره حرم عليها وصح، وإن رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل، فإن لم يوجد قاض فتخير فيهما[2]

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ عارضی حل کے بجائے ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے

۱- نظام قضاء کا قیام ص ۱۵، ۱۶، شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ۔

۲- الشرح الكبير ج ۲ ص ۴۷۹ المؤلف: أبو البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير (المتوفى: ۱۲۰۱هـ) وكذا فی حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ج ۱۰ ص ۱۲۱ المؤلف: محمد بن أحمد الدسوقي (المتوفى: ۱۲۳۰هـ) وكذا فی منح الجليل شرح على مختصر سيد خليل. ج ۴ ص ۳۱۷ محمد عليش. الناشر دار الفكر سنة النشر ۱۴۰۹هـ-۱۹۸۹م. مكان النشر بيرو تعدد الأجزاء ۹۔

دائمی اور پائیدار نظام کے خواہاں تھے، اور اس کے لئے امارت وقضا کے علاوہ کوئی دوسری صورت موجود نہ تھی، ان کی نگاہ وقتی اور عارضی تدابیر سے بہت آگے تک تھی۔

باقی اس مسئلہ کی پوری علمی تحقیق نظام قضا کی بحث میں آئے گی ان شاء اللہ۔

ترک موالات کے مسئلہ پر جامع فتویٰ - خصوصیات

جب ملک میں انگریزی اقتدار کے خلاف جنگی کوششوں کے حصہ کے طور پر مختلف سیاسی اور ملی تنظیموں کی جانب سے حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور ان کے اداروں اور اشیاء کا بائیکاٹ کرنے کی تحریک چلی، جن کی پشت پر خود علماء ہی کی جماعت تھی، تو ملک کے مختلف اداروں اور علمی شخصیات سے اس موضوع پر سوالات کئے گئے، اور تقریباً تمام ہی قابل ذکر علماء - علماء دیوبند، علماء دہلی، علماء فرنگی محل، علماء سہارن پور، علماء بدایوں، علماء کان پور، علماء بہار - اور - حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ تک سب نے حکومت سے عدم تعاون اور ترک موالات کے فتاویٰ جاری کئے، بلاشبہ یہ تمام فتاویٰ اس موضوع پر ایک قیمتی ذخیرہ اور دستاویزی حیثیت کے حامل ہیں، بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے فتاویٰ میں بڑی گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے اور مسئلہ کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اس موقعہ پر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کے فتویٰ ترک موالات کو جو شہرت وقبولیت حاصل ہوئی وہ کسی فتویٰ کو نہ ہوئی، آپ کا فتویٰ نسبتاً تفصیلی ہے، آپ کے فتویٰ کا امتیاز یہ ہے کہ:

☆ آپ نے اس فتویٰ کا سر رشتہ استاذ الکل اور مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے جوڑ دیا ہے، اور اپنے فتویٰ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے تفصیلی فتویٰ کے فارسی متن کے اقتباسات نقل فرمائے ہیں، ہندوستان پر انگریزی تسلط کے خلاف سب سے پہلی معتبر آواز حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف سے اٹھی تھی، اور ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا تھا، اس کے بعد جنگ آزادی کی جتنی تحریکیں اٹھیں ان سب کے پیچھے شاہ صاحبؒ کے اسی فتویٰ کی بازگشت کام کررہی تھی، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے اس فتویٰ کا رشتہ شاہ صاحبؒ سے قائم کر کے ایک طرف فتویٰ کے اندر استناد اور قبولیت کی شان پیدا کی، دوسری طرف اس کو تاریخی تسلسل دے کر تحریکی رنگ عطا کیا، اس سے فتویٰ میں جو قوت و زندگی

پیدا ہوتی ہے، وہ اصحاب ادراک سے مخفی نہیں۔

☆ اس فتویٰ کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس پر ہندوستان کے تمام ہی مکتب فکر کے معتبر علماء اور مفتیان کے دستخط موجود ہیں، اس طرح اس میں اجتماعی رنگ پیدا ہوگیا اور یہ فتویٰ پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کی مشترکہ آواز اور انگریزی سامراج کے خلاف متحدہ طاقت میں تبدیل ہوگیا ہے۔

☆ اس کے علاوہ اس میں مسئلۂ ترک موالات کے ایک ایک جزو پر قرآن وحدیث کے نصوص اور فقہی عبارات کی روشنی میں جس بصیرت اور سلیقہ کے ساتھ کلام کیا گیا ہے اور ہر ہر جزو پر کئی دلیلوں کا اہتمام کیا گیا ہے، اس سے ان کا تبحر علمی اور کمال تفقہ صاف متبادر ہوتا ہے، بطور نمونہ موالات کے تشریحی حصہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں، اور تفہیم مسئلہ کا اسلوب کتنا واضح اور بلیغ ہے اس پر غور فرمائیں:

''موالات کے دو معنی ہیں ایک معنی محبت ومودت اور پھر محبت کی دو جہتیں ہیں ایک دینی و مذہبی، دوسری دنیاوی، اور محبت دنیاوی کی بھی دو صورتیں ہیں اختیاری و اضطراری الغرض کافر کے ساتھ محبت کی تین صورتیں ہیں: نمبر ایک دینی محبت من جہتہ الدین یعنی کسی کافر کی دوستی اس طرح پر ہو کہ اسکے دین و مذہب کو پسند کیا جائے تو یہ عین کفر ہے ☆ نمبر ۲:- محبت من جہتہ الدنیا ہو اور اختیاراً ہو یعنی کسی کافر کے ساتھ دلی محبت ہو مگر نہ اس جہت سے کہ اس کے دین کو اچھا سمجھتا ہو بلکہ کسی دنیاوی وجہ سے محبت ہو مگر یہ دنیاوی اختیاری ہوئی محبت یعنی اپنی خواہش و اعتبار سے کسی کافر سے کوئی دنیاوی مقصد اور غرض کے حصول کے لئے محبت کرتا ہو اور فطری اسباب اس محبت کے پیدا ہونے کے لئے موجود نہ ہوں تو یہ محبت بھی حرام ہے مگر کفر نہیں۔ ☆ نمبر ۳:- محبت من جہتہ الدنیا مگر اضطراراً ہو اور اس محبت کا سبب غیر اختیاری ہو جیسے کسی مسلمان کا باپ یا بھائی کافر ہو اور بسبب رشتہ داری اور قرابت کے مسلمان کے دل میں کافر باپ بھائی کی محبت ہو تو یہ محبت جائز ہے بشرطیکہ اس دلی محبت کا اثر مسلمان کے ایمان پر نہ پڑے۔

محبت کی پہلی صورت یعنی من جہتہ الدین اور دوسری صورت یعنی من جہتہ الدنیا اختیاراً کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ ہر کافر کے ساتھ یکساں اور برابر ہے عام ازیں کہ کافر محارب ہو یا غیر محارب۔ اور یہ حکم دوامی اور بہر حال ہے، لیکن محبت کی تیسری قسم یعنی محبت من جہتہ الدنیا اضطراراً اس میں محارب اور غیر محارب میں فرق ہے وہ یہ کہ غیر محارب کے ساتھ تو یہ محبت جائز ہے لیکن محارب کے ساتھ یہ محبت بھی حرام ہے، بقولہ تعالیٰ (مجادلہ/ ۲۸)۔ اور موالات کے دوسرے معنی نصرت اور مدد کے ہیں جس کا تعلق افعال وجوارح سے ہے دل سے اس کو کوئی سروکار

نہیں اس معنی کے اعتبار سے کافروں کے ساتھ موالات کرنے کے متعلق شرعی احکام مختلف احوال اور مختلف اسباب اور مختلف مقتضیات کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں۔''[۱]

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا یہ فتویٰ ''متفقہ فتویٰ علماء ہند'' کے نام سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا، اب یہ فتویٰ ''فتاویٰ امارت شرعیہ'' ج ۱ ص ۲۷۲ تا ۲۸۳ میں شامل ہے، ترک موالات کے مسئلہ پر باقی دیگر اکابر علماء اور مفتیان عظام کے فتاویٰ بھی فتاویٰ امارت شرعیہ میں شائع کردیئے گئے ہیں۔[۲]

تعلیق طلاق کے مسئلہ پر مولانا محمد سجادؒ کا محاکمہ

۱۹۲۴ء میں تعلیق طلاق کی ایک صورت موضوع بحث بن گئی تھی، اور ہندوستان کے مشاہیر علماء ومفتیان کرام اس معرکہ میں شامل ہوگئے، علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ تھی کہ اس صورت میں شرط پوری ہوجانے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگئی، اس جماعت میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ مفتی مدرسہ امینیہ دہلی بھی شامل تھے، اس کے بالمقابل زیادہ تر علماء کی رائے یہ تھی کہ جس شرط پر طلاق معلق تھی اس کے دو جزو ہیں جب تک دونوں جزو پائے نہیں جائیں گے شرط پوری نہیں ہوگی، اور زیر بحث واقعہ میں صرف ایک جزو پایا گیا ہے دوسرا جزو مفقود ہے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، اس رائے کے حاملین میں بھی بڑی بڑی شخصیتوں کے نام شامل تھے، مثلاً: مولانا ابوالعلیٰ محمد امجد علی صدر مدرس دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ بانی جماعت تبلیغ، مولانا محمد شفیع صاحب۔ مدرسہ عبدالرب دہلی، مولانا احمد علی صاحب صدر مدرس مدرسہ فتحپوری وعلماء مدرسہ فتحپوری، مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری دہلی، حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ وعلماء کلکتہ، مولانا محمد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ رمضانیہ کلکتہ، صاحب اصح السیر مولانا عبدالرؤف دانا پوری وغیرہ۔

۱- خطبہ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۸۵ تا ۸۷۔
۲- دیکھئے فتاویٰ امارت شرعیہ ص ۲۶۱ تا ۲۷۳۔

علماء ہند

تم مسلمان جو ایک زمانے میں اللہ اور اُس کے دین برحق کے لئے سب کچھ کر سکتے تھے۔ کیا اب اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اُس کے احکام اُس کے غافل بندوں تک پہنچا دو۔ تم کو آرام نہیں لینا چاہیئے۔ جب تک کم از کم دس مسلمانوں تک وہ تمام احکام نہ پہنچا دو جو اس سالہ میں درج ہیں۔ اور چاہیئے کہ ان میں سے ہر ایک کو وصیت کرو کہ اسی طرح دس آدمیوں تک پہنچا دے

فلیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھو اوعیٰ لہ منہ

جس کو منشی مشتاق احمد نے شہر میرٹھ محلہ کوٹلہ سے

باہتمام محمد عبد الغنی ناجر کتب مالک مطبع ہاشمی میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

ترک موالات پر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کا تحریر کردہ فتویٰ (ٹائٹل پیج)

جو متفقہ فتویٰ علماء ہند کے نام سے پہلی بار ۱۹۲۰ء میں میرٹھ سے شائع ہوا

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے پاس جب یہ سوال اور اس کے مختلف جوابات موصول ہوئے تو آپ نے صاحب واقعہ کو بلا کر اس سے زبانی طور پر بھی تحقیق کی، اور سوال کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کی، پھر تمام جوابات کو سامنے رکھ کر ایک تفصیلی محاکمہ تحریر فرمایا، آپ نے مسئلہ کا انتہائی متوازن تجزیہ کرنے کے بعد اس کے ایک ایک جزو پر فقہی لحاظ سے روشنی ڈالی، یہ محاکمہ آپ کی فقہی بالغ نظری کا نقطۂ عروج ہے، آپ نے جلیل القدر علماء کی آراء کے درمیان جس توازن اور علمی شعور کے ساتھ فیصلہ کن گفتگو کی ہے وہ آپ کی علمی تحریرات میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، بطور نمونہ آپ کے جواب کی آخری چند سطریں ملاحظہ فرمائیں:

''پس اس امر کو پیش نظر رکھ کر صورت مسئولہ میں یہ خیال رکھنا چاہئے، کہ یہاں بھی تعلیق میں نفس بہتر طرز عمل وحق معاشرت شرط نہیں ہے، بلکہ ایسا طرز عمل کہ جس سے بیوی کو خوش رکھنے اور تعلقات خوش گوار رہنے کا اطمینان ہو جائے اور بیوی کا اطمینان ایک قلبی فعل ہے اس لئے اس امر میں اس کے قول کا اعتبار ہونا چاہئے، بشرطیکہ اس کے قول کے جھوٹ ہونے کا یقین نہ ہو، لہٰذا اگر واقعات وقرائن سے اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ الغرض محض عبدالمجید کی بیوی کے بیان پر وجود شرط طلاق کا یقین کر کے حکم طلاق نہیں دیا جاسکتا ہے، بلکہ تحقیق واقعات وحالات کے بعد، فقط واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔[1]

تفصیلی فتوی اور دیگر علماء امت کے فتاویٰ ''فتاویٰ امارت شرعیہ'' میں موجود ہیں۔[2]

مسجد کی منتقلی کا مسئلہ

ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسجد کی منتقلی کے مسئلے پر بھی حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا فتویٰ بے حد اہم ہے، انہوں نے دوٹوک الفاظ میں مسجد کی جزوی یا کلی ہر طرح کی منتقلی کو شرعی طور پر ناممکن قرار دیا ہے، اس لئے کہ:

''جس زمین پر مسجد بنی وہ زمین سے لے کر آسمان تک اور زمین کے نیچے تحت الثریٰ تک قیامت تک کے لئے مسجد ہے، مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس ویران مسجد کو آباد کریں اور جس

۱-فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۱۶۲ مرتبہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء۔

۲-ملاحظہ کریں: فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۱۴۳ تا ۱۶۲۔

شخص نے قبضہ کرلیا ہے اس سے مسجد کو واپس لیں، پہلے اہل محلہ پر واجب ہے اگر ان سے انجام نہ پائے تو جولوگ ان سے قریب ہوں وہ اس میں حصہ لیں، اسی ترتیب سے تمام اہل شہر پھر پورے ضلع الٰہ آباد کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان مسجدوں کو واپس لے کر آباد کریں ورنہ سخت گنہ گار ہوں گے۔"[1]

دیہات میں جمعہ کا مسئلہ

اسلامی ہند کے سقوط کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جمعہ کے جواز کا مسئلہ بہت نازک بن گیا تھا، اس لئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت حنفی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لئے مصر بھی شرط ہے اور مسلمان حاکم کی موجودگی بھی شرط ہے، حاکم جمعہ میں حاضر ہو یا اس کی اجازت سے کوئی اس کا نائب جمعہ قائم کرے، ۔ ہندوستان پر غیر اسلامی تسلط کے بعد کسی مسلم حاکم کا تصور بھی باقی نہ رہا، حنفیہ کے نزدیک مصر یا قریۂ کبیرہ کی شرط بھی دراصل حاکم کی شرط کی تقویت کے لئے ہے، اس لئے کہ عموماً سرکاری حکام بڑے مقامات پر ہی ہوتے ہیں[2]، اس طرح دیہات تو دیہات شہر میں بھی جمعہ کا جواز مشکل ہوگیا۔ یہ اس ملک میں بالکل نئی صورت حال تھی، صدیوں سے مسلمان شہر شہر اور قریہ قریہ جمعہ پڑھتے آئے تھے، وہ کسی بھی حال میں جمعہ سے دستبردار نہیں ہوسکتے تھے، اس دور کے دیگر علماء وفقہاء کی طرح مولانا سجادؒ بھی اس مسئلہ کے حل کے لئے فکر مند تھے، جمعہ کا ترک دین اور نصح وخیر کے بہت سے دروازوں کو بند کرسکتا تھا، مسجدیں ویران ہوسکتی تھیں، علماء سے عوام کا رابطہ کٹ سکتا تھا۔

چنانچہ انہوں نے ایک طرف مذہب کی ان روایات اور علماء مذہب کے ان اقوال کو لائحۂ عمل بنانے کا فیصلہ کیا جو قبل سے معمول بہ کا درجہ نہ رکھتے تھے، لیکن خروج عن المذہب کے مقابلے میں یہ محفوظ راستہ تھا اسی پس منظر میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی رائے کے

[1] فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۲۰۹۔

[2] جیسا کہ فقہاء کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے، دیکھئے یہ عبارت:

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات (حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٢ ص ١٣٨

ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر ١٤٢١هـ - ٢٠٠٠م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء ٨

مطابق ہر ایسے مقام پر جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیا جہاں تھوڑا سا بھی تمدن پایا جاتا ہو، اور چالیس یا پچاس گھر کی آبادی ہو [1]، اس طرح مصر اور حاکم دونوں شرطوں کے معروف تصورات کی لازمیت ختم کردی گئی، اس لئے کہ غیر مسلم ہندوستان کے حالات مسلم ہندوستان سے مختلف تھے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''دیہاتوں میں نماز جمعہ کے جواز وفرضیت میں علماء ہند صدیوں سے مختلف الخیال ہیں، عالمگیرؒ سلطان ہند کے زمانے میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا، ملا جیون صاحب نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے، کہ ہمارے زمانہ کے علماء کے تین گروہ ہیں ☆ایک یہ ہے کہ ہر گاؤں میں نماز جمعہ کو جائز سمجھتے ہیں اور پڑھتے ہیں، اور لوگوں کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، ☆دوسرا گروہ وہ جو دیہاتوں میں جمعہ اگر ہوتو خود پڑھتے ہیں لیکن دیہاتوں میں پڑھنے کا عام حکم نہیں دیتے، ☆اور تیسرا گروہ وہ ہے جو دیہاتوں میں نماز جمعہ کو حرام کہتا ہے، اور لوگوں کو منع کرتا ہے، اور یہ تمام گروہ علماء احناف ہی کے ہیں۔ [2]

ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لئے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ بھی اس کے

۱- حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

وذلک لانه کما کان حقیقة الجمعة اشاعة الدین فی البلد، وجب ان ینظر الی تمدن وجماعة والاصح عندی انه یکفی اقل مایقال فیه قریة لماروی من طرق شتی یقوی بعضها بعضاً، خمسة لاجمعة علیهم وعدمنهم اهل البادیة، قال ﷺ: الجمعة علی الخمسین رجلا (حجة الله البالغة ج ۲ ص ۳۰)

۲- اس کے حاشیہ میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے تفسیرات احمدیہ کی اس عبارت کی نشاندہی کی ہے جس میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے:

کذالک یشترط لصحة ادائها ستة اخریٰ المصر اوفناؤه والسلطان اونائبه۔ ۔وقدطال الکلام فی زماننابین ایدی الانام فی وجدان الشرطین الاولین لان فی معنی المصر اختلافافقیل فیه امیروفیه قاض ینفذالاحکام ویقیم الحدودوقیل مالایسع اکبرمساجده اهله۔ والمعنی الاول لایوجدالانادراوان کان المعنی الثانی المختار منهما یوجدفی اکثرالمواضع۔ وفی السلطان اونائبه لاندری شرط الحضورام یکفی، الاذن وان کان کلام صاحب الکشاف یشیرالیٰ انه یجب الاذن عندعدم الحضور ولهذاافترقوافرقاًمختلفاً، فقلیل منهم من ترکواالجمعة اصلاً وطائفة اکتفوابهافقط وبعضهم ادوالظهر فی منزلهم ثم سعواالی الجمعة۔ واکثرهم داموا علیٰ ادائهااولاً علما منهم بانهامن اکبرشعائرالاسلام والتزموابعدهااداء الظهر لکثرة الشکوک فی شانها وغلبة الاوهام وان کان لایجوز الجمع بین الفرضین عنداهل الاسلام (تفسیرات احمدیه ص ۲۰۷ حاشیه فتاویٰ امارت شرعیه ج ۱ ص ۵۲، ۵۳)

قائل ہیں ،صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں [۱]، حجۃ اللہ البالغۃ وغیرہ میں انہوں نے بوضاحت لکھاہے۔'' [۲]

☆ دوسری جانب فقہ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں امارت شرعیہ کے ذریعہ آپ نے اس مسئلہ کوحل فرمایا،فقہاء نے صراحت کی ہے کہ:

☆ مجتہد فیہ مسائل میں حکم حاکم رافع اختلاف ہوتا ہے:

(قوله:وإذا اتصل به الحكم إلخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء على أن مجرد أمره حكم [۳]

☆ اسی طرح اگر امیر کسی دیہات یا چھوٹے مقام پر بھی جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے دے تو وہ مقام حنفی نقطۂ نظر سے بھی محل جمعہ بن جاتا ہے:

قال أبو القاسم هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيماذكرناإشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر و خطيب كمافي المضمرات والظاهر أنه أريدبه الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألا

۱- حجۃ اللہ البالغۃ کی عبارت درج ذیل ہے:

وكان النبى صلى الله عليه وسلم. وخلفاؤه رضي الله عنهم. والأئمة المجتهدون رحمهم الله تعالى يجمعون في البلدان، ولا يؤاخذون أهل البدو، بل ولا يقام في عهدهم في البدو، ففهموا من ذلك قرنا بعد قرن وعصرا بعد عصر أنه يشترط لها الجماعة والتمدن أقول وذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة، والأصح عندي أنه يكفي اقل ما يقال فيه قرية، لما روي من طرق شتى يقوي بعضها بعضا ' خمسة لا جمعة عليهم ' وعد منهم أهل البادية قال صلى الله عليه وسلم الجمعة على الخمسين رجلا ' أقول الخمسون يتقرى بهم قرية، وقال الجمعة واجبة على كل قرية ' وأقل ما يقال فيه: جماعة لحديث الانفضاض، والظاهر أنهم لم يرجعوا والله أعلم، فإذا حصل ذلك وجبت الجمعة ومن تخلف عنها فهو الأثم، ولا يشترط أربعون، وأن الأمراء أحق بإقامة الصلاة وهو قول علي كرم الله وجهه: أربع إلى الإمام الخ، وليس وجود الإمام شرطا، والله أعلم بالصواب.(حجة الله البالغة للإمام أحمد المعروف بشاه ولي الله ابن عبد الرحيم الدهلوي ج ۱ ص ۴۷۸ تحقيق سيد سابق الناشر دار الكتب الحديثة - مكتبة المثنى مكان النشر القاهرة– بغداد عدد الأجزاء ۱

۲- فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۵۲، ۵۳۔

۳- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۲ ص ۱۳۸ ـ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر ۱۴۲۱ هـ- ۲۰۰۰م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء ۸

ترى أن في الجواهر لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر وهذا إذا لم يتصل به حكم فإن في فتاوى الديناري إذا بنى مسجد في الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقا على ما قال السرخسي اه فافهم والرستاق القرى كما في القاموس۔[1]

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ امارت شرعیہ کو بہت سے دینی، ملی اور عائلی مسائل کا حل قرار دیتے تھے، اور بحیثیت فقیہ ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں وہ اس کی پوری اہمیت سمجھتے تھے، چنانچہ آپ نے بحیثیت نائب امیر شریعت کئی بستیوں میں اجراء جمعہ کا فرمان صادر کیا، اور اس طرح بڑے بڑے فتنے ٹل گئے اور جمعہ کی نماز فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق جاری ہوگئی، یہ مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی وہ انفرادیت ہے، جو ان کے فقیہ النفس ہونے کا مظہر ہے، فتاویٰ امارت شرعیہ میں اس نوع کے کئی فتاویٰ موجود ہیں، ایک فتویٰ کی عبارت ہے:

> ''الجواب: صورت مذکورۃ الصدر میں بمقام قاسمہ (ضلع گیا علاقہ رفیع گنج کی ایک بستی) مسجد میں نماز جمعہ محققین حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، اور میں بحیثیت قائم مقام امیر شریعت اجازت دیتا ہوں کہ مسلمانان قاسمہ ومسلمانان اطراف قاسمہ وہاں نماز جمعہ پڑھا کریں۔۔۔ہماری اس تحریری اجازت کے بعد اب کوئی ذی علم اختلاف نہیں کرے گا، کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں حکم حاکم اختلاف کو رفع کر دیتا ہے، جو حکم حاکم دیتا ہے وہی سب کے لئے قابل عمل ہوتا ہے، اور نماز جمعہ کی بابت تو خاص تصریح ہے کہ جب امیر کسی چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ قائم کر دے تو سب کو پڑھنا چاہئے۔''[2]

امارت شرعیہ کے ذریعہ اجراء جمعہ کے حل کو اہل علم کے حلقہ میں کافی پذیرائی ملی، اور دیگر مفتیان کرام بھی چھوٹی بستیوں میں جمعہ کے جواز کے لئے مسلمانوں کو امارت شرعیہ سے رجوع کرنے کا مشورہ دینے لگے، فتاویٰ امارت شرعیہ میں ایک فتویٰ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا ہے جس پر مفتی ابراہیم احمد آبادیؒ، مفتی سہول احمد بھاگلپوریؒ سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ وسابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند اور مولانا اصغر حسین بہاریؒ صاحبان کے دستخط ہیں، استفتاء میں ایک چالیس گھر کی آبادی والے گاؤں (اکٹھیر) میں جمعہ کے جواز کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، مذکورہ

[1] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۲ ص ۱۳۸
ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء ۸

[2] - فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۵۵،۵۶۔

بالاعلماء نے مسلک حنفی کے مطابق یہ جواب تحریر فرمایا:

''مذکورہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے، اٹھا دینا چاہئے، ہاں اگر اہل دیہات جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں، تو ان کو چاہئے کہ امیر شریعت صوبہ بہار کی خدمت میں دیہات کی آبادی وغیرہ بیان کر کے درخواست کریں، اگر وہ جمعہ قائم کرنے کا حکم دیں تو جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں —

(آگے حوالے کی عبارت ہے)

چنانچہ حضرت ابوالمحاسنؒ نے اس گاؤں میں جمعہ کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''موضع اکٹیر مذکور الصدور میں مشائخ وائمۂ حنفیہ کے اصول وفروع ومصالح امت کو پیش نظر رکھ کر اقامت جمعہ کی میں بحیثیت نائب امیر شریعت کے اجازت دیتا ہوں فقط ابوالمحاسن محمد سجاد ۲۱ صفر ۱۳۴۷ھ''[1]

مسئلہ رویت ہلال

رویت ہلال کا مسئلہ بھی ہر دور میں انتہائی حساس اور معرکۃ الآراء رہا ہے، شبہ ہمیشہ یہاں سے کھڑا ہوتا ہے کہ رویت ہلال کی شہادتوں کی تحقیق میں وہ معیار کیوں اختیار نہیں کیا جاتا جو عام عدالتی معاملات ومقدمات کی شہادتوں میں اختیار کیا جاتا ہے؟ بلکہ بعض مواقع پر تو محض خبر کی بنیاد پر بھی رویت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے ـ یہی شبہ اکثر رویت ہلال کی خبروں اور فیصلوں کے ردوقبول میں اختلافات کا باعث بنتا ہے ـ

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے سامنے جب یہ سوال آیا تو انہوں نے جزئی مباحث میں جانے کے بجائے ایک ایسی اصولی بات تحریر فرمائی جس سے اس قسم کے تمام شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے، آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ رویت ہلال کا مسئلہ فریقین کے خصومات ومقدمات کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دینی معاملہ بھی ہے، اس سے نماز، روزہ، عیدین، فطرہ، قربانی وغیرہ متعدد مسائل وابستہ ہیں، اور دینی معاملات میں شریعت کے نزدیک شہادت کی وہ شرطیں مطلوب

---

[1] - فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۵۷، ۵۸ ـ

امارت شرعیہ میں یہ خوبصورت تسلسل بعد کے ادوار میں بھی جاری رہا، خود اس حقیر راقم الحروف نے بھی ٹکواز پور نامی بستی (ضلع سمستی پور) میں جہاں ایک سو گھر سے زائد کی مسلم آبادی ہے، اور وہاں جمعہ پہلے سے قائم نہیں تھا، گاؤں والوں کے رجوع کرنے پر میں نے حالات کا جائزہ لیا اور ان کی خواہش پر میرے جواب اور سفارشی تحریر کے ساتھ وہ حضرات امارت شرعیہ حاضر ہوئے، حضرت امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحبؒ نے سوال وجواب کو ملاحظہ کرنے اور ساری صورت حال جاننے کے بعد تحریری طور پر اس گاؤں میں جمعہ کی اجازت مرحمت فرمائی، الحمد للہ اس وقت سے آج تک وہاں جمعہ قائم ہے ـ

نہیں ہیں جو عام انسانی مقدمات میں ہوتی ہیں، بلکہ یہاں شہادت محض خبر موجب کے معنیٰ میں ہے، یعنی ایسی خبر جس سے علم اور غلبۂ گمان حاصل ہوجائے، اسی لئے دینی معاملات میں اخبار آحاد بھی مقبول ہوتی ہیں، بشرطیکہ غلطی اور کذب کا غالب گمان نہ ہو، جس طرح کہ طلوع وغروب، زوال یا مثلین وغیرہ سے نماز پنجگانہ کا تعلق ہے ان کے وجوب کے لئے کسی بھی خبر سے ان کا علم ہوجانا کافی ہے، خبر دینے والے میں شہادت کی شرطیں مطلوب نہیں ہوتیں، یہی حال رویت ہلال کی خبر کا بھی ہے، اس کو اصطلاحی شہادت کے معیار پر پرکھنا غلط ہے، حضرت سجادؒ کا یہ فتویٰ گو مختصر ہے لیکن بہت سی اصولی باتوں، علمی نکات اور حوالہ جات کتب پر مشتمل ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"مختصر اًجواب یہ ہے کہ رویت ہلال کی شہادت بمعنیٰ شہادت عند مجلس القضاء فی الخصومات نہیں ہے، باتفاق ائمۂ حنفیہ وغیرہم۔اس لئے شہادت ہلال میں شہادت کے تمام شروط ہی مشروط نہیں ہیں، حالانکہ شہادت کے شروط نصوص سے ثابت ہیں جو غیر منسوخ ہیں، اور فقط شہادت ہی شرط نہیں ہے خلافاً للشافعی، پس تحقیق عند الاحناف یہ ہے کہ اس باب میں شہادت بمعنیٰ خبر موجب للعلم وغلبة الظن ہے، اگر چہ خبر آحاد ہو، صرف شرط یہ ہے کہ غلط اور کذب کا گمان غالب نہ ہو درایۃً یا بدلالۃ المحل، اور مناط یہ ہے کہ ثبوت ہلال سے متعلقہ احکام محض امور دینیہ محضہ ہیں، مثلاً صوم، صلوٰۃ، وعیدین، فطرہ، قربانی، جس طرح اوقات طلوع، غروب، زوال، غیبوبت شمس ومثلین سے نماز پنجگانہ متعلق ہے، ان تمام احکام کی تکلیف اسی وقت ہو جاتی ہے جس وقت اس کے اوقات کا علم ہو، اگر چہ خبر واحد سے ہو، جس طرح احکام طہارت ونجاست الماء کی تکلیف عائد ہوتی ہے، ہاں شرط یہ ہے کہ مخبر مسلم عادل یا مستور الحال ہو اور خبر مظنۂ غلط وکذب سے بعید ہو، ائمۂ حنفیہ وفقہاء حنفیہ کی کتب سے مع لحاظ اصول مسلمہ حنفیہ یہ ہی امر ثابت ہے، اور یہ ہی ظاہر الروایۃ ہے، مبسوط سرخسی، زیلعی، شامی، رحمتی، بدائع وغیرہ کا مطالعہ بنظر امعان فرمایئے اس میں سب کچھ ہے، ان میں سے بعض کتابوں میں بعض تصریحات اس تمہید کے خلاف معلوم ہونگی، بلکہ خود ان کے اقوال میں تعارض معلوم ہوگا لیکن باصول جمع وتطبیق وہ مؤول ہیں، یا مردود ومرجوح ہیں۔

چونکہ آپ لکھتے ہیں کہ اہل علموں کا اختلاف ہے، اس لئے میں لکھتا ہوں "ارشاد اہل الملۃ الیٰ اثبات الاہلۃ" کا صرف مطالعہ کافی ہوگا اس کتاب میں ائمۂ اربعہ کے مسلک کو مع نقل عبارات فقہیہ واضح طور پر لکھا گیا ہے، اور جامعیت کے ساتھ، مصر میں چھپی ہے"۔[1]

۱-فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۷۴، ۷۵۔فتویٰ کے حوالجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سجادؒ کی نظر جدید وقدیم ہر طرح کی مطبوعات پر رہتی تھی، علم کے میدان میں ان کے یہاں ٹھہراؤ اور قناعت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

قطرہ از دریا

یہ صرف چند مثالیں ہیں جن سے حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے علمی وفقہی کمالات کا اجمالاً اندازہ کیا جاسکتا ہے، ورنہ آپ کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے، کیونکہ آپ کے علم کا بہت مختصر حصہ زیب قرطاس وقلم ہوسکا، ایک تو ملی اور قومی مسائل کے ہجوم میں لکھنے کی فرصت آپ کو کم ملی، دوسرے جو کچھ لکھا وہ پورے طور پر محفوظ نہ رہ سکا، بڑا حصہ ضائع ہوگیا، مثلاً آپ کے فتاویٰ کی جو ایک جلد ہمارے سامنے ہے اس میں صرف وہ فتاویٰ ہیں جو امارت شرعیہ کے رجسٹر میں محفوظ تھے، جن کی تعداد ان پر ڈالے گئے نمبرات کے مطابق محض ایک سو اٹھانوے ہے۔

مدرسہ انوار العلوم گیا کے شعبۂ افتا سے آپ نے جو فتاویٰ تحریر فرمائے تھے ان کی تعداد بھی بقول حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ قریب اتنی ہی تھی، مگر وہ ضائع ہوگئے۔ [1]

علاوہ الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ کے دار الافتاء سے بھی آپ نے بے شمار فتاویٰ لکھے تھے، جن کی بنا پر آپ وہاں ''فقیہ شہر'' کہلاتے تھے، اگر یہ تمام فتاویٰ میسر آجاتے تو فقہ وفتاویٰ کی ایک پوری لائبریری تیار ہوجاتی۔

اس لئے حضرت ابوالمحاسنؒ کی فقہیات کے تحت یہ جو کچھ بھی عرض کیا گیا یہ محض آپ کے علم وکمال کا محض ایک شمہ ہے 'قطرہ از دریا' یا 'مشتے نمونہ از خروارے' بلکہ اس سے بھی کم۔

میری تو ہستی ہی کیا، بڑے بڑے اصحاب علم وکمال بھی مولانا کی عظمت علم کے آگے عاجز ودرماندہ نظر آتے ہیں، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے الفاظ میں:

> ''جو کچھ لکھا گیا سچ جانئے کہ سمندر میں سے ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں ہے۔ ان کا علم، ان کی ذہانت، ان کا تقویٰ، ان کی سمجھ اور سوجھ بوجھ، ان کی مستعدی اور کام کرنے کی قوت، ان کی غربت اور افلاس، ان کا صبر اور ان کا عزم، ان کے اخلاق کی بلندی، اور ان کا کیرکٹر، خدا کا خوف اور نبی کریم ﷺ کی محبت، مسلمانوں کی اصلاح کا شوق، ممالک اسلامیہ کی آزادی اور ان کی بقا کا خیال، یہ سب باتیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جنہوں نے مولانا محمد سجادؒ کو قریب سے دیکھا ہے۔'' [2]

۱- فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۲۰ مقدمہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ۔
۲- حیات سجادؒ ص ۱۰۹۔

فصل چہارم

حضرت ابوالمحاسنؒ کی قانونی بصیرت

طبقۂ علماء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا امتیاز یہ ہے کہ قانونی مسائل اور آئینی مہمات کی نزاکتوں تک ان کا ذہن جس تیزی کے ساتھ منتقل ہوتا تھا، کہ شاید اس صدی کے ہندوستان میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی، اسلامی قانون اور دنیا کے دیگر قوانین کے مسلسل مطالعہ سے آپ کا ذہن ومزاج قانونی نزاکتوں اور باریکیوں سے ایسا ہم آہنگ ہوگیا تھا کہ وہ پہلی نظر میں ہی قانون کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے تھے، اسلامی قانون ہو یا دنیاوی قانون، ملکی آئین ہو یا کسی مجلس وادارہ کا دستور، ان کا ذہن رسا تمام گوشوں کا اتنی تیزی کے ساتھ احاطہ کرتا تھا کہ ماہرین قانون بھی آپ کی اس مہارت پر حیران رہ جاتے تھے۔

ممالک عالم کے قوانین ودساتیر پر ان کی نگاہ تھی

اسلامی قانون اور آئین ہند کے علاوہ دنیا کے اکثر بڑے ملکوں کے قوانین اور وہاں کے آئینی نظام سے آپ پوری واقفیت رکھتے تھے، اور ان پر بصیرت کے ساتھ نقد فرماتے تھے، آپ کے تمام ہی رفقاء اور متعلقین کو آپ کی اس صلاحیت کا اعتراف تھا، مولانا شاہ سید حسن آرزو صاحبؒ[1] بھی آپ کے مخصوص لوگوں میں تھے، سفر وحضر میں کئی جگہ ساتھ رہنے اور آپ کی باتیں سننے کا ان کو موقعہ ملا تھا، انہوں نے اپنے تجربات ومشاہدات ایک مضمون کی صورت میں مرتب کر دیئے تھے، اور وہ حیات سجاد میں شائع ہوا، اس میں ایک جگہ انہوں نے ایک مجلس مصالحت کا ذکر کیا ہے، جو آپ کے اور بیرسٹر شفیع داؤدی صاحب[2] کے درمیان اختلافات کی خلیج کو ختم کرنے کی غرض سے ڈاکٹر سید عبدالحفیظ فردوسی صاحب کی کوششوں سے منعقد ہوئی تھی، اس مجلس کی روئیداد بیان کرتے ہوئے آرزو صاحب لکھتے

۱- جناب سید شاہ حسن آرزو صاحب پٹنہ میں خدا بخش لائبریری سے متصل گورنمنٹ اردو لائبریری میں اسسٹنٹ لائبریرین تھے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے خاص متعلقین میں تھے، ان کے تفصیلی حالات کا علم نہ ہوسکا۔

۲- یہ حضرت مولانا سجادؒ کے سیاسی حریف تھے اس لئے ان کے حالات سیاسی حصہ میں ملاحظہ فرمائیں، اس لئے کہ وہیں ان کا ذکر زیادہ آیا ہے۔

ہیں کہ:

''ان کے درمیان ابتدائی گفتگو شروع ہوئی، جس کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ ساری رات ختم ہوگئی، اور صبح کی نماز کے بعد مجمع منتشر ہوسکا پھر بھی بات ناتمام رہی، مولانا شفیع داؤدی صاحب کا پروگرام لاہور جانے کا تھا اسی سلسلہ میں ممالک عالم کے سیاسی اور نظامی دستورات پر گفتگو نکل پڑی، مولانا شفیع داؤدی بول رہے تھے کہ مولانا نے ٹوکا اور اس کے بعد جوانہوں نے بیان کرنا شروع کیا کہ انگلینڈ کا دستور حکومت یہ ہے، فرانس کا یہ ہے، جرمنی کا یہ ہے، اٹلی کا یہ ہے، روس کا یہ ہے، امریکہ کا یہ ہے، آئرلینڈ کا یہ ہے، ٹرکی وایران کا یہ ہے تو سارا مجمع حیرت واستعجاب سے مولانا کو تک رہا تھا، اور وہ نہایت جوش کے ساتھ کانسٹی ٹیشن بیان کرتے چلے جارہے تھے، بالآخر مولانا شفیع داؤدی کو یہ تسلیم ہی کرنا پڑا کہ مولانا نہ صرف مذہبی عالم متبحر ہیں، بلکہ دنیا کی سیاست اور اس کے دستور ونظام حکومت کے بھی عالم متبحر ہیں۔''[1]

بڑے بڑے ماہرین قانون انگشت بدنداں رہ جاتے تھے

قریب ۱۹۳۲ء کا ذکر ہے، ہندو مسلم یونٹی بورڈ کی متعدد کانفرنسیں لکھنؤ اور الہ آباد میں ہوئیں، جن کی قیادت کرنے والوں میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ بھی شامل تھے، مولانا مسعود عالم ندویؒ ان دنوں لکھنؤ میں مقیم تھے، وہ لکھنؤ پروگرام کا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان فرماتے ہیں کہ:

'' کہنے کو تو جمعیۃ علماء ہند کی پوری مجلس انتظامی شریک ہوتی تھی لیکن دماغ ایک تھا اور سب جسم محض کی حیثیت رکھتے تھے، مولانا لکھواتے، نوٹ کراتے، بتاتے اور ایک انگریزی داں (بلال احمد صاحب زبیری سابق مدیر الجمعیۃ) بورڈ کے سامنے ان کی ترجمانی کرتا، اور ساری مجلس عاملہ حاضرین کا منہ دیکھا کرتی، یونیٹی بورڈ کے مشورے لکھنؤ میں دوسری مرتبہ مسلسل تین روز تک ہوتے رہے، سارا اسلامی ہند کا عطر کھینچ کر آ گیا تھا، قابل ذکر شخصیتوں میں صرف علامہ اقبال مرحوم نہیں تھے، خالص قانونی موشگافیوں سے لیکر ٹھیٹھ فقہی مسئلے بھی بساط بحث پر آجاتے، پورے مجمع پر دو شخصیتیں سب پر بھاری تھیں، ایک ظاہری طور پر باوقار اور وجیہ صدر کی بغل میں کرسی نشیں ہوتا، اور دائیں بائیں اس کے دو وزیر (ڈاکٹر سید محمود اور مسٹر آصف علی) اپنی جگہ لیتے، میرا اشارہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف ہے، اور دوسرا ظاہری طور پر خستہ حال ایک کنارے معمولی لباس میں کاغذوں کا ایک بستہ لئے ہوئے لکھنے لکھانے میں منہمک ہوتا میری مراد مولانا مرحوم سے ہے، مولانا ابوالکلام صرف ہدایات دیتے، آصف علی صاحب مسودہ تیار کرتے، اور ہمارے مولانا سب

۱- حیات سجادص ۹۷، ۹۸ مضمون مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحبؒ۔

کچھ خود ہی کرتے، البتہ زبان کی لکنت کے باعث اپنا ترجمان ہلال احمد زبیری صاحب کو بناتے ۔ بڑے بڑے شیریں مقال بیرسٹر اور لیڈران دونوں بزرگوں کی طرف دیکھتے، ان کی نکتہ آفرینیاں سنتے اور انگشت بدنداں رہ جاتے۔"[1]

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے انہی کانفرنسوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"بعض سیاسی مبصرین نے خود مجھ سے کہا، کہ یہ شخص جب بات کرنا شروع کرتا ہے، تو لکنت اور عجز گفتگو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ خواہ مخواہ ایسے اہم مسائل میں کیوں دخل دیتا ہے، لیکن جب بات پوری کر لیتا ہے، تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے، کہ اس شخص کا دماغ معاملات کی گہرائی تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے، اور تہ کی بات نکال کر لے آتا ہے۔

اسی طرح مرادآباد میں جب جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، اور مولانا نے بحیثیت صدر خطبۂ صدارت سنایا، تو زمیندار، انقلاب اور دوسرے اسلامی اخبارات نے خطبۂ صدارت پر ریویو کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ" مولانا سجادؒ کی صورت اور گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ایسا شخص بھی اسلامی سیاسیات بلکہ سیاسیات حاضرہ کا اس قدر مبصر اور عمیق النظر ہو سکتا ہے، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ مولانا کا یہ خطبۂ صدارت سیاسیات اسلامی کی بہترین انسائیکلوپیڈیا ہے۔"[2]

حکومت وقت نے بارہا آپ کے طریقۂ تحقیقات کی تقلید کی

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے قانونی مشیر مولوی سید محمد مجتبےٰ صاحب ایم اے، بی ایل آرگنائزر محکمۂ دیہات سدھار بہار جو خود بڑے ماہر قانون تھے انہوں نے جن الفاظ میں مولاناؒ کے تدبر و تفکر اور قانونی صلاحیت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، وہ پڑھنے کے لائق ہیں:

"حضرت مولاناؒ نے ایک عجیب دماغ پایا تھا، وہ غایت مذہبی اور سیاسی انہماک کے ساتھ قانونی پیرایۂ عمل میں بھی بہترین قانون دانوں کے لئے رہبر خیال تھے ۔۔۔راقم الحروف تقریباً ایک سال تک مولانا کے ہمراہ بطور قانونی مشیر رہا۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مولانا نے اس حادثۂ عظیم پر جو اول مراسلہ بہار کے گورنر کے پاس بھیجا اس کا مسودہ خود تیار کیا تھا، اور اس خادم کو انگریزی ترجمہ کے لئے مرحمت فرمایا، یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس خادم کو مولانا کی

۱- محاسن سجاد ص ۱۷۔
۲- حیات سجاد ص ۱۴۹۔

تحقیق وتلاش اور فراست قانون کے حیرت انگیز قوائے عقلیہ و دماغیہ وعلمیہ کا علم ہوا۔ اور آپ یہ جان کر تعجب کریں گے کہ حکومت نے مولانا کے طریقۂ تحقیقات کی بار ہا تقلید کی، اس قسم کا ایک مشہور واقعہ تصویر کشی کا ہے، مولاناؒ نے قانونی ضرورتوں کے لئے تمام مقامات متعلقہ کے فوٹو تیار کرائے، ایک فوٹو گرافر باضابطہ مقرر کیا گیا، پولیس کے افسران حیرت سے پوچھتے کہ اس میں کیا غرض پنہاں تھی؟ بالآخر پولیس نے بھی فوٹو لینے شروع کئے۔ اس مقدمہ میں زیادہ کامیابی فوٹو کی وجہ سے ہوئی۔

وائسرائے کی حکومت نے حج بل کے جو مسودات پیش کئے مولانا نے ان کی قانونی خامیوں کا پردہ فاش کیا اور پورے ملک کا دورہ کر کے تمام مسلم اداروں اور شخصیات کو اس سے باخبر کیا۔ ہزاروں آنکھوں نے اگر کسی عالم کو ان سیاسی زعمائے ملت کے دوش بدوش ہی نہیں بلکہ اکثر مواقع پر بہترین مشیر اور رہبر دیکھا تو وہ مولانا سجاد ہی کی ذات تھی۔

دنیا یہ جانتی ہے کہ مسلم کانفرنس نے کچھ اصولی مطالبات حقوق کے متعلق بنائے، لیکن یہ راز اب تک سربستہ ہے، کہ "حقوق مسلم" کی تعریف کس نے بتائی؟ اس کی حد بندیاں کس نے کیں؟ اور کس طرح وہ مخصوص حقوق تجویز کی شکل میں فرداً فرداً شمار کر کے دنیا کے سامنے پیش کئے گئے؟ مسلم کانفرنس کی مجلس مضامین میں مولانا مرحوم نے وہ تجویز جو حقوق مسلمین کو محدود ومتعین کرتی ہے کافی بحث وتمحیص کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کی استدعا پر قلمبند کر کے دی اور مؤخر الذکر بزرگ نے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔"[1]

ماہرین قانون نے بھی لوہا مانا

ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم اے پی ایچ ڈی سابق وزیر تعلیم صوبۂ بہار اپنا ذاتی تجربہ ومشاہدہ تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا عام علماء کی طرح محض ایک صاحب درس عالم نہیں تھے، تدبر اور ملکی مسئلوں کے فہم وگرفت میں وہ کسی بڑے سے بڑے سیاسی مدبر سے کم نہیں تھے، اور تو اور، خالص قانونی اور دستوری موشگافیوں میں بھی ان کا دماغ اس طرح کام کرتا تھا، جیسے کسی معمولی فقہی مسئلے کو سلجھانے میں، مجھے وقف بل کے سلسلہ میں ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہے، کہ بعض دفعات میں جہاں الجھاؤ پیدا ہوا ہے، اور سلیکٹ کمیٹی کے سرکاری وغیر سرکاری ممبر ہار مان چکے ہیں، مولانا کے قانونی دماغ نے مسئلہ کے سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی، اور جہاں کسی تجویز یا ترمیم کی

۱۔ محاسن سجاد ص ۸۵ تا ۹۲۔

پیچیدگیاں پیش کی گئیں ان کے ناخن تدبیر نے الجھی ہوئی گتھیاں فوراً سلجھا دیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دماغ اس کے لئے دیر سے تیار ہے ۔"[۱]

آئین پڑھنے والوں سے زیادہ وہ آئین جانتے تھے

ایک اور عینی شہادت بیرسٹر محمد یونس صاحب سابق وزیراعظم حکومت بہار کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا مرحوم کے ساتھ قومی، سیاسی، دستوری اور آئینی ہر طرح کے کام کرنے کا مجھ کو شرف حاصل رہا، اور مولاناؒ کے ذہن رسا کے متعلق مجھ کو عملاً ہر قسم کے معاملہ میں اس کے اندازہ کرنے کا موقعہ ملا ہے، کہ وہ کس طرح معاملہ کی روح اور اس کی سیاست کو سمجھ جاتے تھے، اور اگر سیاسی اور آئینی معاملہ کے متعلق یہ کہوں کہ مولانا مرحوم کی شخصیت باوجود اس کے کہ موجودہ سیاسی لٹریچر کی زبان سے وہ ناآشنا تھے، اور آئین ہند کے دفاتر واسفار کے مطالعہ سے وہ بالکل دور تھے) وہ اس قدر قریب سے اس کو دیکھتے تھے کہ اس کے جوار کار بننے والا ششدر ہو جاتا تھا تو میری یہ شہادت قیاس وتخمین نہیں ہوگی، بلکہ عملی تجربہ ہوگا جس کی بنیاد واقعات پر ہوگی اور ایسے واقعات پر ہوگی، جن کے دامن میں میری سعی بھی تھی، اور اس کے انصرام میں میری ناچیز جدوجہد کو بھی دخل تھا۔"[۲]

شاہ محمد عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے قوانین کی ایک ایک دفعہ مولاناؒ کو یاد تھی۔ مجھ سے پٹنہ کے بعض وکلا نے کہا (جن میں مسٹر یونس بھی تھے) کہ مولانا انگریزی ایک حرف نہیں جانتے تھے لیکن سیاست اور صوبائی اور مرکزی حکومت کے قوانین کو جس قدر سمجھتے تھے وہ ہم (وکلاء) نہیں سمجھتے تھے، مسٹر یونس نے تو مجھ سے یہ بھی کہا کہ ان کے پاس بعض موکلوں کے مقدمات ایسے تھے کہ بظاہر قانون ان کے خلاف تھا کوئی دفعہ پیروی کی حمایت میں نہیں مل رہی تھی۔ مولانا سے ذکر آیا تو دفعات کی ایسی تاویل پیش کی کہ ہائی کورٹ میں مقدمہ اس تاویل کو پیش کر کے جیت لیا گیا۔"[۳]

قانونی وسیاسی مشکلات حل کرنا ان کی چٹکیوں کا کھیل تھا

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تدبر قرآن لکھتے ہیں:

۱-محاسن سجاد ص ۵۴ تا ۴۷۔
۲-حیات سجاد ص ۷۸ مضمون جناب یونس صاحب۔
۳-ٹوٹے ہوئے تارے ص ۱۰۲

''میں ہمیشہ سنا کرتا تھا کہ مولانا جمعیۃ علماء کے دماغ ہیں، قانونی وسیاسی مشکلات کے سمجھنے اور حل کرنے کی غیر معمولی قابلیت رکھتے ہیں، اسکیمیں بنانے، ان کے چلانے، ان کے لئے مختلف الخیال اور مختلف المشرب جماعتوں کو منظم کرنے کا ان میں خداداد سلیقہ ہے۔ وہ جس چیز پر سوچتے تھے اس کی ابتدا، اس کا وسط اور اس کی انتہا سب ٹٹول لیتے تھے، اور اس کے چاروں گوشے سے اس پر گھیرے ڈالتے تھے، وہ مسئلہ کو تشکک نہیں چھوڑتے اور اندھیرے میں تیر تکے چلانے کے عادی نہیں تھے۔''[1]

فکر وعمل اور تدبیر وسیاست کی جامع شخصیت

آپ کے شاگرد رشید مولانا اصغر حسین صاحب بہاری سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ رقمطراز ہیں:

''حضرت مفکر اعظمؒ فکر وعمل کے ساتھ تدبیر کے بھی مالک تھے، اپنے تدبر وعمق نگاہی سے انجام کو بھانپ لیتے تھے، اور جو پرزہ جہاں کام دے سکتا تھا وہیں اس سے کام لینے کی سعی فرماتے تھے۔''[2]

ہندوستان کے طبقۂ علماء میں واحد شخص

آپ کے موافقین ومخالفین دونوں آپ کی قانونی بصیرت اور آئینی میدان میں آپ کے امتیازی تفوق کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ معروف سیرت نگار مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ صاحب نے حضرت مولانا سجادؒ کی وفات پر اپنے تعزیتی خطاب میں فرمایا کہ:

''ان کی ایک خوبی ایسی تھی جو کسی عالم میں نہیں تھی وہ یہ کہ ہندوستان کے کسی قانون ساز ادارہ میں کوئی ایسا مسودہ قانون پیش ہوتا، جو اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہوتا تو اس کی وہ خبر رکھتے تھے اور فوراً اس کے خلاف آواز اٹھاتے تھے اور محرک مسودہ قانون کو مسلم ارکان اسمبلی کو اور علماء ہند کے نام خطوط لکھتے تھے۔''[3]

آپ کے مشہور ناقد جناب راغب احسن صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا سجادؒ ہندوستان کے طبقۂ علماء میں واحد شخص تھے، جس نے ملکی دستور وقانون، مجالس

۱۔ محاسن سجادؒ ص ۵۱ تا ۵۳۔

۲۔ محاسن سجاد ص ۲۶۔

۳۔ ٹوٹے ہوئے تارے ص ۱۰۲ مصنفہ شاہ محمد عثمانی۔

آئین ساز، نیابتی اور انتخابی ادارات اور جمہوریت مغرب کے مسائل کا عملی مطالعہ کیا تھا، اور جنہوں نے ان کو اپنے آئیڈیل اور مقصد اصلی کو حاصل کرنے کے لئے بطور آلہ کار استعمال کرنے کی کوشش کی۔"[۱]

قانونی ژرف نگاہی کی چند عملی مثالیں

حضرت مولانا سجادؒ کی آئینی صلاحیت اور حاضر دماغی کی چند عملی مثالیں پیش کی جارہی ہیں، جن کا ذکر آپ کے متعدد تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، مثلاً:

مجوزہ مسلم وقف بل کی ترتیب

☆ مجوزہ مسلم وقف بل پر غور کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل کی گئی تھی، جس میں حضرت مولاناؒ بھی شامل تھے، ایک دفعہ اس منتخب کمیٹی میں ایک اصول مقرر ہوا، الفاظ پٹنہ ہائی کورٹ کے مشہور وکیل مولوی حسن جان صاحب کے تھے، لیکن ایڈوکیٹ جنرل نے اس پر قانونی حیثیت سے اعتراض کیا، پھر اسی اصول کی ترتیب مسٹر محمد یونس بیرسٹر پٹنہ نے کی، ایڈوکیٹ جنرل نے قانونی مجبوریوں کی بنا پر اسے بھی نامنظور کیا، اخیر میں مولانا نے اسے خود مرتب کیا، اردو داں ہونے کے سبب سے ایڈوکیٹ جنرل نے اسے خود اور بلا تامل منظور کرلیا۔[۲]

مسودۂ قانون جہیز بل سے مسلمانوں کا استثنا

☆ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ایک غیر سرکاری مسودۂ قانون جہیز بل (ڈاوری بل) کے نام سے پیش ہوا، مولانا کی دور بیں نگاہوں نے اس کے مضر اثرات کا فوراً اندازہ کرلیا، اور یہ مولانا ہی کی محنتوں کا نتیجہ تھا، کہ اس بل سے مسلمان بری کردیئے گئے۔[۳]

جداگانہ معاشرتوں کے لئے جداگانہ قوانین

☆ مولانا کا عقیدہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کی دو جداگانہ معاشرتیں ہیں، اس لئے ان کی اصلاح بھی جداگانہ قوانین کے ذریعہ ہونی چاہئے، مولاناؒ اس بات کے لئے برابر کوشاں رہے کہ یہ اصول

۱- محاسن سجاد ص ۱۱۲ مضمون جناب راغب حسن صاحب۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۷۲ تا ۱۷۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

۳- محاسن سجاد ص ۱۷۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

اسمبلی میں رواج پا جائے۔ [۱]

☆ مولاناؒ کا یہ بھی خیال تھا کہ اصولاً ایک فرقہ کے معاشرتی قانون میں دوسرے فرقہ کے رکن کو ووٹ دینے کا بھی حق نہ ہونا چاہئے۔ [۲]

نمائندہ اسمبلی والی تجویز میں ترمیمات

☆ نمائندہ اسمبلی والی تجویز جب پیش ہوئی، تو مولانا کے حکم سے پارٹی کی طرف سے دو ترمیمیں پیش کی گئیں:

(۱) نمائندہ اسمبلی کے نمایندے جداگانہ مذہبی حلقوں سے منتخب ہوں

(۲) نمایندہ اسمبلی میں کثرت رائے پر فیصلہ نہ ہو بلکہ باہمی رضامندی شرط قرار دی جائے۔

ان ترمیموں کی معقولیت ظاہر ہے پھر بھی ان پر کئی دنوں تک مباحثے ہوتے رہے، (حالات ناموافق دیکھ کر) میں نے اپنی ذاتی رائے ترمیمیں واپس لے لینے کے حق میں دی، لیکن مولاناؒ کو ان ترمیموں پر برابر اصرار رہا۔ یہ تجویز تمام کانگریسی صوبوں میں پیش کی گئی، لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بہار کے علاوہ تمام صوبوں میں یہ تجویز من وعن منظور ہوگئی، صرف سندھ کے ہندو ممبران اپنے نقطۂ نگاہ سے ایک ترمیم منظور کرا سکے۔ [۳]

زراعتی انکم ٹیکس قانون سے اوقاف کا استثنا

☆ بہار اسمبلی میں کانگریس کی طرف سے زراعتی آمدنی پر ٹیکس کا مسودۂ قانون پیش ہوا، مولاناؒ کو شبہ ہوا کہ کہیں اس قانون کے تحت میں اوقاف نہ آ جائیں، چنانچہ انہوں نے پورا مسودہ پڑھوا کر سنا، سننے پر مولانا کا خدشہ صحیح نکلا، ابتداء مولانا کی یہ کوشش رہی کہ ارباب حکومت سے مل کر اس مسئلہ کو باہمی طور پر طے کر لیا جائے، لیکن جب وہ اس پر راضی نظر نہ آئے، تو مولانا کو اخبارات میں بیانات اور اور پھر سول نافرمانی کی دھمکی دینا پڑی، اسی دوران مولانا ابوالکلام آزاد مسئلہ کو سلجھانے کے لئے پٹنہ تشریف لائے، اور ان کے مشورہ سے حکومت بہار نے حضرت مولاناؒ کی ترمیم منظور کر لی، اور زراعتی آمدنی پر ٹیکس کا قانون اوقاف پر عائد نہ ہوسکا۔ [۴]

۱۔ محاسن سجاد ص ۱۷۲ تا ۱۷۶ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

۲۔ محاسن سجاد ص ۱۷۲ تا ۱۷۶ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

۳۔ محاسن سجاد ص ۱۷۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

۴۔ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے اس بل کو مذہب میں مداخلت قرار دیا، آپ کا قانونی تبصرہ آپ کی کتاب ''قانونی مسودے'' میں موجود ہے، دیکھئے ص ۴۶ تا ۵۴۔

☆ انکم ٹیکس کے قانون میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مولانا نے پارٹی کی طرف سے مسلم وقف بل، لوکل باڈیز (ڈسٹرکٹ بورڈوں سے متعلق) بل، اور میونسپلٹی کا ترمیمی مسودۂ قانون مرتب کیا۔[1]

مذہبی تعلیم کا حق

☆ صوبۂ بہار میں کانگریس نے جب ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کا منصوبہ بنایا تو مولانا نے اس میں مسلم بچوں کی مذہبی تعلیم کے لزوم کی اسکیم پیش کی، سب سے پہلے ۲۵ رشعبان المعظم ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین کو خط لکھا جو واردھا تعلیمی کمیٹی کے صدر تھے:

> ''ابتدائی اور جبری تعلیم کا جو خاکہ آپ کو تیار کرنا ہے اس میں ابتدا ہی سے مذہبی تعلیم کے لئے کافی گھنٹے رکھنے چاہئیں، امید ہے کہ اس پر آپ کی نظر ہوگی، لیکن بطور یاددہانی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں، کمیٹی کو یہ بھی بتادینا چاہیئے کہ اگر ایسا نہ ہوگا تو مسلمانوں میں بےچینی ہو جائے گی۔''

پھر رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ میں وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود سے آپ نے اس مسئلہ پر زبانی گفتگو فرمائی، اس طرح حضرت مولاناؒ کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم نے ابتدائی تعلیم میں مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کے حق کو تسلیم کرلیا۔[2] وزیر موصوف نے ۱۹ر فروری ۱۹۳۹ء کو دیہات سدھار جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت کے کہنے پر میں نے تعلیم گاہوں میں مذہبی تعلیم کو اصولاً منظور کرلیا ہے۔''[3]

قانونی خدمات کی داد کوئی ماہر قانون ہی دے سکتا ہے

غرض صوبجاتی اور مرکزی اسمبلی میں حج بل، معلم بل اور مسودۂ قانون انفساخ نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں جو خدمات حضرت مولاناؒ نے انجام دی ہیں ان کی داد کوئی ماہر قانون ہی دے سکتا ہے۔[4]

۱- محاسن سجاد ص ۱۷۴ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔
۲- حیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنیؒ۔
۳- تاریخ امارت ص ۱۶۳ ☆ امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۱۵، ۲۱۶۔
۴- محاسن سجاد ص ۱۷۲ تا ۱۷۶ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

انتخابی سیاست میں شرکت اور پارٹی کا قیام

☆ انتخابی سیاست میں حضرت مولاناؒ کی حصہ داری کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کے لئے آئینی حقوق کی حصولیابی کا راستہ آسان ہو، اور رفتہ رفتہ مرکزی و صوبائی مجالس قانون ساز سے ایسے قوانین مرتب کرائے جائیں جو صحیح اسلامی اصول پر مرتب کئے گئے ہوں، اور جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو، یہ بھی مولاناؒ کے آئینی دماغ کا حصہ تھا۔ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"قانون کی سمجھ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی صحیح عطا فرمائی تھی، کہ وہ قانون کو خوب سمجھتے تھے، انڈیپنڈنٹ پارٹی کا قیام اسی آئین شناسی کا نتیجہ تھا انہوں نے قانون کو سمجھ کر بروقت پارٹی کی تشکیل کی اور الیکشن میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔"[۱]

متبادل آئین ہند کی ترتیب

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کا بیان ہے کہ:

"جس زمانہ میں کانگریس نے اپنا فارمولا پیش کر کے یہ اعلان کیا تھا کہ اس کے علاوہ دوسری جماعتیں اگر اس سے بہتر نعم البدل پیش کر سکتی ہیں، تو وہ مرتب کر کے ہمارے پاس بھیج دیں تا کہ غور و خوض کے وقت وہ بھی زیر بحث آئے، تو اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء نے جو بہترین فارمولا تیار کر کے شائع کیا اس کی ترتیب میں مولانائے موصوف کی دماغی کاوش کا بہت بڑا دخل ہے۔"[۲]

یہ دراصل آزاد ہندوستان کا مجوزہ دستور اساسی تھا جو جمعیۃ علماء ہند کے فارمولہ کے نام سے ۳/اگست ۱۹۳۱ء (۱۸/ربیع الاول ۱۳۵۰ھ) کی مجلس عاملہ کے اجلاس سہارن پور میں پیش کیا گیا تھا، اس میں ملک کے تمام شہریوں کے لئے انسانی حقوق کے علاوہ مکمل مذہبی آزادی اور مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔[۳]

مسودۂ قانون انفساخ نکاح

☆ مظلوم عورتوں کی گلوخلاصی کے لئے باضابطہ قانون سازی کی غرض سے ایک مسودۂ قانون فسخ نکاح "اسمبلی میں پیش کیا گیا، جس کو مولوی غلام بھیک نیرنگ اور جناب محمد احمد کاظمی وغیرہ ممبران اسمبلی نے تیار کیا تھا، جب یہ مسودہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کے سامنے آیا تو مولانا کی بصیرت اور قانونی

۱-حیات سجاد ص ۱۰۹ مضمون سحبان الہندؒ۔

۲-حیات سجاد ص ۱۵۰ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ۔

۳-مولانا ابوالمحاسن سجاد-حیات و خدمات ص ۲۹۷ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمیؒ۔

دماغ نے اس کی کئی بنیادی خامیوں کو محسوس کیا، اور فقہی اور قانونی دونوں لحاظ سے پوری تفصیل کے ساتھ آپ نے اس پر تبصرہ فرمایا، اور اس میں ترمیم واصلاح پر زور دیا، بعض دوسرے اہل قلم سے بھی مضامین لکھوائے ، یہ مضامین نقیب اور جریدۂ امارت میں مسلسل شائع ہوئے ،لیکن جب کسی نے جامع اور مفید مقصد مسودۂ قانون پیش نہیں کیا تو آپ نے اس کا متبادل مسودۂ قانون خود مرتب فرما کر نقیب میں شائع کرایا، اور اس کی معنویت بھی تحریری طور پر واضح فرمائی۔

حضرت مولاناؒ نے جمعیۃ علماء ہند کو بھی اس جانب توجہ دلائی ، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند نے بھی ایک مسودۂ قانون انفساخ نکاح مسلم مرتب کرایا، جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ ہی کا تیار کردہ تھا، پھر ارکان اسمبلی کو یہ مسودہ پیش کرنے کی ہدایت کی گئی، لیکن یہ مسودۂ قانون جب قانون بن کر منظور ہوا تو اس میں ایسی ترمیمات کردی گئی تھیں جن کی بنا پر یہ قانون مسلمانوں کے لئے شرعاً بے معنیٰ ہو کر رہ گیا۔

مولانا کے حسب ہدایت جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ بہار دونوں جگہوں سے اس قانون کے خلاف مضامین لکھے گئے، جمعیۃ علماء کے کہنے پر ایک ممبر اسمبلی نے ترمیم کی تجویز بھی پیش کی۔[1]

مولانا کا مفصل قانونی اور فقہی تبصرہ اور متبادل ''مسودہ قانون انفساخ نکاح'' آپ کے قانونی مسودات کے مجموعہ ''قانونی مسودے'' میں شائع ہو چکا ہے، تفصیل کے لئے اس کتاب کی طرف مراجعت کی جائے ، ہم یہاں بطور نمونہ دفعہ نمبر ٦ پر آپ کے قانونی اور فقہی تفصیلی تبصرہ سے چند نکات پیش کرتے ہیں:

> ''اس دفعہ (٦) کا اسلامی نقطۂ نظر سے ایک دوسرا پہلو نہایت خطرناک یہ ہے کہ اگر یہ دفعہ آپ حضرات نے منظور کرایا یا منظور کرانے کی سعی کی ،تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسری غیر مسلم اقوام بھی، اسی قسم کا قانون بنوائیں گے ، اور آپ کو کوئی حق نہیں ہوگا کہ آپ اس کی مخالفت کریں، اور مخالفت کریں بھی تو نتیجہ معلوم ہے کہ وہ منظور ہو کر رہے گا، لہذا ہندو، اور سکھ یہ قانون بنوائیں گے کہ اگر ان کی کوئی عورت تبدیل مذہب کرلے تو وہ اپنے شوہر سے کسی حال میں علیحدہ نہیں ہوسکتی ہے، اور اسی طرح عیسائی اور پارسی بھی بنوا سکتے ہیں۔
>
> اس کا نتیجہ ظاہر کہ آج ہزاروں غیر مسلم شوہر دار عورتیں مسلمانوں میں شامل ہو رہی ہیں اس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے اب بند ہو جائے گا''
>
> (اس کے علاوہ اور بھی کئی قانونی اور ملی دشواریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے)
>
> یہ سب اعتراضات اس مفروضہ کی بنا پر ہیں کہ اسلام کا قانون یہ صحیح تسلیم کرلیا جائے ، کہ ارتداد مسلمہ موجب فسخ نکاح نہیں ہے، ورنہ یہ مسئلہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، ائمۂ اربعہ

---

[1] حیات سجاد ص ۱۴۴ مضمون مولانا محمد عثمان غنیؒ۔

بلکہ ائمۂ مسلمین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ’’ارتداد مسلمہ موجب فسخ نکاح ہے اگر وہ بعد تفہیم ارتداد پر قائم رہے فقہ حنفی میں ظاہر الروایۃ یہی ہے، محققین فقہائے حنفیہ کا فتویٰ یہی ہے بلا شبہ متأخرین علماء بلخیین نے اسلامی حکومت کے اضمحلال کے زمانہ میں اس قسم کے فتاوی دئیے ہیں مگر ان مفتیوں نے یہ بھی لکھدیا ہے کہ یہ فتویٰ محض اس لئے ہے کہ جو عورتیں ارتداد کو حیلۂ فسخ نکاح بناتی ہیں، اس کا انسداد ہو چوں کہ عورت کا حبس حکومت کے اضمحلال کی وجہ سے ناقابل عمل ہو چکا تھا لیکن عدالتیں اسلامی تھیں، وہ اس فتویٰ کے احترام کی وجہ سے فسخ نکاح کا حکم نہیں دے سکتی تھیں، اس لئے عورتوں کا یہ حیلہ وہاں کارگر نہیں ہوسکتا تھا علاوہ بریں ہندوستان جیسی وہاں مشکلات نہ تھیں، نہ یہ ماحول تھا، اس لئے یہ فتویٰ وہاں مفید ہوسکتا تھا جو محض رعایت مصلحت پر مبنی تھا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ علماء اگر عورتوں کو فسخ نکاح کے وہ تمام حقوق دے دیتے جو شریعت اسلامیہ نے دئیے ہیں تو ارتداد کا حیلہ خود بخود ختم ہوجاتا علاوہ ازیں یہ فتویٰ اس حیثیت سے بھی وہاں مفید ہوسکتا تھا کہ جب عورتیں مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہو کر دوسرے مسلمان مرد سے عقد کرنا چاہتیں تو کوئی مرد اس فتویٰ کے بعد اس سے عقد نہیں کرسکتا تھا. کیونکہ ان کو فتویٰ دیا گیا تھا کہ وہ عورت اپنے پہلے شوہر کی بیوی ہے، اور اس وجہ سے عورت جب اپنے مقصد یعنی عقد ثانی میں ناکام ہوتی تو پھر اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوسکتی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ زوج سے جدائی کے لئے وہ ارتداد کے طریقہ کو چھوڑنے پر مجبور تھی، مگر ہندوستان کی یہ حالت نہیں ہے، یہاں مردوں میں تقویٰ و تدین کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، یہاں یہ فتویٰ کسی حال میں عموماً موثر نہیں ہوسکتا ہے۔

الغرض محض ایک مصلحت کو مدنظر رکھ کر عدم فسخ نکاح کا فتویٰ اگرچہ بلخیوں نے دیا تھا، مگر اسی کے ساتھ مخالطت کو حرام قرار دیا تھا، گویا عورت کو حکومت کے محبس میں رکھنے کے بجائے ایک شخص کے گھر میں اس طرح محبوس کیا جانا تجویز کیا گیا تھا جو اس دور میں ایک حد تک مفید تصور کیا جا سکتا تھا، نہ یہ کہ حقیقتاً ارتداد مسلمہ سے عند اللہ وعند الرسول بھی اس کا نکاح فسخ نکاح نہیں ہوتا ہے، اس لئے میرے نزدیک نصوص اور اقوال ائمۂ عظام و اکابر فقہائے ملت کو پیش نظر رکھ کر و نیز بر بنائے مصالح شرعیہ یہ فتویٰ اس قابل نہیں ہے، کہ اس پر عمل کیا جائے، چہ جائے کہ اس فتویٰ کی بنا پر قانون بنوایا جائے۔

(آخر میں آپ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ) اس مسودہ پر آپ حضرات اچھی طرح غور کرلیں، علماء کرام خاص کر حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہما سے بھی استصواب رائے کرلیا جائے۔‘‘[1]

---

۱ - قانونی مسودے ص ۱۵ تا ۲۵، تالیف حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، جمع و ترتیب مولانا محمد ضمان اللہ ندیم، تصحیح و تقدیم: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴۱۹ھ۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ملکی آئین کے بارے میں کتنے حساس اور باخبر تھے، ناممکن تھا کہ کوئی ایسا قانون ملک میں منظور ہو جائے جس کی زد شریعت اسلامیہ کے کسی قانون پر پڑتی ہو، اور مولاناؒ کو اس کی خبر نہ ہو یا وہ اس کی خبر نہ لیں۔

واردھا تعلیمی اسکیم کی مخالفت

☆ مولانا کانگریس کے حامی اور ہمدرد تھے لیکن اس کے اعمال اور منصوبوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے، کوئی عمل یا تجویز مسلمانوں کے مفادات کے خلاف محسوس ہوتی، فوراً اس پر تنقید فرماتے اور سخت مخالفت فرماتے تھے، چنانچہ کانگریس کی واردھا تعلیمی اسکیم کی جتنی مخالفت مولانا نے کی وہ کسی سے نہ ہوسکی، اس کی تفصیلی رپورٹ امارت شرعیہ سے شائع ہو چکی ہے، جس کو مولانا عثمان غنی صاحبؒ نے مرتب کیا تھا۔ [1]

نظریۂ اہنسا (عدم تشدد) کی مخالفت

☆ ۱۹۳۸ء میں اسی طرح کانگریس حکومت نے جو محکمۂ دیہات سدھار قائم کیا تو اس میں اہنسا (عدم تشدد) کی تعلیم داخل کی، حضرت مولانا سجادؒ نے اس کی شدید مخالفت کی، آپ نے بہار کے وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود کو خط لکھا:

> ''یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ اہنسادھرم، گاندھی جی کی تعلیمات اور ان کی سوانح عمری جو زیادہ تر ان کے مخصوص مذہبی معتقدات وتخیلات اور تلاش حق کی سرگردانیوں کی آئینہ دار ہے، ہندوؤں کے لئے دل آویز اور بصیرت افروز ہو سکتے ہیں، لیکن یہ تمام چیزیں مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، اور تمدنی بنیادوں کو کھوکھلی کرنے والی ہیں اس لئے اس قسم کی تعلیم وتربیت ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتے۔
>
> اس لئے میں پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ للہ مسلمانوں کی دماغی تربیت کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک اور خلفاء راشدین کی سوانح عمری رہنے دیجئے، اور اہنسادھرم اور گاندھی جی کی تلاش حق کی سیرگردانی مسلمان طلبہ پر مسلط کر کے غیر اسلامی تعلیم وتربیت نہ پھیلائیے۔'' [2]

۱- حیات سجادؒ ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنیؒ۔
۲- مکاتیب سجادؒ ص ۸۳، ۸۴۔

بالآخر مولانا کی کوششیں رنگ لائیں اور وزیر تعلیم نے اعلان کیا کہ:

''دیہات سدھار اسکیم پر بھی حضرت سجاد صاحب کو اعتراض ہے کہ اس کے ذریعہ گاندھی ازم کی اشاعت ہوگی، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گاندھی ازم کا ذکر ''دیہات سدھار اسکیم'' میں غلطی سے آ گیا تھا، حضرت مولانا کے توجہ دلانے پر اس کو نکال دیا گیا اور گاندھی ازم کی اشاعت ہرگز نہیں ہوگی۔ اس طرح دیہات سدھار اسکیم سے اہنسا کی تعلیم کو خارج کیا گیا۔'' [۱]

تحفظ مویشیان بل

☆ اسی طرح تحفظ مویشیان بل کے نام پر انسان کی مرضی کے کھانے پینے پر جس طرح قدغن لگائی گئی تھی، اور ذبیحۂ گاؤ کے نام پر مسلمانوں کے قتل عام کا جو پروگرام بنایا گیا تھا، حضرت مولانا سجادؒ نے بل دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا، آپ نے اس بل کی مخالفت کی اور اس کی قانونی خرابیوں کو واضح کیا، آج ملک کے جو حالات ہیں وہ سوفی صد آپ کی قانونی بصیرت اور ایمانی فراست پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔ [۲]

حقوق مسلم (مسلم پرسنل لاء) کی تعریف اور مطالبات

مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب آرگنائزر محکمہ دیہات سدھار لکھتے ہیں:

''دنیا یہ جانتی ہے کہ مسلم کانفرنس نے کچھ اصولی مطالبات حقوق کے متعلق بنائے لیکن یہ راز اب تک سربستہ ہے کہ حقوق مسلم کی تعریف کس نے بتائی اس کی حد بندیاں کس نے کیں؟ اور کس طرح وہ مخصوص حقوق تجویز کی شکل میں فرداً فرداً شمار کرکے دنیا کے سامنے پیش کئے گئے؟ مسلم کانفرنس کی مجلس مضامین میں مولانا مرحوم نے وہ تجویز جو حقوق مسلمین کو محدود و متعین کرتی ہے کافی بحث وتمحیص کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کی استدعا پر قلمبند کرکے دی، اور مؤخر الذکر بزرگ نے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔ یہ محدود تجویز مسلم کانفرنس کی طرف سے سائمن کمیشن کے سامنے پیش ہوئی، اور پھر کچھ دنوں کے بعد دوسری گول میز میں پیش کی گئی، اور نئے قالب میں مسٹر محمد علی جناح کے چودہ (۱۴) پوائنٹ میں آ گئی، اس میں مولانا نے اقلیت کے مسائل خصوصاً مسلمانوں کے پرسنل لاء کے متعلق قوانین سازی کے متعلق یہ اصول وضع کیا کہ جب تک مسلم نمائندگان کی اکثریت کسی بل پر متفق نہ ہو، وہ قانون نہ بن سکے۔ ہمارے مطالبات آج بھی

۱- حیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنیؒ ☆ امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۱۸۔
۲- دیکھئے: قانونی مسودے ص ۵۵ تا ۶۳۔

اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔" [۱]

تحریک تبرا کے موقعہ پر یوپی حکومت کی قانونی گرفت

لکھنؤ میں (۱۹۳۸ء میں) اہل تشیع کی جانب سے جب تبرائی فتنہ شروع ہوا، جس سے اہل سنت مسلمانوں میں ایک اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی، یوپی حکومت نے اس فتنہ کوفرو کرنے کے لئے دفعہ ۱۴۴ اور دفعہ ۱۰۷ کے تحت کاروائی شروع کی، حضرت مولانا سجادؒ نے اس موقعہ پر ایک مختصر مضمون شائع کرایا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ حضرت مولانا کی نگاہ قانون پر کتنی گہری تھی:

> "حکومت یوپی کی سہل انگاری پر عقل و دانش کی دنیا متحیر اور انگشت بدنداں ہے کہ وہ تبرائی فتنہ پروروں کو بھی دفعہ ۱۴۴ یا دفعہ ۱۰۷ ضابطۂ فوجداری کے ماتحت معمولی سزا دلوا رہی ہے، حالانکہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ (الف) کے اور ۲۹۸ کے ماتحت بھی ان کو سخت سزائیں دینی چاہئے، بلکہ وہ اس عظیم فتنہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کرنے کے لئے تبرائیوں کے خلاف ایک سخت آرڈیننس بھی جاری کرسکتی ہے، اگر قانون حکومت ہند میں قیام امن کی خاطر گورنروں کو آرڈیننس کے اختیارات دیئے گئے ہیں تو اس کا استعمال اس وقت کیوں نہیں کیا جاتا، کیا آرڈیننس کے اختیارات صرف ملک کی آزادی کا گلا گھونٹنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔" [۲]

اسی مضمون میں مولانا نے جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام اور عام مسلمانوں کو بھی اس فتنہ کے مضرات کی طرف متوجہ کیا اور اس کے خلاف تحریک چلانے کی دعوت دی، چنانچہ اسی کے نتیجے میں مدح صحابہ ایجی ٹیشن شروع ہوا، جس کی قیادت حضرت مولانا محمد سجادؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے فرمائی۔

یہ حضرت مولاناؒ کی قانونی بصیرت کے چند نمونے ہیں، ورنہ ایسی مثالیں تلاش کی جائیں تو اور بھی مل جائیں گی۔

۱- محاسن سجاد ص ۸۸ مضمون مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب۔
۲- مقالات سجاد ص ۱۲۳

(۷)

ساتواں باب

علمی خدمات

فصل اول

تدریسی خدمات

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی علمی خدمات کا سب سے اہم ترین باب زندگی کا وہ حصہ ہے جو مدارس میں طلبہ کی تعلیم و تدریس میں گذرا، اور یہ حصہ آپ کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی دورانیہ میں آپ کے علم میں پختگی اور مطالعہ میں وسعت پیدا ہوئی، مختلف سوالات وجوابات کے تجربات ہوئے، نئے حالات و مسائل سے آگاہی ہوئی، یہیں سے آپ کو کام کرنے والے افراد کی ٹیم میسر ہوئی، ملک کے علماء و اعیان سے آپ کے روابط قائم ہوئے، عوام میں آپ کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کا تعارف ہوا اور عوامی اعتماد کی راہ ہموار ہوئی، لکھنے پڑھنے کے مواقع حاصل ہوئے، جن سے آپ کے علمی ذخائر وجود میں آئے، غرض آپ کی علمی، فکری، ملی اور سیاسی شخصیت کی تعمیر میں مدارس میں گذرے ہوئے لمحات کا بڑا حصہ ہے، اور کسی بھی عالم دین کے لئے علمی و ملی سیادت کے مقام تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر اور معتبر راستہ کوئی نہیں ہے۔

ایک بڑی غلطی

لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب شخصیت بڑی ہوجاتی ہے، اور اس کا حلقۂ اثر وسیع ہوجاتا ہے تو قافلہ میں شامل ہونے والے نئے شہسوار پرانے خون کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور شخصیت جہاں سے بن کر آتی ہے اسی کو فراموش کر دیا جاتا ہے، حضرت مولانا سجادؒ کے ساتھ بھی یہی ہوا، ان کی ساٹھ سالہ زندگی کا بڑا عرصہ مدارس میں گذرا ہے، وہ خالص علمی اور درسی آدمی تھے، ان کو پڑھنے پڑھانے میں جو لذت ملتی تھی وہ کہیں میسر نہ تھی، مدرسہ ہی میں انہوں نے پڑھا، یہیں کی چٹائیوں پر ان کی شخصیت تیار ہوئی، یہیں سے پڑھے ہوئے طلبہ نے ہر میدان میں ان کی جانشینی کی، لیکن ان کی بیس بائیس سالہ ملی وسیاسی زندگی کو جس قدر اہمیت دی گئی، اور لکھنے والوں نے جس تفصیل اور تسلسل سے اس پر روشنی ڈالی کہ تاریخ کی نگاہ میں یہی زندگی ان کی اصل زندگی بن گئی، اور مدارس دینیہ میں گذرے ہوئے لمحات تاریکی میں چلے گئے، جیسے وہ عہد طفولیت ہو اور یہ عہد شباب، وہ عہد ظلمت ہو اور یہ عہد نور، اور وہ دور جاہلیت ہو اور یہ دور شعور، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے ہر قسم کے شباب و نور و شعور کی پرورش و پرداخت مدارس ہی کے ماحول میں ہوئی، ہر رنگ یہیں

پیدا ہوا اور ہر بلندی تک پہنچنے کی گذر گاہ یہی تھی۔

تدریسی ادوار

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تدریسی زندگی کو تین (۳) ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

☆ تدریس بہ عہد طالب علمی زمانۂ قیام الٰہ آباد
(۱۳۱۸ھ تا ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۴ء- چار سال)

☆ تدریس بہ عہد ملازمت تدریس زمانۂ قیام بہار شریف والٰہ آباد
(۱۳۲۲ھ تا ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۰۴ء تا ۱۹۱۱ء سات (۷) سال)

☆ تدریس بہ عہد اہتمام زمانۂ قیام گیا
(۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۱ء دس (۱۰) سال)

علماء میں بہت کم ایسے خوش نصیب افراد ہیں جن کی زندگی میں یہ تینوں ادوار جمع ہوئے ہوں، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے بہت مختصر زندگی پائی لیکن ان کی زندگی کے دوسرے حصوں کی طرح ان کی تدریس میں بھی کافی تنوعات پائے جاتے ہیں۔

(دور اول)

تدریس بہ عہد طالب علمی

(۱۳۱۸ھ تا ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۴ء- چار سال)

زمانۂ طالب علمی مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ مدارس کے جس دور کی پیداوار ہیں اس دور میں ذہین طلبہ سے نیچے کے طلبہ کی تدریس کا کام لیا جانا ایک عام سی بات تھی، خود مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی اپنے عہد طالب علمی میں دو طالب علم اساتذہ (حضرت مولانا مبارک کریم صاحبؒ اور حضرت مولانا سید عبدالشکور آہ صاحبؒ) کے زیر درس رہ چکے تھے، لیکن حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے زمانۂ طالب علمی ہی سے جس تدریسی مہارت وقبولیت کا مظاہرہ کیا وہ عام بات نہیں تھی۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی تدریسی زندگی کا آغاز الٰہ آباد میں مدرسہ سبحانیہ[1] کی عہد طالب علمی سے ہوا، جس کے کچھ احوال آپ کی عہد طالب علمی کے بیان میں آچکے ہیں، اس عہد کا آنکھوں دیکھا حال آپ کے تلامذہ میں مولانا اصغر حسین صاحب بہاریؒ نے بیان کیا ہے، مولاناؒ کی

[1]- مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد کا تعارف وتذکرہ پیچھے آچکا ہے۔

تدریسی صلاحیت کا جوہر اسی زمانے میں کھلنے لگا تھا، جس شہر میں حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادیؒ، حضرت مولانا عبدالحمید جونپوریؒ، حضرت مولانا منیرالدین الہ آبادیؒ، اور استاذ القراء حضرت حافظ قاری عبدالرحمٰن مہاجر مکیؒ جیسے اساتذۂ فن موجود ہوں، وہاں ایک طالب علم کے اسلوب تدریس اور طریقۂ تفہیم کو ایسی قبولیت حاصل ہونا کہ اساتذہ کے بجائے طلبہ اپنی کتابیں اسی طالب علم سے پڑھنے کی تمنا کریں، یہ بجائے خود علمی تاریخ میں ایک عظیم واقعہ ہے، اور اس کو حضرت مولانا سجادؒ کی کرامات وخصوصیات میں شمار کیا جانا چاہئے، مولانا اصغر حسین صاحبؒ کے الفاظ میں:

''اس کشش سے ظاہر ہے کہ طلب علم ہی کے زمانہ سے آپ کی تعلیم میں مقناطیسی اثر تھا۔'' [1]

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کا داخلہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں ہوا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ پہلے ہی سال ان کی اس صلاحیت کا جوہر سامنے نہیں آیا ہوگا، اور نہ تدریس کے مواقع میسر آئے ہوں گے، مولانا اصغر حسین صاحب نے ۱۳۱۹ھ و ۱۳۲۰ھ کے واقعات لکھے ہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ کو یہ موقعہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء ہی سے مل گیا ہوگا۔

ممتاز تلامذہ

اس دور کے تلامذہ میں مولانا فرخند علی سہسرامیؒ بانی ومہتمم مدرسہ خیریہ سہسرام [2] مولانا حافظ عبدالرحمٰن بادشاہ پوری جون پوریؒ سابق مدرس اول مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، [3] اور جناب حکیم مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ساکن کڑا (گیا - موجودہ نام کار اضلع اورنگ آباد) قابل ذکر ہیں۔ [4]

۱- محاسن سجادص ۱۷۔

۲- مولانا فرخند علی سہسرامیؒ سیاسیات اور دیگر ملی وعلمی امور میں تا حیات اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد سجادؒ کے دست وبازو بنے رہے، افکار سجاد کی توسیع واشاعت میں آپ کا بڑا حصہ رہا، یوں آپ کا شمار اصلاً حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادیؒ کے ممتاز اور قابل فخر تلامذہ میں ہوتا ہے، آخری عمر میں حضرت مولانا عبدالکافی صاحبؒ اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ پر جب تک حضرت مولانا محمد سجادؒ اور حضرت مولانا فرخند علیؒ سے مشورہ نہ کر لیتے، اس وقت تک فتاویٰ جاری نہ فرماتے تھے، یہ بات خود حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے تحریر کی ہے (دیکھئے: فتاویٰ امارت شرعیہ ج اول ص ۲۹) اس سے ان کے بلند علمی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے تفصیلی حالات کا علم نہ ہوسکا۔

۳- آپ نے الہ آباد کے علاوہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں بھی حضرت مولانا سجادؒ سے درس حاصل کیا ہے، اس لئے کہ مولانا اصغر حسین صاحب نے مدرسہ اسلامیہ کے اپنے ساتھیوں میں بھی آپ کا ذکر کیا ہے (محاسن سجاد ص ۲۰) حضرت مولانا کے طریقۂ تدریس سے متاثر ہوکر بہت سے طلبہ آپ کے ہمراہ الہ آباد چھوڑ کر بہار شریف آگئے تھے، غالباً ان طلبہ میں آپ بھی تھے (محاسن سجاد ص ۱۲ مضمون مولانا ذکریا فاطمی صاحب مدیر البلاغ) غالباً مولانا اصغر حسین صاحب کے ساتھ ہی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ہوئی، آپ کا شمار ملک کے بلند پایہ علماء میں ہوا، مدرسہ امدادیہ میں آپ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین رہے (مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تاریخ کے آئینے میں ص ۲۷ مرتبہ عطاء الرحمٰن رضوی، ناشر: مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، ۲۰۰۵ء) مولانا مسعود عالم ندویؒ نے لکھا ہے کہ ''وہ قدیم طرز کے معقولی علماء میں خاص امتیازی حیثیت کے مالک تھے (محاسن سجاد ص ۲۰ حاشیہ) باقی حالات کا علم نہ ہوسکا۔

۴- محاسن سجاد ص ۱۸۔

(دورثانی)

تدریس بہ عہد ملازمت تدریس

(۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء تا ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء سات (۷) سال)

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے سند فراغت اور دستار فضلیت لے کر ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اپنے وطن واپس تشریف لے آئے، اس وقت تک الہ آباد سے آنے جانے والے طلبہ اور دیگر واردین وصادرین کے ذریعہ آپ کی علمی وتدریسی صلاحیت کی گونج آپ کے اساتذہ کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی، اور علاقہ کو ایسے علماء اور مدرسین کی ضرورت تھی۔

مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تقرر

چنانچہ مولانا حافظ حکیم سید وحید الحق صاحب (اُس وقت کے) ناظم مدرسہ اسلامیہ بہار شریف [۱] کی طلبی اور مولانا مبارک کریم صاحب مدرس اول مدرسہ اسلامیہ کے ایماء پر آپ علاقہ کی سب سے مرکزی درسگاہ ''مدرسہ اسلامیہ بہار شریف'' سے وابستہ ہوگئے۔ [۲] یہاں کے بزرگوں

۱- یہ بانی مدرسہ حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ کے علاوہ ایک دوسری شخصیت ہیں، حضرت استھانویؒ کا انتقال ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء ہی میں ہو چکا تھا، جب کہ مولانا سجاد صاحب کی فراغت ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔ مدرسہ اسلامیہ میں مولانا حکیم وحید الحق صاحب کی طلبی پر حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی تشریف آوری کا ذکر حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے کیا ہے (حیات سجاد ص ۱۰)

۲- مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کی بنیاد جامع الکمالات حضرت مولانا سید وحید الحق صاحب استھانویؒ نے رکھی اور تا حیات اس کے ناظم رہے، یہ اپنے علاقہ کا مرکزی مدرسہ تھا، دورۂ حدیث شریف تک یہاں تعلیم ہوتی تھی، بڑے بڑے علماء نے یہاں تعلیم حاصل کی، اور اکابر علماء کی خدمات اس ادارہ کو حاصل ہوئیں، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی بہت سی علمی وتحریکی سرگرمیوں کا یہ مدرسہ مرکز تھا، مولانا سجادؒ نے مدارس کے جس وفاقی ڈھانچہ کی بنیاد رکھی تھی اس کا مرکزی دفتر بھی اسی مدرسہ میں قائم کیا گیا تھا، اس کے سالانہ جلسے بڑے یادگار ہوتے تھے، اس کے جلسوں میں حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی نسبت ارضی سے بڑے بڑے اکابر اپنی تشریف آوری کو باعث سعادت تصور کرتے تھے۔

اس مدرسہ کی بنیاد کب پڑی؟ جناب سید محمد شرف صاحب موجودہ متولی بی بی صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف کا بیان ہے کہ مدرسۂ اسلامیہ کے وثیقۂ وقف پر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کی تاریخ درج ہے، اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ مدرسہ اسی سال (۱۸۹۲ء) قائم ہوا، لیکن یہ بھی امکان ہے کہ مولانا سید وحید الحق صاحب نے مدرسہ پہلے ہی قائم کیا ہو اور وقف کی یہ جائیداد بعد میں حاصل ہوئی ہو، وثیقہ کی تاریخ زمین کی رجسٹری کی تاریخ ہوتی ہے، قیام مدرسہ کی تاریخ سے اس کا زیادہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ مجھے تو قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ پہلے ہی قائم ہوا ہوگا، اس لئے کہ بانی مدرسہ مولانا سید وحید الحق صاحب استھانوی کا وصال ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوا، اس مدرسہ نے حضرت استھانویؒ کی حین حیات تعلیم وتربیت کے میدان میں جو مثالی شہرت ونیک نامی حاصل کی، وہ عام حالات میں مختصر سی (پانچ چھ سال کی) مدت میں مستبعد ہے، جیسا کہ اسی علاقے کے نامور مورخ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جن الفاظ سے مولانا سید وحید الحق استھانویؒ اور مدرسہ اسلامیہ کی انقلابی تعلیمی خدمات کا ذکر کیا ہے کہ: ''تیرھویں صدی کے شروع میں صوبہ بہار میں مولانا وحید الحق صاحب استھانویؒ بہاری کے دم قدم سے علم کو نئی رونق حاصل ہوئی، قصبۂ بہار میں انہوں نے مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور بہت سے عزیزوں کی تربیت کی، ان میں سے ایک مولانا سجاد بھی تھے۔'' (محاسن سجاد ص ۷۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مولانا استھانویؒ کی حیات میں اس مدرسہ کا تعلیمی وتدریسی سفر نصف صدی سے بھی متجاوز رہا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ مگر افسوس اب یہ مدرسہ رو بہ زوال ہے اور معمولی مکتب سے زیادہ اس کا معیار نہیں رہا۔

سے آپ کے خصوصی مراسم کے علاوہ یہ مدرسہ آپ کی مادرِعلمی بھی تھا، اس کے بانی حضرت مولانا سید وحید الحق استھانویؒ (متوفی ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء) آپ کے استاذ خاص، رشتہ کے بہنوئی اور پھر خسر محترم بھی تھے، انہوں نے بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ عہد طفلی میں آپ کی تربیت کی تھی، یہ مدرسہ ان کی یادگار تھا، اس لئے آپ پر حق بنتا تھا کہ اس مدرسہ کی خدمت کریں۔

☆ نیز یہ وطن سے قریب تھا، والد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ چکا تھا، شادی کے بعد اہل وعیال کی ذمہ داری بھی سر پر آ گئی تھی، گھر سے قریب رہ کر ان ذمہ داریوں کو حسن وخوبی انجام دینا آسان تھا، غالباً انہی وجوہات کے پیش نظر حضرت ابوالمحاسنؒ نے مدرسہ اسلامیہ میں خدمت کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا۔[1]

مدرسہ اسلامیہ کے ایک نئے دور کا آغاز

حضرت مولانا سجادؒ کے تشریف لاتے ہی مدرسہ نے ایک نئی کروٹ لی، بقول حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ:

> ''اس وقت مولاناؒ کی عمر صرف ۲۳ سال کی تھی لیکن آتے ہی مدرسہ کا رنگ بدل گیا، طلبہ کا شوق، مدرسین کی جد وجہد، اور مقامی حضرات کی توجہ اور دلچسپی ہر چیز میں اضافہ ہو گیا۔''[2]

اور آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا اصغر حسین صاحب کے الفاظ میں:

> ''مزاج کی نرمی، عفو ودرگذر کی طینت، اور طلبہ کی ہمدردی کے ساتھ جو اپنی طباعی اور انہماکی شان سے شب وروز درس وتدریس کی مہم شروع کی تو تھوڑے ہی عرصہ میں مدرسہ کے تعلیمی قالب میں نئی روح پھونک دی۔''[3]

آپ نے تعلیمی نظام کی اصلاح پر پوری توجہ دی، طلبہ پر اجتماعی اور انفرادی دونوں سطح پر محنتیں کیں، کتابوں کی تفہیم وتدریس کا وہ معیار اختیار کیا جو انہوں نے کانپور، دیوبند اور الٰہ آباد کی درسگاہوں میں دیکھا تھا، خود بھی مطالعہ کرتے اور طلبہ کو بھی محنت ومطالعہ کی عادت ڈلواتے، ان میں مشکلات کا مقابلہ کرنے کا عزم بیدار فرماتے، طریقۂ تفہیم میں ایسی شیرینی اور سحر کاری تھی کہ طلبہ آپ کے دلدادہ ہو جاتے تھے، اس طرح آپ کی توجہات عالیہ سے مدرسہ میں ایک خوبصورت تعلیمی

۱- محاسن سجاد ص ۱۹ مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ۔

۲- حیات سجاد ص ۱۱۔

۳- محاسن سجاد ص ۱۹۔

ماحول پیدا ہوا، طلبہ کا شوق فروزاں اور ذوق فراواں دیکھ کر منتظمین کے حوصلے بلند ہوئے، مدرسہ کے تعلق سے عوامی اعتماد میں اضافہ ہوا، ایک عرصۂ دراز سے مدرسہ قائم تھا، لیکن اس کا معیار تعلیم شرح وقایہ، جلالین اور قطبی ومیر قطبی سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، ملاحسن، رسالہ میر زاہد اور صحاح ستہ جیسی اعلیٰ کتابوں کی تعلیم کا تو یہاں تصور بھی نہیں تھا، طلبہ ٹھہرتے ہی نہیں تھے، بلکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے کانپور اور دہلی کا رخ کرتے تھے۔

مدرسہ اسلامیہ کا عہد عروج

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تدریسی مساعی اور ان کی شخصیت کی سحر کاری نے طلبہ کا دل جیت لیا، اور نہ صرف یہ کہ طلبہ یہاں جمنے لگے، بلکہ دوسرے مدارس کو چھوڑ چھوڑ کر یہاں آنے لگے، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہاں منتہی درجات تک کی تعلیم ہونے لگی، اور طلبہ یہاں سے سند فراغ بھی حاصل کرنے لگے، مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے الفاظ میں:

> ''یوں تو مدرسہ ایک عرصہ سے قائم تھا، مگر نہ کبھی طلبہ کی تعداد زیادہ رہی، اور نہ کبھی جلالین، شرح وقایہ، اور میر قطبی سے اونچے پڑھنے والے مدرسہ میں آئے، لیکن ایک ہی سال میں مولانا کے درس کا ایسا شہرہ ہوا کہ طلبہ جوق در جوق آنے لگے، اور دوسرے ہی سال عربی کے نصاب کی آخری کتابیں ہونے لگیں۔''[1]

مولانا اصغر حسین صاحب حضرت مولانا سجادؒ کے اسی تدریسی عہد شباب کی یادگار ہیں، اپنا وہ دور یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''میں بھی میر زاہد رسالہ اور ترمذی شریف تک پہنچ گیا۔''[2]

اسی زمانہ میں ایک بار حضرت مولانا محمد احسن استھانویؒ تلمیذ رشید مولانا ہدایت اللہ خان جونپوریؒ وعلامہ فضل حق خیر آبادیؒ مدرسہ میں امتحان کے لئے تشریف لائے، جو کسی زمانہ میں یہاں مدرس اول رہ چکے تھے، ان کے پاس جب طلبہ (مولانا اصغر حسین اور مولانا عبدالرحمٰن جونپوری وغیرہ) رسالہ میر زاہد مع حاشیہ غلام یحییٰ بہاری لے کر امتحان دینے کے لئے پہنچے تو ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں، انہوں نے فرمایا کہ:

۱- حیات سجاد ص ۱۱۔
۲- محاسن سجاد ص ۲۰۔

"آج عجیب منظر دیکھ رہا ہوں کہ بہار شریف میں ان کتابوں کے پڑھنے والے طلبہ موجود ہیں ۔"

پھر انہوں نے اپنی منطقیانہ شان سے جو سوالات کئے اور ان طلبہ کی طرف سے ان کے جوابات دیئے گئے ،اس نے ان کے تحیر کو انتہا تک پہنچا دیا۔[1]

اسی دور میں مولانا سید شاہ محمد اسمٰعیل صاحب استاذ فقہ مدرسہ عالیہ کلکتہ[2] بھی امتحان کے لئے بلائے گئے تھے ، وہ ساری زندگی ان امتحانی مناظر کو فراموش نہ کر سکے ، جب ادھر آتے یا یہاں کا کوئی طالب علم مل جاتا ،تو بہت لطف لے کر اس منظر کو بیان فرماتے تھے ۔[3]

امتحانی مظاہرے

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے ایک طرف تدریس اور طلبہ کے جمانے پر پوری توجہ دی ، دوسری طرف ناظم صاحب اور مدرس اول حضرت مولانا مبارک کریم کے مشورہ سے طلبہ کے معیار تعلیم اور بدلے ہوئے حالات سے عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کا منصوبہ بنایا ، وہ اس طرح کہ امتحان کے مواقع پر شہر کے معززین اور اصحاب علم کو مدرسہ میں مدعو کیا جائے ، ان کی ضیافت کا انتظام ہو اور امتحانات و مناقشات کا سارا منظر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے ،اور عوام وخواص اپنی آنکھوں سے مدرسہ کی تعلیمی کارکردگی کا مشاہدہ کریں۔

چنانچہ اس منصوبہ کے انتہائی مثبت اثرات مرتب ہوئے ، مدرسہ کی عظمت واہمیت کا احساس دلوں میں بیدار ہوا ، لوگوں کی آمدورفت سے مدرسہ میں چہل پہل رہنے لگی ، اصحاب خیر مدرسہ کے تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے ، مدرسہ کی مالی حیثیت مستحکم ہوئی ، اور لوگوں کی ضیافت (صرف چائے بسکٹ) پر جو معمولی اخراجات ہوتے تھے ، اس سے کہیں زیادہ مالی منافع مدرسہ کو حاصل ہونے لگے ، اس کا اثر اساتذہ کی تنخواہوں پر بھی پڑا ، تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافے کئے گئے ، اور خوش دل مزدوروں نے جی جان لگا کر محنت کی اور مدرسہ اپنی تاریخ کے نقطۂ ارتقا پر پہنچ گیا ، دستار بندی کے جلسے ہونے لگے اور فضلاء مدرسہ کے سروں پر دستار فضیلت باندھی گئی ، درس نظامی کے فارغین کو سند تکمیل عطا کی گئی ، اور تعلیم کے میدان میں بہار کے خود کفیل ہونے کی

۱۔محاسن سجاد ص ۲۱ (خلاصہ) مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۲ بہار شریف کے ایک ممتاز عالم اور بزرگ تھے ، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے وصال سے چند سال قبل ان کی وفات ہوئی (محاسن سجاد ص ۲۱ حاشیہ مولانا مسعود عالم ندویؒ)

۳۔محاسن سجاد ص ۲۱ (خلاصہ) مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

تاریخ ایک بار پھر رقم کی گئی۔[۱]

ایک جلسۂ دستار بندی

اسی طرح کے ایک جلسۂ دستار بندی میں دیگر بہت سے اکابر علماء کے علاوہ الٰہ آباد کے استاذ العلماء حضرت مولانا منیر الدین الٰہ ٰبادیؒ (ناظم مدرسہ احیاء العلوم الٰہ آباد و تلمیذ رشید حضرت علامہ مولانا احمد حسن کانپوریؒ) بھی بحیثیت مہمان خصوصی تشریف لائے تھے، اور ان کے خادم کی حیثیت سے مولانا اصغر حسین صاحب (جو ان دنوں مدرسہ احیاء العلوم الٰہ آباد میں زیر تعلیم تھے) بھی شریک ہوئے، وہ اپنے تأثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ”بہار شریف میں مدرسہ قائم ہونے کے مدتوں بعد یہ پہلا زریں موقعہ تھا، جس میں درس نظامی کے فارغین کو سند تکمیل عطا ہوئی، اور بیضاوی شریف میں امتحان لئے جانے کے بعد ان کے سروں پر دستار فضیلت باندھی گئی، اس جلسہ میں عمائدین شہر اور عوام بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئے، یہ حضرت سجادؒ ہی کی محنت وکاوش وحسن تعلیم کا نتیجہ تھا،۔ خصوصاً عربی پڑھنے والے طلبہ بغیر کانپور، دہلی وغیرہ سے فراغت کئے ہوئے علماء معتبر کی صف میں جگہ نہیں پاتے تھے، ایسی صورت میں طلبۂ عربی کو فراغت تک پہنچانا یہ حضرت سجادؒ کی کرامت تھی۔“[۲]

ممتاز تلامذہ

اس دور کے تلامذہ میں جناب مولانا اصغر حسین صاحب [۳] اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب جونپوریؒ،

۱۔محاسن سجاد ص ۲۰، ۲۱ (الفاظ کے فرق کے ساتھ) مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۲۔محاسن سجاد ص ۲۱، ۲۲ مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

۳۔مولانا اصغر حسین صاحب حضرت مولانا سجاد صاحب کے بالکل ابتدائی دور کے تلامذہ میں ہیں، انہوں نے حضرت مولانا کا عہد طالب علمی بھی دیکھا، اور عہد معلمی بھی، عہد اہتمام بھی، اور عہد قیادت بھی، آپ کے علمی عہد عروج کے بھی مشاہدر ہے اور ملی وسیاسی دور میں بھی قدم بقدم اپنے استاذ محترم کے ساتھ ساتھ چلتے رہے، ان کی پیدائش محلہ بنولیہ بہار شریف میں شعبان المعظم ۱۳۰۲ھ مطابق مئی ۱۸۸۵ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر اور گاؤں کے مکتب 'نثر ظہوری' میں حاصل کی، اس کے بعد مولانا رفیع الدین صاحب زمیندار موضع شکرانواں کی خدمت میں حاضر ہو کر صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں، پھر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ لیا اور ترمذی شریف اور میر زاہد تک یہیں تعلیم حاصل کی، درمیان میں (۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں) قطبی کے سال ارادہ متزلزل ہوا اور وہ یہاں سے مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد پہنچ گئے، جہاں حضرت مولانا سجاد صاحب پہلے سے ہی درجات علیا میں زیر تعلیم تھے، اور یہیں انہوں نے پہلی مرتبہ مولانا کی عظمت علمی کا مشاہدہ کیا، جو پڑھنے کے زمانے ہی میں پڑھانے کی شہرت رکھتے تھے، لیکن پھر بعض اسباب کی بنا پر داخلہ سے قبل ہی ان کو وطن مالوف بہار شریف واپس آنا پڑا، اور مدرسہ اسلامیہ ہی میں داخل ہو کر تعلیمی سلسلہ جاری رکھا، ۱۹۰۴ء میں جب حضرت مولانا سجاد صاحب مدرس ہو کر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف تشریف لائے تو آپ کے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، اور بشمول میر زاہد وترمذی شریف کئی کتابوں کا درس آپ سے لیا، اس کے بعد قریب ایک سال مدرسہ احیاء العلوم الٰہ آباد میں حضرت مولانا منیر الدین الٰہ آبادی کے حلقۂ تلمذ میں داخل رہے، اسی دوران مولانا فاروق چریا کوٹی سے بھی استفادہ کیا، اور ان سے صدرا وغیرہ کتابیں پڑھیں، شوال المکرم ۱۳۲۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۰۸ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور دو سال وہاں رہ کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور دیگر اساتذۂ کرام کے زیر سایہ علوم ←

مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب بہاریؒ[1]، اور مولانا حکیم شرافت کریم صاحب[2] برادر خورد مولانا مبارک

← عالیہ اور حدیث میں کمال واختصاص پیدا کیا، ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں دیوبند سے فراغت کے بعد بھاگلپور محلہ ملا چک میں بحیثیت مدرس تشریف لے گئے، لیکن وہاں طبیعت خراب ہوجانے کے باعث ایک ڈیڑھ ماہ میں ہی وطن واپس آ گئے، پھر غالباً استاذ محترم (حضرت ابوالمحاسنؒ) کے ایماء پر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف سے وابستہ ہوگئے، اور قریب دو سال تک یہاں علمی وملی خدمات انجام دیں، اور اعلیٰ کتابوں کا درس دیا، اور اس دوران حضرت مولانا محمد سجادؒ کی خاص عنایات حاصل رہیں، رجب المرجب ۱۳۳۰ھ مطابق جون ۱۹۱۲ء میں حضرت مولانا کی اجازت سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی ملازمت اختیار کر لی، ۲۰؍جنوری ۱۹۳۴ء سے ۴؍نومبر ۱۹۳۴ء (۴؍شوال المکرم ۱۳۵۲ھ تا ۲۶؍رجب المرجب ۱۳۵۳ھ) چار ماہ دو دن مدرسہ شمس الہدیٰ کے ایکٹنگ پرنسپل رہے، پھر مولانا معین الدین ندوی پرنسپل مدرسہ کے وصال کے بعد دوبارہ ۱۴؍اپریل ۱۹۴۱ء سے ۲۴؍دسمبر ۱۹۴۱ء تک (۱۷؍ربیع الاول ۱۳۶۰ھ تا ۵؍ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ) ایکٹنگ پرنسپل رہ کر یکم جنوری ۱۹۴۲ء (۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ) کو پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے، اور ۱۵؍مئی ۱۹۴۸ء (۶؍رجب ۱۳۶۷ھ) کو پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے، ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحب کی توجہ سے انجمن محمدیہ پٹنہ سیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔

بڑے عالم دین، صاحب قلم اور اپنے استاذ کے افکار کے سچے علمبردار تھے، بقول آپ کے شاگرد رشید مولانا ابوسلمہ شفیع بہاری ثم کلکتویؒ (متوفی ۱۹۸۵ء) مولانا اصغر حسین صاحب نے ترمذی شریف کو حنفی نقطۂ نظر سے حل کرنے کے لئے سوال وجواب کے طرز پر دو جلدوں میں عربی زبان میں ایک شرح ''نزل الثوی'' کے نام سے لکھی تھی، جس کی پہلی جلد مطبوعہ ہے کہتے ہیں کہ اس کا ایک نسخہ مدرسہ قومیہ محلہ شیخانہ بہار شریف کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ نیز علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار کا ترجمہ لکھنا بھی شروع کیا تھا، جس کی ایک جلد شائع ہوئی اس میں مقدمہ اور ابتدائی مباحث تھے۔ ارمغان حرم کے نام سے حرم شریف کا سفر نامہ بھی لکھا تھا جو شائع ہوا تھا۔

ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے وطن بہار شریف میں دعوت واصلاح کے کاموں میں مصروف رہے اور ایک سال کے بعد ۶؍ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۹؍ستمبر ۱۹۴۹ء کو محلہ بتولیہ بہار شریف میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (ماخذ: محاسن سجاد ص ۱۷ تا ۲۹ خود مولانا اصغر حسین کا مضمون ☆ تذکرہ مولانا ابوسلمہ شفیع بہاریؒ ص ۲۸ مرتبہ مولانا رشید احمد فریدی شائع کردہ ادارہ ترجمہ وتالیف، سرسید احمد روڈ کلکتہ، ۲۰۰۹ء ☆ تذکرہ علماء بہار مولفہ مولانا ابوالکلام شمسی سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ ص ۴۵، ۴۶، ناشر: جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالا ساتھ سیتامڑھی، ۱۹۹۵ء) سن وفات میں کئی طرح کی تاریخیں ذکر کی گئی ہیں، میرے خیال سے اس میں سہو ہوا ہے، میں نے مختلف تواریخ پر غور وتطبیق کے بعد مندرجہ بالا تاریخ رقم کی ہے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۱- آپ مولانا اصغر حسین صاحب کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس ہوئے، واضح رہے کہ یہ مقدم الذکر مولانا عبدالرحمٰن جونپوریؒ سے مختلف شخصیت ہیں، مولانا زکریا فاطمی صاحب نے دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے۔ (محاسن سجاد ص ۱۲ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب)

۲- مولانا حکیم محمد شرافت کریم صاحب عالم بھی تھے اور حکیم بھی، والد ماجد کا نام مولوی عبدالکریم تھا، محلہ خانقاہ بہار شریف ضلع نالندہ آپ کا مولد ومسکن ہے، مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں درسیات کی تکمیل کی اور ممتاز حیثیت سے سند فراغت حاصل کی، درسیات سے فراغت کے بعد آپ لکھنؤ گئے، اور ۱۹۱۲ء (۱۳۳۰ھ) میں تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں علم طب کا نصاب مکمل کیا، اس کے بعد تانتی باغ کلکتہ میں مطب کرنے لگے، ابتدائی دور بڑی عسرت وتنگدستی میں گذرا، کسب معاش کے لئے مختلف کوششیں کیں، آپ کو خیاطی اور کشیدہ کاری میں بھی مہارت تھی، صدری وٹوپی پر کشیدہ کاری کرتے، اور اسی سے گذر اوقات کرتے، کبھی بنسی بناتے، گھڑی مرمت کرتے، حکیم صاحب کو شکار کا بھی بہت شوق تھا، چڑیوں کے شکار کے لئے بندوق لے کر دور دور تک نکل جاتے، قد پست، جسم ورزشی، بڑے خوددار آدمی تھے، کوئی زمین جائیداد حاصل نہ کر سکے، کیونکہ اس میں لوگوں کی خوشامد کرنی پڑتی، آپ کا کتب خانہ بہت اچھا تھا، طب ودرسیات کی کتابیں کافی تعداد میں تھیں، مگر سب ضائع ہوگئیں، قدیم اصول علاج کے سخت پابند تھے، مفردات سے علاج کرتے تھے، شفاء الملک حکیم محمد صادق صاحب آپ کے گہرے دوستوں میں تھے، ۱۹۳۵ء (۱۳۵۴ھ) میں انتقال فرمایا۔ (تاریخ اطباء بہار ج ۱ ص ۱۶۴، ۱۶۵ مولفہ: حکیم محمد اسرار الحق صاحب سابق پروفیسر گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ، ۱۹۸۰ء)

(نوٹ) البتہ یہاں ایک بڑی غلطی پر متنبہ کرنا ضروری ہے کہ تاریخ اطباء بہار کے مرتب نے مولانا شرافت کریم صاحب کو صوفی احمد سجاد صاحب برادر بزرگ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ کا ہم سبق تحریر کیا ہے، یہ مصنف سے سہو ہوا ہے، ان دونوں بزرگوں کے ہم درس آپ کے بڑے بھائی مولانا مبارک کریم صاحب تھے، نہ کہ مولانا شرافت کریم صاحب، ان دونوں کی فراغت مولانا شرافت کریم سے بہت قبل ہوئی تھی۔

کریم صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۱]

مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں بحیثیت نائب صدر مدرس تقرر

مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے قیام کو ابھی صرف تین سال ہوئے تھے کہ حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ نے اپنے مدرسہ کی شدید ضرورت کے پیش نظر آپ کو الٰہ آباد طلب فرمالیا اور آپ تعمیل حکم میں الٰہ آباد تشریف لے گئے، یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۴؍فروری ۱۹۰۷ء کو مدرسہ سبحانیہ میں بحیثیت نائب مدرس اول (نائب صدر المدرسین) آپ کا تقرر عمل میں آیا۔[۲]

مدرسہ سبحانیہ میں براہ راست نائب صدر المدرسین کے عہدہ پر تقرر بجائے خود آپ کی علمی قابلیت اور حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ کے نزدیک بے انتہا اعتماد و استناد کی دلیل ہے، مدرسہ سبحانیہ کی اس زمانہ میں جوشان تھی، اور الٰہ آباد کی علمی تاریخ میں اس کا جو مقام تھا، اس کے پیش نظر اسی مدرسہ کے ایک پروردہ طالب علم کا نائب صدر مدرس کے عہدہ پر راست فائز ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی، لیکن حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کا تدریسی جوہر چونکہ الٰہ آباد کے زمانۂ طالب علمی ہی میں سامنے آچکا تھا اور آپ کی تفہیم و تعلیم کا سکہ پڑھنے کے زمانے ہی میں بیٹھ چکا تھا، اس لئے کسی منتہی سے منتہی جماعت کی کتاب آپ کے حوالہ کرنے میں کسی تامل کی بات نہیں تھی، لیکن جہاں تک انتظامی صلاحیت کی بات ہے تو مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں جو خوشگوار تبدیلیاں آپ کے دم قدم سے پیدا ہوئی تھیں، حضرت مولانا عبدالکافی صاحبؒ یقیناً ان سے بے خبر نہیں تھے، بلکہ ان کی طلبی کے پیچھے عجب نہیں کہ یہ بھی اس کا بڑا محرک رہا ہو۔

بہرحال حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے الٰہ آباد میں اپنا کام اسی شان کے مطابق شروع فرمایا، جس کی آپ کے اساتذہ اور مدرسہ کے ذمہ داروں کو توقع تھی، تھوڑے ہی دنوں میں مدرسہ کی شہرت اور نیک نامی میں اضافہ ہوا، اور طلبہ کا رجوع عام شروع ہوگیا، الٰہ آباد اور اطراف ہی سے نہیں بلکہ کانپور جیسے علمی مراکز سے بھی طلبہ کھنچ کھنچ کر مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد کی طرف آنے لگے،

۱-محاسن سجاد ص ۱۲ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحب۔

۲- محاسن سجاد ص ۵ مضمون مولانا حافظ عبدالحکیم اوگانویؒ و ص ۱۳ مضمون مولانا محمد زکریا فاطمی ندویؒ ☆ حیات سجاد ص ۱۰ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانی۔

اور یہیں سے سندفراغت بھی حاصل کرنے لگے [۱]، مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جب مولانا بہار شریف سے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے تو چند ہی دنوں کے بعد آپ کے درس کا ایسا چرچا ہوا کہ طلبہ کانپور چھوڑ کر الہ آباد آنے لگے، باوجودیکہ کانپور میں اچھے فضلاء موجود تھے۔'' [۲]

یہی وہ دور ہے جب مولانا عبدالحکیم اوگانوی صاحبؒ کانپور میں زیر تعلیم تھے، اور مولانا کی شہرت سن کر الہ آباد چلے آئے تھے، خود لکھتے ہیں کہ:

''میں اس زمانے میں کانپور میں پڑھتا تھا، جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا الہ آباد تشریف لے آئے ہیں تو میں کانپور سے الہ آباد چلا آیا اور مولانا کے سلسلۂ تلمذ میں داخل ہوگیا، اور اپنی بقیہ کتابیں مولانا ہی سے تمام کیں، اس لئے آج مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں مولانا کا شاگرد ہوں اگرچہ حقیر اور کمترین ہوں۔'' [۳]

مولانا عبدالحکیم صاحب نے کانپور سے قبل حضرت مولانا سجادؒ کا ذکر ضرور سنا ہوگا، شاید کہیں ملاقات بھی ہوئی ہو، لیکن آپ سے اخذ واستفادہ کا موقعہ غالباً نہ ملا تھا، مگر جب وہ کانپور سے آپ کی شہرت سن کر الہ آباد پہنچے، اور آپ کی ہمہ گیر صلاحیت وجامعیت اور علم بے کراں کا مشاہدہ کیا تو محسوس ہوا کہ اگر وہ کانپور چھوڑ کر الہ آباد نہ آتے تو علم کے بڑے باب سے محروم رہ جاتے اس لئے کہ:

''کانپور میں کوئی عالم آپ کے پایہ کا نہ تھا، اور الہ آباد میں بھی بجز مولانا منیر الدین مرحوم الہ آبادی کے کوئی مدرس عالم آپ کا ہمسر نظر نہ آیا۔'' [۴]

الہ آباد سے بہار شریف واپسی

لیکن الہ آباد میں ابھی صرف چند ماہ ہوئے تھے کہ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کی طرف

۱- اس زمانہ میں کانپور کے بڑے بڑے مدارس میں دارالعلوم کانپور، مدرسہ فیض عام اور مدرسہ جامع العلوم بہت مشہور تھے، لیکن ان اداروں کی ممتاز اور بڑی شخصیتیں رخصت ہوچکی تھیں، شہر کے سب سے ممتاز عالم ومدرس استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں انتقال کرچکے تھے، جو مدرسہ فیض عام اور دارالعلوم کانپور کے روح رواں تھے، اسی طرح مدرسہ جامع العلوم کی سب سے بافیض شخصیت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء ہی میں اس شہر کو خیر باد کہہ کر وطن (تھانہ بھون) جاچکے تھے، اس لئے قدرتی طور پر کانپور کے بازار علم کی رونق ماند پڑنے لگی تھی، اور طلبہ اپنے اپنے لحاظ سے تعلیم کے نئے میدانوں کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے تھے۔

۲- حیات سجاد ص ۱۱۔

۳- محاسن سجاد ص ۵ مضمون مولانا حافظ عبدالحکیم اوگانویؒ۔

۴- محاسن سجاد ص ۵ مضمون مولانا حافظ عبدالحکیم اوگانویؒ۔

سے آپ کی واپسی کا مطالبہ ہونے لگا، اس لئے کہ آپ کی سعی جمیل سے مدرسہ کا جو تعلیمی معیار قائم ہوا تھا، وہ اضمحلال کا شکار ہونے لگا تھا، چنانچہ ذمہ داران مدرسہ کے بے حد اصرار پر چار ماہ کے بعد ہی (جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ / جون ۱۹۰۷ء میں) آپ مدرسہ اسلامیہ بہار شریف واپس تشریف لے آئے، اور پھر ڈیڑھ سال یہاں خدمت انجام دی۔

دوبارہ بہار شریف سے الہ آباد۔ تعلیمی سلسلہ کا عہد زریں

ڈیڑھ سال کے بعد اہل الہ آباد کے مسلسل اصرار پر ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۰۸ء میں آپ دوبارہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں اپنی ذمہ داریوں پر واپس تشریف لے گئے، اور مسلسل ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء تک یہیں خدمت انجام دی، اس دوران آپ نے انہی تعلیمی خطوط کو تسلسل بخشا، جو آپ نے ایک ڈیڑھ سال قبل قائم کئے تھے، اور مدرسہ کی نیک نامی اور علمی مرکزیت کو اپنے نقطۂ عروج تک پہنچایا۔

الہ آباد میں آپ کا قیام تقریباً چار سال رہا، جو آپ کی تعلیمی وتدریسی زندگی کا نہایت شاہکار دور ہے، الہ آباد میں آپ نے جملہ علوم وفنون کی کتابوں کا درس دیا، بالخصوص منطق وفلسفہ، بلاغت، علم ادب اور فقہ اسلامی کے اسباق نے شہرت دوام حاصل کی۔[1]

الہ آباد میں بحیثیت مفتی شہر

الہ آباد میں کتب فقہ کی تدریس کے علاوہ کار افتا بھی آپ کے ذمہ تھا، مدرسہ سبحانیہ کے اسی دور کے طالب علم اور حضرت مولانا محمد سجادؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے بیان کے مطابق:

> ''اکثر دن کے کھانے کے بعد کتب خانہ میں جو دارالطلبہ کے نیچے کی منزل میں تھا، تشریف لے آتے، اور اہم استفتاء کا جواب تحریر فرماتے تھے۔''[2]

اسلامی قانون کی تشریح وتفہیم میں آپ کو کمال حاصل تھا، فقہی مسائل میں الہ آباد میں آپ کو ایک مرجع کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی، اسی لئے جب آپ الہ آباد سے مستقل طور پر رخصت ہونے لگے، تو عمائدین اور رؤساء شہر کی ایک بڑی جماعت اسٹیشن تک آپ کو رخصت کرنے کے

۱- محاسن سجاد ص ۵ مضمون مولانا حافظ عبدالحکیم اوگانویؒ۔

۲- حیات سجاد ص ۳۰ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

لئے آئی اور ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ:

''آج الہ آباد سے ''فقہ'' رخصت ہو رہی ہے۔''[۱]

الہ آباد میں آپ کے طریقۂ تعلیم کی شہرت

آپ کے طرزِ تعلیم اور اسلوب درس سے متأثر ہو کر ایک ذہین ترین شیعہ رئیس زادہ زاہد حسین خان دریا آبادی [۲] (جو علم ریاضی کے لئے سارے ہندوستان کی خاک چھان چکا تھا، لیکن کہیں اسے اطمینان حاصل نہیں ہوا تھا) بھی آپ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوا، وہ انگریزی زبان اور علوم عصریہ سے خوب واقف تھے، لیکن علوم معقولات اور ریاضی کے لئے اسے کسی استاذ کامل کی تلاش تھی وہ حضرت مولانا سجادؒ کی شکل میں اسے مل گیا، وہ حضرت مولانا کی شخصیت، آپ کے طریقۂ تعلیم اور علم کی گہرائی سے بے انتہا متأثر ہوا، وہ نہایت اہتمام اور عقیدت کے ساتھ آپ کے در دولت پر حاضر ہوتا تھا [۳]، اس منظر کے عینی شاہد جناب قاری یوسف حسن خان صاحبؒ (جو اس وقت مدرسہ سبحانیہ میں زیرِ تعلیم تھے) لکھتے ہیں کہ:

> ''دوران قیام ایک شیعہ رئیس زادہ مولاناؒ سے ریاضی پڑھنے آتا تھا، وہ سارے ہندوستان کی خاک چھان چکا تھا لیکن کہیں اس کی تشفی نہیں ہوئی، آخر میں وہ مولانا کے طریقۂ تعلیم پر فریفتہ ہو گیا اور باوجود رئیس زادہ ہونے کے برابر مولانا ہی کی خدمت میں قیامگاہ پر تعلیم حاصل کرتا تھا، اور اس کے والدین مولانا کو پچیس روپے دیا کرتے تھے، مولاناؒ اس سے روپے لے کر طلبہ کی ذات میں کل کا کل خرچ کر دیا کرتے تھے اور اپنے لئے ایک پیسہ بھی نہیں رکھتے تھے۔''[۴]

الہ آباد میں آپ کی وجہ سے بہار کے طلبہ کی بھی بڑی تعداد رہتی تھی، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے بقول جب وہ کانپور سے الہ آباد حصول تعلیم کی غرض سے پہنچے تو ''مدرسہ سبحانیہ کا دارالطلبہ بہار کا ایک گاؤں معلوم ہوتا تھا۔''[۵]

۱- حیات سجاد ص ۳۵ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ☆ محاسن سجاد ص ۳۲ مضمون مولانا حافظ قاری حکیم یوسف حسن خان صاحب بہار شریف۔

۲- دریا آباد الہ آباد کا ایک محلہ ہے (حیات سجاد ص ۱۲)

۳- حیات سجاد ص ۳۰ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ وص ۱۲ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔

۴- محاسن سجاد ص ۳۲ مضمون مولانا حافظ قاری حکیم یوسف حسن خان صاحب بہار شریف۔

۵- حیات سجاد ص ۲۷۔

ممتاز تلامذہ

یہاں جن تلامذہ نے آپ سے فیض پایا ان میں حضرت مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ، احضرت

۱-مولانا عبدالحکیم اوگانوی ضلع پٹنہ کے ایک مشہور گاؤں اوگانواں کے رہنے والے تھے، نسباً شیخ صدیقی اور مسلکاً حنفی تھے، والد ماجد کا نام مولوی کریم بخش تھا، ولادت موضع شکرانوں ضلع پٹنہ میں ماہ ربیع الآخر ۱۳۰۳ھ/جنوری ۱۸۸۶ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد تحصیل علم کے لئے موضع گیلانی تشریف لے گئے، اور وہیں حفظ قرآن کی دولت حاصل کی، پھر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، معقول ومنقول کی تمام اونچی کتابیں حضرت مولانا ہی سے پڑھیں، اور سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ نصرۃ الاسلام الہ آباد میں مدرس ہوگئے۔

آپ کی شادی موضع ''اوگانواں'' ضلع پٹنہ میں جو آپ کے مولد سے دو میل کے فاصلے پر ہے، مولوی وزیر الدین صاحب کی دختر نیک اختر سے ہوئی، اور وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔

۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) میں جب مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے محسوس کیا کہ گیا میں ایک دینی درسگاہ کی ضرورت ہے، اور آپ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کی مدرسی ترک فرما کر گیا آنے لگے، تو مولانا عبدالحکیم صاحب بھی مدرسہ نصرت الاسلام سے مستعفی ہوکر ان کے ہمراہ چلے آئے، اور استاذ محترم کے ہمراہ قیام مدرسہ اور دیگر امور میں ہمیشہ دست راست بنے رہے۔

درس نظامی کے جید الاستعداد استاذ تھے، تقریر وتحریر کا بھی خاصا ذوق تھا، نہایت سلجھی اور مرتب تقریر کرتے تھے، تحریر بھی نہایت شگفتہ اور رواں لکھتے تھے، انہی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے قائم کردہ مدرسہ ''انوار العلوم'' گیا میں ان کو پہلے مدرس بنایا، پھر ان کی انتظامی صلاحیت اور اپنی مصروفیت کی بنا پر مدرسہ کا اہتمام بھی ان کے سپرد کردیا، اور خود صرف نگراں رہے۔ اور بھی مختلف جگہوں پر اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے۔

زندگی بھر جمعیۃ علماء ہند کے رکن رہے، مدتوں جمعیۃ علماء بہار کے نائب ناظم رہے۔

حضرت مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ حضرت مولانا سجاد کے ابتدائی دور کے تلامذہ اور رفقائے کار میں بہت زیادہ ممتاز، مقرب اور معتمد تھے، اپنے استاذ محترم کے ہر علمی، ملی اور سیاسی کام میں پوری طرح شریک رہے، حضرت مولانا سجاد صاحب اکثر ملی، تنظیمی اور سیاسی امور میں جہاں وہ خود شریک نہیں ہوسکتے تھے مولانا عبدالحکیم صاحب ہی کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے بھیجتے تھے، کئی اہم میٹنگوں اور کانفرنسوں میں آپ نے اپنے استاذ محترم کی شاندار نمائندگی کی، خلافت، جمعیۃ، امارت، اور سیاسی پارٹی ہر تحریک کے بنیادی مشیروں اور کارکنوں میں تھے، یوم النقرہ کے سلسلہ میں گیا کے ایک چھوٹے سے محلہ سے ڈیڑھ سو روپیہ (۱۵۰) چندہ جمع کرکے انہوں نے دفتر میں داخل کیا، امارت شرعیہ کے قیام کے بعد جب حضرت مولانا سجادؒ کی مصروفیات بہت زیادہ بڑھ گئیں تو مولانا سجادؒ نے مدرسہ انوار العلوم گیا آپ ہی کے حوالہ کیا، اور آپ اس مدرسہ کے مہتمم مقرر ہوئے، اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں حضرت مولانا سجاد صاحب کے بعد سب سے زیادہ جس شخص نے اپنا خون جگر صرف کیا وہ مولانا عبدالحکیم اوگانوی ہی تھے، مولانا سجاد کے تلامذہ میں شاید ہی کوئی ہو جس کو فکر وعمل میں مولانا عبدالحکیم صاحب کا ہم پلہ قرار دیا جاسکے، فکر سجاد کی معنویت کو جس بہتر انداز میں انہوں نے سمجھا تھا، اور جس طرح ہر اہم کام میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ان کو اپنی نیابت کے لئے منتخب فرماتے تھے، اس کے پیش نظر مجھے فکر وعمل اور ذہنی وذوقی ہم آہنگی کے لحاظ سے وہ پورے حلقۂ ابوالمحاسنؒ میں بڑے بھائی اور مربی کی طرح نظر آتے ہیں، افسوس ان کی عمر نے وفا نہ کی، اگر مولانا سجادؒ کے بعد ان کو کچھ عرصہ اور زندہ رہنے کا موقعہ ملا ہوتا، تو شاید ان کے سامنے دوسروں کے چراغ روشن نہ ہو پاتے، لیکن حیرت ہے کہ حلقۂ سجاد میں ان کو آہستہ آہستہ فراموش کردیا گیا، اور ان کی وہ قدر شناسی نہیں کی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔

ان کا انتقال حضرت مولانا سجادؒ کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد ہی مورخہ ۱۲/ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۹/اپریل ۱۹۴۱ء کو بمقام اوگانواں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، پسماندگان میں ایک اہلیہ محترمہ، دو فرزند اور ایک صاحبزادی چھوڑی، تقسیم کے موقعہ پر آپ کے اہل وعیال پاکستان منتقل ہوگئے تھے۔ (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۵ تا ۱۱۸ بحوالہ مولانا مقصود عالم صاحب شاگرد مولانا عبدالحکیم صاحب ساکن نادرہ گنج گیا، بتوسط مولوی اصغر حسین صاحب مولانا اسٹور بزازہ روڈ شہر گیا، محاسن سجاد ص ل تا ۸ ماخوذ از مضامین مولانا مسعود عالم ندوی ومولانا عبدالحکیم اوگانوی)

مولانا عبدالصمد رحمانیؒ[۱]، مولانا قاری حکیم یوسف حسن خان صاحبؒ[۲] اور مولانا فضل الکریم صاحب[۳] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱-مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی ولادت ۱۳۰۰ فصلی (۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۰۹ ھ) میں قصبہ باڑھ (ضلع بیگوسرائے) کے ایک گاؤں ''بازید پور'' میں ہوئی، شادی کے بعد اپنی سسرال 'مانڈر' (ضلع کھگڑیا بہار) منتقل ہوگئے۔۔ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، عربی کی تعلیم ہدایۃ النحو کی جماعت تک مولانا حکیم محمد صدیق صاحب سے حاصل کی، اس سے آگے کی تعلیم کے لئے ۱۳۲۷ ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں کانپور حاضر ہوئے اور مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا، لیکن وہاں جی نہیں لگا، اور بالقائے ربانی الہ آباد چلے آئے اور مدرسہ سبحانیہ میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، یہاں کے بعد دیو بند تشریف لے گئے، اور ۱۳۳۲ھ یا ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء میں دارالعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی، علم باطن کے لئے قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ سے رجوع فرمایا اور کسب کمال کیا، حضرت مونگیریؒ کے ساتھ ردقادیانیت اور ردآریہ سماج اور ردعیسائیت کی تحریکوں میں پیش پیش رہے، اور کتابیں تصنیف کیں، ردآریہ سماج میں بارہ (۱۲) رسالے لکھے، جن میں 'ویدکا بھید' اور 'آریہ دھرم کا انصاف' بہت مقبول ہوئے۔

ابتداء میں علوم معقولہ کی طرف زیادہ رجحان تھا، چنانچہ حضرت مونگیری سے بیعت کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ صوبہ سرحد میں کابل سے قریب 'غورغشتی' گاؤں میں علامہ شمس الحق معقولی رہتے ہیں جو معقولات کے امام مانے جاتے ہیں، بس خاموشی کے ساتھ حضرت شیخ کی اجازت واطلاع کے بغیر غورغشتی چلے گئے، اور امام المعقولات سے منطق وفلسفہ کی بعض کتابوں کا درس لیا، واپسی پر ایک دن ڈرتے ڈرتے حضرت مونگیریؒ سے اس کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا ''لاحول ولاقوۃ الاباللہ'' اس سے کیا حاصل؟ معقولی کے مزار پر جا کے دیکھو تاریکی محسوس ہوگی، اور ایک محدث یا فقیہ کی قبر پر جاؤ انوار ہی انوار نظر آئیں گے، حضرت کی اس تنبیہ سے ذہن بدل گیا اور پھر ساری توجہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی پر مرکوز ہوگئی۔

مولانا رحمانیؒ نے کچھ دنوں انجمن حمایت اسلام مونگیر میں درسی خدمات انجام دیں، جامع مسجد مونگیر کے امام بھی رہے، آپ کی امامت کے زمانہ میں مونگیر کے تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور سمجھنے کا خاص ذوق پیدا ہوگیا تھا، مونگیر والوں میں اچھی تقریریں اور تحریریں سننے اور پڑھنے کا مزاج اور دینی مذاق آپ ہی کی سعی جمیل کا ثمرہ ہے، اسی زمانے میں امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے صرف ونحو اور منطق کی بعض کتابیں مولانا سے پڑھیں۔

۱۹۲۷ء میں جامعہ رحمانی قائم ہوا تو آپ اس سے وابستہ ہوگئے، اور عرصہ تک وہاں مدرس رہے۔۔بہت زمانہ تک خانقاہ رحمانی مونگیر سے شائع ہونے والے علمی ماہنامہ ''الجامعہ'' کے مدیر بھی رہے۔

۱۹۳۷ء میں مولانا محمد سجادؒ کی سیاسی جماعت 'مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی' کے دفتر کے ذمہ دار اعلیٰ مقرر ہوئے۔الہلال پٹنہ جو انڈ پنڈنٹ پارٹی کا ترجمان تھا مولانا مسعود عالم ندوی کے ساتھ اس کے مدیر بھی رہے۔

۱۹۹۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کی سول نافرمانی تحریک کے موقعہ پر جب اکابر جمعیۃ گرفتار کر لئے گئے تھے، تو جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اور مرکزی دفتر کے ذمہ دار اعلیٰ بنائے گئے۔حضرت مونگیریؒ کے وصال کے بعد اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد سجادؒ کی خواہش پر مونگیر سے پھلواری شریف منتقل ہوگئے، اور امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر کے نگران اعلیٰ مقرر ہوئے، اور اپنی پوری زندگی امارت شرعیہ کی تعمیر وترقی اور علوم سجاد کی تشریح وترجمانی کے لئے وقف کردی۔۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا سجادؒ کے وصال کے بعد امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ نے آپ کو نائب امیر شریعت ثانی نامزد فرمایا۔

مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے اپنی کتابوں اور خدمات کے ذریعہ امارت شرعیہ کا وقار بڑھایا، بانی امارت کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کی، بہت سے مختلف فیہ مسائل پر یادگار علمی تحریریں چھوڑیں، آپ ایک عظیم محقق اور فقیہ تھے، فقہ وفتاویٰ اور اصول فقہ میں اپنے دور میں فرد فرید تھے، بقول فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ قاضی القضاۃ امارت شرعیہ: ''معقولات ومنقولات دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے، دینیات کے متبحر عالم، مسائل پر بڑی وسیع اور گہری نظر تھی اسلام کے اجتماعی نظام اور فقہ کے اصولوں بڑی اچھی نگاہ تھی، فقہ اسلامی پر ہندوستان کے علمی ودینی حلقہ میں آپ کا منفرد اور ممتاز مقام تھا، تفقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال تھے، اور اس میں ہندوستان گیر شہرت رکھتے تھے۔'' (کتاب الفسخ والتفریق مصنفہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا مقدمہ ص ۱۸، ۱۹ شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۰ء) ←

← آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً سرسٹھ (۶۷) ہے، ان میں حیات سجاد، تفسیر القرآن، ہندوستان اور مسئلۂ امارت، قرآن محکم، کتاب العشر و الزکوٰۃ، تاریخ امارت، کتاب القضاء، کتاب الفسخ والتفریق، غیر مسلموں کے جان ومال کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر، اور ''پیغمبر عالم'' و بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

پیغمبر عالم زندگی کے عہد آخر کی تصنیف ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''مولانا عبدالصمد صاحب رحمانیؒ نے اپنے اخیر زمانے میں حضرت اقدس محمد رسول ﷺ کی سوانح پر ایک خاص جہت سے قلم اٹھایا اور خوب لکھا، خانقاہ مونگیر ہی کے کتب خانہ میں بیٹھ کر لکھتے تھے، اور جب تھک کر باہر نکلتے تو کبھی کبھی علامہ شبلی کا یہ قطعہ پڑھتے:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی — مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم — خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

۱۰ / ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۴ / مئی ۱۹۷۳ء بروز دوشنبہ گیارہ بجے دن میں خانقاہ رحمانی مونگیر میں وفات پائی، مزار مبارک خانقاہ رحمانی کے قبرستان میں ہے (کتاب الفسخ والتفریق مصنفہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی ☆ تذکرہ علماء بہار ص ۱۸۴، ۱۸۵ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی ☆ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد - حیات وخدمات ص ۵۰۱ تا ۵۰۳ مضمون مولانا ابوالکلام قاسمی صاحب، ناشر مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۲۰۰۳)

۲- مولانا حکیم حافظ قاری یوسف حسن خان صاحب بہار شریف کے جنوب میں پنہسہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر ''بڑاکر'' گاؤں کے رہنے والے تھے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا الٰہی بخش خان سوریؒ حبیب خان سوری کی اولاد میں تھے، ان کا سلسلۂ نسب حبیب خان سوری سے آٹھ واسطوں سے ملتا ہے، مولانا الٰہی بخش اپنے وقت کے ممتاز اہل حدیث عالم اور بیسیوں کتاب کے مصنف تھے، عربی وفارسی زبان وادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، ان کا شمار اپنے وقت کے علماء کبار میں تھا، تفسیر وفقہ میں خاص مقام رکھتے تھے، تصنیف وتالیف کا خاص ذوق تھا، کثیر التصانیف علماء میں شمار ہوتے تھے، کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی شارح ابوداؤد، حضرت مولانا عبداللہ غازی پوری، شمس العلماء مولانا سعادت حسین بہاری جیسے فضلائے روزگار کے ہم عصر تھے، بزرگان صادقپور کی کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ صغانی کی مشارق الانوار کی ترتیب وفہرست سازی ان کا اہم کارنامہ ہے، فجر کی نماز میں بارگاہ خداوندی میں سربسجود تھے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، ان کا مزار بڑاکر ضلع نالندہ میں ہے۔

۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں بڑاکر ضلع نالندہ میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے حاصل کی، حافظ عبداللہ صاحب (سابق پیش امام جامع مسجد بہار شریف) کے پاس تین برس میں حفظ مکمل کیا، پھر ابتدائی عربی فارسی کتابیں اور کچھ متوسطات اپنے والد ماجد سے پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخل ہوئے، خان بہادر مولانا مبارک کریم صاحب سے مرقاۃ، شرح تہذیب اور مولانا اصغر حسین صاحب سے شرح وقایہ اور ابوداؤد پڑھی، یہیں رہتے ہوئے انہوں نے الہ آباد میں حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کے درس کی شہرت سنی اور ان سے پڑھنے کے لئے آتش شوق بھڑک اٹھی، اور والد ماجد سے الہ آباد بھیجنے کے لئے اصرار کیا، چنانچہ ان کے والد ماجد نے حضرت مولانا سجادؒ سے مراسلت کے بعد صاحبزادے کو الہ آباد جانے کی اجازت دے دی، اور آپ ۷ / صفر المظفر ۱۳۲۹ھ مطابق ۷ / فروری ۱۹۱۱ء کو مدرسہ سبحانیہ الہ آباد پہنچے اور حضرت مولانا محمد سجادؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، اور باقی تمام درسی کتابیں آپ ہی کے پاس پڑھیں، فن تجوید کے لئے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ہی نے مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں استاذ القراء قاری عبدالرحمٰن مہاجر مکیؒ کے پاس ان کا نظم فرما دیا تھا، تجوید مکمل کرنے کے بعد دہلی گئے، اور (غالباً حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے پاس مدرسہ امینیہ سے) ۲۳ / جولائی ۱۹۱۳ء (۱۸ / شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ) کو سند فراغت حاصل کی، جلسۂ دستار بندی میں اکابر علماء کے علاوہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے بھی شرکت فرمائی، اور آپ کے دست مبارک سے سند ودستار عطا ہوئی۔

علوم دینیہ سے فراغت کے بعد آپ یونانی میڈیکل کالج الہ آباد کے بانی حکیم احمد حسین صاحب الہ آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین برس میں علم طب کا نصاب مکمل کیا، پھر وطن واپس ہوئے، ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) میں بہار شریف میں اپنا مطب شروع کیا، جو فروری ۱۹۸۱ء تک یعنی تریسٹھ (۶۳) برس تک بڑی آب وتاب سے چلتا رہا۔

۱۸ / فروری ۱۹۱۹ء مطابق ۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ) میں قطب العالم حضرت مولانا شاہ محمد علی مونگیریؒ سے بیعت ہوئے، اور تا عمر اپنا رابطہ خانقاہ رحمانی سے برقرار رکھا۔ ←

(دورثالث)

تدریس بہ عہد اہتمام زمانۂ قیام گیا

(۱۳۲۹ھ تا ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۳ء بارہ (۱۲) سال)

الٰہ آباد سے گیا تشریف آوری

تدریس کا تیسرا دور زمانۂ قیام گیا سے متعلق ہے اور مسلسل بارہ (۱۲) سالوں پر محیط ہے، اور اس پورے دور میں مدرسہ کے اہتمام وانتظام اور دیگر کئی ملی وقومی ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت مولانا محمد سجادؒ نے درسی خدمات انجام دی ہیں، یہ بے حد ہماہمی اور مصروفیت کا دور تھا، اسی دور میں حضرت مولانا سجادؒ کی ایک شخصیت سے دوسری شخصیت برآمد ہوئی، یہ انقلابات کا دور تھا، ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی اور حضرت ابوالمحاسنؒ کے فکر وخیال میں بھی ارتعاش برپا تھا، ایک پرت سے دوسری پرت نکل رہی تھی، لیکن ان حالات میں بھی مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے اندر کا مدرس پورے آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر تھا، اورانہوں نے اپنا درسی اشتغال اور افراد سازی کا عمل برقرار رکھا تھا۔

← ۱۹۳۵ء (۱۳۵۴ھ) میں حکومت نے ڈسٹرکٹ بورڈ کی ڈسپنسریوں کے معائنہ کے لئے آپ کو انسپکٹر مقرر کیا۔ ۱۹۴۸ء میں انجمن اطباء صوبہ بہار کے نائب صدر منتخب ہوئے، اور انجمن اطباء ضلع نالندہ کی صدارت آپ کو تفویض کی گئی، گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ کی گورننگ باڈی کے عرصہ تک ممبر رہے، اور اکزامینر کی حیثیت سے اکثر گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ میں بلائے جاتے تھے، مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے عرصہ دراز تک مہتمم رہے، ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۴ء آپ نیشنل اسکول بہار شریف کے سکریٹری رہے، عرصہ تک بہار شریف کانگریس کے بھی سکریٹری رہے، انگریزی اور ہندی میں بھی عبور رکھتے تھے، آپ نے حکیم کی حیثیت سے بھی بڑی شہرت حاصل کی، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں "فرمانبردار عورت"، "سرمایۂ صحت" اور "سواستھ سادھن" (ہندی) قابل ذکر ہیں۔

۱۲؍فروری ۱۹۸۱ء (۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ) کو اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں شام پانچ بج کر ۴۵ منٹ پر بہار شریف میں وفات پائی (محاسن سجاد ص ۳۰ تا ۳۴ مضمون مولانا قاری یوسف حسن خان صاحب مع حواشی مولانا مسعود عالم ندویؒ ☆ تذکرۂ اطباء بہار ج ۲ ص ۲۳۳ تا ۲۳۸ مؤلفہ: حکیم اسرار الحق صاحب سابق پروفیسر گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ، ۱۹۸۴ء)

۳- علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنے مضمون "ارتسامات گیلانیہ" میں اپنے ایک رفیق درس (ٹونک راجپوتانہ کے زمانۂ تعلیم کے) مولانا فضل الکریم کا ذکر کیا ہے جن کو کثرت کلام کی بنا پر امام المعقولات حضرت مولانا حکیم برکات احمد بہاریؒ نے "بالشتر" کا خطاب دیا تھا، وہ بہار شریف کے محلہ "محل پر" کے رہنے والے تھے، اور اپنے نام کے آخر میں اپنے محلہ کی نسبت سے "محلپروی" لکھتے تھے، ان کو بھی الٰہ آباد میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا تھا، اور مولانا کے خصوصی عقیدتمندوں میں تھے، یہ بعد میں آگرہ کی جامع مسجد کے مدرسہ میں مفتی ومدرس ہوئے، علامہ گیلانیؒ نے ان کا ذکر "مولوی بالشتر" کے نام سے کیا ہے، اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہوسکے (حیات سجاد ص ۴۹، ۵۰ ارتسامات گیلانیہ)

الہ آباد چھوڑنے کے اسباب

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے الہ آباد کیوں ترک کیا؟ اور وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر وہ الہ آباد چھوڑنے پر مجبور ہوئے؟ آپ کے کئی تلامذہ نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے:

☆ مولانا قاری حکیم یوسف حسن خان صاحب ان دنوں وہیں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں زیر تعلیم تھے، انہوں نے اجمال کے ساتھ صرف اتنا لکھا ہے کہ:

''شروع رجب ۱۳۲۹ھ (مطابق ۱۹۱۱ء) میں مولانا مرحوم کو چند ناگزیر واقعات کی بنا پر الہ آباد چھوڑنا پڑا۔''[1]

ممکن ہے کہ بعض خلاف مزاج واقعات سے مولاناؒ کے دل پر چوٹ پہنچی ہو اور مدارس کے کردار و معیار کے بارے میں آپ کو کچھ مایوسی ہوئی ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

☆ البتہ مولانا کے دوسرے تلمیذ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ بھی ان دنوں الہ آباد میں ہی تھے، انہوں نے کچھ تفصیل کے ساتھ ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے، جس کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

(۱) مولانا ہندوستان کے بدلتے ہوئے پس منظر میں اپنے وسیع تر تعلیمی نظریات کے لئے کسی کھلی تجربہ گاہ کی ضرورت محسوس کرتے تھے، جہاں وہ خود اختیاری کے ساتھ اپنے افکار ونظریات کے تجربات کر سکیں، اور روایت کے ساتھ جدت کو ہم آہنگ کر سکیں، یہ چیز ان کو الہ آباد میں میسر نہیں تھی۔

(۲) دوسرا سبب مدارس کی زبوں حالی اور علمی واخلاقی معیار کا روز افزوں تنزل تھا، بالخصوص بہار کے مدارس سب سے زیادہ گراوٹ کا شکار تھے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے مسلسل مدارس پر محنت کی تھی، اور نسل نو کی تعمیر میں اپنا خون جگر صرف کیا تھا، لیکن مادیت کے غلبہ اور نئے تعلیمی نظام کے نفوذ کی وجہ سے وہ مدارس کے لئے نئے امکانات کی تلاش کی بھی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

☆ مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کئی بہاری طلبہ مولاناؒ کو ایک معیاری اور نمونہ کا مدرسہ قائم کرنے مشورہ دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ جب تک نمونۂ عمل کے طور پر آپ کوئی ادارہ قائم نہ کریں گے، آپ کے تعلیمی نظام اور نظریات کی معنویت سمجھ میں نہیں آسکے گی اور نہ موجودہ مدارس کے لئے کوئی عملی نمونہ سامنے آئے گا، قدرتی طور پر مولاناؒ اس قسم کے تقاضوں

۱۔محاسن سجاد ص ۳۲۔

سے متاثر ہوئے اور تعلیمی میدان میں عملی اقدامات کا فیصلہ فرمایا۔ [۱]

☆ مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے لکھا ہے اس انقلاب کے پیچھے ان عالمی اور ملکی احوال واطلاعات کا بھی دخل تھا جو حضرت مولانا کے انگریزی داں شاگرد (زاہد حسین خان) کے ذریعہ آپ کو پہنچتی تھیں، وہ انگریزی اخبارات برابر لاکر سناتے تھے، جن میں ممالک اسلامیہ کے بارے میں بے حد تشویشناک خبریں ہوتی تھیں، جن سے مولاناؒ کے دل ودماغ بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے، اسی تاثر نے مولاناؒ کے غور وفکر کے موضوع کو بدلا، اور بال وپر کے لئے ایک آزاد آب وہوا کی تلاش ہوئی، جہاں نئی فکر، نئی ترتیب اور نئے اعتماد کے ساتھ تعلیمی وتربیتی سفر کا آغاز کیا جاسکے، اور یہی ضرورت ان کو الہ آباد سے گیا (بہار) لے گئی۔ [۲]

ایک جامع مرکز علم وعمل کا منصوبہ

یعنی صرف کسی روایتی مدرسہ کے لئے آپ نے الہ آباد ترک نہیں کیا بلکہ ایک ایسے جامع ادارہ کا منصوبہ لے کر آپ وہاں سے اٹھے جو ہر طرح کی دینی، ملی، قومی اور سیاسی تحریکات کا مرکز بننے کی صلاحیت رکھے، جو ملک وملت کو ہر صلاحیت کے افراد دے سکے، جو صرف روایتی تعلیم گاہ نہ ہو بلکہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے مناسب رجال کار تیار کرنے کا کارخانہ ہو، مولانا الہ آباد سے اسی عزم کے ساتھ اٹھے، یہ محض ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ کی طرف منتقلی نہیں تھی، بلکہ تاریخ کے ایک دور سے دوسرے دور کی طرف انتقال اور ماضی سے مستقبل کی طرف کا ایک سفر ارتقا تھا۔

۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء کے رجب کا آغاز تھا جب حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادیؒ کے مشورہ اور اجازت سے آپ نے الہ آباد ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ [۳]

مگر 'گیا' جانے سے قبل آپ نے پہلے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک دو نفری وفد وہاں روانہ

۱-حیات سجاد ص ۵ ۳، ۳۶ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

۲-حیات سجاد ص ۱۲، ۱۳ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ (خلاصہ مفہوم)۔

۳-محاسن سجاد ص ۳۲۔ یہ مولانا حکیم یوسف حسن خان صاحب کی روایت ہے، جو ان دنوں خود الہ آباد میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے پاس موجود تھے، جب کہ مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب نے الہ آباد سے گیا تشریف آوری کی تاریخ شعبان ۱۳۲۹ھ (مطابق ۱۹۱۱ء) لکھی ہے (حیات سجاد ص ۱۰)

ممکن ہے کہ حضرت مولانا محمد سجادؒ نے رجب ہی میں الہ آباد چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہو اور اس کی ضروری تیاری بھی شروع کردی ہو، لیکن باقاعدہ روانگی شعبان المعظم میں ہوسکی ہو، اس طرح دونوں روایتوں میں تطبیق ہوجائے گی، واللہ اعلم بالصواب۔

فرمایا، جس میں آپ کے دو تلامذہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ اور مولانا احمد اللہ صاحب آبگلویؒ [۱] شامل تھے، ان حضرات نے پورے شہر کا دورہ کیا، ایک ایک محلے میں گئے، خواص اور روٴسائے شہر سے ملاقاتیں کیں، مولاناؒ کے منصوبوں سے ان کو آگاہ کیا، ان کی آراء اور ممکنہ تعاون کا جائزہ لیا، اور بالآخر ایک مکان کو مناسب سمجھ کر اس پر نشان انتخاب ڈال دیا، اور وہیں سے مولانا کو (غالباً ڈاک سے) تحریری رپورٹ ارسال کردی، رپورٹ ملنے کے پندرہ بیس (۲۰) دن کے بعد حضرت مولانا سجادؒ کے قافلہ نے جس میں بہار کے پندرہ بیس طلبہ بھی شامل تھے الٰہ آباد سے گیا کی طرف کوچ کیا، الٰہ آباد اسٹیشن پر آپ کو الوداع کہنے والوں کا ہجوم تھا، جس میں بڑی تعداد شہر کے روٴساء اور عمائدین کی تھی، سب نے نم آنکھوں کے ساتھ آپ کو رخصت کیا اور آپ اوائل شعبان ۱۳۲۹ھ مطابق اگست ۱۹۱۱ء میں بذریعۂ ٹرین شہر گیا جلوہ افروز ہوئے۔ [۲]

گیا کا تاریخی پس منظر

''گیا'' بہار کا انتہائی قدیم تاریخی اور افسانوی اہمیت کا حامل شہر ہے، اس کا ذکر ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں رامائن اور مہابھارت وغیرہ میں بھی ملتا ہے، یہ بہار کے بڑے سیاحتی مقامات میں سے ایک ہے۔ گیا بہار کا دوسرا بڑا شہر ہے، جو دریائے فالگو کے کنارے پر آباد ہے، یہ جین، ہندو، اور بودھ تینوں مذاہب کے لئے ایک مقدس مقام کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ تین جانب میں چھوٹی پہاڑیوں (منگلا - گوروری، شربرا - شانان، رام - شیہ اور برہمونی) سے گھرا ہوا ہے، اور چوتھی (مشرقی)

۱- مولانا سید احمد اللہ ندوی صاحب آبگلہ ضلع گیا کے رہنے والے تھے، ان کی ولادت گیا کے ایک محلہ ''مرادپور'' میں ۱۸۹۳ء (۱۳۱۰ھ) میں ہوئی، آپ کی نانیہال بہار شریف تھی، آپ کے مورث اعلیٰ حضرت آدم صوفی (م ۶۹۷ھ) موضع عالم پور جیٹھلی شریف ہیں، جن کا مزار جیٹھلی شریف پکی درگاہ کے نام سے مشہور ہے، سلسلۂ چشتیہ کی پہلی خانقاہ بہار میں آپ ہی نے قائم کی۔

تعلیم کا آغاز ۱۹۰۸ء (۱۳۲۶ھ) میں کیا، کچھ عرصہ کے بعد الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ میں داخل ہوئے، اور حضرت مولانا محمد سجادؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، ۱۹۱۷ء (۱۳۳۵ھ) میں ندوۃ العلماء سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ الٰہیات کانپور اور امرتسر میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، ۱۹۲۴ء (۱۳۴۲ھ) میں دکن پہنچے اور دائرۃ المعارف سے منسلک ہوگئے، دائرۃ المعارف میں آپ نے حدیث کی مشہور کتاب سنن بیہقی دس (۱۰) جلدیں، مستدرک کی چار جلدوں میں سے ایک جلد، نیز رجال تاریخ اور طب کی متعدد کتابوں کی تحقیق میں شرکت کی، عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب کی کتاب ''الاحاطة فی اخبار غرناطة'' کا ترجمہ کیا، یہ ترجمہ کراچی سے شائع ہوچکا ہے، مصر کے عربی اخبار البلاغ کا اردو ترجمہ کرکے 'رہبر دکن' کو دیا۔

اپنے بھائی نور اللہ کی مدد سے ہوزری کی فیکٹری کھولی، پھر نظام کی فوج میں ٹھیکیداری کا کام کرنے لگے، سقوط حیدرآباد کے بعد فیکٹری بیچ کر کراچی چلے گئے، اور محلہ پیر الٰہی بخش میں دو کوارٹرز خرید لئے، وہیں تذکرہ مسلم شعرائے بہار کی پہلی جلد شائع کی، غالباً ان کا انتقال ۱۹۷۷ء (۱۳۹۷ھ) میں کراچی میں ہوا، اور وہیں مدفون ہیں (تذکرۂ علماء بہار ص ۵۲ مؤلفہ مولانا ابوالکلام شمسی قاسمی)

۲- حیات سجاد ص ۶ ۳ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

سمت میں دریائے فالگو ہے۔شہر قدرتی مناظر،اور خوبصورت عمارات سے آراستہ ہے۔ [۱]

ذرا تاریخ میں اور پیچھے کی طرف جائیں تو گیا دنیا بھر میں لوگوں کے لیے حج کی جگہ تھا اور ہندوستانی برصغیر کی سرحدوں سے بھی پرے وسیع علاقوں پر مشتمل تھا۔اس مدت میں گیا مگدھ علاقے کا حصہ تھا۔ مایا میگدھ علاقہ سے بہت سے راجاؤں کے عروج وزوال کی داستانیں وابستہ ہیں۔چھٹی صدی قبل مسیح سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک اس پورے خطے کا ثقافتی تاریخ میں ایک اہم مقام رہا ہے،تہذیبی تاریخ میں ایک اہم جگہ حاصل کرنے کے بعد،بھیم بسار کے دور میں گوتم بدھ اور بھجن مہاویر نے اس علاقے کو اپنی رزمگاہ بنایا۔ناندہ خاندان کی مختصر حکمرانی کے بعد،گیا اور پورے مگھاہ کا علاقہ بدھ مت کے اشوک (272 قبل مسیح - 232 قبل مسیح) کے ساتھ موریان کی حکومت کے تحت آ گیا۔

گپت سلطنت کے دوران گیا بہار کا ہیڈ کوارٹر تھا پھر گیا پالی سلطنت کا حصہ بن گیا،مورخین کا خیال یہ ہے کہ بوہیا کا موجودہ مندر گوپال کے بیٹے دھرمپل کے دور میں تعمیر کیا گیا تھا۔

بارہویں صدی عیسوی میں محمد بختیار خلجی نے حملہ کیا۔اور یہ مغل سلطنت کا حصہ بن گیا۔ [۲]

گیا کا انتخاب

اس تاریخی پس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ گیا کو بین الاقوامی شہر کی حیثیت حاصل رہی ہے،اور آج بھی یہ شہر اپنی اہمیت برقرار رکھنے کی پوری جدوجہد کر رہا ہے،بہار کا انٹرنیشنل ایئر پورٹ اس شہر میں واقع ہے،ایک سیاحتی شہر کی حیثیت سے اس کی بین الاقوامی حیثیت آج بھی قائم ہے،دنیا کے مختلف ملکوں کے سیاح یہاں آتے ہیں،خاص طور پر برما،جاپان اور چائنا کے لوگوں کا یہ مرکز ہے،یہ شہر آج بھی بہت سی سہولیات سے مالا مال ہے جو بہار کے دوسرے شہروں میں میسر نہیں ہیں۔

اور عجب نہیں کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے انہی وجوہات سے اپنی تعلیمی،ملی،دینی اور سیاسی سرگرمیوں کے لئے اس بین الاقوامی شہر کا انتخاب کیا ہو،اور وہ گیا میں نالندہ کی تاریخی یونیورسٹی کے طرز کا کوئی عالمی ادارہ قائم کرنے کے آرزومند ہوں، جو متنوع علوم وفنون اور دنیا بھر کے ارباب علم اور اصحاب کمال کا مرکز رہ چکی تھی۔

---

[1] The Hare Krsnas - Battles of Vishnu Avatars - Gayasur". Harekrsna.com. Archived from the original on 4 March 2016. Retrieved 7 January 2016.

[۲]- گیا کے بارے میں یہ معلومات وکی پیڈیا سے لی گئی ہیں۔

گیا کے بعض اسلامی مدرسے

گیا میں بعض مدارس اسلامیہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کی آمد کے پہلے سے بھی قائم تھے، مثلاً:

مدرسہ (قاسمیہ) اسلامیہ

☆ حضرت مولانا عبدالغفار خان سرحدیؒ (متوفی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء)[1] خلیفۂ ارشد قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء سے قبل ہی ایک مدرسہ 'مدرسہ اسلامیہ' کے نام سے قائم کیا تھا، جو آپ کے داماد حضرت مولانا سید خیرالدین گیاویؒ (متوفی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء) کے عہد اہتمام میں مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ کے نام سے مشہور ہوا۔[2]

یہ مدرسہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی گیا تشریف آوری کے زمانہ میں بھی بالیقین جاری تھا، لیکن کوئی بلند حیثیت کا حامل نہیں تھا۔

مدرسہ انوار العلوم (بناء اول)

☆ اسی طرح ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کے ہم وطن اور استاذ مشہور منطقی عالم دین شمس العلماء حضرت مولانا عبدالوہاب فاضل بہاریؒ نے قاضی فرزند احمد صاحب رئیس گیا کے تعاون سے قاضی صاحب کے صاحبزادے قاضی انوار احمد مرحوم کے نام پر 'مدرسہ انوار العلوم' کی بنیاد ڈالی تھی[3]، جس کے سالانہ جلسہ میں مولانا عبدالوہاب صاحب کی دعوت پر علامہ شبلی نعمانیؒ (ولادت: ۱۸۵۷ء ـ وفات: ۱۹۱۴ء) اور مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ (ولادت ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء ـ وفات: ۱۹۱۶ء/ ۱۳۳۵ھ) جیسے مشاہیر ہند تشریف لا چکے تھے۔[4]

لیکن ایک دو سال کے بعد ہی حضرت مولانا عبدالوہاب بہاریؒ کے چلے جانے کے بعد وہ مدرسہ بند ہو گیا تھا،[5] ظاہر ہے کہ ایک دو سال کے عرصہ میں مدرسہ کی اپنی عمارت ہونے کا بھی

۱- حضرت مولانا عبدالغفار خان سرحدیؒ کے حالات زندگی کے لئے مطالعہ کریں درس حیات مؤلفہ حضرت مولانا قاری فخرالدین گیاویؒ۔

۲- درس حیات ص ۱۱۴، ۱۱۵ مرتبہ حضرت مولانا قاری فخرالدین گیاویؒ (متوفی ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء) ناشر: مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا، ۲۰۱۰ء۔

۳- محاسن سجاد ص ۱۳ مضمون مولانا محمد زکریا فاطمی ندویؒ // نیز خطبۂ استقبالیہ دو روزہ عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ۱۵، ۱۶ اپریل ۲۰۰۶ء ص ۳ پیش کردہ منتظمہ کمیٹی مدرسہ انوار العلوم گیا // مدرسہ انوار العلوم کا تعارف ص ۴ مرتبہ قاری غضنفر قاسمی، ۲۰۰۰ء۔

۴- محاسن سجاد ص ۷۳، ۷۸ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

۵- محاسن سجاد ص ۱۴ مضمون مولانا محمد زکریا فاطمی ندویؒ۔

امکان کم معلوم ہوتا ہے، بلکہ اندازہ یہ ہے کہ مدرسہ کسی عارضی عمارت میں رہا ہوگا، جو بند ہونے کے بعد صاحب ملکیت کے پاس واپس چلی گئی ہوگی۔

غرض حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی گیا تشریف آوری کے وقت یہاں کوئی بھی قابل ذکر مدرسہ نہیں تھا، اور غالباً آپ نے اپنی آمد سے قبل جو وفد یہاں بھیجا تھا، اس کا مقصد حالات کا جائزہ لینے کے ساتھ مدارس کی صورت حال اور کسی نئے مدرسہ کی فی الواقع ضرورت کا پتہ لگانا بھی تھا، مولانا زکریا فاطمی ندوی صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''المختصر جس وقت آپ تشریف لائے، گیا میں کوئی مدرسہ نہیں تھا، اور ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی عربی درسگاہ جاری کی جائے۔''[۱]

مدرسہ انوار العلوم گیا کا احیاء

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے نئے نام سے کوئی مدرسہ قائم کرنے کے بجائے مناسب محسوس کیا کہ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب والے مدرسہ ہی کا احیا کیا جائے، مدرسہ تو ختم ہو چکا تھا، نہ اس کی کوئی عمارت تھی اور نہ اس کا بچا ہوا کوئی اثاثہ، البتہ مدرسہ کا نام ابھی تک لوگوں کے ذہنوں سے محو نہیں ہوا تھا اس نام نے ایک زمانہ میں لوگوں کا کافی اعتماد سمیٹا تھا، اس لئے اس نام کو دوبارہ زندہ کرنے سے قدیم مخلصین و معاونین خوشی محسوس کریں گے۔

☆ نیز اس نام پر اس سے قبل ملک کے مشاہیر کی تشریف آوری ہو چکی تھی، اس لئے یہ نام ان کے ذہنوں کے کسی گوشہ میں بھی ضرور محفوظ ہوگا اور اس سے مدرسہ کی تشہیر و اشاعت میں مدد ملے گی۔

☆ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ یہ نام ملک کے ایک شمس العلماء کا تجویز کردہ تھا، جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے استاذ بھی تھے اور ہم وطن بھی۔

☆ اور غالباً اس نام کو باقی رکھنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ جب حضرت مولانا سجاد صاحبؒ قیام مدرسہ کے ارادہ سے گیا تشریف لائے تو یہاں کے مقامی لوگوں میں سے جن خاص لوگوں نے

۱- محاسن سجاد ص ۱۳۔

آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا، ان میں قاضی احمد حسین صاحب کی شخصیت سرفہرست تھی [۱]، قاضی صاحب کی ایک خالہ جو نیک کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتی تھیں، اور مخیرہ ہونے کی وجہ سے سرکار عالیہ کہلاتی تھیں، قاضی صاحب کی سفارش پر انہوں نے ایک بڑی رقم مدرسہ کھولنے کے لئے

۱-قاضی حسین احمد صاحب بہار ہی نہیں بلکہ ملک کے ممتاز ملی اور سیاسی قائدین میں تھے، آپ کا خاندان سادات سے تھا، اور بڑے زمینداروں میں شمار ہوتا تھا، اس خاندان میں قضاء کا محکمہ پشتہا پشت تک رہا ہے، اسی نسبت سے قاضی کا لفظ اس خاندان کے نام کا جزو بن گیا ہے، دادیہالی اعتبار سے آپ کا شجرۂ نسب حضرت امام حسینؓ کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک اور نانیہالی اعتبار سے حضرت سیدنا عثمان غنیؓ تک پہنچتا ہے، قاضی صاحب کا نانیہال عثمانی پیرزادوں میں تھا، پورا شجرۂ نسب (پدری اور مادری) شاہ محمد عثمانی صاحبؒ نے ان کی سوانح حیات 'حسن حیات' میں محفوظ کردیا ہے، قاضی صاحب کے والد گرامی کا نام عبداللطیف اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی رحمت تھا، قاضی صاحب دو بھائی تھے، آپ بڑے تھے اور آپ سے چھوٹے کا نام محمد حسین تھا، آپ کی پیدائش مقام کونی ضلع گیا میں ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں ہوئی، ۱۴ سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا، والد نے بڑی جائیداد چھوڑی تھی، اس کا دیکھنے والا کوئی نہ تھا، اس طرح کمسنی میں گھر کا سارا بوجھ سر پر آگیا، اور تعلیم پوری نہ کرسکے، چھوٹے بھائی محمد حسین کو تعلیم کے لئے علی گڑھ بھیج دیا، قاضی صاحب کی تعلیم حفظ قرآن اور ابتدائی اردو فارسی تک محدود رہی، لیکن مسلسل مطالعہ اور قدیم وجدید علماء کی صحبتوں سے دل ودماغ کے دروازے کھل گئے تھے۔

والدہ ماجدہ بی بی رحمت کے چچا شاہ ابوالحسن خانقاہ بربانیہ دیورہ کے سجادہ نشین تھے اور انہوں نے ہی آپ کی والدہ اور سب بھائی بہنوں کی شادی کرائی تھی، ان کی بار بار کی زیارت وملاقات سے تصوف کا ذوق پیدا ہوگیا، اور انگریزوں کی مخالفت کا شوق بھی۔

قاضی صاحب کے منجھلے خالو میر ابوصالح ضلع گیا کے سب سے بڑے نواب تھے، اور مذہبی آدمی بھی تھے، شہر کے علماء دین روزانہ ایک خاص وقت میں ان کے یہاں جمع ہوتے تھے اور مذہبی امور پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔

قاضی صاحب کو اپنے نانیہال والوں سے بڑی عقیدت تھی لیکن بیعت وہ مولانا عبدالعلیم آسیؒ (جون پوری) سے ہوئے، جہاں سے ان کے والد کا روحانی سلسلہ قائم تھا، البتہ روحانی استفادہ زیادہ تر اپنے نانیہال والوں ہی سے کیا۔

قاضی صاحب ایک تحریکی آدمی تھے، ان کی زندگی کی بڑی خصوصیت ایمان وعبادت اور تدبیر وسیاست کا اجتماع تھا، انہوں نے اپنے گاؤں میں ''تعلیم بالغاں'' کا کام اس وقت شروع کیا، جب ہندوستان میں اس تصور سے بھی لوگ نا آشنا تھے، کہتے ہیں کہ اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ ان کے گاؤں میں ایک شخص بھی ناخواندہ باقی نہ رہا۔ خلافت کمیٹی کے سرگرم رکن رہے، ۱۹۲۱ء میں خلافت کانفرنس کے دوران گرفتار ہوئے اور چھ ماہ کی سزا ہوئی، ۱۹۲۶ء میں آل انڈیا کانگریس کے ممبر منتخب ہوئے، آزادی کے بعد پارلیمنٹ کے ممبر نامزد ہوئے،۔ ۱۹۲۶ء ہی میں حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور مؤتمر عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں بھی شرکت کا موقعہ ملا، مولانا ابوالکلام آزاد سے خاص تعلق تھا، الہلال کو جاری کرنے میں ان کی تحریض کا خاص دخل تھا، انہوں نے مولانا آزاد کو اس کے لئے دس ہزار کی خطیر رقم بطور امداد پیش کی تھی، تبلیغی جماعت سے بھی گہرا رابطہ تھا، مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر راجندر پرشاد سے بھی اچھے تعلقات تھے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے خصوصی عاشقوں میں تھے، آپ کے اشارے کو حکم کا درجہ دیتے تھے، حضرت مولانا سجادؒ کی تحریکات: مدرسہ انوار العلوم گیا، امارت شرعیہ، تحریک خلافت، جمعیۃ علماء ہند، تحریک عقد بیوگان، مسلم انڈیپنڈینٹ پارٹی سب میں پیش پیش رہے، امارت شرعیہ کے ناظم اعلیٰ بھی ہوئے، تحریکی سرگرمیوں کی وجہ سے وقت پر شادی نہ کرسکے، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے تاخیر کے ساتھ ان کی شادی قاضی نور الحسن صاحب پھلواروی کی صاحبزادی سے کرادی، شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ (مارچ ۱۹۲۳ء) میں بروز یک شنبہ آپ کی شادی ہوئی، ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں اہلیہ بیمار پڑیں، اور انتقال کرگئیں، مرحومہ سے قاضی صاحب کو کوئی اولاد نہیں ہوئی، قاضی صاحب نے اس کے بعد پھر شادی نہیں کی، ۱۴ صفر المظفر ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۹۶۱ء کو حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے تہتر سال کی عمر میں قاضی صاحب کا انتقال ہوا، انتقال گیا شہر میں ان کے اپنے مکان میں ہوا اور تدفین شہر کے دوسری طرف پھلکو (فالگو) ندی عبور کرکے آبگلہ کے قبرستان میں ہوئی، مولانا محمد طہٰ ندوی جو اس وقت مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاذ تھے قاضی صاحبؒ کی وفات پر ایک دردانگیز مرثیہ تحریر کیا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

خدا بخشے بڑا بے باک ہمت ور مجاہد تھا   سپاہی دن کو وہ راتوں کو شب بیدار عابد تھا

(حسن حیات ص ۲۵ تا ۲۵۴)

عنایت کی، سرکار عالیہ کو کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، قاضی فرزند احمد صاحب کے اکلوتے صاحبزادے قاضی انوار احمد صاحب (جن کا ذکر اوپر آیا) ان کے داماد تھے، اور عین جوانی میں دو بچوں کو یتیم چھوڑ کر انتقال کر چکے تھے، ممکن ہے کہ سرکار عالیہ کی خواہش رہی ہو کہ میرے داماد کا نام زندہ رہے۔

یہ بات خود قاضی احمد حسین صاحب کی سوانح حیات 'حسن حیات' میں ان کے پھوپھی زاد بھائی شاہ محمد عثمانی صاحبؒ مہاجر مکی نے لکھی ہے[۱]، اس سے قبل حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب بہاریؒ کا تعاون بھی قاضی انوار احمد مرحوم کے والد قاضی فرزند احمد صاحب نے کیا تھا اور اب مولانا محمد سجاد صاحبؒ کو بھی اسی کام کے لئے قاضی انوار احمد کی خوشدامن صاحبہ خطیر تعاون پیش کر رہی تھیں، اس لئے قدرتی طور پر وہی قدیم نام "انوار العلوم" باقی رکھنا ہر لحاظ سے قرین مصلحت تھا۔

غرض یہ نام برکتوں اور دینی و دنیوی منافع سے خالی نہیں تھا، بس مولانا سجاد صاحب نے اسی نام سے شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ مطابق اگست ۱۹۱۱ء میں ایک نئے ادارہ کی بنیاد ڈالی، کرایہ پر ایک دومنزلہ مکان 'ظفر منزل' کے سامنے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی آمد سے قبل ہی لے لیا گیا تھا، یہی دارالاقامہ بھی تھا اور یہی درسگاہ بھی۔۔۔آپ نے ایک شاندار افتتاحی اجلاس کے ذریعہ مدرسہ کا آغاز فرمایا، جس میں اپنے استاذ و مربی حضرت مولانا عبدالکافی الہ آبادیؒ کو بھی مدعو فرمایا۔[۲]

بے مثال صبر و ایثار

حضرت ابوالمحاسنؒ نے مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لئے بے پناہ محنت کی، الہ آباد کی آمدنی سے جو کچھ بچا تھا سب مدرسہ کے طلبہ پر خرچ کر دیا، اس کے بعد فاقہ تک کی نوبت آ گئی، مگر نہ مولانا کے پائے استقلال میں فرق آیا اور نہ آپ کی برکت سے طلبہ مایوس ہوئے، مدرسہ کے ابتدائی دور میں بڑے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا، اور سخت تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھانی پڑیں، بقول مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ:

۱- حسن حیات سوانح قاضی سید احمد حسین صاحبؒ- ص۳۹ مصنفہ: شاہ محمد عثمانیؒ، شائع کردہ مجلس علمی، ذاکر باغ اوکھلائی دہلی، ۱۹۹۱ء۔

۲- محاسن سجاد ص ۳۳ مضمون قاری یوسف حسن خان صاحب، یہ بات قاری صاحب کے نام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے ایک مکتوب گرامی سے معلوم ہوئی۔ مکتوب کی عبارت یہ ہے:

عزیزی مولوی حافظ یوسف سلمہ　　　دعائے خیر

میں بخیر ہوں اور صحت آں عزیز کی مطلوب، مدرسہ کی حالت جو کچھ ہے وہ یہاں آنے سے معلوم ہوگی، مجملاً یوں سمجھ لو کہ بالفعل ابھی تک سبق شروع نہیں ہوا، کیونکہ جناب حافظ صاحب (مولانا حافظ عبدالکافی صاحب الہ آبادیؒ) وغیرہ تشریف لانے والے ہیں، جس میں جلسۂ افتتاحی بھی ہونے کا خیال ہے، خلاصہ یہ کہ جہاں تک ممکن ہو بہت جلد چلے آؤ۔ زیادہ والدعا۔

ابوالمحاسن محمد سجاد عفی عنہ از مدرسہ انوار العلوم متصل ظفر منزل

مورخہ ۱۳؍ شوال المکرم ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء

''یہ ایک داستان لرزہ خیز اور حیرت انگیز ہے، جن کو کچھ میں ہی جانتا ہوں کیونکہ میں مولانا کا رفیق اور ساتھی تھا۔''[1]

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب بھی یہاں شریک کار رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''یہاں پہنچ کر قیام کے بعد سب سے پہلا اہم مسئلہ طعام کا تھا، جس کا حل یہ کیا گیا کہ جس کے پاس جو کچھ تھا، وہ سب ایک جگہ جمع کر دیا گیا، اور اسی سے قوت لایموت کا یہ انتظام کیا گیا کہ اکثر کھچڑی اور کبھی صرف خشکہ پکالیا جاتا تھا اس کو سرخ مرچ کے بھرتہ کے ساتھ جو آگ پر بھون لی جاتی تھی اور اس میں نمک ملا دیا جاتا تھا مولانا ایک دسترخوان پر بلا تکلف طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے تھے، اور مولانا کی پیشانی پر کبھی شکن بھی نہیں پڑتی تھی، مجھ کو یاد ہے کہ ایک عید ایسی بھی گذری تھی کہ مولانا مدرسہ کی ضرورت سے کہیں باہر تشریف لے گئے تھے، اس روز کھانے کا کوئی سامان نہ تھا، صرف چند سیر گیہوں تھے، ان ہی کو بھون کر صوم عید کی حرمت سے گلو خلاصی کر کے صبر و شکر کے ساتھ عید کا دوگانہ ادا کیا گیا تھا۔

ان غیر معمولی حالات میں مولانا کو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اس رنج و محن کے کٹھن ایام میں کبھی مایوس ہوئے ہوں، یا یہ کہ ان کو کبھی خیال ہوا ہو کہ بیٹھے بٹھائے کیوں الہ آباد کی طمانیت کی خوش عیش اور خوشگوار زندگی کو چھوڑ کر اس دردسر کو خریدا مولانا ہمیشہ پرامید رہتے تھے اور طلبہ کو بھی پرامید رکھتے تھے مشکلات سے نہ گھبراتے تھے نہ کام کے ہجوم سے پریشان ہوتے تھے، ان ایام میں وہ تنہا سب کام انجام دیتے تھے، خود ہی مدرسہ کے مہتمم بھی تھے، مدرس بھی تھے، سفیر بھی تھے، اور طلبہ کے اتالیق بھی تھے، اور ان کے غمگسار اور مربی بھی تھے۔''[2]

فتوحات کا آغاز

آخر حضرت مولاناؒ کی محنت رنگ لائی، آپ کی امیدوں کے شجر ہرے ہونے شروع ہوئے، خزاں کے دن رخصت ہونے لگے، بہار کی ہوائیں چلنے لگیں اور آپ کے صبر و اخلاص کی گرمی نے اس سنگلاخ شہر کا جگر پگھلا کر رکھ دیا، شہر کے عمائدین متوجہ ہوئے، کئی اطراف سے مدرسہ کو تعاون ملنے لگا، مسماۃ بی بی مریم صاحبہ دختر مرزا دوست محمد دیوان ریاست ٹکاری گیا نے زمین، کئی مکانات اور جائیدادیں مدرسہ کے لئے وقف کیں، جس سے مدرسہ میں کافی سہولتیں پیدا ہو گئیں، مولانا طلبہ کے ساتھ کرایہ کے مکان سے منتقل ہو کر موقوفہ مکانات میں چلے آئے۔[3]

۱- محاسن سجاد ص ۶۔

۲- حیات سجاد ص ۳۷، ۳۸۔

۳- حیات سجاد ص ۳۸، مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، ☆ تعارف مدرسہ انوار العلوم گیا ص ۴۔

اس کے بعد حضرت مولاناؒ نے معقول سرمایہ کا انتظام کر کے اینٹ کا بھٹہ لگوایا، اور احاطہ باغ محلہ معروف گنج میں تعمیری کام کا آغاز فرمایا تعمیر کے دوران رات میں مولانا طلبہ کے ساتھ خود اینٹیں ڈھوڈھو کر مقام تعمیر تک پہنچاتے تھے، تاکہ مدرسہ زیادہ زیر بار نہ ہو نیز تعمیری کام جلد مکمل ہو سکے، طلبہ میں بھی بڑا جوش وخروش تھا، ہر طالب علم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا اور اس کو اپنے لئے سعادت تصور کرتا تھا۔[۱]

منتہی درجات تک تعلیم

تعمیرات کے ساتھ مولانا نے اس مدرسہ کی علمی بنیادیں بھی مستحکم کیں، ایک ہی چھت کے نیچے ابتدائی درجہ سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہونے لگی، قریب وبعید کے طالبان علوم نبوت کا رجوع عام ہو گیا، صرف بہار ہی نہیں بلکہ ملک کے دوسرے صوبوں سے بھی تشنگان علم وفن کی قطار لگ گئی[۲]، اور جس عظیم اسلامی یونیورسیٹی کا آپ نے خواب دیکھا اس کا نقشہ سامنے آنے لگا، مدرسہ کے بڑے بڑے جلسے ہونے لگے جس میں ملک کی ممتاز شخصیتوں کی شرکت ہوتی تھی، اور فضیلت حاصل کرنے والے طلبہ کو دستار بھی عنایت کی جاتی تھی اور سند بھی۔[۳]

۱-حیات سجادص ۸ ۳۴، ۹ ۳ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

۲-محاسن سجادص ۱۴۳ مضمون مولانا زکریا فاطمی ندویؒ۔

۳-یہاں پر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اگر حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کی توجہ خالصتاً اسی مدرسہ پر مرکوز رہتی، اور وہ خلافت، جمعیۃ، امارت شرعیہ اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی وغیرہ قومی، ملی اور سیاسی تحریکات کی وجہ سے مدرسہ سے بالکلیہ دستبردار نہ ہوتے، تو بالیقین وہ اس مدرسہ کو غیر منقسم ہندوستان کی منفرد یونیورسیٹی بنا سکتے تھے، جو دینیات میں دارالعلوم دیوبند کا عکس جمیل اور علوم وفنون اور عصریات وسیاسیات میں نالندہ کی قدیم تاریخی یونیورسٹی کی نشاۃِ ثانیہ ہوتی، جہاں صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایشیاء سے یورپ تک کے طالبان علوم نبوت مستفید ہونے کے لئے حاضر ہوتے، جیسا کہ جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ جیسے بے مثال اداروں کے قیام سے آپ کی بے نظیر صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے بقول:

''وہ ایک ایسے دریا کے مانند تھے، جس میں تموج وطغیانی کی سرجوشی تو نہ ہو لیکن روانی کا پورا جوش وخروش موجود ہو، جو بغیر دم لئے ہر آن وہر لمحہ چٹانوں سے ٹکراتا، پتھروں سے لڑتا، جھاڑیوں سے الجھتا، رواں دواں،۔۔۔۔ان کے پبلک اشغال نہ فیشن کے طور پر تھے، نہ حصول سروری وسعات کی طمع میں،۔وہ جس مسئلہ کو اٹھاتے وہ زندگی اور موت کا سوال بن کر ان سے چمٹ جاتا۔ اس لئے وہ کسی کام کو بے دلی ((Disheartedly کے ساتھ کر کے اپنے نفس کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے، بلکہ مجبور تھے کہ اس کے لئے اپنے فکر وعمل کی تمام قوتیں میدان میں ڈال دیں، سوتے جاگتے، بس وہی مسئلہ ان کے سامنے ہوتا، اور ان کی ساری راحت وطمانیت اس کے اندر سمٹ آتی۔۔۔۔اور چونکہ وہ ایک زبردست عالم تھے، اس لئے یقیناً یہ چیز انہوں نے پیغمبران عظامؑ کے اسوۂ حسنہ سے اخذ کی تھی، میں نے یہ چیز وقت کے بڑے بڑے لیڈروں میں بھی نہیں پائی۔'' (محاسن سجادص ۵۳)

مگر مولانا کی مثال اپنے زمانے میں ''یک انار صد بیمار'' کی تھی، بیمار ملت کے ایک مرض کے علاج سے چھٹی نہیں ملتی تھی کہ دوسرا بڑا مرض سامنے آجاتا تھا، اور مولانا ترجیح کے اصول پر اس کو چھوڑ کر دوسرے مرض کے علاج میں مشغول ہو جاتے تھے، جیسا کہ مولانا کے سیاسی امور کے شریک کار اور مزاج شناس جناب مسٹر محمد یونس صاحب سابق وزیر اعظم حکومت بہار لکھتے ہیں:

''مولانا مرحوم کی ذات ایک انار وصد بیمار کے مصداق تھی، وہ جس وقت ایک چیز کی تخلیق کر کے، اس کی ابتدائی مبادیات کو درست کر کے عملی ڈھانچہ میں لا کر کھڑا کرتے کہ زمانہ دوسری ضروری چیز ان کے سامنے اس طرح لا کھڑا کر دیتا کہ وہ اس کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتے، اور اس کی فکر میں لگ جاتے۔'' (حیات سجادص ۸۷)

بقول ڈاکٹر کلیم عاجزؔ: کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے — جہاں روشنی کی کمی ملی وہاں ایک چراغ جلا دیا

ملی، تعلیمی وقومی تحریکات کا مرکز

علاوہ اس مدرسہ کی بڑی خصوصیت جس میں برصغیر کے کم مدارس اس کی ہمسری کرسکیں گے یہ تھی کہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کی اکثر دینی، ملی، قومی اور سیاسی تحریکات کی جائے پیدائش یہی مدرسہ ہے، فکر سجاد کی نشوونما اسی آب وہوا میں ہوئی اور حضرت ابوالمحاسنؒ کے افکاروخیالات اورامیدوں اور آرزوؤں کا اصل دارالسلطنت یہی ادارہ تھا، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کے الفاظ میں:

> ''علماء کی تنظیم، جمعیۃ علماء کا قیام، تمام مدارس عربی میں ایک اصلاحی نصاب کا اجراء، امارت شرعیہ کی اسکیم وغیرہ یہ سب چیزیں مولانا کے دماغ نے گیاہی میں پیدا کیں اور اسی زمانہ میں مولانا نے اپنی اسکیموں کو عملی شکل بھی دینا شروع کردی۔''[1]

اس مدرسہ کے ممتاز فضلاء میں جنہوں نے یہاں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے پاس دورۂ حدیث کی تکمیل کی، اور یہیں سے فراغت حاصل کی، حضرت مولانا مظہر علی صاحب (مقام شمس پور تھانہ بیلا، ضلع گیا بہار) بطور خاص قابل ذکر ہیں، اس خطہ میں ان کو خاصی شہرت حاصل ہوئی۔[2]

خوبصورت تسلسل

مدرسہ کی ایک مطبوعہ سند ہمیں دریافت ہوئی ہے جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے بعد طبع ہوئی تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سجادؒ کے بعد بھی دورۂ حدیث کے اسباق یہاں جاری تھے، اور طلبہ یہاں سے فارغ ہوتے رہے، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے بعد اس مدرسہ کے مہتمم آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ ہوئے، جن کو خود حضرت مولاناؒ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کی بنا پر یہ ذمہ داری اپنی حیات ہی میں حوالے کردی تھی، ان کے دور میں بھی مدرسہ کی ہمہ جہتی ترقیات کا سفر جاری رہا، اور یہ اعلیٰ تعلیم کے مرکز کی حیثیت سے اپنی نیک نامی میں اضافہ کرتا رہا، غالباً دورۂ حدیث کی یہ سند مولانا عبدالحکیم صاحب ہی کے زمانے میں طبع کرائی گئی تھی۔

زوال کی طرف

مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کا انتقال حضرت ابوالمحاسنؒ کی وفات کے چھ ماہ بعد ہی بعد ہوگیا، مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کے وصال کے بعد مدرسہ کی نظامت حضرت مولانا سجادؒ کے ایک اور تربیت

۱- حیات سجاد ص ۱۳، ۱۴۔

۲- یہ روایت جناب حافظ وقاری مولانا عین الحق صاحب مظاہری استاذ شعبۂ حفظ وقرأت مدرسہ انوارالعلوم معروف گنج گیا (بہار) نے بیان کی۔

یافتہ قاضی احمد حسین صاحبؒ کے سپرد ہوئی، قاضی صاحبؒ نے اس مدرسہ کو ترقی دینے کی بھرپور کوششیں کیں، وہ اعلیٰ درجہ کے اساتذہ کی تلاش میں سرگرداں رہے، اور کئی باصلاحیت اساتذہ کی خدمات انہوں نے حاصل کیں، انہی میں ایک نامور استاذ مولانا مظاہر امام صاحب بھی تھے، جوشیر گھاٹی گیا کے رہنے والے تھے، ایک عرصہ تک بہار شریف میں پڑھا چکے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی ان کی استعداد کی بڑی تعریفیں کرتے تھے، وہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ جیسی عظیم درسگاہ کا پرنسپل بننے کی لیاقت رکھتے تھے، لیکن انگریزی میں دستخط نہ کر سکنے کی بنا پر اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے ۔ جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے حامی تھے، اور یہی چیز مدرسہ کے لئے فتنہ کا سبب بن گئی، حضرت مولانا سجادؒ کے بعد گیا کی ملی سیاست کا نقشہ ہی تبدیل ہو گیا تھا، جو شہر جمعیۃ علماء ہند اور اس کے واسطے سے کانگریس کا گہوارہ رہ چکا تھا، جہاں، خلافت، جمعیۃ اور کانگریس کے بڑے بڑے تاریخی اجلاس ہو چکے تھے، حضرت مولاناؒ کے بعد ملکی حالات کے تغیرات کے نتیجے میں وہاں کی اکثریت کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند سے بیزار ہو چکی تھی، مسلم لیگ کے پاکستان جیسے خوشنما نعروں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا، شہر کے اکثر مسلمان مسلم لیگ کے حامی ہو گئے تھے، مولانا مظاہر امام صاحب کا جمعیتی اور کانگریسی انتساب ان کو قطعی گوارا نہیں ہوا، ناظم مدرسہ قاضی احمد حسین صاحب ان دنوں امارت شرعیہ پھلواری شریف میں مقیم تھے، ان کی غیر موجودگی میں مقامی لیڈروں نے مدرسہ پر قبضہ کر لیا، آگے کی رپورٹ قاضی صاحب کے پھوپھی زاد بھائی حضرت شاہ محمد عثمانیؒ سے سنئے:

> ''قاضی صاحب کو تار دیا گیا، وہ گیا تشریف لائے، اور چاہتے تھے کہ مقدمہ کی کاروائی کریں، لیکن ان کے چھوٹے بھائی نے مشورہ دیا کہ لڑائی نہ کی جائے، انہوں نے کہا کہ مدرسوں کی کیا اہمیت ہے، ملک میں ہزاروں مدرسے ہیں، اور ان کو علماء دین جو جمعیۃ علماء سے وابستہ ہیں چلا رہے ہیں ایک مدرسہ نہ ہی، مولانا سجاد کی یادگار صرف یہی مدرسہ تو نہیں، ان کی یادگار جمعیۃ علماء اور امارت شرعیہ بھی تو ہے، ان کو چلایا جائے چنانچہ قاضی صاحب نے لڑنے کا ارادہ ترک کر دیا، اور پھلواری شریف واپس تشریف لے گئے۔
>
> اس کے بعد یہ مدرسہ مختلف دوروں سے گزرتا رہا مولانا ابو محمد صاحب مرحوم اور مولانا اصغر حسین نے اس کے لئے بہت بڑی جائیداد بھی حاصل کی، پھر اس کا انتظام ان لوگوں کے قبضہ میں چلا گیا جن کا مزاج عربی مدارس کے چلانے کا نہ تھا وہ کوئی اسکول البتہ اچھی طرح چلا سکتے تھے۔''[1]

[1] حسن حیات مصنفہ شیخ محمد عثمانیؒ ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

اس طرح ملت کا یہ قیمتی تاریخی سرمایہ زوال پذیر ہوگیا، اور باوجود بے پناہ جائداد موقوفہ کے اس مدرسہ کا معیار تعلیم گرتا چلا گیا، اب یہ درجات حفظ تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔

آج کل یہ مدرسہ بہار وقف بورڈ کے ماتحت ہے، سرکاری تنخواہ یاب ملازمین ہیں، وسیع وعریض عمارتیں ہیں، بڑی جائیداد ہے اور سب کچھ ہے مگر مولانا محمد سجادؒ جیسا کوہ کن کوئی نہیں ہے۔

گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات
قافلۂ حجاز میں کوئی حسین ہی نہیں

مدرسہ انوار العلوم گیا کا صدر دروازہ

مدرسہ انوار العلوم گیا کے کھنڈرات

مدرسہ انوارالعلوم گیا کی قدیم مرکزی عمارت جواب کھنڈرات نظر آتی ہے

مسماۃ بی بی مریم صاحبہ دختر مرزا دوست محمد دیوان ریاست ٹکاری گیا کی قبر
جنہوں نے مدرسہ کے لئے اراضی وقف کی تھیں، یہ قبر مدرسہ کے احاطہ میں موجود ہے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء
القرآن الحکیم

ورثة الانبياء العلماء
حديث النبي الكريم

هذا سند التكميل لمن فرغ عن التحصيل

الله اكبر

مدرسة انوار العلوم الواقعة في بلدة جيا

حمداً لمن نزل على عبده الكتاب كتاباً ونظاماً، وأمرهم بحفظ الكتاب وعلمهم حلالاً وحراماً، وشكراً لمن نصب العلماء في مجاري تعلمها اعلاماً، ورفع لهم على حصون الفضل الوية واعلاماً، فصنفناهم وجعل منهم قدوة واماماً، ووفقهم للزهد والعبادة فراغهم من عنده صلوة وصياماً، فهم الذين يبيتون لربهم سجداً وقياماً، ويخرون للاذقان ولا يلقون سلاماً وسلاماً، فها اولئك بنعمة الله هذه راضون، وحبه في قلوبهم مشرق، كالدر المكنون، فيحبهم ويحبونه، لا يفعلون ما يؤمرون يتلون ويخشون، ولربهم يحمدون، وبحمده يسبحون، وبالكتاب الذي يتلقون، فدائماً عند الله مقربون، حتى بعضهم لا يبصرون، وبطنه يطيشون، ثم الصلوة العطرة بالنوافح المسكية والعنبرية، ما دامت الادوار الشمسية والقمرية والاقطار المغربية والمشرقية، الف الف مرة، بعد كل ذرة، كرة بعد كرة، على باعث الكونين، سيد الثقلين، نبي الحرمين، المدعو محمد المصطفى احمد المجتبى صلى الله عليه وسلم وعلى آله واصحابه الصادقين، واوليائه الصالحين الذين صرفوا اعظام جهدهم لاقامة الدين، واشاعوا الاسلام في البلاد والقرى من اقصى العرب الى اقصى الارضين، واراقوا دماءهم في سبيل الله فهم احياء عند ربهم يرزقون فرحين في كل آن وحين، **اما بعد** فان اسمى اللآلي التي تنتظم في سلك القلوب والجنان، تحصيل العلوم بالتحقيق والاذعان، وانها هي سموط الدرر وعقود الجمان، تكميل النفس بمعرفة المنان، لاسيما العلوم الحقيقة المعدة للعرفان، والمنجية من فيح النيران، فالتخلية بعد التحلية، والتبرئة بعد التبشرة لمن كمل نفسه بتحصيلها، وجعل سره بتكميلها وشمل ذيل جهده بتعلمها وتعليمها، الذي هو صالح راشد، .... الذي تلمذ علينا وقرء لدينا الكتب الدرسية في العلوم العقلية والنقلية، حين اقامتنا في بلدة الجيا **بمدرسة انوار العلوم** الواقعة في بلدة **جيا** صينت عن الحوادث الى يوم الجزاء التي است على التقوى لا السمعة والرياء والتي احسن بنيانها واحكم قواعدها، فريد دهره النحرير العلامة، والحبر الفهامة، الواصل الى خالق البرية، مولانا ابو المحاسن **محمد سجاد** سقى الله ثراه الى يوم التناد، فلما فرغ عن التحصيل، بفضل الله الجليل، وحصل له استعداد تام لاخذ المطالب، وفهم كامل لدرك المآرب، فاجزنا بكل ما يجوز لنا درايته من المعقول والمنقول، بالشرط الذي هو عند الله معتبر ومقبول، وكتبنا له هذه الاجازة ونوصيه بتقوى الله، وان يعلم الناس ويذكرهم لوجه الله، ويأمرهم بالحسنات واجتناب السيئات، [illegible] الطاقة البشرية، ويفتي الناس من الكتب الفقهية الحنفية، المعتبرة الاخيار من اولى الابصار و[illegible] لامور اتباع المتقدمين [illegible] من المتصوفين والعلماء الراسخين، ونرجوا منه ان لا ينسانا من دعواته في خلواته وجلواته، ونسئل الله ان ينفع به ويوفقنا اياه لما يحب ويرضاه، ويغفر لنا وله ولجميع المؤمنين، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين، ها انا نشرع في تفصيل الكتب التي قرءها لدينا، وسمعها عندنا، واجزناه بها فمن التفسير البيضاوي والمدارك والجلالين ومن الفرائض سراجي ومن الحديث الصحيح البخاري والصحيح المسلم والسنن للترمذي والسنن للنسائي والسنن لابي داؤد والسنن لابن الماجه القزويني ومن اصوله نخبة الفكر ومن الفقه الهداية وشرح الوقاية والقدوري ومنية المصلي ومن اصوله المسلم الثبوت والتوضيح مع التلويح ونور الانوار والاصول الشاشي ومن المنطق سلم العلوم وقطبي مع ميرومن الفلسفة والميبذي والهدية السعيدية والعقائد شرح العقائد للنسفي ومن المناظرة الرشيدية ومن المعاني والبيان المطول ومختصر المعاني ومن الادب المقامات الحريري والديوان للحماسة والسبعة المعلقة والديوان للمتنبي و اخوان الصفا ونفحة اليمن ومن الصرف والنحو الكتب المتداولة والرسائل المعتبرة المعمولة.

امضاء المجيزين	توثيق الاراكين	تصديق العلماء الحاضرين

سند فضیلت مدرسہ انوار العلوم گیا جو فارغ ہونے والے طلبہ کو دی جاتی تھی

تدریسی امتیازات وخصوصیات

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بڑے عالم ہونے کے ساتھ کامیاب مدرس بھی تھے، طالب علمی کے زمانہ ہی سے ان کو اس میدان میں شہرت حاصل ہوگئی تھی مختلف علوم وفنون پر بے پناہ قدرت کے ساتھ تفہیم کا جوملکہ اللہ پاک کی جانب سے ان کو عطا ہوا تھا اس کی بنا پر وہ طالب علم کے ذہن ودماغ پر چھا جاتے تھے، اور طالب علم محسوس کرتا تھا کہ علم اسے گھول کر پلایا جارہا ہے، گو کہ مولاناؒ کا زمانۂ تدریس بہت زیادہ طویل نہیں رہا، زمانۂ طالب علمی کی تدریس کو بھی شامل کرلیا جائے تو کل مدت تدریس بیس اکیس سال ہوتی ہے، اس مختصر سی مدت میں جس طرح آپ کی تدریس کے جوہر کھلے، اگر کچھ عرصہ اور بھی آپ کو موقعہ ملا ہوتا تو شاید غیر منقسم ہندوستان میں کوئی آپ کی ہمسری نہ کرسکتا، اور یہ خیال میرا نہیں بلکہ آپ کو بہت قریب سے دیکھنے والے اور پورے ملک کے اداروں اور شخصیات پر گہری نظر رکھنے والے ماہر تعلیم اور مبصر حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ''ہندوستان میں بڑے فضلاء اور کامیاب ترین درس دینے والے گذرے ہیں اور آج بھی کچھ موجود ہیں، مگر کم لوگوں کو یہ فخر حاصل ہے، کہ اس قدر جلد علمی صفوں میں نمایاں ہوئے ہوں جس قدر جلد اور جتنی کم سنی میں مولانا کے علم وتبحر کو اہل علم نے تسلیم کرلیا، اگر مولانا نے اپنی زندگی کا رخ دوسری طرف نہ پھیر دیا ہوتا، اور وہ برابر پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے، تو بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے سب سے زیادہ کامیاب مدرس اور سب سے زیادہ شفیق استاذ ہوتے۔''[1]

مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''میں نے ایسا تربیت دینے والا بھی نہیں دیکھا، میں پندرہ سولہ سال ان کی خدمت وتربیت میں رہا، میں نے ایسا شفیق مربی نہیں دیکھا۔''

(مکتوب بنام مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی، بتاریخ ۲۹؍مارچ ۱۹۸۶ء)

اور یہ رائے تنہا مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی نہیں بلکہ مولانا کے تمام تلامذہ اس باب میں متفق الرائے ہیں، جس نے ایک سبق بھی مولانا سے پڑھا وہ ساری زندگی کے لئے آپ کا گرویدہ ہوگیا، اور اس سعادت کو اپنے لئے سرمایۂ فخر تصور کرنے لگا، آپ کے سب سے بڑے علمی وفکری جانشین

۱- حیات سجاد ص ۱۲۔

مولانا عبدالحکیم صاحب نے پورے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ میں نے اپنی پوری علمی زندگی میں مولانا کے پایہ کا نہ عالم دیکھا اور نہ مدرس دیکھا، مولانا کی شاگردی پر اظہار فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں مولانا کا شاگرد ہوں، اگرچہ حقیر اور کمترین ہوں۔ مولانا کے درس وتدریس کا یہ حال تھا کہ بڑی محنت اور کاوش سے پڑھاتے تھے، اور کتاب کے مطالب مع مالہ وماعلیہ اس آسانی سے طلبہ کے دماغ میں اتار دیتے تھے، کہ دماغ چمک اٹھتا تھا، مولانا کے طرز تدریس کی بڑی شہرت اور دھوم رہی۔''[1]

مولاناؒ کے متعدد تلامذہ نے مولاناؒ کے درس کی جو کیفیات لکھی ہیں، ان کی روشنی میں آپ کے درس کی درج ذیل خصوصیات ابھر کر آتی ہیں:

☆ مکمل مطالعہ وتیاری کے بعد پورے انہماک کے ساتھ آپ کتابوں کو سمجھاتے تھے، نہ اس میں الفاظ کا بخل ہوتا تھا اور نہ وقت کی تنگ دامانی کا گلہ۔

☆ اگر ایک بار کی تقریر سے تشفی نہ ہوتی تو دوبارہ سہ بارہ تقریر کرنے میں چیں بجبیں نہ ہوتے۔

☆ اگر اوقات مدرسہ میں آسودگی نہ ہوتی تو الگ سے وقت دینے میں دریغ نہ فرماتے۔

☆ حد تو یہ تھی کہ کسی طالب علم کو آپ کے بیان کردہ مطلب پر اعتماد نہ ہوتا تو شروح وحواشی دکھلا کر اس کی تشفی فرماتے۔

☆ مشکل مقامات میں کسی طالب علم کو شبہ ہوتا تو دوسرے صاحب علم وفضل کے سامنے مقام شبہ کی تقریر فرما کر طالب علم کو مطمئن کرتے، اور اس میں ذرا بھی اپنے لئے عار محسوس نہ کرتے اور نہ طالب علم سے بدگمان ہوتے۔[2]

طلبہ کی ضروریات کا خیال

☆ طلبہ کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے، پڑھنے لکھنے کے علاوہ ان کے کھانے پینے رہنے سہنے، صحت وبیماری اور گھریلو حالات سے بھی واقف رہتے، اور اپنی اولاد کی طرح ان کو ہر ممکن سہولیات بہم پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''مولاناؒ کا سلوک طلبہ کے ساتھ اس درجہ بہتر تھا، کہ ان دنوں اس کا تصور مشکل ہے کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے میں مولانا نے کبھی امتیاز روا نہ رکھا، یہ ناممکن تھا، کہ مولانا کھائیں، اور

۱۔ محاسن سجاد ص ۵۔

۲۔ محاسن سجاد ص ۲۲ مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ۔

طالب علم بھوکا رہ جائے، بیمار طلبہ کے علاج کا نظم خود مولانا کیا کرتے تھے، حکیم کے یہاں لے جانا، دوا لانا، دوا پلانا، تیمار داری کرنا، ان میں سے زیادہ تر کام مولانا خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ مولانا پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے، آج بھی مولانا کے جو شاگرد موجود ہیں، وہ اس وقت بھی مولانا کی شفقت اور مہربانیوں کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں، اور انہیں اس کا اعتراف ہے کہ جتنی خدمت مولانا نے ہماری کی ہوگی اتنی خدمت ہم مولانا کی نہیں کرسکے ہیں۔"[1]

استاذ کی محبت واحترام کے بغیر علم دل ودماغ میں نہیں اترتا، طلبہ کے ساتھ مولانا کا یہ سلوک محض انسانی خدمت کے نقطۂ نظر سے نہیں تھا بلکہ ان کے لئے علم کی منزل کو آسان کرنا بھی مقصود تھا، مولانا اپنے حسن سلوک اور محبت کے ذریعہ طلبہ پر علم کا ایسا نشہ چڑھا دیتے تھے کہ حصول علم کے لئے ثریا تک کے لئے وہ آمادۂ سفر ہوجاتے تھے، بقول ڈاکٹر محمد اقبالؔ:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

تدریسی فنائیت

مولانا ایک نہ تھکنے والے مسافر علم تھے، ان کا درس فجر کی نماز سے قبل شروع ہوجاتا تھا، اور سونے کے وقت تک جاری رہتا، دوپہر اور عصر کے بعد کا وقت بھی ان کا وقت خدمت علم ہی میں صرف ہوتا تھا[2]، ہندوستان میں استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے بعد کسی بھی استاذ کی ایسی تدریسی فنائیت سننے میں نہیں آئی۔

چھٹیوں میں تعلیم

طلبہ کے اوقات کا بڑا خیال رکھتے تھے، اور زیادہ سے زیادہ ان کو تعلیم میں مشغول رکھتے، مولانا اس کے لئے کبھی خود بھی زیر بار ہوتے تھے لیکن ممکن حد تک اس کو گوارا فرماتے تھے، مثلاً مدرسہ میں لمبی چھٹیاں ہوجاتیں تو آپ کچھ طلبہ کو اپنے گھر لے جاتے اور ان کو گھر پر تعلیم دیتے اور ان کے اخراجات کی کفالت خود برداشت کرتے تھے، مولانا اصغر حسین صاحب بہاریؒ ان خوش نصیب طلبہ میں سے ایک ہیں، جو تعلیمی چھٹیاں کاشانۂ ابوالمحاسنؒ پر گذار چکے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

"طلبہ کے اسباق کا اس قدر احساس تھا، کہ شہر کی آب وہوا کی ردائت کے باعث مدرسہ ہفتہ

۱- حیات سجاد ص ۱۱، ۱۲۔

۲- حیات سجاد ص ۳۰ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

دو ہفتہ کے لئے بند ہو جاتا تو پندرہ بیس طلبہ کو پنھسہ اپنے مکان لے جاتے، اور سب کے ناشتے کھانے کے خود کفیل ہو کر مکان ہی پر درس میں مشغول ہوتے، مجھ کو بھی ایک مرتبہ ایسا موقعہ ملا ہے، اس وقت مولانا کے یہاں خوب کاشتکاری ہوتی تھی۔''[1]

طلبہ میں اعتماد کی روح پھونکنا

وہ طلبہ میں اعتماد کی روح پھونکتے تھے، وہ کتاب کی تفہیم ضرور فرماتے تھے، لیکن چاہتے تھے کہ طلبہ کتاب کی عبارت سے بالاتر ہو کر نفس موضوع پر بھی قابو پالیں، اور وہ مسئلہ پر براہ راست غور کرنا سیکھ جائیں، تاکہ الفاظ کی ثقالت سے آزاد ہو کر کسی بھی مسئلہ میں صحت وسقم کا فیصلہ کرنے کی ان میں صلاحیت پیدا ہو جائے، آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ جو خود بڑے اعلیٰ درجہ کے عالم، فقیہ اور مدرس ہوئے ہیں، اور جنہوں نے سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنے استاذ کے طریقۂ تعلیم پر روشنی ڈالی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''استاذ مرحوم فرمایا کرتے تھے، کہ پڑھنے والے کے سامنے دو باتیں رہنی ضروری ہیں، ایک تو یہ کہ جس مسئلہ کو تم کتاب میں پڑھ رہے ہو پہلے اس کو کتاب سے سمجھو کہ صاحب کتاب اس کے متعلق کیا کہہ رہا ہے، اور اس سمجھنے میں جو کچھ سمجھو اس کی عبارت سے سمجھو کسی خیال کو اپنی طرف سے زبردستی اس میں نہ ٹھونسو، اس کے سمجھ لینے کے بعد دوسری چیز یہ ہے کہ یہ سمجھو کہ اصل مسئلہ کی حقیقت ہے کیا؟ اور جب اصل مسئلہ کی حقیقت سمجھ لو تو اس کے بعد یہ بھی دیکھو کہ صاحب کتاب سے اس حقیقت کے سمجھنے میں چوک تو نہیں ہوئی ہے، پس حضرت استاذ پہلے کتاب کی تفہیم فرماتے، پھر نفس مسئلہ کی طرف رہنمائی فرماتے، اس طرح پڑھنے والے میں تحقیق، تلاش، محنت، مطالعہ اور فکر کا جذبہ پیدا کر دیتے تھے اور پڑھنے والے کے دماغ کی تربیت فرماتے تھے، حضرت استاذ طلبہ کو نہ تو بے محابا، بگ ٹٹ، ایسا رواں دواں دیکھنا چاہتے تھے، کہ بے خبری میں ہر موڑ اس کے لئے خطرناک خندق بن جائے، اور اس کے لئے مغلطہ کا باعث ہو، اور نہ وہ طلبہ کے لئے یہ پسند فرماتے تھے کہ صرف کتاب کا رٹو ہو کر رہ جائے اور دماغ اس جوہر لطیف سے خالی رہے، جو علم کا مقصود ومطلوب ہے۔''[2]

ظاہر ہے کہ اس کے لئے وسیع علم، گہرے مطالعہ اور طویل تجربہ کی ضرورت ہے اور لازم

۱- محاسن سجاد ص ۲۲ مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ۔ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے بھی حیات سجاد میں مولانا کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے (حیات سجاد ص ۴۰)

۲- حیات سجاد ص ۲۹، ۳۰ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

ہے کہ استاذ کتاب وفن دونوں پر پوری طرح حاوی ہو، مولانا سجادؒ کا یہ طریقۂ تدریس ان کے بے پناہ علم وکمال اور تدریس کی مجتہدانہ صلاحیت کی علامت ہے، مولانا سجاد کو ہر علم وفن میں کمال حاصل تھا، اور ہر فن کی کتاب وہ اسی شان سے پڑھاتے تھے، آج علم وفن کی درسگاہیں ایسے باکمال مدرسین سے خالی ہیں، بلکہ پہلے بھی خال خال ہی ایسے لوگ ہوئے ہیں۔

طلبہ کی نفسیات تک رسائی

ایک استاذ کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ انسانی نفسیات سے واقف اور طلبہ کا نبض شناس ہو، تاکہ جہاں مرض ہو وہیں سے علاج شروع کیا جاسکے، اور طالب علم میں کتاب سے محبت اور فن میں بصیرت پیدا ہو، مولانا سجادؒ کو اس میں خصوصی امتیاز حاصل تھا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ رقمطراز ہیں:

> ''استاذ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ تعلیم کی ایک خصوصی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے عمیق تعلیمی تجربہ اور تجر کی بنا پر اول نگاہ میں پڑھنے والے کی صلاحیت، اس کی استعداد، اس کی خامی اور اس کے نقص کو بھانپ لیتے تھے، اور سبق کے وقت سب سے پہلے اس کی اس خامی کا ازالہ فرمادیتے تھے، جس کا ہونے والے سبق سے تعلق ہوتا تھا، تاکہ فہم سبق کی راہ میں دشواری نہ رہے اور اس کے لئے ایسا لطیف پیرایہ اختیار فرماتے کہ دوسرے ہم سبق کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا اور اس کے دل کی گرہ کھل جاتی تھی۔''[1]

طریقۂ تفہیم کی انفرادیت

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ ہر میدان کی طرح طریقۂ تدریس میں بھی ایک انفرادی شان کے حامل تھے، وہ مروجہ طریقہائے تدریس کی پابندی کے بجائے ایک مستقل طرز تدریس کے موجد تھے، ان کا طرز تدریس افراط وتفریط سے پاک اور عدل کامل کا نمونہ تھا، آپ کے طریقۂ تعلیم کے سب سے بڑے مبصر مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب آپ کے طرز تفہیم کی انفرادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں:

> ''میں جس دور میں حضرت استاذ کے حضور میں حاضر ہوا تھا، طریقۂ تعلیم میں عجب قسم کی افراط وتفریط تھی، جو تمام مدارس عربیہ میں الا ماشاء اللہ عام تھی۔
>
> درس کے وقت اساتذہ کا معمول یا تو یہ تھا کہ پڑھنے والا ایک انداز کردہ مقدار میں

۱- حیات سجاد ص ۳۰ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

عبارت پڑھ جاتا تھا اور پڑھانے والا اس کے متعلق ایک زوردار تقریر میں اس کے مطالب کو پیش کردیتا تھا، اور اسی سلسلہ میں اعتراض وجواب اور اس کی ضروری تنقیحات کو بیان کردیتا اس کے بعد پڑھنے والا عبارت کا ترجمہ کرتا تھا اور اس طرح پر وہ سبق ختم ہوجاتا تھا،

یا یہ دستور تھا، کہ پڑھنے والا ہونے والے سبق کی ایک دوسطریں پڑھ کر ترجمہ کرتا تھا اور پڑھانے والا اس کا مطلب بیان کرتا، پھر اس عبارت پر جو ایراد واعتراض ہوتا اس کو بیان کرکے جواب دیتا، پھر اسی طرح دو چار سطریں پڑھی جاتیں، اور ان کا ترجمہ اور مطلب اور ایراد واشکال اسی طرح بیان کیا جاتا، یہاں تک کہ اندازہ کردہ مقدار میں عبارت پوری ہوجاتی، اور یہاں پہنچ کر سبق ختم ہوجاتا۔ پہلی صورت میں عملاً یہ نقص ہوتا تھا کہ طلبہ میں محاکات اور نقل کی استعداد تو تام ہوجاتی تھی اور کتاب کے ہر مسئلہ پر وہ ایک رواں دواں تقریر کے عادی تو ہو جاتے تھے، مگر کتاب سے خصوصی مناسبت نہیں ہوتی تھی اور نہ قوت مطالعہ قوی ہوتی تھی، اور بسا اوقات پڑھنے والا اس تفہیم پر بھی قابو نہیں رکھتا تھا، کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے عبارت اس کی متحمل ہے یا نہیں؟ اور اگر متحمل ہے تو اس کے لئے سبق کی کون سی عبارت منشا ٔ ومآخذ ہے؟ پھر اس کے علاوہ اگر اس کی محاکاتی تقریر پر بیچ میں اگر کوئی اشکال پیش کردیا جاتا، تو میں نے دیکھا کہ یہ ساری تقریر اس طرح الجھ کر رہ جاتی تھی کہ اس کو سمجھنا مشکل اور دشوار ہوجاتا تھا کہ اس کی تقریر کے جس ٹکڑے پر یہ ایراد ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اور اس کا جواب خود عبارت میں موجود ہے یا نہیں؟

دوسری صورت میں عموماً عملاً یہ تو محسوس ہوتا تھا کہ طلبہ میں کتاب سے کافی مناسبت بھی ہے، قوت مطالعہ بھی ہے، وہ عبارت کا صحیح مفہوم بھی سمجھتا ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ بڑی کمی دیکھنے میں آتی تھی، کہ وہ اپنے دماغ میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی خاص روشنی نہیں رکھتا ہے اور نہ اس پر قدرت رکھتا ہے، کہ وہ کتاب سے الگ ہوکر ایک سلجھی ہوئی تقریر میں اس چیز کی ترجمانی کرے، جو صاحب کتاب کا مقصد ہے، اور جو خود اس کے پڑھنے کا مطلوب ومقصود ہے۔ حضرت استاذ کا طریقۂ تعلیم اس افراط وتفریط سے الگ بین بین تھا، وہ طلبہ کو کتاب سے اخذ مطلب پر زور دیتے تھے، اور اس طرح ان کی قوت مطالعہ میں پختگی ہوجاتی تھی، اور کتاب سے خاصی مناسبت پیدا ہوجاتی تھی۔"[1]

یہ حضرت ابوالمحاسنؒ کی تدریسی خدمات وامتیازات کے چند اجزاء پیش کئے گئے ہیں، تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے۔

طویل عمر ہے درکار اس کے پڑھنے کو
ہماری داستاں اوراق مختصر میں نہیں

۱- حیات سجاد ص ۲۸، ۲۹ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

فصل دوم

قلمی خدمات

اللہ پاک نے حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کو علم کی جس دولت بے پایاں سے مالا مال کیا تھا، اور آپ کے سینہ میں علم کا جو بحر بے کراں موجزن تھا، افسوس اس کا عشر عشیر بھی سفینہ میں منتقل نہ ہو سکا، وہ تحریکی اور تنظیمی کاموں میں اتنے مصروف رہے، اور ملک وملت کے زلف پریشاں کی استواری کی فکر نے ان کو ایسا بے چین رکھا کہ باوجود خواہش وکوشش کے وہ قلمی اور تصنیفی خدمات کے لئے زیادہ وقت نہ نکال سکے[1]، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ برسوں کے مشاغل اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا، قدرت کی طرف سے ماہ وسال کا بہت کم وقفہ ان کے لئے رکھا گیا تھا، اور اسی مختصر عرصہ میں ان کو اپنے حصہ کا سارا کام انجام دینا تھا۔

علاوہ لکھنے پڑھنے کے لئے جس فرصت ویکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کو میسر نہیں تھی، ان کی صبح وشام قوم وملت کے اتنے مسائل سے گھری رہتی تھی کہ خود اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کے لئے بھی ان کے پاس وقت نہیں تھا۔

لیکن انتہائی مصروف ترین لمحات میں بھی جو منتشر تحریریں آپ کے اشہب قلم سے صادر ہوئی ہیں وہ علم وحکمت کے بیش قیمت شہ پارے اور دقائق ومعانی کی دستاویزی یادگاریں ہیں۔

آپ نے مختلف مواقع پر فتاویٰ یا مقدمات کے فیصلے تحریر کئے، ملک کے حالات پر اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھے، علماء واعیان اور احباب ومتعلقین کے خطوط کے جوابات دیئے، جلسوں اور کانفرنسوں میں صدارتی خطبات پیش فرمائے، مجالس اور کمیٹیوں کی تجویزیں مرتب

---

[1]- آپ کے کئی تلامذہ اور متعلقین نے اس احساس کا اظہار کیا ہے کہ آپ بعض مسائل پر لکھنا چاہتے تھے، لیکن وقت میں گنجائش نہیں تھی، مثلاً:

☆ مسئلۂ امارت آپ کی بنیادی فکر تھی، اور اس موضوع پر تمام تر علمی مواد آپ کے ذہن میں موجود تھے، لیکن وقت کی تنگی کے سبب سے اپنے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کو ان افادات کو مرتب کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ مولانا رحمانیؒ نے آپ کی حیات ہی میں ''ہندوستان اور مسئلۂ امارت'' کے نام سے ایک علمی اور دستاویزی کتاب تیار فرمادی تھی، گو کہ اشاعت بعد میں ہو سکی۔

☆ اسی طرح حکومت اسلامی پر بھی آپ ایک مفصل اور مدلل کتاب لکھنا چاہتے تھے، اس کا مکمل علمی وعملی خاکہ آپ کے ذہن میں تھا، آپ نے ان کی تفصیلات نوٹس کی شکل میں قلمبند کی تھیں، لیکن ابھی تمہید ہی لکھ پائے تھے کہ وقت موعود آپہنچا (حکومت الٰہی ص ۱۵ عرض ناشر طبع اول بقلم حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ طبع دوم از امارت شرعیہ ۱۹۹۹ء) وغیرہ۔

کیں، اداروں یا ملکوں کے دستوری مسودات تیار فرمائے، نئی کتابوں پر تقریظات یا تبصرے لکھے، ان میں بھی کچھ محفوظ رہے اور زیادہ تر ضائع ہوگئے، اگر آپ کے وصال کے بعد ہی آپ کے علمی ذخیروں کے تحفظ پر توجہ دی گئی ہوتی تو شاید کچھ زیادہ علمی سرمایہ دنیائے علم وفن کے لئے محفوظ رہ جاتا[۱]، لیکن اللہ کے علم میں جس قدر بچنا تھا وہی بچ سکا، علم کا جو حصہ اٹھالیا جانا منظور تھا، اٹھالیا گیا، حدیث میں آتا ہے کہ علم سینوں سے سلب نہیں کیا جائے گا بلکہ علماء اٹھالئے جائیں گے اور ان کے ساتھ علم بھی اٹھ جائے گا۔[۲]

حضرت ابوالمحاسنؒ کا علم سینہ سے سفینہ میں منتقل نہ ہوسکا

غرض ہمارے پاس جو موجود سرمایہ ہے اس کو حضرت مولانا سجادؒ کے علم سے کوئی نسبت نہیں ہے، جن لوگوں نے مولاناؒ کی زیارت کی تھی، ان کو سنا، برتا، اور ان کے ساتھ معاملات کئے، سفر وحضر میں ساتھ رہے، مجلسی بحثوں میں حصہ لیا، سوالات پوچھے، اور علم کے ساتھ ان کے بے پناہ اشتغال کا تجربہ کیا تھا، وہی لوگ سمجھ سکتے تھے کہ حضرت مولانا سجادؒ کا علم کیسا تھا؟، مولاناؒ کا علم ان کے سینہ میں دفن ہوگیا اگر وہ سفینہ میں منتقل ہوجاتا جس کا ان کے پاس موقعہ نہیں تھا، تو نہ معلوم کتنی لائبریریاں تیار ہوجاتیں۔ بڑے بڑے جبال علم ان کے سامنے اپنے کو کوتاہ قد محسوس کرتے تھے، علمی مباحث میں ان کی فکر کی گہرائی کا اندازہ کرنا عام غواصان علم وفن کے لئے بھی آسان نہ تھا۔

حضرت ابوالمحاسنؒ کے طرز تحریر کی خصوصیات

وہ کم گو تھے لیکن جب بولتے پر مغز بولتے تھے، ان کی عبارتوں میں چھلکے نہیں صرف گودے ہوتے تھے، رطب و یابس سے پاک ان کی زندگی کی طرح ان کی تحریریں بھی صاف ستھری، بے لاگ،

۱- حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سابق قاضی القضاۃ امارت شرعیہ پھلواری شریف نے بھی اپنے اس احساس اور عزم کا اظہار کیا تھا:

''دوستو! حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو ہم نے جتنے دن بھی بھلا کے رکھا ہے آئندہ اس گناہ کو دہرانا نہیں چاہئے ''کل شی مرھون باوقاتہ'' اللہ نے جو وقت رکھا تھا اس وقت ہم نے ان کو زندہ کیا ہے، ان شاء اللہ ہمارا مستقبل بھی انہیں باقی رکھے گا''

(مولانا ابوالمحاسن سجاد- حیات وخدمات (سیمیناری مجلہ) ص ۲۷)

۲-عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یقول (إن اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء (الجامع الصحیح المختصر
المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبداللہ البخاري الجعفي ج ۱ ص ۵۰ حدیث نمبر ۱۰۰ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1407ھ-1087ءتحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة-جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا)

واضح اور اعتدال وخوش ذوقی کا نمونہ ہوتی تھیں، ان کے الفاظ ان کے افکار ومعانی کا بوجھ اٹھانے میں تعب محسوس کرتے تھے، ان کے جملوں کی ساخت، الفاظ کا انتخاب، اور تعبیرات کا اسلوب ہمیشہ مخاطب کی سطح کے مطابق ہوتا تھا، وہ دقیق سے دقیق باتوں کو انتہائی عام فہم اسلوب میں بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے، ان کے یہاں نہ تعقید تھی اور نہ اغلاق، نہ اجمال تھا اور نہ ابہام، قانون کی زبان لکھتے، تجاویز مرتب کرتے، یا کوئی دستوری مسودہ تیار فرماتے تو اتنے جچے تلے الفاظ اور تعبیرات کا استعمال کرتے کہ اس میں نہ کوئی لفظ بڑھانا ممکن ہوتا اور نہ کم کیا جانا اور نہ بدلا جاسکتا تھا، وہ انسانوں کی طرح الفاظ اور جملوں کے درجۂ حرارت سے بھی باخبر تھے، اس لئے ہر لفظ بالکل صحیح جگہ پر فٹ ہوتا تھا، وہ مفکر تھے اور ان کی تفکیریت ان کے جملوں سے عیاں ہوتی تھی، وہ مشکل الفاظ سے اپنی عبارت کو بوجھل بنانے کے قائل نہیں تھے، وہ بیانیہ اسلوب تحریر کے عادی تھے، اور ہر بات بالکل صاف صاف کہتے اور لکھتے تھے، جس طرح ان کی زندگی کھلی کتاب تھی ان کی تحریریں بھی ان کی زندگی کی آئینہ دار ہیں، ان کی شخصیت کے ساتھ ان کا طبعی انکسار ان کی تحریروں میں بھی جھلکتا ہے، بلند علمی حقائق بیان کرنے کے باوجود کبھی اپنے بڑے ہونے کا خیال بھی نہیں آیا، انہوں نے مرادآباد کے مجمع عام میں صدارت کی کرسی سے اس بات کا اعلان کیا کہ:

> ”بلا تصنع میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں، کہ میں ایک طالب علم ہوں، اور رسمی وعرفی طور پر اگرچہ علمائے کرام کی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت مل گئی ہے مگر میں علمائے کرام وفضلائے عظام کی پائیں میں بھی بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں، کیونکہ ایک عالم دین کو علمی وعملی حیثیت سے جس درجہ پر ہونا چاہئے، میں یقین رکھتا ہوں کہ اب تک میں وہاں تک نہیں پہنچا اور ہنوز ہر حیثیت سے ناقص ہوں۔ شاید اس زندگی سے چندگونہ زائد زندگی بھی اگر مجھ کو میسر آئے تو بھی مجھے یقین نہیں کہ علمائے ربانیین کے ادنی مرتبہ تک پہنچ سکوں۔“[۱]

حضرت مولاناؒ کے تحریری سرمایہ کے تحفظ کی کوششیں

حضرت مولاناؒ کے علوم وافکار کو کچھ آپ کی حیات میں اور زیادہ تر آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے مرتب فرمایا، مولانا رحمانیؒ اپنے استاذ کے علوم وافکار کے امین بھی تھے اور ترجمان بھی، امارت شرعیہ کے ہر پہلو پر علمی بنیادیں تحریری

۱۔ خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۸،۹۔

صورت میں آپ نے ہی فراہم کیں، وہ حضرت مولانا سجادؒ کی زبان تھے، اور جس وفاشعاری، سعادت مندی اور امانت داری کے ساتھ انہوں نے اپنے استاذ کی علمی وفکری امانتوں کو دنیائے علم تک پہنچایا اس کی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔

☆ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے علاوہ امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی بھی حضرت ابوالمحاسنؒ کی سیرت اور آپ کے علمی خزانوں کی ترتیب واشاعت کے لئے کافی فکرمند رہے، انہوں نے اپنی اس آرزو کا اظہار آپ کی وفات کے بعد ہی کیا تھا:

> ''حضرت مولاناؒ کے محاسن کو بتلانے اورآپ کی سوانح کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے کا کام چند اوراق میں نہیں ہوسکتا اس کے لئے اچھی خاصی کتاب لکھنے کی ضرورت ہے، خدا کرے کہ یہ آرزو جلد پوری ہوجائے۔''[1]

چنانچہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی کتاب حکومت الٰہی کی پہلی اشاعت آپ ہی کے ذریعہ عمل میں آئی، گوکہ یہ اصل کتاب کا صرف مقدمہ ہے، لیکن مولانا منت اللہ رحمانی کے عرض ناشر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل کتاب کے غیر مرتب نوٹس بھی ان کی دسترس میں تھے، اور ان کو ترتیب دینا گوکہ بہت مشکل کام تھا، لیکن وہ اس کا ارادہ رکھتے تھے۔[2]

☆ اللہ پاک درجات بلند فرمائیں فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے، جو اس عہد اخیر میں علم وتفقہ اور امارت کے لئے دردمندی میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کا عکس جمیل تھے، انہوں نے اپنے سابقین اولین دونوں اکابر کے منصوبوں کو عملی شکل عطا فرمائی، اور ان کے شروع کئے ہوئے کاموں کو آگے بڑھایا، انہوں نے علوم سجادؒ کے کئی گم شدہ دفینے کھوج نکالے اور ان کو مرتب اور شائع کرکے دنیائے علم پر احسان عظیم فرمایا۔

آج علوم سجادؒ کا جو بھی تحریری ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ زیادہ تر حضرت قاضی صاحبؒ کی فکر وسعی کی دین ہے، انہوں نے آپ کی کتابوں کی اشاعت کے علاوہ آپ کے نام پر کئی یادگار قائم کئے، اور آپ کی حیات وخدمات پر پٹنہ میں ایک بڑا تاریخی نمائندہ سیمینار منعقد کیا، جس کو امارت شرعیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، جس میں ملک اور بیرون ملک سے اہل علم اور اصحاب قلم نے شرکت کی، یہ حقیر راقم الحروف بھی اس میں شریک تھا۔

۱- حیات سجاد ص ۲۱۔

۲- عرض ناشر طبع اول حکومت الٰہی ص ۱۵، حضرت مولانا رحمانیؒ کی اس تحریر کے بعد یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حضرت سجادؒ کی ان یادداشتوں کا کیا ہوا؟ کاش آج بھی وہ کسی صاحب علم وتحقیق کو میسر ہوجائیں تو خلافت اسلامی کا ایک خاکہ اردو زبان میں تیار ہوسکتا ہے۔

البتہ سمینار کے بعض شرکاء کی آراء کے مطابق 'مولانا سجاد تحقیقی مرکز' اور آپ کی ایک اچھی سوانح لکھے جانے کی جو تجاویز اس سیمینار میں منظور ہوئی تھیں[1]، وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکیں، قاضی صاحبؒ سخت بیمار ہوئے اور زندگی نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس اہم کام کو انجام دے پاتے، ان کے بعد یہ تمام چیزیں پھر افسانۂ ماضی بن گئیں، اور وہ تجاویز بھی سرد خانے کی نذر ہوگئیں جو بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ منظور کی گئی تھیں۔

حضرت مولانا سجادؒ کا جو مختصر قلمی اثاثہ آج محفوظ ہے اس کے تفصیلی تعارف کے لئے بھی ایک طویل دفتر درکار ہے، یہاں صرف مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے:

(۱) فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول محاسن الفتاویٰ

مرتبہ: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، صفحات: ۳۱۱

یہ پوری جلد حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کے فتاویٰ پر مشتمل ہے، جس کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے مرتب فرمایا اور اپنے مقدمہ، تعلیقات اور حواشی کے ساتھ خود اپنی نگرانی میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے شائع کیا، اس کا دوسرا نام ''محاسن الفتاویٰ'' بھی ہے۔

اس میں مختلف موضوعات سے متعلق کل ۱۹۸ فتاویٰ ہیں، طہارت سے لے کر عبادات نکاح وطلاق، اوقاف، خلافت وقضا کے ابواب تک بہت سے قیمتی مباحث کا یہ مرقع ہے، سطر سطر سے آپ کی فقہی بصیرت اور وسعت مطالعہ نمایاں ہے، بالخصوص وہ فتاوی جن کا تعلق اجتماعی، دستوری اور ملی مسائل سے ہے، مثلاً استبدال وقف، ترک موالات، امارت وخلافت، دیہات میں جمعہ کا حکم، غیر عربی زبان میں خطبۂ جمعہ وغیرہ مسائل، ان پر آپ نے جس انداز سے بحث فرمائی ہے وہ کوئی فقیہ النفس اور زمانہ شناس عالم دین ہی کرسکتا ہے، اس کتاب کے کئی مباحث پر مولانا کے فقہی حصہ میں گفتگو آچکی ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس کے مقدمہ میں جو الفاظ لکھے ہیں وہ اختصار کے ساتھ ان فتاوی کا بہترین تعارف اور اس موضوع پر لکھے جانے والے مضامین کا خلاصہ ہے:

> ''ان فتاویٰ میں جو علمی گہرائی، مقاصد شریعت سے آگہی، اور مطالعہ کی وسعت پائی جاتی ہے، خود اصحاب علم اور ارباب افتاء ان کا ادراک کریں گے۔''[2]

۱- حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات (سیمیناری مجلہ) ص ۷۲ تقریر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ۔

۲- فتاویٰ امارت شرعیہ ج ۱ ص ۲۳۔

یہ توصرف وہ فتاویٰ ہیں جو امارت شرعیہ کے قیام کے بعد آپ نے پھلواری شریف میں رہتے ہوئے دیئے تھے، آپ کے فتاویٰ کی بڑی تعداد وہ تھی جو آپ نے مدرسہ انوار العلوم گیا میں دیئے تھے، کچھ قیام امارت کے بعد اور زیادہ تر قیام سے پہلے، اسی طرح آپ نے الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ کی تدریس کے زمانہ ہی سے فتویٰ نویسی کا کام شروع کردیا تھا، تذکرہ نویسوں کے مطابق آپ روزانہ بعد نماز عصر مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف رکھتے اور افتاء کی ذمہ داریاں پوری فرماتے، الٰہ آباد میں آپ کی شہرت مفتی کی حیثیت سے تھی، لوگ بکثرت ہر طرح کے مسائل کے لئے آپ سے رجوع کرتے تھے، فقہ وفتاویٰ میں آپ نے الٰہ آباد کے مسلمانوں کا ایسا اعتماد حاصل کرلیا تھا کہ لوگ اپنے شرعی مسائل میں آپ کے علاوہ کسی سے رجوع کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اس کا مظہر وہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے اور آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے کہ جب آپ مستقل طور پر الٰہ آباد سے رخصت ہوئے، تو اعیان ورؤساء شہر کا ایک جم غفیر آپ کو الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن حاضر ہوا، اور سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ ''آج الٰہ آباد سے فقہ رخصت ہورہی ہے''، اس سے آپ کی کثرت فتویٰ نویسی کا اندازہ ہوتا ہے، اس وقت تدریس اور فتویٰ نویسی کے علاوہ کوئی دوسرا کام آپ سے متعلق نہیں تھا، اگر اس دور کے فتاویٰ محفوظ ہوتے تو وہ بھی کئی جلدوں پر محیط ہوتے، یہی حال مدرسہ انوار العلوم کے زمانۂ قیام کا ہے، اللہ کو منظور نہیں تھا ورنہ فقہ وفتاویٰ کی ایک عظیم لائبریری تیار ہوسکتی تھی، اور دنیا نے صرف آپ کے فتاویٰ نہیں کھوئے ہیں، بلکہ وہ علم کے ایک پورے کتب خانہ سے محروم ہوگئی ہے۔

(۲) قضایا سجاد

تصحیح وتقدیم: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ صفحات: ۱۶۸

یہ حضرت ابوالمحاسنؒ کے چھ (۶) فیصلوں کا مجموعہ ہے، اور قضاء کے باب میں سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے:

(۱) فیصلہ متعلقہ ثبوت نسب وفسخ نکاح

(۲) فیصلہ متعلق خلع۔

(۳) فیصلہ بابت تنازع امامت مسجد مابین احناف واہل حدیث۔

(۴) فیصلہ متعلق تقسیم جائیداد ومیراث۔

(۵) فیصلہ مرافعہ متعلق مطالبۂ خلع۔

(۶) فیصلہ متعلق مالی و کاروباری لین دین۔

ان قضایا پر میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے عصر جدید میں اس موضوع پر سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے قاضی حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ قاضی القضاۃ امارت شرعیہ کا تبصرہ نقل کرتا ہوں۔

> ''ہم مولاناؒ کے چند قضایا (فیصلے) پیش کر رہے ہیں، جو مولانا کی قوت استنباط، استقامت فکر، اور غیر معمولی تفقہ کے آئینہ دار ہیں۔ کسی عورت کو شوہر کی موت کی خبر ملی اور اسے اطمینان ہوا کہ یہ خبر صحیح ہے اور اس نے نکاح ثانی کرلیا۔ یہ سادہ سا مقدمہ ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے فیصلہ میں خبر واحد کی حیثیت، اس کا قابل اعتبار ہونا، آیات قرآنی سے استنباط، پھر کوئی خبر ملے تو حکم قرآنی کے مطابق اس کی تحقیق و تفتیش، اور تحقیق کے نتیجہ پر عمل پیرا ہونا، یہ اور اس طرح کے دیگر نکات پر جو بحثیں کی ہیں، وہ اہل علم اور اصحاب فقہ کے لئے بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔
>
> مسجد میں جمعہ کی نماز کی امامت حنفی کرے یا اہل حدیث؟ اس جھگڑے میں بڑا فتنہ ہوتا ہے۔ کیا مسجد میں کسی ایک فرقہ کے کسی ایک شخص کا مسلسل امامت کرنا اس مسجد پر اس فرقے کے مستقل حق کی دلیل بن سکتی ہے۔ لیکن اگر بانی مسجد مصالح شرعی کو نظر انداز کر کے امام کا تعین کرے تو کیا بانی کے اس تعین کا اعتبار ہوگا یا اس کا حق مصالح شرعی کے ساتھ مشروط ہے۔''[۱]

یہ مجموعہ امارت شرعیہ پھلواری شریف سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا، ترتیب کا کام حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی نگرانی میں مولانا فہیم اختر ندوی نے کیا ہے۔

(۳) قانونی مسودے صفحات: ۶۳

مختلف مواقع پر حضرت مولانا سجادؒ کے قلم سے نکلنے والے بعض قانونی مسودات کا مجموعہ، جس کو حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے زیر نگرانی جناب مولانا محمد ضمان اللہ ندیم صاحب نے مرتب کیا ہے، اس میں بنیادی طور پر پانچ مسودے ہیں:

☆ مسودہ مسلم قانون فسخ نکاح

اس کو مولوی غلام بھیک اور محمد احمد کاظمی نے مرتب کیا تھا، اس میں کئی قانونی اور علمی خامیاں تھیں، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے اس پر ایک علمی تبصرہ تحریر فرمایا، اور ان خامیوں کی نشاندہی فرمائی۔

۱- قضایا سجاد مقدمہ ص ۵، ۶۔

☆ مسودہ قانون انفساخ نکاح مسلمات

یہ حضرت مولانا سجادؒ کے قلم سے ہے جس کو آپ نے مولوی غلام بھیک وغیرہ کے مرتب کردہ مسودۂ قانون کے بالمقابل ایک جامع متبادل کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے اس مسودہ کی ترجیح کے اسباب و وجوہ پر بھی ایک مستقل تحریر لکھی وہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

☆ مسودۂ نظارت امور شرعیہ

اس میں حکومت ہند سے ایک ایسے قانونی ادارہ کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور اس کا تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، اور ان کے مذہبی قوانین اور معاشرتی روایات کے تحفظ کے لئے مخصوص ہو، جس کے تحت امور شرعیہ کی انجام دہی کے لئے ایک بااختیار مسلم حاکم مقرر ہو جو قاضیوں کا تقرر کرے اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کے مذہبی قوانین کی نگرانی بھی کرے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ اس مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''جو لوگ فقہ اسلامی پر نظر رکھتے ہیں وہ اس مطالبہ کے پیچھے مولانا کے اس ذہن رسا کو پڑھ سکتے ہیں، جس کے ذریعہ انہوں نے اس طرح کے مخصوص حالات میں فقہ اسلامی کی ہدایات کو عملی صورت دینے کی کوشش کی۔''[1]

☆ اوقاف پر زرعی ٹیکس

اس میں حضرت مولانا سجادؒ نے زرعی ٹیکس کے قانون سے اسلامی اوقاف کو خارج کرنے کا مطالبہ کیا ہے، اور اس کو مذہبی مداخلت قرار دیا ہے، مولاناؒ نے اس کی قانونی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی ہے، حضرت ابوالمحاسنؒ کے اخاذ اور مجتہدانہ ذہن کا شاہکار۔

☆ تحفظ مویشیان کا بل

حکومت ہند کے نافذ کردہ ایک تعزیری بل کے جواب میں ایک قانونی تحریر جس میں حضرت مولاناؒ نے نہایت مدلل طور پر اس بل کے قومی و ملکی نقصانات اور اس سے پیدا ہونے والے منفی اثرات پر روشنی ڈالی ہے، اور جو کچھ لکھا ہے وہ فراست کے آئینہ میں دیکھ کر لکھا ہے، آپ نے جن خدشات کا اظہار اپنی اس تحریر میں کیا تھا، زمانۂ مابعد نے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی، جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

یہ مجموعہ امارت شرعیہ سے شائع ہو چکا ہے۔

۱- قانونی مسودے، پیش لفظ ص ۸۔

(۴) حکومت الٰہی

تصحیح وتقدیم: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، صفحات: ۱۳۴

اس کتاب میں اسلامی قانون کی جامعیت وابدیت اور ہر زمانہ میں اسلامی نظام حکومت کی ضرورت پر مدلل بحث کی گئی ہے، اسلام کا اجتماعی نظام حضرت مولانا سجادؒ کے تفکر کا خاص موضوع تھا، اسی کا ایک جزو حکومت الٰہی ہے، حکومت الٰہی یا خلافت اسلامیہ کا ایک مفصل اور مرتب نقشہ حضرت مولاناؒ کے ذہن میں موجود تھا، اور بقول حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ جنہوں نے سب سے پہلے اس خاکہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا:

''حضرت مولانا کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ اپنے دماغ کی امانت قلم کے سپرد کر دیں، چنانچہ مولانا نے اس مسئلہ کے متعلق تمام تفصیلات ابتداءً نوٹوں کی شکل میں یکجا کیں اور پھر اس کو مرتب فرمانا شروع کیا، ابھی زیرنظر ''تمہید'' ہی لکھے پا پائے تھے کہ داعی اجل نے آواز دی، مولانا نے لبیک کہا، اور اس سے جا ملے جس کی بادشاہت ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ یہ کتاب دراصل اس تفصیلی نظام کی تمہید ہے جس کو مولانا حکومت الٰہیہ کا مکمل نظام کے نام سے لکھنا چاہتے تھے، لیکن اس تمہید میں تقریباً وہ تمام مضامین سمٹ آئے ہیں جن کی ابتداءً ضرورت تھی، اور جن کے بغیر نہ حکومت الٰہی کے مکمل نظام کو پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے، اور اس لئے یہ تمہید خود بھی ایک قیمتی تالیف بن گئی ہے۔''[1]

آغاز کتاب میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کا مقدمہ ہے جس میں کتاب کے مضامین کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے، جو دراصل کا کب کا پہلا باب ہے، اور دوسرا باب جس کو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ باوجود خواہش وآرزو سپرد قرطاس نہ کر سکے، اس کے بارے میں مولانا سیوہارویؒ لکھتے ہیں:

''افسوس کہ مولانا مرحوم اس اہم اور عظیم الشان تمہید کے بعد اس دوسرے باب کی تکمیل نہ فرما سکے، جو ایک مکمل دستور اور بے نظیر جماعتی نظام کی شکل میں سامنے آتا اور خلافت راشدہ کے تیس سالہ عملی نظام کی تدوین کا شاہکار بنتا۔''[2]

دوسرے باب کے لئے حضرت مولانا سجاد صاحب نے جو نوٹس تیار کئے تھے، وہ مولانا منت

۱۔حکومت الٰہی عرض ناشر ص ۱۵۔
۲۔حکومت الٰہی، مقدمہ ص ۱۳۔

اللہ رحمانیؒ کے پاس موجود تھے اور مشکل کے باوجود وہ ان کو مرتب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے [1] مگر مولانا رحمانی کو اس کے لئے شاید مہلت نہ مل سکی، اور ان کے بعد یہ قصہ ہی فراموش ہوگیا، اور اب شاید کسی کو نہیں معلوم کہ حضرت مولانا سجادؒ کے وہ نوٹس کہاں گئے؟

حضرت مولانا سجادؒ کی گم شدہ غیر مرتب یادداشت کا مرتب عملی نمونہ تھوڑے فرق کے ساتھ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ ہے، حضرت رحمانیؒ رقمطراز ہیں:

''اگر آج مکمل اقتدار حاصل ہو جائے، تو تھوڑے سے اضافہ کے بعد''امارت شرعیہ''خلافت اسلامیہ کی شکل اختیار کرسکتی ہے، بلکہ اس کی ہیئت ترکیبی ہی ایسی ہے کہ قوت کے حصول کے بعد وہ خلافت اسلامیہ کے سوا اور کوئی چیز بن ہی نہیں سکتی۔'' [2]

اس کتاب کی پہلی اشاعت دسمبر ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے زیر اہتمام عمل میں آئی، جس میں نواب عبدالوہاب خان اور مکتبہ سیفیہ مونگیر کی مالی معاونت کا بڑا حصہ شامل رہا، اور دوسری اشاعت ۱۹۹۹ء میں خود امارت شرعیہ پھلواری شریف نے کی۔

(۵) خطبۂ صدارت

تصحیح و تقدیم: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، صفحات: ۱۴۳

اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد میں پیش کردہ خطبۂ صدارت، بے حد علمی اور بصیرت افروز ہے، مولاناؒ کے اس خطبہ میں قیام جمعیۃ علماء ہند، امارت شرعیہ، ہندو مسلم اتحاد، جیسے ملکی مسائل کے علاوہ خلافت ترکی کے تحفظ، حجاز اور جزیرۃ العرب کے مسائل، اور حرمین شریفین و دیگر مقامات مقدسہ کے نظم و انتظام جیسے عالمی مسائل سے بھی تفصیلی بحث کی گئی ہے، اور تاریخی و علمی مآثر کے ذریعہ ان کو مدلل کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ اسلامی سیاست کا مفہوم اور حدود، علماء اور اسلامی سیاست۔ فکری اور تاریخی تناظر میں، اقامت خلافت کی شرعی حیثیت، امارت شرعیہ کا حکم اور اس کا اجمالی خاکہ، ترک موالات کا حکم، تبدل احکام شرعی کی حقیقت، غیر مسلموں سے اتحاد کا حکم اور اصول وغیرہ بہت سے علمی و فکری مسائل و موضوعات کا بھی یہ مرقع ہے، اس خطبہ میں آپ نے علماء کو مسلکی تنگ نظریوں اور فروعی اختلافات سے بالاتر ہوکر کام کرنے کا پیغام دیا ہے، علماء میں تنظیم و اتحاد کی کس درجہ ضرورت ہے اور ملک و ملت کے لئے وہ کس قدر مفید ہے؟ اس پر روشنی ڈالی ہے، خطبہ کا آخری

۱۔حکومت الٰہی عرض ناشر ص ۱۵۔
۲۔حکومت الٰہی عرض ناشر ص ۱۴۔

حصہ عربی زبان میں ہے اور اس کے مخاطب علماء کرام ہیں۔

خطبہ کی اسی جامعیت سے متأثر ہوکر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اس کو اسلامی سیاسیات کا انسائیکلو پیڈیا قرار دیا ہے۔[1] جو مبنی بر حقیقت ہے۔

یہ کتاب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی توجہ سے ۱۹۹۹ء میں امارت شرعیہ سے شائع ہوئی۔

(۶) مقالات سجاد صفحات:۱۶۵

سیاسی، اصلاحی اور تعلیمی مسائل پر حضرت مولانا محمد سجادؒ کے مختلف نایاب مقالات کا مجموعہ جس کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی نگرانی میں مولانا محمد ضمان اللہ ندیم مرحوم نے مرتب کیا، ۱۹۹۹ء میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے شائع کیا۔

اس مجموعہ میں تیرہ مقالات شامل ہیں، پانچ سیاسی نوعیت کے اور آٹھ اصلاحی مقالات ہیں، جن میں بعض بڑے اہم اور حساس موضوعات بھی ہیں۔

سیاسی مقالات درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہیں:

(۱) ہندوستان کا آئندہ دستور اساسی

اس میں حضرت مولانا سجادؒ نے انگریزوں کے بنائے ہوئے اس دستور کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے جو ۱۹۳۶ء میں ملک میں بحیثیت دستور نافذ ہونے والا تھا، اور جس کو سمندر پار برطانیہ میں مرتب کیا گیا تھا، اس دستور کو اس وقت کے تقریباً تمام ہی اصحاب سیاست نے ناقابل قبول قرار دیا تھا، لیکن حضرت مولانا سجادؒ کو یقین تھا کہ یہ دستور ہندوستانیوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ہندوستان میں نافذ ہوکر رہے گا، اس لئے مولاناؒ نے اس دستور کے ایک ایک جزو پر تفصیلی گفتگو کی اور اس کی قانونی کمزوریوں اور ملی نقطۂ نظر سے متوقع خدشات کی نشاندہی فرمائی، حضرت مولاناؒ کا یہ مقالہ جریدہ نقیب پھلواری شریف پٹنہ میں شائع ہوا جو اس وقت کا کثیر الاشاعت اخبار تھا، مولانا نے یہ مقالہ لکھ کر ہندوستان کے تمام اہل اسلام کی طرف سے فرض کفایہ انجام دیا، اور اسی کے بعد مختلف جماعتوں نے اپنے اپنے دستور مرتب کئے، مولانا نے بھی جمعیۃ کی طرف سے ایک دستور مرتب کیا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۱- حیات سجادص ۱۴۹ مضمون حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

(۲) اسلام اور مسلم قومیت کے کیا معنیٰ ہیں؟ گاندھی جی غور کریں۔

یہ گاندھی جی کے ایک مضمون کے رد میں لکھا گیا تھا جو اختلاف رائے کے عنوان سے ۱۱رنومبر ۱۹۳۹ء کے ہریجن اخبار میں شائع ہوا اور اس کا اردو ترجمہ اخبار زمزم میں شائع ہوا، اس مضمون میں گاندھی جی نے اپنے عدم تشدد (اہنسا) کے نظریہ کو اسلامی اور قرآنی تعلیمات سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، تاکہ وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل قبول ہوسکے،۔۔۔مولانا نے اس مقالہ میں گاندھی جی کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے ان کی ایک ایک دلیل کے تاروپود بکھیر دیئے۔

(۳) گاندھی جی اور کانگریس

گاندھی جی کانگریس کے اہم رکن بلکہ روح رواں تھے، لیکن ایسا نہیں تھا کہ اور دوسرے ارکان ان سے کم اہم تھے، لیکن گاندھی جی نے اپنی ہوشمندی سے پارٹی پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لئے کبھی مذہبی نظریات تو کبھی قومی خدمات کے عنوانات سے مختلف چیزوں کی تشہیر کرتے رہتے تھے، اسی ضمن میں ان کے حامیوں نے گاندھی ازم، ہندوازم اور جناح ازم وغیرہ اصطلاحات استعمال کر کے گاندھی جی کی شخصیت کو ایک نظریاتی شخصیت بنانے کی کوشش کی، اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ کانگریس گاندھی ازم کے راستہ پر چل رہی ہے، اس طرح گاندھی جی اپنے کئی سیاسی حریفوں کو مات دینا چاہتے تھے، حضرت مولانا سجادؒ نے اصل معاملہ کی نزاکت محسوس کر لی اور اس قسم کی کوششوں کا علمی وسیاسی تعاقب فرمایا، مولاناؒ نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا کہ:

''مسلمان سکھ، پارسی، عیسائی، گاندھی جی کو نہ کل مہاتما مانتے تھے نہ آج مانتے ہیں وہ کانگریس میں محض اس لئے شریک ہوئے ہیں کہ وہ برطانوی شہنشاہیت کے خلاف متحدہ محاذ ہے۔''

حضرت مولانا سجادؒ نے اس مضمون میں مدلل طور پر درج ذیل نکات پر روشنی ڈالی کہ (حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے الفاظ میں):

''گاندھی جی کے فلسفہ کی بنیادیں کیا ہیں؟ کانگریس میں فکری تضاد کی تفصیل اور اس یقین کا اظہار کہ عام کانگریسیوں نے گاندھی جی کے فلسفہ کو بطور عقیدہ نہیں، بلکہ وقتی حکمت عملی اور پالیسی کی حیثیت سے قبول کیا ہے، اہنسا، ضبط اور سچائی کے جو اصول گاندھی جی نے اختیار کئے ہیں اور جس طرح ان کی تشریح کی ہے وہ ارتجاعی بن گئے ہیں، اور فطرت انسانی کے خلاف ہیں، یہ تحریر آج بھی زندہ ہے اور گہرے مطالعہ کی مستحق ہے۔''

(۴) فرقہ وارانہ معاملات کا فیصلہ کن اصولوں پر ہونا چاہئے؟

اس میں مختلف فرقوں اور جماعتوں کے درمیان مصالحت اور ہم آہنگی کے اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۵) مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا کی اسکیم پر ایک اہم تبصرہ

مسلم لیگ نے ہندو مسلم اختلافات کے حل کے طور پر ایک اسکیم پاس کی، جس کا نام تھا 'مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا' حضرت مولانا سجادؒ نے اس اسکیم کو قانونی، سیاسی اور معاشی ہر اعتبار سے نا قابل عمل قرار دیا، اس مضمون میں اس کی پوری تفصیل معقول دلائل کے ساتھ موجود ہے، یہ مضمون نقیب پھلواری شریف ۱۴/اپریل ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا تھا۔

ان کے علاوہ آٹھ (۸) مقالے اصلاحی ہیں:

(۶) اصلاح تعلیم و نظام مدارس عربیہ

یہ مقالہ جمعیۃ علماء بہار کے اجلاس کی رپورٹ پر مشتمل ہے اور اس میں مدارس کو فعال اور زیادہ سے زیادہ مفید اور بااثر بنانے کے لئے لائحۂ عمل پیش کیا گیا ہے، اس میں حضرت مولاناؒ کے بعض تعلیمی نظریات بھی آ گئے ہیں، جن کی معنویت آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے، اس وقت مولاناؒ جمعیۃ علماء بہار کے ناظم تھے۔

(۷) ضلع پورنیہ کا دورہ۔ مسلمانوں کا جوش و خروش ✕ خوش آئند توقعات

اس مضمون میں حضرت مولانا سجاد کے دورۂ پورنیہ کی روئیداد اور پورنیہ کے مسلمانوں کی دینی، تعلیمی، معاشی اور اخلاقی صورت حال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(۸) نشہ خوری سے اجتناب فرض ہے۔

اس میں مسکرات کی حرمت و ممانعت پر مدلل گفتگو کی گئی ہے، اس زمانہ میں حکومت بہار نے شراب پر پابندی عائد کی تھی، اسی تناظر میں یہ مضمون لکھا گیا تھا اور حکومت بہار کو مبارکباد بھی پیش کی گئی تھی۔

(۹) تحریک تبرّا۔

یوپی میں ایک تبرّائی فرقہ پیدا ہوا جو خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کو سب و شتم کرتا تھا، یہ مضمون اسی کے رد میں لکھا گیا تھا۔

(۱۰) غزوۂ احد میں بصیرتیں، سمع و طاعت کی تعلیم

غزوۂ احد سے انسانیت کو کیا سبق ملتا ہے، اور سمع و طاعت کی کمی سے امت کس طرح

مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتی ہے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے بڑے مؤثر انداز میں ان نکات پر روشنی ڈالی ہے۔

(۱۱) تحدیث نعمت

اس مقالہ میں حضرت ابوالمحاسنؒ نے امارت شرعیہ کے قیام کی مختصر روداد ذکر کی ہے اور اس کو مسلمانان بہار کے لئے نعمت عظمیٰ قرار دیا ہے۔

(۱۲) زلزلے اور حادثے -ایک تاریخی جائزہ

۲۸/رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۳/جنوری ۱۹۳۴ء کو بہار میں قیامت خیز زلزلہ آیا، جس سے بھیانک تباہی آئی، حضرت مولاناؒ نے تن من دھن کی بازی لگا کر مصیبت زدگان کی خدمت کی اور اسی کے ساتھ صبر و تسلی کے لئے یہ علمی و تاریخی مقالہ قلمبند فرمایا جس میں سنین کی ترتیب پر تاریخ کے اکیاسی بڑے ہولناک زلزلوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے سامنے بہار کے زلزلہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ پاک نے بڑے زلزلوں سے ہماری حفاظت فرمائی۔

(۱۳) رانچی کا صدارتی خطاب

یہ جمعیۃ علماء ضلع رانچی کے اجلاس میں بحیثیت صدر اجلاس آپ نے زبانی طور پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، جس میں سورۂ فاتحہ کی روشنی میں مسلمانوں کی زندگی کے لئے لائحۂ عمل پیش کیا گیا تھا، بعد میں کسی نے اس تقریر کو تحریر کی صورت عطا کی، گو کہ اس میں پوری تقریر نہ آسکی لیکن اس کا لب لباب ضرور آ گیا ہے۔

(۷) امارت شرعیہ شبہات و جوابات

تصحیح و تقدیم: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صفحات: ۸۷

نظریۂ امارت کی بہترین علمی تشریح اور شبہات و اعتراضات کے جوابات حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ بدر الدین پھلوارویؒ اور بانی امارت شرعیہ حضرت مولانا سجادؒ کے قلم سے۔

یہ کتاب دراصل حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ (جو تحریک خلافت اور جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں تھے) کے شبہات کے جواب میں لکھی گئی ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اس کتاب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اس کے ''حرف اول'' میں لکھتے ہیں:

''جب قیام امارت شرعیہ اور نصب امیر کی تحریک چلی تو حضرت فرنگی محلیؒ کے ذہن میں

چند شبہات پیدا ہوئے، ان میں ایک اہم بات یہ تھی، کہ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ جس شخص کو اس منصب پر مقرر کیا جائے گا کبھی وہ اقتدار کے سامنے خوف سے مرعوب ہوکر یا کسی لالچ میں آ کر جھک نہ جائے اور امت کا سودا نہ کر لے۔

دوسرا شبہ مولانا کو یہ تھا کہ ان کے نزدیک ہندوستان دارالاستیلاء ہے یعنی ایسا ملک جو حقیقتاً دارالاسلام ہے، لیکن اس پر غیر مسلموں کو غلبہ واقتدار حاصل ہوگیا ہو، مولانا اس کے بھی قائل ہیں کہ اس عارضی استیلاء کو دور کرنا ہمارا فرض ہے، لیکن وہ اس کے متلاشی ہیں کہ کیا ایسی صورت میں امیر مقرر کرلینا اور پھر اس کی بیعت کرنا لازم وضروری ہے اور کیا اس کی نظیر قرن اول میں موجود ہے ،مولانا نے اس طرح کی بیعت کے جواز کا تو انکار نہیں کیا لیکن ان کو لزوم میں شک رہا۔

تیسرا سوال ان کے ذہن میں یہ تھا کہ اس طرح جو امیر مقرر کیا جائے گا، اس کی حیثیت کیا ہوگی، آیا وہ امام اعظم ہوگا؟ یا والی (امیر الناحیۃ) یا قاضی؟ اگر امام اعظم تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا ٹکراؤ خلیفہ سے ہوگا، اور اس کی کامیابی کی صورت میں فتنہ پیدا ہوگا، اور ناکامی کی صورت میں نیا فرقہ، اور والی وقاضی کے لئے بیعت ہے نہیں، اس لئے اولاً امیر کی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

حضرت فرنگی محلیؒ کے دو خطوط کے جوابات امیر اول مولانا شاہ بدرالدین صاحب نے دیئے ہیں اور تیسرے خط کا تفصیلی جواب مولانا سجاد صاحبؒ نے دیا ہے، ہر دو بزرگوں کے تحقیقی جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کے عام اجتماعی قانون کے تحت مسلمانوں پر نصب امیر واجب ہے، چاہے وہ جہاں بھی ہوں، اور جس حال میں بھی ہوں، بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانیہ مکہ کی اس زندگی میں ہوئی، جب قہر وغلبہ غیروں کو حاصل تھا، مکہ ہو مدینہ دونوں ہی دارالحرب تھے، اور اسے ایک دار مانیں یا دو، بہرصورت غیروں کے اقتدار میں رہتے ہوئے کچھ افراد نے ایک فرد کے ہاتھ پر بیعت سمع وطاعت کی، اور یہ بیعت محض اس بات کی نہیں تھی، کہ میں جب مدینہ آؤں گا تو میری مدد کرنا، بلکہ سمع وطاعت اور اسود واحمر کے مقابلے میں جنگ پر بیعت تھی۔

پھر یمن کے علاقہ میں اسود عنسی کا بغاوت کرنا، اور غلبہ واقتدار حاصل کرلینا دارالاسلام میں استیلاء کی نظیر ہے، اور اس موقعہ پر صنعاء میں بوقت صبح صادق مسلمانوں کا اجتماع اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی امامت وامارت پر اتفاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اذن حاصل کئے بغیر مرکز اقتدار سے دور مسلمانوں پر استیلاء کفار کی صورت میں نصب امیر کی دلیل ہے۔

رہا یہ شبہ کہ منتخب امیر وقت کہیں اقتدار وقت کے سامنے جھک نہ جائے، تو یہ قابل لحاظ نہیں

ہے اس لئے کہ اگر اس طرح کے شک وشبہ کا اعتبار کیا جائے تو انتخاب خلیفہ بھی اس طرح کے خطرہ کے پیش نظر صحیح نہیں ہوگا، خاص کر جن حالات میں خلیفہ عثمانی سلطان عبدالمجید کا تقرر منصب خلافت پر عمل میں آیا، وہ خلیفہ کی مقہوریت کا نمونہ ہے۔

اس کتاب میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ امیر شریعت کی حیثیت خلیفۂ اعظم کی نہیں بلکہ والی کی ہوگی، اور والی یعنی امیر ناحیہ کبھی خود خلیفہ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے اور ایسی صورت میں اس کا عزل ونصب خلیفہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، اور جب خلیفہ کی طرف سے والی کا تقرر ممکن نہ ہو تو ارباب حل وعقد کی طرف سے والی مقرر کیا جائے گا، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، اسی طرح مسئلہ قاضی کا ہے اصل صورت تو یہ ہے کہ خلیفہ یا والی کی طرف سے قاضی کا تقرر ہو لیکن ایسا کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو ارباب حل وعقد پر لازم ہے کہ وہ قاضی کا انتخاب کریں، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، پس امیر شریعت کی حیثیت والی کی ہے امام اعظم کی نہیں۔''[۱]

تقریباً اٹھہتر سال قبل یہ رسالہ مجموعۂ مکاتیب بدریہ (لمعات بدریہ) کے ایک جزو کے طور پر شائع ہوا تھا، ۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ یہ مستقل کتابی صورت میں مکتبہ امارت شرعیہ سے شائع ہوا۔

(۸) مکاتیب سجاد صفحات: ۱۰۷

یہ سات مکاتیب کا مجموعہ ہے جن میں ایک مکتوب مولانا حکیم محمد یعسوب ندویؒ کا حضرت مولانا محمد سجادؒ کے نام ہے، باقی چھ مکاتیب حضرت مولانا سجادؒ کے درج ذیل شخصیات کے نام ہیں:

- ☆ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
- ☆ جناب محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ
- ☆ جناب ڈاکٹر محمود صاحب وزیر تعلیم بہار
- ☆ جناب وائسرائے ہند
- ☆ نقبائے امارت شرعیہ۔

ان مکاتیب کو حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی نگرانی میں جناب مولانا ضمان اللہ ندیم صاحب نے مرتب کیا اور ۱۹۹۹ء میں ان کا مجموعہ مکتبہ امارت شرعیہ نے شائع کیا۔

۱- امارت شرعیہ شبہات وجوابات ص ۵ تا ۸ مرتب کردہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء)

(۹) دستور امارت شرعیہ صفحات:۲۸

نظام امارت شرعیہ کا ایک دستوری خاکہ جس کو بنیادی طور پر خود حضرت مولانا محمد سجادؒ نے مرتب فرمایا تھا جو آپ کے قانونی دماغ کا شاہکار ہے، مگر یہ دستور مکمل ہو کر آپ کی حیات طیبہ میں شائع نہ ہوسکا، آپ کے بعد مختلف امراء شریعت کے زمانہ میں اس پر بحث و تمحیص ہوئی، لیکن اس کی طباعت کا شرف امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کو حاصل ہوا، ۲۲؍ستمبر ۱۹۹۶ء کی مجلس شوریٰ میں اس کی طباعت کا فیصلہ کیا گیا، اگست ۱۹۹۷ء میں یہ زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔[۱]

(۱۰) متفقہ فتویٰ علماء ہند صفحات:۱۶

ترک موالات پر حضرت مولانا سجادؒ کا تحریر کردہ فتویٰ جس پر اس وقت کے تقریباً پانچ سو ممتاز علماء نے دستخط کئے تھے، اس کو پہلی مرتبہ منشی مشتاق احمد صاحب نے شہر میرٹھ محلہ کوٹلہ سے باہتمام حافظ محمد سعید ہاشمی تاجر کتب و مالک مطبع ہاشمی میرٹھ شائع کیا، اب یہ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ ’فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول‘ ص ۲۶۱ تا ۲۸۴) میں بھی شامل ہے۔

۱- یہ تمام تفصیلات اسی دستور کے ابتدائیہ سے لی گئی ہیں، بقلم امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ (اس وقت کے نائب امیر شریعت)۔

ملّی وقومی حالات

(۸)

آٹھواں باب

تحریک خلافت میں حضرت مولانا ابوالمحاسنؒ کا کردار

پس منظرو پیش منظر

فصل اول

ذہنی انقلاب

مفکر اسلام حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کی قومی وملی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے، مولاناؒ کی زندگی کا تقریباً پچیس سالہ عرصہ انہی خدمات میں صرف ہوا، جس میں زندگی کے ہر نشیب وفراز کا سامنا کیا، حصولیابیاں بھی دیکھیں اور محرومیاں بھی، بقول حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ:

> ''سخت سے سخت مصیبتیں جھیلیں، لوگوں کی زبان سے گالیاں بھی سنیں اور پھر انہی کے ہاتھ سے پھولوں کے ہار بھی پہنے، ایسا بھی ہوا کہ گاؤں والوں نے تقریر نہیں کرنے دی اور گویا نکال دیا، اور یہ بھی دیکھا کہ مولاناؒ کی سواری کے ساتھ دو دو کوس تک گاؤں والے خوشی میں نعرہ لگاتے دوڑتے چلے جارہے ہیں۔''[1]

تدریس سے ملی قیادت کی طرف

حضرت ابوالمحاسنؒ فطری طور پر خالص مدرس اور علمی شخصیت کے مالک تھے جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے، آپ میں یہ ذہنی تبدیلی قریب ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء (۱۳۲۶ھ یا ۱۳۲۷ھ) میں شروع ہوئی، جب آپ کا ایک انگریزی داں شاگرد زاہد حسین خان دریا آبادی (الہ آباد کا ایک محلہ) انگریزی اخبارات سے نت نئی خبریں اور دنیا کے واقعات سناتا تھا، اور حضرت مولانا ان کو سن کر تڑپ تڑپ اٹھتے تھے، دل کے اسی اضطراب نے ان کا ذہنی رخ تبدیل کیا اور رفتہ رفتہ وہ کتابی دائرے سے نکل کر ملت کے وسیع میدان میں پہنچ گئے، روز روز ایک ہی سبق کی تکرار سے دلچسپی کم ہوتی چلی گئی، دنیا کے بدلے ہوئے حالات میں مدرسہ کا حصار انہیں تنگ محسوس ہونے لگا، بالآخر ''انہوں نے وہ چیز پالی جس کی انہیں ضرورت تھی، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں اسی کے لئے وہ پیدا کئے گئے تھے''، پہلے ان کے سامنے صرف مدرسہ کے لوگوں کے مسائل تھے، اب ساری قوم بلکہ ساری انسانیت کا درد ان کا درد بن گیا:

۱- حیات سجاد ص ۱۵۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ایک جامع مرکز کی تاسیس

چنانچہ اس ذہنی انقلاب کے بعد انہوں نے گیا پہنچ کر ایک ایسے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جو ان کی تعلیمات کا مرکز بھی بنا اور تحریکات کا منبع بھی۔

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا نے گیا پہنچ کر قومی اور ملکی کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا علماء کی تنظیم، جمعیۃ علماء کا قیام، تمام مدارس عربی میں ایک اصلاحی نصاب کا اجراء، امارت شرعیہ کی اسکیم وغیرہ یہ سب چیزیں مولانا کے دماغ نے گیا ہی میں پیدا کیں۔''[۱]

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ لکھتے ہیں:

''تقریباً بارہ برس تک مولانا انوار العلوم میں درس دیتے رہے اور اس درمیان میں سیاسیات حاضرہ کا بھی مطالعہ فرماتے رہے، چنانچہ تحریک خلافت کے زمانے میں سیاسیات میں داخل ہوئے اور آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا، اس کے بعد ہندوستان اور خصوصاً بہار میں کوئی سیاسی تحریک ایسی نہیں تھی، جس میں آپ شریک نہ ہوئے ہوں، اور عملی حصہ نہ لیا ہو، بلکہ کامیاب نہ بنایا ہو، اور کامیاب بنانے کی کوشش نہ کی ہو۔''[۲]

تحریک خلافت نے حضرت ابوالمحاسنؒ کو مرکزی قائد بنا دیا

اس تحریر کے مطابق مولانا کی باقاعدہ سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے ہوا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ گو کہ مولانا کی ملی خدمات کا سلسلہ انجمن علماء بہار اور پھر دار القضاء کے قیام سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن آپ کی شخصیت کو شہرت و عمومیت تحریک خلافت سے حاصل ہوئی، تحریک خلافت نے ہندوستان کو مولانا سجادؒ کی صورت میں ہندوستان کو ایک نیا ملی قائد عطا کیا، تحریک خلافت نے اپنے دور میں جو شہرت و قبولیت حاصل کی وہ اس کے زوال (۱۹۲۴ء) تک کسی تحریک و تنظیم کو حاصل نہ ہو سکی، بلکہ حق یہ ہے کہ تحریک خلافت ہی کے بطن سے جمعیۃ علماء

۱- حیات سجاد ص ۱۳، ۱۴۔
۲- محاسن سجاد ص ۶۔

ہند بھی وجود میں آئی اور امارت شرعیہ بھی، تحریک خلافت کی قبولیت ہی نے ان دونوں عظیم الشان اداروں کو عوام وخواص کا اعتبار واعتماد بخشا، تحریک خلافت ہی کے پہلو بہ پہلو یہ تحریکیں بھی اپنے اپنے وقت اور مقام پر بڑھتی اور پروان چڑھتی رہیں، بلکہ خود کانگریس نے بھی ملک میں عوامی طاقت اسی تحریک کی بدولت حاصل کی، اور اسی تحریک نے گاندھی جی کو پوری قوم کا لیڈر بنایا، حضرت مولانا سجادؒ بھی ملک گیر قیادت کی سطح پر تحریک خلافت ہی کی دین ہیں [1]، اس لئے آپ کی ملی خدمات اور قومی سرگرمیوں میں تحریک خلافت کا ذکر ترجیحی طور پر پہلے ہونا مناسب ہے۔

[1] - اسی لئے ابتدائی دور کے اکثر پروگراموں (مثلاً: دہلی، امرتسر، گیا وغیرہ) میں ہم دیکھتے ہیں کہ جمعیۃ وکانگریس کے جلسے خلافت کے اجلاس کے ساتھ ہوا کرتے تھے، خلافت کے نام پر لاکھوں انسان جمع ہوجاتے تھے، بڑے بڑے مرکزی قائدین بھی بآسانی شریک ہوتے تھے جس سے جمعیۃ اور کانگریس دونوں کو فائدہ پہنچتا تھا، خلافت کمیٹی کو افرادی قوت بھی حاصل تھی اور مالی وسائل بھی، اسی لئے اکثر بڑے قومی کام کا تحمل خلافت کمیٹی ہی کرسکتی تھی، اس کا اندازہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کے خطبۂ صدارت کے اس اقتباس سے ہوتا ہے:

''میں جانتا تھا کہ یہ کام صرف جمعیۃ علماء سے انجام نہیں پاسکتا ہے، کیونکہ اس میں صرف کثیر کی ضرورت ہے، اور اس کے پاس روپے نہیں ہیں، پھر جمعیۃ سے اس تجویز کے منظور کرانے کا کیا فائدہ؟ اور آج بھی میں یہی کہتا ہوں کہ جمعیۃ کے خزانہ میں روپیہ نہیں ہے اس لئے ان امور کے متعلق کوئی تجویز منظور کرنا بے فائدہ ہے، ان کاموں کی انجام دہی کی طرف ہماری مرکزی خلافت کمیٹی کو توجہ کرنی چاہئے، اگر مرکزی خلافت کمیٹی مصارف برداشت کرنے کے لئے تیار ہوجائے تو پھر جمعیۃ علماء کو تمام چیزوں کی تالیفات کی تیاری میں سرگرمی سے حصہ لینا چاہئے۔ (خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۶۴، ۶۵)

فصل دوم

خلافت اسلامیہ۔شرعی تصور اور تاریخ

خلافت مسلمانوں کا ایک مذہبی مسئلہ ہے، یہ اسلامی اجتماعیت کی کلید ہے، اسلام کا یہ سب سے روحانی اور مقدس منصب ہے، جس پر اسلام کے ملی، سیاسی اور روحانی نظام کا انحصار ہے، اسی کو امامت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے، خلیفہ روئے زمین پر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور امت مسلمہ کا امیر ہوتا ہے [1]، وہ دنیا میں وحدت اسلامی کا نقیب اور اسلامی احکام وقوانین کے اجراء کا ذمہ دار ہوتا ہے، پوری امت کی حیات ملی اور نشاط دینی کی نبض اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اس کی ذات سے ساری امت مسلمہ کی موت وحیات وابستہ ہوتی ہے۔ [2] اسی لئے تمام مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی قیام خلافت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا قومی فریضہ ہے، اگر مسلمانوں کی غفلت سے دنیا کے کسی حصہ میں خلافت کا نظام موجود نہ ہو تو تمام امت گناہ گار ہوگی، اور اگر چند لوگوں کی کوششوں سے نظام خلافت قائم ہوجائے تو ساری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہوجائے گا، یہ امت اسلامیہ کا اجماعی نظریہ ہے جس میں کسی قابل ذکر عالم وفقیہ کا اختلاف نہیں ہے۔ [3]

متعدد روایات حدیث میں نظام خلافت کو امت محمدیہ کے لئے نظام نبوت کا متبادل قرار دیا گیا ہے مثلاً حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

۱۔ جمہور فقہاء امیر المومنین کو رسول اللہ ﷺ ہی کا خلیفہ وجانشین تصور کرتے ہیں، اور خلیفۃ اللہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک خلیفۃ اللہ کہنے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کہ خود قرآن کریم میں انسان کو اللہ کا خلیفہ کہا گیا ہے:

☆ إني جاعل في الأرض خليفة۔ (سورۃ البقرۃ:۳۰)

☆ هو الذي جعلكم خلائف في الأرض (سورۃ فاطر:۳۹)

(مغني المحتاج ۱۳۲/۴ ومقدمة ابن خلدون ص۱۹ وأسنى المطالب ۱۱۱/۴)

۲۔ والإمامة الكبرى في الاصطلاح: رئاسة عامة في الدين والدنيا خلافة عن النبي صلى الله عليه وسلم وسميت كبرى تمييزا لها عن الإمامة الصغرى (حاشية ابن عابدين ۳۶۸/۱ ونهاية المحتاج ۴۰۹/۷ وروض الطالبين على تحفة المحتاج ۵۴۰/۷

هي حمل الكافة على مقتضى النظر الشرعي، في مصالحهم الأخروية، والدنيوية الراجعة إليها۔ فهي في الحقيقة خلافة عن صاحب الشرع في حراسة الدين والدنيا (مقدمة ابن خلدون، ص ۱۹۱)

۳۔ حاشية الطحطاوي على الدر ۲۳۸/۱، وجواهر الإكليل ۲۵۱/۱، ومغني المحتاج ۲۲۹۹/۴، والأحكام السلطانية للماوردي ص ۳۔

كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وإنه لا نبي بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون) . قالوا فما تأمرنا؟ قال (فوا ببيعة الأول فالأول أعطوهم حقهم فإن الله سائلهم عما استرعاهم۔[1]

ترجمہ: بنی اسرائیل کی دینی وملی قیادت انبیاء کرام کرتے تھے، ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرے نبی تشریف لے آتے تھے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، البتہ میرے بعد بکثرت خلفاء ہونگے، صحابہ نے عرض کیا: کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: بالترتیب ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، اور ان کا حق ادا کرو، اس لئے کہ وہ اللہ پاک کے یہاں اپنی رعیت کے خیر وشر کے بارے میں جواب دہ ہوں گے۔

اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین پر مقدم رکھا، وفات نبوی کے بعد صحابہ نے پہلا کام سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے انتخاب کا کیا اور پھر اس کی نگرانی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کا عمل انجام دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت کا پہلا اجماع خلافت کے مسئلہ پر ہوا، اس منصب کے مستحق فرد کے انتخاب میں گو اختلاف ہوا لیکن نصب امام کے مسئلہ پر صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا، تمام ہی شرکاء نے اس کی ضرورت تسلیم کی۔[2]

فقہاء اور اصولیین نے خلیفہ کی شرائط وصفات، اور عزل ونصب کے مسائل پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں۔[3]

خلافت اسلامیہ کا تاریخی تسلسل

اسلامی تعلیمات کے مطابق امت میں خلافت کا تسلسل ہر دور میں قائم رہا، اور تاریخ کے

---

[1] - الجامع الصحيح المختصرج ۳ ص ۱۲۷۳ حديث نمبر:۳۲۶۸ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، ۱۹۸۷-۱۴۰۷
تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء :6مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا۔

[2] -الفصل في الملل ۸۷/۴ ومقدمة ابن خلدون ص ۱۱

[3] - دیکھئے: تحفة المحتاج ۵۲۰/۷-۵۲۱ و ۳۰۹/۸-۳۰۸ ★وأسنى المطالب ۱۰۸/۴ ★حاشية الطحطاوي على الدر ۲۳۸/۱ ★ وحاشية الدسوقي ۲۹۸/۴ ★وجواهر الإكليل ۲۲۱/۲ ★مغني المحتاج ۱۳۰/۴ ★شرح الروض ۱۰۹/۸، ۱۰۹ ★حاشية ابن عابدين ۳۸/۱ و ۳۰۵/۴ ★الأحكام السلطانية للماوردي ص ۶ ★مقدمة ابن خلدون ص ۱۵، بيروت ★الإنصاف ۱۱۰/۱۰ ★حقیر راقم الحروف کا بھی ایک مفصل مقالہ "اسلامی نظریۂ حکومت اور طریقۂ انتخابات" اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔

ایک مختصر عرصہ کا استثنا کر کے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کے کسی حصہ میں خلافت کا نظام قائم نہ رہا ہو، فتنۂ تاتار کے زمانہ میں جب ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا تو درمیان میں چند سال اسلامی تاریخ میں ایسے گذرے ہیں جن میں کوئی خلیفہ موجود نہیں تھا، اس سے بے چین ہو کر علامہ ابن تیمیہؒ اپنے گوشۂ علم اور کنج عبادت سے شمشیر بکف میدان میں نکل آئے، اور علامہ ابن کثیرؒ نے سالہا سال تک اپنی شہرۂ آفاق تاریخ میں اس محرومی کا ماتم کیا۔[۱]

وقفۂ تعطل

اس کی تھوڑی تفصیل حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''آج سے تقریباً پونے سات سوسال (اب پونے آٹھ سو سال اس لئے کہ یہ تحریر آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ۱۳۴۳ھ میں لکھی گئی تھی) پہلے ایسا زمانہ گذرا ہے جس میں تقریباً ساڑھے تین سال تک تمام دنیائے اسلام کے اندر خلافت اسلامیہ کا نام ونشان بھی باقی نہ تھا، کیونکہ ۴۲۲ھ میں اندلس سے خلافت بنو امیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس کے بعد دو جگہ خلافت اسماً ورسماً تھی، ایک مصر میں خلافت فاطمیہ اور دوسرے بغداد میں خلافت عباسیہ لیکن ۵۶۷ھ میں جب مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین نے مصر سے فرنگیوں کو مار بھگایا، تو نور الدین الشہید کے حکم سے عاضد باللہ ابومحمد عبداللہ آخری خلیفہ فاطمی کا نام بہ حیثیت خلیفہ نکال دیا گیا، اور مصر وقاہرہ کے خطبات میں بھی خلیفہ عباسی المستضی باللہ کا نام پڑھا جانے لگا، چنانچہ اسی صدمہ سے دسویں محرم ۵۶۷ھ کو عاضد باللہ نے الماس کا ٹکڑا کھا کر خودکشی کر لی، اور اسی دن سے خلافت فاطمیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا، اس کے بعد دنیا میں صرف ایک بغداد کی خلافت عباسیہ کا نام ونشان باقی رہا، مگر اس کے بعد فتنۂ تاتار برپا ہوگیا، اور آخر محرم ۶۵۶ھ ہلاکو خان نے مدینۃ الاسلام بغداد کو تاراج کیا، اور قتل وغارت کر کے ۳۰ر محرم ۶۵۶ھ کو عباسی خلیفہ المستعصم باللہ کو قتل کر ڈالا، جس کے بعد بغداد کی خلافت عباسیہ کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا، اس وقت سے ۶۵۹ھ تک دنیائے اسلام کے کسی حصہ میں بھی خلافت کا وجود نہیں رہا، آخر جب مصر پر سلطان نور الدین الملقب بالظاہر قابض ہوگیا، تو اس نے سلطان العلماء شیخ الاسلام علامہ عزالدین ابن عبدالسلام کے مشورہ کے بعد احمد ابن الخلیفۃ الظاہر باللہ کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر ۹ر رجب المرجب ۶۵۹ھ بیعت خلافت ہوئی، اور اس دن تمام دنیائے اسلام کو ایام جاہلیت اور فوضیت سے ایک طرح کی نجات ملی، اس

۱۔ تحریک خلافت ص ۲۱ مرتبہ قاضی محمد عدیل عباسی، شائع کردہ: ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، ۱۹۷۸ء۔

سے ظاہر ہے کہ تقریباً ساڑھے تین سال تک یعنی ۹ ۳ /محرم ۶۵۶ھ سے لے کر ۱۸/رجب ۶۵۶ھ تک اسلامی دنیا بلا خلافت رہی ۔"[1]

افسوس ۲۵/رجب المرجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۳/مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت عثمانیہ کی تنسیخ سے لے کر آج تک تقریباً چورانوے سال سے دنیائے اسلام بغیر کسی خلیفہ کے جی رہی ہے، اور دور دور تک اس کے احیاء کے آثار تک نظر نہیں آتے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔[2]

ہندوستان نے ہر دور میں مرکز خلافت کی قیادت تسلیم کی

جہاں تک ہندوستان کا معاملہ ہے تو گو کہ یہاں نظام خلافت کبھی قائم نہیں ہوا، لیکن یہاں کے اکثر حکمراں اپنے اپنے دور میں خلافت اسلامی کے مطیع وفرمانبردار رہے، مرکز خلافت سے وہ اپنی سلطنتوں کی منظوری کے پروانے حاصل کرتے تھے، جمعہ کے خطبوں میں یہاں کے سلاطین عظام کے بجائے خلفاء اسلام کے نام لئے جاتے تھے، اور اس ملک کے بڑے بڑے سلاطین اس کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ہندوستان عہد خلافت راشدہ سے عہد خلافت عثمانیہ تک

اسلام کی دعوت تو یہاں بعض روایات (مثلاً تحفۃ المجاہدین کی روایت) کے مطابق عہد نبوت ہی میں پہنچ گئی تھی، لیکن سندھ میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد باقاعدہ ہندوستان کا رابطہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت راشدہ سے استوار ہوا، جو نہایت مضبوطی کے ساتھ بعد کے خلفاء کے ساتھ بھی قائم رہا[3]، یہاں تک کہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد اسلامی اقتدار ہی کا خاتمہ ہو گیا۔
دربار خلافت سے ہندوستان کے مضبوط تعلقات کے موضوع پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ایک مستقل کتاب 'خلافت اور ہندوستان' کے نام سے ہے، جس میں انہوں نے خلافت راشدہ (عہد حضرت عثمان غنیؓ) سے خلافت بنی امیہ، خلافت بنی عباس، اور خلافت عثمانیہ تک عہد بہ عہد روشنی ڈالی ہے، اسلامی ہند کے ابتدائی عہد حکمرانی سے لے کر سلطان ٹیپو تک ہر دور کے بڑے بڑے حکمرانوں

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۲۱ تا ۲۳ ☆ البدایۃ لابن کثیر ج ۱۲ ص ۲۰۸، وج ۱۳ ص ۲۱۵۔

۲- ترکی کے آخری عثمانی خلیفہ "سلطان عبدالمجید آفندی" تھے، جن کو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ۱۹/نومبر ۱۹۲۲ء (۲۹/ربیع الاول ۱۳۴۱ھ) کو محض ایک روحانی منصب کے طور پر برائے نام خلیفہ بنایا گیا، پھر ۳/مارچ ۱۹۲۴ء (۲۶/رجب ۱۳۴۲ھ) کوئی قانون سازی کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے خلافت پر خط تنسیخ کھینچ دی گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون (ترک ناداں سے ترک دانا تک ص ۲۹۵، ۲۹۶ مرتبہ مفتی ابولبابہ شاہ منصور، ناشر: السعید پبلی کیشن کراچی)

۳- خلافت اور ہندوستان ص ۲ مرتبہ علامہ سید سلیمان ندویؒ مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۴۰ھ۔

نے مرکز خلافت سے اپنی وابستگی قائم رکھی، اور خلیفۃ الاسلام کی اطاعت کو طرۂ افتخار تصور کیا، عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس میں مرکز خلافت سے جو نائبین ہندوستانی حکومتوں کے پاس آئے ان کی فہرست بھی علامہؒ نے نقل کی ہے، اس میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر خلافت امویہ میں ہشام بن عبدالملک تک اور خلافت عباسیہ میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے نائبین کے نام شامل ہیں۔

☆ عرب خلفاء کے نام پر ہندوستان میں مختلف شہر بسائے گئے، سندھ میں خلیفہ منصور کے نام پر ''منصورہ'' شہر آباد کیا گیا، اس زمانہ میں یہاں خلیفہ کے نائب مفلس عبدی تھے، ان کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی تشریف لائے، خلیفہ مامون کے زمانہ میں شہر ''بیضاء'' آباد کیا گیا، اس وقت خلیفہ کے نائب ہندوستان میں موسیٰ ابن یحییٰ تھے۔[1]

☆ بعد کے ادوار میں جب خلافت عباسیہ کمزور ہوئی، تو ہندوستان میں کئی خود مختار سلطنتیں بن گئیں، لیکن اس کے باجود خلفاء سے تعلق ختم نہیں ہوا، مسلکی لحاظ سے اختلاف ضرور پیدا ہوا لیکن ہر ایک کا رشتہ اپنے اپنے مسلک کے لحاظ سے کسی نہ کسی خلیفہ سے قائم رہا، خلافت عباسیہ بدستور اہل سنت کا مرکز تھی، لیکن باطنی شیعہ مصر کے فاطمی سلاطین کو اپنا خلفاء تصور کرتے تھے، بشاری مقدسی چوتھی صدی میں ہندوستان آئے تھے، ان کا بیان ہے کہ پایۂ تخت منصورہ میں خلیفۂ عباسی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، جب کہ ملتان کے لوگ خلیفۂ فاطمی کا خطبہ پڑھتے تھے، اور اسی کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔[2]

عہد غزنوی

جو مسلم حکمراں افغانستان کی راہ سے ہندوستان آئے، ان میں سب سے مضبوط اور نامور حکمراں سلطان محمود غزنوی تھا، سیاسی اور فوجی لحاظ سے پورے وسط ایشیا میں اس سے بڑی کوئی طاقت نہیں تھی، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا طاقتور مسلمان حکمراں تھا، اس زمانہ میں خلافت عباسیہ بزرگوں کی مقدس ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی، لیکن اس کے باوجود محمود غزنوی عباسی خلیفہ قادر باللہ کی اطاعت کو اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا، ہر نئی کامیابی

۱- خلافت اور ہندوستان ص ۲ تا ۵۔

۲- وأما المنصورة فعليها سلطان من قريش يخطبون للعباسي وقد خطبوا على عضد الدولة ورايت رسولهم قد وافى إلى ابنه ونحن بشيراز. وأما بالملتان فيخطبون للفاطمي ولا يحلون ولا يعقدون إلا بأمره (أحسن التقاسيم في معرفة الأقاليم ج ۱ ص ۱۷۵ المؤلف: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر البناء المقدسي المعروف بالبشاري (المتوفى: نحو 380هـ)۔

کا اطلاع نامہ دیوان خلافت میں معمول کے مطابق بھیجا جاتا تھا، کسی نئے ملک پر قبضہ وتصرف کے لئے دربارِ خلافت سے اجازت حاصل کی جاتی تھی، ایوان خلافت سے اس کو ''یمین الدولۃ'' اور ''کہف الدولۃ والاسلام'' کے خطابات ملے تھے، اس پر اس کو بہت فخر تھا، سلطان نے گو ایران وترکستان کے تمام ممالک اپنے زور بازو سے حاصل کئے تھے، لیکن وہ اس وقت تک ان ممالک کا جائز بادشاہ نہ ہوسکا جب تک ۴۱۵ھ (۱۰۲۴ء) میں خلیفہ نے اس کے لئے فرمان جاری نہ کر دیا، خود سلطان کا لقب جو محمود غزنوی سے پہلے کسی دوسرے بادشاہ نے اختیار نہیں کیا تھا، یہ بھی خلیفہ کی جانب سے اس کو عطا ہوا تھا۔[1]

غوریوں کا عہد

غزنوی سلاطین کے بعد غوریوں کا دور آیا تو ان کے اکثر سلاطین نے بھی دربارِ خلافت سے خطابات حاصل کئے، غوری خاندان میں سلطان شہاب الدین غوری بڑے جاہ وجبروت کا بادشاہ تھا، وہ اپنے آپ کو ناصر امیر المؤمنین لکھ کر فخر محسوس کرتا تھا[2]، اسی دور میں دہلی کا قطب مینار اور مسجد قطبی کی تعمیر ہوئی ان پر سلطان کے نام کے کتبے انہی القاب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کے خود مختار سلاطین میں سلطان شمس الدین التمش کا نام سب سے پہلے آتا ہے، جس نے باقاعدہ ہندوستان کی مملکت کو ایک مستقل سلطنت کے قالب میں ڈھال دیا، وہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں تخت نشین ہوا تھا، اور ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں خلیفہ نے اس کو خلعت بھیجا، اس کے یہ معنیٰ تھے کہ ایوان خلافت نے ہندوستان کے استقلال اور خود مختاری کو تسلیم کرلیا، یہ زمانہ خلیفہ **"الناصر لدین اللّٰہ"** کا تھا، شمس الدین التمش کے سکوں پر بھی اس کے نام کے ساتھ **"ناصر امیر المؤمنین"** کندہ ہوتا تھا، سلطانہ رضیہ، سلطان ناصر الدین محمود اور سلطان علاء الدین محمد کے سکوں پر ان کے ناموں کے پہلو بہ پہلو یا تنہا خلیفہ مستنصر باللہ کا نام کندہ کیا جاتا تھا۔

عہدِ تغلق

عہدِ تغلق میں محمد شاہ تغلق بھی واضح طور پر اس نظریہ کا علمبردار تھا کہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر حکومت درست نہیں، چنانچہ تاتاریوں نے جب بغداد میں خلافت عباسیہ کا پیرہن تارتار کر دیا،

۱۔ خلافت اور ہندوستان ص ۷ تا ۱۰۔

۲۔ خلافت اور ہندوستان ص ۱۳ بحوالہ طبقات ناصری ص ۱۱۴، ۱۲۶۔

اور سالہا سال کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ بغداد کی خلافت ختم ہو چکی ہے اور اب خلیفۂ عباسی مصر میں متمکن ہے تو اس نے اپنے تمام اعیان سلطنت کے ساتھ مصری خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور ایک وفد عرضداشت کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا۔[۱]

عہد خلجی

۸۳۹ھ (۱۴۳۶ء) میں سلطان محمود خلجی نے مالوہ میں اپنی مستقل سلطنت قائم کی اور اجین کے قریب منڈو کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور چونتیس سال نہایت عدل وانصاف اور شہرت و نیک نامی کے ساتھ حکومت کر کے ۸۷۳ھ (۱۴۶۸ء) میں وفات پائی، اس نے ۸۷۰ھ (۱۴۶۶ھ) میں عباسی خلیفہ مستنجد باللہ (مصر) سے خلعت شاہانہ اور فرمان سلطنت سلطان حاصل کئے، پھر خطبہ میں خلیفہ کا نام پڑھا گیا۔[۲]

ہندوستان کے عہد اسلامی کے سکے اور کتبات

انگلستان کے مشہور مستشرق اڈورڈ تھامس (Edward Thamas) نے ۱۸۷۱ء میں سلاطین ہند کی تاریخ ان کے عہد کے سکوں کے نقوش و کتبات سے مرتب کی ہے، سلاطین اور بادشاہوں کے سکے فراہم کئے، ان کے کتبے پڑھے، ان کتبوں کو پڑھ کر بے انتہا حیرت ہوئی، کہ جو باتیں تاریخ کے کرم خوردہ اوراق میں بہت کم پائی جاتی ہیں، سونے چاندی کے پتروں میں کس بہتات کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے ہر سکہ پر اور ہر کتبہ پر ہندوستان کے سلطان وقت کے نام کے ساتھ برابر خلیفۂ زمان کا نام بھی ثبت ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام سلاطین عملاً بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے، کہ وہ بجائے خود مستقل بادشاہ نہیں ہیں، بلکہ ان کی حیثیت اپنی مملکت میں خلیفہ کے ایک نائب اور قائم مقام کی ہے۔

☆ بلکہ حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ نہ صرف سلاطین دہلی بلکہ اطراف ہند کے وہ بادشاہ بھی جو دہلی کی سلطنت سے ہٹ کر اپنی مستقل خودمختار حکومتیں قائم کرتے تھے وہ ہزاروں کوس دور پڑے ہوئے خلیفہ کی اطاعت سے باہر نہیں تھے، جیسا کہ سلاطین گجرات، مالوہ و مشرق و بنگالہ، بہمنیہ دکن اور جونپور کے سکّوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱- خلافت اور ہندوستان ص ۱۵، ۱۶ بحوالہ تاریخ فیروز شاہی ص ۴۹۲ مصنفہ ضیاء برنی۔

۲- خلافت اور ہندوستان ص ۲۸۔

یہ سکے معزالدین غوری سے لے کر بہ ترتیب ابراہیم شاہ سکندر لودی تک کے ہیں، اس کے بعد تیموریہ سلطنت شروع ہوتی ہے، اور مصر میں خلفاء عباسیہ کا بھی خاتمہ قریب قریب ہوجاتا ہے، اس کتاب میں ایک سوسات سکوں اور کتبوں کے نقش دیئے گئے ہیں۔[۱]

خلافت عثمانیہ کا آغاز

مصر کی خلافت عباسیہ کے خاتمہ کے بعد ترکی میں خلافت عثمانیہ رونما ہوئی، سلطان سلیم نے ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں اپنی خلافت کا اعلان کیا، اس کے بعد تین برس وہ زندہ رہا، ۹۲۶ھ (۱۵۲۰ء) میں اس کا بیٹا سلطان سلیمان اعظم اس کا جانشین ہوا، جس نے اپنے باپ کی مذہبی بلند حوصلگیوں کے خواب کو پورا کیا، دنیائے اسلام کے دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان نے بھی اس کی خلافت اور مذہبی عظمت کو تسلیم کیا، اس کا اثر سب سے پہلے گجرات کے سلاطین پر پڑا جن کے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ سے براہ راست تعلقات تھے۔

گجرات کے ایک محدث عالم محمد بن عمر آصفی الفخانیؒ جن کی آمدورفت مکہ معظّمہ رہا کرتی تھی، اور جو سلاطین گجرات کے درباروں میں بھی معزز تھے، انہوں نے عربی میں ظفر الوالہ کے نام سے گجرات کی تاریخ لکھی ہے، اس میں انہوں نے سلطان سلیمان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وکان فی وقته سلطان الاسلام علی الاطلاق وخلیفة الله فی الآفاق، وھو سلیمان خان۔[۲] —— ترجمہ: اس وقت ترکی کا بادشاہ اسلام کا سلطان علی الاطلاق تھا، اور تمام دنیا میں خدا کا خلیفہ تھا، اور وہ سلیمان خان تھا۔

اس سے سلاطین گجرات کے تصور خلافت کا پتہ چلتا ہے۔

ہندوستان عہد خلافت عثمانی میں

دلی کے بادشاہوں نے خلافت عثمانی کی برتری تسلیم کرلی تھی، حالانکہ خاندانی طور پر آل تیمو اور آل عثمان باہم حریف کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن انصاف بالائے طاعت است و مذہب بالائے سیاست، اس ناگواری کے باوجود شاہان تیمور اس قبلۂ اسلام کو ترک نہیں کرسکتے تھے، جہاں آل عثمان کے نام کا خطبہ ہر ہفتہ پڑھا جاتا تھا۔

۱- خلافت اور ہندوستان ص۲۹ تا ۵۴۔

۲- خلافت اور ہندوستان ص۵۰ بحوالہ ظفر الوالہ ص۲۱۶۔

بابر سے عالمگیر تک

۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں بابر نے ہندوستان کے تخت پر قدم رکھا، اور اس شہنشاہ ہند نے اپنے پہلے فرض کے طور پر ہدایا و انعامات کے ذریعہ دربار خلافت عثمانی سے اپنا رابطہ استوار کیا۔

☆ ۹۳۷ھ (۱۵۳۱ھ) میں بابر نے وفات پائی اور ہمایوں تخت نشیں ہوا، اس کے زمانے میں یہ رابطہ اور مستحکم ہوا، دلی کی شکایتیں قسطنطنیہ کے دربار خلافت میں پہنچتی تھیں، اور فیصلے جاری ہوتے تھے، سیدی علی کا سفرنامہ 'مرآۃ الممالک' لاہور سے شائع ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمام اقصائے عالم میں ترکی خلیفہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، اور ہمایوں نے اپنے وزراء کی طرف دیکھ کر کہا تھا کہ:

''سلطان ترکی ہی بادشاہ کہلانے کے حقدار ہیں، اور سطح زمین پر وہی اس عزت کے مستحق ہیں۔''[۱]

☆ ہمایوں کے بعد شیر شاہ سوری (متوفی ۹۵۲ھ م ۱۵۴۵ء) بھی خلافت ترک کا معتقد اور معترف رہا، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانوں میں بھی خلافت ترکی کی عظمت مسلسل تسلیم کی گئی، البتہ مسجدوں میں سلاطین ترکی کے نام کا خطبہ نہیں پڑھا جاتا تھا، لیکن عالمگیر کے بعد جب مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہوا اور ملک کے مختلف حصے آزاد ہونے لگے تو پھر خطبوں میں سلاطین ترکی کا نام لیا جانے لگا، ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۲ء) میں دکن کے ایک بزرگ سید قمر الدین اورنگ آبادی حج سے واپسی پر سیلون پہنچے تھے، میر آزاد بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں کہ:

''ساحلی مقامات میں ڈچوں کی حکومت ہے، اور اندرون ملک میں ہندو راجہ ہے، یہاں کے مسلمان بادشاہ ہند اور سلطان روم کے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں لکونہ خادماً للحرمین الشریفین۔''[۲]

☆ آخری ادوار میں حیدر علی اور سلطان ٹیپو اور نظام حیدرآباد نے بھی دربار خلافت کے ساتھ اپنی عقیدت برقرار رکھی، حیدرآباد کی مکہ مسجد سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی مسجد تک ہر جگہ حضور نظام سے پہلے سلطان ترکی کا نام لیا جاتا تھا۔

یہ وہ تاریخی تسلسل ہے جس کی بنا پر ہندوستان ہمیشہ دربار خلافت سے وابستہ رہا، ہندوستان کے لوگوں نے ہمیشہ دربار خلافت سے نیک توقعات قائم رکھیں، اس کی ہدایات پر عبادت سمجھ کر عمل کیا، مرکز خلافت پر کوئی افتاد آئی تو اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی۔

۱۔ خلافت اور ہندوستان ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ مرآۃ الممالک ص ۳۳۔

۲۔ خلافت اور ہندوستان ص ۷۶، ۷۷۔

فصل سوم

ہندوستان میں تحریک خلافت کا پس منظر اور آغاز

ہندوستان میں تحریک خلافت بھی انہی نیک جذبات وتوقعات کی پیداوار تھی، جو خلافت عثمانیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ یا ترکی کے مرد بیمار کو بچانے کے لئے ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) میں اٹھی اور ۱۹۲۴ء میں خلافت کے خاتمہ کے ساتھ سرد ہوگئی۔

خلافت عثمانیہ دنیا کی عظیم ترین سلطنت

خلافت عثمانیہ - خلافت راشدہ، خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ کے بعد - اسلامی تاریخ کی چوتھی سب سے بڑی خلافت تھی جو دنیا کے نقشہ پر تین براعظموں (ایشیا، یورپ اور افریقہ) سے بحر سفید تک پھیلی ہوئی تھی، مختلف براعظموں میں اس کی درج ذیل ریاستیں تھیں (اب یہ خود مختار ممالک ہیں):

ایشیا: حجاز، یمن، بصرہ، بغداد، موصل، صاب، سوریہ (شام)، حدارندگار، قونیہ، انقرہ (انگورہ)، ایدین، اطمفہ، قسطومنی، دیاربکر، تبلیسل، ارض روم، معمورۃ العزیز، آران، طرابزون

یورپ: ادرنہ، سلالیسک، تعوضوہ، پانیہ، اشقودرہ، مناستر

افریقہ: مصر، طرابلس

بحر سفید: جزائر بحر سفید[1]

اس کا زمانۂ حکمرانی ۱۲۸۲ء تا ۱۹۲۴ء (۶۸۱ھ تا ۱۳۴۲ھ) چھ سو بیالیس (۶۴۲) سال ہے، اس دوران سینتیس حکمراں مسند آرائے خلافت ہوئے، جن میں پہلے آٹھ حکمراں سلطان تھے، خلیفۃ المسلمین نہ تھے، انہیں اسلامی سلطنت کی سربراہی کا اعزاز تو حاصل تھا، خلافت کا روحانی منصب حاصل نہ تھا، نویں حکمراں سلطان سلیم اول سے لے کر چھتیسویں حکمراں سلطان وحیدالدین محمد سادس تک اٹھائیس حکمراں سلطان بھی تھے اور خلیفہ بھی، کیونکہ خلافت عباسیہ کے آخری حکمران محمد عباسی نے جو مصر میں تھے ۹۲۴ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں سلطان سلیم کو منصب واعزاز خلافت کی سپردگی کے

۱- تحریک خلافت ص ۳۲ مرتبہ: قاضی محمد عدیل عباسی۔

ساتھ وہ تبرکات نبویہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار، علم اور جبۂ مبارک) بطور سند و یادگار دے دیئے تھے، جو کہ خلفائے بنوعباس کے پاس نسل در نسل محفوظ چلے آرہے تھے، اور سلطان سلیم ان کو قسطنطنیہ لے کر چلے آئے تھے، بلکہ خود آخری عباسی خلیفہ محمد عباسی نے بھی قسطنطنیہ ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی، اس دن سے سلطنت عثمانی کا تاجدار خلیفۃ المسلمین، سلطان الاسلام، اور خادم الحرمین الشریفین کے خطابات سے یاد کیا جانے لگا۔[1]

جب کہ آخری حکمراں عبدالمجید آفندی صرف خلیفہ تھے سلطان نہیں تھے، کیونکہ یکم نومبر ۱۹۲۲ء (۱۱ربیع الاول ۱۳۴۱ھ) کو مصطفیٰ کمال پاشا نے مغربی طاقتوں اور 'برادری' کے ایماء پر ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے ذریعہ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کی قرارداد منظور کر کے سلطان محمد وحید الدین سادس کی اٹلی کی طرف ملک بدری کے احکامات جاری کر دیئے تھے، اس لئے اس نامبارک دن سلطنت ختم ہوگئی، البتہ خلافت اب بھی باقی تھی، سلطان وحید الدین کی جلاوطنی کے بعد ان کے پہلے قریبی رشتہ دار ''عبدالمجید آفندی'' کو آخری عثمانی خلیفہ بنایا گیا، مگر ۳/مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی کی قومی اسمبلی نے اتاترک مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اسلامی خلافت کے خاتمے کا قانون بھی منظور کر لیا، اس طرح آخری خلیفہ جو سلطان نہ تھے، خلیفہ عبدالمجید دوم کی اپنے محل سے رخصتی اور پہلے سوئزرلینڈ پھر فرانس جلاوطنی کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کے بعد خلافت عثمانیہ کی آخری دیوار بھی منہدم ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محقق مؤرخین کے مطابق ان ۳۷ حکمرانوں میں سے آخری تین محض برائے نام حکمراں تھے، اصل طاقت ان خفیہ قوتوں کے ہاتھ میں تھی جو سلطنت اور خلافت کے خاتمے کے درپے تھیں، جنہوں نے جمہوریت کے سحر میں دنیا کو گرفتار کیا ہوا تھا، وہ اچھے وقت کے انتظار میں ان کو برائے نام سامنے رکھ کر باگیں اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھے، تاکہ ان پر کسی قسم کا الزام نہ آئے، اور زوال کی تمام وجوہات خود عثمانی حکمرانوں کی طرف منسوب ہوں۔[2]

دشمن کی آنکھ کا کانٹا

ترکی کی عظیم الشان اسلامی سلطنت ایک عرصہ سے یورپ و امریکا کی عیسائی سلطنتوں کی آنکھ میں کانٹا بن کر چبھ رہی تھی، کتنی صلیبی جنگیں مسلمانوں کی عظمت کو توڑنے کے لئے پہلے بھی لڑی جاچکی تھیں، انہوں نے آپس میں خفیہ معاہدے کئے کہ ترکی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے

۱-تحریک خلافت ص ۱۰۴۔

۲-ترک ناداں سے ترک داناں تک ص ۲۷۸، ۲۷۹ مرتبہ: مفتی ابولبابہ شاہ منصور۔

آپس میں تقسیم کرلیں، اور صفحۂ یورپ سے ترک سلطنت کا نام مٹادیا جائے، ترکی کے بھی حصے کردیئے جائیں، ایک حصہ سمرنا کا یونان کو دے دیا جائے، اور دوسرا حصہ قسطنطنیہ کا اٹلی کو، کیونکہ ترکوں سے پہلے عیسائی نظام کے دو حصے تھے، ایک حصہ مغربی روم کے ماتحت تھا اور دوسرا حصہ مشرقی قسطنطنیہ کے ماتحت، ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرکے مشرقی نظام کا خاتمہ کردیا تھا، اس لئے زار روس، برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکا جن کو اتحادی کہا جاتا تھا، کی خواہش تھی کہ یہ نظام مشرقی پھر قائم ہو۔[1]

ترکی کے خلاف سازشوں کا آغاز

چنانچہ اس کے لئے انہوں نے مختلف محاذوں پر سازشیں شروع کردیں۔

☆ خلافت عثمانیہ کی مخالفت میں فتنہ پردازی کا آغاز ۱۸۹۶ء (۱۳۱۳ھ) کی جنگ یونان وروم سے ہوا اس وقت برطانیہ کی ہمدردی واعانت یونان کے ساتھ تھی۔[2]

☆ ۱۹۰۸ء (۱۳۲۶ھ) میں خلافت عثمانیہ میں انقلاب پیش آیا، نوجوان ترکوں کی انجمن اتحاد وترقی کی خفیہ تدبیریں کامیاب ہوئیں، اور انور پاشا وغیرہ نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرکے دستوری حکومت کا اعلان کردیا، نوجوان ترکوں کے اعلان کے چند ہی روز بعد اٹلی نے دولت عثمانیہ کے آخری افریقی مقبوضہ طرابلس الغرب (ٹریپولی) پر حملہ کردیا، اس حملہ نے ساری دنیائے اسلام میں آگ لگادی، خصوصیت کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں نے بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا، جس کا اندازہ علامہ اقبالؒ کے اس قطعہ سے ہوتا ہے:

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا — زمیں کو چھوڑ کے سوئے فلک روانہ ہوا
فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو — حضور آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو
کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز — کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز
نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا — ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا
حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ وگل ہیں ریاض ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

۱۔ حسن حیات ص ۵۴ مرتبہ: شاہ محمد عثمانیؒ۔

۲۔ خلافت اور ہندوستان ص ۷۸ تا ۸۴۔

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

اور علامہ شبلی نے کہا:

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض نیم جاں کب تک
کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو یہ ظلم آرائیاں تا کے، یہ حشر انگیزیاں کب تک
کہاں تک لوگے ہم سے انتقام فتح ایوبی دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

علامہ اقبال کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہوا:

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

عالم اسلام پتے کی طرح بکھر گیا

☆ ابھی یہ صدمہ وہ بھولنے بھی نہیں پائے تھے کہ ۱۹۱۰ء (۱۳۲۸ھ) میں بلقان کی ریاستوں نے یورپ کی شہ پر دولت عثمانیہ کے یورپی حصوں میں بغاوت کردی، اور جنگ بلقان کا آغاز ہوا، یہ جنگ کے شعلے اگرچہ یورپ میں اٹھ رہے تھے، مگر ہندوستان کے مسلمانوں کا جوش وخروش دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جنگ ہندوستان ہی میں لڑی جارہی ہے، چند سال کے بعد یہ جنگ اس طرح ختم ہوئی کہ ترکوں کے ہاتھ سے یورپ کا بڑا حصہ نکل گیا۔

جنگ عظیم کے نتائج

اس کے چار سال کے بعد ۱۹۱۴ء (۱۳۳۲ھ) میں خود یورپی ممالک میں باہم جنگ شروع ہوگئی، روس، جرمنی اور آسٹریا ایک طرف، اور انگلینڈ، فرانس اور اٹلی دوسری طرف، اس جنگ کے چند ماہ بعد ترکی نے نومبر ۱۹۱۴ء (۱۳۳۲ھ) میں جرمنی کے ساتھ مل کر اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا، اب مسلمان جو یورپ کی اس پہلی جنگ عظیم میں غیر جانبدار تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے، دفعتاً جرمنوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے لگے، اس وقت انگریزی حکومت نے ایک طرف اپنی مسلمان رعایا کی تسکین کی خاطر یہ اعلان کیا کہ اسلام کے مقدس مقامات حملہ سے محفوظ رہیں گے، دوسری طرف انہوں نے اس جنگ کو جیتنے کے لئے عجیب وغریب سازش کی، انہوں نے ترکوں سے عربوں کو الگ کرنے کے لئے شریف حسین امیر مکہ کو اپنے ساتھ ملا کر اور ایک عرب شہنشاہی کا خواب دکھا کر جو بحر احمر سے لے کر بحر روم تک محیط ہوگی، ترکی حکومت سے بغاوت کا اعلان کرادیا، اور اس لالچ میں عرب ترک سے ٹکرا گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ عراق وشام اور فلسطین

اور حجاز دولت عثمانیہ سے الگ ہو کر اتحادیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

ٹھیک اسی وقت انگریز یورپ میں جرمن کے یہودیوں کو فلسطین کی نذر پیش کر کے سارے یورپ کے یہودیوں کو اپنے ساتھ ملا رہے تھے، اور آخر یہودیوں نے جرمن کے خلاف سازش کر کے اس کو تباہ کر ڈالا، اور اس کے بدلے میں فلسطین کے یہودی قومی وطن بنائے جانے کا اعلان انگریزی حکومت سے کرایا، یہی وہ تخم ہے جس سے فلسطین میں اسرائیل کی خود مختار حکومت کا نخل تناور ہوا۔

انگریزوں نے شریف حسین سے جس عرب شہنشاہی کا وعدہ کیا تھا اس کا ایفا اس طرح کیا کہ حجاز کی بادشاہی ان کو دی گئی، مگر یہ بادشاہی بہت زیادہ دیر اس کے پاس نہ رہ سکی، اور امیر عبدالعزیز نے حملہ کر کے وہاں سعودی حکومت کی بنیاد ڈال دی۔

شریف کے بڑے صاحبزادے امیر فیصل کو جو کرنل لارنس کے ساتھ ساتھ ترکوں سے جنگ میں سب سے پیش پیش تھے، اور جو لارڈ النبائی کے ہم رکاب بیت المقدس کو ہلال کے قبضے سے نکال کر صلیب کے حوالے کر رہے تھے، شام کا تخت پیش کیا گیا، مگر یہ تخت بھی چند ماہ سے زیادہ بچھا نہ رہ سکا، اور فرانس نے لڑ کر ان کو شام سے باہر کر دیا، اس طرح پورا ملک عرب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے زیر اقتدار چلا گیا۔

ترکی کی عظیم الشان سلطنت کا جو حصہ افریقہ میں تھا اٹلی غصب کر چکا تھا، یورپ میں اس کے صوبے آسٹریا، بلغاریہ، سرویا، مانٹی نیگرو، اور یونان میں بٹ چکے تھے، البانیہ کی چھوٹی سی ریاست جس میں اسلامی اکثریت تھی، گو خود مختار بن چکی تھی مگر اس وقت وہ اٹلی کی زد میں تھی۔

اتحادی فوجیں اس وقت قسطنطنیہ پر قابض تھیں، ترکی کا سلطان قسطنطنیہ میں اتحادیوں کے بس میں تھا، اور بڑا امر یہ زیر غور تھا کہ ترکی کا بقیہ یورپین مقبوضہ تھریس کس کو دیا جائے، قسطنطنیہ کس کے پاس رہے؟ اناطولیہ میں سمرنا گویا یونانیوں کو مل ہی چکا تھا، اور بقیہ اناطولیہ کی سپردگی کا مسئلہ درپیش تھا، یونان کا وزیر اعظم وینی زیلا اس برطانیہ کو اس بات پر آمادہ کر رہا تھا، کہ ترکی کا بڑا حصہ یونان کے حوالے کر دیا جائے، اُدھر ترکی کے صوبہ آرمینیا میں اتحادی بغاوت کرا رہے تھے، اور آرمینی سارے اتحادی ملکوں میں ترکوں کے مظالم اور اپنی مظلومی کی داستانیں گھڑ گھڑ کر رائے عامہ کو اپنے ساتھ ملا رہے تھے، یہودی توراۃ وانجیل کے حوالوں سے عیسائیوں کو یہ باور کرا رہے تھے کہ اخیر زمانہ میں بنی اسرائیل کے فلسطین میں دوبارہ اکٹھے ہونے کی جو پیشین گوئی کی گئی ہے اس کے پورا ہونے کا وقت یہی ہے۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا

ان مشکلات کے نرغے میں مصطفیٰ کمال پاشا ترکی کا ہیرو بن کر مٹھی بھر نوجوان ترکوں کے ساتھ اناطولیہ میں ترکی کی بچی کھچی سلطنت کے لئے سرگرم پیکار تھا[1] اور وہ بھی بالآخر اتحادیوں کی سازش کا شکار ہوا، اور اسی کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، علامہ اقبالؒ نے اسی کے بارے میں کہا تھا۔

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ دشمن کی عیاری بھی دیکھ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی عالمی تحریک

(حریت، احیاء خلافت اور مقامات مقدسہ کا تحفظ)

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے سخت اضطراب کا باعث تھی، ہندوستان کے مسلمان بھی بہت زیادہ بے چین تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی عالمی تحریک انہی حالات کی پیداوار ہے، حضرت نے دارالعلوم کی چٹائیوں پر بیٹھ کر مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا کی، پورے ملک سے چندہ کرا کر ترکی کو امداد بھجوائی، دارالعلوم دیوبند کے بہت سے طلبہ نے اپنی تعلیم روک کر اس کام میں حصہ لیا، اس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ اکثر احادیث جہاد پر تقریر فرمایا کرتے تھے، آپ کا دفاعی نیٹ ورک ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، آپ نے راجستھان میں اسلحہ سازی کا کارخانہ بھی قائم فرمایا تھا، آپ کے سفراء اور نمائندے دنیا کے مختلف ملکوں میں اعلیٰ سطحی سفارتی سرگرمیوں میں مصروف تھے، افغانستان میں آپ کے زیر ہدایت ہندوستان کی ایک متبادل عارضی حکومت بھی قائم کردی گئی تھی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ، وزیر اعظم برکت اللہ بھوپالی، اور وزیر داخلہ مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر حسب معمول اراکین تھے، آپ کی تحریک ریشمی رومال اسی کا حصہ تھی۔[2]

ہندوستان کے دیگر علماء و قائدین بھی اپنے اپنے طور پر سرگرم تھے، آئے دن احتجاجی جلسے

۱- برید فرنگ (مجموعۂ خطوط علامہ سید سلیمان ندوی) - جو علامہ نے ۱۹۲۰ء میں یورپ سے ہندوستان کی مختلف شخصیتوں کے نام لکھے تھے۔ ص ۷ تا ۱۲، شائع کردہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۷ء۔
۲- تحریک خلافت ص ۳۳ تا ۳۵ اور ۶۴ تا ۶۸۔

جلوس ہونے لگے، انقلاب پسند جماعتیں وجود میں آئیں، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال اور البلاغ کے ذریعہ اور مولانا محمد علی جوہرؔ نے اپنے انگریزی اخبار ''کامریڈ'' کے ذریعہ مسلمانوں کا خون گرمایا، لکھنؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، گیا میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، اور پٹنہ میں مولانا مظہر الحقؒ وغیرہ اس انقلاب کے بڑے علمبردار تھے۔[1]

مجلس خلافت کا قیام

یہی حالات تھے جب ہندوستان میں تحفظ خلافت کی تحریک اٹھی اور مجلس خلافت کا قیام عمل میں آیا۔ معلوم ذرائع کے مطابق اس میں سب سے پیش پیش حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ [2] اور

۱۔ تحریک خلافت ص ۳۳ تا ۳۵ اور ۶۴ تا ۶۸۔

۲۔ حضرت مولانا شاہ قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ ہندوستانی علماء میں انتہائی ممتاز، مقبول اور غیور شخصیت کا نام ہے، اسم گرامی: شاہ عبد الباری۔ لقب: امام العلماء تھا، آپ والدین کی طرف سے نسباً انصاری ایوبی تھے، سلسلۂ نسب دونوں جانب سے ملا قطب الدین شہیدؒ تک سات واسطوں سے پہنچتا ہے، حضرت شاہ عبدالباری بن حضرت شاہ مولانا عبدالوہابؒ بن حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرزاقؒ بن حضرت مولانا شاہ محمد جمال الدینؒ بن ملک العلماء مولانا کمال الدینؒ، ابن مولانا انوار الحقؒ ابن مولانا احمد عبدالحقؒ بن ملا سعیدؒ بن ملا قطب شہید سہالویؒ۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۷۸ء روز یک شنبہ کو غالباً بوقت شب 'فرنگی محل' لکھنؤ میں محلسرائے ملاحیدر کے شرقی ڈیرہ میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، جدامجد نے رسم بسم اللہ ادا کی، حفظ قرآن مجید یکے بعد دیگرے حافظ حاتم صاحب، حافظ وارث صاحب، اور حافظ عبدالوہاب صاحب کے پاس مکمل کیا، ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) میں حفظ قرآن مکمل ہوا، ابتدا میں پڑھنے کی طرف زیادہ رجحان نہیں رکھتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالباقی بن علی محمد انصاری فرنگی محلی مدنیؒ سے اکثر علوم کا درس لیا، درمیان میں جب مولانا عبدالباقی صاحب حج کو تشریف لے گئے، تو میبذی، قطبی مع حاشیۂ میر، نفحۃ الیمن، اقلیدس عربی، خلاصۃ الحساب اور تفسیر جلالین مولانا غلام احمد پنجابی سے پڑھیں، منطق (ملاحسن و میر زاہد رسالہ کے علاوہ) اور فلسفہ، ہیئت واصطرلاب کی تمام درسی کتابیں نیز مسلم، خیالی، میر زاہد امور عامہ، ہدایہ اخیرین اور صحیح بخاری مکرر احضرت مولانا عین القضاۃ بن محمد وزیر الحسینی حیدرآبادیؒ سے پڑھیں جو مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ کے تلمیذ رشید اور خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت بحرالعلوم کے بعد علمائے فرنگی محل میں جو شہرت ان دونوں بھائیوں کو حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں درسیات سے فراغت ہوئی، اور مولانا عبدالباقی صاحبؒ نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

پڑھنے کے زمانہ سے ہی انتہائی ذہین تھے، ایک نظر ڈالتے ہی کتاب سمجھ میں آجاتی تھی، اس لئے درسی کتب کے مطالعہ کے بجائے غیر درسی کتب کا مطالعہ بکثرت فرماتے تھے، آپ کے کتب خانہ (جو حضرت مولانا عبدالحیؒ کے کتب خانہ کے بعد سب سے بڑا کتب خانہ تھا) میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو آپ کی نظر سے نہ گذری ہو یا یہ کہ اس پر کچھ فوائد و حواشی نہ چڑھائے ہوں۔

کتب تصوف کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، بیعت بچپن ہی میں اپنے جدامجد سے ہوگئے تھے، اور بیعت کے ساتھ ہی پیرومرشد نے تمام سلاسل کی اجازت ارشاد بھی مرحمت فرمادی تھی، مگر تعلیم مکمل ہونے کے بعد والد ماجد کے پاس تجدید بیعت کی، اور دوبارہ اجازت حاصل ہوئی، سلسلۂ قادریہ میں دیگر بزرگوں سے بھی اجازت حاصل ہوئی۔

۱۳۲۲ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت علامہ سید علی بن ظاہر الوتری المدنیؒ اور شیخ الدلائل علامہ سید امین رضوانؒ اور علامہ سید احمد برزنجی مدنیؒ اور بالخصوص حضرت شیخ المشائخ سید عبدالرحمٰن بغدادی نقیب الاشرافؒ قدس اللہ اسرارہم وغیرہ سے سند حدیث اور اجازت سلاسل طریقت حاصل کی۔

آپ کو تمام علوم وفنون میں تبحر کامل حاصل تھا، تمام درسی کتب میں یکساں مہارت تھی۔ ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں آپ کی کوششوں سے جب فرنگی محل لکھنؤ میں مدرسہ عالیہ نظامیہ کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تو آپ نے وہاں پوری تندہی ←

← کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ نے مدرسہ کے تعلیمی نصاب میں حساب الجبرا، جامیٹری جغرافیہ اوراو پر کی جماعتوں میں انگریزی لازم کردی تھی، مدرسہ کے اخراجات ریاست دکن، ریاست رامپور اور ریاست نان پارہ کی امداد سے پورے ہوتے تھے، اس مدرسہ سے بے شمار طلبہ نے استفادہ کیا، ابتداً معقولات کی طرف زیادہ توجہ تھی، لیکن بعد میں آپ کی مشغولیت درس قرآن وحدیث کی طرف ہوگئ تھی۔ اس کے علاوہ اپنے گھر پر مثنوی مولانا رومؒ کا بھی درس دیتے تھے۔ جس میں بڑے بڑے علماء وفضلاء شریک ہوتے تھے، آپ کے فیوض علمیہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے قرآن کریم کا درس دیتے تھے، جس کا نصاب غالباً پانچ پارہ تھا، اور ہفتہ میں دودن جمعرات اور جمعہ کو سبق ہوتا تھا، خود بھی انگریزی سے واقف تھے، آپ کے باقاعدہ تلامذہ کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہے، جن میں بڑے بڑے علماء، مشائخ اور اصحاب کمال شامل ہیں، (ایک مختصر فہرست تلامذہ حسرۃ الآفاق میں دی گئی ہے ص ۸ تا ۱۰) تمام دینی ودنیاوی امور پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، دارلعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن ہوئے، دارالعلوم دیو بند بھی تشریف لے جاتے تھے، دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف سے بھی اچھے روابط تھے، آپ نے ان آزمائشی حالات میں جب خطۂ ہندوستان پر انگریز قابض ہو چکے تھے، اور خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشیں عروج پر تھیں، اوران کی سازشیں حجاز مقدس کے حدود تک پہنچ گئی تھیں اس وقت آپ نے (۱۹۱۳ء/ ۱۳۳۱ھ) میں انجمن خدام کعبۂ کی بنیادرکھی، جس کے خادم الخدام (صدر) آپ تھے اور مولانا شوکت علی اور شیخ مشیر حسین قدوائی معتمد مقرر ہوئے، اس انجمن نے حملہ آوروں کے مظالم اور مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کا سختی سے نوٹس لیا، مولانا تقریباً ہر مہینہ ایک مرتبہ اور بعض دفعہ دومرتبہ خدام کعبہ کے سلسلے میں دہلی تشریف لے جاتے تھے، آپ تحریکِ خلافت اور جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں ہیں، آپ نے ان کی حمایت میں بہت سے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی، مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ آپ سے بیعت تھے اور آپ کے ہی دربار سے ان کو مولانا کی سند ملی تھی، لیکن جب حجاز میں سعودی تحریک اٹھی اور ارباب خلافت نے ان کی حمایت اور شریف حسین کی مخالفت کی تو آپ نے ارباب خلافت سے ترک تعلق کرلیا، اور ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں ''خدام الحرمین'' کے نام سے ایک نئی جمعیۃ قائم کی، آپ انگریز اوران کے حامیوں کے زبردست مخالف تھے، اللہ جل شانہ نے آپ کو مقبولیت عامہ عطا فرمائی تھی۔ آپ کا دولت کدہ ایک ملی اور سیاسی مرکز تھا۔ جہاں ہر وقت ہر مسلک ومذہب سے تعلق رکھنے والے عوام وخواص کا اژدحام رہتا تھا۔ جن کی مفت ضیافت آپ کے دسترخوان پر کی جاتی تھی، بہت فیاض اور مہمان نواز تھے۔ آپ کا گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہتا تھا۔ ہر آنے والے کی بڑی توقیر فرماتے تھے، غریب مسلمانوں کی امداد واعانت آپ کا شیوہ تھا۔ بہت جری اور باوقار تھے، کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، اگر کہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ووقار کی بات آتی تو جواب دینے والوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ طبیعت پر جلال کا غلبہ تھا، خاص طور پر علماء ومشائخ کی بے پناہ عزت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علماء ومشائخ کی عزت وتوقیر اسلام کی توقیر ہے۔ سفر ہو یا حضر نماز باجماعت کے نہایت پابند تھے، اوراس مقصد سے سفر میں کم ازکم دو رفیق لازماً ساتھ ہوتے تھے، اوراد ووظائف اور صوفیانہ اعمال واشغال پر بھی سختی سے عامل تھے، آپ کے وصال سے فرنگی محل کا ایک عہد ختم ہوگیا، اور علم کا ایک بڑا باب بند ہوگیا۔ آپ علمائے فرنگی محل کے سرتاج تھے، آپ کا وصال سہ شنبہ ۴ ر رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹ر جنوری ۱۹۲۶ء کو شب میں گیارہ بج کر دس منٹ پر فالج کے حملے میں ہوا۔ دوسرے دن قریب ڈھائی بجے ظہر کے بعد فرنگی محل میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

آپ کا پہلا عقد ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں ہوا تھا، جس سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے، اور ولادت میں اہلیہ کا انتقال ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد وہ صاحبزادہ بھی چل بسا، دوسرا عقد غالباً ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) میں ہوا اس سے سترہ اٹھارہ اولاد پیدا ہوئی، لیکن ایک بھی زندہ نہ بچی، صرف دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ (آخری عمر میں) زندہ بچے، ان میں بھی ایک صاحبزادی نے اکیس سال کی عمر میں شادی کے بعد دوخرد سال بچوں کو چھوڑ کر الوداع کہا، اس طرح وفات کے وقت چھوٹی عمر کی ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ موجود تھے، جن کی شادیاں بعد میں ہوئیں۔

اولاد، تلامذہ اور مریدین کے علاوہ بہت سی اہم تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے اوپر بتائی جاتی ہے، حسرۃ الآفاق میں ایک سو دس کتابوں کی فہرست نام بہ نام دی گئی ہے، علاوہ یادداشتوں اور مضامین کا مجموعہ آٹھ جلدیں، اور فتاوی کا مجموعہ دو جلدیں، کتب درسیہ پر حواشی وتعلیقات نیز سائنس وکلام کے موضوعات پر رسائل چونتیس جلدیں، بلکہ مصنف حسرۃ الآفاق کا احساس یہ ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد اس سے بھی زائد ہے جہاں تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی، آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں: آثار الاول من علماء فرنگی محل ☆ حسرۃ المسترشد بوصال المرشد ☆ التعلیق المختار علی کتاب الآثار ☆ رسالہ فی حلۃ الغناء ☆ سراجی پر نوٹس ☆ التعلیق المختار ☆ مجموعۂ فتاویٰ ☆ ملھم الملکوت شرح مسلم الثبوت، ☆ الآثار المحمدیۃ والآثار المتصلۃ ☆ المذھب المؤید بما ذھب الیہ احمد وغیرہ (الاعلام بمن فی الھند من الاعلام ج ۸ ص ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ☆ حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، ناشر: اشاعۃ العلوم فرنگی محل، سن تصنیف: ۱۹۲۹ء)

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ تھے، مولانا عبدالباری صاحبؒ نے دسمبر ۱۹۱۳ء (محرم الحرام ۱۳۳۲ھ) ہی میں انجمن خدام کعبہ قائم کی تھی[۱]، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے غالباً اسی مناسبت سے تحفظ خلافت کی تحریک کے لئے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ سے تبادلۂ خیال فرمایا۔

اسی اثناء جناب مشیر حسین صاحب قدوائی[۲] جو اس وقت لندن میں مقیم تھے نے بھی اسی مضمون کا خط ہندوستان کی کئی ممتاز شخصیات کو لکھا، جن میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ بھی شامل تھے، بہر حال یہ ایک وقت کی آواز تھی، جس کی معقولیت کو ہر ایک نے تسلیم کیا اور پھر مولانا عبدالباریؒ اور مولانا سجادؒ کے اشتراک باہم سے خلافت کمیٹی کی پہلی بنیاد لکھنؤ میں ڈال دی گئی، شاہ محمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''مولانا ابوالکلام آزاد کے دستخط سے کلکتہ کے ایک جلسہ کی خبر ''مسلم آوٹ لک لندن'' میں شائع ہوئی ہے اس میں مولانا نے خلافت کمیٹی کے جلسوں کی خبروں کا ذکر جس ترتیب سے کیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کا پہلا جلسہ لکھنؤ میں ہوا تھا، اس کے بعد دہلی، امرتسر اور پھر بمبئی میں، بہر حال بمبئی میں یہ جماعت مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہوگئی، اور سیٹھ چھوٹانی اس کے صدر ہوئے اور مولانا محمد علی جوہرؔ نے اس کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لی، اور اس تحریک کو چار چاند لگادیا، مشیر حسین قدوائی کا خط اور اس بنیاد پر خلافت کمیٹی کے قائم ہونے کا قصہ خود مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے گیا مدرسہ انوار العلوم میں کچھ لوگوں کے سامنے بیان کیا تھا، اس مجلس میں راقم الحروف بھی موجود تھا۔''[۳]

مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ کا بیان یہ ہے کہ مولانا عبدالباری صاحبؒ اس مقصد کے لئے ''دفاع ملی'' کے نام سے ایک مجلس قائم کرنے کا خیال رکھتے تھے کہ اسی دوران ان کو خبر ملی کہ بمبئی کے چند اہل خیر سیٹھوں نے 'مجلس خلافت' کے نام سے ایک انجمن

۱- حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق ص ۱۶ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، ناشر: اشاعۃ العلوم فرنگی محل، سن تصنیف: ۱۹۲۹ء)

۲- شیخ مشیر حسین قدوائی بیرسٹرایٹ لاو تعلقہ دار گدیہ (بارہ بنکی صوبہ اودھ) بڑے صاحب علم، باخبر اور ملک کے ممتاز دانشوروں میں تھے، اسلام کے پر جوش سپاہی تھے، عمر بھر فرنگستان کی وادیوں میں قلمی جہاد میں مصروف رہے، یورپ اور دنیائے اسلام کے بڑے بڑے مشاہیر اور اکابر سے ملاقاتیں اور مراسلتیں رکھتے تھے، وہ اتحاد اسلامی کی تحریک کے بانیوں اور ملک کی سیاسی آزادی کے حامیوں میں تھے، ۱۹۲۰ء میں فیض آباد خلافت کانفرنس کے صدر رہوئے، اس موقعہ پر انہوں نے جو خطبۂ صدارت دیا تھا وہ ہندوستان میں ترکی اور یورپ کے معاملات کے متعلق پہلا ذریعۂ علم تھا، آخر دم تک خدمت اسلام میں مصروف رہے، وفات سے شاید چند یوم پیشتر ان کی آخری انگریزی تصنیف 'اسلام اور بولشزم' شائع ہوئی، ندوہ کے پرانے رکن تھے، ندوہ کی سرکاری امداد کے سلسلے میں ان کی کوششیں بھی شامل تھیں، نماز وغیرہ کے بہت پابند تھے، دل کے پرانے مریض تھے، ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو انسٹھ برس کی عمر میں اسی بیماری دل نے آخر کام تمام کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون (یادرفتگاں ص ۱۸۰ تصنیف علامہ سید سلیمان ندویؒ، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی، ۲۰۰۳ء)

۳- حسن حیات ص ۵۷۔

قائم کی ہے، مولاناؒ نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ آل انڈیا تحریک بن جائے، گو صدر مقام بمبئی ہی رہے، چنانچہ مولاناؒ نے لکھنؤ کے اہل رائے حضرات کے مشورہ کے بعد ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ میں کرنے کا پروگرام بنایا، جس میں پورے ملک سے نمائندہ شخصیتوں کو دعوت دی گئی، کانفرنس کے مصارف کی ذمہ داری مولاناؒ نے اپنے سر لی، مجلس استقبالیہ تشکیل دی گئی، اور جلسہ نہایت شان وشوکت سے منعقد ہوا، اور اسی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کے قیام کی منظوری ہوئی اور صدر مقام بمبئی قرار پایا۔[1]

مجلس خلافت کی تاسیس میں حضرت مولانا سجادؒ کا کردار

خلافت کمیٹی کی تاسیس میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کا بھی بنیادی اور اولین حصہ تھا، یہ بات آپ کے حلقہ میں بہت معروف تھی، امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ رقمطراز ہیں:

> ''جہاں تک مجھے یاد آتا ہے، خلافت کمیٹی جو تمام ہندوستان پر چھا گئی، اور جس نے سلطنت کی بنیاد کو ہلا دیا تھا، اس کی ابتدا کرنے والوں میں مولانا عبدالباری صاحبؒ کے ساتھ وہ بھی شریک تھے، خلافت کمیٹی بمبئی میں قائم ہوئی تھی، پھر مولانا لکھنؤ آئے، وہاں قائم ہوئی، پھر صوبہ بہار میں سب سے پہلے گیا میں آ کر قائم کیا، اور اس کا دوسرا اجلاس پھلواری میں کیا اس کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں میں قائم ہوئی۔''[2]

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''خلافت کمیٹی کی بنیاد کی پہلی اینٹ جو بمبئی میں رکھی گئی اس میں حضرت ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ لکھنؤ کا ہاتھ تھا، اس کے بعد جب مولانا بمبئی سے واپس ہوئے تو ہندوستان میں اس کی سب سے پہلی شاخ گیا میں قائم ہوئی۔''[3]

حضرت مولانا سجادؒ کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ رقمطراز ہیں:

> ''۱۹۱۸ء میں ٹرکی کی شکست اور اس کی سلطنت کی تقسیم نے مسلمانوں کو اتحادیوں کی طرف سے بددل کر دیا، ہندوستان میں اس کے خلاف احتجاجی جلسے شروع ہو گئے، مولانا نے اس نازک موقعہ پر جب کہ ملک میں ہنگامی قوانین جاری تھے، بلا خوف وخطر اعلان حق کیا، ممالک اسلامیہ کی

۱-حسرۃ الآفاق ص ۲۴۔غالباً یہ اجلاس انجمن مؤید الاسلام کے بینر تلے ہوا تھا اور اسی کے داعیان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے مولانا سجادؒ کا نام بھی شامل کیا تھا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور کچھ تذکرہ آگے آئے گا ان شاء اللہ۔

۲-حیات سجاد ص ۶۸۔

۳-تاریخ امارت ص ۵۰،۵۱ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی۔یہی بات مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے حیات سجاد میں بھی لکھی ہے (ص ۹۲ حاشیہ)

حفاظت، جزیرۃ العرب اور خلافت اسلامیہ کی اہمیت سے لوگوں کو واقف کرایا، ان کے تحفظ و بقا کے لئے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی، ملک میں پوری قوت کے ساتھ خلافت کی تحریک پھیلی، جس سے مسلمانوں میں آزادی اور خود مختاری کے حصول کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہوگیا۔''[۱]

قاضی سید احمد حسین صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

''پہلی خلافت کانفرنس کے سلسلہ میں مجھ کو مولانا کے ساتھ خلافت کانفرنس میں شرکت کا موقعہ ملا اور وہاں میں نے پہلی دفعہ گاندھی جی کو دیکھا۔''[۲]

قاضی عدیل عباسی تحریک خلافت کے آغاز کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس وقت تحریک خلافت کا آغاز ہوا مسلمانوں میں بہترین دل و دماغ رکھنے والے دانشور موجود تھے مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی، مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا احمد سعید، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مشیر حسین قدوائی، ظفر الملک علوی، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مسٹر مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمود آغا صفدر، اور ظفر علی خان وغیرہ۔''[۳]

انجمن مؤید الاسلام کے اجلاس میں تجویز خلافت

البتہ اس میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور حضرت مولانا سجاد کا کردار بنیادی تھا، جیسا کہ اوائل فروری ۱۹۱۹ء میں انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل کی رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے، اس اجلاس میں خلافت کے تعلق سے ایک جامع تجویز منظور کی گئی تھی، پہلے اس اجلاس کی رپورٹ قاضی عدیل عباسی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''فروری ۱۹۱۹ء کے اوائل میں انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل میں منعقد ہوا جس میں طے کیا گیا کہ:

۱- حیات سجاد مصنفہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی ص ۴۔

۲- حیات سجاد ص ۷۴، ۷۵۔

۳- تحریک خلافت ص ۲۰۔

☆ احکام اسلامیہ کی رو سے بجز موجودہ سلطان ترکی کے کوئی دوسرا خلیفہ نہیں، اور شریعت اسلامیہ کی رو سے خلافت کے باب میں امت محمدیہ کے سوا غیر مسلم کی رائے بے اثر ہے، مسلمانوں نے جہاں کہیں اس بارے میں آواز بلند کی ہے وہ شریعت اسلامیہ کے بالکل مطابق ہے، اور یہ جلسہ اس کی تائید کرتا ہے۔

☆ یہ بھی طے ہوا کہ یہ جلسہ اس تجویز سے اتفاق کرتا ہے کہ ایک فتویٰ احکام خلافت سے متعلق حدود عرب وممالک اسلامیہ کے علماء کرام سے دستخط کرا کے اور مشیر قانون سے مشورہ کر کے گورنر جنرل اور وزیر ہند کی خدمت میں روانہ کیا جائے، اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ جو خیالات اسلامی انجمنوں نے ظاہر کئے ہیں وہ احکام شریعت کے بالکل مطابق ہیں، اگر کوئی شخص اس کے خلاف ظاہر کرے تو وہ شریعت اسلامیہ کا حکم نہ سمجھا جائے، اور حکومت کو غلط فہمی نہ ہونے پائے، اس جلسہ کی تجویز نمبر ۶ لفظ بہ لفظ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

”یہ جلسہ اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ مذہبی رواداری ہماری بنائے طاعت ہے، حضور ملک معظم کی گورنمنٹ سے اظہار وفاداری کرتے ہوئے یہ جتاتا ہے کہ ممالک اسلامیہ کا عموماً اور بلاد مقدسہ کا جس میں قسطنطنیہ بھی داخل ہے خصوصاً تخت خلافت سے وابستہ رہنا مذہب اسلامی کی رو سے ایک نہ بدلنے والا حکم ہے، لہٰذا اس اسلامی حکم کی رو سے مجلس ہٰذا گورنمنٹ برطانیہ سے پورے زور کے ساتھ متدعی ہے کہ وہ اپنا رسوخ واثر صلح کانفرنس میں بایں غرض استعمال کرے کہ جو ممالک اس جنگ میں سلطان المعظم سے علٰحدہ ہو گئے ہیں وہ بجنسہ سابقہ حقوق کے ساتھ سلطان المعظم کو واپس کر دیئے جائیں، ورنہ بغیر اس کے صلح مسلمانوں کو مطمئن نہیں کر سکتی ہے۔“[۱]

رپورٹ اور تجاویز کا اسلوب بتاتا ہے کہ خلافت کے تعلق سے اس اجلاس سے قبل آوازیں اٹھنے لگی تھیں اور شاید اسی موقعہ پر خلافت کمیٹی کا قیام بھی عمل میں آ گیا تھا۔

واضح رہے کہ یہ وہی اجلاس ہے جس کے داعیان میں مولانا فرنگی محلیؒ نے مولانا محمد سجادؒ کا نام بھی شامل فرمایا تھا، اور اسی مجلس میں جمعیۃ علماء ہند کا پہلا خاکہ پیش کیا گیا تھا، لیکن اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل نہ ہو سکی تھی اور اس کو اگلی خلافت کانفرنس (دہلی) پر محول کر دیا گیا تھا، جس کی تفصیل جمعیۃ کے باب میں آئے گی ان شاء اللہ، اس سے تحریک خلافت میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے بالکل ابتدائی داعیانہ اور بنیادی کردار کا پتہ چلتا ہے۔

۱- تحریک خلافت ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

تحریک خلافت کا مرکز اولین ـ فرنگی محل

اسی لئے شروع میں تحریک خلافت کی سرگرمیوں کا عملی وقانونی مرکز فرنگی محل ہی رہا، اور مولانا عبدالباری صاحبؒ اس کے روح رواں رہے، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہرؔ جن کی اصل شناخت بعد میں تحریک خلافت کے ذریعہ ہوئی یہ دونوں بھائی حضرت مولانا عبدالباری صاحب کے مرید تھے، اور آپ ہی کے دربار سے ان دونوں کو''مولانا'' کا خطاب بھی ملا تھا[1] اور تحریک خلافت کی ذمہ داریاں بھی، قاضی عدیل عباسیؒ لکھتے ہیں:

''خلافت ترکی کے معاملہ میں فرنگی محل قانون کے اندر جدوجہد کا مرکز تھا، مولاناؒ کی فراست نے بادلوں کے محیط ہونے سے پہلے بارش کا اندازہ کرلیا تھا، اور خدام کعبہ کی بنیاد رکھی تھی، جس میں خود مولانا خادم الخدام تھے خدام کعبہ نے ملت اسلامیہ ہندیہ کے ہر فرد میں ایک ولولہ تازہ اور خلافت اسلامیہ اور اماکن مقدسہ سے ایک عظیم محبت وعقیدت کا جذبہ پیدا کردیا، گویا کہ یہ حرکت وعمل کے لئے نقش اول تھا۔ بعدہ تحریک خلافت کے زمانہ میں فرنگی محل مرکز رہا مولانا محمد علی مولانا عبدالباری کے مرید تھے، اور وہیں سے ان کو اور شوکت علی کو 'مولانا' کا اعزازی خطاب عطا ہوا تھا، چنانچہ وہ واقعی مولانا ہوگئے، ہر وقت اور ہر پبلک جگہ اور جلسے میں عبا پہنے رہتے تھے، نہایت گھنی ڈاڑھی تھی اور چہرہ پرنور، جب تک مولانا محمد علی نے اپنے بے مثال دردِ دل کے ماتحت اپنی صحت کو نظرانداز کرکے تحریک خلافت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر نہیں لے لیا، مولانا عبدالباری ہی کی ذات تھی جن کا نام نامی ہر جگہ آتا تھا۔۔ تحریک خلافت میں راست اقدام کا جو زبردست عمل پیش ہوا اس کی زمین مولانا عبدالباری کی تیار کی ہوئی تھی۔''[2]

۱- یہ اواخر جنوری ۱۹۲۰ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ) کی بات ہے جب ان دونوں بھائیوں کے لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ نے اپنے مدرسہ عالیہ نظامیہ کی طرف سے باقاعدہ سند عالمیت جاری فرمائی، اس کا قصہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

''جنوری کی آخری تاریخ میں مولانا محمد علی اور شوکت علی لکھنؤ آئے، اور ان کا پرجوش استقبال کیا گیا، تمام راستوں کو جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا، اور کثیر مجمع نے ان کی گاڑی سے گھوڑے کھول کر خود گاڑی کو کھینچا، وہ حسب معمول مولانا کی قیامگاہ محلسرا میں فروکش ہوئے، وہاں مدرسہ عالیہ نظامیہ کی جانب سے 'مولانا' کی سندیں علی برادران کو دی گئیں، اور طلبائے مدرسہ کی جانب سے اڈریس دیا گیا، شب کو پرتکلف دعوت کی گئی، جس کے کارڈ پہلے سے جناب قطب میاں صاحب کے نام سے معززین شہر کو تقسیم ہوچکے تھے۔''

(حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق (سوانح حیات مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ ص ۲۷ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ برادر خورد مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: اشاعت العلوم برقی پریس فرنگی محل لکھنؤ، سن تصنیف: جون ۱۹۲۴ء)۔

۲- تحریک خلافت ص ۷۴،۳۸۔

بمبئی میں دفتر آل انڈیا خلافت کا قیام

کچھ دنوں بعد ۱۶؍جمادی الثانیہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۰؍مارچ ۱۹۱۹ء کو اہل بمبئی کی خواہش پر خلافت کے مسئلہ پر رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے آل انڈیا خلافت کمیٹی کا دفتر بمبئی میں قائم کر دیا گیا، جس کے صدر سیٹھ چھوٹانی اور سکریٹری حاجی صدیق کھتری منتخب ہوئے۔ بمبئی کے لوگوں نے اس کے اخراجات کی ذمہ داری قبول کی، ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بھی ضرور موجود تھے۔ [۱]

خلافت کمیٹی کی پہلی شاخ گیا میں

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ بمبئی میں خلافت کمیٹی کا دفتر قائم ہونے کے بعد واپسی پر حضرت مولانا سجادؒ نے خلافت کمیٹی کی پہلی شاخ بہار کے مشہور شہر گیا میں قائم فرمائی، اس کے بعد پھلواری شریف پٹنہ میں دوسری شاخ قائم کی، لیکن تاریخ اور سن کی صراحت کسی نے نہیں کی ہے، البتہ بعض متأخر حضرات کے مضمون میں اپریل ۱۹۱۹ء (رجب ۱۳۳۷ھ) کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بھی کہ اس موقعہ پر گیا میں ایک بڑا اجلاس بھی منعقد کیا گیا تھا، جس میں خلافت کمیٹی کے مرکزی رہنما مولانا شوکت علی بھی شریک ہوئے تھے۔ [۲]

اگر اس تاریخ کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مولانا سجادؒ نے لکھنؤ کی آل انڈیا مسلم کانفرنس (۱۸؍ستمبر ۱۹۱۹ء مطابق ۲۱؍ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ) سے بھی قبل گیا اور پھلواری شریف میں خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کر دی تھیں، اس سے مولاناؒ کی فکرمندی اور اس میدان میں آپ کی سابقیت کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

بمبئی میں خلافت کمیٹی کا دفتر قائم ہونے کے بعد ملک میں خلافت کے چھوٹے بڑے جلسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور اس پلیٹ فارم سے مقامات مقدسہ اور خلافت اسلامیہ کے تحفظ کے مطالبات ہونے لگے۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ

''اسی سلسلہ کا ایک عظیم الشان جلسہ 'آل انڈیا مسلم کانفرنس' کے نام سے ۲۱؍ذی الحجہ

۱- حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت شاہ محی الدین پھلوارویؒ۔

۲- مولانا ابوالمحاسن سجاد حیات وخدمات ص ۲۵۰ (بحوالہ فریڈم مومنٹ ان بہار ص ۲۹۹) مضمون مفتی محمد خالد نیموی قاسمی۔

۷ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں طلب کیا گیا، جس میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہر طبقۂ خیال کے علماء وزعماء شریک ہوئے، مجمع بہت زیادہ تھا، کانفرنس کی مجلس داعیان میں بھی ملک کے ہر حصہ کو نمائندگی دی گئی تھی، قاضی عدیل عباسی نے سینتیس افراد کے نام ذکر کئے ہیں، کانفرنس کے لئے جو اشتہار شائع کیا گیا تھا، اس کا عنوان بہت حساس تھا "مسلمانوں کی موت وحیات کا مسئلہ"

اس کانفرنس کے منتخب صدر جناب ابرہیم ہارون جعفر تھے[1]، لیکن ان کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی، اس لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ کا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا جو اتفاق رائے سے منظور ہوا۔

بعد نماز ظہر مسٹر ابراہیم ہارون جعفر نے صدارت فرمائی، اور اپنے خطبۂ صدارت کا ایک حصہ پڑھا، اور مطبوعہ خطبہ مجلس میں تقسیم کر دیا گیا۔

کانفرنس میں منظور شدہ تجاویز

کانفرنس کا پہلا ریزولیشن خلافت عظمیٰ کے اقتدار کو برقرار رکھنے کی بابت مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی نے پیش کیا، اور مولانا سید حسن آرزو صاحب نے اس کی تائید کی۔

دوسرا ریزولیشن - جس میں ترکی کے بڑے علاقوں عراق، عرب، فلسطین، شام، آرمینیا وغیرہ کو ترک سلطنت سے علٰحدہ کر کے غیر مسلم حکمراں طاقتوں کے ماتحت رکھنے پر اظہار ناپسندیدگی کیا گیا تھا اور جزیرۃ العرب کو غیر اسلامی اثرات سے پاک رکھنے پر زور دیا گیا تھا - مولانا ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر 'اہل حدیث' نے پیش کیا، اور شیخ عبداللہ وکیل علی گڑھ نے اس کی تائید کی۔

کل سات تجاویز منظور کی گئیں، جن میں سے ہر ایک کا تعلق خلافت ترکی سے تھا۔ چھٹی تجویز ۱۷ اکتوبر کے دن ترکی کے لئے یوم دعا منانے سے متعلق تھی، اور ساتویں تجویز میں بمبئی کی خلافت کمیٹی کے کام پر اظہار اطمینان کیا گیا تھا اور اس کی شاخیں صوبوں اور مختلف مقامات پر قائم کرنے کی ضرورت جتائی گئی تھی، آخر میں مولانا عبدالباری صاحب نے جناب صدر اور بیرونی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، اور جناب صدر نے چند اختتامی الفاظ میں اہل لکھنؤ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جلسہ کی کامیابی پر اظہار مسرت کیا، اور حصول مقصد کی دعا مانگی۔[2]

۱- مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب (جو اس کانفرنس میں شریک تھے) نے لکھا ہے کہ " کانفرنس کی صدارت آنریبل بھورگری " کو کرنی تھی (حیات سجاد ص ۹۲) جب کہ عدیل عباسی نے ابراہیم ہارون جعفر کا نام تحریر کیا ہے (تحریک خلافت ص ۹۴)

۲- تحریک خلافت ص ۹۴ تا ۹۸ بحوالہ اخبار مشرق گورکھپور زیر ادارت حکیم ابراہیم صاحب، مورخہ ۱۱، ۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء۔

حضرت مولانا سجادؒ کانفرنس کے اہم قائد

اس کانفرنس کے اہم قائدین میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ بھی تھے، مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب (پٹنہ) جو اس کانفرنس کے اہم شرکاء میں تھے، اور جنہوں نے خلافت عظمیٰ سے متعلق پہلی تجویز کی تائید میں تقریر کی تھی، مولانا سجاد صاحب سے ان کی پہلی ملاقات اسی کانفرنس میں ہوئی تھی اور وہ مولاناؒ کی شخصیت اور افکار عالیہ سے بے حد متأثر ہوئے، اس کے بعد ان کو مولاناؒ کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کے بھی کافی مواقع ملے، یہ تعلقات ان کے بقول تقریباً پچیس سال کے عرصہ پر محیط تھے، آرزو صاحب لکھتے ہیں:

> ''خوش قسمتی سے مجھے لکھنؤ کے اس سفر میں مولانا سجاد مرحوم کی معیت کا شرف حاصل ہوا، میں نے پہلی ہی ملاقات میں اس دبلے پتلے نحیف وکمزور عالم دین سے مل کر یہ محسوس کیا کہ اس کے سینے کے اندر گوشت کا لوتھڑا نہیں، دہکتی آگ کا شعلہ ہے، اس کی نظر کی گہرائی، اس کے دماغ کی بلندی اور فہم وفراست، ارتقائے ملک کے لئے صاف اور سیدھا نظام عمل اپنے اندر مخفی رکھے ہوئے ہے، لکھنؤ کی وہ صحبت یقینی ایک تاریخی صحبت تھی مخصوص مسلمانوں کا ایک بڑا مجمع تھا اور کم از کم میری زندگی کا ایک تاریخی دن تھا مجلس مضامین کی مخصوص صحبت میں پتہ چلا کہ مولانا سجادؒ کی ذہنی کاوشیں کیا ہیں، اور سیاسی معلومات میں وہ کس درجہ ماہر ہیں۔''[۱]

خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس دہلی میں

۲۸ر صفر المظفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کا پہلا مرکزی اجلاس دہلی میں ہوا، جس کی صدارت مسٹر فضل الحق (بنگال) نے کی، گاندھی جی بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے، ''اس میں خلائق کا اتنا ہجوم تھا کہ چاندنی چوک اور جامع مسجد کی راہ دو گھنٹے میں طے ہوئی، اس اجلاس میں صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام شریک کئے گئے جو تمام صوبوں سے آئے تھے، کچھ ہندو معززین نے بھی شرکت کی، جن کو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، سندھ، رنگون، بنگال، بہار، صوبۂ متحدہ وغیرہ سے جو ہندو آئے تھے ان کو مسلمانوں نے خلافت کمیٹیوں کی طرف سے بھیجا تھا، شیعہ حضرات بھی اس میں شریک تھے۔''[۲]

۱- حیات سجاد ص ۹۱، ۹۲۔
۲- تحریک خلافت ص ۱۰۲۔

تجویز مقاطعہ

اجلاس میں باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی کہ مسلمان انگریز کے جشن فتح میں شریک نہیں ہوں گے اور اگر ان کے مطالبات منظور نہ ہوئے تو وہ حکومت سے عدم تعاون کریں گے ، اس اجلاس میں ہندوؤں سے بھی تعاون کی اپیل کی گئی۔

اس میں حضرت مولانا سجاد بھی قائدانہ طور پر شریک تھے، اسی موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند کی بھی باقاعدہ تشکیل ہوئی جس کا پہلے سے ہی عزم کر کے مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالمحاسن سجاد تشریف لائے تھے، تفصیل جمعیۃ علماء کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس امرتسر میں

خلافت کمیٹی کا دوسرا اجلاس امرتسر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس کے ساتھ ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو منعقد ہوا، جس کی صدارت مولانا شوکت علیؒ نے کی[1]، اجلاس میں حضرت مولانا عبدالباریؒ اور حضرت مولانا محمد سجادؒ نے بھی قائدانہ شرکت کی، مولانا محمد علی جوہر اجلاس سے کچھ دنوں پہلے ہی رہا ہوئے تھے، وہ بھی شریک ہوئے اور اجلاس میں ایک طویل، جذباتی اور اثر انگیز تقریر فرمائی۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادیؒ: ''مولانا محمد علی جوہر کی شرکت گویا تمام مسلمانان ہند کی شرکت تھی، کیونکہ وہ اپنے علم وفضیلت، اسلام نوازی، جرأت وحق گوئی وبے باکی، عظیم ایثار وقربانی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمہ لیڈر بن چکے تھے، بیتول جیل سے رہائی کے بعد وہ جن جن اسٹیشنوں سے گذرے وہاں ان کا عظیم الشان استقبال کیا گیا۔[2]

دہلی میں خلافت کانفرنس اور وفد خلافت کی تجویز

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ایک بڑی خلافت کانفرنس ہوئی، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد (مولانا آزاد یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو جیل سے رہا ہوئے تھے)، لوکمانیہ تلک اور دیگر کانگریسی لیڈران بھی شریک ہوئے، اور خلافت کے مسئلہ پر سب نے اپنے اتفاق کا اظہار کیا، وائسرائے اور صلح کانفرنس لندن میں وفد بھیجنے کی تجویز منظور ہوئی،

۱- علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷ مرتبہ مولانا مفتی محمد میاں صاحب۔
۲- تحریک خلافت ص ۱۰۲۔

مولانا محمد علی نے وفد کا میموریل تیار کیا جس پر سر برآوردہ لوگوں نے دستخط کئے، مولانا آزاد نے انڈیا ونس فریڈم میں لکھا ہے:

''وفد وائسرائے سے ملا، میں نے عرضداشت پر دستخط تو کردیئے تھے مگر وفد کے ساتھ گیا نہیں، کیونکہ میرا خیال تھا کہ معاملات عرضداشتوں اور وفدوں کی حد سے آگے بڑھ چکے تھے۔''[1]

مولانا آزادؔ ہی کے بیان کے مطابق وائسرائے نے میموریل کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ ''اگر مسلمانوں کا کوئی وفد حکومت برطانیہ کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ پیش کرنے کے لئے جانا چاہے، تو حکومت وفد کو لندن جانے کی ضروری سہولتیں فراہم کردے گی، لیکن خود اس نے کچھ کرنے سے معذوری ظاہر کی۔''[2]

بہرحال مولانا محمد علی کی قیادت میں وفد لندن کے لئے روانہ ہوا، جس میں مولانا سید سلیمان ندوی، سید حسین، ابوالقاسم، اور حسن محمد حیات شامل تھے، وفد نے لندن میں مسٹر فشر کے توسط سے مسٹر لائیڈ جارج سے ملاقات کی، مگر لاحاصل، مولانا محمد علی نے کچھ عوامی جلسے وہاں کئے، پھر یہ حضرات اکتوبر ۱۹۲۰ء کے آغاز میں ہندوستان واپس لوٹ آئے۔[3]

کلکتہ میں خلافت کانفرنس

فروری ۱۹۲۰ء میں کلکتہ ٹاؤن ہال میں ایک خلافت کانفرنس ہوئی جس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کی، مولانا آزادؒ نے اس میں خلافت کے موضوع پر ایک مبسوط خطبہ دیا، جو کتابی شکل میں اسی وقت شائع ہوچکا تھا۔[4]

کراچی میں عظیم الشان خلافت کانفرنس

۱۵ر محرم الحرام ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت کانفرنس مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں ہوئی، جس میں حسب معمول کافی جوش وخروش نظر آیا، اکابر علماء وزعماء اسلام کے علاوہ ہندو لیڈر اور عوام بھی کانفرنس میں شریک ہوئے، اسی اجلاس میں انگریزی فوج کی ملازمت کو از روئے اسلام حرام قرار دیا گیا، اور پھر حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدد اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو وغیرہ پر مشہور زمانہ مقدمۂ

۱- انڈیا ونس فریڈم ص ۸۔
۲- انڈیا ونس فریڈم ص ۸، ۹۔
۳- تحریک خلافت ص ۱۱۹ تا ۱۲۲۔
۴- تحریک خلافت ص ۱۲۷۔

بغاوت چلا، مولانا محمد علی نے دوران مقدمہ جج سے زوردار لفظی مباحثہ کیا، حضرت مدنیؒ بھی اپنے بیان پر قائم رہے، کراچی کے مقدمہ میں تمام ہی ملزموں نے اقبال جرم کرلیا تھا، سب کو سزا ہوئی، لیکن مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی ہندوستان کے ہیرو ہوگئے، اسی زمانے میں یہ شعر کافی مشہور ہوا:

بولیں اماں محمد علی کی   جان بیٹا خلافت پہ دے دو

ساتھ تیرے ہیں شوکت علی بھی   جان بیٹا خلافت پہ دے دو

خلافت

ترکِ موالات

یا عدم اشتراک عمل یا نان کوآپریشن

کا آغاز

کا امتحان

ہدایات

خلافت کمیٹی (جمعیۃ المرکزیۃ الہندیۃ للخلافۃ) کی جانب سے شائع شدہ ایک اشتہار جس میں تحفظ خلافت کے لئے یکم اگست ۱۹۲۰ء مطابق ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو ملک گیر پر امن عام ہڑتال اور عدم تعاون کی اپیل کی گئی ہے، اس پر گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، حاجی صدیق کھتری، سیف الدین کچلو، فضل الحسن، مولانا حسرت موہانی قائدین تحریک خلافت کے نام درج ہیں، (مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی عنایت سے یہ اشتہار مجھے حاصل ہوا)

خواتین بھی تحریک میں شامل ہوگئی تھیں، مولانا محمد علیؒ کی والدہ اس میں پیش پیش تھیں، ان کو سارا ملک بی اماں کے نام سے یاد کرتا تھا۔[۱]

گیا میں عظیم الشان خلافت کانفرنس

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے قاضی احمد حسین صاحب کی معاونت سے خلافت کمیٹی کی ایک شاخ گیا شہر میں قائم کی تھی، جو بہار کی پہلی خلافت کمیٹی تھی، مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ کے الفاظ میں:

> ''انوار العلوم کے بعد سب سے اہم اور نمایاں کام گیا میں خلافت کمیٹی کی تاسیس تھی، جو صوبہ بہار کی پہلی خلافت کمیٹی تھی، اور ہزاروں ہزار روپیہ ٹرکی کو بھجوایا اور خوب چندہ ہوا مجھے یاد ہے کہ غالباً یوم انقرہ کے سلسلہ میں ایک چھوٹے سے محلہ سے ڈیڑھ سو روپیہ وصول کر کے دفتر میں داخل کیا تھا''[۲]

اس شاخ کی طرف سے حضرت مولانا سجادؒ نے گیا میں ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ/دسمبر ۱۹۲۲ء کو جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے جلسوں کے ساتھ عظیم الشان خلافت کانفرنس کا انعقاد فرمایا، جس کی صدارت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (۱۴/رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۶/دسمبر ۱۹۲۹ء) مہتمم دارالعلوم دیوبند (زمانۂ اہتمام: ۱۳۳۵ھ تا ۱۳۴۸ھ/۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۹ء) نے فرمائی، مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ[۳] مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، گیا کانگریس کے اجلاس کے صدر مسٹر سی آر داس تھے، یہ جلسے حضرت مولانا سجادؒ کی خوش ذوقی، فنکارانہ مہارت، اور انتظامی صلاحیت کی

۱- تحریک خلافت ص ۱۸۳ تا ۱۹۴۔

۲- محاسن سجاد ص ۲۰۔

۳- مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ کی ولادت داناپور (پٹنہ) کے محلہ ''شاہ ٹولی'' میں ۱۸۵۶ھ (۱۲۷۲ء) میں ہوئی، مولانا کا آبائی مکان موضع داناپور گھوسہرہ ضلع پٹنہ ہے، ان کی ابتدائی تعلیم داناپور اور آرہ میں ہوئی، اور لکھنؤ اور حیدرآباد میں تکمیل کو پہنچی۔

آپ کا خاندان اپنے حسب ونسب اور علم وفضل کی بنا پر ہمیشہ ممتاز رہا، آپ کے والد بزرگوار مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم بڑے صاحب علم تھے، ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا، مولانا حکیم عبدالرؤف صاحب بیسویں صدی کے اوائل میں کلکتہ چلے آئے اور تاعمر وہیں مقیم رہے، ان کا شمار ہندوستان کی خاک سے اٹھنے والے گنتی کے چند ممتاز علماء میں ہوتا ہے، آپ کی عظمت کا اعتراف مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی اور دوسرے بے شمار اکابر علماء نے کیا ہے، ۱۹۲۵ء-۱۹۲۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سالانہ جلسہ میں 'اسلام اور مدنی مسائل' کے عنوان سے انہوں نے جو مقالہ پڑھا تھا، اس کے بارے میں ارباب علم وفضل کی متفقہ رائے تھی، کہ اب تک ایسا پرمغز اور جامع مقالہ نہیں پڑھا گیا تھا، جناب ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ اس وقت جامعہ کے وائس چانسلر تھے، انہوں نے اس مقالہ کو کتابی صورت میں شائع کیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس مقالہ کو پڑھ کر مولانا داناپوری کو ایک خط میں تحریر فرمایا کہ: آپ کا مقالہ عوام سے زیادہ علماء کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا، فن طب وحکمت اور دیگر موضوعات پر پچاس سے زائد کتابیں آپ کی شائع ہو چکی ہیں، غیر مطبوعہ بھی بہت زیادہ ہیں، ان میں اسب سے اہم ترین تصنیف ''اصح السیر'' (دوجلدیں) ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی اور دیگر علماء نیز سترہ رسالوں نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''اب تک اردو زبان میں سیرت طیبہ پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی'' یہ ایک جامع اور صحیح ترین کتاب ہے۔ ←

آئینہ دار تھی، علامہ مناظر احسن گیلانیؒ رقمطراز ہیں:

''اسی کا اعتراف نہیں، بلکہ اس کا بھی کہ سارے ہندوستان کا سب سے نمایاں اجلاس جمعیۃ علماء گیا کا اجلاس تھا، اور جمعیۃ علماء گیا کا اجلاس صرف ایک واحد شخصیت (حضرت مولانا سجادؒ) کی عملی قوتوں کا مظہر تھا۔''

گیا کانفرنس کا منظر جمیل

ان پروگراموں کی چشم دید کیفیت حضرت مولانا محمد سجاد کے سیاسی ناقد علامہ راغب احسن صاحب ایم اے جنرل سیکریٹری کلکتہ مسلم لیگ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''حضرت مولانا محمد سجاد کو پہلی دفعہ اور یہ آخری دفعہ بھی تھا، میں نے گیا کانگریس ۱۹۲۲ء کے موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند کے عظیم الشان پنڈال میں دیکھا تھا، گیا کانگریس کا اجلاس زیر صدارت مسٹر سی آر داس ہو رہا تھا، سوراج پارٹی کی بنیاد پنڈت موتی لال نہرو داس اور حکیم اجمل خاں مل کر ڈال رہے تھے، گیا میں اس موقعہ پر آل انڈیا خلافت کانفرنس اور جمعیۃ علماء ہند کی سالانہ کانفرنسیں بھی ہو رہی تھیں، دسمبر کا مہینہ تھا، کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا، کانگریس، خلافت اور جمعیۃ کے پنڈال دریائے پھلگو کے کنارے شہر سے باہر ریت کے ٹیلوں اور خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں قائم تھے، کانگریس اس وقت بھی سرمایہ دار ہنود کی مجلس تھی، اس کا پنڈال ہندو طرز تعمیر کا نمونہ تھا، صدر گیٹ، دروازے، اور اس کے ستون بدھسٹ طرز تعمیر کے مطابق بنائے گئے تھے، اس کا ظاہر و باطن کاملاً ہندوانہ تھا، اس کی تعمیر پر ہزاروں ہزار روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔

← کلکتہ میں انجمن اطباء قائم ہوئی تو آپ اس کے صدر منتخب ہوئے، اور سالہا سال تک آپ اس کے صدر رہے، آپ ہی کی کوششوں سے حکومت بنگال نے انجمن اطباء کے بورڈ آف فیکلٹی کو تسلیم کرلیا تھا، آپ سرکاری ملازمت کے قائل نہ تھے، حکومت بہار نے طبیہ کالج کی تجویز منظور کی تو آپ کو پرنسپل کے عہدہ کی پیشکش کی گئی، لیکن آپ نے قبول نہیں کیا، اور پھر آپ ہی کی سفارش پر حکیم محمد ادریس صاحب ساکن موضع بہراوان اس عہدہ پر فائز ہوئے آپ انگریزی سامراج کے سخت خلاف تھے، ۱۹۱۶ء سے برابر جنگ آزادی کی کوششوں میں شریک رہے، اس کے لئے جیل بھی گئے، آپ کانگریس کے اہم رکن ہونے کے ساتھ کلکتہ خلافت کمیٹی کے برسوں صدر رہے، آپ نے گیا خلافت اور جمعیۃ کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ دیا تھا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، ہندوستان کے گوشے گوشے سے آپ کے پاس استفتا آیا کرتے تھے، اور آپ نہایت تحقیق کے ساتھ ان کے جوابات دیتے تھے، آپ کی بصارت آخر عمر تک پوری طرح برقرار رہی، ۱۹۴۸ء میں ۲۰ اور ۲۱ فروری کی درمیانی شب بارہ بجے کلکتہ میں وفات پائی، مانک تلہ پشاوری گورستان میں مدفون ہیں (تاریخ اطباء بہار ج ۱ ص ۷۲ تا ۷۷ مولفہ: حکیم محمد اسرار الحق، ۱۹۸۰ء)

۱- محاسن سجاد ص ۵۵ ارتسامات گیلانیہ۔

اس کے بالکل برعکس جمعیۃ علماء ہند کا پنڈال اسلامی سادگی، نفاست، اور جدت، اور انڈوسارا سینک (Indo Sara Cenic) عربی ہندی طرزِ تعمیر کی رعنائیوں کا آئینہ دار تھا، اس کے عالیشان صدر پھاٹک اور داخل وخارج ہونے کے دروازوں پر عربی حروف میں معنیٰ خیز آیات قرآنی درج تھے، مسلمانوں کے علاوہ ہزاروں لاکھوں ہندو روزانہ جمعیۃ علماء کے پنڈال کو آ کر دیکھتے اور تعریف کرتے تھے، جو کلمہ سب کی زبانوں پر عام تھا وہ یہ تھا کہ باوجود سادہ اور کم خرچ ہونے کے جمعیۃ کا پنڈال کانگریس کے پنڈال سے ہزار درجہ زیادہ آرام دہ، زیادہ روشن وفراخ، زیادہ حسین وجمیل، اور زیادہ عالیشان، زیادہ پرشکوہ تھا، اور یہ سب کچھ مولانا سجاد کی اعلیٰ تعمیری صلاحیت کا نتیجہ تھا، مجھے معلوم تھا کہ مولانا نے یہ سارا انتظام انتہائی بے سروسامانی، بے مائیگی، اور پریشانی کے عالم میں اور قلیل ترین وقت یعنی صرف چند دنوں کے اندر کیا تھا، گیا کی جمعیۃ علماء کانفرنس اور خلافت کانفرنس کی اصل روح رواں، دماغ، مدبر، اور مرکزی شخصیت مولانا سجاد کی ذات تھی، مولانا سجاد نے محض چند گنے ہوئے دنوں کے اندر جمعیۃ علماء اور خلافت کانگریس کے متعلق جملہ انتظامات باوجود غربت وافلاس اور بے سروسامانی کے اتنے اعلیٰ پیمانہ اور بہترین بلکہ نادرترین انداز پر کیا تھا، کہ ہندو مسلم اکابر کی نگاہیں بے اختیار مولانا پر مرکوز ہو رہی تھیں اور سب کی زبانیں اس حقیقت کے اعتراف میں ہم آواز تھیں کہ:

مولانا سجادؒ نئے ہندوستان کی تعمیر کی صلاحیت رکھتے ہیں

"گیا کانگریس نے ملک کی ایک نادر اور حیرت انگیز تنظیمی طاقت کا انکشاف کیا ہے، مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب قادری داناپوری جمعیۃ علماء ہند کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے، آپ نے مولانا سجادؒ کی انتظامی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے کھلے اجلاس میں فرمایا تھا کہ:

مولانا سجاد نے مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیمی اور سیاسی کاروائی کا جو ثبوت دیا ہے، وہ اس درجہ بلند ہے کہ سوراج ملنے کے بعد مولانا کو ہندوستان کا گورنر اور گورنر جنرل بنانا موزوں ہوگا، کیونکہ وہ ایک نئے ہندوستان کے نئے خیالات واصول کے مطابق تعمیر کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند صدر اجلاس نے جو خود بھی بڑے منتظم بزرگ تھے اس خراج تحسین کی تائید فرمائی تھی۔ اسی اجلاس گیا کے موقعہ پر مجھے مولانا مرحوم کی تقریر سننے کا پہلا موقعہ ملا تھا، اور یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ صاحب بیان نہیں بلکہ صاحب عمل بزرگ ہیں۔ مولانا سجادؒ نہ صرف ایک بڑی تنظیمی صلاحیت رکھنے والے بزرگ تھے، بلکہ جدید

(Original) خیالات وافکار رکھنے والے ایک معمار اور خلاق بھی تھے، وہ صرف منتظم اور مدبر نہیں تھے، بلکہ مفکر، مجتہد اور آرٹسٹ بھی تھے، اور کوئی اول درجہ کا معمار اور آرٹسٹ نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ اعلیٰ درجہ کی قوت تخییل اور اعلیٰ درجے کی قوت تخلیق نہ رکھتا ہو، اور گیا کے ملی مجالس اور اس کے متعلقہ انتظامات ان کی اعلیٰ قوت تخییل اور اعلیٰ تخلیق کے مخلوقات فکر وعمل تھے، مولانا کی شخصیت میں بیک وقت اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیت اور عملی طاقت کے ساتھ نئے نئے خیالات وتعمیرات کے عدم سے وجود میں لانے کی تخلیقی قوت بھی جمع تھی، وہ نہ صرف حسب موقع نئے خیالات کو قبول کرسکتے تھے، بلکہ نئے خیالات کی آفرینش کی بھی قوت رکھتے تھے، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ اپنے نئے خیالات کے مطابق ایک نئی دنیا کی تعمیر بھی کرسکتے تھے۔ اجلاس گیا کے موقعہ پر ہر چیز اور ہر انتظام پر مولانا سجاد کی تخلیقی شخصیت اور اجتہادی آرٹ کا چھاپ صاف نمایاں تھا۔''[1]

احیاءِ خلافت کی آخری کوششیں

حضرت مولانا سجادؒ کے ان پروگراموں نے پورے ملک بالخصوص بہار میں انقلاب کی لہر دوڑادی، مسلمانوں نے خلافت اسلامیہ کے تحفظ وبقا کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی، اور قربانی وسرفروشی کی ایک نئی تاریخ رقم کی، لیکن ہوا وہی جو اللہ پاک کو منظور تھا، ترک ناداں نے خود ہی پسپا ہوکر دشمنوں سے مصالحت کرلی، اور صدیوں کی بنائی ہوئی تاریخی سلطنت اور روحانی منصب کو بیک جنبش قلم منسوخ کردیا، ۲۵/رجب المرجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۳/مارچ ۱۹۲۴ء کو تنسیخ خلافت کے عظیم سانحہ کے بعد بھی ہمارے علماء اور قائدین نے خلافت اسلامیہ کے امکانات کے لئے کئی عملی کوششیں کیں، پہلے تو یہ کوشش کی گئی کہ خود مصطفیٰ کمال اس منصب خلافت کے لئے آمادہ ہوجائے، اور خلافت کی جاری روایات واصول کو دوبارہ قائم کرے، لیکن جب اس سے مایوسی ہوگئی تو ۱۹۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز نے حجاز مقدس میں شریف حسین کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کیا تھا، اور ان سے مسلمانوں کو بڑی امیدیں قائم تھیں کہ وہ حجاز مقدس میں منصب خلافت کے قیام میں امت مسلمہ کی مدد کریں گے، اس لئے کہ مہم کے آغاز میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ ان کو حکومت کی خواہش نہیں ہے، شریف حسین کے نکل جانے کے بعد مسلمان جس کو چاہیں امیر منتخب کرلیں، ۲۴/اکتوبر ۱۹۲۴ء

۱- محاسن سجاد ص ۱۰۲ تا ۱۰۵۔

(۲۵؍ربیع الاول ۱۳۴۳ھ) کو خلافت کمیٹی کی تجویز کا جواب ملک عبدالعزیز نے یہ دیا تھا کہ آخری فیصلہ دنیائے اسلام کے ہاتھ میں ہوگا، جمعیۃ و خلافت نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی قیادت میں باقاعدہ ایک وفد بھی حجاز مقدس روانہ کیا جس کے اراکین میں مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبد القادر قصوری بھی تھے، لیکن یہاں بھی مایوسی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا، ۱۹۲۵ء میں جیسے ہی مکمل حجاز فتح ہوا، ۱۰؍جنوری ۱۹۲۶ء (۲۵؍جمادی الثانیۃ ۱۳۴۴ھ) کو جناب عبدالعزیز نے اپنے ملک النجد و الحجاز ہونے کا اعلان کر دیا، اور خلافت اسلامیہ کی آخری امید بھی جاتی رہی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔[1]

الغائے خلافت کے جھوٹے اعذار

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ خلافت کے خاتمہ پر بے حد رنجیدہ تھے، ایک پل کے لئے بھی امت کا بغیر خلیفہ رہنا ان کو گوارا نہ تھا، بعض لوگ مصطفیٰ کمال اور ان کے ہم خیال ترکوں کی طرف سے عذر پیش کرتے تھے اور تاویلات کرتے تھے، مولانا سجاد صاحبؒ کے نزدیک یہ سب تاویلات باردہ تھیں، اور ان کی بنا پر مسلمانان ترک یا مسلمانان عالم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے تھے، قیام خلافت مسلمانوں کی عالمی اجتماعی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری سے گریز کی کوئی تاویل حضرت مولانا محمد سجادؒ کے نزدیک قابل قبول نہیں تھی، انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں سب سے پہلے اسی مسئلہ پر گفتگو کی ہے، اور جس تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے اس سے مولانا کی غیرت ایمانی، فکری بلندی، وسعت مطالعہ، قوت مشاہدہ، حالات سے باخبری اور گہری حساسیت کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے انسانی سوچ کی کمزوریوں، بے عملی کے حیلے بہانوں اور مغربی تہذیب کی فکری غلامی میں تراشے گئے نظریات پر جس طرح نشتر چلائے ہیں کہ احساس کا حامل

۱- تحریک خلافت ص ۲۵۸ تا ۲۶۶۔ مسلسل ناکامیوں سے خلافت کمیٹی کے وقار و اعتبار کو بھی کافی صدمہ پہنچا، خود کمیٹی انتشار سے محفوظ نہ رہ سکی، حجاز میں مآثر و مقابر کے ساتھ ملک النجد کی بدسلوکیوں کو لے کر خود ارکان کمیٹی دو حصوں میں منقسم ہو گئے، ایک جماعت غدار شریف حسین کی پرزور طرفدار تھی، ان میں بریلوی اور خانقاہوں کے سجادہ نشیں پیش پیش تھے، اس میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسی باوزن شخصیت بھی شامل تھی، جن کا پورے ہندوستان پر اثر تھا، ان کے ساتھ مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا نثار احمد کانپوری وغیرہ بھی تھے، دوسری طرف مولانا محمد علی، ظفر الملک چودھری خلیق الزماں وغیرہ تھے، دونوں کا مرکز لکھنؤ تھا، مولانا عبدالباری صاحب کے ایماء پر انجمن خدام الحرمین قائم ہوئی، اس انجمن میں شیخ مشیر حسین قدوائی اور سید جالب دہلوی بھی شریک تھے، ارباب فرنگی محل تو تھے ہی، ان لوگوں نے ایک عظیم الشان جلسہ رفاہ عام میں کیا، اور دل کھول کر سلطان بن عبدالعزیز کو برا بھلا کہا، اور جب اس کے بعد مولانا محمد علی نے وہاں جلسہ کرنا چاہا تو وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ اس بحث و تکرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبۂ اودھ میں دو خلافت کمیٹیاں قائم ہو گئیں۔ اور پھر زوال۔ (تحریک خلافت ص ۲۶۱، ۲۶۲)

شخص تڑپ تڑپ اٹھے گا، تقریباً بیس صفحات میں یہ بحث پھیلی ہوئی ہے، اور اپنے موضوع پر سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ ۱فرحمہ اللہ۔

درست کہا کہنے والے نے:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ دشمن کی عیاری بھی دیکھ

لیکن وہ ناامید نہ تھے، اسی ناکامی کے لہو سے بہار میں امارت شرعیہ کا ایک چراغ انہوں نے جلایا تھا، اور آخر اسی حسرت وجستجو اور امید وآرزو میں اس مرد مجاہد نے اپنی زندگی کی شام کردی:

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں خطبۂ صدارت اجلاس مرادآباد حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادص ۲۳ تا ۴۰۔

ملّی وقومی خدمات

(۹)

نواں باب

جمعیۃ علماء ہند کا قیام

تصوّر، تحریک وتاسیس، پس منظر، مشکلات اور حقائق

فصل اول

تصور، تحریک اور پس منظر

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ غیر اسلامی ہندوستان میں نصب امیر کو مسلمانوں کا ملی فریضہ تصوّر فرماتے تھے (اس لئے کہ خلافت اسلامی کے زوال اور حکومت اسلامی کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کی حیات اجتماعی وملی کے لئے اس کے سوا چارۂ کار نہیں تھا) مگر اس کے لئے علماء کا اتحاد ضروری تھا، امیر کو علماء کی حمایت حاصل نہ ہو تو اس کو مطلوبہ طاقت اور عوامی حمایت حاصل نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ ۱۹۱۷ء (۱۳۳۶ھ) سے قبل ہی مولاناؒ نے جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس کا پروگرام بنایا، علماء کو خطوط لکھے، اور ملک کے مختلف حصوں کے دورے کئے، اور اس تعلق سے پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات دیئے۔ ان مراسلات واسفار کے اخراجات آپ کے خصوصی مسترشد اور شہر گیا کی متمول شخصیت مولانا قاضی احمد حسین صاحبؒ نے برداشت کئے تھے، مگر علماء کے مسلکی اور فکری اختلافات کی بنا پر کافی دشواریوں کا سامنا ہوا، مختلف الخیال اور مختلف المشرب علماء کو ایک جگہ جمع کرنا آسان نہیں تھا[1]، علاوہ اکثر علماء سیاست کے نام سے بھی گھبراتے تھے، بعض حلقوں میں تو اس کو شجر ممنوعہ قرار دیا گیا تھا، اور علماء کی شان کے منافی تصور کیا جاتا تھا۔

مولانا شاہ محمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''مولانا سجاد کی کوششوں اور افہام وتفہیم سے ضرورت تو بہت علماء محسوس کرنے لگے تھے لیکن قابل عمل نہیں سمجھتے تھے، کئی چھوٹے چھوٹے اجتماعات مختلف مقامات پر ہوتے رہے، لیکن ان میں بجز مفتی کفایت اللہ صاحب کے خود علماء دیوبند بھی شریک نہ ہوئے۔''[2]

انجمن علماء بہار کی تاسیس

آخر ایک روز حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے قاضی احمد حسین صاحبؒ سے کہا کہ:

۱- خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں ان رکاوٹوں کی طرف اشارہ کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:
''آخر ان تین سالوں میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیۃ علماء قائم ہوگئی، اور وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا، کس طرح کافور ہوگیا؟ (مکاتیب سجاد ص ۱۳)

۲- حسن حیات ص ۴۴ مرتبہ شاہ محمد عثمانی۔

''علماء ہند کو جمعیۃ علماء کے قیام پر انشراح نہیں ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ گیا میں علماء بہار کا جلسہ بلاؤں۔''

قاضی صاحب نے اتفاق کیا، اور اجلاس کے انعقاد میں اپنا پورا تعاون پیش کیا، چنانچہ ۳۰ رصفر المظفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۵ ردسمبر ۱۹۱۷ء کو مدرسہ انوار العلوم گیا کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر 'جمعیۃ علماء بہار' کی بنیاد پڑی، اور اس کا صدر مقام مدرسہ انوار العلوم قرار پایا، اس کا ابتدائی نام 'انجمن علماء بہار' رکھا گیا۔[1]

اس کی ضرورت اور مقاصد کی طرف حضرت مولانا سجادؒ نے روئیداد میں ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

''۳۰ رصفر ۱۳۳۶ھ بوقت شب مدرسہ انوار العلوم میں ان علماء بہار کا جو بتقریب جلسہ سالانہ مدرسہ انوار العلوم (گیا) مجتمع تھے، ایک خاص اجتماع اس غرض سے ہوا کہ مسلمانوں کے مذہبی و ملکی مصائب اور مشکلات حاضرہ کے اسباب اور ان کے رفع کرنے کے ذرائع و وسائل پر غور کرے۔''[2]

مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جمعیۃ کے اغراض و مقاصد میں صرف دو چیز جامع رکھی گئی تھی ایک دعوت اسلامیہ، اور دوسرے حفاظت حقوق ملیہ۔''[3]

اس پس منظر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ کی ''انجمن علماء بہار'' محض مقامی مسائل کے لئے اچانک قائم نہیں کردی گئی تھی، بلکہ پورے ملک کے دورے کے بعد ملک گیر مقاصد کے

۱- کتاب الفسخ والتفریق ص ۴۳ مصنفہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ☆ تاریخ امارت ص ۴۳ مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی ☆ حسن حیات ص ۴۵ مرتبہ: شاہ محمد عثمانیؒ ☆ حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ۔

واضح رہے کہ انجمن علماء بہار کی تاریخ تاسیس میں ۳۰ رصفر ۱۳۳۶ھ کی صراحت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے تاریخ امارت میں کی ہے، اور اس کو حضرت مولانا سجادؒ کی تیار کردہ روداد پر محول کیا ہے (جو اوپر کتاب میں نقل کی گئی ہے) انگریزی تاریخ کے لحاظ سے یہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۱۷ء بنتا ہے، لیکن مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب اور شاہ محمد عثمانی صاحبؒ دونوں بزرگوں نے انگریزی تاریخ اکتوبر ۱۹۱۷ء لکھی ہے، مگر تاریخی تطبیق کے لحاظ سے یہ سہو ہے۔

☆ اسی طرح حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے خطبۂ صدارت مرادآباد میں جمعیۃ علماء بہار کا سن قیام دن تاریخ کی صراحت کے بغیر ۱۳۳۵ھ لکھا گیا ہے (خطبۂ صدارت ص ۸۲) جو دسمبر ۱۹۱۷ء پر منطبق نہیں ہوتا، اس لئے بظاہر یہ بھی سبقت قلم یا کتابت کی غلطی ہے۔ اس لئے کہ ایک تو یہ روداد کے خلاف ہے، دوسرے اجمال کے بالمقابل تفصیل زیادہ لائق ترجیح ہوتی ہے۔

☆ آپ کے شاگرد رشید اور علمی و ملی تحریکات میں آپ کے معتمد اور جانشین مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ نے بھی اپنے مضمون میں بلا تعیین ماہ و تاریخ ۱۳۳۵ھ لکھا ہے (محاسن سجاد ص ۷) ظاہر ہے کہ یہ بھی سبقت قلم ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۲- تاریخ امارت ص ۴۳، ۴۴ مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی۔

۳- تاریخ امارت ص ۴۴ مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی۔

پیش نظر بطور نمونہ قائم کی گئی تھی، جس کا دائرۂ کار سر دست صوبۂ بہار تھا، اور قیام کے مقاصد میں ملت کی دینی وسیاسی قیادت، نظام قضا کا قیام اور جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ ہند کے لئے ذہن سازی بھی شامل تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا سجادؒ نے سب سے اول دار القضاء کا نظام اسی انجمن علماء بہار کے ماتحت قائم فرمایا تھا، جس کی شاخیں پورے بہار میں پھیلی ہوئی تھیں ۔۔ یوں لغوی مفہوم کے اعتبار سے انجمن، جمعیۃ اور تنظیم سب مترادف الفاظ ہیں۔

ندوۃ العلماء کانپور

بلاشبہ اس سے قبل حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی تحریک پر کانپور میں ''ندوۃ العلماء'' کے نام سے علماء ہند کی ایک انجمن قائم ہوچکی تھی، جو غالباً اس ملک میں انگریزی تسلط کے بعد علماء کی پہلی انجمن تھی، ملک میں اس کے کئی پرجوش پروگرام ہوچکے تھے اور اس کے زیر انتظام ایک دار العلوم بھی لکھنؤ میں جاری ہوچکا تھا، جو اپنی امتیازی خصوصیات کے ساتھ آج تک جاری ہے، لیکن اس انجمن کا مقصد خالص علمی تھا، مسلمانوں کے ملی اور سیاسی مسائل سے اس کو سروکار نہ تھا۔

جمعیۃ الانصار دیوبند

دیوبند میں جمعیۃ الانصار کا قیام بھی انہی کوششوں میں سے ایک تھا، لیکن اس کا نصب العین بھی سیاسی نہیں تھا، بلکہ بہت محدود مقاصد کے لئے قائم کیا گیا تھا، دیوبند میں ''ثمرۃ التربیۃ'' نامی انجمن ختم ہونے کے بعد یہ جمعیۃ قائم ہوئی تھی، مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ خلف الرشید مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوریؒ کی اطلاع کے مطابق یہ دراصل فضلائے مدرسہ دیوبند کی ایک انجمن تھی، جس کا مقصد مدرسہ کی تعلیمی خدمات کی تشہیر اور مسلمانوں کو مدرسہ کی امداد کی طرف توجہ دلانا تھا، اس کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ تھے، اس کے اغراض ومقاصد خود مولانا سندھیؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

> ''جمعیۃ الانصار مدرسہ عربی دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ کی اس مددگار جماعت کا نام ہے جو مخصوص شرائط کی پابند ہوکر مدرسے کی ہمدردی میں ہر طرح پر حصہ لے یا بالفاظ دیگر سرپرستان مدرسہ دیوبند کے دست وبازو بن کر کام کرے، اس جمعیۃ کی غرض مدرسے کے مقاصد کی تائید وحمایت اور اس کے پاک اثر کی ترویج واشاعت ہے، ملکی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں،

اس جماعت کے ارکان مدرسہ عالیہ دیوبند کے سابق تعلیم یافتہ حضرات ہیں جن میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ مدرسہ کی تعلیمی، انتظامی اور مالی ترقی میں انتہائی کوشش کرے۔"[1]

پھر اس کے پہلے اجلاس مراد آباد منعقدہ ۱۵ تا ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء (۱۵/ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ) کی پانچویں نشست میں جو سات خالص دینی و تعلیمی تجاویز پاس ہوئیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

"ایسے چھوٹے چھوٹے رسائل بکثرت شائع کرنا جن میں عقائد اسلام کی تعلیم فرقہ آریہ کے جوابات اور وفاداریٔ گورنمنٹ کی ہدایات ہوں۔"[2]

مؤتمر الانصار کا دوسرا اجلاس میرٹھ میں ۶، ۷، ۸/اپریل ۱۹۱۲ء جمعیۃ الانصار اہل علم و صلاح کی وہ جماعت ہے جس نے دارالعلوم دیوبند کی تکمیل کے ضمن میں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پورا کرنے کا تہیہ کرلیا ہے، الانصار نے اپنے مقصد کی تکمیل کے ذرائع و وسائل میں مشورہ لینے اور مسلمانوں کے مذہبی مقتداؤں کے اتفاق سے مذہبی تعلیم کا راستہ معین کرنے کے لئے ایک سالانہ جلسہ قرار دیا ہے۔[3]

بعد میں غالباً اس میں توسیع کردی گئی تھی، اور فضلاء دیوبند یا علماء کی کوئی تخصیص باقی نہیں رہی تھی، اور ملت اسلامیہ کی خدمت و نصرت کے لئے ہر شخص کے لئے اس کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کی کوششیں زیادہ بارآور نہ ہوسکیں۔ بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ:

"افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی سعی و تدبیر بھی سودمند اور کامیاب نہیں ہوئی۔"[4]

انجمن علماء بنگال-تعارف اور پس منظر

اسی طرح بنگال میں مولانا منیر الزماں اسلام آبادیؒ[5] نے بھی ایک 'انجمن علماء بنگال' قائم کی تھی، جس کے ایک اجلاس (منعقدہ ۱۱، ۱۲/ربیع الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۵، ۲۶/دسمبر ۱۹۱۷ء) کی صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کی تھی، اس کا ذکر خود علامہ ندویؒ نے اپنے خطبۂ صدارت کلکتہ

۱- جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ ص ۲۷، ۲۸ بحوالہ ماہنامہ القاسم دیوبند ج ۱ شمارہ ۹۔

۲- جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ ص ۲۸ بحوالہ ماہنامہ القاسم دیوبند ج ۱ شمارہ ۹۔

۳- جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ ص ۲۸ بحوالہ ماہنامہ القاسم دیوبند ج ۲ شمارہ ۸ ص ۳۴۔

۴- خطبات آزاد ص ۱۰۴ ناشر: ارشد بک سیلرز علامہ اقبال روڈ میر پور آزاد کشمیر۔

۵- آپ اسلام آباد (چاٹگام) کے باشندے تھے، بڑے پرجوش انقلابی تھے، تحریک پاکستان کے سخت مخالف تھے، اس لئے پاکستان بننے کے بعد وطن نہیں گئے، کلکتہ میں ہی انتقال فرمایا، اخیر وقت تک قومی و ملی کام کرتے رہے (جمعیۃ علماء پر قومی تبصرہ ص ۱۱۸، ۱۱۹ بشکریہ مولانا مفتی عثمان غنی صاحب) باقی احوال کا علم نہ ہوسکا۔

میں کیا ہے [1]، لیکن وہ بھی یہ ایک غیر سیاسی، اور محض تبلیغی و اصلاحی نوعیت کی تنظیم تھی، کیوں کہ بنگال میں تشدد پسندوں کی وجہ سے صوبائی حکومت بہت حساس تھی، اور مولانا منیر الزماں اسلام آبادی تھے تو انقلابی قسم کے آدمی، لیکن ان کو اندیشہ تھا کہ سیاست کی شمولیت سے بہت سے علماء اس میں شریک ہونے سے گھبرائیں گے، اسی لئے انہوں نے انجمن کے مقاصد تبلیغ و اصلاح تک محدود رکھے تھے۔ [2]

علاوہ یہ انجمن عیسائی مشنریوں کے حملوں کے دفاع میں قائم ہوئی تھی، اس لئے بھی اس کے مقاصد مذہبی اور دعوتی حدود سے متجاوز نہیں ہو سکے۔ [3]

حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے خطبۂ صدارت (مراد آباد) میں اس انجمن کا ذکر کیا ہے اور اس کے قیام کے پس منظر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، مولاناؒ کے مطابق انجمن علماء بنگال کے قیام کا پس منظر اس مذہبی ارتداد کا خاتمہ تھا جو عیسائی مشنریوں نے بنگال میں پھیلا رکھا تھا، جب کہ انجمن علماء بہار ایک جامع المقاصد تنظیم کے طور پر قائم ہوئی تھی، اس کے قیام کے مقاصد میں ملت کی دینی وسیاسی قیادت، نظام قضا کا قیام، جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ ہند کے لئے زمین کی تیاری بھی شامل تھی، اور اس کے پس منظر میں علمی زوال اور مذہبی فتنوں کے علاوہ وہ خونریز جنگیں بھی تھیں جو ملک و بیرون ملک اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف لڑی جا رہی تھیں، حضرت ابوالمحاسنؒ کے الفاظ میں:

> ”بنگال میں عیسائی مشنریوں کے حملہ نے علماء بنگال کو متنبہ کیا، کہ وہ جمعیۃ علماء بنگالہ قائم کریں، اور پھر اس کے بعد اندرون ہند و بیرون ہند کے محاربۂ عظیمہ کو دیکھتے ہوئے علماء بہار کو تنبہ ہوا، لہٰذا انہوں نے ۱۳۳۵ھ میں انتظامی زندگی کے تمام مقاصد کو پیش نظر رکھ کر جمعیۃ علماء بہار قائم کی۔“ [4]

اسی لئے انجمن علماء بنگال کا دائرۂ کار بہت محدود رہا اور رفتہ رفتہ وہ بے اثر ہو کر ختم ہو گئی، بعد میں مولانا منیر الزماں اسلام آبادیؒ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کی کل ہند تحریک میں شامل ہو گئے اور اس کے بانی قائدین میں شمار کئے گئے۔

۞۞

۱- خطبۂ صدارت اجلاس عام جمعیۃ علماء ہند کلکتہ ص ۱ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

۲- حسن حیات ص ۴۴ مرتبہ: شاہ محمد عثمانیؒ۔

۳- خطبۂ صدارت حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ بموقعہ اجلاس جمعیۃ علماء مراد آباد ص ۸۲۔

۴- خطبۂ صدارت حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ بموقعہ اجلاس جمعیۃ علماء مراد آباد ص ۸۲۔

فصل دوم

جمعیۃ علماء بہار – خدمات اور سرگرمیاں

جمعیۃ علماء بہار – جمعیۃ علماء ہند کی خشت اولین

غرض حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے جس دور میں 'جمعیۃ علماء بہار' کی داغ بیل ڈالی وہ پورے ہندوستان میں اپنی فکر ونوعیت اور اغراض ومقاصد کے لحاظ سے پہلی ''جمعیۃ علماء'' تھی، جس کو فکری اور عملی دونوں اعتبار سے جمعیۃ علماء ہند کی خشت اول کہنا زیادہ مناسب ہے، جمعیۃ علماء ہند کی تعمیر اسی نقش اول کی روشنی میں ہوئی ہے۔

یہ اسی جمعیۃ علماء ہند کی سنگ بنیاد تھی جس کا خواب مولانا ابوالکلام آزادؒ الہلال کے اجراء (۱۹۱۱ء) کے وقت ہی سے دیکھ رہے تھے، اور جس کو جمعیۃ علماء ہند کے تیسرے اجلاس عام (لاہور) کے خطبۂ صدارت میں انہوں نے ''عالم اسلامی کا پہلا اجتماع علماء'' قرار دیا تھا، دیکھئے خطبۂ صدارت لاہور میں ان کی تصویر درد:

> ''آپ کی یہ مقدس ومبارک جمعیۃ العلماء جس مقصد کی جستجو میں منعقد ہوئی ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں، کہ یہ وہی یوسف مقصود ہے جس کے فراق میں ۱۹۱۱ء سے متصل وااسفا علیٰ یوسف کی فغاں سنجی کر رہا ہوں، اور جس کے لئے میں نے الہلال مرحوم کے صفحوں کو کبھی اپنے چشم خونیں کے آنسوؤں سے رنگا ہے، اور کبھی اس کے سواد حروف کے اوپر اپنے دل وجگر کے ٹکڑے بچھا دیئے ہیں، ۱۹۱۱ء سے لے کر آج تک یہ مقصد میرے دل کی تمناؤں اور آرزؤں کا مطلوب اور میری روح کی عشق وشیفتگی کا محبوب رہا ہے، خدا کی کوئی صبح مجھ پر ایسی طلوع نہیں ہوئی اس مقصد کی طلب سے میرا دل خالی ہوا ہو، اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں گذری، جب میں نے اس کی تمنا میں اپنے بستر غم واندوہ پر بے قراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں میں نے اپنی آزادی کی تمام فرصت اسی کے عشق میں بسر کی، اور نظر بندی وقید کے چار سال اسی کے فراق میں کاٹے۔ پس اے بزرگان ملت! اگر آج علماء امت کی یہ نہضت مبارکہ جمعیۃ العلماء کی شکل میں طالع ونظر افروز ہوئی ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ یہ میرے دہ سالہ سوالوں کا جواب ہے، میری تمناؤں اور آرزوؤں کا ظہور ہے، میری فریادوں اور التجاؤں کی قبولیت ہے، میرے لئے ماتشتھیہ

الانفس وتلذ الاعین اور یقیناً میری امیدوں کے قدیم خواب کی تعبیر ہے **ھذا تاویل رویای من قبل قد جعلھا ربی حقا**

کار زلف تست مشک افشنی اما عاشقاں

مصلحت را تہمت برآہوئے چیں بستہ اند

حضرات! یقیناً میں نے یہ عرض کرنے میں آپ تمام مجمع علم وبصیرت کے آراء ومعتقدات کی ترجمانی کی ہے کہ جمعیۃ العلماء کے اعمال دعوت کے لئے قاعدۂ اساسی یہی مسلک ہے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر وہ موجودہ عہد غربت اسلام میں منصب نیابت وشہادت حق کے فرائض انجام دینے کے لئے مستعد کار ہوئی ہے اور بلاخوف رد کہا جاسکتا ہے کہ مسلک اصلاح دینی کی بنا پر عالم اسلامی کا یہ سب سے پہلا اجتماع علماء ہے جو اس وسعت واتحاد اور جمعیۃ اقوام کے ساتھ مجتمع ہوا ہے، جو کام اس وقت تک تمام بلاد اسلامیہ کی طلب وسعی سے بروئے کار نہ آسکا اور جس کی توفیق موجودہ عہد کی اسلامی حکومتوں کو بھی نہ ملی، اور تمام مصلحین عہد اس کی تمنائیں اپنے ساتھ لے گئے، آج وہ آپ کی سعی وہمت سے فعل ووجود تک پہنچ چکا ہے اور عمل واقدام کی شاہراہ آپ کے آگے باز ہے۔"[1]

خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے بھی بہار کے علماء ومشائخ کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس بات کا ذکر کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"غالباً آپ کو معلوم ہوگا جس زمانہ میں جمعیۃ علماء بہار جن اغراض ومقاصد کو لے کر قائم ہوئی وہ سرزمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیۃ تھی، اس وقت علماء کرام اس اقدام سے گھبراتے تھے حتیٰ کہ خود ہمارے صوبہ کے بہتیرے علماء پس وپیش میں مبتلا تھے مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے اقدام وجرأت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا، کہ آخر اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیۃ علماء قائم ہوگئی۔"[2]

حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ جو ان دنوں خانقاہ رحمانی مونگیر میں مصروف خدمت تھے، جب حضرت ابوالمحاسن مولانا سجاد صاحبؒ اس فکر کو لے کر مونگیر تشریف لے گئے تھے، تو اس منظر کے عینی شاہد تھے، اور پھر خانقاہ رحمانی کی طرف سے جمعیۃ علماء بہار کے پہلے اجلاس میں شریک بھی ہوئے تھے، ان کا بیان ہے کہ:

"ابھی (مونگیر میں مولانا گیلانیؒ کے قیام کو) چند مہینے ہوئے تھے، کہ وہی استھاواں کا الکن خطیب

۱- خطبات آزاد (مولانا ابوالکلام آزاد) ص ۱۰۶ تا ۱۰۸۔

۲- مکاتیب سجاد ص ۱۳ جمع وترتیب مولانا محمد ضمان اللہ ندیم، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

مونگیر اسی غرض سے آیا ہوا تھا کہ علماء کی منتشر اور پراگندہ جماعت کو ایک نقطہ پر خاص سیاسی خیالات کے ساتھ جمع کیا جائے، اس وقت تک دلی کی جمعیۃ العلماء کا خواب بھی نہ دیکھا گیا تھا، طے ہوا کہ صوبۂ بہار کے علماء کو پہلے ایک نقطہ پر متحد کیا جائے پھر بتدریج اس کا دائرہ بڑھایا جائے۔"[1]

اور ایک بڑی عینی شہادت امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی کی ہے جن کے ساتھ عرصۂ دراز تک حضرت مولانا سجادؒ کو کام کرنے کا موقعہ ملا، اور جو سفر وحضر میں بھی حضرت مولاناؒ کے رفیق رہے، شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے لئے ہندوستان کے اکثر صوبوں میں سفر کر کے علماء میں اس کی تبلیغ کی، اور لوگوں کو آمادہ کیا لیکن عمل کی طرف پہلا قدم مولاناؒ کا تھا، اور پہلا اجلاس ہندوستان میں جمعیۃ کا بنام انجمن علماء بہار شہر بہار میں بزمانۂ عرس حضرت مخدوم الملکؒ منعقد ہوا، اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی، اور اس کے بعد مختلف صوبوں میں شاخیں قائم ہوئیں، اور پھر علماء نے مستعد ہو کر کام شروع کر دیا، اور الحمدللہ کہ آج ہندوستان کے ہر صوبہ میں جمعیۃ علماء قائم ہے۔"[2]

پر آشوب دور

یہ دور ملک وملت کے لئے انتہائی پر آشوب اور نازک تھا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (ولادت: ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء - وفات: ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (ولادت: ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء - وفات: ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) وغیرہ مالٹا میں قید تھے، اور "علی برادران (مولانا محمد علی جوہرؒ (ولادت: ۱۸۷۸ء/۱۲۹۶ھ - وفات: ۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ) اور مولانا شوکت علیؒ (ولادت: ۱۸۷۳ء/۱۲۹۰ء - وفات: ۱۹۳۸ء/ ۱۳۵۷ھ وغیرہ۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ (ولادت: ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء - وفات: ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) اور بہت سے ہندو مسلم زعماء وقائدین بھی ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت گرفتار اور نظر بند تھے، کیونکہ اتحادیوں (انگریز، اٹلی، یونان، امریکا اور فرانس) کی صف سے روس کے نکل جانے کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو خطرہ ہو گیا تھا کہ ان کے دشمن ترکوں کو قوت حاصل ہو جائے گی۔[3]

انجمن علماء بہار کا پہلا اجلاس ۔ روئیداد اور کاروائیاں

قیام انجمن کے بعد حضرت مولانا سجادؒ نے اس کو عملی صورت دینے کے لئے باقاعدہ ایک اجلاس

۱- حیات سجاد ص ۱۵ ارتسامات گیلانیہ۔

۲- حیات سجاد ص ۶۸، ۶۹ مضمون حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ۔

۳- حسن حیات ص ۵۴ مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ ، جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۴۶ مرتبہ: مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ۔

عام منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے مسلمانوں کے مشہور تاریخی شہر بہار شریف کا انتخاب فرمایا، حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد منیری قدس سرہ کے عرس کی مناسبت سے ۵، ۶ رشوال ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۴، ۱۵ رجولائی ۱۹۱۸ء کی تاریخ طے کی گئی، حضرت مولاناؒ کی خواہش کے مطابق جناب سید محمد قاسم صاحبؒ متولی صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف نے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف [1] میں جلسہ کرنے کی اجازت دی، استقبالیہ کمیٹی کے صدر آپ کے تلمیذ ارشد مولانا اصغر حسین بہاریؒ مقرر ہوئے، اس کے بعد صوبۂ بہار کے تمام ہی مقتدر علماء ومشائخ اور دینی اداروں کو دعوت نامے ارسال کئے گئے، طوطیٔ ہندوستان حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی [2] اس پہلے اجلاس کے صدر قرار پائے۔

۱- بہار شریف کا مشہور دینی مدرسہ جو ایک زمانہ میں ملک کے اہم مدارس میں شمار کیا جاتا تھا، قابل اساتذہ وہاں ہوتے تھے، طلبہ کی بڑی تعداد یہاں رہتی تھی، مولانا مسعود عالم ندوی بھی اس مدرسہ کے طالب علم رہ چکے ہیں، حضرت مولانا سجادؒ کو اس مدرسہ سے خصوصی تعلق تھا، صغریٰ وقف اسٹیٹ کے تحت اس مدرسہ کا نام صغری مرحومہ کے شوہر عبدالعزیز صاحب بن فضل امام (متوفی ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء) کی نسبت سے مدرسہ عزیزیہ رکھا گیا، اس کا قیام ۱۸۹۲ء (۱۳۱۰ھ) میں عمل میں آیا، مولانا مبارک کریم صاحب اس کے پہلے صدر مدرس ہوئے، حضرت مولانا فخر الدین صاحب سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند اور حضرت مفتی نظام الدین صاحب سابق مفتی دار العلوم دیوبند، مولانا محمد ناظم ندوی شیخ الادب دار العلوم ندوۃ العلماء واستاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ وشیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بھاول پور اور اس طرح کے بہت سے ممتاز اہل علم نے اس مدرسہ سے استفادہ کیا ہے۔ پہلے اس کی عمارت صغری مرحومہ کی قیام گاہ سے قریب ہی محلہ لہیری میں تھی، صغری مرحومہ کے مکان پر اب وقف اسٹیٹ کا دفتر اور سابقہ عمارتِ مدرسہ میں جو مولانا گیلانیؒ کے بقول فسادات کا شکار ہوگئی تھی اب فیضان العلوم اسکول قائم ہے۔ مدرسہ کی موجودہ عمارت کی تعمیر کے بعد بھی کچھ سالوں تک قدیم عمارت طلبہ کے دار الاقامہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ موجودہ عمارت محلہ مرار پور میں شاہی مسجد سے متصل ہے (مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ص ۶۶، ۶۷ مرتبہ: مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی- حاشیہ

۲-شاہ سلیمان پھلوارویؒ اپنے وقت کے مشہور عالم، بزرگ اور واعظ تھے، والد کا نام داؤد اور دادا کا نام واعظ اللہ تھا، آپ کا آبائی وطن گھگٹہ ضلع سارن ہے، آپ کی پیدائش ۱۰ رمحرم الحرام ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۰ راگست ۱۸۵۹ء کو پھلواری شریف میں اپنے نانا بزرگوار شیخ اصطفا بن وعداللہ العمری کے گھر میں ہوئی، اور ننیہال میں ہی ابتدائی نشوونما پائی، ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے اساتذہ سے حاصل کی، پھر لکھنؤ تشریف لے گئے اور علامہ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنویؒ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں درسیات کی تکمیل کی، فن طب میں میزان الطب، طب اکبر اور نفیسی بھی علامہ ہی سے پڑھیں، اور حمیات قانون، سدیدی وغیرہ حکیم عبدالعزیز صاحب دریاآبادی، اور حکیم مرزا مظہر حسین خان بن حکیم مسیح الدولۃ سے پڑھی، پھر دہلی جاکر شیخ محدث نذیر حسین دہلویؒ سے سند حدیث حاصل کی، شیخ احمد علی سہارن پوریؒ سے بھی اجازت حدیث لی، علم باطن اپنے بہنوئی شیخ علی حبیب جعفری پھلوارویؒ سے حاصل کیا، حضرت شاہ فضل رحماں گنج مرادآبادیؒ سے بھی کسب فیض کیا، اور اجازت حدیث بھی لی، اس کے بعد سفر حجاز کیا، اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے، اس دوران حرمین شریفین کے مشائخ سے بھی استفادہ کیا، بالخصوص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت واجازت حاصل کی۔

ابتدا میں آپ پر حدیث کا غلبہ تھا، اور تقلید کی طرف رجحان نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ حضرت محدث دہلویؒ کی کتاب 'معیار الحق' پر آپ کی تقریظ سے اندازہ ہوتا ہے، پھر تصوف کی طرف میلان ہوا اور صوفیانہ اعمال واشغال کے علاوہ عرس وسماع، اور قیام ومیلاد وغیرہ کے دلدادہ ہوگئے، اور آخر تک اسی مشرب کے حامل رہے، لیکن وسیع المشرب تھے، اور طبیعت میں اعتدال تھا۔

شاہ صاحبؒ وعظ وخطابت کے شہنشاہ تھے، مجمع کو رلانا اور ہنسانا ان کی چٹکیوں کا کھیل تھا، زبان میں بے پناہ تاثیر تھی، جملے اور فقرے فصاحت وبلاغت سے بھرپور ہوتے تھے، عربی زبان وادب پر بھی پوری دسترس حاصل تھی، مثنوی معنوی کے اشعار بڑے اثر انگیز ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، جلسوں اور کانفرنسوں کے روح رواں تھے، ملک میں آپ کے پایہ کے چند ہی مقررین تھے، ندوہ تحریک میں پیش پیش رہے۔ ندوہ کے متعدد اجلاس کی صدارت بھی فرمائی، آپ کی تقاریر سے اس دور کی تمام تحریکات نے فائدہ اٹھایا، کئی تحریکات کی آپ نے سرپرستی بھی فرمائی، سرسید کی تعلیمی تحریک کے زبردست معاون اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے روح رواں تھے، قدیم علماء اور صوفیہ کے خانوادے ←

اکثر علمی اور ملی حلقوں میں اس دعوت کو پذیرائی ملی، مقررہ تاریخ پر یہ اجلاس نہایت تزک واحتشام کے ساتھ مدرسہ عزیزیہ کے وسیع وعریض صحن میں منعقد ہوا جس میں ہر مکتب فکر کے علماء کی نمائندگی شامل تھی، تقریباً پچاس ممتاز علماء وصوفیاء وقائدین ملت نے شرکت کی، علاوہ عوام وخواص کا ایک جم غفیر تھا جو حد نگاہ پھیلے ہوئے شامیانوں کے اندر اور باہر پھیلا ہوا تھا، شاید غلام ہندوستان میں حضرت مخدومؒ کے شہر بہار شریف کی سرزمین پر ایسا اجتماع پہلی بار دیکھنے کو ملا تھا، حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلوارویؒ اپنے صاحبزادے شاہ حسین میاں صاحبؒ کے ساتھ تشریف لائے، اور مسماۃ بی بی صغریٰ مرحومہ وقف اسٹیٹ[۱] کے مکان میں جلوہ افروز ہوئے، اس اجلاس میں شاہ حسین میاں صاحبؒ

← سے پہلی اور موثر آواز آپ ہی کی تھی، جس نے تعلیمی تحریک کو قوت بخشی، اس کے علاوہ انجمن اسلامیہ پٹنہ، انجمن مؤید الاسلام لکھنؤ، اور انجمن خدام الحرمین لکھنؤ کے بھی سرپرست اور روح رواں تھے، بے حد ذہین اور حاضر جواب تھے، آپ کے علم وفضل کا اعتراف آپ کے تمام معاصرین نے کیا ہے، محسن الملک اور وقار الملک جیسی شخصیتوں نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا، بہت سی کتابوں کے آپ مصنف ہیں مثلاً: ☆ شجرۃ السعادۃ وسلسلۃ الکرامۃ (فارسی) ☆ آداب الناصحین ☆ ذکر الحبیب ☆ شرح القصیدۃ الغوثیۃ ☆ شرح الحدیث المسلسل بالاولیۃ (عربی) ☆ صلاح الدارین فی برکات الحرمین ☆ صیانۃ الاحباب عن اہانۃ الاصحاب ☆ عین التوحید (عربی) ☆ شمس المعارف (مجموعۂ مقالات بزبان عربی، تین جلدوں میں) ☆ مجموعۂ کلام (بزبان عربی وفارسی) ☆ رسالہ فیوریہ (بخار کے اسباب وعلاج، ☆ مجربات سلیمانی وغیرہ۔ وفات ۲۷ر صفر المظفر ۱۳۵۴ھ مطابق ۳۱ر مئی ۱۹۳۵ء کو ہوئی، اور سنگی مسجد کے صحن میں آسودۂ خواب ہوئے، آپ کی خانقاہ خانقاہ سلیمانیہ کے نام سے مشہور ہے، آپ کی مفصل سوانح حیات ''خاتم سلیمانی'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، (الاعلام بمن فی الھند من الاعلام ج ۸ ص ۱۲۳۸، ۱۲۳۹ مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ ☆ تذکرۂ علماء ہندوستان مع تحشیہ ڈاکٹر خوشتر نورانی ص ۵۷۷، ۶۷۷ ☆ تاریخ اطباء بہار ج ۱ ص ۱۰، ۱۱ مؤلفہ حکیم اسرار الحق صاحب)

۱- صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف میں بہت بڑی وقف کی جائیداد ہے، اس کی واقفہ بی بی صغریٰ بنت مولوی عبدالصمدؒ ایک بڑی عابدہ، زاہدہ، اور مخیرہ خاتون تھیں، ہندوستان میں ایسی اولوالعزم اور مخیر خواتین کم پیدا ہوئی ہیں، بہار میں ان کی داد ودہش اور فیاضیوں کی بڑی شہرت تھی، بے شمار اہل حاجت اور طلبہ ان کی فیاضیوں سے مستفید ہوئے، اور آج تک ہو رہے ہیں، وہ موضع ہسوری ضلع مونگیر موجودہ ضلع شیخ پورہ) کے ایک شریف خاندان میں پیدا ہوئیں، ان کی شادی موضع ہسوری ہی کے ایک امیر کبیر گھرانے میں مولوی عبدالعزیز صاحب سے ہوئی، ان کے بطن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کی شادی موضع ڈیاواں کے ایک معزز خاندان میں ہوئی، لیکن وہ ماں کی حیات ہی میں رحلت کر گئیں، بی بی صغریٰ شوہر کے انتقال کے بعد ایک بڑی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کی مالک ہوئیں، انہوں نے ۱۸۹۶ء (۱۳۱۴ھ) میں اپنی تمام جائیدادیں جو ضلع پٹنہ، گیا، مونگیر، مظفر پور اور دربھنگہ وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھیں، اور جن کی آمدنی ایک لاکھ بیس ہزار روپئے (آج کے لحاظ سے کروڑوں) سالانہ کے قریب تھی، حسبتاً للہ تعلیمی خدمات اور اہل حاجت کی امداد کے لئے وقف کر دیں، اور اس کا ایک نظام مقرر کیا، اور شرائط کی تفصیلات طے کر دیں، اپنی زندگی میں خود بحیثیت متولیہ انتظام کرتی رہیں، وقف نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقیدتاً اہل سنت والجماعت میں سے تھیں، اور صوفیائے کرام سے خاص عقیدت رکھتی تھیں، ان کا قیام بہار شریف کے محلہ لہیری میں تھا، وہیں ۷ار مارچ ۱۹۰۹ء (۲۴ر صفر المظفر ۱۳۲۷ھ) کو وفات پائی، وقت رحلت ان کی عمر سو سال سے متجاوز بتائی جاتی ہے، بہار شریف کی شاہی جامع مسجد (محلہ پل پر) کے احاطہ میں اپنے شوہر کے مزار کے پہلو میں مدفون ہوئیں، اور دونوں کے مزار کے سرہانے مولانا مبارک کریم (سابق سپرنٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز بہار متوفی ۱۹۵۵ء) کے اشعار تاریخ وفات لوح پر کندہ ہیں۔ لوح مزار کے مطابق انہیں جائیداد وقف کرنے کا مشورہ ان کے داماد علی احمد صاحب نے دیا تھا جن کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، ان کی زندگی میں ان کے نائب خاندان گوہری کے رئیس شیخ موسیٰ تھے جو ان کی وفات کے بعد اسٹیٹ کے پہلے متولی ہوئے، کتبہ کے اشعار میں خاندان گوہری لکھا گیا ہے، مولانا علامہ شمس الحق عظیم آبادی ڈیانوی کے خاندان کو بھی ان کے جد اعلیٰ شیخ گوہر علی کے نام پر خاندان گوہری کہا جاتا ہے، عجب نہیں کہ اسی خاندان سے ان کا تعلق ہو۔ ←

نے اپنی پرسوز آواز اور دلگداز ترنم کے ساتھ ایسی نظمیں پڑھیں کہ مجمع پر بے خودی طاری ہوگئی، عرصۂ دراز تک لوگ اس صدائے دلنواز کی بازگشت فراموش نہیں کر سکے[1]۔

حضرت شیخ الہندؒ کے مطالبۂ رہائی کی تجویز

حضرت شاہ سلیمان پھلواروئیؒ اس اجلاس میں کلیدی شخصیت کے حامل تھے، مجلس قائمہ میں تجاویز کی منظوری کے وقت ان کو بعض جزئیات سے اختلاف ہوا (بقول علامہ گیلانیؒ) غالباً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی رہائی کے مطالبہ کی تجویز سے ان کو اتفاق نہیں تھا (جو ان دنوں مالٹا میں قید تھے)۔

لیکن اس کا سبب کوئی مسلکی اختلاف نہیں بلکہ حکومت وقت کا خوف تھا، دراصل حضرت شیخ الہندؒ حکومت برطانیہ کے نزدیک انتہائی خطرناک مجرمین میں شمار کئے جاتے تھے، ان پر ملک سے بغاوت اور غداری کا الزام تھا، ان کا نام لینا بھی اس وقت جرم عظیم تصور کیا جاتا تھا، اسی لئے کسی بڑی سے بڑی سیاسی پارٹی نے بھی اب تک یہ جرأت نہیں کی تھی کہ ان کا نام لے کر رہائی کا مطالبہ کرے، یہاں تک کہ خود کانگریس حضرت شیخ الہندؒ جس کے حامی تھے، اس نے بھی اپنی تجاویز میں حضرتؒ کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔[2]

← بی بی صاحبہ کا سانحۂ ارتحال پورے صوبۂ بہار کے لئے ایک بڑا المناک واقعہ تھا، تمام اردو اور انگریزی اخبارات میں اس سانحہ کی خبر جلی سرخیوں میں شائع ہوئی، اور لوگوں نے بڑے رنج و غم کے ساتھ اس حادثہ کو پڑھا، ان کی وفات پر ایک شاعر نے یہ قطعات تاریخ کہے تھے:

صغریٰ چو کرد رحلت سال رحیل ہاتف　　گفت از سر قیامت قد قامت القیامت
صغریٰ ز جہاں رفت کہ ہاتف سن فوتش　　گفت از سر جاں بالم آثار قیامت　(۱۳۲۷ھ)

رفت صغریٰ بباغ خلد از دہر　　محسنہ بعد مریم و زہرا
از سر و پائے حزن ہاتف گفت　　سال رحلت قیامت صغریٰ　(۱۹۰۹ء)

آج بھی جب کہ ان کے انتقال پر ایک صدی سے زیادہ کی مدت بیت چکی ہے، یہ چشمۂ خیر جاری ہے، کئی مدرسے، مسجدیں اور کالجز اس کی آمدنی سے چل رہے ہیں، اور کتنے ہی غرباء اور مساکین اس سے مستفید ہو رہے ہیں (تذکرہ نسوان ہند ص ۷۷ تا ۹۷ مؤلفہ: فصیح الدین بلخی، مطبوعہ شمسی پریس پٹنہ ☆ نیز بعض معلومات لوح مزار پر کندہ اشعار سے ماخوذ ہیں)

۱- محاسن سجاد ص ۲۴، ۲۵ مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ صدر مجلس استقبالیہ اجلاس اول جمعیۃ علماء بہار ☆ وحیات سجاد ص ۵۱ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانیؒ شریک اجلاس بحیثیت نمائندہ خانقاہ رحمانی مونگیر ☆ تاریخ امارت شرعیہ ص ۴۳ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

۲- حسن حیات ص ۴۵ و ص ۵۰ (حاشیہ) مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ۔ حضرت شیخ الہندؒ پر الزام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے غیر تو غیر اپنوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، اس ضمن میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کتاب "نقش حیات" کا یہ اقتباس بے حد عبرت انگیز ہے:

"ایک وہ زمانہ تھا کہ نہ صرف اجانب بلکہ تلامذہ، مریدین اور عزیز و اقارب کو بھی یقین تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کو پھانسی دے دی جائے گی، ورنہ کم از کم حبس دوام اور عبور دریائے شور کی سزا پائیں گے اس لئے مریدوں اور شاگردوں تک نے نہ صرف تعلق ارادت اور شاگردی سے انکار کر دیا تھا، بلکہ تعارف سے بھی منکر ہو گئے تھے، خاص خاص لوگ نہ صرف مکان پر آتے ہوئے گھبراتے تھے بلکہ اس محلہ اور کوچہ میں بھی نہیں گذرتے تھے جہاں حضرت کا دولت خانہ تھا اور حضرت کے لئے تحقیر اور ملامت کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔" (نقش حیات خودنوشت سوانح حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ج ۲ ص ۶۵۷ مطبوعہ کراچی)

شاہ صاحبؒ انتہائی اخلاص کے ساتھ یہ سمجھتے تھے کہ پہلے ہی اجلاس میں کسی خطرناک تجویز کوشامل کرنا جمعیۃ کے مفاد میں نہ ہوگا، ابھی تنظیم کا نقطۂ آغاز ہے، یہ ایک ننھی سی کلی ہے، خدانخواستہ کھلنے سے پہلے ہی کچل نہ دی جائے۔

لیکن حضرت مولانا سجادؒ کی نگاہ بہت دوررس تھی، وہ اس تجویز کو ہر حال میں شامل کرنا چاہتے تھے، اس لئے کہ حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان کی نہایت قدآور شخصیت کے مالک تھے، علم حدیث میں ان کا پایہ بے حد بلند تھا، ان کی عظمت کا مشاہدہ انہوں نے دیوبند میں پڑھنے کے زمانے میں کیا تھا، ملک میں ان کے ہزاروں شاگرد اور لاکھوں معتقدین موجود تھے، ان کی رہائی کے مطالبہ کونظر انداز کرنا پورے حلقۂ دیوبند کی حمایت سے محروم رہنے کے مترادف تھا۔

مگر شاہ صاحبؒ کوبھی اپنی رائے پر اصرار تھا، آخر اچانک عین وقت پر اجلاس کی صدارت سے معذرت کردی، اور معاملہ نازک صورت حال اختیار کر گیا، مولانا گیلانیؒ کا بیان ہے کہ:

''ہم لوگ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی رفاقت میں شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یاد ہے اس وقت کا فقرہ اس لئے ذکر کردیا، علماء اس وقت تک حکومت مسلطہ سے کس درجہ خوف زدہ کردیئے گئے تھے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی تم لوگوں کو کیا، آزاد ہو جو چاہو کہو لیکن اولڈھم (شاید پٹنہ کے کسی انگریز کمشنر کا نام تھا) کی گرم نگاہوں کا مقابلہ تو مجھے کرنا پڑتا ہے، مگر ہم لوگوں کی منت وسماجت سے شاہ صاحبؒ راضی ہوگئے، جلسہ میں تشریف لائے اور خطبہ صدارت بجائے تحریر کے تقریر کے ذریعہ سے پڑھا گیا، خاکسار کے شباب کا زمانہ تھا، جوش وخروش میں خوب دھواں دھار تقریریں کی گئیں۔''[1]

جلسہ بہت کامیاب رہا، حضرت مولانا سجادؒ نے روداد میں اس اجلاس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''انجمن علماء بہار کے پہلے اجلاس کی تاریخ ۵، ۶، رشوال ۱۳۳۶ھ مقرر کی گئی تھی، اخبارات میں کئی ہفتے پہلے سے اطلاع شائع ہوچکی تھی، پھر مطبوعہ خطوط اور اشتہارات کے ذریعہ صوبہ بہار واڑیسہ کے علماء کرام کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی، قصبۂ بہار میں اجلاس اول کے انعقاد کا انتظام کیا گیا تھا، مدرسہ عزیزیہ کے وسیع احاطہ میں شامیانہ نصب کیا گیا تھا، حاضرین کی نشست کے لئے شامیانہ کے نیچے تخت بچھائے گئے تھے، جو بالکل سادگی مگر خوبصورتی کے ساتھ فرش وفروش سے آراستہ کئے گئے تھے، متعدد کمرے اور ایک طویل وعریض ہال علماء کرام کے قیام وآرام کے لئے مخصوص کردیئے گئے تھے، حاضرین کی معقول تعداد سے جگہ معمور ہوجایا کرتی تھی۔''[2]

۱- تاریخ امارت ص ۴۶، ۴۷۔

۲

علماء اور مہمانوں کی پر تکلف ضیافت کا انتظام وقف اسٹیٹ کی جانب سے کیا گیا تھا۔ [1]

منظور شدہ تجاویز

اس اجلاس میں کل انیس تجویزیں منظور کی گئیں، ابتدائی چھ نمبرات تک کی تجاویز مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے تاریخ امارت میں نقل کی ہیں جن سے اس اجلاس کی معنویت اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے، تاریخ امارت ہی سے یہ تجاویز پیش ہیں:

''۱- انجمن علماء بہار نہایت زور کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ بہار کا طبقۂ علماء اپنے مناصب کا احساس کرتے ہوئے جمیع فرائض منصبی کے ادا کے لئے ہمہ تن آمادہ وتیار ہو جائیں، بالخصوص امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قدرتی منصب پر بلاخوف وبلالحاظ لومۃ لائم کھڑا ہو جائے، اور اظہار صداقت میں کسی خطرہ کی پرواہ نہ کرے۔

۲- یہ انجمن ایک قومی بیت المال کے قیام کی تحریک پیش کرتی ہے، جس کی آمدنی دوامی چندہ علماء وغیر علماء اور عام عطیات وغیرہ سے حاصل ہو، اور تکمیل مقاصد انجمن علماء بہار اور دیگر مذہبی وقومی ضرورتوں میں صرف ہو۔

۳- یہ انجمن تجویز کرتی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی پاک زندگانی ہمیشہ باامن اور بےلوث رہی ہے، ان کی نظر بندی سے علماء بہار کو سخت بے چینی ہے، اور حکومت ہند سے چاہتی ہے کہ ان کی آزادی سے تمام مسلمانوں کو مستفید ہونے کا موقعہ دیا جائے۔

۴- انجمن علماء بہار اعلان کرتی ہے کہ اضحیہ بقر شعائر اسلام وسنت نبویہ ہے، یہ ہمیشہ حسب دستور برقرار وجاری رہے گی، اور مواضعات میں مخالفین اسلام کے دباؤ سے ترک اضحیہ بقر پر جو مصالحت کی گئی ہے، وہ بالکل باطل اور ناجائز ہے، اور ایسے عقد مصالحت کا نقض واجب ہے۔

۵- مولانا ابوالکلام، مسٹر محمد علی، مسٹر شوکت علی، ودیگر نظر بندان اسلام کی آزادگی کے بھی ہم لوگ متمنی ہیں، اور اپنے سیاسی اور بالخصوص جدید اصلاحات ہند پر غور وفکر کرنے کے لئے ان کی آزادی بے حد ضروری خیال کرتے ہیں۔

۶- یہ انجمن متولیان اوقاف صوبہ بہار سے جائداد موقوفہ کے وقف نامہ کی نقل طلب کرتی ہے اور پھر متولیوں سے دریافت کرتی ہے کہ اس کا عمل درآمد ٹھیک ہے یا نہیں؟'' [2]

ان کے علاوہ اور بھی کئی اہم تجاویز منظور ہوئیں۔ [3]

ان تجاویز پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب رقمطراز ہیں:

۱- حیات سجاد ص ۵۱، ۵۲ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانیؒ شریک اجلاس بحیثیت نمائندہ خانقاہ رحمانی مونگیر۔

۲- تاریخ امارت ص ۴۷، ۴۸۔ ۳- حسن حیات، ۵۴ مرتبہ شاہ محمد عثمانی

''ان چند تجاویز کی ہمہ گیری، اس کا لب ولہجہ، اس کا وزن، معاملات پر نظر، دین وسیاست کا کھلا امتزاج، بیت المال کا قیام، ایسے تمام مواد سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فکر ونظر کی خلوت گاہ میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کا مفکر دماغ کیا کچھ سوچ رہا تھا، اور کس طرح قدرت نے اس نئے دور کے اندر تجدیدی خدمات کے لئے تیار کیا تھا، نیز یہ کہ آئینی دور کا یہ امام کن جذبات کو لے کر میدان عمل میں اترا تھا اور کیا تمنائیں تھیں جو اس کے پہلو میں تڑپ رہی تھیں۔''[1]

انجمن علماء بہار کا دوسرا اجلاس

انجمن علماء بہار کا دوسرا سالانہ اجلاس نسبتاً زیادہ بڑے پیمانہ پر پھلواری شریف پٹنہ میں ۲۵ر شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۴ر مئی ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوا، جس کو حضرت شاہ سلیمان پھلوارویؒ کی راست سرپرستی حاصل رہی، اس میں ہندوستان کے مشہور خطیب مولانا آزاد سبحانیؒ (متوفی ۲۴ر جون ۱۹۵۷ء م ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ)[2] بھی تشریف لائے، مولانا سبحانیؒ کی سحر انگیز خطابت نے حاضرین میں نیا جوش وولولہ بھر دیا، جلسہ نہایت کامیاب رہا اور کوئی شبہ نہیں کہ اس کامیابی میں حضرت شاہ سلیمان پھلوارویؒ کی دلچسپی کا بڑا حصہ تھا۔[3]

تجویز دار القضاء

اس اجلاس میں بھی کئی اہم تجاویز منظور کی گئیں، جن میں ایک اہم تجویز نمبر ۵ دار القضاء کے قیام سے متعلق تھی، جو حسب ذیل الفاظ میں باتفاق رائے منظور ہوئی:

''یہ جلسہ انجمن علماء بہار تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی مالی ومذہبی نزاعات کے انفصال کے لئے صوبۂ بہار کے تمام اضلاع اور قصبات میں دار القضا قائم کیا جائے جس کے قاضی کا انتخاب منجانب ارکان انجمن علماء بہار ہو اور تمام علماء ومشائخ کو چاہیئے کہ اپنے حلقہ میں تمام مسلمانوں اور مریدوں کو نہایت شدت کے ساتھ ہدایت کریں کہ وہ اس دار القضاء کی طرف رجوع کریں۔''

---

۱ تاریخ امارت ص ۴۷، ۴۸۔

۲ - اصل نام مولانا عبد القادر تھا، مگر آزاد سبحانی کے نام سے مشہور ہوئے، آپ کا وطن سکندر پور ضلع بلیا ہے، یہیں آپ کی ولادت ہوئی، لیکن ساری زندگی کانپور میں گذری، مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مدرس تھے، اپنے وقت کے بلند پایہ عالم دین اور شعلہ بیان خطیب تھے، سیاسی پلیٹ فارموں پر ان کی گھن گرج مشہور تھی، اخیر زندگی میں گورکھپور میں قیام رہا اور یہیں ۲۴ر جون ۱۹۵۷ء (۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ) میں وفات ہوئی (تذکرۂ مشاہیر ہند کاروان رفتہ ص ۵۵، ۵۶ مؤلفہ مولانا محمد اسیر ادروی ☆ جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۲۳)

۳ - محاسن سجاد ص ۲۵ مضمون مولانا اصغر حسین بہاری۔ ☆ کتاب الفسخ والتفریق ص ۴۳ مصنفہ مولانا عبد الصمد رحمانیؒ۔

پھر اس اجلاس کے جلسۂ انتظامیہ میں یہ تفصیلی تجویز منظور کی گئی:

''ارکان انتظامیہ کی یہ مجلس تجویز کرتی ہے کہ حسب تجویز نمبر ۵ اجلاس دوئم منعقدہ ۲۵ رشعبان ۱۳۳۸ھ ایک دار القضاء پھلواری شریف میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی جناب مولانا نور الحسن صاحب ہوں، اور ایک دار القضاء پٹنہ میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی جناب مولانا شاہ حبیب الحق صاحب ہوں، اور ایک دار القضاء بانکی پور میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی مولانا اعتماد حسین صاحب ہوں، اور ایک دار القضاء مونگیر میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی مولانا محمد عمر صاحب ہوں، اور ایک دار القضاء سہسرام میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا فرخند علی صاحب ہوں، اور ایک دار القضاء آرہ میں قائم کیا جائے جس کے قاضی جناب مولانا عبد الوہاب صاحب ہوں۔''[1]

۱- کتاب الفسخ والتفریق ص ۴۳، ۴۴، ۴۵ مصنفہ مولانا عبد الصمد رحمانی۔

فصل سوم

بہار جمعیۃ سے کل ہند جمعیۃ کی طرف - اقدامات اور مساعی

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ جمعیۃ کو صرف بہار کی حد تک محدود رکھنا نہیں چاہتے تھے، بہار میں عملی نمونہ اس لئے قائم کیا گیا کہ ملک کے دوسرے حصوں کے لئے باعث ترغیب ہو، وہ اس فکر کی دعوت کئی سال پیشتر سے علماء ہند کو خطوط کے ذریعہ دے رہے تھے، بلکہ اس کے لئے انہوں نے ہندوستان کے اکثر صوبوں کا دورہ بھی کیا تھا، اور اپنی فکر، پس منظر اور آنے والے ہندوستان میں اس کی ضرورت واہمیت کے دلائل بھی پیش کئے تھے، جس کے زیر اثر علماء کی ایک خاصی تعداد فکری طور پر مولاناؒ کی ہم نوا ہو چکی تھی، لیکن بعض جماعتی اور وقتی مفادات ومصالح ان کو آگے بڑھنے سے روکتے تھے، بہار میں جمعیۃ علماء کے قیام اور اس کے مثبت اثرات کے مشاہدے کے بعد ملک میں ایک نئی ہلچل محسوس کی جانے لگی، اور جو علماء خطوط اور ملاقاتوں کے ذریعہ مولاناؒ کے ہم خیال ہو چکے تھے وہ بھی اس دائرہ کو وسیع کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے جمعیۃ علماء بہار کے پہلے اجلاس کے بعد ہی پھر مختلف صوبوں کے مقتدر علماء کو خطوط اور زبانی پیغامات کے ذریعہ سلسلہ جنبانی شروع کی، بنگال (چاٹ گام) میں مولانا منیر الزماں اسلام آبادیؒ (جو پہلے سے بھی اس کا عملی تجربہ رکھتے تھے)، پنجاب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، کلکتہ میں مولانا محمد اکرم خان ایڈیٹر روزنامہ آزاد بنگلہ اور لکھنؤ میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ وغیرہ سب سے دوبارہ روابط قائم کئے اور خطوط لکھے، تقریباً سب ہی لوگوں نے اتفاق رائے کا اظہار کیا، ان میں سب سے اہم ترین شخصیت حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی تھی، ہندوستان میں اس وقت انہی کی ایک شخصیت تھی، جو ہر مکتب فکر ونظر کے علماء اور مشائخ کے لئے مرکز اتفاق بن سکتی تھی، مولانا فرنگی محلیؒ ایک جامع النسبت اور جامع الکمالات شخصیت کے مالک تھے۔

حضرت مولانا عبدالباریؒ کو پیش قدمی کی دعوت

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ کو بھی ایک خط لکھا تھا، اور وہ مولانا سجادؒ کے خیالات سے متفق تھے، لیکن اب تک ان کا کوئی تحریری جواب موصول نہیں ہوا تھا،

اس لئے مولاناؒ کو سخت اضطراب تھا، مولانا کا خیال تھا کہ ملکی سطح پر اگر مولانا فرنگی محلیؒ اس تحریک میں پیش قدمی کریں تو جمعیۃ علماءِ ہند کے لئے راہ آسان ہو جائے گی، اور اس کے مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ:

''قاضی احمد حسین صاحبؒ کسی غرض سے لکھنؤ جارہے تھے، مولانا سجاد صاحب نے ان سے کہا کہ وہ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ سے مل کر تبادلۂ خیال کریں، اور جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے لئے آگے بڑھنے پر ان کو آمادہ کریں، مولاناؒ نے قاضی صاحب کو بتایا کہ میں نے ان کو اس سلسلے میں ایک خط بھی لکھا ہے، قاضی صاحب لکھنؤ سے واپس ہوئے تو انہوں نے مولانا کو رپورٹ دی، کہ مولانا عبدالباری صاحبؒ بھی ذہنی طور پر بالکل تیار ہیں، اور خود بھی جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے لئے بے چین ہیں، لیکن ان کو ڈر ہے کہ تمام علماء کا اتفاق ممکن نہ ہوگا، قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! تمام علماء کس زمانے میں کسی بات پر متفق ہوئے ہیں، اگر سب متفق ہو جاتے تو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی الگ الگ مسلک کیوں بنتے؟ شیعہ سنی محاذ کیوں کھلتے؟ بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کی صفیں کیوں بنتیں؟ ابتدائے تاریخ اسلام سے اختلافات تو ہوتے رہے ہیں، اور مکمل اتفاق کبھی نہیں ہوا، اگر اختلافات کو بنیاد بنا کر کچھ نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے، تو مسلمانوں کا کوئی کام ہی نہیں ہوگا، اور نہ سابق میں کبھی ہو سکتا تھا، اس کا حل تو یہی ہے کہ جتنے لوگ ساتھ دے سکیں ان کو ساتھ لیا جائے۔''

قاضی صاحب کی مدلل گفتگو سے حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ بالکل مطمئن ہو گئے، اور ان کی تائید سے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی مشکلات آسان ہو گئیں، غالباً اس کے بعد ہی مولانا عبدالباری صاحب نے مولانا سجاد صاحب کو ایک خط تحریر فرمایا، جس میں جمعیۃ علماء ہند کے قیام سے اتفاق کرتے ہوئے مقام اجلاس نیز داعیان کی فہرست میں مولانا سجادؒ کا نام شامل کرنے کی اجازت وغیرہ چند امور کے بارے میں انہوں نے مولانا سجاد صاحبؒ سے مشورہ طلب کیا تھا۔

مولانا سجادؒ کا خط مولانا عبدالباریؒ کے نام

اس خط کے جواب میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے ان کو درج ذیل خط تحریر فرمایا:

''از دفتر انجمن علماء بہار بمکان مدرسہ انوار العلوم شہر گیا

مورخہ ۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۶؍ فروری ۱۹۱۹ء۔

تجویز اجتماع علماء ہند نہایت اہم اور ضروری تجویز ہے، بلا ریب ایسا ہی ہونا چاہئے، اور اظہار صداقت میں کسی تردد کو سامنے نہ آنے دینا چاہئے عرصہ ہوا کہ ایک مرتبہ اسی کے متعلق جناب سے

بذریعہ عریضہ میں نے عرض بھی کیا تھا مگر اب تو اس وقت سے بڑھ کر حالت نازک ہوگئی ہے عرض میں نہایت صدق دل سے خوشی کے ساتھ لبیک کہتا ہوں، اور اجازت دیتا ہوں کہ اس ناچیز کا نام داعی کی فہرست میں درج فرمالیں، لیکن مقام جلسہ بلحاظ وسط لکھنؤ زیادہ مناسب ہے تاکہ علماء بنگالہ کو بھی شرکت میں سہولت ہو اگر وائسرائے بہادر کا قیام جلسے تک دہلی میں ہو تو وفد کے فوری پیش ہونے کے لحاظ سے دہلی انسب ہے (از یادداشت مخطوطہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ)۔[۱]

داعیان کی فہرست میں مولانا سجادؒ کا نام شامل کرنے کی اجازت لینا تحریک میں مولانا سجادؒ کے کلیدی کردار کی علامت ہے، خود مولانا عبدالباری صاحبؒ کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ مولانا سجادؒ ہندوستان میں اس فکر کے اولین داعی ہیں، جمعیۃ علماء بہار کے قیام (۱۹۱۷ء) سے قبل ہی مولانا سجادؒ نے علماء اور مشائخ کو اپنے خطوط اور اسفار کے ذریعہ اس جانب توجہ دلائی تھی، پھر مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے اس جانب عملی پیش رفت بھی کردی تھی، یہ تمام چیزیں مولانا فرنگی محلیؒ کے علم میں تھیں، اس لئے جب انہوں نے اس جانب عملی اقدامات کا ارادہ کیا تو اس فکر کے اولین داعی ونقیب سے مراجعت فرمائی، اور ان کا نام داعیان کی فہرست میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔

نیز حضرت مولانا سجادؒ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالباریؒ کے اقدام و تحریک سے بہت پیشتر ہی حضرت مولانا سجادؒ نے ان کو اس تحریک کی دعوت دی تھی-علاوہ دیگر علماء کو بھی آپ نے لکھا ہوگا-اور مولانا عبدالباری صاحب کا یہ اقدام دراصل اسی کا عملی جواب تھا۔

مقام اجلاس کے بارے میں مولانا سجادؒ کی رائے

حضرت مولانا سجادؒ کے خط میں جس وائسرائے بہادر کا ذکر ہے، اس سے مراد غالباً لارڈ مانٹیگو چیمسفورڈ کی شخصیت ہے، جو ۱۹۱۸ء میں ہندوستان آیا تھا[۲]، اور اس کا قیام شاید ۱۹۱۹ء تک ہندوستان میں رہا، مولانا عبدالباریؒ نے غالباً لکھا تھا کہ قیام جمعیۃ کے بعد بصورت وفد وائسرائے سے ملاقات بھی مفید ہوگی، اسی لئے مولانا سجادؒ نے مقام اجلاس کے بارے میں دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنی رائے پیش کی کہ:-

”لوگوں کی شرکت اور نمائندگی کے لحاظ سے لکھنؤ مفید ہے اور اگر وائسرائے سے فوری ملاقات

۱-جمعیۃ علماء کا تاریخی تبصرہ ص ۴۳، ۴۷☆حسن حیات ص ۴۶، ۷۴۔البتہ حسن حیات میں تاریخی تطبیق میں شاید سہو ہوا ہے، ۵/جمادی الاول ۱۳۳۷ھ کو مطابق ۱۹۱۷ء لکھا گیا ہے، جو درست نہیں یہ مطابق ۱۹۱۹ء ہوتا ہے۔
۲-حسن حیات ص ۷۴☆جمعیۃ علماء کا تاریخی تبصرہ ص ۴۳۔

ضروری ہوتو پھر دہلی زیادہ مناسب ہے۔"

علماء دیوبند کی حمایت کا حصول - حضرت ابوالمحاسنؒ کی بڑی حکمت عملی

دوسری جانب انجمن علماء بہار کے پہلے ہی اجلاس میں حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز رہائی کی منظوری سے علماء دیوبند کا حلقہ بھی حضرت مولانا سجادؒ سے قریب ہوگیا تھا، بلکہ ان میں قیام جمعیۃ کے تعلق سے یگگونہ غیرت پیدا ہوگئی تھی، اس باب میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا نام سب سے آگے ہے، وہ اس فکر کے سب سے بڑے مؤید تھے، بلکہ اپنے متعلقین کی ایک ٹیم اس کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے، تاکہ اس پلیٹ فارم سے پوری قوت کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی کا مطالبہ کیا جاسکے، جیسا کہ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

> "حضرت مفتی صاحب نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ میں علماء سے ملوں اور ایک مشاورتی اجتماع کی دعوت دے دوں، حضرت مفتی صاحب مولانا عبدالباری اور مولانا ثناء اللہ کو اس معاملہ میں اپنا ہم خیال بنا چکے تھے کہ علماء کو علٰحدہ اپنی تنظیم قائم کرنی چاہئے اور ایک وسیع تر جماعت بنانی چاہئے مفتی صاحب کی یہ رائے اس وقت سے تھی، جب کہ وہ ۱۹۱۸ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر ایک کتاب تصنیف فرمارہے تھے اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی اوران کے رفقاء کی بے گناہی ظاہر ہوجائے اور گورنمنٹ پر یہ واضح ہوجائے کہ مسلمانوں کے دلوں میں حضرت کی کس قدر عظمت وعقیدت ہے اوران کی نظربندی سے کس قدر مضطرب ہیں، لہٰذا حکومت ان کو رہا کرکے مسلمانوں کے مجروح جذبات کے لئے تسکین کا سامان بہم پہنچائے، مفتی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت کی رہائی کے لئے علماء کی طرف سے متفقہ مطالبہ ہونا چاہئے اور ایسی ہی ضروریات کے لئے تمام علماء کو اپنی علٰحدہ تنظیم قائم کرنی چاہئے، یہ خیال ۱۹۱۸ء سے مفتی صاحب کے دماغ میں موجزن تھا اور اکثر احباب سے اس کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔"[۱]

اس بیان سے ایک طرف حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی کے تعلق سے علماء دیوبند کی حساسیت اور اضطراب کا اندازہ ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علماء دیوبند میں اس فکر کے اولین نقیب حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تھے، اوران کے ذہن میں یہ خیال ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوا۔

اس سے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی گہری بصیرت اور دوراندیشی کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے علماء دیوبند کی اس بے چینی کو قبل از وقت محسوس کیا، اوراس کو اپنی جماعتی حکمت عملی کا حصہ بنایا۔

۱- حسن حیات ص ۴۹، ۵۰، مولانا شاہ محمد عثمانی ☆ "جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ" ص ۵۰، ۵۱ مرتبہ: مولانا حفیظ الرحمٰن واصف۔

مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے ذہن میں علماء کی تنظیم کا خیال ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوا، جبکہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے قیام جمعیۃ کی عملی کوششیں ۱۹۱۷ء سے قبل ہی شروع کردی تھیں، علماء ہند کو دعوت فکر بھی دی تھی اور اس کا عملی نمونہ بھی بہار میں قائم کر دیا تھا، بلکہ حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی کی تجویز بھی جمعیۃ علماء بہار کے پہلے اجلاس (۱۹۱۷ء) ہی میں انہوں نے منظور کرالی تھی، جب کہ حلقۂ دیو بند میں اس کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا— اس سے حضرت مولانا سجادؒ کی سابقیت کا پتہ چلتا ہے—

حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے بیان سے ایک بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے ذہن میں جس جمعیۃ علماء کا تصور تھا وہ حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی جیسے مقصد تک محدود تھا، جب کہ حضرت مولانا سجادؒ نے جس جمعیۃ کی تحریک و تاسیس کی تھی وہ اسیران فرنگ کی رہائی کے علاوہ وسیع البنیان مقاصد پر مبنی تھی، چنانچہ جب جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل ہوئی تو وہ انہی خطوط پر ہوئی جو حضرت مولانا سجادؒ نے پہلے ہی کھینچ دیئے تھے، اس سے حضرت مولانا سجادؒ کی فکری جامعیت و سابقیت اور جمعیۃ علماء ہند کے اصل سر چشمۂ فکر کا سراغ ملتا ہے۔

لکھنؤ میں تحریک جمعیۃ کا پہلا مشاورتی اجلاس

غرض پورے ملک میں جمعیۃ علماء ہند کے لئے ماحول سازی اور زمین کی تیاری میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے بنیادی اور اولین کردار کا انکار نہیں کیا جا سکتا، ان کے ذہن میں جمعیۃ علماء کا ایک مکمل خاکہ موجود تھا، جس میں رنگ بھرنے کے لئے علماء کے اتحاد کی ضرورت تھی، اور اس کے لئے کسی جامع اور معتدل شخصیت کی انہیں تلاش تھی، جو حضرت مولانا عبد الباری صاحبؒ کی صورت میں انہیں مل گئی، چنانچہ مولانا عبد الباری صاحب نے انجمن مؤید الاسلام لکھنؤ کی جانب سے ہندوستان کے ممتاز اور معروف علماء و مشائخ کے نام دعوت نامہ جاری فرمایا اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے مشورہ کے مطابق شرکاء کی سہولت کے پیش نظر مقام اجلاس لکھنؤ مقرر کیا گیا[1]، یہ ملکی سطح پر اس

[1]- مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ اور جناب شاہ محمد عثمانی صاحبان نے مولانا عبد الباری صاحبؒ کا ایک خط (مرقومہ ۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ مطابق ۴ رفروری ۱۹۱۹ء) بنام ڈاکٹر انصاری صاحب نقل کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقام اجلاس کے لئے مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب کی رائے دہلی کی تھی، چنانچہ مولانا عبد الباری صاحب نے ڈاکٹر انصاریؒ کو مشورہ کے لئے خط تحریر فرمایا: خط کی عبارت درج ذیل ہے:

''۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ مطابق ۴ رفروری ۱۹۱۹ء

مکرمی دام مجدہ السلام علیکم

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مجھے لکھا ہے کہ موجودہ حالت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ علماء کا ایک خاص اجلاس دہلی میں ہو جس میں ہم لوگ اور علماء دیو بند اور دیگر علماء بھی شریک ہوں، تا کہ نہایت خلوص اور اتحاد سے اس وقت مناسب رائے مسلمانوں کے لئے قائم کی جائے ایسے وقت جلسے کا انعقاد تو شاید دشوار ہو مگر مفید ضرور ہوگا، میں نے ان کو لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو میں لکھتا ہوں، میرے نزدیک کوئی معتدل رائے کا شخص اگر ایسا جلسہ تجویز کر لے تو امید ہے کہ علماء شریک ہوں گے، ورنہ دشواری سے خالی نہیں ہے، جیسا مناسب ہو اطلاع کیجئے۔''

(جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۳۷ و حسن حیات ص ۴۸)

سلسلہ کا پہلا با قاعدہ اجلاس تھا، اس میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، اور مولانا عبدالقادر بدایونی صاحبؒ وغیرہ ہر مکتب فکر کے مشاہیر علماء واعیان تشریف لائے، شیعہ علماء بھی شریک ہوئے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اس پروگرام کے داعیوں میں تھے، جیسا کہ مولانا سجاد صاحب کے مذکورہ بالا خط کے حوالے سے اوپر ذکر کیا گیا۔[1]

مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ مرکز اتفاق قرار پائے

اس اجلاس میں ایک ناخوشگوار بات یہ پیش آئی کہ فروعی اور جماعتی اختلافات کو لیکر صدر جلسہ کے انتخاب میں تھوڑی تلخی پیدا ہوگئی، دیوبندی علماء بریلوی کی صدارت کو اور بریلوی علماء دیوبندی کی صدارت کو منظور کرنے پر آمادہ نہ تھے، بالآخر مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالقادر بدایونیؒ وغیرہ نے خود مولانا عبدالباری صاحبؒ سے صدارت قبول کرنے کی درخواست کی، مولاناؒ نے اپنے داعی ہونے کا عذر پیش کیا، لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ اگر آپ صدارت قبول نہ کریں گے تو اندیشہ ہے کہ جلسہ ناکام ہوجائے، غرض کافی اصرار کے بعد آپ نے صدارت قبول فرمائی، پھر جلسہ ہوا، اور کئی اہم مسائل پر بات ہوئی، لیکن جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل نہ ہوسکی۔[2]

دہلی کی عظیم الشان خلافت کانفرنس اور جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس

لکھنؤ کے اس اجلاس میں گو کہ جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل نہ ہوسکی، لیکن اس نے ملک میں جمعیۃ کے لئے ماحول بنانے میں بڑا کردار ادا کیا، حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ وغیرہ اب بھی پر امید تھے، حسن اتفاق ۲۹ رصفر المظفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۳ رنومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں جشن صلح کے موقعہ پر خلافت کانفرنس ہونے والی تھی، جس میں ہر مکتب فکر ونظر کے افراد بڑی تعداد میں شریک ہو رہے تھے، مولانا عبدالباری صاحبؒ اور مولانا محمد سجاد صاحبؒ تحریک خلافت کے بنیادی لوگوں میں تھے ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ اس موقعہ پر الگ سے کوئی نشست کر کے جمعیۃ علماء ہند کی عملی تشکیل کی کوشش کی جائے گی۔

۲۳ رنومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کمیٹی کی پہلی کانفرنس زیر صدارت شیر بنگال جناب فضل الحق صاحب منعقد ہوئی، اس اجلاس میں اس قدر ہجوم تھا کہ چاندنی چوک سے جامع مسجد تک

۱- حسن حیات ص ۷۴۔

۲- جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۲۷ بروایت مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلیؒ ☆ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷ مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب۔

کاراستہ طے کرنے میں دو گھنٹے صرف ہوجاتے تھے، اجلاس میں تمام صوبوں سے صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام حضرات شریک ہوئے تھے، اس میں گاندھی جی اور کئی غیر مسلم قائدین نے بھی شرکت کی تھی، یہ ہندو مسلم اتحاد کا شاندار مظاہرہ تھا، چنانچہ یہ تحریک خلافت بعد میں تحریک آزادی میں تبدیل ہوگئی۔[1]

درگاہ حضرت حسن رسول نماؒ پر چند علماءِ امت کا خفیہ اجتماع

اس کانفرنس میں بہار سے صوبائی ذمہ داری کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد سجادؒ بھی شریک ہوئے، کانفرنس کے اختتام پر چند مخصوص علماء کا خفیہ اجتماع بوقت صبح دہلی کے مشہور بزرگ سید حسن رسول نماؒ[2] کی درگاہ پر حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے زیر قیادت منعقد ہوا، تمام حاضرین نے جن کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہ تھی جمعیۃ کے قیام سے اتفاق کیا، جلسہ کا آغاز مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کی تحریک اور مولانا منیر الزماں اسلام آبادی وغیرہ کی تائید سے ہوا[3]، سبھی حضرات نے اپنے اپنے

۱- تحریک خلافت ص ۱۰۳ مرتبہ: قاضی عدیل عباسی۔

۲- حضرت سید حسن رسول نما قادری اویسیؒ بارہویں صدی ہجری کے مایہ ناز بزرگ فقیر صوفی بزرگ ہیں۔ آپ صوبہ ہریانہ کے ایک گاؤں نارنول میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام جو آپ کی سوانح عمری میں درج ہے "سید کاظم نجفی الاخوندی" ہے، آپ کے والد گرامی کا نام نامی حضرت سید اسعد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے، آپ کا شجرۂ نسب ۳۱/اکتیس واسطوں سے حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ آپ حسنی والحسینی سید ہیں۔ حضرت امام نقی ہادی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ حضرت جعفر الذکی رحمۃ اللہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ حضرت سلطان الفقراء حضور موسی قادری رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ اویسیہ جاری فرمایا۔ آپ کے خاندان میں یہی طریقہ جاری وساری ہے۔ آپ کا سلسلۂ طریقت چھ واسطوں سے حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سے ملتا ہے (آزاد دائرۃ المعارف ویکی پیڈیا بحوالہ "فوائح العرفان سوانح سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ" باب اول)

آپ اولیاء کبار میں سے تھے، آپ کا لقب "رسول نما" اس لئے پڑا کہ آپ کو دربار رسالت میں ایسا تقرب حاصل تھا کہ آپ جس کو چاہتے تھے حضرت سرور کائنات ﷺ کی زیارت سے مشرف کرادیتے تھے، ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ء) میں آپ کا وصال ہوا، قطب روڈ پہاڑ گنج سے ذرا آگے آپ کا مزار مہبط انوار الٰہی ہے، آپ کے مزار کے سرہانے سنگ مرمر کی تختی پر بخط نسخ یہ شعر کندہ ہے۔

حسن رسول نما افتخار آل حسین — اویس قرنی ثانی وثالث حسنین

آپ کی درگاہ ایک بڑے وسیع پختہ احاطے کے اندر ہے، جس کا شاندار دروازہ ہے، اس کی تعمیر ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ء) میں بادشاہ عالمگیر کے عہد حکومت میں ہوئی، درگاہ مسقّف نہیں ہے، زیر آسمان ہے، اور خام ہے، البتہ حاشیہ پختہ بنادیا گیا ہے، آپ ہی کے قریب آپ کے صاحبزادے ناصر علی اور دو پوتوں کی بھی قبریں ہیں اور وہ بھی خام ہیں، ان قبروں کے گرد ایک خوبصورت آہنی کٹہرا ہے، درگاہ کے گرد چاروں کونوں پر چار دروازے اور نونو در کی غلام گردش ہے جو ستر فٹ مربع ہے اس کے دروازے پر بخط نسخ یہ مصرعہ تاریخ وفات سنگ مرمر کی تختی پر کندہ ہے: ع رسول نما بارسول باتے شد — کتبہ العبد المذنب یاقوت رقمخان عرف عباد اللہ ۱۱۰۳ھ۔

اصل درگاہ سے باہر کمپاؤنڈ کے اندر درگاہ کے متوسلین کے مکانات اور قبریں ہیں۔

(واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ ص ۳۵، ۵۵۷، ۵۵۸ مصنفہ بشیر الدین احمد دہلویؒ ایم، آر، اے، ایس، لندن، اول تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام، شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان ومحمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی، ۱۹۱۹ء)

۳- جمعیۃ علماء ہند پر ایک تاریخی تبصرہ، ص ۴۴ مرتبہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف۔

خیالات پیش کئے ، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے بھی ایک مختصر تقریر فرمائی، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کے الفاظ میں:

''اس تقریر کا ایک ایک لفظ مولاناؒ کے جذبات ایمان کا ترجمان تھا، حاضرین کی تعداد اگر چہ دس بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی، لیکن کوئی آنکھ اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے اثر قبول نہ کیا ہو۔''[۱]

آخر میں صدر مجلس حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے تمام حاضرین سے حسب ذیل عہد و پیمان لیا:

''ہم سب دہلی کے مشہور ومقدس بزرگ کے مزار کے سامنے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ مشترک قومی وملی مسائل میں ہم سب آپس میں متحد و متفق رہیں گے اور فروعی واختلافی مسائل کی وجہ سے اپنے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہ ہونے دیں گے، نیز قومی وملی جدو جہد کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی طرف سے ہم پر جو سختی اور تشدد ہوگا اس کو صبر و رضا کے ساتھ برداشت کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے جماعت کے معاملے میں پوری راز داری اور امانت سے کام لیں گے۔''[۲]

درگاہ حضرت سید حسن رسول نما قادری اویسیؒ جس کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر چند دردمندان ملت نے جمعیۃ علماء ہند قائم کرنے کا عہد و پیمان کیا۔

۱- حیات سجاد ص ۱۰۱، مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

۲- حسن حیات ص ۴۸، وحیات سجاد ص ۱۰۱، ۱۰۲ مضمون مولانا احمد سعید دہلوی۔

مولانا احمد سعید دہلویؒ کا بیان ہے جو خود اس مجلس میں موجود تھے:

"یہ مجلس دو گھنٹے سے زیادہ کی نہ تھی، ایک گھنٹہ بحث و مباحثہ میں خرچ ہوا اور ایک گھنٹہ عہد و پیمان میں صرف ہوا، لیکن اسی جلسہ کا یہ اثر تھا کہ جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی۔" ۱

درگاہ حضرت حسن رسول نماؒ کے انتخاب کی وجہ

البتہ یہاں ایک سوال کا جواب مجھے کسی تذکرہ و تاریخ میں نہیں ملا کہ دہلی میں مزارات، درگاہوں، مساجد اور تاریخی مقامات کی کمی نہیں تھی، پھر آخر خفیہ میٹنگ اور عہد و پیمان کے لئے درگاہ حسن رسول نماؒ کے انتخاب کی کیا وجہ تھی؟

☆ اس کا ایک جواب تو یہ ممکن ہے کہ یہ درگاہ عام نظروں سے دور ایک گھنی آبادی کے علاقے میں واقع ہے، اس لئے خفیہ میٹنگ کے لئے اس کو مناسب خیال کیا گیا۔

☆ لیکن اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حسن رسول نماؒ حضرت سید عبدالصمد خدا نماؒ (متوفی ۱۱۰۹ھ م ۱۶۹۷ء ۔ مقام احمد آباد گجرات) کے خاص دوستوں میں تھے، اور علماء فرنگی محل کے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ (ولادت: ۱۰۴۸ھ م ۱۶۳۸ء، وفات: ۱۱۳۶ھ م ۱۷۲۴ء ۔ مقام بانسہ شریف ضلع بارہ بنکی یوپی) کو نعمت ولایت حضرت سید عبدالصمد خدا نماؒ سے حاصل ہوئی تھی، اور ان کے واقعات میں موجود ہے کہ جب شاہ سید عبدالرزاق صاحبؒ حضرت سید عبدالصمد خدا نماؒ سے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوکر احمد آباد سے رخصت ہونے لگے تو پیر و مرشد نے ان کو ہدایت کی کہ:

"ہمارے دوست حضرت سید حسن رسول نماؒ دہلی میں قیام رکھتے ہیں، ان سے ملتے ہوئے جانا (شاید معرفت کی کوئی منزل وہاں سے وابستہ رہی ہو) اسی حکم کی تعمیل میں حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ گجرات سے سیدھے دہلی حضرت سید حسن رسول نماؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور استفادۂ باطنی کیا، چلتے وقت حضرت رسول نماؒ نے ارشاد فرمایا کہ جاتے ہو تو آرام سے راتیں نہ بسر کرنا، فقیر کو نہ بدنام کرنا۔ یہ ارشاد پیر و مرشد کے دوست کا دل میں ایسا اثر کیا کہ آخر وقت تک رات کو آرام نہ کیا۔" ۲

۱۔ حیات سجاد ص ۱۰۱، مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

۲۔ عرس حضرت بانسہ ص ۱۲ مؤلفہ معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: قادری بک ایجنسی نمبر ۱۸ وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء۔

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ بھی اپنے اسی خاندانی سلسلۂ رزاقیہ سے وابستہ تھے، اور پابندی کے ساتھ آستانۂ بانسہ پر حاضری دیتے تھے، اور وہاں کے خانقاہی پروگراموں کی سرپرستی بھی فرماتے تھے، جیسا کہ آپ کی کتاب ''عرس حضرت بانسہؒ'' سے ظاہر ہوتا ہے۔[1]

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اپنی ایک دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں:

''مجھ پر خود نسبت قادریہ کا غلبہ ہے، گو نقشبندی بھی ہوں اور چشتی ہونے کی نسبت پر فخر کرتا ہوں، اس وجہ سے حضرت شاہ عبدالرزاق قدس اللہ سرہ العزیز کے سلوک کو مقدم سمجھتا ہوں۔''[2]

اس لئے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کو دہلی میں حضرت حسن رسول نماؒ سے جو عقیدت و محبت ہوسکتی تھی اور وہاں قول و قرار پر جو اطمینان ہوسکتا تھا، وہ کہیں اور نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو بھی حضرت مولانا عبدالباری صاحب اور خاندان فرنگی محل سے جو عقیدت و وابستگی تھی اس میں علاوہ دوسری باتوں کے ایک بڑی نسبت الٰہ آباد کی تھی، انہوں نے تمام علوم و فنون کی تکمیل الٰہ آباد ہی میں کی تھی، اس لئے وہاں کے اکابر و مشائخ کی خاک پا بھی ان کے لئے سرمۂ عقیدت کا درجہ رکھتی تھی، علماء فرنگی محل کے جد اعلیٰ حضرت ملا قطب الدین شہید قدس سرہ سہالویؒ (متوفیٰ ۱۱۰۳ھ م ۱۶۹۲ء) حضرت ملا محب اللہ الٰہ آبادیؒ (متوفیٰ ۱۰۵۸ھ م ۱۶۴۸ء) کے سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں بواسطۂ حضرت قاضی گھاسی الٰہ آبادیؒ مرید تھے، ملا قطب الدینؒ کے دو بڑے فرزند ملا سعیدؒ و ملا اسعدؒ اپنے والد بزرگوار کی شہادت سے قبل اپنے والد ہی سے بیعت ہوچکے تھے، لیکن چھوٹے دونوں فرزند ملا نظام الدینؒ اور ملا محمد رضاؒ کم سنی کی وجہ سے داخل سلسلہ نہ ہوسکے تھے، یہ دونوں صاحبزادگان والد کی شہادت کے بعد حضرت سید عبدالرزاق بانسویؒ سے وابستہ ہوئے۔[3]

اس پس منظر کی روشنی میں غالباً درگاہ حضرت حسن رسول نماؒ کے انتخاب میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی عقیدت و رجحان اور حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی رائے کا دخل رہا ہوگا، کیوں کہ اس خفیہ اجتماع کی قیادت حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ ہی فرمارہے تھے اور ان حضرات کے لئے یہ محض درگاہ نہیں تھی، بلکہ مرکز عقیدت بھی تھی۔

---

۱ ـ عرس حضرت بانسہؒ ص ۱، ۲ مؤلفہ: معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: قادری بک ایجنسی نمبر ۸۱ وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء۔

۲ ـ فیوض حضرت بانسہ (مطبوعہ ص ۱۶) ماخوذ از تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۲۴، ۲۵ مؤلفہ محمد رضا انصاری فرنگی محل لکھنؤ، ۱۹۸۶ء۔

۳ ـ عرس حضرت بانسہؒ ص ۱۴، ۱۵ مؤلفہ: معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: قادری بک ایجنسی نمبر ۸۱ وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء۔

تاسیس جمعیۃ علماء ہند

بہرحال اس خفیہ عہد و پیمان کے بعد اسی دن شام میں جمعیۃ علماء ہند کی باقاعدہ تشکیل کے لئے علماء کا اجتماع ہوا جس کو ہم اس پروگرام کی دوسری نشست کہہ سکتے ہیں، اس میں نسبتاً زیادہ لوگ شریک ہوئے، اس میں تقریباً چھبیس علماء شریک ہوئے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ

۲- مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ

۳- مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ[1]

۱- شیر پنجاب، رئیس المناظرین، فاتح قادیان، مدیر اخبار اہل حدیث وصدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس، کشمیری پنڈتوں کے خاندان منٹو سے ہیں، آپ کے والد ماجد ۱۸۶۰ھ میں ڈور ضلع سری نگر سے منتقل ہوکر امرتسر آ گئے، وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے، آپ کے آباء و اجداد غالباً سلطان زین العابدین والیٔ کشمیر کے عہد میں مشرف باسلام ہوئے تھے، (کشمیر پر ۱۳۲۶ء سے ۱۸۱۹ء تک اسلامی حکومت رہی ہے)

مولانا موصوف ماہ جون ۱۸۶۸ء مطابق صفر ۱۲۸۵ء میں بمقام امرتسر پیدا ہوئے، آپ کی عمر سات سال کی تھی کہ والد کا انتقال ہوگیا، تھوڑے دنوں کے بعد والدہ کا بھی انتقال ہوگیا، آپ کے بڑے بھائی آپ کے کفیل رہے، ان کی دکان پر رفوگری کا کام کرتے تھے، چودہ سال کی عمر میں فارسی کی ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھ کر عربی کی تعلیم مولانا احمد اللہ امرتسری کے پاس شروع کی، یہ مناظروں کا دور تھا، عیسائی پادری اور آریہ پنڈت وغیرہ ہندوستان کے چپہ چپہ پر تقریریں اور مناظرے کرتے پھرتے تھے، مولانا موصوف کو بھی دوران تعلیم مناظرے سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔

حدیث کی تعلیم آپ نے مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی سے حاصل کرکے ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں سند لی، پھر دہلی آکر شمس العلماء حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کو حافظ عبدالمنان صاحب کی سند دکھا کر اجازت حاصل کی، پھر مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور گئے اور وہاں سے بھی سند حاصل کی، پھر دیوبند پہنچے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے تلمذ میں رہ کر ان سے معقولات و منقولات کتب درسیہ کی سند حاصل کی، پھر مدرسہ فیض عام کانپور میں بھی آپ کی دستار بندی ہوئی، وہاں سے ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، بعض مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

☆ تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی) ☆ تفسیر ثنائی (اردو) ☆ تفسیر بیان الفرقان علیٰ علم البیان ☆ تفسیر بالرائے ☆ مقدس رسول بجواب رنگیلا رسول ☆ حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش ☆ ان کے علاوہ اصلاحی و تعلیمی کتابیں بیس عدد، مسئلہ تقلید و اجتہاد کے متعلق گیارہ، قادیانیت کے رد میں سولہ، آریہ سماج کے رد میں سترہ، عیسائیوں کے رد میں پانچ۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ آپ نے عمر بھر تقریر و خطابت کے میدان میں بڑا کام کیا، سیکڑوں کامیاب مناظرے کئے، نہایت حاضر جواب، بذلہ سنج، ذکی و فہیم تھے، مناظرے کے وقت اس قدر چست فقرے کستے تھے، اور ایسے برجستہ اور مناسب حال اشعار چسپاں کرتے تھے، کہ سامعین عش عش کرنے لگتے تھے۔

قادیانیوں سے جو مشہور مباہلہ آپ نے ۱۹۰۷ء میں کیا تھا اس کی وجہ سے آپ کو قوم نے فاتح قادیان کا خطاب دیا، اس مباہلے میں مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ کہا تھا کہ جو جھوٹا ہوگا وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجائے گا، چنانچہ مرزا ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو ہیضہ کا شکار ہوکر ہلاک ہوگیا، اور مولانا ثناء اللہ اس کے بعد چالیس (۴۰) سال زندہ رہے۔

۱۹۲۶ء میں مولانا موصوف بغرض شرکت موتمر و بغرض حج و زیارت حجاز تشریف لے گئے، اہل حدیث کانفرنس نے شرکت موتمر کے لئے جو وفد بھیجا تھا آپ اس کے صدر تھے، دوسرے ارکان وفد مولانا محمد جوناگڈھی (مدیر اخبار محمدی دہلی) اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی تھے۔

اخبار اہل حدیث ہفت روزہ آپ نے ۱۹۰۳ء میں جاری کیا تھا، جو چوالیس (۴۴) سال تک امرتسر سے نکلتا رہا، اور جولائی ۱۹۴۷ء میں فسادات و تقسیم پنجاب کی نذر ہوگیا۔ ←

۴ - مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی لکھنویؒ ۱

۵ - مولانا پیر محمد امام سندھیؒ ۲

← مولانا کی شادی اکیس سال کی عمر میں ہوئی ایک فرزند عطاء اللہ اور ایک بیٹی فاطمہ تھی، اہلیہ محترمہ کا انتقال آپ سے تین سال کے بعد سرگودھا ہی میں جاکر ہوا۔

۱۴راگست ۱۹۴۷ء کو امرتسر میں اپنا عظیم الشان اور نادر ذخیرۂ کتب اور تمام مال ومتاع چھوڑکر آپ کو ترک وطن کرنا پڑا، لاہور پہنچے، پھر گوجرانوالہ پھر وسط جنوری ۱۹۴۸ء میں سرگودھا تشریف لے گئے، وہاں آپ کو ایک پریس الاٹ ہوگیا، آپ نے امرتسر والے مطبع کے نام پر اس کا نام ثنائی برقی پریس رکھا، اور اس کا انتظام اپنے ایک پوتے مولوی رضاء اللہ کے حوالے کیا۔

وفات سرگودھا میں بمرض فالج ۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء / ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ بروز دوشنبہ ہوئی، وفات کے وقت آپ کی عمر اکیاسی (۸۱) سال تھی (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۸۳ تا ۸۶ بحوالہ سیرت ثنائی مصنفہ مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ)

۱ - آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: مولانا سلامت للہ بن مولوی شرافت اللہ بن ملا کرامت اللہ بن مولوی مشائخ بن ملا سعد الدین بن ملا احمد حسین بن ملا رضا بن قطب شہید، سن ولادت تقریباً ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء ہے، ابتدا میں انگریزی تعلیم ایف اے تک حاصل کی، پھر علوم عربیہ کی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی، اور اپنے ہی خاندان کے علماء سے مختلف علوم وفنون حاصل کرنے کے بعد حدیث کی تکمیل مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے کی، اور مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، مولانا موصوف کو ہمیشہ قومی وملی مسائل سے دلچسپی رہی، چنانچہ جب جنگ اٹلی وطرابلس شروع ہوئی تو آپ نے مؤید الاسلام میں بحیثیت جوائنٹ سکریٹری کوشش کرکے ترک مجروحین کے لئے چندہ فراہم کیا، اور جنگ بلقان میں تقریباً سینتالیس ہزار روپے جمع کرکے بھیجے، جب ترک موالات کی تحریک شروع ہوئی تو مولانا موصوف صوبہ خلافت کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے، اور تقریباً تین سال تک نہایت پرجوش طریقے سے قومی خدمت انجام دیتے رہے، اسی سلسلے میں ۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ کو گورنمنٹ نے زیر دفعہ ۱۷ الف قانون ترمیم فوجداری آپ کو اور مولانا شوکت علی، چودھری خلیق الزماں، حکیم عبدالوالی اور پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کو گرفتار کرلیا، ایک سال قید اور دوسو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی لیکن تین ماہ کے بعد بحکم گورنمنٹ سب کی رہائی ہوگئی، سیاسی معاملات میں آپ ہمیشہ حضرت مولانا عبدالباری کے رفیق کار اور قوت بازو رہے۔

آپ نے علم الفرائض میں ایک کتاب ''فرائض غوثیہ'' تصنیف فرمائی، شرح عقائد نسفی پر مفصل حاشیہ لکھا، ابتدائے عمر سے اذکار واشغال کا ذوق بھی تھا، علم باطن میں اپنے والد ماجد سے اجازت حاصل تھی، بعد میں اپنے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالباری صاحب سے بیعت ہوئے۔ آپ کا نکاح مولوی عبدالعزیز بن ملا عبدالرحیم کی صاحبزادی سے ہوا۔ (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۸۲، ۸۳ بحوالہ تذکرہ علمائے فرنگی محل)

۲ - حضرت پیر محمد امام شاہ سندھیؒ حضرت پیر سید رشد اللہ شاہ ''صاحب العلم الرابع'' کے فرزند تھے، آپ کا تعلق خاندان راشدیہ سے ہے جو سندھ میں سادات حسینی کا مشہور قبیلہ ہے، آپ ۳ر ستمبر ۱۸۹۵ء مطابق ۵ر جمادی الثانیۃ ۱۳۱۲ھ بمقام گوٹھ پیر جھنڈا تحصیل ہالا ضلع حیدرآباد سندھ پیدا ہوئے، حفظ قرآن مدرسہ دارالرشاد میں کیا جسے آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید رشد اللہ شاہ نے قائم کیا تھا، حافظ شیر محمد صاحب پنجابی سے حفظ قرآن کا آغاز کیا بعد میں حافظ امین محمد صاحب کچھ بھوج والے سے قرآن شریف مکمل کیا، فارسی تعلیم اسی مدرسے میں قاضی فتح محمد نظامانی اور مولوی عبداللہ لغاری سے حاصل کی، علوم عربیہ کی تعلیم اپنے زمانہ کے مشہور اساتذہ مثلاً مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا نجم الدین ڈریالوی (جہلم) اور استاذ الکل مولانا محمد صاحب احمدانی لغاری (ڈیرہ غازی خان) سے حاصل کی، سلوک وطریقت کی تعلیم اپنے جد امجد حضرت سید رشد اللہ شاہ سے حاصل کی، آپ مسلکاً حنفی ومشرباً قادری تھے۔

چونکہ اس وقت تحریک خلافت میں تمام علمائے ہند شریک تھے، آپ بھی مولانا عبیداللہ سندھی اور اپنے والد محترم کی ترغیب وتحریک پر تحریک خلافت میں شامل ہوگئے، اور اپنے اطراف واکناف میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، آپ کی انتھک جدوجہد اور غیر معمولی سیاسی سوجھ بوجھ کی بنا پر حکیم اجمل خان اور مولانا ظفر علی خاں نے بعض مجالس میں آپ کو صدر مجلس منتخب فرمایا، موصوف ایک جید عالم دین، بہترین مقرر، زیرک سیاستداں تھے۔ ←

۶۔ مولانا اسد اللہ سندھیؒ

۷۔ مولانا سید محمد فاخر میاں بے خود الہ آبادیؒ (عرف راشد میاں) [1]

⟵ آپ مدرسہ دارالارشاد کے مہتمم تھے اور تا حیات بڑی دیانتداری وخلوص سے اس اہم خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا، آپ کے اندر اعلیٰ انتظامی قابلیت موجود تھی، اسی وجہ سے حضرت رشداللہ شاہ صاحبؒ نے اپنی زندگی ہی میں یہ ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی تھی، آپ کے ماتحت بڑے بڑے علمائے کرام مثلاً نورالحق صاحب علوی، مولانا سید میرک شاہ کشمیری وغیرہ نے نہایت اطمینان سے علمی خدمات انجام دیں۔

ذریعۂ معاش زمینداری تھی، آپ ایک بڑے زمیندار تھے، آپ کی زمین شاہ آباد میں تھی، ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء میں جب آپ کے والد حضرت سید رشداللہ شاہ وفات پاگئے تو خاندانی اختلافات کے باعث اپنی جائے ولادت گوٹھ پیر جھنڈا سے آپ نے ہجرت فرما کر شاہ آباد میں مستقل سکونت اختیار فرمالی، اور زمینداری کے کام میں مشغول ہوگئے۔

۱۹۳۴ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی واپسی کے بعد معدہ کی بیماری میں مبتلا ہوگئے، اس بیماری کا سلسلہ دراز ہوگیا، یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء میں رحلت فرمائی، شاہ آباد میں ہی آپ کا مزار شریف ہے" (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۸۶، ۸۷ بحوالہ مولوی سید وہب اللہ شاہ صاحب گوٹھ، پیر جھنڈا، ضلع حیدرآباد سندھ)

۱۔ مولانا فاخر میاں کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا سید محمد زاہد میاں عرف شاہ حاجی جان ابن شاہ محمد جان قدسیؒ ہے، آپ کی ولادت تقریباً ۱۸۵۶ء میں بمقام الہ آباد ہوئی، آپ دائرۂ حضرت شاہ اجملؒ کے سجادہ نشین تھے۔

دائرۂ شاہ اجمل شہر الہ آباد میں ایک مشہور خانقاہ ہے، جس کو حضرت قطب الاقطاب شیخ محمد افضل الہ آبادی نے قائم کیا تھا، حضرت قطب الاقطاب اصل میں سید پور غازی پور کے باشندے تھے، آپ کی وفات ۱۱۲۴ھ میں ہوئی، آپ کے نواسے شاہ محمد ناصر کے فرزند شاہ محمد اجمل تھے، جن کے نام سے دائرۂ شاہ محمد اجمل مشہور ہے، شاہ محمد اجمل کا زمانہ آصف الدولہ شاہ اودھ کا زمانہ ہے۔

مولانا محمد فاخر حضرت شاہ محمد اجملؒ کی اولاد میں ہیں، آپ کی ابتدائی تعلیم خانقاہ میں ہوئی، پھر مولانا شاہ عبیداللہ ولایتی کانپوری سے اوران کے استاذ نواب مولانا مسیح الزماں خاں شاہجہاں پوری (استاذ میر محبوب علی خاں نظام دکن) سے بھی تعلیم حاصل کی، اور مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی سے بھی پڑھا، سلوک وطریقت میں اپنے والد ماجد کے مجاز تھے، اور ابوالعلائیہ سلسلہ سے بھی نسبت حاصل تھی، آپ کا مسلک حنفی اہل سنت والجماعت تھا، مشرباً صوفی چشتی تھے، فن طب کی بھی تکمیل کی تھی، طب میں اپنے بڑے بھائی حکیم محمد افضل الہ آبادی کے شاگرد تھے، آپ کا باقاعدہ مطب بھی تھا، ۔شعروسخن سے بھی دلچسپی تھی، بیخود تخلص فرماتے تھے، عمدہ شعر کہتے تھے، زبان وادب میں حضرت شاہ محمد بشیر صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

ملکی وملی سیاسیات سے بےحد شغف وانہماک تھا، حضرت شاہ حاجی جان (المتوفی ۱۹۱۲ء) کے پہلے ہی عرس کے موقعہ پر دوران عرس میں پولیس اور فوج نے آکر تلاشی لینے کے لئے دائرۂ شاہ اجمل کا محاصرہ کرلیا، سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم سنایا کہ آپ جہاں ہیں، وہاں سے کہیں نہیں جاسکتے، گورنمنٹ برطانیہ کو آپ کے متعلق کئی قسم کے شبہات تھے، مثلاً یہ کہ ہندوستان کی انقلابی پارٹی سے آپ تعلق رکھتے تھے، اور بیرونی انقلابیوں شیخ سنوسی وغیرہ سے بھی سازباز رکھتے ہیں، اور اس طرح ہندوستان کو آزاد کرانے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں، تلاشی کے دوران پولیس کو یہ بھی شبہ تھا کہ آپ بم بناتے ہیں۔

مولانا موصوف جلیانوالہ باغ کے حادثہ سے بہت متاثر ہوئے اور ملک کے مختلف مقامات پر جاکر تقریریں کیں، ان میں سے ایک تقریر پر دفعہ ۱۰۸ کے ماتحت ۱۷ رمئی ۱۹۲۰ء میں گرفتار ہوئے، اور ایک سال قید بامشقت کی سزادی گئی، کچھ دن الہ آباد جیل میں رکھا گیا، پھر عوام کی شورش کے خطرے سے گورنمنٹ نے پیروں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر گورکھپور جیل میں بھیج دیا تھا، مرض ذیابیطس کی وجہ سے آپ کا ایک پاؤں سوکھ گیا تھا، اور چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی تھی، اس کے باوجود بیڑیاں ڈالی گئیں اور جیل کے اندر محبوس ہونے کی صورت میں بھی بیڑیاں رہتی تھیں، ایک مرتبہ مولانا شوکت علی جیل میں مولانا سے ملنے کے لئے گئے تو آپ کو اس حالت میں دیکھ کر زاروقطار روئے۔

گورکھپور جیل میں آپ نے مندرجۂ ذیل اشعار میں اظہار خیال فرمایا:۔

۸۔ مولانا محمد انیس صاحب نگرامیؒ [1]

۹۔ مولانا خواجہ غلام نظام الدینؒ [2]

الہ آباد سے جب دور آیا	بہت ہی مضطر و رنجور آیا
کھلے تھے ہاتھ تو پابند تھے پاؤں	عجب صورت سے گورکھپور آیا
وہاں کے قید خانے سے نکل کر	اسیر و بے خود و مجبور آیا
یہ کلفت ہو مجھے عشرت جو کہدو	تمہیں بھی ہے یہی منظور آیا
بظاہر تھا پریشاں حال لیکن	شراب عیش سے مخمور آیا

قطعہ

آنکھ ہے محو تجلی وصل سے دل شاد ہے	قید میں بھی طبع ہیخو دہر طرح آزاد ہے
بیڑیاں مجھ کو پہننے میں ذرا ذلت نہیں	باپ دادا کا طریقہ سنت سجاد ہے

مولانا محمد علی جوہرؔ کے کہنے پر آپ کے فرزند مولانا شاہد میاں نے آپ کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ آپ کو کس لباس کی ضرورت ہے ؟ آپ نے جواب میں مندرجہ ذیل قطعہ لکھ کر بھیجا:

لوہے کی گلے میں ہم نے ہنسلی پہنی	اس میں لکڑی کی ایک تختی پہنی
ہاتھوں کو ملا نہ ہتھکڑی کا کچھ لطف	پاؤں نے کڑے بھی پائے بیڑی پہنی

اپریل ۱۹۲۱ء (رجب المرجب ۱۳۲۹ھ) میں آپ کو گورکھپور جیل سے الہ آباد لایا گیا اور اچانک رہا کر دیا گیا، آپ آخری زندگی تک تحریکات آزادی میں حصہ لیتے رہے، اور اپنے تبلیغی و علمی مشاغل کو بھی جاری رکھا، آپ کو اذکار و اشغال سلاسل خمسہ کے سمجھنے اور ان کے برتنے میں ید طولیٰ حاصل تھا، فن تصوف کے ماہر تھے، اور تمام مشائخ کبار اور وابستگان کے سلسلہ کے لئے شغل باطن سے واقف ہونا ضروری سمجھتے تھے، انگریزی تہذیب و معاشرے سے بہت نفرت تھی، جوانی میں فن کشتی اور فن بنوٹ بھی سیکھا تھا، اور اپنے زمانہ کے طاقتور پہلوانوں میں شمار ہوتے تھے، ۱۹۲۸ء میں آپ نے حج کیا۔ ۲۱؍جولائی ۱۹۳۰ء کو تقریباً چوہتر (۷۴) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور حجرۂ پاک سجادہ نشینان دائرہ میں خانقاہ کے سامنے اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

آپ کی شادی شاہ حبیب عالم ساکن شہر غازی پور کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ان سے ایک دختر خورد سال فوت ہوئی، دوسری صاحبزادی شادی شدہ ۱۹۴۲ء کے بعد وفات پا گئیں، ایک صاحبزادے مولانا سید محمد شاہد میاں صاحب آپ کے جانشیں اور دائرۂ شاہ اجمل کے سجادہ نشیں ہوئے، آپ بھی ہمیشہ قومی و ملی کاموں میں حصہ لیتے رہے، جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر بھی رہے، قومی تحریکات کے سلسلے میں کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۸۸ تا ۹۱ بروایت صاحبزادہ محترم مولانا شاہد میاں صاحبؒ)

۱۔ مولانا محمد انیس صاحب نگرام ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے، آپ کے صاحبزادے مولانا محمد اویس صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ التفسیر تھے، باقی حالات معلوم نہ ہو سکے (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۹۱)

۲۔ مولانا خواجہ غلام نظام الدین مفتی مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں پیدا ہوئے، والد کا نام خواجہ عبد اللہ ولد خواجہ ضیاء الدین ہے، سلسلۂ نسب صدیقی، اولاد حضور شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہیں، آپ کے اجداد گلی عزیز الدین وکیل کوچہ پنڈت دہلی کے رہنے والے تھے، جہاں کی مسجد کے تحتی حصہ میں ایک بزرگ بھی مدفون ہیں، آپ کے جدی گھر کے سامنے اسی خاندان کی ایک بہت بڑی ڈیوڑھی بھی تھی جو منصف کے نام سے مشہور تھی، جس کے متصل آپ کے ایک بزرگ کشتہ نام سے مشہور شاعر تھے اور گلی کی ابتدا میں چچا نذیر حسن صاحب کا مکان تھا جس سے متصل آپ کے عزیز مولوی ابوالخیر و مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور اعزاء قیام فرماتے تھے، آپ کے دادا صاحب اور والد صاحب نے مستقل سکونت بدایوں میں اختیار فرمائی تھی، آپ نے درس نظامی کی تعلیم مولانا احمد الدین صاحب، مولانا ابراہیم صاحب، اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب وغیرہ کے پاس حاصل کی، حضرت شاہ عبد المقتدر سے تفسیر بیضاوی و میبذی پڑھی، اس زمانہ میں بدایوں کا مدرسہ قادریہ و خانقاہ مرکز علم کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا، اٹھارہ (۱۸) برس کی عمر میں اصلاح الخیال کے صدر مقرر ہوئے، جس کے مقاصد میں تحریک نماز اور لاوارث اموات کی تدفین اور مساجد کی خدمت تھی، یہاں تک انہماک ہوا کہ عالم کے امتحان کے بعد فاضل کا امتحان نہ دے سکے، دن اور رات مسجدیں تھیں یا قبرستان۔

۱۰- مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ [۱]

← روحانی تعلیم مولانا شاہ عبدالمقتدرؒ سے حاصل کی، ان کے وصال کے بعد مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب سے استفادہ کیا، جب ملک میں سیاسی تحریکات تیز ہوئیں تو بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ایک رسالہ ”ترک موالات وطلبہ“ تحریر کیا، مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب کی اعانت سے قادری منزل میں سودیشی کرگہ اسکول قائم کیا۔ شہید وطن اشفاق اللہ خان شاہجہاں پوری سے بھی کامل ربط رکھتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد جب جمعیۃ علماء میں پھوٹ پڑی اور بنیادی ارکان میں سے کچھ لوگوں نے الگ ہوکر جمعیۃ علماء کانپور قائم کر لی تو اس گروہ میں آپ بھی شامل تھے، پھر مسلم لیگ کا زور ہوا تو اس کے بالمقابل اتحاد ملکی کے علمبردار رہے، اور تقسیم کے بعد بدایوں میں مسلمانوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ میں بڑی خدمات انجام دیں۔

سیاسی خدمات کے علاوہ دوعربی مدرسے دارالعلوم شمس العلوم بدایوں اور مدرسہ عربیہ جگرو کے ذمہ دار رہے، بھوانی ضلع نینی تال کی جامع مسجد اور انجمن خدام اسلام کے بھی وقف بورڈ کی جانب سے صدر مقرر ہوئے، جس کو آپ نے ہی قائم کیا تھا، عیدگاہ شمسی بدایوں کی امامت کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی، پورے ضلع کا عہدۂ قضا بھی آپ سے متعلق تھا۔

آخری عمر میں سیاسی ہنگاموں سے دلبرداشتہ ہو گئے تھے، اور خالص روحانیت اور طریقت کے لئے یکسو ہو گئے تھے (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۹۱ تا ۹۹ یہ خواجہ غلام نظام الدین قادری کی خود نوشت سوانح ہے، جو ۱۵ رستمبر ۱۹۶۹ء کو مولانا واصف صاحب کے اصرار پر تحریر کی گئی، مولانا واصف صاحب نے ان کی پوری تحریر من وعن نقل کر دی ہے، میں نے صرف خلاصہ پر اکتفا کیا ہے، وفات کی خبر نہیں ہے)

۱- شاہجہاں پور ہی کے محلہ سب زئی میں ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی ولادت ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام عنایت اللہ اور جدامجد کا نام فیض اللہ تھا (الاعلام بمن فی الھند من الاعلام ج ۸ ص ۱۳۴۲ مطبوعہ بیروت)، والد ماجد بڑے متقی، پرہیزگار، صالح اور صاحب نسبت بزرگ تھے، تنگیٔ معاش کے باوجود عالی ہمت اور جفاکش تھے، وہ ہمیشہ اپنی خواہش کا اظہار فرماتے تھے کہ میں اپنے بیٹے کو عالم دین بنانا چاہتا ہوں۔

تعلیم وتربیت: پانچ سال کی عمر میں حافظ برکت اللہ صاحب کے پاس مکتب کا آغاز کیا، قرآن مجید کی تکمیل کے بعد اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم اسی شہر کے محلہ ’درک زئی‘ میں حافظ نسیم اللہ صاحب سے حاصل کی، اس کے بعد محلہ ’خلیل شرقی‘ میں مولوی اعزاز حسن خان صاحب کے مدرسہ اعزازیہ میں داخلہ لیا، فارسی ادب کی کتاب ’سکندر نامہ‘ اور عربی کی ابتدائی کتب حافظ بدھن خان صاحب کے پاس پڑھیں جو ایک ماہرفن استاذ مانے جاتے تھے، اسی مدرسہ میں حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ کے شاگرد مولانا عبیدالحق خان افغانی بھی مدرس تھے، ان سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہوا، مولانا عبیدالحق صاحب جوہر شناس انسان تھے، متوسطات کی تعلیم کے بعد انہوں نے مفتی صاحب کے والد گرامی کو مشورہ دیا کہ صاحبزادے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند بھیج دیں، والد صاحب غربت کی وجہ سے اس مشورہ پر عمل نہ کر سکے اور انہوں نے آپ کو مدرسہ شاہی مرادآباد بھیج دیا، اس وقت تک آپ کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی، مرادآباد میں حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی (تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)، مولانا حکیم محمد حسن صاحب اور مولانا محمود حسن سہسوانی وغیرہ سے استفادہ کیا، وہاں اپنے اخراجات ٹوپیاں بن کر اور بیچ کر نکالتے تھے، مرادآباد میں دوسال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے، یہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد منیر صاحب کے عہد اہتمام اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے عہد صدارت کا دور تھا، یہاں آپ نے درج ذیل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا حکیم محمد حسن صاحب (شیخ الہندؒ کے چھوٹے بھائی) مولانا منفعت علی اور مولانا غلام رسول صاحبؒ وغیرہ، حدیث کا درس حضرت شیخ الہندؒ سے لیا، تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں آپ نے فراغت حاصل کی، دیوبند میں مولانا سید احمد فیض آبادیؒ (برادر اکبر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) اور مولانا عبدالخالق شاہجہاں پوریؒ آپ کے خصوصی رفقاء واحباب میں تھے، علامہ انورشاہ کشمیریؒ، مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ (شیخ الحدیث مدرسہ عبدالرب دہلی) مولانا ضیاء الحق اور مولانا امین الدینؒ آپ کے دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں ہیں۔

روحانی تعلیم آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حاصل کی۔

مدرسہ عین العلم شاہجہاں پور میں تقرر: دیوبند سے فراغت کے بعد آپ وطن لوٹ گئے اور اپنے استاذ اور مربی اول مولانا عبیدالحق خان صاحب کے حکم پر مدرسہ عین العلم سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، اس مدرسہ کو مولانا عبیدالحق خان صاحب نے مدرسہ اعزازیہ سے علیحدگی کے بعد قائم کیا تھا، مفتی صاحب اپنے استاذ کے حکم پر انتظامی امور میں بھی معاونت کرتے تھے، گومدرسہ کے مالی وسائل بہت محدود

تھے، تنخواہیں بھی بہت کم تھیں، لیکن مفتی صاحب نے اپنے استاذ کے زیر سایہ قناعت کے ساتھ پورے پانچ سال گذارے، اور پورے انہماک واخلاص کے ساتھ مدرسہ کی خدمت انجام دی، یہاں آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا اعزاز علی (استاذ ادب وفقہ دارالعلوم دیوبند) اور مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری (مفتی دارالعلوم دیوبند) کو شہرۂ آفاق حیثیت حاصل ہوئی۔

مدرسہ امینیہ دہلی سے وابستگی تدریس سے اہتمام تک: رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ میں استاذ مکرم حضرت مولانا عبید الحق صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے مدرسہ عین العلم سے مستعفی ہوکر اپنے رفیق خاص مولانا امین الدین صاحب کی خواہش پر ۱۳۲۱ھ میں آپ مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے آئے، یہ مدرسہ مولانا امین الدین صاحب نے قائم کیا تھا اور اس کے پہلے صدر مدرس علامہ انور شاہ کشمیریؒ مقرر ہوئے تھے، لیکن کچھ خانگی وجوہات کی بنا پر علامہ مدرسہ چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے گئے تھے۔

اسی دور میں مدرسہ امینیہ کی تدریسی خدمت کے ساتھ آپ نے انجمن ہدایت الاسلام کے دفتر میں بطور محاسب (اکاؤنٹنٹ) بھی کام کیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ ملازمت ترک کردی۔ اس کے بعد ۱۳۲۴ھ میں حافظ زاہد حسن امروہویؒ کی شرکت میں کتابوں کی تجارت کا کاروبار شروع کیا، لیکن یہ شرکت زیادہ دن نہ چل سکی، اس کے بعد مولوی عبدالغنی صاحبؒ کے ساتھ مل کر یہ کاروبار شروع کیا اور کتب خانہ رحیمیہ قائم کیا، یہ کتب خانہ آپ کی وفات کے بعد تک قائم رہا (ضمیمہ کفایت المفتی ج ۱ ص ۵)

رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں مولانا امین الدین صاحب کا انتقال ہوا، اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے ہندوستان واپس تشریف لائے تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی موجودگی میں ۹؍شوال المکرم ۱۳۳۸ھ کو ایک جلسہ میں مولانا امین الدینؒ کی جگہ پر آپ کو مدرسہ کا مہتمم مقرر فرمایا، اس کے بعد تقریباً چونتیس (۳۴) سال تک مسلسل آپ مدرسہ امینیہ کے منصب اہتمام پر فائز رہے، اور مدرسہ امینیہ کو علمی اعتبار سے اوج ثریا تک پہنچا دیا، آپ کے زمانے میں مدرسہ امینیہ دہلی ہی نہیں ملک کے ممتاز مدارس میں شمار کیا جاتا تھا (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام ج ۸ ص ۱۳۳۲)

مدرسہ عالیہ فتحپوری کا اہتمام: اسی طرح مدرسہ عالیہ فتحپوری مسجد دہلی کا اہتمام بھی حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کے حوالے کیا تھا، آپ کے عہد اہتمام میں مدرسہ عالیہ نے بہت ترقی کی، تعلیمی معیار اس قدر بلند ہوگیا تھا کہ مولوی فاضل کے امتحان میں اس مدرسہ کے طلبہ ہر سال اول نمبر حاصل کرتے تھے اور پنجاب یونیورسٹی کے تمغہ کے مستحق قرار پاتے تھے (ضمیمہ کفایت المفتی ج ۱ ص ۴)

ازواج واولاد: آپ کی پہلی شادی مدرسہ عین العلم کے زمانہ تدریس میں ہوئی تھی، اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے، لیکن دونوں بچپن ہی میں فوت ہوگئے، کچھ عرصہ بعد رفیقۂ حیات بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ پھر دوسرا عقد جناب شرف الدین صاحب کی صاحبزادی سے ہوا، ان سے سات اولاد ہوئی، جن میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں بقید حیات رہیں۔

وفات حسرت آیات: آپ کا سانحۂ وفات ۱۳؍ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱؍دسمبر ۱۹۵۲ء میں رات کو ساڑھے دس بجے پیش آیا، اور عمر بھر کا تھکا مارا مسافر ابدی نیند سوگیا۔ دوسرے دن تجہیز وتکفین عمل میں آئی، نماز جنازہ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ نے پڑھائی، جنازہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمی شریک ہوئے، مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جوار میں دفن ہوئے، مولانا احمد سعید اور صاحبزادۂ محترم مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے جسد مبارک کو لحد میں اتارا۔ اور مغرب کے وقت جب سورج ڈوب رہا تھا علم وفن کا یہ آفتاب بھی غروب ہو چکا تھا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

لوح مزار پر یہ مادۂ تاریخ آج بھی ثبت ہے: ''ہوگیا گل آہ دہلی کا چراغ'' (۱۳۷۲ھ)

تصانیف: مختلف علمی، درسی، فتویٰ نویسی، ملی اور سیاسی مصروفیات کے ہجوم میں آپ کو یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف کے مواقع کم میسر آئے، اس کے باوجود آپ نے کئی اہم کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، مثلاً:

☆ کفایت المفتی (آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ)

☆ تعلیم الاسلام (چار حصے، اب یہ چاروں حصے ایک ہی جلد میں شائع ہورہے ہیں) سوال وجواب کی شکل میں، بچوں کے لئے بے حد مفید کتاب ہے، ہر مدرسہ کے دینیات کے نصاب میں مفتی صاحب کی یہ کتاب لازمی طور پر شامل ہے، کوئی بچہ اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

☆ حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر ایک کتاب تحریر فرمائی تھی۔

☆ ایک رسالہ کا نام ہے ''مسلمانوں کے مذہبی وقومی اغراض کی حفاظت'' یہ رسالہ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔

☆ علاوہ رسائل وجرائد بالخصوص البرہان میں آپ نے بہت سے مضامین ومقالات لکھے۔

(ضمیمہ کفایت المفتی ج ۱ ص ۵)

۱۱- مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ ۱

۱۲- مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ ۲

۱- مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء (تقریباً) میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے، ''میر'' ان کی قوم ہے، تخلص نہیں ہے، شعر و شاعری سے ان کو کوئی نسبت نہ تھی، آپ کے والد ماجد قادر بخش صاحب شہر کے اہم اور معزز رئیس تھے، ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے، سیالکوٹ میں خاصی جائداد کے مالک تھے، شروع میں اسکول اور کالج کی تعلیم پائی، مگر ایف اے میں اس تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے ہمہ تن عربی و اسلامی تعلیم میں منہمک ہو گئے، سیالکوٹ میں مولانا غلام حسن صاحب سلفی مسلک کے عالم باعمل تھے، ان سے تعلیم حاصل کی، پھر استاذ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی سے حدیث پڑھی، اسی دوران میں والدہ نے خواہش ظاہر کی کہ رمضان آرہا ہے کیا ہی اچھا ہوتا اگر ابراہیم تراویح میں قرآن مجید سناتا، والدہ کی آرزو اور طبعی میلان کی بنا پر فوراً قرآن مجید یاد کرنا شروع کیا، اور حیرت انگیز طور پر صرف ایک ماہ میں یاد کرلیا، پھر دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ سے حدیث کی سند لی اور کچھ عرصے مدرسہ رحمانیہ دہلی میں مدرس بھی رہے، بعد از اں (۱۹۰۷ء سے قبل ہی) سیالکوٹ تشریف لے آئے۔

سلفی المسلک ہونے کی وجہ سے اکثر مقامی مبتدعین سے کشمکش رہتی تھی، اس لئے والد محترم نے بسہولت اپنی نماز وغیرہ ادا کرنے اور تعلیم و تدریس کے لئے علٰحدہ مسجد بنوادی جس میں آخر عمر تک شغل تدریس جاری رکھا، عوام کے لئے بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے تھے، علاوہ ازیں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ مل کر بھی اور علٰحدہ بھی مخالفین اسلام کے ساتھ بہت سے مناظرے کئے۔

شروع میں آپ سیاسی نظریات کے لحاظ سے جمعیۃ علماء ہند سے متفق رہے، لیکن بعد میں تحریک پاکستان کے زبردست حامی ہو گئے تھے۔

آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد اسی کے قریب ہے، جن میں سے شہادۃ القرآن (مسئلۂ حیات مسیح)، واضح البیان (تفسیر سورۂ فاتحہ)، تبصیر الرحمٰن (تین ابتدائی پاروں کی تفسیر) اور سیرۃ المصطفی انتہائی قابل قدر ہیں۔

آپ نے مختلف اوقات میں تین شادیاں کیں مگر اولاد سے محروم رہے۔ جب کہ دوسرے بھائی کثیر العیال تھے، دو ہی بھائی تھے۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں سیالکوٹ میں آپ کی وفات ہوئی، اور سیالکوٹ ہی میں دفن کئے گئے (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۰۵، ۱۰۶ بروایت جناب پروفیسر ساجد میر صاحب سیالکوٹ، و مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان)

۲- بلند پایہ مفسر اور سحر البیان خطیب تھے، اور اسی نسبت سے سحبان الہند کہلاتے تھے، آپ کی ولادت ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں کوچہ ناہر خان علاقہ دریا گنج دہلی میں ہوئی، والد ماجد کا اسم گرامی نواب مرزا تھا، وہ زینت المساجد میں امام تھے، اور مکتب بھی پڑھاتے تھے، آپ کے دادا خواجہ نواب علی دہلی کے ایک صوفی اور رخدارسیدہ بزرگ تھے، آپ کے مورث اعلیٰ اکبر بادشاہ کے زمانے میں عرب سے کشمیر میں آئے، پھر شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں یہ خاندان کشمیر سے آگرہ آیا، کچھ عرصے وہاں رہ کر دہلی میں منتقل ہوا، آپ کے آباء واجداد کو مغل دربار میں رسائی حاصل تھی، اور خواجہ زادہ مغل کا خطاب عطا ہوا تھا۔

ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمجید مصطفی آبادی سے حاصل کی، اور تکمیل حفظ قرآن کی دستار بندی مدرسہ حسینیہ بازار مٹیا محل دہلی میں ہوئی، مدرسہ حسینیہ میں مناظرہ کی بھی مشق کرائی جاتی تھی، آپ نے حفظ قرآن سے فارغ ہوتے ہی مناظرے کی بھی کچھ مشق شروع کر دی، اسی طرح مولانا ابراہیم واعظ دہلوی اور مولانا عبدالرحمٰن ناسخ کا وعظ سنتے سنتے زمانۂ حفظ قرآن سے ہی وعظ کہنے لگے۔

آپ کی عمر قریب بائیس برس کی ہوئی تو والد محترم کا انتقال ہو گیا، شادی اس سے پہلے ہو چکی تھی، والد کے انتقال سے گھر کا سارا بار آپ پر ہی آ گیا، ذریعۂ معاش یا تو تارکشی کا کام تھا یا وعظ کا نذرانہ، لیکن آپ نے تعلیم موقوف نہیں کی، عربی کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا قاری محمد یاسین صاحب سکندر آبادی ثم رائپوری سے پڑھیں، پھر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں مدرسہ امینیہ (سنہری مسجد) میں داخلہ لیا، اور ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فارغ التحصیل ہونے سے پہلے بھی آپ بطور معین مدرس مدرسہ میں پڑھاتے تھے، اور بعد میں کافی عرصے تک پڑھاتے رہے، پھر آپ نے کٹرہ مدو محلہ فراش خانے میں تقریباً چودہ (۱۴) برس تک ترجمۂ قرآن بیان فرمایا۔

آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز جمعیۃ علماء ہند کے قیام سے ہوا، جمعیۃ علماء ہند کے پہلے ناظم مقرر ہوئے، ۱۹۲۱ء میں آپ پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے، ۲۸ ستمبر ۱۹۲۲ء کو رہا ہوئے، تحریکات آزادی کے دور میں آپ کو آٹھ مرتبہ گرفتار کیا گیا، ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۲ء کی تحریک میں علی الترتیب دو مرتبہ آپ حضرت مفتی اعظمؒ کے ساتھ گجرات جیل میں اور ملتان جیل میں بھی رہے، آپ ۱۹۳۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی نظامت سے مستعفی ہو گئے۔←

۱۳- مولانا سید کمال الدینؒ

۱۴- مولانا محمد قدیر بخش بدایونیؒ ۱

۱۵- مولانا سید تاج محمود صاحب سندھیؒ ۲

← نہایت اعلیٰ درجہ کے خطیب اور شیریں بیان واعظ تھے، تین ساڑھے تین گھنٹے تک وعظ کہنا آپ کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، خاص دلی کی ٹیکسالی زبان میں آپ تقریر کرتے تھے۔۔

حضرت مفتی اعظم کی وفات کے بعد تقریباً ڈھائی سال تک آپ مدرسہ امینیہ کے اعزازی مہتمم رہے۔شرکت موتمر حجاز کے لئے آپ بھی ۱۹۲۶ء میں وفد جمعیۃ علماء کے ایک رکن کی حیثیت سے حضرت مفتی اعظم کے ساتھ حجاز تشریف لے گئے۔علم وفضل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وجاہت اورتن وتوش بھی عطا فرمایا تھا۔جوانی میں ہی مرض سل ہوگیا تھا، ڈاکٹروں نے تقریر سے منع کیا تھا، اس وقت لاؤڈ اسپیکر نہیں آیا تھا، بولنے میں قوت زیادہ صرف ہوتی تھی، مگر عمر بھر آپ تقریریں کرتے رہے۔مورخہ ۴/دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق ۳/جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ بروز جمعہ بعد نماز مغرب حرکت قلب بند ہوگئی، اور وہ بلبل ہزار داستان جس کی شیریں بیانی کا ڈنکا نصف صدی تک بجتا رہا، سات بج کر دس منٹ پر خاموش ہوگیا دوسرے دن ہفتہ کو مہرولی میں حضرت مفتی اعظم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑیں، مثلاً: خدا کی باتیں، تقریر سیرت، جنت کی کنجی، دوزخ کا کھٹکا وغیرہ۔لیکن سب سے اہم آپ کی اردو تفسیر قرآن ہے، آپ نے ایک اہلیہ چار فرزند اور چار صاحبزادیاں چھوڑیں (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۰۷ تا ۱۱۰ بحوالہ "مفتی اعظم کی یاد")

۱- ایک مستند عالم دین تھے، آپ کے والد ماجد مولانا عبدالقادر بدایونی سے بیعت تھے، مولانا محمد قدیر بخش مولانا عبدالمقتدر کے مخصوص تلمیذ اور مرید تھے، بدایوں میں درس وتدریس میں مشغول رہے، آخر عمر میں مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور میں صدر مدرس رہے، تقسیم کے بعد کراچی چلے گئے، جہاں کچھ عرصے بعد تقریباً ستر (۷۰) برس کی عمر میں انتقال فرمایا (جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۱ بروایت مولانا خواجہ غلام نظام الدین صاحب بدایونی)

۲- حضرت مولانا تاج محمود ابوالحسن موضع امروہٹ (سندھ) کے ایک متبحر فاضل ولی کامل اور ہزاروں انسانوں کے تکیہ گاہ تھے، خانوادہ سادات سے تعلق رکھتے تھے، ان کا شجرہ نسب شیخ عبدالقادر جیلانی کے چوتھے فرزند سید محمد رضا سے ملتا ہے، مولانا امروٹی کے والد گرامی کا نام سید عبدالقادر عرف بھورل شاہ تھا۔آپ کی ولادت باسعادت سندھ کے ضلع خیر پور کے شہر پریالو کے نزدیک ایک چھوٹے سے گاؤں دیوانی میں ہوئی۔ان کی تاریخ ولادت کا تعین نہیں ہوسکا۔البتہ کچھ روایات کے مطابق ان کی ولادت سن ۱۸۵۷ یا ۱۸۵۸ء (۱۲۷۳ھ یا ۱۲۷۴ھ) میں ہوئی تھی، مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے سندھ اور پنجاب کے مشاہیر علما سے کسب فیض کیا اور عالمانہ اسناد حاصل کیں۔

درسی کتب سے فراغت کے بعد اپنے والد سے سلوک کی راہ ورسم حاصل کرنے لگے، مگر ان کی وفات کے بعد اس دور کے قطب الاقطاب حافظ محمد صدیق بھرچونڈی کی خدمت میں حاضر ہوکر اکتساب فیض کیا، حافظ صاحب جنید وقت تھے، وہ تو راشدی قادری طریقت کے شیخ تھے حافظ صاحب کی وفات ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ان کی وفات کے بعد مولانا تاج محمود بھرچونڈی سے منتقل ہوکر سکھر سندھ کے چھوٹے سے گاؤں، امروٹ، میں مقیم ہوکر طالبان کو اپنے روحانی فیوض سے سیراب کرتے رہے۔مولانا امروٹی کے خلفاء میں مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا عبدالعزیز صاحب تھریچانوی، مولانا میاں محمد صالح بانجی والے اور مولانا حماد اللہ ھالیجوی شریف والے نہایت مشہور بزرگ گزرے ہیں جن کا فیض سندھ اور پنجاب تک پھیلا ہوا ہے۔امروٹی کے دور میں سندھ میں ہندو نہایت مالدار اور تعلیم یافتہ طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔اس لیے آپ نے سندھ کے ہندوؤں میں تبلیغ دین کے کام کو منظم کیا، اس سلسلے میں انہوں نے قرآن مجید کا صرف سندھی ترجمہ الگ سے شائع کروایا، تاکہ وہ غیر مسلمانوں کو آسانی کے ساتھ مطالعہ کے لیے دیا جاسکے تحریک آزادی میں کام کرنے والے ہندو کارکن بھی اس آزادی کے مرکز، امروٹ شریف آتے رہتے تھے اور ان میں کافی تعلیم یافتہ لوگ حضرت کی تبلیغ اور اخلاق سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے جن کی تعداد بعض روایات میں ۷۰۰۰ تک بتائی گئی ہے۔آپ کے ہزاروں ہزار مریدین ومتوسلین تھے، زبردست روحانی طاقت کے مالک تھے، عجیب وغریب تصرفات آپ کی جانب منسوب ہیں، بڑے صاحب کرامات تھے، ہندوستان کی صف اول کے رہنماؤں میں تھے، حضرت شیخ الہندؒ کئی مرتبہ مرحوم کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، اور وہیں بیٹھ کر بہت سے ٹھوس کام انجام دیئے۔←

۱۶ ـ مولانا محمد ابراہیم دربھنگویؒ [1]

۱۷ ـ مولانا خدا بخش مظفر پوریؒ [2]

← مرحوم کی متعدد تصنیفات کے علاوہ ہندی زبان میں ترجمۂ قرآن بھی ہے، جو کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔صوبہ سندھ میں کئی مساجد کا تحفظ آپ کی کوششوں کی مرہون منت ہے،غرض وہ ہندوستان کے چشم و چراغ تھے حکومت نے ایک بار پیر صاحب کو شبہ کی بنیاد پر گرفتار کیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا، آپ نے تحریک خلافت، تحریک جمعیۃ اور مختلف ملی تحریکات کی قیادت فرمائی، اس دور کی کوئی تحریک آپ سے بے نیاز ہو کر آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، افسوس آج کی نسل اتنی عظیم شخصیت کو رفتہ رفتہ بھولتی جارہی ہے، آپ پر جلال کا غلبہ تھا، کسی بدبخت نے آپ کو زہر دے دیا تھا اسی کے اثر سے آپ کی وفات ۵ رنومبر ۱۹۲۹ء (۳ر جمادی الثانیۃ ۱۳۴۸ھ) کو ہوئی، آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ایک بچہ حسن شاہ عین عنفوان شباب میں فوت ہو گیا تھا، (آزاد دائرۃ المعارف و یکی پیڈیا بحوالہ مضمون تاج الاولیا حضرت تاج محمود امروٹی، ☆ تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ ص ۶۳ مؤلفہ مولانا اسیر ادروی ☆ جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۱، ۱۱۲ بحوالہ سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۳ رنومبر ۱۹۲۹ء)

۱ ـ محلہ دمدمہ دربھنگہ کے رہنے والے تھے، انصاری برادری سے تعلق تھا، آپ کے والد منشی ظہور الدین صاحب شہر کے ممتاز تاجروں میں تھے، آپ کی ولادت ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۱ء) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر ہی پر مولوی محمد نبی بخش سے حاصل کی، جو فارسی کے اچھے اور ممتاز اساتذہ میں سے تھے، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہو کر علوم عربیہ کی تکمیل کی، حدیث کی کتابیں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ سے پڑھیں، جو اس زمانے (۱۳۲۷ھ اور ۱۳۲۸ھ م ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء تقریباً) میں وہاں صدر مدرس تھے، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں، ابتداہی سے منطق کے ذوق کا غلبہ تھا، فراغت کے بعد اس کی تکمیل کے لئے ٹونک تشریف لے گئے، ملت اسلامیہ کی صلاح و فلاح اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، بہار کے دورہ میں علی برادران کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، خلافت اور انگورہ کی تحریک میں دربھنگہ اور بہار کے دوسرے مقامات میں بیش بہا خدمات انجام دیں، دربھنگہ میونسپل بورڈ کے کمشنر اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے شہر و مضافات میں بہت سے اصلاحی کام انجام دیئے، حضرت مولانا محمد سجادؒ کی معیت و شرکت میں صوبہ بہار میں بالعموم اور دربھنگہ میں بالخصوص جمعیۃ علماء اور کانگریس کے لئے کام کرتے رہے، دربھنگہ کی سیاسی سرگرمی آپ کے دم سے قائم تھی۔

آخر عمر تک یتیم خانہ انجمن اسلامیہ دربھنگہ کے مہتمم رہے، یہ یتیم خانہ پہلے مدرسہ امدادیہ ہی کے اندر تھا مولانا ابراہیم صاحب ہی نے یتیم خانہ کو علحدہ کر کے مدرسہ کے پچھم کی طرف مستقل عمارت کی تعمیر کی، اور اس کو مستقل مدرسہ کی شکل دے دی، اور اس کو بڑی ترقی دی، ۔آپ کی وفات عین عالم جوانی میں ۲۴ رمحرم الحرام ۱۳۲۴ھ مطابق ۲۰ رمارچ ۱۹۰۶ء کو وطن مالوف میں ہوئی، پسماندگان میں دولڑکے اور ایک لڑکی چھوڑے (جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۲ تا ۱۱۴ بروایت مولوی صغیر احمد صاحب داماد مولانا ابراہیم صاحبؒ محلہ مہراج گنج دربھنگہ و حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ)

۲ ـ اسم گرامی: خدا بخش، والد کا نام: محمد حسن، مظفر پور محلہ اسلام پورہ کے باشندے تھے، سن پیدائش ۱۸۶۹ء م ۱۲۸۵ھ ہے، سن وفات ۱۹۳۶ء م ۱۳۵۵ھ ہے، رائن برادری سے تعلق تھا، ابتدائی سے لے کر متوسطات تک کی تعلیم جامع العلوم مظفر پور میں حاصل کی، اور اسی زمانہ میں حضرت مولانا نصرؔ کے حلقۂ تعلیم و تربیت میں داخل ہوئے، ان کے خاندان میں پہلے سے علم دین بالکل نہیں تھا، تھوڑی بہت ہندی اور انگریزی تعلیم ضرور تھی، ان کے بڑے بھائی منشی رحیم بخش ڈاک خانہ کے پوسٹ ماسٹر تھے، غالباً اسی لئے بڑی عمر میں جا کر انہوں نے تعلیم شروع کی، حضرت نصرؔ نے ان کی سرپرستی قبول فرمائی، مظفر پور کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے کانپور تشریف لے گئے، یہاں سے بھی حضرت نصرؔ سے مراسلت جاری رکھی، کانپور کے بعد دیوبند میں داخل ہوئے، اور شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ م نومبر ۱۹۰۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، مسلکاً حنفی المذہب تھے، عقیدہ بہت پختہ تھا، مزاج میں تھوڑی سختی تھی، آپ نے مظفر پور میں فیض عام کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا، مدرسے کے سلسلے میں اکثر رنگون اور کلکتہ وغیرہ کا سفر کرتے تھے، مدرسہ تقریباً بیس سال جاری رہا اور مولانا کی وفات کے بعد بند ہو گیا، آپ نے دو شادیاں کیں، مگر کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی، پہلی بیوی سے ایک لڑکی اور دوسری سے دو لڑکیاں ہوئیں، بڑی لڑکی کی شادی جناب محمد اسمٰعیل صاحب محلہ اسلام پور سے ہوئی، باقی دو لڑکیوں کی شادیاں مولانا کے انتقال کے بعد ہوئیں۔←

۱۸- مولانا مولیٰ بخش امرتسریؒ

۱۹- مولانا عبدالحکیم گیاویؒ [1]

۲۰- مولانا محمد اکرام خان کلکتویؒ [2]

۲۱- مولانا منیر الزماں اسلام آبادیؒ

← مولانا کے بڑے داماد جناب اسمٰعیل صاحب کا بیان ہے کہ مولانا ریاض احمد بتیاویؒ فرماتے تھے کہ:

''مولانا خدا بخشؒ میرے ساتھیوں میں تھے، اور مولانا عبدالشکور آہؒ مظفر پوریؒ سابق صدر مدرس مدرسہ جامع العلوم مظفر پور بعدہ مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ اور مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ بھی مولانا کے معاصر و رفیق تھے۔''

جمعیۃ علماء ہند کے قیام میں آپ نے بنیادی رول ادا کیا تھا، آپ جمعیۃ علماء ہند کے اولین قائدین اور بانیوں میں تھے۔

(جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ، مؤلفہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی ص ۱۱۴، ۱۱۵ وتذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۳۱ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی)

۱ - مولانا عبدالحکیم اوگانوی ضلع پٹنہ کے ایک مشہور گاؤں ''اوگانواں'' کے رہنے والے تھے، نسباً شیخ صدیقی اور مسلکاً حنفی تھے، والد ماجد کا نام مولوی کریم بخش تھا، ولادت موضع شکرانوں ضلع پٹنہ میں ماہ ربیع الآخر ۱۳۰۳ھ رجنوری ۱۸۸۶ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد تحصیل علم کے لئے موضع گیلانی تشریف لے گئے، اور وہیں حفظ قرآن کی دولت حاصل کی، پھر مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، معقول و منقول کی تمام اونچی کتابیں حضرت مولانا ہی سے پڑھیں، اور سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ نصرۃ الاسلام الٰہ آباد میں مدرس ہو گئے۔

آپ کی شادی موضع ''اوگانواں'' ضلع پٹنہ میں جو آپ کے مولد سے دو میل کے فاصلے پر ہے، مولوی وزیر الدین صاحب کی دختر نیک اختر سے ہوئی، اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

۱۳۲۹ھ میں جب مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے محسوس کیا کہ صوبہ بہار میں ایک دینی درسگاہ کی ضرورت ہے، اور مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد کی مدرسی ترک فرما کر گیا تشریف لائے، تو مولانا عبدالحکیم بھی مدرسہ نصرت الاسلام سے مستعفی ہو کر ان کے ہمراہ چلے آئے، اور حضرت الاستاذ کے ساتھ قیام مدرسہ اور دیگر امور میں ہمیشہ دست راست بنے رہے۔

درس نظامی کے جید الاستعداد استاذ تھے، تقریر وتحریر کا بھی خاصا ذوق تھا، نہایت سلجھی اور مرتب تقریر کرتے تھے، تحریر بھی نہایت شگفتہ اور رواں لکھتے تھے، انہی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے قائم کردہ مدرسے ''انوار العلوم'' گیا میں ان کو پہلے مدرس بنایا، پھر ان کی انتظامی صلاحیت اور اپنی مصروفیت کی بنا پر مدرسے کا اہتمام بھی ان کے سپرد کر دیا، اور خود نگراں رہے۔ اور بھی مختلف جگہوں پر اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے۔

زندگی بھر جمعیۃ علماء ہند کے رکن رہے، مدتوں جمعیۃ علماء بہار کے نائب ناظم رہے۔

ان کا انتقال حضرت مولانا سجاد کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۹ راپریل ۱۹۴۱ء کو بمقام اوگانواں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، پسماندگان میں ایک اہلیہ محترمہ، دو فرزند اور ایک صاحبزادی چھوڑی، آپ کے اہل وعیال پاکستان منتقل ہو گئے تھے (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۵ تا ۱۱۸ بحوالہ مولانا مقصود عالم صاحب شاگرد مولانا عبدالحکیم صاحب ساکن نادرہ گنج گیا، بتوسط مولوی اصغر حسین صاحب مولانا اسٹور بزازہ روڈ شہر گیا)

۲ -مولانا محمد اکرم خان اپنے وقت کے نہایت ممتاز صحافی تھے، کلکتہ سے دو اخبار نکالتے تھے، اخبار محمدی بزبان بنگلہ، اور اخبار زمانہ بزبان اردو۔ تقسیم کے موقعہ پر وہ مشرقی پاکستان منتقل ہو گئے تھے (جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۸ بروایت مولانا محمد عثمان غنی صاحب) باقی حالات کا علم نہ ہو سکا۔

۲۲- مولانا مفتی محمد صادق صاحب کراچویؒ [1]

۲۳- مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنویؒ [2]

۲۴- مولانا سید محمد اسماعیل صاحب غزنویؒ [3]

۱- مفتی محمد صادق صاحب کی ولادت محلہ کھڈہ کراچی میں ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں ہوئی، اور وفات ۶ رشوال المکرم ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۸ رجون ۱۹۵۳ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد مولانا عبداللہ بن عبدالکریم کراچی کے ایک با اثر اور خدا ترس بزرگ تھے، انہوں نے محلہ کھڈہ میں درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا، اور کراچی کی مشہور دینی درسگاہ مظہر العلوم ۱۳۰۲ھ ر ۱۸۸۵ء میں جاری کی جس کو آگے چل کر حضرت مولانا محمد صادق صاحب نے زبردست ترقی دی۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، مزید تعلیم کے لئے مولانا مولوی احمد الدین چکوالی صاحب مقرر ہوئے، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، اور حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ کے پاس تکمیل تعلیم کی، اور ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم سے وابستہ ہوگئے ، حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال کے آٹھ ہیڈکوارٹروں میں سے ایک کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی، جب ترکوں کے خلاف انگریزی فوج کی کمک کے لئے کیپٹن ٹاؤن شنڈ کی کمان میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) ہندوستانی فوج بلوچستان کے راستے روانہ ہوئی، تو مولانا موصوف کے فتوے اور اشارے پر مینگل قبائل نے بغاوت کردی، اس جرم میں مولانا کو ۱۳۳۴ھ ر ۱۹۱۴ء میں گرفتار کرلیا گیا، اور تقریباً تین سال بمبئی کے قریب ایک مقام "کاروار" میں نظر بند رہے۔

آپ نے کراچی میں جمعیۃ علماء ہند کی شاخ جمعیۃ علماء کراچی قائم کی، اور اس کے صدر رہے، نیز جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن تھے، آپ نے شدھی سنگھٹن تحریک کے مقابلے کے لئے کراچی میں ایک تبلیغی مرکز قائم کیا، جہاں سیکڑوں غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جب ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں جمعیۃ الانصار دیوبند قائم ہوئی تو مولانا عبیداللہ سندھی کے سرگرم رفیق کار مولانا محمد صادق اور مولانا احمد علی تھے، آل مسلم پارٹیز کانفرنس منعقدہ ۱۶، ۱۷ ر ستمبر ۱۹۴۵ء نے ایک آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنایا تھا، اس کے ۲۳ ممبروں میں سے ایک ممبر مولانا موصوف بھی تھے۔ قیام پاکستان سے قبل ضلع حیدرآباد سندھ کے ایک قصبہ لواری میں وہاں کے گمراہ پیروں نے ایک مکروہ رسم کی بناڈالی تھی یعنی ۹ رذی الحجہ کو وہاں حج کے مناسک ادا کرتے تھے اور اس میں شریک ہونے والوں کو حاجی کہاجاتا تھا، مولانا مرحوم نے اس مصنوعی حج کے خلاف زبردست جہاد کیا، اور اس کے رد میں ایک رسالہ بھی لکھا، جس کا نام "کلمۃ الحق" ہے، بالآخر حکومت سندھ نے اس اجتماع پر مستقل پابندی عائد کردی۔

آپ نے تین نکاح کئے، پہلی سے ایک صاحبزادہ، دوسری سے نو (۹) لڑکیاں اور تیسری سے دولڑکے اور پانچ (۵) لڑکیاں پیدا ہوئیں (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۹ تا ۱۲۱ بروایت مولانا حافظ محمد اسمٰعیل صاحبزادۂ محترم مولانا مرحوم)

۲- مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کے والد ماجد کا نام مولوی عبدالجبار غزنوی اور دادا کا نام مولوی سید عبداللہ غزنوی ہے، امرتسر کے باشندہ تھے، آپ کے دادا مولانا سید عبداللہ علمائے اہل حدیث میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور صاحب کرامات بزرگ تھے، آپ کا خاندان سادات ہے، آباء واجداد غزنی سے امرتسر آکر آباد ہوگئے تھے، اس لئے غزنوی کہلاتے تھے، دادا محترم نے لاہور میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا تھا، اس میں تاحیات خدمت انجام دی، دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہوئی، مولانا کا انتقال غالباً دسمبر ۱۹۶۳ء میں ہوا (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۲۲ بروایت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر جماعت اہل حدیث مغربی پاکستان گوجرانوالا)

۳- آپ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کے چچازاد بھائی تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے: مولوی اسمٰعیل ولد مولوی عبدالماجد ولد مولوی عبداللہ غزنوی، آپ امرتسر سے لاہور چلے گئے تھے، ۱۹۴۷ء کے بعد سیاسیات سے الگ ہوگئے تھے، حکومت حجاز سے آخر تک تعلق رہا، آپ کی دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہوئی، انتقال غالباً ۱۹۶۲ء میں ہوا، (جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۱۲۲ بروایت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب امیر جماعت اہل حدیث مغربی پاکستان گوجرانوالا)

۲۵- مولانا آزاد سبحانیؒ

۲۶- مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ [۱]

مجلس تاسیس میں حضرت مولانا محمد سجادؒ کی شرکت کا معاملہ

یہ فہرست (حضرت مولانا محمد سجادؒ کا استثناء کر کے) سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی مرتب کردہ رپورٹ 'مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علمائے ہند' سے لی گئی ہے، مولانا شاہ محمد عثمانیؒ کی کتاب 'حسن حیات' اور مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلویؒ خلف الرشید حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی کتاب ''جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ'' میں بھی یہ فہرست اسی طرح موجود ہے، اور ان حضرات نے بھی یہ فہرست مولانا احمد سعید دہلویؒ کی مذکورہ بالا کتاب ہی سے لی ہے۔ [۲]

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس رپورٹ میں شرکاء کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کا نام موجود نہیں ہے، اور اسی بنا پر یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا سجاد صاحبؒ اس اجلاس میں شریک نہیں تھے، جیسا کہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف لکھتے ہیں کہ:

> ''مختصر حالات انعقاد میں جن علماء کرام کی موجودگی ظاہر کی گئی ہے ان کی تعداد پچیس ہے لیکن ان کے علاوہ دو حضرات ایسے بھی ہیں جن سے ہم کسی طرح صرف نظر نہیں کر سکتے، ایک مولوی مظہر الدین ایڈیٹر الامان، دوسرے حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد قدس سرہ (نائب امیر الشریعۃ صوبہ بہار)
>
> حضرت مولانا محمد سجاد صاحب قدس سرہ المتوفی ۱۸؍شوال المکرم ۱۳۵۹ھ بمقام پھلواری شریف گرچہ اس موقعہ پر دہلی تشریف نہیں لا سکے مولانا عبدالحکیم گیاوی جو ان کے خاص شاگرد اور معتمد رفیق کار تھے، ان کے نمائندے اور قائم مقام کی حیثیت سے خلافت کانفرنس کی شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے تھے اور جمعیۃ کی تاسیس والے اجتماع میں بھی شریک ہوئے تھے لیکن ابتدائی تخیل میں مولانا سجادؒ کا عظیم الشان کردار ہے۔'' [۳]

۱- مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند ص ۵ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ناظم اول جمعیۃ علماء ہند، محبوب المطابع دہلی ☆ حسن حیات ص ۸۴ مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ ☆ جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۴۴ مرتبہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف ☆ حیات سجاد ص ۱۰۱ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ۔ البتہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ آخر الذکر حیات سجاد کے علاوہ اول الذکر تینوں کتابوں میں شرکاء کی فہرست میں حضرت مولانا سجادؒ کا نام مذکور نہیں ہے، بلکہ صرف آپ کے نمائندہ اور تلمیذ مولانا عبدالحکیم کا نام ذکر کیا گیا ہے، جب کہ خود مولانا احمد سعید دہلویؒ (مرتب حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند) نے ہی حیات سجاد میں اپنے مضمون میں مولانا سجاد کی شرکت کا تذکرہ کیا ہے، اس لئے دونوں قسم کے تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے اس فہرست میں مولانا سجاد کا نام بھی شامل کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

۲- جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۴۵ مرتبہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصف

۳- جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۶۹، ۷۰۔

مولانا حفیظ الرحمٰن واصف صاحب ایک دوسری جگہ اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۱۹ء میں جب علماء کے اجتماع بمقام دہلی کا منصوبہ طے پایا، تو حضرت مولانا سجاد صاحب بہار کے سیاسی معاملات میں ایسے الجھے ہوئے تھے، کہ ایک دن کے لئے بھی باہر نہیں جاسکتے تھے مجبوراً اپنی جگہ پر مولانا عبدالحکیم صاحب کو اپنا پیام اور مشورہ دے کر بھیجا اس کے بعد آخری دم تک جمعیۃ علماء ہند کے ہر اہم معاملے میں حضرت مولانا خود شریک ہوتے رہے۔''[1]

مولانا واصف صاحبؒ نے اس کی تائید میں سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی صاحبؒ کا ایک بیان بھی نقل کیا ہے کہ:

''دہلی میں اس وقت خلافت کانفرنس کی شرکت کے لئے اگرچہ بہت علماء آئے تھے مگر ہماری میٹنگ میں صرف اتنے ہی علماء شریک ہوئے، جتنے رپورٹ مطبوعہ میں درج ہیں۔''[2]

حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کی شہادت

لیکن حضرت سحبان الہندؒ کا یہ بیان خود انہی کے ایک مضمون سے جس کا ذکر اوپر 'حیات سجاد' کے حوالے سے آیا ہے، شک کے دائرہ میں آجاتا ہے، یہ مضمون انہوں نے حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی وفات پر تحریر فرمایا تھا جس میں انہوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ اسی خلافت کانفرنس میں حضرت مولانا سجادؒ سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے بلکہ جمعیۃ کی اس تاسیسی نشست میں حضرت مولاناؒ کی تقریر اور اس کی اثر انگیزی کا بھی حوالہ دیا ہے، کہ کوئی آنکھ اور کوئی دل نہیں تھا جس نے اس تقریر کا اثر قبول نہ کیا ہو، اور غالباً اسی لئے یہ ملاقات ان کے لئے ناقابل فراموش بن گئی تھی، مولانا احمد سعید صاحبؒ رقمطراز ہیں کہ:

''مولانا مرحوم سے سب سے پہلی ملاقات جہاں تک مجھے یاد ہے، خلافت کانفرنس میں ہوئی یہ خلافت کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی اسی خلافت کانفرنس میں بعض اہل علم نے یہ مشورہ کیا کہ ہندوستان کے علماء کی تنظیم ہونی چاہئے۔ ۔ چنانچہ علماء کی ایک مختصر اور مخصوص جماعت کا خفیہ اجتماع دہلی کے مشہور بزرگ سید حسن رسول نماؒ کی درگاہ پر منعقد ہوا اس میں تمام حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے اس جلسہ میں ایک مختصر تقریر فرمائی تھی، اس تقریر کا ایک ایک لفظ مولاناؒ کے جذبات ایمان کا ترجمان تھا، حاضرین کی تعداد اگرچہ دس

۱- جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۱۱۶۔
۲- حسن حیات ص ۵۰۔

بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی لیکن کوئی آنکھ اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے اثر قبول نہ کیا ہو۔" [1]

اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے پہلے اجلاس امرتسر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس کا پہلا جلسہ امرتسر میں خلافت کانفرنس کے ساتھ منعقد ہوا۔ جمعیۃ کے اس پہلے اجلاس میں بھی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم شریک ہوئے اور انہوں نے اپنے خیالات کا پھر اعادہ فرمایا۔" [2]

بلاشبہ مولانا احمد سعید دہلویؒ کو مولانا سجادؒ کے ساتھ جو گہری وابستگی تھی اور اس دن کی لذت تقریر کا جس انداز میں انہوں نے ذکر کیا ہے اس کے پیش نظر کم امکان ہے کہ اس بیان میں مولاناؒ سے سہو ہوا ہو، اسی مضمون میں مولانا احمد سعید صاحبؒ حضرت مولانا سجادؒ سے اپنی بے پناہ عقیدت و محبت اور وسیع تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا محمد سجاد مرحوم سے جیسا کہ میں نے عرض کیا، ۱۹۲۰ء سے میرے تعلقات وسیع ہوئے اور ان تعلقات نے اتنی محبت اور وسعت پیدا کر لی، کہ بلا شبہ اگر ان تعلقات کو باپ بیٹے کے تعلقات سمجھا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، مولاناؒ مجھ سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے تھے اور میں بھی ان کی عزت اور ان کا احترام باپ کی طرح کرتا تھا، اور بعض جلسوں میں میں نے ان کی موجودگی میں ان تعلقات کا اظہار بھی کیا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے خدام میں مجھ سے زیادہ کوئی ان کا راز دار نہ ہوگا، سفر و حضر میں مولانا سے صدہا بار تبادلۂ خیالات کا موقعہ میسر آیا ہے۔" [3]

☆ اس کانفرنس میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے شریک نہ ہونے کی بات اس لئے بھی غلط معلوم ہوتی ہے کہ یہ پہلی خلافت کانفرنس تھی، جس میں ہر صوبہ کے ذمہ دار شریک ہوئے تھے، اور تحریک خلافت کی بناء و قیام میں حضرت مولانا سجادؒ کا جو بنیادی کردار رہا ہے، وہ صوبہ کے ذمہ دار بھی تھے، اس کے پیش نظر ناممکن ہے کہ وہ اس اہم ترین بنیادی مجلس سے غیر حاضر رہے ہوں۔

☆ جہاں تک مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ کے اس خیال کا تعلق ہے کہ "حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بہار کے سیاسی معاملات میں اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ خود تشریف نہ لا سکے" ۔ بظاہر اس خیال میں کوئی معنویت نظر نہیں آتی کیونکہ اس وقت تک بہار میں نہ امارت شرعیہ قائم ہوئی تھی اور نہ مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی، ان دنوں مولانا کی تمام تر مصروفیات تحریک خلافت یا انجمن علماء بہار کے

۱- حیات سجاد ص ۱۰۱ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ۔
۲- حیات سجاد ص ۱۰۱ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ۔
۳- حیات سجاد ص ۱۰۳ مضمون مولانا حافظ احمد سعید دہلویؒ۔

گردمرکوز تھیں، ان کی ساری توانائی انہی کی ترقی وتوسیع کے لئے صرف ہورہی تھی، اس لئے یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں کہ دہلی میں انہی دونوں (خلافت کانفرنس اور مجلس تاسیس جمعیۃ) کے مرکزی پروگرام ہوں اور آپ ان میں شریک نہ ہوں۔

رپورٹ 'مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند' پر ایک نظر

جہاں تک اس مطبوعہ رپورٹ کی بات ہے جو مولانا احمد سعید دہلویؒ ہی کے قلم سے 'مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند' کے نام سے جمعیۃ علماء کے ابتدائی دنوں میں شائع ہوئی تھی، تو امکان ہے کہ نام کے اندراج میں سہو ہوا ہو، اس لئے کہ ساری کاروائی خفیہ اور زبانی تھی، یہاں تک کہ دعوت نامہ بھی تحریری نہیں تھا، مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ نے خود حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ:

> "یہ سب کاروائی زبانی اور پرائیوٹ تھی کوئی تحریری دعوت نامہ نہیں تھا۔ اس عہد و پیمان میں کون کون حضرات شریک تھے اب سب کے نام یاد نہیں ہیں ہاں مولانا عبدالباری، مولانا منیر الزماں، مولانا آزاد سبحانی کی موجودگی تو یاد ہے، احتیاط اس قدر مدنظر تھی کہ کسی صاحب نے اثنائے گفتگو میں انگریزوں کے خلاف کوئی بات کہی تو مولانا ثناء اللہ نے فرمایا، بھئی ذرا آہستہ بولئے "دیوار ہم گوش دارد"۔"[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پہلی میٹنگ کا کوئی تحریری ریکارڈ تیار ہی نہیں کیا گیا تھا، اور مذکورہ بالا مطبوعہ رپورٹ محض حافظہ کی بنیاد پر بعد میں تیار کی گئی تھی، اس لئے سہو ونسیان کا پورا امکان موجود ہے، اور وہ بھی جب کہ اکثر غیر شناشا چہروں سے سامنا ہو، تو نسیان کا اندیشہ زیادہ ہوجاتا ہے۔

☆ اس رپورٹ کا نقص اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے پہلے اجلاس امرتسر کے شرکاء کی جو فہرست اس میں دی گئی ہے اس میں بھی حضرت مولانا سجادؒ کا نام موجود نہیں ہے، حالانکہ اسی رپورٹ میں جمعیۃ علماء ہند کی پہلی مجلس منتظمہ کی فہرست میں صوبہ بہار کی طرف سے حضرت مولانا سجاد کا اسم گرامی شامل کیا گیا ہے، حیرت کی بات ہے کہ جو شخص نہ پہلی مجلس تاسیس میں شریک ہوا اور نہ جمعیۃ کے اجلاس اول میں موجود ہو، مگر اس کا نام جمعیۃ کی سب سے پہلی، بنیادی اور اہم ترین مرکزی مجلس منتظمہ میں شامل کرلیا جائے؟

یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ رپورٹ نقص اور سہو سے پاک نہیں ہے۔

۱- جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۵۰۔

☆ اس رپورٹ کے نقص کا ایک اور مظہر یہ ہے کہ اس میں شرکاء اجلاس امرتسر (بتاریخ ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء جلسۂ اول) کی جو فہرست 'اسماء حاضرین' کے عنوان سے دی گئی ہے اس میں خود حضرت مولانا احمد سعید دہلوی کے ہم وطن حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب جیسی مشہور زمانہ شخصیت کا نام بھی شامل نہیں ہے[1]۔ جب کہ حکیم صاحب امرتسر میں موجود تھے اور آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت بھی کی تھی [2]۔ اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں بھی شریک رہے، اور ان کو حلقہ دہلی سے پہلی مجلس منتظمہ کا رکن منتخب کیا گیا، خود اسی رپورٹ میں آگے جلسہ کی کاروائی کی تفصیل کے ضمن میں شق نمبر ۹ کے تحت لکھا گیا ہے:

> ''مولانا محمد کفایت اللہ صاحب نے اغراض و مقاصد کا اجمالی خاکہ پیش کیا، اس کے بعد جناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب جلسے میں تشریف لائے اور آپ نے انعقاد جمعیۃ سے اپنا دلی اتفاق ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں جمعیۃ علماء کے انعقاد سے بہت خوش ہوا ہوں۔ (مغرب کے وقت یہ جلسہ ختم ہوا)'' [3]

یہاں یہ تاویل درست نہ ہوگی کہ حکیم صاحب دیر سے تشریف لائے تھے، اس لئے کہ حکیم صاحب اس دن کے جلسہ کی کاروائی میں شریک رہے، اور یہ رپورٹ تو بعد میں شائع ہوئی، اسماء حاضرین کی فہرست میں حکیم صاحب کا نام اندراج سے رہ جانا یقیناً اس رپورٹ کا ایک نقص ہے جس کو سہو اور تسامح ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

☆ نیز مرتب رپورٹ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ جب خود وضاحت کے ساتھ دہلی اور امرتسر دونوں جگہوں پر حضرت مولانا سجادؒ کی شرکت کا اعتراف کرتے ہیں، بلکہ آپ کی تقریروں کے حوالے بھی دیتے ہیں، تو پچھلی رپورٹ کی غلطی خود اس کے مرتب ہی کے قلم سے ثابت ہو جاتی ہے، اور چونکہ حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ کا مضمون تاریخی لحاظ سے اس رپورٹ سے متاخر ہے اس لئے اصول کے مطابق یہ اس رپورٹ میں یک گونہ اضافہ اور سابقہ غلطی کی اصلاح تصور کی جائے گی۔

☆ علاوہ اصول تاریخ و روایت کے مطابق کسی شے کا ذکر اور اثبات اس کے بارے میں سکوت پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کہ سکوت میں جس طرح عدم کا احتمال ہے اسی طرح یہ بھی شبہ ہے کہ اندراج سے رہ گیا ہو، عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا، جب کہ اثبات میں اس طرح کا کوئی

۱۔ مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند ص ۶۔
۲۔ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷۔
۳۔ مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند ص ۱۰، ۱۱۔

شبہ نہیں ہوتا۔ گو کہ حضرت مولانا سجادؒ جیسی اہم ترین شخصیت کا نام اندراج سے رہ جانا بجائے خود حیرت انگیز امر ہے، لیکن بہر حال کہیں نہ کہیں حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے قلم سے سہو ضرور ہوا ہے، لیکن عام اصول ردوقبول اور دیگر تاریخی شواہد کے مطابق وجود کو عدم پر اور ذکر کو عدم ذکر پر ترجیح دی جائے گی۔

جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل اور عہدیداران کا انتخاب

بہر حال اسی اجتماع میں جمعیۃ علماء ہند کی تشکیل عمل میں آئی اور عہدیداران کا بھی عارضی انتخاب ہوا، جمعیۃ کا صدر دفتر مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا کمرہ مقرر کیا گیا، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ عارضی صدر اور حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ عارضی ناظم بنائے گئے، جمعیۃ کی دستور سازی کا کام مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا محمد اکرام خان کلکتہ کے سپرد کیا گیا، اور جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا سید محمد داؤد صاحبان کی دعوت پر اسی سال دسمبر کے مہینے میں بمقام امرتسر کرنا منظور کیا گیا جس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلیؒ کا اسم گرامی تجویز کیا گیا، اور جمعیۃ کے دستور اساسی کا مسودہ تیار کرنے کی ذمہ داری مولانا محمد اکرام خان ایڈیٹر اخبار محمدی کلکتہ اور مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کو دی گئی اور یہ بھی طے ہوا کہ اسی جلسہ میں یہ دستور اساسی بھی غور وخوض کے لئے پیش کیا جائے، ان تجاویز کی منظوری کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کا یہ تاسیسی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔[1]

حسن انتخاب

عہدوں کی یہ تقسیم میرے خیال میں بڑی حکمتوں پر مبنی تھی، جمعیۃ کے صدر اور ناظم دونوں حلقۂ دیوبند سے مقرر کئے گئے، حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ گو کہ اس تحریک کے سب سے قدیم رکن تھے لیکن ان حضرات نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا، غالباً: ایک تو حلقۂ دیوبند کی قوت عمل اور دائرۂ اثر کی بنا پر۔ دیوبند اور تحریک شیخ الہندؒ کا پورا پس منظر ان حضرات کے سامنے تھا، اور تمام تر فروعی اختلافات کے باوجود شرکاء مجلس کو یقین تھا کہ اگر علماء دیوبند کسی تحریک کے لئے سرگرم ہو جائیں تو اس کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہیں، یہ علماء دیوبند کو تحریک سے

---

[1] مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند ص ۲ تا ۵ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ناظم اول جمعیۃ علماء ہند، محبوب المطابع دہلی، حسن حیات ص ۵۰، ۵۱۔

جوڑنے کی حکمت عملی کا بھی حصہ تھا۔

☆ دوسرا بڑا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دہلی میں دفتر کے لئے کوئی اپنی جگہ نہیں تھی، اور نہ اتنا سرمایہ کہ جس سے دفتر کی جگہ حاصل کی جاسکے، جب کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری ثم دہلویؒ اور حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ دونوں دہلی ہی میں رہتے تھے، اس لئے یہ حضرات اپنی جگہوں پر رہتے ہوئے بغیر کسی بڑے خرچ کے جمعیۃ کے کاموں کو آگے بڑھا سکتے تھے، چنانچہ مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا کمرہ ایک عرصہ تک جمعیۃ کے دفتر کے طور پر استعمال ہوتا رہا اور صدر عالی قدر اپنے کمرہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دفتری سرگرمیاں انجام دیتے رہے[1]، مولانا احمد سعید صاحب گوکہ جوان العمر تھے، لیکن صدر صاحب کی نگرانی میں امور نظامت بخوبی انجام دے سکتے تھے، ناظم کا ذہنی طور پر صدر سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ بہت سی تنظیمی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں، مولانا احمد سعید صاحب صدر محترم کے ہم مسلک بھی تھے، اور شاگرد بھی[2]، اس لئے حسن استواری کے ساتھ تنظیم کا کام آگے بڑھ سکتا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مسلسل بیس سال تک دونوں بزرگوں کے عہدوں کی یہ رفاقت برقرار رہی، اور جمعیۃ تیز رفتار ترقی کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ اس لئے میرے نزدیک اکابر جمعیۃ کا یہ انتخاب 'حسن انتخاب' کا مصداق تھا۔

۞۞

۱- کفایت المفتی ج ۱ ص ۸ مطبوعہ کراچی۔
۲- کفایت المفتی ج ۱ ص ۹ مطبوعہ کراچی

فصل چہارم

جمعیۃ علماء ہند۔تفکیر سے تاسیس تک

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اس کاروان قدس کے پہلے مسافر

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ایک نظر اب تک کے پس منظر پر ڈال لیں، یہ پورا پس منظر بتاتا ہے کہ جو خواب حضرت مولانا محمد سجادؒ نے ۱۹۱۷ء سے قبل دیکھا تھا اس کی تکمیل جہد مسلسل کے بعد ۱۹۱۹ء میں ہوئی، اور جس ''جمعیۃ علماء'' کی سنگ بنیاد بہار میں ڈالی گئی تھی، اسی کی توسیع دو سال کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی شکل میں دہلی میں ہوئی، اگر جہد مسلسل کے ساتھ ابتدائی فکر و تخیل اور عملی آغاز کو بھی ہم رشتہ کیا جائے، اور جس طرح حضرت مولانا سجاد صاحبؒ عرصہ تک کل ہند سطح پر اس کے قیام کے لئے کوشاں رہے، لوگوں سے مراسلتیں کیں، ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں کے اسفار کئے، ملک کی اکثر سرکردہ شخصیتوں سے بلا امتیاز مسلک و مشرب رابطے کئے، طرح طرح کے سوالات وجوابات کا سامنا کیا، تو حضرت مولانا سجادؒ جمعیۃ علماء کے بانیوں کی صف اول میں نہیں بلکہ بانی اول اور محرک اول نظر آتے ہیں، یہ آپ ہی کی شخصیت تھی جن کی قوت انجذاب اور علمی و عملی طاقت نے ملک کے مختلف المشرب اور متنوع الخیال علماء، مشائخ، دانشوروں، اور اداروں کو ایک مرکز اتفاق پر جمع کر دیا تھا، ورنہ حالات اور مسائل نے شخصیتوں، علمی مراکز، دینی اداروں اور روحانی خانقاہوں کے درمیان اتنے فاصلے پیدا کر دیئے تھے، کہ ان کو پاٹنا، دوریوں کو نزدیکیوں میں تبدیل کرنا اور اختلافات کو ختم کئے بغیر محض کلمہ کی بنیاد پر اتفاق قائم کرنا آسان نہ تھا، یہ حضرت ابوالمحاسنؒ ہی کی شخصیت تھی جن کو من جانب اللہ یہ توفیق میسر ہوئی، جو اس ہمالیائی چوٹی کو سر کرنے میں کامیاب ہوئے، اور جنہوں نے یہ کانٹوں بھرا تاج اپنے سر پر رکھا، انہوں نے ایک ایک ساتھی کو آواز لگائی اور جب کہیں سے کوئی جواب نہ ملا تو رفقاء سفر کی پرواہ کئے بغیر تنہا اس راہ پر خار پر چل پڑے، اور پھر۔۔کارواں بنتا گیا، بقول شاعر:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ ہوتے گئے اور کارواں بنتا گیا

جمعیۃ علماء ہند کا اصل بانی کون؟ تحقیق و تنقیح

دراصل یہ سوال پچھلی کئی دہائیوں سے متجسس دماغوں میں گردش کر رہا ہے کہ اس کاروان قدس کا اولین علمبردار کون تھا؟ یہ ایک فطری سوال ہے، جو تاریخ کے طالب علم کے سامنے رہ رہ کر کھڑا ہوتا ہے، مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ صاحب نے بھی یہ سوال اٹھایا ہے، لکھتے ہیں:

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جمعیۃ کا قیام یا انعقاد جن پچیس علماء کی موجودگی میں ہوا کیا یہ سب کے سب اس کے بانی ہیں، بانی تو دراصل ایک ہی ہوتا ہے یہ بات ناممکن نہ سہی لیکن عام تجربہ اور مشاہدہ کے تو خلاف ہے، کہ ایک خیال اتنے کثیر اشخاص کے دماغ میں بیک وقت پیدا ہو جائے، اور سب کے سب ایک ہی خیال کو لے کر بیک وقت ایک جگہ مجتمع ہو جائیں۔ یہ ایک قدرتی سوال تھا جو راقم الحروف کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا اور اس وقت حضرت والد ماجدؒ وفات پا چکے تھے۔''[1]

ظاہر ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب تو اسی وقت مل سکتا تھا جب ابتدائی دنوں اس کی رپورٹ شائع ہوئی تھی، اس وقت تمام اصحاب معاملہ اور عینی مشاہدین موجود تھے، مگر ان دنوں مصلحت کی چادر اتنی دبیز اور حالات اس قدر نازک تھے کہ کسی ایک شخص کے سر اس اقدام کی ذمہ داری ڈالی نہیں جا سکتی تھی، اس لئے مولانا احمد سعید دہلویؒ کی پہلی مطبوعہ رپورٹ میں اس اقدام کو پوری جماعت کی طرف منسوب کر دیا گیا تا کہ کوئی ایک شخص کسی آزمائش کا شکار نہ ہو اور اجتماعی طاقت کے ساتھ یہ کام آگے بڑھ سکے، یہ مصلحت خود حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے حوالے سے مولانا واصف صاحب نے نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

''مختصر حالات انعقاد — میں کسی شخص واحد کا نام ظاہر نہیں کیا گیا بس اتنا لکھا ہے کہ: 'تمام علماء موجودین نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں صرف حضرات علماء ہی شریک ہوئے۔ یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ کس کی دعوت پر یہ جلسہ منعقد ہوا تھا یا خود بخود ایک ہی جگہ ایک ہی مقصد لے کر سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ راقم الحروف نے (مولانا احمد سعید دہلویؒ سے) سوال کیا کہ آپ نے جو انعقاد جمعیۃ کے مختصر حالات شائع کئے تھے اس میں یہ تفصیل کیوں نہیں دی گئی ہے؟ فرمایا، میاں! دکھانا یہی تھا کہ یہ جمعیۃ کسی شخص واحد نے نہیں بنائی بلکہ بہت سے مختلف الخیال علماء نے مل کر اپنی متفقہ رائے سے بنائی ہے، اور بھئی عہد و پیمان والی بات تو ویسے بھی کھولنے والی بات نہیں تھی۔[2]

۱- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۴۹، ۵۰۔

۲- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۰، ۵۲۔

یعنی رپورٹ کا یہ انداز اس وقت کے حالات کے تناظر میں مصلحتاً محض دکھانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا، ورنہ حقیقت میں اس فکر کا اولین داعی کوئی نہ کوئی شخص واحد ضرور تھا، جس کو اس وقت ظاہر نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن وہ شخصیت کون تھی؟ جس نے ساری زندگی اپنے آپ کو پردۂ راز میں رکھا، مولانا واصف صاحب کے الفاظ میں:

''اصل بانی و مؤسس جو کوئی بھی تھا وہ معاملے کی پیچیدگی اور علماء کی نازک مزاجی کو سمجھتا تھا، اور وہ اس جماعت کو مسلمانوں کی ایک متحدہ طاقت بنانا چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ جماعت کسی ایک گروہ کی طرف منسوب ہو کر رہ جائے ورنہ دوسرے مکاتیب خیال کے علماء ذوق وشوق کے ساتھ جماعت میں شامل نہیں ہونگے، ان وجوہ کی بنا پر بانی نے عمر بھر اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیا، اور اپنے نام کا پروپیگنڈہ نہیں کیا، ظرف کی یہ گنجائش کیا قابل داد نہیں ہے؟''[۱]

مشکل یہ ہے کہ جب اس سوال کا جواب دینے والے اصل لوگ موجود تھے تو حالات مناسب نہیں تھے اور جب حالات معمول پر آئے تو وہ لوگ رخصت ہو گئے، اس لئے بعد کے ادوار میں اس سوال کا صحیح جواب نہیں دیا جا سکا، مختلف حلقوں کی جانب سے مختلف قیاسات اور دعاوی پیش کئے گئے، مثلاً:

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ؟

☆ مولانا واصف صاحب نے بعض رپورٹوں اور بیانات کی بنیاد پر یہ خیال پیش کیا ہے کہ اس جماعت کے اصل داعی اور بانی ان کے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ ہیں۔[۲]

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ؟

☆ فرنگی محل حلقہ سے مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلیؒ کا (بھی تقریباً) دعویٰ یہ ہے کہ:

''حضرت مولانا عبدالباریؒ نے خدام کعبہ، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ جمعیۃ العلماء اور خدام کعبہ کے بانی اور مؤسس حضرت استاذ ہی تھے۔''[۳]

نیز حسرۃ الآفاق میں لکھتے ہیں:

۱۔ جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۴۔

۲۔ جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۰ تا ۵۴، ۵۷۔

۳۔ جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۲، ۷۲ بحوالہ تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۱۱۱۔

''امرتسر پہنچ کر مولانا موصوف (حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ) نے ان علماء سے جو تمام ہندوستان سے وہاں جمع ہوئے تھے، مشورہ کیا اور پہلے پہل علماء کی سیاسی انجمن ''جمعیۃ علماء'' قائم ہوئی۔''[1]

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری؟

☆ حلقۂ اہل حدیث مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ کی ایک تحریر کی بنیاد پر مولانا امرتسری کو اس کا بانی تصور کرتا ہے، مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ کا ایک مضمون اخبار اہل حدیث میں شائع ہوا تھا، اس میں وہ لکھتے ہیں:

''دہلی میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا جس میں میں بھی شریک تھا، بعد فراغت خاص احباب کی مجلس میں میں نے یہ تحریک کی کہ ہمیشہ کے لئے علماء کی ایک جماعت منظم ہونی چاہئے، اس جلسہ میں مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے علاوہ اور کئی اصحاب میرے ہم رائے شریک تھے انہوں نے میری تائید کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیۃ العلماء کا ایک خام ساڈھانچہ تیار ہوگیا جس کے صدر مولانا کفایت اللہ صاحب اور ناظم مولوی احمد سعید صاحب مقرر ہوئے۔ یہ تھی جمعیۃ العلماء کی پہلی میٹنگ اور پہلا ریزولیشن جو دراصل آئندہ کے لئے ایک بنیادی پتھر تھا۔''[2]

اس طرح تین حلقوں سے تین مختلف دعاوی سامنے آ گئے، اس کی تطبیق مولانا واصف صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے اپنے حلقے میں یہ تحریک چلائی اور قیام جمعیۃ کے لئے اس کو ہموار کیا:

''بظاہر ان تینوں بیانوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اور وجہ توافق ان میں یہ ہے کہ ایک طبقے کو حضرت مولانا عبدالباریؒ نے ہموار کیا، اور ایک طبقہ کو مولانا ثناء اللہ نے سنبھالا اور خلوص وللہیت کے ساتھ سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔''[3]

مولانا واصف صاحبؒ نے تین میں سے صرف دو حلقوں کا ذکر کیا ہے، تیسرا طبقہ 'حلقۂ دیو بند' ہے جس کی قیادت ابتداءسے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کر رہے تھے، اس طرح مولانا واصف صاحب کے تجزیہ کے مطابق حلقہ وار تین الگ الگ بانی قرار پاتے ہیں، لیکن وہ سوال اب بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ اس تخیل کا اولین داعی کون ہے جس نے ان طبقات سے بالاتر ہوکر سب سے پہلے اس فکر کی تخم ریزی کی؟

۱- حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق (سوانح حیات حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ) ص ۲۶ مؤلفہ جناب مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: اشاعت العلوم برقی پریس، فرنگی محل لکھنؤ، سن تصنیف ۱۹۲۹ء۔

۲- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۳ بحوالہ اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۴۲ء۔

۳- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۳۔

مفکر اسلام ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجادؒ–بانی اول

انجمن علماء بہار (جمعیۃ علماء بہار) کے قیام (۱۹۱۷ء) کے پس منظر سے لے کر جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس (۱۹۱۹ء) تک کی جو تفصیل تاریخی حوالوں اور عینی مشاہدین کے بیانات کی روشنی میں پہلے آ چکی ہے اس کی روشنی میں حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کے اسم گرامی کے علاوہ اس سوال کا کوئی دوسرا جواب نہیں ہوسکتا۔ تاریخی اعتبار سے اس تنظیم کا پہلا تصور، پھر تحریک ودعوت اور پھر پہلا عملی اقدام صرف حضرت مولانا سجادؒ کے یہاں ملتا ہے، ۔حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے بیان کے مطابق حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب کو یہ خیال پیدا ہوا کہ پہلے ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوا[۱]، مولانا قطب الدین عبدالولی فرنگی محلیؒ کے مطابق حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی اس فکر کا سررشتہ اجلاس انجمن مؤید الاسلام لکھنؤ (۱۹۱۸ء) سے ملتا ہے [۲]، اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی تحریک اجلاس دہلی (نومبر ۱۹۱۹ء) سے وابستہ ہے۔ [۳] جبکہ حضرت مولانا سجادؒ کے یہاں یہ تخیل ۱۹۱۷ء سے بھی قبل سے پایا جاتا ہے، اور ایسا نہیں تھا کہ مولاناؒ کے ذہن میں صرف علماء بہار کی تنظیم کا محدود تصور تھا، بلکہ پیچھے تفصیل گذر چکی ہے کہ مولاناؒ نے ۱۹۱۷ء سے قبل پہلے پورے ملک کا دورہ کیا تھا، علماء اور مشائخ سے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کی تھیں، اور ان کو علماء کی کل ہند تنظیم قائم کرنے کی دعوت دی تھی، اور پھر انجمن علماء بہار کی صورت میں پہلا عملی نمونہ بھی قائم کر دیا تھا، مولاناؒ نے انجمن علماء بہار کے جلسوں میں پورے ملک سے نمائندہ شخصیتوں کو بلایا، اس طرح مولانا کی یہ تحریک پورے ملک میں بہت جلد متعارف ہوگئی اور کل ہند جمعیۃ کے قیام کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔

پھر جب کل ہند جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس ہوئی تو راجح قول کے مطابق اس جلسہ میں بھی خود بنفس نفیس تشریف لے گئے اور تحریک وعمل میں پیش پیش رہے، اور اگر بالفرض مولاناؒ کی خود شرکت کسی مجبوری کی بنا پر نہ بھی ہوسکی ہو (جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے) تو آپ نے مولانا عبدالحکیم صاحب کو اپنا قائم مقام بنا کر اور پیام دے کر بھیج دیا تھا، علاوہ انجمن علماء بہار کے دیگر ممبران بھی شریک ہوئے تھے حضرت مولاناؒ کی نمائندگی اور ابتدائی تخیل میں تو کسی صاحب علم کو کلام نہیں ہے، مولانا واصف صاحبؒ لکھتے ہیں:

۱- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۱۔

۲- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۴۷۔

۳- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۳ بحوالہ اخبار اہل حدیث امرتسر ۲۶ رمحرم الحرام ۱۳۶۱ھ م ۱۳ رفروری ۱۹۴۲ء۔

''حضرت مولانا محمد سجاد قدس سرہ (المتوفی ۱۸/شوال ۱۳۵۹ھ بمقام پھلواری شریف) اگر چہ اس موقع پر دہلی تشریف نہیں لاسکے، مولانا عبدالحکیم گیاوی جو ان کے خاص شاگرد اور معتمد رفیق کار تھے ان کے نمائندے اور قائم مقام کی حیثیت سے خلافت کانفرنس کی شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے تھے، اور جمعیۃ کی تاسیس والے اجتماع میں بھی شریک ہوئے تھے لیکن ابتدائی تخیل میں مولانا سجادؒ کا بھی عظیم الشان کردار ہے۔''[1]

تاریخی طور پر حضرت مولانا سجادؒ سے قبل ہندوستان کے کسی بھی خطہ وحلقہ میں اس فکرودعوت کی بازگشت سنائی نہیں دیتی، پس مولانا سجادؒ ہی حقیقت میں جمعیۃ علماء ہند کے اولین داعی وبانی قرار پاتے ہیں۔

مکتوب سجادؒ سے رہنمائی

اس کی سب سے بڑی سند خود صاحب واقعہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کا وہ مکتوب گرامی ہے جوانہوں نے امارت شرعیہ کی تشکیل وتحریک کے موقعہ پر علماء ومشائخ بہار کے نام لکھا تھا، جس میں انہوں نے اپنے دل کا درد کھول کر رکھ دیا ہے، مکتوب میں اپنے ماضی کے تجربات سے سبق حاصل کرتے ہوئے قیام جمعیۃ کے اس مشکل اور دشوار ترین سفر کا حوالہ دیا ہے، جو امارت شرعیہ کی اگلی منزل کے لئے نظیر بن سکتا تھا، مولاناؒ نے اس میں یہ خیال پیش فرمایا ہے کہ جس طرح جمعیۃ علماء ہند جمعیۃ علماء بہار کے پس منظر سے نکل کر وجود میں آئی، اسی طرح ان شاء اللہ امارت شرعیہ بہار کے بطن سے آئندہ امارت شرعیہ ہند بھی جنم لے گی، حضرت مولانا کے مکتوب کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے، اور ان سطور کے پس منظر میں ڈوب کر پورے تاریخی منظر نامہ کو دھیان میں رکھئے:

''غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ جس زمانہ میں جمعیۃ علماء بہار جن اغراض ومقاصد کو لے کر قائم ہوئی، وہ سرزمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیۃ تھی، اس وقت علماء کرام اقدام سے گھبراتے تھے حتی کہ خود ہمارے صوبہ کے بہتیرے علماء کرام پس وپیش میں مبتلا تھے، مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے اقدام وجرأت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا کہ آخر میں اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیۃ علماء قائم ہوگئی، اور وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا کس طرح کافور ہوگیا، پس اسی طرح بہت ممکن ہے کہ بلکہ ظن غالب ہے کہ صوبہ بہار میں اسی کام کے انجام پانے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ تمام صوبوں میں امیروں کا انتخاب جلد از جلد عمل میں آئے گا، اور جس طرح جمعیۃ علماء ہند بعد میں قائم ہوئی اسی طرح امیر الہند بھی

۱- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۰۰۔

آخر نہایت آسانی کے ساتھ منتخب ہو جائے گا۔“ [۱]

اس مکتوب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے نزدیک جمعیۃ علماء بہار ہی جمعیۃ علماء ہند کا نقطۂ آغاز تھی، اور ظاہر ہے کہ مولانا سجاد صاحبؒ کے غلط کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ جس شخص نے ہر جگہ اپنے آپ کو مٹایا اور دوسروں کو بڑھایا، اور جس کے صدق و اخلاص کی دشمنوں نے بھی قسمیں کھائیں، ظاہر ہے کہ وہ خلاف واقعہ اتنا بڑا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔

علماء اور دانشوروں کی شہادتیں

علاوہ اس کی شہادت وقت کے دیگر اکابر اور حالات اور پس منظر سے براہ راست واقفیت رکھنے والے علماء اور دانشوروں نے بھی دی ہے، جن میں اکثر شنیدہ نہیں دیدہ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں بعض صراحت کے ساتھ ہے اور بعض اشاراتی زبان میں، مثلاً:

☆ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ جو جمعیۃ علماء کے پورے پس منظر سے نہ صرف واقف تھے، بلکہ اس کے ابتدائی پروگراموں میں شریک بھی رہے تھے، تحریر فرماتے ہیں:

> ”اس وقت تک دلی کی جمعیۃ العلماء کا خواب بھی نہ دیکھا گیا تھا، طے ہوا کہ صوبہ بہار کے علماء کو پہلے ایک نقطہ پر متحد کیا جائے، پھر بتدریج اس کا دائرہ بڑھایا جائے۔ دلی میں بہار والی جمعیۃ، جمعیۃ العلماء ہند کے نام سے چمکی، اور ایسی چمکی کہ ایک زمانہ تک کم از کم مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا وہ ایسا ممتاز ادارہ رہا جس کا مقابلہ مدت تک کوئی اسلامی سیاسی ادارہ نہ کر سکا، حالانکہ خلافت کانفرنس کا بڑا زور تھا، لیکن گیا کے میدانوں میں آکر دنیا نے تماشا کیا کہ جس جمعیۃ کی بنیاد بہار میں رکھی گئی تھی، وہ بھی ایک خالص ہندو شہر اور بودھشٹ مرکز میں، ایک ایسے روشن چراغ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئی تھی، کہ اس کے سامنے کانگریس کا آفتاب، اور خلافت کا ماہتاب بھی شرمانے لگا، اور اس کا اعتراف اپنوں، غیروں سبھوں نے کیا اسی کا اعتراف نہیں، بلکہ اس کا بھی کہ سارے ہندوستان کا سب سے نمایاں اجلاس جمعیۃ علماء گیا کا اجلاس تھا، اور جمعیۃ علماء گیا کا اجلاس صرف ایک واحد شخصیت (حضرت مولانا سجادؒ) کی عملی قوتوں کا مظہر تھا جس کے معنیٰ یہی ہوئے کہ اس وقت سارے ہندوستان کی بڑی نمایاں ہستی حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تھی، جمعیۃ علماء اس کے بعد بھی بڑھتی رہی، چمکتی رہی، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ صرف گیا کا اجلاس نہیں، بلکہ جمعیۃ کے جتنے اجلاس ہوتے رہے اس کی بولنے والی روح وہی خاموش زبان تھی، جو زندگی میں بھی خاموش رہنے کے باوجود سب سے زیادہ بولنے والی تھی۔“ [۲]

۱- مکاتیب سجادؒ ص ۱۳، ۱۴۔

۲- حیات سجادؒ ص ۵۱ تا ۵۵ ارتسامات گیلانیہ۔

☆ مولانا شاہ محمد عثمانیؒ گیا کے رہنے والے تھے، ان کا پورا خاندان حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ تھا، بڑی حد تک انہوں نے اس زمانہ کے منظر کو یاد رکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

''مولانا نے جمعیۃ علماء ہند کی طرح کل ہند امارت شرعیہ کے قیام کی کوشش کی، اور جس طرح ان کو جمعیۃ علماء بہار قائم کرنی پڑی، اسی طرح ان کو پہلے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا نظام قائم کرنا پڑا، گویا مولانا ابوالمحاسن سجاد جمعیۃ علماء اور امارت شرعیہ دونوں کے بانی ہیں یعنی ان ہی کی فکر کی بنیاد پر دونوں جماعتوں کا ظہور ہوا''[۱]

☆ حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ [۲] نے برہان میں حضرت مولانا سجادؒ کی وفات پر ایک زبردست مضمون لکھا تھا، بہت کم اہل علم کو اس مضمون کی خبر ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ اپنے چند خادموں سمیت مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں سے گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کر دیئے گئے تو مولانا ابوالمحاسنؒ نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کر کے علماء وصوفیاء اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور ان کو تحریک آزادی میں شریک ہونے پر آمادہ کیا، ۱۷ء میں مدرسہ انوار العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ نے جمعیۃ علماء بہار کی طرح ڈالی، آپ کے اتباع میں دوسرے صوبہ کے علماء نے بھی اس طرف توجہ کی اور صوبائی جمعیۃ العلماء قائم کر کے اپنی تنظیمی جدوجہد کا آغاز کر دیا'' [۳]

ظاہر ہے کہ جس کی اتباع کی جائے گی وہی اس کا اصل بانی قرار پائے گا۔ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ امارت شرعیہ کے پس منظر کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''آپ کے اولوالعزمانہ قوت فیصلہ نے آپ کے قلب میں اس ارادہ کو راسخ کر دیا کہ علماء کی جمعیۃ کی طرح بغیر کسی انتظار وتعویق کے امارت کے مسئلہ کی بنیاد بھی پہلے صوبہ بہار ہی میں رکھی جائے۔'' [۴]

☆ اور اس سلسلہ کی ایک اہم ترین داخلی شہادت مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی کی ہے، جس کو خود دفتر جمعیۃ علماء ہند کی توثیق حاصل ہے، اس لئے کہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ کی کتاب 'حیات سجاد

۱- ٹوٹے ہوئے تارے ص ۱۰۴، ۱۰۵ تذکرہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ مصنفہ شاہ محمد عثمانیؒ۔

۲- حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی ولادت ۷ رنومبر ۱۹۰۸ء (۱۲ رشوال ۱۳۲۶ھ) کو آگرہ میں ہوئی، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، نہایت ذہین وفطین عالم اور مشہور مصنف ہیں، ندوۃ المصنفین کے بانیوں میں سے ہیں، اس کے رسالہ ''برہان'' کے ہمیشہ مدیر رہے، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن تھے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات کے ناظم ہوئے، پھر صدر شعبہ ہو کر ریٹائرڈ ہوئے، بیمار ہو کر کراچی چلے گئے، اور وہیں ۲۴ رمئی ۱۹۸۵ء مطابق ۴ ررمضان المبارک ۱۴۰۵ھ میں انتقال فرمایا، آپ کی کتابوں میں صدیق اکبر، فہم قرآن، عثمان ذوالنورین، اور غلامان اسلام مشہور ہیں، (تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ ص ۱۰۹)

۳- برہان دہلی دسمبر ۱۹۴۰ء ص ۴۰۳۔

۴- تاریخ امارت ص ۵۷۔

(مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نائب امیر شریعت کے مختصر حالات)' مولانا عبدالحلیم صدیقی ناظم جمعیۃ علماء ہند [1] کے حسب ارشاد شائع ہوئی تھی، اس کتاب کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ پر لکھی جانے والی دستیاب تحریرات میں یہ سب سے قدیم ترین تحریر ہے، یہ پہلے مضمون کی صورت میں حضرت مولانا سجادؒ کے وصال کے معاً بعد اخبار 'مدینہ' میں شائع ہوئی تھی، بعد میں اس کو کتابی شکل دی گئی، اور خود ناظم جمعیۃ علماء ہند مولانا عبدالحلیم صدیقی صاحب نے اسے اہتمام کے ساتھ شائع کرایا، مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ''محاسن سجاد'' اس کے بعد شائع ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ محاسن سجاد میں مولانا عبدالحلیم او گانویؒ کے مضمون میں اس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے۔ [2]

مولانا عظمت اللہ صاحب ملیح آبادیؒ نے نہ صرف حضرت مولانا محمد سجادؒ کو جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں شمار کیا ہے، بلکہ آپ کو واضح الفاظ میں ''بانی اول'' قرار دیا ہے، مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی کے مختصر کتابچہ کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک میں یا خیر خواہی اور وفاداری تھی یا خاموشی تھی یا گوشہ نشینی تھی، مولانا نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا، علماء صوفیاء اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں، لوگ آپ کے مخلصانہ جذبات اور فدا کارانہ عمل کو دیکھ کر تحریک حریت میں شریک ہوئے۔ اس وقت تک ہندوستان میں علماء کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، نہ علماء میں جماعتی زندگی کا احساس تھا پوری فضائے ہند تنظیم علماء کی تحریک سے خاموش تھی، مولانا کو علماء کی جماعتی زندگی کا خیال آیا، اور ۱۹۱۷ء میں مدرسہ انوار العلوم کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر جمعیۃ العلماء بہار کی طرح ڈالی، اس کے دیکھا دیکھی دوسرے صوبوں میں بھی جمعیۃ علماء قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی فضا تحریک آزادی کی پکار سے گونج رہی تھی، عام سیاسی حالات جلد جلد بدل رہے تھے، قومی حقوق کے تحفظ اور ملک کی آزادی کا سوال اہمیت اختیار کر رہا تھا، انفرادی اور شخصی رائے کی کوئی حیثیت نہ رہی تھی، ان ہنگامہ خیز حالات اور حریت پرور فضا میں علماء نے اپنی مرکزیت اور اجتماعی زندگی کی ضرورت کو محسوس کیا، مولانا جو اس تحریک کے بانی

۱- مولانا عبدالحلیم صدیقی ملیح آباد ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے، اپنے دور کے مشہور علماء میں تھے، عربی زبان کے ادیب اور اہل زبان کی طرح عربی بولتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب مکہ مکرمہ میں حجاز کانفرنس ۱۹۲۳ء میں ہوئی تو جمعیۃ علماء ہند کے وفد میں ان کو خاص طور پر شامل کیا گیا، جمعیۃ علماء ہند کے چوٹی کے رہنماؤں میں تھے، اور اس کے ناظم عمومی بھی رہے، بہترین خطیب تھے، ایک زمانہ تک مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شعبۂ عربی کے استاذ رہے، جنگ آزادی کے دور میں اپنی تقریروں کی بنا پر کئی بار گرفتار کئے گئے، اور جیل گئے، حافظ قرآن تھے اور قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے، ہر سال دہلی کی سنہری مسجد میں تراویح سناتے تھے، سیاسی ہنگامہ آرائیوں نے ان کو معاش کی طرف سے کبھی مطمئن نہیں ہونے دیا، وفات کی تاریخ کا علم نہ ہو سکا (تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ ص ۱۶۰ مؤلفہ مولانا نظام الدین اسیر ادروی)

۲- محاسن سجاد ص ۳، ۴۔

اول تھے ان نازک حالات میں جمعیۃ علماء ہند کے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، اس طرح
ہندوستان کے تمام علماء نے ایک مرکز پر جمع ہو کر ملک وملت کی خدمت کا تجدید عہد کیا،
ہندوستان کے مسلمانوں کی توجہ عام طور پر اب جمعیۃ علماء کی طرف ہوگئی، لوگ جمعیۃ علماء کے
فیصلوں کے منتظر رہنے لگے ۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس دہلی میں ہوا جلسہ کے صدر حضرت
شیخ الہند تھے، اس جلسہ میں ہندوستان بھر سے بہت بڑی تعداد میں علماء شریک ہوئے تھے۔"[۱]

☆ نیز اس بات کا برملا اعتراف جمعیۃ علماء ہند کے اس تاریخی اجلاس میں بھی کیا گیا جس میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، اور جس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کی تھی، اور جس میں جمعیۃ علماء ہند اور ملک کی ذمہ دار ہستیاں موجود تھیں، اس اہم اور تاریخ ساز اجلاس میں صدر مجلس استقبالیہ مولانا سید شاہ حافظ حبیب الحق سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ نے اپنے خطبۂ استقبالیہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

"سب سے پہلے اسی صوبہ کے علماء چونکہ غفلت سے ہوشیار ہوئے، اور جمعیۃ علماء کی بنیاد ڈالی،
بکھرے ہوئے شیرازہ کا استحکام شروع کیا، ہماری اصلاح کی طرف مخاطب ہوئے، حالات موجودہ
پر غور وفکر کی تدبیریں نکالیں، اس طرح اب امیر شریعت کے لئے بھی سب سے پہلے یہی صوبہ
آگے بڑھا، خدا اسے کامیاب کرے۔"[۲]

ظاہر ہے کہ بہار میں جمعیۃ علماء کی بنیاد حضرت مولانا محمد سجادؒ نے ہی ڈالی تھی، یہ گویا پورے مجمع کی طرف سے حضرت مولانا سجادؒ کے بانی جمعیۃ ہونے پر خاموش اجتماعی شہادت تھی۔

☆ مولوی سید مجتبیٰ آرگنائزر محکمۂ دیہات سدھار بہار لکھتے ہیں:

"جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ امارت شرعیہ سے اس طرح وابستہ ہے جیسے دو توأم ہستیاں، اور اس
رشتۂ اتحاد خیال وعمل میں بھی صرف ایک واحد روح سرایت کر رہی تھی۔ ان تمام شئون ماضیہ
میں بس ایک روح جلوہ فرما تھی، اور وہ روح سجادؒ تھی۔"[۳]

☆ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

"یہ مولاناؒ ہی کی قوت جاذبہ تھی جو مختلف الخیال علماء اور مختلف الرائے سیاسی رہنماؤں اور قومی
کارکنوں کو ایک ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کئے اور ایک شیرازہ میں باندھے ہوئی تھی۔"[۴]

۱- حیات سجاد مصنفہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ ص ۲ تا ۵۔
۲- حسن حیات سوانح قاضی احمد حسین مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ ص ۱۳۵۔
۳- محاسن سجاد ص ۷۷ بحوالہ "جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ"۔
۴- حیات سجاد ص ۸۵ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

☆ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو انسانوں کی منتشر صلاحیتوں کو سمیٹنے میں کیسا کمال حاصل تھا، اور سب کو لے کر چلنے کی ان میں کیسی صلاحیت تھی؟ اور کس طرح مختلف المزاج اصحاب کمال کو انہوں نے جمعیۃ سے وابستہ کیا، اور جمعیۃ کے خلاف کوئی طوفان اٹھا تو مضبوط چٹان بن کر اس کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، جمعیۃ کے پروگراموں میں شریک ہونے والے مولانا امین احسن اصلاحی سے اس کی تفصیل سنئے:

"دوسری خوبی جو اس صحبت میں سمجھ میں آئی، وہ ان کی رواداری اور فیاضی تھی، میں ان کو ایک مخصوص جماعت کا آدمی سمجھتا تھا لیکن اس ملاقات میں میں نے محسوس کیا کہ ان کے دماغ کی طرح ان کا دل بھی بہت کشادہ ہے، وہ کسی خاص دائرہ کے اندر بند نہیں ہیں، وہ سب کے ساتھ اور سب سے الگ ہیں، ان کی اس خوبی نے میرے دل کو جیت لیا اور میں نے یقین کرلیا کہ اسی چیز کے اندر ان کی تنظیمی قابلیت کا راز مضمر ہے۔

جمعیۃ علماء کے جو جلسے گذشتہ چند سالوں کے اندر ہوئے ہیں، ان میں سے بعض میں مولانا ہی کی دعوت پر میں شریک ہوا، ان جلسوں کی مخالفت میں جو ہنگامے اٹھے ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، بعض مرتبہ تو مخالفین کی خوش تمیزیاں ایسی ہولناک شکل اختیار کر لیتی تھیں، کہ آدمی کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ جائے یا دامن امید، اور ظاہر ہے کہ ان تمام یورشوں کا اصلی نشانہ کم از کم صوبہ بہار میں مولانا ہی کی ذات تھی، مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا، کہ مولانا ان ہنگاموں سے ایک لمحہ کے لئے بھی بے حوصلہ یا بے صبر ہوئے ہوں، ان کا دماغ ہمیشہ پرسکون اور دل ہر حالت میں مطمئن رہتا تھا۔"[1]

☆ اور تکوینی طور پر ایک بڑی دلیل یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ جب حضرت مولانا سجادؒ کا وصال (۱۸ر شوال المکرم ۱۳۵۹ھ) ہوا تو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک سے زائد بار تجاویز تعزیت منظور کی گئیں، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی اپیل پر پورے ملک میں ۲۸ر شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۹ر نومبر ۱۹۴۰ء کو "یوم سجادؒ" منایا گیا۔[2]

یہ وہ اہم خصوصیت ہے جو حضرت مولانا سجادؒ کے علاوہ اکابر جمعیۃ میں سے کسی شخصیت کو حاصل نہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ امتیاز مولانا کے اصل بانی جماعت ہونے کی طرف مشیر ہے۔

۱- محاسن سجاد ص ۵۱، ۵۲۔

۲- اندراج روزنامچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ ماخوذ از مضمون مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی تذکرۂ ابوالمحاسنؒ ص ۱۸۵ تا ۱۸۷۔

☆ اور اسی لئے تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ارشاد فرمایا:

''کہ جمعیۃ علماء کی خدمات دراصل مولانا سجادؒ کی خدمات ہیں۔''¹

علماء دیوبند کی نمائندگی

کوئی شبہ نہیں کہ علماء دیوبند نے جمعیۃ علماء ہند کی سب سے زیادہ طویل مدت تک اور سب سے مؤثر قیادت کی ہے، لیکن ابتدائی دور میں ان کی نمائندگی برائے نام تھی، شروع میں کئی چھوٹے بڑے اجتماعات ہوئے لیکن ان میں سوائے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے علماء دیوبند میں سے کوئی شریک نہیں ہوا، بقول مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ صاحب خلف رشید حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ:

''یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس اجتماع میں جمعیۃ کی تاسیس ہوئی، اس میں دیوبندی گروپ میں کوئی صاحب شامل نہیں ہوئے پھر امرتسر میں جو پہلا اجلاس بصدارت حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ منعقد ہوا اس میں بھی کوئی صاحب شریک نہیں ہوئے اس جلسے میں حضرت شیخ الہندؒ کی عدم رہائی پر اضطراب کا اظہار کیا گیا، اور وائسرائے کو اس مقصد سے تار دیا گیا۔

پھر ۶ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں خاص اجلاس بصدارت حضرت مولانا تاج محمود صاحب سندھی منعقد ہوا، جس میں دوسو علماء شریک تھے، اس میں مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا عزیز گل صاحب شریک ہوئے، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ باوجودیکہ مالٹا سے واپس آچکے تھے مگر اس جلسہ میں شریک نہ تھے اور مولانا موصوف تو حضرت شیخ الہندؒ کی خفیہ تحریک میں بھی شریک نہ تھے، (نقش حیات ج دوم ص ۲۱۵) حضرت اقدسؒ کے ساتھ عقیدت ومحبت اور ان کی خدمت کی آرزو آپ کی اسیری کا سبب بنی، (سفرنامہ اسیر مالٹا مطبوعہ اسٹار پریس دہلی ص ۴۱ اور حیات شیخ الہند مطبوعہ قاسمی ص ۴۹، اور رسالہ شیخ الہند مؤلفہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ ص ۲۴) اس خاص اجلاس میں ترک موالات کی تجویز اور دہلی میں ہونے والے دوسرے اجلاس جمعیۃ کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت کی تجویز پاس ہوئی۔

(اخبار زمانہ کلکتہ شمارہ ۵۷ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء)

غرض کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تشریف آوری سے قبل دیوبندی گروپ کو جمعیۃ علماء ہند سے کوئی دلچسپی نہ تھی، حالانکہ جمعیۃ کوئی خفیہ یا باغیانہ تحریک نہ تھی، اور اس کی رکنیت میں کوئی خطرہ نہ

۱- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

تھا لیکن یہ حضرات حضرت شیخؒ کی گرفتاری کے بعد سے شاید بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے، جب حضرت رہا ہو کر تشریف لائے، اور اس وقت کے تمام بڑے بڑے ہندو مسلم لیڈروں نے بمبئی میں آپ کا استقبال کیا تو آپ کو ہندوستان کے سیاسی حالات اور تحریک خلافت کا علم ہوا (نقش حیات ج ۲ ص ۲۴۷) اور جب آپ کو بتایا گیا کہ علماء نے بھی جمعیۃ علماء ہند کے نام سے اپنی ایک تنظیم قائم کی ہے تو آپ نے بے انتہا مسرت اور قلبی توجہ وشغف کا اظہار فرمایا، اور ارکان جمعیۃ کی تحسین اور حوصلہ افزائی فرمائی، اور حضرت کے بعض شاگرد جن کی مقبولیت وشہرت کی وجہ سے جمعیۃ علماء کو خاص تقویت کی امید تھی، جب بالکل یکسوئی اور بے تعلقی کے ساتھ شرکت سے علٰحدہ اور مجتنب رہے تو آپ کو نہایت حسرت ہوئی، اور غایت افسوس کے ساتھ اپنے ایک ہمنام الٰہ آبادی کی زبان سے گویا یہ فرمایا:

کسی کا میری بزم غم سے اے محمودؔ یوں اٹھ کر
قیامت ہے شریک محفل اغیار ہوجانا

(حیات شیخ الہند مؤلفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب ص ۱۲۳)''[۱]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلکتہ کے اجلاس خصوصی سے قبل حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں سوائے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے کوئی شریک نہیں ہوتا تھا، حضرت شیخ الہندؒ کی ترغیب اور دوسرے اجلاس عام کی صدارت قبول کرنے کے بعد رفتہ رفتہ جمعیۃ علماء ہند میں علماء دیوبند کی تعداد بڑھتی چلی گئی، اور پھر وہی غالب ہو گئے۔

ہندوستان کی ملی تحریکات کا فکر شیخ الہندؒ سے رشتہ

البتہ اس موقعہ پر اس تاریخی حقیقت کا اعتراف بھی کیا جانا چاہئے کہ جمعیۃ علماء ہند جن عظیم مقاصد کے تحت قائم ہوئی، ان مقاصد پر صرف ہندوستان نہیں بلکہ عالمی سطح پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی مساعی جمیلہ برسوں قبل سے جاری تھیں، حضرت شیخ الہندؒ کی خفیہ تحریک ریشمی رومال کے مقاصد میں خلافت اسلامیہ کا احیاء، مقامات مقدسہ کا تحفظ اور ہندوستان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانا شامل تھا، اور حضرت کی یہ تحریک عالمی پیمانہ کی حامل تھی، اگر یہ تحریک کامیاب ہوجاتی تو خود انگریزوں کے بقول ''سمندر بھی کسی انگریز کو پناہ نہیں دے سکتا تھا''[۲] لیکن قبل از وقت راز فاش ہوجانے کی بنا پر تمام منصوبے بکھر گئے اور اسی جرم کی پاداش میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو گرفتار کر کے

۱- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۴۷-۴۹

۲- تحریک خلافت ص از عدیل عباسی۔

کالا پانی بھیج دیا گیا۔

اس لحاظ سے فکر جمعیۃ کی جڑوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے فکر و عمل کی حرارت محسوس ہوتی ہے، اسی لئے جب حضرت شیخ الہندؒ کو اسارت مالٹا سے واپسی پر قیام جمعیۃ کی اطلاع ملی اور آپ نے اپنے تلامذہ و معتقدین کو جمعیۃ سے وابستگی کی تلقین فرمائی تو ان حضرات کو محسوس ہوا کہ جمعیۃ علماء ہند بھی گویا فکر شیخ الہندؒ ہی کا عکس جمیل ہو[1]، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند گیا کے اجلاس چہارم (جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۲ء) میں حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانی دیوبندیؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں حضرت شیخ الہندؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

''حضرات علماء کرام و امناء اسلام! علماء کے اندر اس حرکت کے بانی مبانی قافلہ سالار علماء راسخین و سرخیل فقراء زاہدین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ کی ذات بابرکات رہی، ہندوستان میں جس قدر مذہبی سرگرمی ہے اس کے محرک اول حضرت مولانا علیہ الرحمۃ تھے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے مولانا کی تخم ریزی کے ثمرات ہیں، اس کے علاوہ مولانا کے فیوض علمی و عملی سے دنیا مالا مال ہے، علماء کی کوئی مجلس ایسی نہیں جس میں حضرت مولانا کے تلامیذ و مستفیدین کی بڑی جماعت موجود نہ ہو''[2]

۱- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۴۸، ۴۹ بحوالہ حیات شیخ الہند مولفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب ص ۱۲۳۔
۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند گیا ص ۴۵ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مطبع قاسمی دیوبند۔

فصل پنجم

جمعیۃ علماء ہند اور حضرت ابوالمحاسنؒ - منزل بمنزل

جمعیۃ علما ہند کا پہلا اجلاس

جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری اور مولانا سید محمد داؤد کی دعوت پر امرتسر میں ہوا، جس کی پہلی نشست بتاریخ ۵/ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸/دسمبر ۱۹۱۹ء بعد نماز عصر امرتسر اسلامیہ ہائی اسکول کے وسیع ہال میں ہوئی، اس میں تقریباً باون علماء شریک ہوئے، اجلاس کی صدارت حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ نے فرمائی، جس کی تحریک مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے پیش کی اور اس کی تائید قاضی حبیب اللہ صاحبؒ اور مولانا فاخر الہ آبادیؒ نے کی۔

اور دوسری نشست ۸/ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۳۱/دسمبر ۱۹۱۹ء زیر صدارت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ منعقد ہوئی، جس میں مختلف مسلک و مشرب کے تیس (۳۰) علماء شریک ہوئے اور کئی تجاویز منظور کی گئیں۔

تیسری نشست ۹/ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۲۰ء ہوئی اور اس کی صدارت بھی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے ہی فرمائی، جس میں چوبیس (۲۴) علماء شریک ہوئے، اس نشست میں جمعیۃ کا دستور اساسی پیش کیا گیا، اور مجلس منتظمہ کی تشکیل کی گئی۔ [۱]

اسی موقعہ پر خلافت کمیٹی کا اجلاس بھی ہوا، جس کی صدارت مولانا شوکت علیؒ نے کی، انڈین نیشنل کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا، جس کی صدارت پنڈت موتی لال نہرو نے کی، اور مسلم لیگ کا اجلاس بھی ہوا، جس کی صدارت مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب نے کی۔ [۲]

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے بھی اس میں قائدانہ شرکت فرمائی، اور مجمع کو اپنے افکار عالیہ سے مستفید فرمایا، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ لکھتے ہیں:

”جمعیۃ علماء کے اس پہلے اجلاس میں بھی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم شریک ہوئے،

۱- مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند ص ۶ تا ۱۴ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعیدؒ☆ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷ مرتبہ مولانا مفتی محمد میاں صاحب۔

۲- علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص ۲۰۷۔

اورانہوں نے اپنے خیالات کا پھر اعادہ فرمایا۔" [۱]

اس اجلاس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی رہائی سے متعلق بھی ایک تجویز منظور کی گئی، اسی اجلاس میں جمعیۃ علماء کا دستور اساسی بھی پیش کیا گیا، طے پایا کہ علماء کی رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے دستور کو شائع کر دیا جائے [۲]، اور آئندہ سال (۱۹۲۰ء) دہلی میں اجلاس عام ہو اور اس میں لوگوں کی آراء کے ساتھ یہ دستور پیش کیا جائے، اسی اجلاس کے موقعہ پر جمعیۃ علماء کی ایک مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی، جس میں مختلف علاقوں اور حلقوں کے لحاظ سے درج ذیل حضرات کے اسماء گرامی شامل کئے گئے:

دہلی:- مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، حکیم اجمل خان۔

یوپی:- مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سید محمد فاخر الہٰ آبادی، مولانا سلامت اللہ، مولانا حسرت موہانی، مولانا مظہر الدین۔

بنگال:- مولانا محمد اکرم خان (کلکتہ)، مولانا منیر الزماں اسلام آبادی (چاٹگام)

بہار:- مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مولانا رکن الدین صاحب دانا، مولانا خدا بخش مظفر پوریؒ۔

سندھ:- پیر تراب علی، مولانا عبداللہ، مولانا محمد صادق۔

پنجاب:- مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید محمد داؤد، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی۔

بمبئی:- مولانا عبداللہ، مولانا عبدالمنعم، مولانا سیف الدین، حکیم یوسف اصفہانی۔ [۳]

اجلاس اول کے بعد ماحول سازی پر خصوصی توجہ

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس اول کے بعد حضرت مولانا سجادؒ خاموش نہیں بیٹھ گئے، ابھی بہت کام باقی تھے، اور سب سے اہم کام جمعیۃ علماء کے تعلق سے ماحول سازی، غلط فہمیوں کا ازالہ اور نفرت وتعصب کا خاتمہ تھا، اور وہ کام حضرت مولانا سجادؒ ہی کر رہے تھے اور کر سکتے تھے، چنانچہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے روئیداد جمعیۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"جمعیۃ کا زیادہ وقت اجتماع علماء میں صرف کیا گیا، بچھڑوں کو ملانا، روٹھے ہوؤں کو منانا، اس

۱- حیات سجادص ۱۰۲، مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ ـــــ عجیب بات یہ ہے کہ مولانا احمد سعید دہلوی کی مرتب کردہ مطبوعہ رپورٹ میں اس موقعہ پر بھی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کا نام مذکور نہیں ہے، جب کہ منتخب شدہ مجلس منتظمہ میں آپ کا نام شامل ہے، علاوہ حضرت مولانا سجادؒ کی وفات پر خود مولانا احمد سعید دہلویؒ کے لکھے ہوئے مضمون میں اجلاس امرتسر میں آپ کی شرکت اور خطاب کا ذکر کیا گیا ہے، اس طرح مولاناؒ ہی کے قلم سے ان کے سہو کی تلافی ہوگئی۔ جمعیۃ علماء ہند کی پہلی مجلس منتظمہ کی تشکیل امرتسر ہی میں ہوئی تھی، اس مجلس کے لئے حضرت مولانا سجادؒ کے اسم گرامی کا انتخاب آپ کی موجودگی کو تقویت دیتا ہے۔

۲- وہ پہلا دستور اساسی "مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند" میں ص ۱۶ تا ۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔

۳- مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند ص ۱۴ مرتبہ حضرت مولانا احمد سعیدؒ۔

غرض کے لئے سفر کرنا، مکالمہ، مراسلہ، مذاکرہ، غرض امکانی ذرائع استعمال کئے گئے، جب جا کر جمعیۃ علماء ہند ان موانع پر غالب آئی جو علماء کی مقدس جماعت کے ساتھ مخصوص ہیں۔"[۱]

کلکتہ میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس خاص

دہلی کے اجلاس عام کی تاریخ ۷ تا ۹ / ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۱ / نومبر ۱۹۲۰ء مقرر کی گئی تھی، مگر اس سے قبل جمعیۃ علماء ہند کا ایک خصوصی اجلاس ۲۲ / ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۶ / ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں زیر صدارت حضرت مولانا سید تاج محمود صاحب سندھی منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً دو سو علماء کرام نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا سجاد بھی شریک تھے[۲]، اس اجلاس سے قریب دو ماہ پیشتر کئی سال کی اسارت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ رہا ہو کر ہندوستان واپس تشریف لائے، آپ بمبئی سے ۷ / ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ (۳۰ / مئی ۱۹۲۵ء) حجاز کے لئے روانہ ہوئے تھے، پھر ۲۴ / صفر المظفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ / دسمبر ۱۹۱۶ء کو مکہ مکرمہ سے گرفتار کئے گئے، اور تقریباً تین برس سات مہینے کی قید و بند کے بعد رہا ہو کر ۲۱ / رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ / جون ۱۹۲۰ء کو ہندوستان واپس تشریف لائے، یعنی ہندوستان سے غیر حاضری کی کل مدت چار سال دس ماہ رہی۔[۳]

مسلمانان ہند بالخصوص آپ کے تلامذہ اور متعلقین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، مگر ہندوستان پہنچے تو ان کے مرض الموت کا آغاز ہو چکا تھا، اس لئے سیاسی کاموں یا پروگراموں میں زیادہ شرکت کا تحمل نہیں فرما سکتے تھے، لیکن جب آپ کو جمعیۃ علماء ہند کے قیام کی اطلاع ملی تو بڑی مسرت کا اظہار فرمایا[۴]، اور اپنے تلامذہ کو ہدایت کی کہ وہ اس جماعت میں شریک ہوں، چنانچہ کلکتہ کے اجلاس میں آپ کے تلامذہ میں مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ، اور مولانا عزیز گل صاحب شریک ہوئے[۵]، اس سے قبل حضرت کے تلامذہ میں سوائے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے کوئی شریک نہیں ہوتا تھا، حضرت شیخ الہندؒ کی ترغیب اور دوسرے اجلاس عام کی صدارت قبول کرنے کے بعد رفتہ رفتہ جمعیۃ

۱- تاریخ امارت ص ۵۱ بحوالہ روئداد جمعیۃ بابت ۱۳۳۸ھ ۱۳۳۹ھ۔

۲- متفقہ فتویٰ علماء ہند ص ۱۴ ناشر منشی مشتاق احمد میرٹھ، مطبع ہاشمی میرٹھ۔

۳- شیخ الہند مولانا محمود حسن ایک سیاسی مطالعہ ص ۴۸ مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مطبوعہ فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء) ☆نقش حیات آپ بیتی حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ ص ۶۵۳۔ جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۶۲ بحوالہ روئداد مدرسہ امینیہ دہلی ۱۳۳۷ھ تا ۱۳۴۲ھ ص ۷۔

۴- جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۴۸۔

۵- لیکن اس اجلاس میں ترک موالات کی تجویز پر دستخط کرنے والے علماء میں ان حضرات کے نام موجود نہیں ہیں، ممکن ہے کہ انہیں دستخط کا موقعہ نہ مل سکا ہو، اس لئے کہ رپورٹ کے مطابق رات کے ایک بجے جب مہمانوں کو کھانے کھلانے کی مہم شروع ہوئی تو کئی علماء سے دستخط نہیں لئے جا سکے (متفقہ فتویٰ علماء ہند ص ۱۳، ۱۴ ناشر منشی مشتاق احمد میرٹھ، مطبع ہاشمی میرٹھ)

علماء میں علماء دیوبند کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔

تجویز ترک موالات

اس اجلاس کی دو تجویزیں بڑی اہم تھیں:

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد بھی پہلی بار جمعیۃ کے اس اجلاس میں شریک ہوئے، انہوں نے ترک موالات کی حمایت میں تجویز پیش کی، جس کی تائید مولانا عبدالصمد بدایونی، مولانا مظہر الدین، اور مولانا محمد عبدالقیوم عرف نور احمد صاحب نے کی، اور باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی [۱]۔ اس کے بعد پانچ سو علماء کے دستخطوں سے ترک موالات کا فتویٰ شائع ہوا، یہ فتویٰ یعنی جواب استفتاء حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نائب امیر الشریعۃ بہار نے تحریر فرمایا تھا۔ [۲]

ترک موالات کا منشا یہ تھا کہ سرکاری تقریبات میں حصہ نہ لیا جائے، سرکاری ملازمتیں قبول نہ کی جائیں، خطابات واپس کر دیئے جائیں، سرکاری اسکول اور کالج چھوڑ دیئے جائیں، اور اپنے قومی اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کی جائے، برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، اور کوئی انگریزی چیز استعمال نہ کی جائے۔

اس سے قبل خلافت کانفرنس میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے سرکاری جشن فتح کے مقاطعہ کی تجویز پیش کی تھی، جس کی تائید مولانا شاہ ولایت حسین، حاجی موسیٰ خان شیروانی، مولانا محمد داؤد امرتسری، جناب محمد حسین بیرسٹر میرٹھ، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادیؒ، سیٹھ چھوٹانی بمبئی، قاری عباس حسین ایڈیٹر قوم، اور گاندھی جی نے کی تھی۔

جشن فتح کے بائیکاٹ کے لئے ایک فتویٰ بھی شائع کیا گیا تھا، جو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور اس پر مولانا احمد سعید، محمد انیس نگرامی، خواجہ غلام نظام الدین قادری، مفتی بدایونی، مولانا سید فاخر الہ آبادی، سید کمال الدین احمد جعفری الہ آبادی، محمد قدیر بخش، مولانا سید تاج محمود امروٹ، مولانا محمد ابراہیم انجمن اسلامیہ دربھنگہ، مولانا خدا بخش مظفر پوریؒ، مولانا محمد سلامت اللہ فرنگی محلی، محمد امام صاحبزادہ پیر صاحب العلم سندھ، اسد اللہ حسینی سندھی، مولانا بخش مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر، ابراہیم سیالکوٹی، مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ مدرس دوم مدرسہ انوار العلوم گیا، مولانا محمد صادق کراچوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، سید محمد اسماعیل غزنویؒ امرتسر،

۱- متفقہ فتویٰ علماء ہند ص ۱۴ ناشر منشی مشتاق احمد میرٹھ، مطبع ہاشمی میرٹھ ☆☆ جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۸ بحوالہ اخبار زمانہ کلکتہ شمارہ ۷۵ ج امورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۰ء۔

۲- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۸۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور محمد عبداللہ نے دستخط کئے تھے۔ [1]

تجویز صدارت اجلاس

(۲) کلکتہ کانفرنس کی دوسری تجویز - جو نمبر کے لحاظ سے تجویز نمبر ٦ تھی - یہ تھی کہ:

”جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ جمعیۃ کا آئندہ اجلاس دہلی میں منعقد کیا جائے اور اس کی صدارت کے متعلق شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قبلہ سے درخواست کی جائے کہ وہ صدارت منظور فرمائیں۔“

چنانچہ اس تجویز کے مطابق حضرت شیخ الہندؒ سے منظوری حاصل کی گئی۔ [2]

جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس عام دہلی

جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس عام دہلی میں (نور گنج یعنی پل بنگش اور باڑہ ہندو راؤ کے درمیان) بتاریخ ۷ تا ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء زیر صدارت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ منعقد ہوا، مجلس استقبالیہ کے صدر حکیم اجمل خان صاحب تھے [3]، اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پورے ملک سے علماء کی نمائندگی شامل تھی، بقول مولانا احمد سعید دہلویؒ ”ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا، جہاں سے علماء تشریف نہ لائے ہوں۔“ [4] پانچ سو سے زائد علماء شریک ہوئے۔ خود جمعیۃ کی روداد میں اس اجلاس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

”جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس ۷، ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں منعقد ہوا، اور خدا کے فضل و کرم سے جس شان و شوکت اور امن و اطمینان سے ہوا، وہ دیکھنے والوں کے دل خوب جانتے ہونگے ہندوستان، بنگال، سندھ، صوبہ سرحد غرض کہ ہر گوشۂ ملک کے نمائندے علماء کرام موجود تھے، پانچ سو سے زیادہ صرف حضرات علماء شریک جلسہ ہوئے۔“ [5]

حضرت شیخ الہندؒ کا قیام ڈاکٹر شوکت انصاری صاحب کی کوٹھی پر تھا، حضرت شیخ الہندؒ بہت

۱- جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۵۹، ۶۰ بحوالہ مسئلہ خلافت و جشن صلح مطبوعہ جے اینڈ سنز پریس دہلی۔

۲- حسن حیات ص ۵۱، ۵۲۔ ☆ جمعیۃ علماء ہند کی دوسالہ روداد بابت ۱۳۳۸ھ و ۱۳۳۹ھ، ص ۲۲، ۲۳، افضل المطابع پریس دہلی، نومبر ۱۹۲۱ء۔

۳- حسن حیات ص ۵۳ ☆ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی - ایک سیاسی مطالعہ ص ۵۰ مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری ☆ جمعیۃ علماء پر تاریخی تبصرہ ص ۶۰۔ (نوٹ) واضح رہے کہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی کتاب ”علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے“ (ص ۲۱۵) پر تاریخ اجلاس ۱۹ تا ۲۱ / اکتوبر درج ہے، جو سہو ہے، صحیح تاریخ ۱۹ تا ۲۱ / نومبر ہے۔

۴- حیات سجاد ص ۱۰۳۔

۵- تاریخ امارت ص ۵۲ بحوالہ تجاویز اجلاس دوم۔

زیادہ بیمار تھے، اس لئے آپ براہ راست شریک اجلاس نہ ہو سکے اور آپ کی صدارت کی نیابت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے انجام دی، خطبۂ صدارت بھی آپ کے ایماء پر مفتی صاحبؒ نے ہی تحریر فرمایا تھا، اور انہوں نے ہی اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔[1]

حضرت شیخ الہندؒ مستقل صدر جمعیۃ علماء ہند

اس جلسہ میں یہ طے پایا کہ حضرت شیخ الہند جمعیۃ کے مستقل صدر ہونگے، اور مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نائب صدر، اور مولانا احمد سعید صاحبؒ مستقل ناظم۔ لیکن اجلاس کے تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ہی ۱۷ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا، اور مفتی کفایت اللہ صاحب قائم مقام صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ۶ر ستمبر ۱۹۲۱ء (۳ر محرم الحرام ۱۳۴۰ھ) کو لکھنؤ میں تیسرے سالانہ اجلاس تک کے لئے مجلس منتظمہ نے آپ کو صدر مقرر کر دیا، پھر تیسرے سالانہ اجلاس (مقام لاہور، منعقدہ ۱۸ تا ۲۰ر نومبر ۱۹۲۱ء) کو آئندہ کے لئے بھی آپ کی توسیع کر دی گئی، اور آپ ۱۹۴۰ء تک جمعیۃ علماء ہند کے مسلسل صدر رہے۔[2]

ترک موالات پر متفقہ فتویٰ علماء ہند

اس اجلاس میں برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تجویز بھی منظور ہوئی، جس کو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے مرتب کیا تھا، مولانا احمد سعید دہلویؒ لکھتے ہیں:

> ''عدم تعاون کی تجویز کے سلسلے میں جو فتویٰ مرتب کیا گیا، اور جس کا نام آگے چل کر پانچ سو (۵۰۰) علماء کا متفقہ فتویٰ ہوا وہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کا مرتب کیا ہوا تھا۔ اس فتویٰ سے مولانا کے اس تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے، جو مولانا کو قدرت کی جانب سے عطا ہوا تھا۔''[3]

۱- حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے نقش حیات میں لکھا ہے کہ خطبۂ صدارت حضرت کے حکم پر مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا تھا اور اجلاس میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے پڑھ کر سنایا (نقش حیات ج ۲ ص ۶۷۹ دار الاشاعت اردو بازار کراچی)

لیکن مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مفصل روئداد کاروائی اجلاس دوم دہلی جمعیۃ علماء ہند قلمی غیر مطبوعہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، حضرت شیخ الہندؒ کے مطبوعہ خطبے کے ٹائٹل پر بھی لکھا ہے کہ ''مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نائب صدر جمعیۃ نے پڑھ کر سنایا'' اور روئداد مدرسہ امینیہ دہلی ۱۳۴۳ھ تا ۱۳۴۲ھ صفحہ ۸ پر بھی اس کا ذکر ہے، مولانا مدنیؒ سے تسامح ہو گیا ہے، یہ غلط فہمی غالباً اس وجہ سے ہوئی، کہ ۹ر ربیع الاول کے آخری اجلاس میں مولانا شبیر احمد صاحب نے ترک موالات پر ایک طویل مضمون پڑھ کر سنایا تھا۔'' (جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ ص ۶۱)

۲- حسن حیات ص ۵۳۔

۳- حیات سجاد ص ۱۰۲۔

مولانا شاہ محمد عثمانی صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

"اس فتویٰ سے عام مسلمان جوش سے بھر گئے، برطانوی مالوں کا مقاطعہ ہوا، اسکول اور کالج چھوڑ دیئے گئے لیکن سرکاری ملازمتوں سے کم لوگ دستبردار ہوئے، جیسا کہ اکبرؔ الہٰ آبادیؒ نے لکھا ہے:

کوچۂ سروس انگلش میں رہے ہم ساکن
جاہ و زر ہی کی تمنا میں کٹے زیست کے دن
وعظ گاندھی میں بدل سکتے ہیں کیوں کر باطن
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مؤمن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

سرکاری خطابات بھی بہت کم لوگوں نے واپس کئے، جیسا کہ اکبرؔ نے طنز کیا ہے:

مذہب واپس خیال جنت واپس
مذہب کا وہ حق وہ نذر دعوت واپس
حضرت نے صاف کہدیا سب کہ میں
کرنے کا نہیں خطاب و خلعت واپس

دراصل بڑے بڑے زمینداروں کے بچے اور بڑے بڑے سرکاری عہدہ دار تحریک سے کم متأثر ہوئے، چنانچہ ہمارا غیور شاعر لکھتا ہے:

بہت ایسے ہیں جو ترک تعاون کے بھی قائل ہیں
مگر اونچے جو ہیں اکثر خوف انگلش کے مائل ہیں

یہ لوگ تحریک کی مخالفت کرنے لگے اور کہا کہ یہ ہندوؤں کی سازش ہے اور مولانا لوگ نہیں سمجھتے، ان کے خیال کی تردید اکبرؔ نے یوں کی ہے:

نہ مولانا میں لغزش ہے نہ سازش کی ہے گاندھی نے
چلایا ایک رخ کو فقط مغرب کی آندھی نے

یعنی مغرب کی مسلم دشمنی اور ایشیا کو غلام بنانے کی کوشش نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کر دیا، سودیشی تحریک پر اکبرؔ یہ کہتے ہیں:

تحریک سودیشی پر مجھے وجد ہے اکبرؔ
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں[1]

۱- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۱۲۸، ۱۲۹ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی۔

مولانا سجادؒ کی تقریر بے نظیر

☆ یہ جمعیۃ علماء ہند کا ایک تاریخی بلکہ تاریخ ساز اجلاس تھا، جو ملک کی آزادی اور مسلمانوں کی حیات ملی کے لئے سنگ میل ثابت ہوا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحب جو اجلاس کے روح رواں اور جمعیۃ کا دماغ تھے ان کی فکری اور عملی صلاحیتوں کے جوہر بھی اس موقعہ پر خوب کھلے، یقیناً اجلاس عام میں بھی آپ نے اظہار خیال فرمایا ہوگا، لیکن مولانا احمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جمعیۃ علماء کے اس تاریخی اجلاس کی سبجیکٹ کمیٹی میں بھی مولانا نے ایک تقریر فرمائی تھی، اور وہ تقریر اپنی آپ ہی نظیر تھی۔''[1]

امیر الہند کی تجویز

☆ حضرت مولانا سجادؒ کی کوشش تھی کہ اسی اجلاس میں نصب امیر کا مسئلہ بھی حل کرلیا جائے، اور امیر الہند منتخب کرلیا جائے، وہ اس کو اس اجتماع کا نصب العین بنانا چاہتے تھے، اس لئے کہ آئندہ علماء کی اتنی بڑی تعداد کا جمع ہونا ممکن ہو یا نہ ہو۔ علاوہ حضرت شیخ الہندؒ جیسی مغتنم شخصیت ابھی موجود تھی، ان کی امارت پر اتفاق رائے کا قوی امکان تھا، بعد میں کسی دوسری شخصیت پر یہ اتفاق پیدا ہو سکے یا نہ ہو سکے، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے دیوبند یا دہلی جا کر حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات بھی کی تھی، اور حضرت شیخ الہندؒ انتخاب امیر کی تجویز پر راضی بھی ہو گئے تھے، بلکہ ان کو اس پر اصرار بھی تھا اور انہوں نے بھی اپنی فراست سے اس کو محسوس کرلیا تھا کہ جو آج ہو جائے گا وہ کل نہیں ہو سکے گا، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ لکھتے ہیں:

''وہ لوگ جو اس اجلاس میں شریک تھے، جانتے ہیں، کہ اس وقت حضرت شیخ الہندؒ ایسے ناساز تھے کہ حیات کے بالکل آخری دور سے گذر رہے تھے، نقل وحرکت کی بالکل طاقت نہ تھی، لیکن باوجود اس کے ان کو اصرار تھا، کہ اس نمائندہ اجتماع میں جب کہ تمام اسلامی ہند کے ذمہ دار اور ارباب حل وعقد جمع ہیں، امیر الہند کا انتخاب کرلیا جائے اور میری چارپائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جایا جائے پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا، مگر نزاکت حال کو دیکھ کر طبیب وڈاکٹر اور خدام ومخلصین کی اس وقت رائے ہوئی، کہ حضرت شیخ الہندؒ کی صحت پر اٹھا کر رکھا جائے، تاکہ پورے اطمینان اور انشراح صدر کے ساتھ اس کو عمل میں لایا جائے۔''[2]

۱- حیات سجاد ص ۱۰۲۔
۲- تاریخ امارت ص ۵۳، مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

تیسرے اجلاس میں امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور

اس طرح اس اجلاس میں امیر الہندؒ کا انتخاب نہ ہوسکا یہاں تک کہ ایک ہفتہ کے بعد ہی حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہوگیا۔

اس کے اگلے سال (۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء مطابق ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ کو بمقام لاہور) مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کا تیسرا اجلاس منعقد ہوا[1]، اس میں حضرت مولانا سجاد کی کوشش سے امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز باتفاق رائے منظور کی گئی، مولانا احمد سعید صاحب رقمطراز ہیں:

''جمعیۃ علماء نے جو تجویز امارت شرعیہ کے سلسلے میں پاس کی تھی، وہ بھی انہی کی سعی کا نتیجہ تھا۔''[2]

امیر الہند کے انتخاب میں دشواریاں

لیکن امیر الہند کے لئے کسی شخصیت پر اتفاق رائے اس اجلاس میں بھی نہ ہوسکا، اور امارت ہند کا مسئلہ معرض التوا میں چلا گیا، اس کے بعد کی تفصیل خود حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''انہوں نے (یعنی ارباب حل وعقد جمعیۃ علماء ہند) اجلاس جمعیۃ ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور کی، جو زیر صدارت حضرت علامہ ابوالکلام صاحب آزاد منعقد ہوا تھا وراسی اجلاس میں امیر شریعت کے اصول کو منضبط کرنے اور بعض امور کی تشریحات کے لئے ایک مجلس بنائی گئی اور اسی اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ ایک ماہ بعد فوراً ایک دوسرا خصوصی اجلاس اس مسودہ کی منظوری اور انتخاب امیر الہند کے لئے منعقد کیا جائے مگر جس ہفتہ اجلاس خصوصی تھا وہی وقت حکومت کے جبر واستبداد کے کامل مظاہرہ اور قوم کے دلیرانہ مقابلہ کا تھا، اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اور دوسرے علماء وغیرہ بھی گرفتار ہوئے اور شاید دشمنان اسلام کی طرف سے جابجا مختلف عنوانوں سے مشہور کیا گیا کہ اجلاس ملتوی ہوگیا، بات بھی لگتی ہوئی تھی، کیونکہ خاص خاص مراکز میں گرفتاریاں عام تھیں، جن اراکین کے کانوں تک التواء کی غلط آواز پہنچی، انہوں نے قرائن پر قیاس کر کے صحیح سمجھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے ارکان نہ پہنچ سکے، جن کی موجودگی میں اجلاس منعقد ہوسکتا، مگر پھر بھی بعض حضرات علماء اکابر و بعض ارکان زعمائے ہند پہنچ گئے تھے، مثلاً مسیح الملک

۱۔ حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد۔ حیات وخدمات (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار ۱۹۹۹ء پٹنہ) ص ۲۹۴ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمیؒ۔

۲۔ حیات سجاد ص ۱۰۵۔

حکیم اجمل خان صاحب، مولوی احمد صاحب سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ وغیرہ۔ آخران حضرات کا باہمی مشورہ ہوا اور اس مجلس نے جو ترتیب مشورہ کے لئے مرتب ہوئی تھی مسودہ مرتب کیا۔

بعدہ کچھ ایسے واقعات وحوادث پیش آئے کہ اس مسودہ پر مجلس منتظمہ کو غور کرنے کا موقعہ نہیں ملا، اس بنا پر جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس اجمیر میں یہ غور کیا گیا کہ امارت شرعیہ ہند کے قیام میں چونکہ بہ ہمہ وجوہ متعددہ تعویق ہے اس لئے جب تک صوبہ وار امارت شرعیہ قائم کی جائے اور اس کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے صوبہ وار جمعیتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تجویز کے ذریعہ سے ان کو ہدایت دی، کہ جلد از جلد صوبہ وار امارت شرعیہ قائم کریں مگر اکثر صوبوں کے ناظمین اس دور میں اپنے صوبہ کے کاموں کے ذمہ دار تھے، اس لئے غالباً اس تجویز پر عمل نہ کر سکے، پھر فروری ۱۹۲۲ء میں بمقام دہلی جلسۂ منتظمہ میں مسودہ فرائض واختیار امیر شریعت اور نظام نامہ امارت شرعیہ فی الہند طبع کرا کر تمام ارکان انتظامیہ جمعیۃ علماء ہند اور دیگر اہل الرائے کی خدمت میں بھیجنے کی تجویز منظور ہوئی، چنانچہ اس تجویز کے مطابق عمل بھی ہوا۔

شاید اس تعویق اور تاخیر میں یہ مصلحت ہو کہ اس وقت ہندوستان کے بہت سے ارباب حل وعقد وغیرہ قید خانوں میں محبوس تھے، اس لئے امارت کے قیام واستحکام کے لئے ان اصحاب کے باہر آجانے کی ضرورت تھی تاکہ تمام یا اکثر ارباب حل وعقد علماء وغیر علماء غور وفکر کے بعد ایک مضبوط بنیاد پر اس کو قائم کریں۔"[۲]

مسودۂ فرائض واختیارات امیر شریعت

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے اپنے خطبہ میں امیر شریعت کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے تیار کردہ جن مسودات کا ذکر کیا ہے، ان میں "مسودۂ فرائض واختیارات امیر الشریعۃ فی الہند" کو جمعیۃ علماء ہند کی ایک سب کمیٹی اور کچھ علماء نے مرتب کیا تھا، سب کمیٹی کے ارکان درج ذیل حضرات تھے:

۱- اجلاس اجمیر حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، اور صوبہ وار امارت کے لئے اس میں جو تجویز پاس ہوئی اس کے الفاظ یہ تھے:

"جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس منعقدہ لاہور نے طے کر دیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تنظیم واقامت محاکم شرعیہ وبیت المال کے لئے امیر الہند کا انتخاب کیا جائے، چونکہ امیر الہند کا انتخاب بظاہر اس وقت تک مشکل ہے جب تک صوبہ وار امراء منتخب نہ ہو جائیں، لہذا جمعیۃ علماء ہند کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جلد امراء صوبہ کا انتخاب عمل میں آئے، اور ہر صوبہ کی جمعیۃ کو توجہ دلاتا ہے کہ جلد از جلد اس غرض کے لئے جمعیۃ صوبہ کے عام اجلاس کر کے اپنے صوبہ کے واسطے امیر شریعت کا انتخاب کر لے، انتخاب امیر سے قبل اس کے فرائض واختیارات وقواعد مرتب کر کے جمعیۃ علماء ہند سے منظور کرا لئے جائیں۔"

(بتاریخ ۳، ۴، ۵/ رجب ۱۳۴۰ھ) (تاریخ امارت مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۵۵ حاشیہ)

۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۱۲۶ تا ۱۲۸۔

☆ مولانا مفتی کفایت اللہ صدر جمعیۃ علماء ہند۔

☆ مولانا سبحان اللہ صاحب

☆ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب

☆ مولانا محمد فاخر الہ آبادی صاحب

☆ مولانا عبدالماجد صاحب

☆ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب

☆ اور مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی نائب ناظم جمعیۃ علماء ہند۔

ارکان کمیٹی کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا فرخند علیؒ وغیرہ تیرہ علماء اور بھی شامل تھے، اس مجلس نے ۲۰رنومبر ۱۹۲۱ء (۱۹رربیع الاول ۱۳۴۰ھ) کو لاہور میں یہ مسودہ تیار کیا، یہ کل چار صفحات پر مشتمل مسودہ ہے، جس میں ایک صفحہ پر شرکاء کے نام اور تین صفحات پر تجاویز ہیں۔

نظام نامۂ امیر شریعت

جب کہ 'مسودہ نظامنامۂ امیر الشریعۃ فی الہند' کو حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے تنہا مرتب فرمایا تھا، یہ دس صفحات پر مشتمل ہے اور مسودۂ فرائض کے مقابلے میں یہ زیادہ مفصل اور جامع ہے۔

ان دونوں مسودات کا مجموعہ اسی زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند نے حمیدیہ پریس دہلی سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔

گیا میں جمعیۃ علماء ہند کا چوتھا اجلاسِ عام

گیا (بہار) میں جمعیۃ علماء ہند کا چوتھا اِجلاس عام ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ/دسمبر ۱۹۲۲ء میں حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی نگرانی میں پوری شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمائی، اور اس وقت کے عام دستور کے مطابق خلافت کانفرنس کے ساتھ ہی جمعیۃ کانفرنس بھی رکھی گئی۔

اِس اِجلاس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حالاں کہ اُس وقت کانفرنسوں کا بڑا زور تھا لیکن گیا کے میدانوں میں آ کر دنیا نے تماشا کیا کہ جس جمعیۃ کی بنیاد بہار میں رکھی گئی تھی، وہ ایک خالص ہندو شہر اور بودھسٹ مرکز میں تھی، ایسے

روشن چراغ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھی کہ اُس کے سامنے کانگریس کا آفتاب اور خلافت کا ماہتاب بھی شرمانے لگا، اور اِس کا اعتراف اپنے اور غیروں سب نے کیا۔ اِسی کا اعتراف نہیں، بلکہ اس کا بھی کہ سارے ہندوستان کا سب سے نمایاں اجلاس "جمعیۃ علماء گیا" کا اِجلاس تھا، اور جمعیۃ علماء گیا کا اجلاس صرف اُس واحد شخصیت (حضرت مولانا سجادؒ) کی عملی قوتوں کا مظہر تھا جس کے معنی یہی ہوئے کہ اُس وقت سارے ہندوستان کی بڑی نمایاں ہستی حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تھی، جمعیۃ علماء اُس کے بعد بھی بڑھتی رہی، چمکتی رہی، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ گیا کا اجلاس نہیں، بلکہ جمعیۃ کے جتنے اجلاس ہوتے رہے، اُس کی بولنے والی روح اور خاموش زبان وہ تھی، جو زندگی میں بھی خاموش رہنے کے باوجود سب سے زیادہ بولنے والی تھی، اور اِن شاء اللہ اُس کی خاموش بولیاں اَبد تک نہ چپ ہونے والی بولیاں ہیں۔"[1]

باقی اجلاس کی کاروائی، منظر کشی اور دیگر تفصیلات جناب راغب احسن صاحب سیکریٹری مسلم لیگ کلکتہ کے حوالے سے تحریک خلافت کے باب میں گذر چکی ہیں۔[2]

اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد کی صدارت

☆ جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں اجلاس عام (۱۵/جمادی الثانیۃ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۱/جنوری ۱۹۲۵ء-مراد آباد) کی آپ نے صدارت فرمائی، جمعیۃ کے اراکین و ذمہ داران اس پر اس قدر مسرور اور جذبۂ امتنان سے لبریز تھے کہ اجلاس عام میں باضابطہ آپ کے لیے تجویز شکریہ منظور کی گئی، جو کہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ چنانچہ اجلاس کی تجویز نمبر ۲۹ اس طرح ہے۔

"جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ صدر اجلاس جمعیت علمائے ہند مراد آباد کی خدمت میں اپنا مخلصانہ شکریہ پیش کرتا ہے کہ حضرت ممدوح نے اجلاس کی صدارت و رہنمائی فرما کر اس کو عزت بخشی، حق تعالیٰ مولانا کو اجر جزیل عطا فرمائے۔"[3]

اسی موقعہ پر آپ نے اپنا وہ تاریخی خطبۂ صدارت پیش فرمایا جس کو کانفرنسوں کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، آپ نے عالمی اور ملکی مسائل، سیاست کی شرعی اور تاریخی حیثیت، سیاست سے علماء کی بے اعتنائی پر تنبیہ اور اس کے اسباب وعوامل، خطرات اور سدباب اور مختلف اداروں اور تحریکات کے لئے منصوبے، تجاویز اور طریق کار پر ایسی مبصرانہ، محققانہ اور ناقدانہ روشنی

۱-حیاتِ سجاد ۵۵-۵۶

۲-محاسن سجاد ۱۰۲-۱۰۴

۳-مولانا ابوالمحاسن سجاد-حیات وخدمات ص ۲۹۴، ۲۹۵ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی۔☆ تجاویز: ۲۹۔

ڈالی جس نے علم اور اسلامی سیاست کی لائبریری میں (مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے الفاظ میں) ایک اصولی انسائیکلو پیڈیا کا اضافہ کیا[1]، اسی موقعہ پر مولانا سجادؒ نے جمعیۃ علماء کی ہمہ گیری، اہداف و مقاصد، اور افادیت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مجھ کو اس کے بانیین کے اس حسن تدبر سے بے حد مسرت ہوتی ہے کہ انہوں نے علماء وغیر علماء کی خلیج کو پاٹنے کے لئے ایک بہتر صورت پیدا کر دی ہے، اس کے علاوہ چونکہ علمائے بانیین نے جمعیۃ کے مقاصد میں سیاست کو بھی داخل کیا ہے جو ایک مناسب اور ضروری امر تھا، اس لئے بھی ضرورت تھی کہ جو حضرات سیاست مغربیہ سے زائد واقفیت رکھتے ہوں ان کو مشورہ میں شریک کیا جائے، اور سیاست مغربیہ کی چال بازیوں کو سیاسی حضرات سے معلوم کیا جائے، اور ادھر سیاسی حضرات علماء ربانیین سے شریعت کے اس اسلحہ کو معلوم کریں جس سے سیاسیات مغربیہ کی چالبازیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، یا سیاسیات مغربیہ کے اسلحہ خانوں سے جو اسلحہ وہ خود حاصل کریں اس کو علماء شریعت کے سامنے پیش کر کے اس کا قابل استعمال من جہۃ الشرع ہونا معلوم کریں، اور یہ علماء کی کثرت ہی سے ہوسکتا ہے۔

پس جس طرح سے یہ حقیقت جمعیت کی صورت نوعیہ پر تصویب کی مہر لگاتی ہے اسی طرح اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالتی ہے، کہ اگر آج ہندوستان کی سرزمین میں سب سے زیادہ کسی جمعیت کی ضرورت ہے تو وہ جمعیۃ علماء ہند کی ہے، اس لئے تمام علماء ہند وزعماء ہند وعوام الناس کا اولین فرض ہے کہ اس کو مضبوط کریں، اور اس کی مضبوطی قلوب میں اس کو جگہ دینے اور پھر اس کے خزانہ کو معمور کرنے سے ہوسکتی ہے۔

میرے اس کلام سے یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ میں ہندوستان کی دوسری قومی مجالس کو لغو اور بیکار محض سمجھتا ہوں، بلکہ ان کو بھی میں ایک مفید شے سمجھتا ہوں، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں جمعیۃ علماء کو باعتبار ضرورت واہمیت اولیت کا مرتبہ دیتا ہوں اور بقیہ مجالس کو ثانویت وثالثیت

---

[1]- جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ خطبہ حضرت مولانا سجادؒ نے نہایت عجلت میں اور کم وقت میں تیار فرمایا تھا، جس کا تذکرہ 'خطبہ صدارت' کے پیش لفظ میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے کیا ہے (ص ۶) دراصل اس اجلاس کی صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ کو کرنی تھی، لیکن عین وقت پر اچانک علامہ کے وفد جدہ میں شرکت کی بنا پر حضرت مولانا سجادؒ کو یہ ذمہ داری دی گئی، جب کہ اجلاس میں صرف چند روز باقی تھے، اس بات کا ذکر خود حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی اپنے مضمون میں کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''جمعیۃ العلماء کے اجلاس کلکتہ کے خطبہ میں میرے قلم سے ان کی نسبت یہ الفاظ نکلے تھے، جو پہلے مدح تھی اب مرثیہ ہے۔ ۱۳۴۴ھ کے اجلاس خاص مرادآباد کے موقع پر بھی مجھے یہ عزت عطا ہوئی تھی، مگر عین وقت پر وفد جدہ کی شرکت نے انکار پر مجبور کیا اور میں خوش ہوں کہ اس کی بدولت ایک خاموش ہستی بولی اور ایک بے زبان نے زبان کے جوہر دکھائے اور ایک ہمہ تن سوز وگداز نے کاغذ کے صفحوں پر اپنے دل کے ٹکڑے بکھیرے۔'' (محاسن سجاد ص ۴۲، ۴۳)

کے مراتب میں خیال کرتا ہوں۔" [۱]

ادارۂ حربیہ کے سربراہ

۱۹۲۹ء میں انگریزوں کے خلاف کانگریس کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو جمعیۃ علماء ہند نے بھی اپنے اجلاس مجلس عاملہ (۱۱، ۱۲/اگست ۱۹۲۹ء مرادآباد) میں سول نافرمانی کا پروگرام منظور کیا، اس جرم میں مولانا مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ ۱۷/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۱/اکتوبر ۱۹۳۰ء کو گرفتار کر لئے گئے اور انہیں چھ ماہ قید با مشقت کی سزا ہوئی [۲]۔ پھر جمعیۃ علماء ہند نے اپنے دسویں اجلاس عام (۳۱/مارچ تا یکم اپریل ۱۹۳۱ء کراچی) میں ایک تجویز کے ذریعہ سول نافرمانی کی تحریک کو جاری رکھنے اور رضا کاروں کی بھرتی کا پروگرام منظور کیا، سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جو لوگ سول نافرمانی کی تحریک میں گرفتار ہوتے تھے، جیل کی سزا کے ساتھ ان کی جائداد بھی ضبط کر لی جاتی تھی، اور بڑے بڑے جرمانے عائد کئے جاتے تھے، جس کی وصولی کے لئے ان کی جائیدادوں کو نیلام کر دیا جاتا تھا [۳]، اس لئے اس بار تحریک چلانا سخت دشوار معلوم ہو رہا تھا، پورے ملک میں اس تحریک کو چلانے کے لئے ایک مستقل نظام کی ضرورت تھی، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند نے اس کے لئے ایک خفیہ ادارہ 'ادارۂ حربیہ' قائم کیا، کانگریس نے اس کے لئے 'جنگی کونسل' قائم کیا تھا، اس نظام کے سربراہ کو جمعیۃ اور کانگریس دونوں جگہ ڈکٹیٹر کہا جاتا تھا، اور یہ اصطلاح اس لئے اختیار کی گئی تھی، کہ ملک میں سخت بے چینی کے حالات تھے، کانگریس غیر قانونی جماعت قرار دی جا چکی تھی، اس کے تمام مراکز پر چھاپہ ماری کی جارہی تھی، جمعیۃ علماء ہند گو کہ غیر قانونی کے دائرے میں نہیں آئی تھی، لیکن کانگریس سے نظریاتی قربت کی بنا پر اس کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا جاتا تھا، اس کے قائدین کی گرفتاریاں بھی جہاں تہاں جاری تھیں، کس کی گرفتاری کب اور کہاں ہو جائے گی، کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا، صدر اور ناظم وغیرہ کے انتخاب کے لئے مجلس عاملہ یا مجلس عمومی کی نشستوں کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا اس زمانہ میں کوئی موقعہ نہیں تھا، اسی لئے ایک سرکلر کے ذریعہ تمام عہدے ختم کر کے ڈکٹیٹر شپ قائم کر دی گئی تھی، اور ڈکٹیٹر ہی نظام چلاتا تھا، اور اس کی ایک خفیہ ترتیب بھی قائم کر دی گئی تھی، مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں پر یہی ترتیب بنائی گئی تھی، تاکہ ایک گرفتار ہو تو اپنی جگہ دوسرے کو نامزد کر دے، یہ بالکل جنگی صورت

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۱۳۶، ۱۳۷۔
۲- کفایت المفتی ج ۱ ص ۹ مطبوعہ کراچی۔
۳- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد – حیات و خدمات ص ۱۲۹ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی، و ص ۲۹۷ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی۔

حال تھی، اس لئے جنگی حکمت عملی سے واقف حضرات ہی کو اس میں شامل کیا گیا تھا، چونکہ ثبوت اور چھاپہ ماری سے بچنے کے لئے یہ تمام کاروائی تحریری ریکارڈ میں نہیں لائی جاتی تھی، اس لئے اس کی حتمی ترتیب معلوم نہیں ہے، البتہ مولانا محمد میاں صاحبؒ نے حافظہ سے بعض ڈکٹیٹروں کے نام بیان کئے ہیں کہ وہ کس نمبر پر تھے؟ مثلاً: مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ڈکٹیٹر اول، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ڈکٹیٹر دوم، اور مولانا احمد سعید دہلویؒ ڈکٹیٹر سوم تھے، اپنے بارے میں انہوں نے بتایا کہ کہ وہ نویں نمبر کے ڈکٹیٹر تھے، البتہ ادارۂ حربیہ کے پورے نظام کے کلید بردار اور قائد حضرت مولانا محمد سجادؒ تھے، مولانا محمد میاں صاحبؒ کے الفاظ میں:

''جمعیۃ علماء ہند کے صدر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب اور ناظم اعلیٰ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب تھے، مگر وہ ڈائنمر جس کو بہت سے انجکشن دیئے گئے تھے، ابوالمحاسن مولانا سجاد صاحب (نائب امیر شریعت صوبہ بہار) تھے، رحمہم اللہ، ادارۂ حربیہ کے کلید بردار یہی حضرت تھے۔

جمعیۃ علماء ہند کے دفتر سے علٰحدہ محلہ بلی ماران کی ایک تاریک گلی میں ایک مکان لے لیا گیا تھا حضرت مولانا سجاد صاحب کا قیام اسی مکان میں رہتا تھا جس کا علم دفتر کے لوگوں میں سے بھی غالباً صرف قاضی اکرام الحق صاحب کو تھا جماعت کے جو حضرات اسی ادارہ کی ضرورت سے حضرت موصوف سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، تو قاضی اکرام الحق صاحب ہی ان کے رہبر بنتے تھے۔

مولانا سجاد صاحب کے دست راست اور نفس ناطقہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تھے، جن کو نظام رضا کاران کا ناظم اعلیٰ یا کمانڈر بنایا گیا تھا، اور ان کا کام یہ تھا کہ ملک میں گھوم پھر کر تحریک کا جائزہ لیں اور اس نظام کو کامیاب بنائیں۔ ۔۔ اور احقر (مولانا محمد میاں صاحب) کے لئے موصوف (حضرت سجادؒ) کی ہدایت یہ تھی، کہ ہر ہفتہ جمعہ کی صبح کو مرادآباد سے چل کر دہلی پہنچا کرے اور نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں تقریر کر کے واپس ہو جایا کرے (اسی ضمن میں مولانا میاں صاحب نے اپنی گرفتاری کا قصہ بھی بیان کیا ہے جس سے مولانا سجاد صاحب کی بصیرت اور حالات سے آگہی کا پتہ چلتا ہے، مولانا میاں صاحب کا خیال ہے کہ اگر حضرت مولانا سجادؒ کی ہدایات کی پاسداری میں غفلت نہ برتی گئی ہوتی تو وہ گرفتاری سے بچ سکتے تھے)[1]

مولانا عبد الصمد رحمانی بھی اس نظام میں حضرت مولانا سجادؒ کے معاون تھے[2]، پورے ملک سے ہزاروں کی تعداد میں رضا کار آتے تھے، اور نافرمانی کا مظاہرہ کر کے گرفتار ہوتے تھے،

۱- مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن ایک سیاسی مطالعہ ص ۱۴۹ تا ۱۵۴ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، ناشر فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء۔
۲- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۱۲۹ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس مہم کو سرانجام دیا، بلکہ جب بھی جمعیۃ علماء نے یہ نظام قائم کیا، مولانا محمد سجادؒ ہی اس کے سربراہ رہے، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود آپ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، آپ کے شریک کار اور اس نظام میں آپ کے دست راست مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں:

''جمعیۃ علماء ہند نے اس اکیس سالہ سیاسی دور میں ہندوستان کے اندر اسلام کی سربلندی اور ملک و وطن کی آزادی کے لئے برٹش حکومت کے مقابلہ میں جب بھی ''دائرۂ حربیہ'' قائم کرکے سول نافرمانی کا آغاز کیا، تو ہمیشہ مولانائے موصوف ہی اس ادارہ کے امیر یا انچارج مقرر ہوئے اور مولانا نے اس بے سروسامان مجلس کے جھنڈے کے نیچے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے ہزاروں مسلمانوں کی بہترین قیادت انجام دی اور دائرۂ حربیہ کے کام کو اس خوبی سے انجام دیا کہ اس سے بہتر اس اہم اور مشکل مہم کو انجام دینا دوسروں کے لئے بہت مشکل تھا۔''[1]

شاردا ایکٹ کے خلاف احتجاج

☆ ملک میں جب شاردا ایکٹ (تحدید عمر ازدواج اور سول میرج قانون) نافذ ہوا، جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے شادی کی عمر کی تحدید کی گئی تھی، تو حضرت مولانا سجادؒ نے الجمعیۃ اور جریدۂ امارت میں اس کے خلاف مضامین لکھے، اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ اگر حکومت ان کا مطالبہ تسلیم نہ کرے تو اس قانون کی نافرمانی کریں، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس (۱۱، ۱۲/اگست ۱۹۲۹ء مرادآباد) میں اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ اور اس کو مذہب میں مداخلت کے ہم معنیٰ قرار دیا، پھر جمعیۃ علماء ہند کے نویں اجلاس عام (۳ تا ۶/مئی ۱۹۳۰ء امروہہ) میں شاردا ایکٹ کے خلاف سخت تجویز منظور کی گئی۔[2]

جمعیۃ علماء کے اس فیصلہ کے بعد حضرت مولانا سجاد صاحب کے ایما پر گیا میں قانون شکنی کے عنوان سے ایک 'متحدہ کانفرنس' ہوئی، جس میں علی الاعلان قانون شکنی کے مظاہرے کیے گیے، جس میں خود مولانا سجادؒ بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے، مولانا شاہ محمد عثمانی صاحب نے اس اجلاس کا آنکھوں دیکھا حال نقل کیا ہے کہ:

''چند نوجوان ایسی لڑکیوں سے شادی کرنا چاہتے تھے، جن کی عمریں قانون کی مقرر کردہ حد سے کم

۱- حیات سجاد ص ۱۵۰ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

۲- مولانا محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۱۳۱، ۱۳۲ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانیؒ وص ۲۹۶، ۲۹۷ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب۔

تھیں، لیکن وہ یتیم لڑکیاں تھیں ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا مولانا نے ان کا نکاح پڑھایا اور مطبوعہ فارم پر یہ لکھ کر کہ "ہم نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، کیوں کہ ہم انگریزی حکومت کو اس کا حق دینا نہیں چاہتے کہ وہ مسلمانوں کے معاملہ میں دخل دے، اور یہ کہ نکاح مولانا محمد سجاد نے پڑھایا ہے۔ حکومت ہند کو بھیج دیا گیا"[۱]

مدح صحابہ ایجی ٹیشن کی قیادت

☆ لکھنؤ میں مدح صحابہ ایجی ٹیشن (۱۹۳۸ء) بھی جمعیۃ علماء ہند کی اسی پالیسی کا حصہ تھا، جس میں سول نافرمانی کر کے اہل سنت کی طرف سے گرفتاریاں پیش کی جاتی تھیں، جس کی قیادت حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرت ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے کی۔[۲]

مجلس تحفظ ناموس شریعت کے سربراہ

☆ شاردا ایکٹ (تحدید عمر ازدواج اور سول میرج قانون) کے پاس ہونے کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے آئندہ کے خطرات کے انسداد کے لئے "مجلس تحفظ ناموس شریعت" قائم کی، اور اس کا ناظم حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کو بنایا گیا، آپ نے اس مجلس کے ذریعہ دیگر بہت سے کاموں کے علاوہ دہلی کی وہ مساجد اور اوقاف کی جائیدادیں جو مرکزی یا صوبائی حکومتوں کے قبضے میں چلی گئی تھیں، ان کی واگذاری کی تحریک چلائی، اور سینکڑوں مساجد اور اوقاف کو آزاد کرایا۔

آپ نے مساجد و اوقاف کے متعلق مرکزی اسمبلی میں سوال کرایا تو معلوم ہوا کہ حکومت ہند کے قبضہ میں تقریباً پانچ سو مساجد ہیں، اوقاف کے متعلق کوئی جواب نہیں ملا۔[۳]

آزاد ہندوستان کا دستور اساسی

☆ ۲۳/اگست ۱۹۳۱ء (۱۸/ربیع الاول ۱۳۵۰ھ) کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس سہارن پور میں آزاد ہندوستان کے دستور اساسی کا مسودہ "جمعیۃ علماء کا فارمولہ" کے نام سے پیش کیا گیا، جس میں تمام مذاہب کی مکمل آزادی، مسلم پرسنل لاء کی حفاظت، اور مسلمانوں کے مخصوص

۱- مولانا محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۱۳۱، ۱۳۲ ☆ حیات سجاد ص ۱۳۹ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب سابق ناظم امارت شرعیہ پٹنہ۔

۲- محاسن سجاد ص ۶۱، مضمون مولانا منظور احمد نعمانیؒ ☆ نیز حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کی کتاب "امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب" پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا مقدمہ ص ۲۴۔

۳- حیاتِ سجات، ص ۱۳۹، ۱۴۰، مضمون مولانا عثمان غنی صاحب

مقدمات مسلم قاضیوں سے فیصل کرائے جانے کی وضاحتیں شامل تھیں، یہ فارمولہ حضرت مولانا سجاد صاحب کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔[۱]

سیاسی انتخابات میں شرکت کی تجویز

☆ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ترک موالات کا فتویٰ آپ نے ہی مرتب کیا تھا، اس میں مجالس مقننہ کا بھی مقاطعہ کیا گیا تھا اور اس کی روشنی میں پارلیمانی انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت ممنوع تھی۔لیکن اس کے بعد ایسے ارکان منتخب ہوکر مجالس قانون ساز میں پہنچے جن کو اپنے دین وملت اور ملک وقوم کی کوئی پرواہ نہیں تھی، اس سے ملت کو سخت نقصانات پہنچے،جس کی وجہ سے کئی لوگ ضرورت محسوس کرنے لگے تھے کہ اس مقاطعہ کا خاتمہ ہونا چاہئے، تاکہ ملک وملت سے محبت کرنے والے لوگ مجالس مقننہ میں پہنچ سکیں، اس کی پوری روئیداد مولانا محمد عثمان غنی صاحبؒ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب تک جمعیۃ علماء ہند مقاطعہ کی تجویز واپس نہ لے لے اس وقت تک ہم لوگ کس طرح کسی کی تائید یا حمایت کر سکتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ مجالس مقننہ کے ارکان کی جو روش ہے اس کو دیکھتے ہوئے مقاطعہ کو قائم رکھنا جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ''اذا ابتلی ببلیتین فاختر اھونھما'' پر عمل کرنا چاہئے،مثال میں ہم نے قاضی احمد حسین صاحب کے وقف بل کی ناکامیابی کو بیان کیا کہ صرف مسلمان ارکان کی حکومت پرستی نے اس مفید بل کو ناکام بنادیا، نیز مرکزی اسمبلی کے بعض ارکان جیسی حرکتیں کررہے تھے،اس کو عرض کیا۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم جریدۂ امارت میں لکھو، اگر جمعیۃ علماء ہند اپنی عائد کردہ پابندی ہٹالے تو پھر آئندہ حصہ لیا جائے گا، چنانچہ راقم الحروف نے جریدۂ امارت میں مضامین لکھنا شروع کردیئے،اس کے بعد نقیب میں بھی کچھ مضامین لکھے۔

حضرت مولانا کی عادت تھی، کہ جس معاملہ میں ان کا قلب مطمئن ہوجاتا تھا، پھر اس کو جلد سے جلد انجام دینے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ اس معاملہ میں بھی جب ان کا قلب مطمئن ہوگیا، تو انہوں نے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس (منعقدہ ۱۴ تا ۱۶ ر جنوری ۱۹۳۴ء مرادآباد) میں مجالس مقننہ میں شرکت کی تجویز پیش کردی جو منظور ہوگئی۔

۱- حیات سجاد ص ۱۵۰ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، ☆ مولانا ابوالمحاسن سجاد- حیات وخدمات ص ۲۹۷ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی۔

اس کے بعد ربیع الاول ۱۳۵۳ھ میں امارت شرعیہ کی مجلس شوریٰ میں بھی حضرت مولانا نے اس تجویز کو منظور کرالیا اور اسی تجویز کی بنیاد پر امارت بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی اور امارت شرعیہ نے پہلی بار انتخاب میں حصہ لیا۔"[1]

چھپرہ میں حضرت مولانا سجادؒ کے زیر قیادت جمعیۃ کی صوبائی کانفرنس

اس موقعہ پر ۱۹۳۸ء (۱۳۵۷ھ) میں چھپرہ میں جمعیۃ علماء ہند کی صوبائی کانفرنس کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو حضرت مولانا محمد سجادؒ کے زیر قیادت منعقد ہوئی تھی، یہ کانفرنس کئی اعتبار سے بے حد اہمیت کی حامل ہے، حضرت مولانا سجاد صاحب چھپرہ تشریف لائے اور مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں قیام پذیر ہوئے، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند ان دنوں اسی مدرسہ میں زیر تعلیم تھے، مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"۱۹۳۸ء میں جمعیۃ العلماء بہار کی صوبائی کانفرنس کے سلسلہ میں مولانا محمد سجاد صاحبؒ مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں تشریف فرما تھے۔ اس زمانہ میں مسلم لیگ کا دور شباب تھا اور وہ جمعیۃ کی صوبائی کانفرنس کے سخت مخالف تھے۔ ہم طلبہ سمجھتے تھے کہ یہ کانفرنس کامیاب شاید نہ ہو سکے گی، ہم لوگ شہر میں اشتہار تقسیم کر کے واپس ہوتے تھے تو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بلا کر پوچھتے تھے عوام اور مسلم رضا کاروں کا تمہارے ساتھ کیا برتاؤ رہا۔ ہم بتاتے تھے کہ گالیاں دی گئیں کہیں علماء کرام کے خلاف زبان درازیاں ہوئیں۔ مولانا ان تمام تفصیلات کو غور سے سنتے تھے اور پھر تشفی کے جملے فرماتے تھے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمت نہ ہارو! کانفرنس کامیاب ہو کر رہے گی، چنانچہ اس سخت مخالفانہ ماحول میں مولانا کی تدبیروں سے کانفرنس کامیاب رہی، بڑا خوبصورت پنڈال تیار کرایا گیا۔ جمعیۃ کا جھنڈا کالا سفید اسی وقت تیار کرایا اور اس کو بڑے اچھے انداز میں نمایاں کر کے لہرایا، مخالفین پنڈال اور جھنڈے دیکھنے آتے تھے۔

جس بلڈنگ میں علماء کرام کا قیام تھا وہاں سے لے کر پنڈال تک سڑک کے دونوں طرف لیگی کالے جھنڈے لے کر کھڑے رہتے تھے اور مخالف نعرہ لگاتے تھے، یہی حال اس وقت ہوتا تھا جب ہم اسٹیشن سے مہمانوں کو لے کر قیام گاہ پہنچاتے تھے، بڑا سخت وقت تھا، مگر حضرت پر کبھی کوئی اثر نہیں دیکھا، ہمارے اساتذہ بھی میدان میں جمے ہوئے تھے۔"[2]

۱- حیات سجاد ص ۱۴۲، ۱۴۳ مضمون مولانا عثمان غنی صاحبؒ۔

۲- مولانا ابوالمحاسن سجاد- حیات وخدمات ص ۳۸۶ مضمون حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

یوم فلسطین کی تجویز

☆ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد فلسطین کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا، اعلان بالفور کے ذریعہ فلسطین میں ایک نئی یہودی مملکت قائم کرنے کا منصوبہ سامنے آیا تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ حساس ہو گیا، ان حالات میں ۳۱؍اگست ۱۹۳۸ء (۶؍رجمادی الثانیۃ ۱۳۵۷ھ) کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے سول نافرمانی کی تجویز منظور کی، جو دراصل حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی تحریک پر پیش کی گئی تھی [۱]، مولانا نے امارت شرعیہ کی طرف سے بھی پورے صوبے میں اس کے خلاف احتجاجی جلوس نکالنے کی ہدایت جاری فرمائی، جمعہ ۳؍ستمبر ۱۹۳۷ء (۲۶؍رجمادی الثانیۃ ۱۳۵۶ھ) کو یوم فلسطین منایا گیا۔ [۲]

نظارت امور شرعیہ کا مسودہ

☆ جمعیۃ علماء ہند نے ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں نظارت امور شرعیہ کا منصوبہ پیش کیا جس میں حکومت سے ایک ناظر امور اسلامی کے عہدہ کی بحالی کا مطالبہ کیا گیا تھا، یہ تجویز دراصل حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی تھی، اور انہوں نے ہی اس کا مسودہ بھی تیار کیا تھا، بعد میں اس پر غور وخوض کرنے کے لئے جو سب کمیٹی بنائی گئی اس کے روح رواں اور داعی بھی حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ہی تھے، یہ اسکیم مولانا نے دو سال پیشتر ۱۹۳۷ء (۱۳۵۶ھ) ہی میں پیش فرمائی تھی، جیسا کہ قانونی مسودے پر درج تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، جو ۱۹۳۹ء کے اجلاس میں منظور ہوئی، یہ پورا مسودہ مولانا محمد میاں صاحب کی کتاب ''جمعیۃ علماء کیا ہے؟ اور حضرت مولانا سجادؒ کے قانونی مسودات کا مجموعہ ''قانونی مسودے'' میں موجود ہے۔ [۳]

واردھا تعلیمی اسکیم کا جائزہ

☆ اسی اجلاس میں حکومت کی واردھا تعلیمی اسکیم پر بھی غور کیا گیا اور اس کے نقائص کا جائزہ لیتے ہوئے ایک جامع رپورٹ تیار کی گئی، یہ رپورٹ بھی حضرت مولانا محمد سجادؒ ہی نے تیار کی تھی، اور آپ کی فکر وفن کی شاہکار ہے۔ [۴]

۱- جمعیۃ علماء کیا ہے؟ ص مرتبہ: مولانا سید محمد میاں صاحب، مطبوعہ الجمعیۃ بکڈپو۔

۲- امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب ص ۲۱۱۔

۳- جمعیۃ علماء کیا ہے؟ (ضمیمہ) حصہ دوم ص ۵ تا ۸ مرتبہ حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ، مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی ☆ قانونی مسودے ص ۴۱ تا ۵۴ جمع وترتیب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ۔

۴- جمعیۃ علماء کیا ہے؟ حصہ دوم ص ۱۳ تا ۱۷ مرتبہ مولانا محمد میاں صاحب۔

نہرورپورٹ کا بائیکاٹ

☆ لندن پارلیامنٹ میں برطانوی وزیر اعظم نے تقریر کی جس میں ہندوستانیوں کی غیرت کو چیلنج کیا گیا کہ اگر ہندوستان آزادی کا مطالبہ کرتا ہے تو چاہئے کہ وہ ایک دستور بنا کر پیش کرے، ہم اس کو منظور کرلیں گے، اس چیلنج کے جواب میں موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ایک کمیٹی بنائی گئی، جس نے ایک دستوری خاکہ مرتب کیا، جو نہرورپورٹ کے نام سے مشہور ہوا، بدقسمتی سے اس رپورٹ میں خالص ہندو ذہنیت کی عکاسی تھی، مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ملحوظ نہیں رکھی گئی تھی، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کے لئے اس کی تائید ممکن نہیں تھی، کانگریس نے نہرورپورٹ پر غوروخوض اور اس کی منظوری کے لئے لکھنؤ میں ۱۹۲۸ء (۱۳۴۶ھ) کے آخر میں آل پارٹیز کانفرنس بلائی، جمعیۃ علماء ہند کو بھی دعوت ملی، جمعیۃ نے اپنا ایک نمائندہ وفد کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ کیا، جس میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا محمد شفیع فرنگی محلیؒ، مولانا محمد عرفانؒ، اور مولانا ریاست حسینؒ شامل تھے، جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک نہرورپورٹ میں گیارہ (۱۱) بنیادی خامیاں تھیں، جن سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی تھی، ارکان وفد نے ان خامیوں کو اجاگر کیا، اور نہرورپورٹ سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا، اس موقعہ پر حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی آئین شناشی کے جوہر کھل کر سامنے آئے، اور آپ نے جمعیۃ علماء بلکہ تمام مسلمانان ہند کی مضبوط نمائندگی فرمائی۔[1]

جمعیۃ علماء ہند کی قیادت کا مسئلہ

☆ ہر مشکل وقت میں آپ کی شخصیت جمعیۃ علماء ہند کے لئے مضبوط ڈھال تھی، آپ کی دلیلوں اور حکمت عملی کا کوئی جواب نہیں تھا، ایک موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند میں مسٹر اور مولانا کی جنگ چھڑ گئی، کچھ لوگ چاہتے تھے کہ جمعیۃ پر سے علماء کا غلبہ ختم کیا جائے اور قیادت میں انگریزی داں طبقہ کو بھی شامل کیا جائے، مولانا محمد علی جوہرؒ جو حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے فیض توجہ وارادت

۱- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۲۹۵ مضمون مولانا اسرارالحق قاسمی۔ مولانا اسرارالحق صاحبؒ نے کسی وثیقہ وغیرہ کا حوالہ نہیں دیا ہے، لیکن جمعیۃ کے جس موقر منصب (ناظم اعلیٰ) پر وہ فائز رہ چکے ہیں اس کے پیش نظر یہی امید ہے کہ اس مضمون کو لکھتے وقت ضرور کوئی دستاویزی چیز ان کے پیش نظر رہی ہوگی، اس لئے جماعتی معاملات میں ان کی روایت پر اعتماد کیا جانا چاہئے۔

سے مسٹر سے مولانا ہو گئے تھے، کچھ لوگ ان کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر بنانا چاہتے تھے، اس موقعہ پر مفتی کفایت اللہؒ، مولانا محمد سجادؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ نے شدت کے ساتھ ان کوششوں کی مخالفت کی، ان حضرات کی ہمیشہ یہ رائے رہی کہ یہ علماء کی جماعت ہے، اس کے کلیدی عہدوں پر صرف علماء فائز ہو سکتے ہیں، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو اس کی بھاری قیمت بھی چکانی پڑی، ان کے بہت سے قریب ترین لوگ دشمن بن گئے، لیکن مولانا کے پائے استقامت میں فرق نہیں آیا۔[1]

بے لوث خدمات

غرض جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجادؒ نے بے شمار دینی، ملی وقومی خدمات انجام دیں، اور کبھی کسی صلہ یا ستائش وتحسین کے طلبگار نہیں ہوئے، بے لوث خدمات کا وہ ریکارڈ قائم کیا کہ شاید تنظیموں اور جماعتوں کی تاریخ میں ایک دو ہی ایسی مثال مل سکے گی، ہر طرح کے استحقاق اور لوگوں کے اصرار کے باوجود کبھی اپنے لئے کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا، لیکن کسی عہدہ کے بغیر بھی جماعت کی روح رواں بنے رہے، ذمہ دار قائدین گرفتار ہو جاتے تو ان کی ذمہ داریاں بھی آپ اٹھاتے تھے، کئی بار جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کے فرائض انجام دیئے، مولانا احمد سعید دہلوی جب بھی گرفتار ہو کر جیل گئے تو حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ ہی قائم مقام ناظم عمومی بنائے گئے۔[2]

بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند

لیکن جمعیۃ علماء ہند کے بارھویں اجلاس عام (منعقدہ جونپور ۲۸، ۲۹/ربیع الثانی ویکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ مطابق ۷، ۸، ۹/جون ۱۹۴۰ء) میں جمعیۃ علماء ہند کے جدید دستور العمل کے پیش نظر جب حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ صدر منتخب کئے گئے، تو حضرت مدنیؒ نے ناظم عمومی کے عہدہ کے لئے حضرت مولانا سجادؒ کا نام یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ: ''بھائی! جمعیۃ علماء کے سارے کام تو مولانا سجاد صاحبؒ کرتے ہی ہیں، ان ہی کو ناظم عمومی بنایا جائے''، آپ نے ہر چند انکار کیا، امارت شرعیہ، جمعیۃ علماء بہار اور دیگر مصروفیات کا عذر پیش فرمایا، لیکن ورکنگ کمیٹی کے بے حد اصرار پر بالآخر قبول کرنا پڑا، اس کے بعد تا حیات (۱۷/شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸/نومبر

۱-مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۱۳۶ مضمون مولانا شاہ محمد عثمانی۔

۲-مولانا ابوالمحاسن سجاد- حیات وخدمات ص ۲۹۳ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند۔

۱۹۴۰ء) اس عہدہ پر فائز رہے۔[۱]

’تذکرہ جمعیۃ علماء ہند‘ کی تصنیف

مگر رسمی نظامت کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد حیات مستعار کے صرف چند ماہ باقی رہ گئے تھے، بمشکل پانچ (۵) ماہ زندہ رہے، اس دوران بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیۃ کے معمول کی خدمات (اندرونی تنظیم اور بیرونی نشرواشاعت[۲]) کے علاوہ آپ نے بڑا کام یہ کیا کہ (مولانا احمد سعید دہلویؒ کے الفاظ میں):

”صرف دو دن میں انہوں نے جمعیۃ علماء کی بیس (۲۰) سالہ زندگی کی ایک مختصر تاریخ لکھ دی۔“[۳]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اس تاریخی اور دستاویزی کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

”جمعیۃ علماء کی بیس سالہ تبلیغی، دینی، سیاسی، اجتماعی خدمات اور عملی جدوجہد کا ایک مرقع تالیف فرمایا، جو’تذکرہ جمعیۃ علماء ہند‘ کے نام سے معنون کیا گیا، اور یہ عجیب بات پیش آئی کہ باوجود اس امر کے کہ اس ’تذکرہ‘ میں جمعیۃ علماء ہند کی گذشتہ خدمات کی فہرست مرتب کرنے اور مسلمانانِ ہند کے سامنے ان خدمات کی تفصیل کو یکجا کرکے ان کی توجہ کو جمعیۃ علماء ہند کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے سوائے اور کچھ نہ تھا مگر حکومت دہلی اس کو بھی برداشت نہ کرسکی، اور فوراً اس کو ضبط کرلیا، اور دفتر کی تلاشی لیکر اس کی تمام کاپیاں حاصل کرلیں، اور ساتھ ہی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کا وہ معرکۃ الآراء خطبۂ صدارت بھی ضبط کرلیا جو جون پور کے اجلاس کی بہترین یادگار ہے۔“[۴]

۱- حیات سجاد ص ۱۵۰ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ☆ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دوازدہم منعقدہ جون پور کی مختصر رپورٹ، محبوب المطابع برقی پریس دہلی، اس رپورٹ سے صرف تاریخ لی گئی ہے، اس میں انتخابی نتائج درج نہیں ہیں، البتہ صفحۂ اول پر صدر منتخب حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے جلوس استقبال کا تذکرہ ہے، لیکن حضرت مولانا سجاد صاحبؒ بحیثیت ناظم عمومی کا ذکر نہیں ہے بلکہ سرورق پر ناظم کی جگہ پر مولانا احمد سعید دہلوی ہی کا نام درج ہے، جو پہلے سے ناظم چلے آرہے تھے، ممکن ہے کہ رسالہ کی اشاعت تک حضرت مولانا سجادؒ نے یہ ذمہ داری قبول نہ کی ہو واللہ اعلم بالصواب۔

☆ مولانا ابوالمحاسن سجاد- حیات وخدمات ص ۲۹۳ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند، مولانا اسرار الحق صاحب گوکہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جو حضرت مولانا سجاد صاحب سے براہ راست روایت نقل کرسکیں، لیکن دو وجہ سے میں نے ان کی روایت پر بالواسطہ ہونے کے باوجود اعتماد کیا ہے: ایک تو یہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے خصوصی متعلقین میں رہے ہیں، جو جمعیۃ علماء ہند کے بنیادی ستونوں میں شامل تھے، دوسرے اس لئے کہ مولانا موصوف خود جمعیۃ علماء ہند کے انتہائی باوقار عہدہ پر عرصہ تک فائز رہ چکے ہیں، اس لئے جماعتی معلومات کے بارے میں ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

۲- یہ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے الفاظ ہیں (حیات سجاد ص ۱۵۱)

۳- حیات سجاد ص ۱۰۹ مضمون سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

۴- حیات سجاد ص ۱۵۱ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

افسوس اس دستاویزی کتاب کی ایک کاپی بھی شاید آج محفوظ نہیں ہے، اگر یہ تذکرہ محفوظ رہتا تو جمعیۃ علماء ہند کی سب سے مستند تاریخ ہونے کے علاوہ فن تاریخ نویسی کا بھی شاہکار ہوتا۔ لکن قدر اللہ ماشاء۔

البتہ اس کتاب کے بعض اقتباسات حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے نقل کئے ہیں، جن سے اس تذکرہ کے علمی وتاریخی رنگ وآہنگ کا اندازہ ہوتا ہے، بطور نمونہ چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

''اس موقع پر ہم اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کہ ہندوستان میں قیام امارت اور نظام شرعی کی ضرورت واہمیت اس موقع پر محسوس ہونے لگی تھی، جب کہ اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے وقت میں قیام امارت کے وجوب کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ اس فتویٰ پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا جب کہ حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ کو امام وامیر منتخب کیا گیا، لیکن اس انقلاب عظیم کے بعد حالات ناساز گار ہوگئے، زبان وقلم پر جبروتی مہریں لگادی گئیں، مگر ہمارے اکابر کے دل ودماغ اس تخیل سے کبھی غافل نہیں رہے، اور مقصد عظیم کی مبادیات میں مشغول رہ کر اس وقت کا انتظار کرتے رہے، جب کہ حالات ساز گار ہوں، اور اسلامی نظام جماعتی وشرعی اصول وضوابط سے قائم کرنا ممکن ہوجائے'' (چند سطروں کے بعد) اور جب یہ حالت پیدا ہو چکی ہے تو ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور قیام امارت فی الہند کی تجویز کو عملی شکل دی جائے۔''[1]

پھر آگے چل کر ص ۴۳ پر ارشاد فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہئے کہ ہندوستانی سیاست اور حکومت خواہ کوئی شکل وصورت اختیار کرے اس کے اندر اسلامی سیاست کی رعایت کو ملحوظ رکھنا، پھر اسلامی اجتماعی اصول واحکام کو بروئے کار لانا بغیر اس کے ناممکن ہے، کہ ایک طرف مسلمانان ہند جمعیۃ علماء ہند اور اس کی شاخوں کو مضبوط بنائیں، اور اس کی ہر آواز پر لبیک کہیں، اور اس کے دفتر اور کاموں کے لئے بقدر وسعت وہمت مال وزر سے اعانت کرتے رہیں۔ دوسری طرف وہ جمعیۃ کی امارت کی اسکیم شرعی اور نظام سیاسی کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھیں، اور تمام ہندوستان میں اس نظام کو قائم کرنے میں جمعیۃ علماء ہند کا ہاتھ بٹائیں۔''[2]

۱- نظام قضا کا قیام ص ۱۲، ۱۳ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی ۲۰۱۶ء ☆ تاریخ امارت ص ۱۳۵، ۱۳۶ بحوالہ رسالہ ''تذکرہ'' ص ۳۳، ۳۴۔

۲- تاریخ امارت ص ۱۳۶ بحوالہ رسالہ ''تذکرہ'' ص ۳۴۔

واضح رہے کہ اس کتاب پر درج ذیل بزرگوں کے دستخط ثبت تھے:

☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ، اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ۔[1]

جمعیۃ علماء ہند کے لئے نئی منصوبہ بندی

☆ نظامت اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد آپ نے جماعت کے لئے نئی اسکیم اور نئے خطوط وضع فرمائے، آپ چاہتے تھے کہ نئے حالات میں طور وطریق بدلنے اور نئے مسائل کے لئے نئے اسلحوں سے لیس ہونے کی ضرورت ہے، اس کے لئے انہوں نے ایک جامع خاکہ مرتب کیا تھا، اور عملی اقدامات شروع ہی کئے تھے، کہ رب العالمین کی طرف سے بلاوا آ گیا، حضرت مولانا سجادؒ کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ رقمطراز ہیں:

''مولانا نے جمعیۃ علماء ہند کے توسیعی نظام کے سلسلے میں ایک مستقل پروگرام بنایا تھا، وہ عام مسلمانوں کو جمعیۃ علماء سے وابستہ کرنا چاہتے تھے، اس مشغولیت میں مولانا کی بصارت اور عام صحت کمزور ہوگئی، مگر ہمت اور اولوالعزمیوں میں رفعت اور بلندی ہوتی گئی۔''[2]

آپ کے تلمیذ رشید اور تحریکی کاموں میں آپ کے شریک مولانا اصغر حسین صاحب سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ تحریر فرماتے ہیں:

''امسال (۱۹۴۰ء) حضرت نائب امیر شریعت کو جمعیۃ علماء ہند نے ناظم اعلیٰ مقرر کیا تھا، اور اگرچہ آپ کی ذات اس عہدہ سے پیشتر بھی جمعیۃ کے لئے روح رواں تھی، لیکن جب ارکان جمعیۃ کے اصرار سے اس عہدۂ نظامت کی باگ ہاتھ میں لی تو ایک جدید اسکیم کے ماتحت نئے اسلوب سے جمعیۃ کے چلانے کا کام شروع کر دیا تھا، کہ ایسے نازک وقت میں ایثار وعزم کا یہ پیکر مجسم ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہوگیا۔''[3]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ رقمطراز ہیں:

''جمعیۃ علماء ہند کی نظامت اعلیٰ کو سنبھالے ہوئے ابھی چند ہی مہینے ہوئے تھے اور جمعیۃ علماء

۱- نظام قضا کا قیام ص ۱۲، ۱۳ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی ۲۰۱۶ء ☆ تاریخ امارت ص ۱۳۵، ۱۳۶ بحوالہ رسالہ ''تذکرہ'' ص ۳۳، ۳۴۔

۲- حیات سجاد مصنفہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ ص ۷۔

۳- محاسن سجاد ص ۲۹۔

کے نظام میں اپنے عہدہ کے پیش نظر تھوڑا ہی قدم بڑھایا تھا کہ پیغام اجل آپہنچا اور اس مردِ حق نے اپنے رفقاء کار کو ماہئ بے آب کی طرح تڑپتا ہوا چھوڑ دیا۔''[1]

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ
تم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

جمعیۃ علماء ہند کے دماغ

☆ اس طرح حضرت مولانا سجاد صاحب جمعیۃ علماء بہار (۱۹۱۷ء) سے جمعیۃ علماء ہند (۱۹۱۹ء) تک اور پھر اس کے بعد سے تا حیات (۱۹۴۰ء) تقریباً تئیس سالوں تک جمعیۃ علماء ہند کے روح رواں رہے، بناء سے قیام و استحکام اور زلف و گیسو کی آراستگی تک ہر ہر جزو میں مولانا سجادؒ کا سوز دماغ اور خون جگر شامل رہا، درحقیقت وہ جمعیۃ علماء ہند کے دماغ اور مرکز اعصاب تھے، مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''میں ہمیشہ سنا کرتا تھا کہ مولانا جمعیۃ علماء کے دماغ ہیں۔''[2]

☆ جمعیۃ علماء ہند کی اکثر تجاویز، منصوبے اور فارمولے حضرت مولانا سجادؒ ہی کے مرتب کردہ ہیں[3]۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۱- حیات سجاد ص ۱۵۴ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔
۲- محاسن سجاد ص ۴۹ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی۔
۳- مولانا ابوالمحاسن سجاد- حیات و خدمات ص ۲۹۳ مضمون مولانا اسرار الحق قاسمی سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند۔

ملّی وقومی خدمات

(۱۰)

دسواں باب

امارتِ شرعیہ

ہندوستان میں وحدت اسلامی اور ملّی اجتماعیت کا عظیم مرکز
حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی خدمات جلیلہ کا ایک شاہکار باب

فصل اول

امارت شرعیہ تصور، تحریک اور پس منظر

مفکر اسلام ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجادؒ کی حیات طیبہ کا سب سے روشن عنوان اور آپ کا عظیم ترین ملی وقومی کارنامہ 'امارت شرعیہ' کا قیام ہے، غیر اسلامی اقتدار میں یہ آپ کے ملی اور سیاسی سفر کا نقطۂ عروج اور آپ کی تمام تر دینی وملی جدو جہد کا لب لباب ہے، غیر اسلامی ہندوستان لئے یہ آپ کی پہلی منزل اور ثانوی نصب العین تھا، اصل منصوبہ تو خلافت اسلامیہ کا احیاء، مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی واپسی اور ملت اسلامیہ کو مرکز اسلامی سے مربوط کرنا تھا، لیکن اس ملک میں اس وقت اس سے زیادہ کا حصول ممکن نہیں تھا، ہندوستان سے مسلمانوں کے اجتماعی نظام کا خاتمہ ہو چکا تھا، صدیوں سے جاری اقدار وروایات ایک ایک کر کے ختم کی جارہی تھیں اور خود مسلمانوں کے فکر وتمدن کی کایا پلٹ چکی تھی۔

انقلابات دوراں

بقول حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ:

> ''کل جو تخت نشیں تھے آج خاک نشیں ہیں، کل جو آزاد حکمراں تھے، آج وہ غلام اور بدترین غلام ہیں، کل تک جو ہزاروں غرباء وفقراء کے دامنوں کو سیم وزر سے بھر دیا کرتے تھے، آج وہ خود فقیر بے نوا ہیں، کل جن کی عبادت گاہیں آباد و پر رونق تھیں، آج وہ سنسان اور ویران ہیں، کل جن کی مسجدوں میں نہایت لائق اور دیندار امام ومؤذن مقرر تھے، آج اکثر جگہوں میں روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے محض بے علم اور نالائق لوگ امامت ومؤذنی کے لئے لڑ رہے ہیں، کل تک جو قومیں مسلمانوں سے آنکھیں بھی برابر نہیں کر سکتی تھیں، آج وہ ان کے گھروں کو لوٹتی ہیں، قربانی گاؤ کو بند کرتی ہیں، قبرستان پر قبضہ کر کے ہل چلانے کی فکر کر رہی ہیں، کل جن کی عدالتوں میں غیر اقوام اپنے قضیوں اور جھگڑوں کی داد رسی کے لئے حاضر ہوتے تھے، آج وہ خود غیروں کی نمائشی ورسمی عدالتوں میں نہایت بے غیرتی کے ساتھ طوعاً وکرہاً حاضر ہوتے ہیں، کل تک جو غیر اسلامی قوانین کی تنفیذ یا تعمیل کو ظلم وفسق یا کفر تصور کرتے تھے، آج بے جھجھک ان پر عمل پیرا ہو رہے ہیں۔''[1]

۱- مقالات سجاد ص ۲ ۱۴۳۔

علماءِ امت کی فکرمندی و دردمندی آزمائشیں اور قربانیاں

علماء امت برسوں سے ان زوال پذیر حالات سے فکرمند تھے، مسلمانوں کی انفرادی زندگی کو جو حالات درپیش تھے وہ تو تھے ہی، مسئلہ خود ملت اسلامیہ کی بقا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تحفظ کا تھا، جو قوم برسوں پراگندہ اور منتشر رہتی ہے وہ فکری اور اخلاقی زوال میں مبتلا ہو جاتی ہے، اقتدار سے محرومی کے بعد فوری تدبیر نہ کی جائے تو ذہنی دیوالیہ پن بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور بہت سے سامنے کے مسائل بھی انسان کو نظر نہیں آتے، اس لئے بقول حضرت مولانا سجادؒ:

''ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد ہی چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان خود اپنا کوئی امیر منتخب کر کے جماعتی و اجتماعی نظام قائم کر لیتے، تاکہ پراگندگی اور انتشار کی لعنت سے محفوظ رہتے، اور ان خرابیوں سے بھی بچتے جو لوازم انتشار ہیں، چنانچہ بعض اکابر علماء ہند نے اس اہم فریضہ کی طرف توجہ بھی کی اور اس کی بابت فتاویٰ بھی لکھے، مثلاً:

ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد ہی ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا تھا[1]، اور اپنے فتاویٰ میں اس بات پر زور دیا کہ مسلمان خود اپنا امیر منتخب کریں، جس کی ماتحتی میں وہ تمام ملی اور اجتماعی کام انجام دیئے جائیں جو امیر و قاضی کے بغیر روبہ عمل نہیں آسکتے ہیں۔[2]

جب کہ ابھی ملک پر انگریزوں کا پوری طرح تسلط نہیں ہو پایا تھا پچھلی بعض چیزیں اب بھی باقی تھیں (لیکن شاہ صاحب نے خطرہ کی گھنٹی محسوس فرمالی تھی کہ یہ سلسلہ کبھی بھی موقوف ہو سکتا ہے[3]۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے فتویٰ کے تقریباً چالیس سال کے بعد ۱۸۶۲ء میں

۱- مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۶، ۱۷ فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔

۲- مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔

۳- حضرت شاہ صاحب سے زیادہ اس خطرہ کو کون محسوس کر سکتا تھا، جب کہ خود آپ کے خانوادہ پر مصیبتوں کے بڑے بڑے پہاڑ ٹوٹ چکے تھے، آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کرا دیئے گئے تھے، تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کر سکیں، خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کو دہلی سے اس طرح نکالا گیا تھا کہ یہ دونوں بزرگ مع مستورات کے شاہدرہ تک پیدل چل کر گئے تھے، اس کے بعد مستورات کو تو کسی طرح سواری مل گئی تھی، جس سے وہ پھلت (مظفر نگر) چلی گئی تھیں، مگر ان دونوں بھائیوں کو سواری پر بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں ملی، شاہ رفیع الدین صاحبؒ پیدل لکھنؤ تشریف لے گئے، اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ جونپور کے لئے روانہ ہوئے، حکم یہ تھا کہ دونوں ساتھ ساتھ نہ رہیں، اور نہ سواری پر سفر کریں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو راستہ میں لو لگ گئی، اور ان کی آنکھوں کی بینائی متاثر ہو گئی، اس کے علاوہ ان کی جان لینے کی سازش بھی کی گئی، دو مرتبہ ان کو زہر دیا گیا، ایک مرتبہ چھپکلی کا ابٹن سارے جسم پر ملوا دیا گیا، جس سے آپ کو جذام اور برص ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون (تاریخ امارت ص ۵، ۶ مصنفہ مولانا عبدالصمد رحمانی - طبع ثانی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ - ۱۳۶۷ھ)

انگریزوں نے پہلے اسلامی تعزیرات منسوخ کر کے تعزیرات ہند کا نفاذ کیا، پھر ۱۸۶۴ء میں اسلامی قاضیوں کی تقرری موقوف کر دی، اور ۱۸۷۲ء میں اسلامی قانون شہادت بھی منسوخ کر دی گئی ــــ)

مگر حکومت اسلامیہ کے زوال اور انگریزوں کے تسلط کے بعد فطرتاً جو وہن اور کمزوری ان میں پیدا ہو گئی تھی، اس نے تمام بڑے بڑے ذی ہوش مسلمانوں کو بھی شہ نشیں بنا دیا، اور اس کے بعد پھر ۱۸۵۷ء کے مظالم نے تو بڑے بڑے بہادر مسلمانوں کو بھی پست ہمت کر دیا، ۔ پھر کیا تھا جو بعض اسلامی ادارے مسلمانوں کے لئے خصوصیت سے باقی رکھے گئے تھے، وہ سب بھی ایک ایک کر کے اٹھا دیئے گئے، نہ محکمۂ قضا رہا، نہ محکمۂ صدر الصدور، نہ اوقاف کا نظام باقی رکھا گیا، نہ ججوں کے ساتھ ''مفتی اسلام'' کا عہدہ، الغرض یہ چند اسلامی چیزیں جو حسب معاہدہ یا حسب وعدہ انگریزوں نے باقی رکھی تھیں، سب کی سب بیک جنبش قلم ختم کر دی گئیں، اسی کے ساتھ جاگیروں اور زمینداریوں کی ضبطی کے بعد جو کچھ دولت بچی کھچی تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔''[1]

متعدد علماء اور قائدین نے امت کی اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کی بڑی کوششیں کیں، جن میں سے بعض کا ذکر حضرت مولانا محمد سجادؒ کی مرتب کردہ کتاب ''تذکرہ جمعیۃ علماء ہند'' میں بھی کیا گیا ہے جو ۱۹۴۰ء میں بطور اعلامیہ اُمت کے شائع ہوا تھا اور اس پر حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کے علاوہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، اور حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ نے بھی اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے، اس کا یہ اقتباس بہت اہم ہے:

''اس موقع پر ہم اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کہ ہندوستان میں قیام امارت اور نظام شرعی کی ضرورت و اہمیت اس موقع پر محسوس ہونے لگی تھی، جب کہ اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے وقت میں قیام امارت کے وجوب کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ اس فتویٰ پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا، جب کہ حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ کو امام و امیر منتخب کیا گیا لیکن اس انقلاب عظیم کے بعد حالات ناساز گار ہو گئے، زبان و قلم پر جبر و تی مہریں لگا دی گئیں، مگر ہمارے اکابر کے دل و دماغ اس تخیل سے کبھی غافل نہیں رہے ، اور مقصد عظیم کی مبادیات میں مشغول رہ کر اس وقت کا انتظار کرتے رہے، جب کہ حالات ساز گار

۱- مقالات سجاد ص ۱۳۴ تا ۱۳۶۔

ہوں، اور اسلامی نظام جماعتی و شرعی اصول وضوابط سے قائم کرنا ممکن ہو جائے'' (چند سطروں کے بعد) اور جب یہ حالت پیدا ہو چکی ہے تو ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور قیام امارت فی الہند کی تجویز کو عملی شکل دی جائے''۔۔۔۔۔۔۔

''مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہئے کہ ہندوستانی سیاست اور حکومت خواہ کوئی شکل وصورت اختیار کرے اس کے اندر اسلامی سیاست کی رعایت کو ملحوظ رکھنا، پھر اسلامی اجتماعی اصول واحکام کو بروئے کار لانا بغیر اس کے ناممکن ہے، کہ ایک طرف مسلمانان ہند جمعیۃ علماء ہند اور اس کی شاخوں کو مضبوط بنائیں، اور اس کی ہر آواز پر لبیک کہیں، اور اس کے دفتر اور کاموں کے لئے بقدر وسعت وہمت مال وزر سے اعانت کرتے رہیں۔ دوسری طرف وہ جمعیۃ کی امارت کی اسکیم شرعی اور نظام سیاسی کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھیں، اور تمام ہندوستان میں اس نظام کو قائم کرنے میں جمعیۃ علماء ہند کا ہاتھ بٹائیں۔''[1]

لیکن اپنوں کی نادانیوں اور دشمن کی عیاریوں کی بنا پر اکثر کوششیں بظاہر بے نتیجہ ثابت ہوئیں، جن کی تفصیلات ہماری تحریکی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔[2]

آئینی دور کا امام اور عصر حاضر کا مجدد

بالآخر یہ قرعۂ فال مفکر اسلام حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کے نام نکلا، اور آپ نے اس امت کی دینی اجتماعیت کو ایک نیا رخ دے کر اس پر امارت شرعیہ کی تاسیس فرمائی، حالانکہ جس دور میں آپ نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں، وہ اپنی ابتری کی آخری حدود بھی پار کر چکا تھا، اور پانی سر سے بہت اوپر جا چکا تھا، لیکن آپ کی تجدیدی فکر اور جہد مسلسل نے رکاوٹوں کے پہاڑ کاٹ ڈالے اور سنگینیوں کی نوک پر چلتے ہوئے بالآخر ۱۹؍ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶؍ جون

---

۱ - نظام قضا کا قیام ص ۱۲، ۱۳ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی ۲۰۱۶ء ☆ تاریخ امارت ص ۱۳۵، ۱۳۶ بحوالہ رسالہ ''تذکرہ جمعیۃ علماء ہند'' ص ۳۳، ۳۴۔

۲ - مثلاً: ☆ حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ کے زیر قیادت سرحد کے علاقہ میں امارت اسلامی (۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۱؍ جنوری ۱۸۲۷ء تا ۲۴؍ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶؍ مئی ۱۸۳۱ء قریب ساڑھے چار سال) قائم کی گئی جس کا اختتام بالاکوٹ میں اکابرین امارت اسلامی کی شہادت پر ہوا۔ (سیرت سید احمد شہید، مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

☆ ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں امارت اسلامی کا قیام عمل میں آیا جس میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ امیر المومنین، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار افواج، اور فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی شریعت مقرر ہوئے، مگر یہ تحریک بھی جلد منتشر ہو گئی (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۴) ☆ بیسویں صدی کے آغاز میں انہی مقاصد کے لئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے ایک عالمی تحریک شروع فرمائی، جو بعد میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی، اس تحریک نے بھی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیا (نقش حیات حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ص ۴۳)

۱۹۲۱ء کو غیر مسلم ہندوستان کے صوبۂ بہار میں آپ نے اپنی نوعیت کی پہلی امارت شرعیہ کی بنیاد رکھ دی [۱]، لیکن حضرت مولانا سجادؒ کو یہ رنجیدہ احساس تھا کہ یہ امارت ہندوستان میں ڈیڑھ سو برس قبل قائم ہونی چاہئے تھا، اسی طرح ان کو اس کا بھی تا زندگی افسوس رہا کہ یہ چیز ملک گیر سطح کے بجائے صرف ایک صوبہ کی سطح پر قائم ہو سکی۔ [۲]

۱- بلا شبہ امارت شرعیہ اپنی نوعیت کی پہلی امارت تھی جو غیر اسلامی ہندوستان میں قائم ہوئی، اس لئے کہ اس سے قبل قیام امارت کی جو بھی کوششیں ہوئیں وہ حربی نوعیت کی تھیں جب کہ امارت شرعیہ کی نوعیت آئینی تھی، سابقہ کوششیں اصلاً غیر اسلامی اقتدار کے بالمقابل حکومت اسلامیہ کے قیام کے لئے شروع کی گئی تھیں، جس کو ہم امامت عظمیٰ یا خلافت اسلامیہ کہہ سکتے ہیں، جب کہ امارت شرعیہ غیر مسلم اقتدار میں رہتے ہوئے تنظیمی اور اجتماعی وحدت کی ایک شکل تھی، جس کو ہم امامت عظمیٰ نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ ولایت شرعیہ کہہ سکتے ہیں۔۔۔اسی لئے امارت اسلامیہ کے لئے سابقہ کوششوں کی شرعی حیثیت پر کسی جانب سے کوئی حرف سوال نہیں اٹھا، اس لئے کہ وہ ایک معروف تصور تھا جس کو امت صدیوں سے دیکھتی چلی آئی تھی، اور مسلمانوں کے اجتماعی وقومی مزاج سے ہم آہنگ بھی تھا،۔۔۔۔اس کے برعکس جب حضرت مولانا سجادؒ نے غیر مسلم نظام حکومت میں امارت شرعیہ کا تخیل پیش فرمایا تو اس کے خلاف چہار جانب سے شبہات واعتراضات کا طوفان کھڑا ہو گیا، بعض معتبر حلقوں سے بھی سرگوشیاں سنائی دیں، جب کہ شریعت اسلامی میں فقہ الاقلیات کی یہ دفعہ یقینی طور پر موجود تھی، لیکن قانونی ذخیرہ میں وہ اس طرح گم ہو چکی تھی کہ صدیوں سے حکمرانی کرنے والی قوم نے کبھی اسے لائق اعتنا نہیں سمجھا، یا یہ کہ غلبہ پسند ذہنیت اس مغلوبانہ نظریہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی، حضرت مولانا سجادؒ اور ان کے رفقاء کو اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑی تب جا کر یہ نظریہ غیر مسلم ہندوستان میں قابل عمل قرار پا سکا، اسی لئے حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے بجا طور پر آپ کو ''اس آئینی دور کا امام، وقت کا صحیح نباض اور تیرہویں صدی کا مجدد'' قرار دیا ہے (تاریخ امارت ص ۴۳، ۴۴) اللہ پاک آپ کی اور آپ کے رفقاء کی روحوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے آمین۔

۲- مقالات سجاد ص ۱۳۷۔

فصل دوم

نظریۂ امارت کی شرعی حیثیت — حدود اور معیار

حضرت مولانا سجادؒ نے تحریک امارت شروع کی تو گو کہ ہندوستان میں ان کی فکر کی بنیاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتویٰ پر تھی، جس کا انہوں نے اپنے مضامین اور خطوط میں بارہا اظہار فرمایا، اور اس کی تائید بھی بہت سے اہم علماء کی طرف سے کی گئی، لیکن اس کے باوجود کئی حلقوں سے ان کو سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور انہی مخالفتوں کی بنیاد پر کل ہند سطح پر امارت شرعیہ قائم نہ ہو سکی، اور اس کے قیام میں جس تیزی کے وہ متقاضی تھے، اور اس کو امت پر ایک اہم فرض تصور فرماتے تھے، وہ حساسیت امت کے اکثر حصے میں مفقود تھی، گو کہ اب یہ اختلافات داستان ماضی بن چکے ہیں، اور قائلین امارت کی مضبوط ترجمانی کے نتیجے میں مخالف دلائل کا زور ٹوٹ چکا ہے، لیکن تاریخی سرمایہ کے طور پر اس کا مختصر تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

نظریۂ امارت پر بعض کتابیں

اس موضوع پر سب سے مضبوط اور مستند تحریرات خود بانیٔ امارت شرعیہ حضرت مولانا محمد سجادؒ اور امیر شریعت اول حضرت فیاض المسلمین شاہ بدرالدین پھلوارویؒ کی ہیں، جو حضرت مولانا شاہ قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ کے شبہات کے جواب میں لکھی گئی ہیں، یہ تحریرات پہلے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ سے 'لمعات بدریہ' (مجموعۂ مکاتیب شاہ بدرالدینؒ) کا جزء بن کر شائع ہوئیں، پھر بعد میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ امارت شرعیہ پٹنہ سے مستقل طور پر بھی شائع ہوئیں۔

اس موضوع پر دوسری سب سے مبسوط اور مدلل کتاب حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نائب امیر شریعت پھلواری شریف پٹنہ کی کتاب ''ہندوستان اور مسئلۂ امارت'' ہے، جو انہوں نے خود بانی امارت شرعیہ کی ہدایات و افادات کی روشنی میں مرتب کی تھی، لیکن اس کی اشاعت بانی امارت شرعیہ کے وصال کے بعد پہلی بار ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے عمل میں آئی۔

اس موضوع پر ایک اور اہم کتاب حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کی ہے ''امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب''، گوکہ اس کتاب کا موضوع تاریخ ہے لیکن امارت سے متعلق ضروری نکات بھی زیر بحث آئے ہیں، یہ کتاب پہلی بار ربیع الاول ۱۳۹۴ھ/اپریل ۱۹۷۴ء میں مکتبہ امارت شرعیہ پٹنہ سے شائع ہوئی۔

ان کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی علمی تحریرات موجود ہیں، جن سے یہ مسئلہ اب پوری طرح منقح ہو چکا ہے، تطویل سے بچتے ہوئے اس بحث کے ضروری نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

تنظیم واجتماعیت اسلام میں مطلوب ہے

☆ اسلام میں تنظیم واجتماعیت کی بڑی اہمیت ہے، اسلام مسلمانوں کو منظم دیکھنا چاہتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان روئے زمین کے کسی بھی حصہ پر رہیں، جماعتی زندگی گذاریں، انتشار اور انارکی سے بچیں، اس میں دارالاسلام اور دارالکفر کی تخصیص نہیں ہے، اسلام کی یہ تعلیم اسی طرح امر مطلق ہے جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ایمان، شہادت، نکاح، طلاق، طہارت، نجاست وغیرہ احکام دارالاسلام اور دارالکفر کے حدود سے بالاتر اور روئے زمین کے تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتے ہیں، خواہ وہ حالت غلبہ میں ہوں یا حالت مغلوبیت میں، اگر کسی مقام پر چند مسلمان بھی ہوں تو اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ ایک کو امیر بنالیں، اگر سفر میں بھی چند لوگ ساتھ ہوں تو ان میں بھی ایک کو امیر سفر بنالیا جائے، اور اس کی ماتحتی میں سفر طے کیا جائے، تفرق وانتشار سے بچنا اور مسلمانوں میں ارکان خاندان سے بھی زیادہ اخوت ایمانی قائم کرنا اسلام کا نصب العین ہے، اور اسلام کا یہ نصب العین حالات کے مطابق ہر جگہ قابل عمل ہے، نصرت باہمی اور اتحاد واتفاق کی اساس یہی ہے۔

اجتماعیت ایک کلی تصور ہے، یعنی جہاں جس طرح کی اجتماعیت ممکن ہو قائم کی جائے گی، جب مسلمان مکہ مکرمہ میں مغلوبانہ زندگی گذار رہے تھے، اس زمانے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ: ۱۳)

ترجمہ: دین کو قائم کرو اور باہم اختلاف نہ کرو۔

اور مدینہ منورہ میں جب غلبہ کا دور آیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا الآية (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، اور انتشار سے بچو۔

دونوں آیات کے مضمون میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جماعتی زندگی ہر حال میں اسلام کو مطلوب ہے، بلکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ نبیوں سے بھی یہ عہد لیا گیا تھا:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔ (الشوریٰ: ۱۳)

اس کی تفسیر میں علامہ نیشاپوریؒ لکھتے ہیں:

{شرع لكم} بيّن وأظهر لكم {من الدين ما وصىّ به} أمر {نوحاً} ثمّ بيّن ذلك فقال: {أن أقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه} والله يبعث الأنبياء كلّهم بإقامة الدِّين وترك الفرقة۔[1]

علامہ دمشقیؒ رقمطراز ہیں:

أَنْ أَقِيمُواْ الدين وَلاَ تَتَفَرَّقُواْ فِيهِ } بعث الأنبياء كلهم بإقامة الدين والألفة والجماعة وترك الفرقة والمخالفة۔[2]

اور بھی کئی مفسرین نے اس مضمون کو نقل کیا ہے۔[3]

اسلام اجتماعیت کے بغیر اور اجتماعیت امارت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی

اسی لئے خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ نے واضح اعلان فرمایا:

لا إسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بإمارة ولا إمارة إلا بطاعة۔[4]

---

[1]- الوجيز في تفسير الكتاب العزيز ج ١ ص ٨٥٧ المؤلف: أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدي، النيسابوري، الشافعي (المتوفى: 468هـ)

[2]- تفسير اللباب في علوم الكتاب ج ١٤ ص ٧٤ المؤلف: أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: 775هـ)۔

[3]- لباب التأويل في معاني التنزيل ج ٥ ص ٣٦٠ المؤلف: علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن، المعروف بالخازن (المتوفى: 741هـ)★ مختصر تفسير البغوي ج ٧ ص ٥٠ المؤلف: عبد الله بن أحمد بن علي الزيد الطبعة: الأولى الناشر: دار السلام للنشر والتوزيع – الرياض تاريخ النشر: ١٤١٦هـ عدد الصفحات: ١٠٤٠ عدد الأجزاء: ١ ★ معالم التنزيل ج ٧ ص ١٨٧ المؤلف: محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى: ٥١٠هـ) المحقق: حققه وخرج أحاديثه محمد عبد الله النمر - عثمان جمعة ضميرية - سليمان مسلم الحرش الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الرابعة، ١٤١٧هـ - ١٩٩٧م عدد الأجزاء ٨۔

[4]- سنن الدارمي ج ١ ص ٩١ حديث نمبر: ٢٥١ المؤلف: عبدالله بن عبدالرحمن أبو محمد الدارمي الناشر: دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة الأولى، ١٤٠٧ تحقيق: فواز أحمد زمرلي، خالد السبع العلمي عدد الأجزاء: 2 الأحاديث مذيلة بأحكام حسين سليم أسد عليها۔

یعنی اسلام کی بنیاد ہی جماعت پر ہے، اور جماعت کے لئے امارت ضروری ہے، اور امارت بغیر اطاعت کے وجود میں نہیں آ سکتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جماعت کا ایک خاص اصطلاحی مفہوم ہے، چند لوگوں کا محض جمع ہو جانا کافی نہیں ہے، بلکہ نظام امارت کے تحت جمع ہونے کا نام جماعت ہے، قرآن کریم سے بھی یہی روشنی ملتی ہے کہ قیام جماعت کے لئے اولوا الامر کی اطاعت ضروری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ (النساء:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اولوا الامر ہوں، اگر کسی امر میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اور بدلہ بھی بہترین ہے۔

ایک حدیث میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ جماعت کے لئے امام لازم ہے:

حَدَّثَنِى أَبُو إِدْرِيسَ الخَوْلاَنِىُّ أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - عَنِ الخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِى . فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِى جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ »نَعَمْ . «قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ »نَعَمْ، وَفِيهِ دَخَنٌ . «قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ »قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِى تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ . «قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ »نَعَمْ دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا . «قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا فَقَالَ »هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا «قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِى إِنْ أَدْرَكَنِى ذَلِكَ قَالَ »تَلْزَمُ جَمَاعَةَ المُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ . «قُلْتُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ قَالَ »فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا۔ [1]

[1] - الجامع الصحيح ج ۳ ص ۱۳۱۹ حدیث نمبر: ۳۴۱۱ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، ۱۹۸۷-۱۴۰۷۔

تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا۔

ترجمہ: ابوادریس خولانیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے فرمایا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امورِ خیر کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور میں اکثر آنے والے فتنوں اور شر کے بارے میں دریافت کرتا تھا، تاکہ اپنے آپ کو ان سے بچا سکوں، ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جہالت وشر میں مبتلا تھے، پھر اسلام ہمارے پاس خیر لے کر آیا، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آنے والا ہے؟ ارشاد ہوا، ہاں، میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد پھر خیر آئے گا؟ فرمایا، ہاں، اور اس میں کچھ بگاڑ ہوگا، میں نے عرض کیا، کیا بگاڑ ہوگا؟ فرمایا کچھ ایسے لوگ ہونگے جو میرے طریقے کے خلاف چلیں گے، اور میری روش سے الگ روش اختیار کریں گے، تم ان میں اچھی بات بھی پاؤ گے اور بری بات بھی، میں نے عرض کیا، پھر اس اچھائی کے بعد برائی آئے گی؟ آپ نے فرمایا، ہاں، بہت سے داعی پیدا ہونگے جو جہنم کی طرف بلائیں گے، جو ان کی بات مانیں گے جہنم رسید ہونگے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ان کی صفات بیان فرمایئے، ارشاد فرمایا: وہ ہماری ہی قوم کے ہونگے، اور ہماری ہی زبان میں بات کریں گے، میں نے عرض کیا، اگر وہ وقت میری زندگی میں آ جائے تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑو، میں نے عرض کیا، اگر مسلمانوں کی جماعت اور امام موجود نہ ہو؟ آپ نے فرمایا، پھر ان تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گروہ کا امیر نہ ہو وہ محض فرقہ ہے جماعت نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جس کی موت اس حالت میں آئے کہ اس کی جماعت کا کوئی امام نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی:

عن ابن عمر:أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه حتى يراجعه قال: و من مات و ليس عليه إمام جماعة فإن موتته موتة جاهلية (هذا حديث صحيح على شرط الشيخين وقد حدث به الحجاج بن محمد أيضا عن الليث ولم يخرجاه تعليق الذهبي قي التلخيص: على شرطهما۔[1]

ایک روایت میں ارشاد نبوی ہے کہ مؤمن کی کوئی صبح وشام ایسی نہیں گذرنی چاہئے جس میں

---

[1] - المستدرك على الصحيحين ج ١ ص ١٥٠ حديث نمبر:٢٥٩ المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى، ١٩٩٠ - ١٤١١

تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، عدد الأجزاء: 4 مع الكتاب: تعليقات الذهبي في التلخيص

اس کا کوئی امیر نہ ہو:

مَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَنَامَ نَوْمًا، وَلَا يُصْبِحَ صَبَاحًا، وَلَا يُمْسِي مَسَاءً إِلَّا وَعَلَيْهِ أَمِيرٌ۔[1]

اس مضمون کی بے شمار روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے نصب امام اور قیام امارت کا صریح اور لازمی حکم نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ سفر میں بھی چند لوگ ساتھ ہوں تو حکم ہے کہ ایک کو امیر چن لیا جائے اور سفر اس کی ماتحتی میں کیا جائے:

عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِىِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ « إِذَا خَرَجَ ثَلاَثَةٌ فِى سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں کے لئے مختلف امراء مقرر فرمائے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا:

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ قَالَ «مَنْ أَطَاعَنِى فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِى فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِى فَقَدْ أَطَاعَنِى وَمَنْ عَصَى أَمِيرِى فَقَدْ عَصَانِى۔[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت صرف امیر المؤمنین ہی کی نہیں بلکہ نظام امارت کے قیام اور بقا کے لئے اصول کے مطابق ہر چھوٹے بڑے امیر کی اطاعت واجب ہے، خواہ وہ امیر سفر ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کا تقرر امیر المؤمنین کی جانب سے ہو یا وہ عام مسلمانوں کی طرف سے منتخب کردہ ہو۔

سمعت أبا أمامة يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب في حجة الوداع فقال اتقوا الله [ربكم] وصلوا خمسكم وصوموا شهركم وأدوا

---

[1]- مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۹ حديث نمبر: ۱۱۲۶۵ المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) الناشر: مؤسسة قرطبة - القاهرة عدد الأجزاء: 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها۔

[2]- سنن أبي داود ج ۲ ص ۳۴۰ حديث نمبر: ۲۶۱۰ المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي- بيروت عدد الأجزاء: 4

[3]-الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۲ ص ۱۳ حديث نمبر: ۴۸۵۲ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة۔ بيروت الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات

زكاة أموالكم وأطيعوا ذا أمركم تدخلوا جنة ربكم قال فقلت لأبي أمامة منذ كم سمعت [من رسول الله صلى الله عليه وسلم] هذا الحديث؟ قال سمعته وأنا ابن ثلاثين سنة قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح۔[1]

نصب امیر کے لئے مملکت کا وجود ضروری نہیں

یہ تصور قطعی درست نہیں کہ قیام جماعت اور نصب امیر کے لئے اسلامی مملکت کا وجود شرط ہے، اس لئے کہ ایک روایت میں ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی جگہ پر رہنے والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے امیر کا انتخاب کریں:

ولا يحل لثلاثة نفر يكونون بأرض فلاة الا أمروا عليهم أحدهم۔[2]

اس میں کوئی قید نہیں کہ وہ خطۂ ارض کہاں واقع ہے، مسلم اقتدار کے علاقے میں یا غیر مسلم اقتدار کے علاقے میں، ''ارض فلاۃ'' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہ حکم جغرافیائی حدود کا پابند نہیں ہے، علاقے کے فرق سے امارت کے معیار اور حدود میں تفاوت ہوسکتا ہے، اور امارت کی مختلف قسموں کی تطبیق میں فرق ہوسکتا ہے، لیکن نفس امارت کے حکم پر اس کا اثر نہیں پڑے گا، اگر امارت کی ایک صورت ممکن نہ ہو تو جو صورت ممکن ہو اس کو نافذ کرنا لازم ہوگا۔

مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت

جہاں تک خاص مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت کا تعلق ہے تو اس کی مثالیں بھی قرآن وحدیث اور تصریحات فقہاء میں موجود ہیں:

دارالکفر میں بحیثیت امیر حضرت طالوت کا تقرر

☆ اس کی ایک مثال حضرت شمویلؑ (پیغمبر) کے زیر قیادت حضرت طالوت کا بحیثیت امیر تقرر ہے [3]، قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے:

۱- الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۲ ص ۵۱۶ حديث نمبر: ۶۱۶ المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي—بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها۔

۲- مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۷۶ حديث نمبر: ۶۶۴۷ المؤلف: أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر: مؤسسة قرطبة—القاهرة عدد الأجزاء: 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها۔

۳- تفسیر جواہر علامہ طنطاویؒ مصری ج ۱ ص ۵۰۳۔

أَلَم تَرَ إِلَى المَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (246) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔[1]

ترجمہ: کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی اس جماعت کونہیں دیکھا جس نے اپنے نبی سے فرمائش کی تھی کہ ہمارے لئے کوئی امیر مقرر فرمادیں جن کے زیر قیادت ہم جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے سکیں، نبیؑ نے ارشاد فرمایا: کہیں ایسا تونہیں ہوگا کہ جب تم پر جہاد فرض کردیا جائے توتم جہاد سے مکر جاؤ، انہوں نے کہا: ہم کیوں جہاد سے اعراض کریں گے جب کہ ہمیں اپنے گھروں اور خاندان سے نکال دیا گیا، لیکن جب ان پر جہاد فرض کردیا گیا تو چند کو چھوڑ کر اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا، اللہ پاک کوان ظالموں کی خبر ہے، ان کے نبیؑ نے ان سے کہا کہ طالوت کوتمہارا امیر مقرر کیا گیا ہے، توانہوں نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارا امیر کیونکر ہوسکتا ہے، امارت کے تو ہم زیادہ حقدار ہیں، اس کے پاس تو مالی وسعت بھی نہیں ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ انتخاب اللہ کی جانب سے ہے، علاوہ طالوت کوعلم ووجاہت کی دولت بھی حاصل ہے، اللہ پاک جسے چاہتے ہیں امارت وحکومت سے سرفراز کرتے ہیں، وہی وسعت وعلم والا ہے۔

اللہ کے حکم پر نبیؑ کی طرف سے امیر کا یہ تقرر ایسے حالات میں ہوا جب بنی اسرائیل جالوت جیسے ظالم بادشاہ کے زیر اقتدار انتہائی مغلوبانہ حالات سے دوچار تھے، ان کے بیشتر افراد قید وبند کی زندگی گذارنے پر مجبور تھے، ان پر جزیہ عائد کردیا گیا تھا، بنی اسرائیل کے شاہی خاندان کے چارسو چالیس نفوس قید کرلئے گئے تھے، یہاں تک کہ ان کی مذہبی کتاب تورات بھی ان کے ہاتھوں سے چھین لی گئی تھی، ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں چھوڑا گیا تھا جو قومی اور اجتماعی معاملات کے نظم وانتظام کا شعور رکھتا ہو، خاندان نبوت کے تمام لوگ (ایک حاملہ عورت کو چھوڑ کر جس

۱- البقرۃ: ۲۴۶، ۲۴۷۔

سے بعد میں حضرت شموئیلؑ پیدا ہوئے) شہید کردیئے گئے تھے۔ علامہ بغویؒ لکھتے ہیں:

وهم قوم جالوت كانوا يسكنون ساحل بحر الروم بين مصر وفلسطين وهم العمالقة فظهروا على ۴۲/أ بني إسرائيل وغلبوا على كثير من أرضهم وسبوا كثيرا من ذراريهم وأسروا من أبناء ملوكهم أربعين وأربعمائة غلاما، فضربوا عليهم الجزية وأخذوا توراتهم، ولقي بنو إسرائيل منهم بلاء وشدة ولم يكن لهم نبي يدير أمرهم، وكان سبط النبوة قد هلكوا، فلم يبق منهم إلا امرأة حبلى فحبسوها في بيت رهبة أن تلد جارية فتبدلها بغلام لما ترى من رغبة بني إسرائيل في ولدها وجعلت المرأة تدعو الله أن يرزقها غلاما فولدت غلاما، فسمته أشمويل۔[1]

مفسر ابوالسعود العمادیؒ رقمطراز ہیں:

وذلك أن جالوت رأسَ العمالقةِ وملكهم وهو جبارٌ من أولاد عمليق بن عاد كان هو ومن معه من العمالقة يسكنون ساحلَ بحرِ الرومِ بين مصر و فلسطين وظهرواعلى بني إسرائيلَ وأخذوا ديارَهم وسبَوْا أولادهم وأسرُوامن أبناء ملوكهم أربعَمائة وأربعين نفساًوضربواعليهم الجزيةَ وأخذواتوراتَهم۔[2]

اس طرح دارالکفر میں قیام امارت کے حکم پر خدا اور رسول دونوں کی مہر لگ گئی، پھر قرآن کریم نے اس واقعہ کو نقل کر کے اس امت کے لئے بھی اس کو قانونی حیثیت عطا کردی ہے۔

حالت مغلوبی میں بیعت عقبہ

☆ دارالکفر میں نصب امیر کی دوسری نظیر خود عہد نبوی میں بیعت عقبہ ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل قبیلۂ اوس وخزرج کے چند مسلمانوں سے سمع وطاعت کی بیعت لی تھی، یہ بیعت دو مرحلوں میں لی گئی تھی، پہلی بیعت کو بیعۃ عقبۂ اولی کہتے ہیں، جس میں

---

[1]- معالم التنزيل ج ١ ص ٢٩٦ المؤلف: محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى: 510هـ) المحقق: حققه وخرج أحاديثه محمد عبد الله النمر - عثمان جمعة ضميرية - سليمان مسلم الحرش الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الرابعة، 1417هـ - 1997م عدد الأجزاء: 8 مصدر الكتاب: موقع مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف۔

[2]- إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم ج ١ ص ٣٠٠ المؤلف: أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفى: 982هـ) مصدر الكتاب: موقع التفاسير۔

بارہ افراد شریک تھے، اور دوسری بیعت اس کے ایک سال کے بعد لی گئی جس کو بیعت عقبۂ ثانیہ کہا جاتا ہے، اس میں اوس وخزرج کے تہتر مرد اور دو عورتیں شامل ہوئیں، بیعت عقبۂ ثانیہ (ذی الحجہ) ہجرت (ربیع الاول) سے چند ماہ پیشتر لی گئی، کتب سیر وحدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں:

ولم يختلفوا أنهم اثنا عشر رجلا وهم الذين بايعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم في العقبة الأولى وكان بينها وبين العقبة الثانية عام أو نحوه وكانوا في بيعة العقبة الثانية ثلاثا وسبعين رجلا فيما ذكر ابن إسحاق وامرأتين وكانت العقبة الثانية قبل الهجرة بأشهر يسيرة۔[1]

جب کہ اس وقت مسلمان انتہائی چھوٹی اقلیت میں تھے، عرب کے صرف چند قبائل نے اسلام قبول کیا تھا، اور وہ بھی یکجا نہیں تھے بلکہ مختلف آبادیوں میں پھیلے ہوئے تھے، مثلاً: یمن میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا خاندان اور طفیل بن عمرو دوسیؓ کا پورا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا، ازدشنوہ کا پورا قبیلہ حضرت ضماد بن ثعلبہؓ کے ہاتھ پر اور غفار کا نصف قبیلہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا تھا، اور ان ہی کے اثر سے قبیلۂ اسلم بھی مسلمان ہو گیا تھا جو قبیلۂ غفار سے قربت رکھتا تھا، مہاجرین حبش کے واسطہ سے اسلام کی آواز غیر قوموں اور ملکوں تک پہنچ چکی تھی، مدینہ منورہ کے قبائل اوس وخزرج کے اکثر گھرانے بھی مسلمان ہو چکے تھے۔[2]

لیکن ہر جگہ ان کے لئے رکاوٹوں کا سامنا تھا، ریگستان عرب میں اطمینان کی سانس لینا ان کے لئے مشکل تھا، وہ کلیتاً مغلوبانہ اور محکومانہ زندگی گذار رہے تھے، خود قرآن کریم کا بیان ہے:

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاس۔[3]

ترجمہ: یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے تھے اور کمزور تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔

بلکہ ہجرت کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہی صورت حال رہی، انتہائی خوف ودہشت کا ماحول

---

[1]- التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد ج ۲۳ ص ۲۷۵ المؤلف: أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى: 463هـ) المحقق: مصطفى بن أحمد العلوى و محمد عبد الكبير البكرى الناشر: مؤسسة القرطبه۔

[2]- ہندوستان اور مسئلۂ امارت مصنفہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۴۶، ۴۷ ناشر جمعیۃ علماء ہند۔

[3]- الانفال: ۲۶

تھا، خود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی شب میں اطمینان کے ساتھ آرام نہیں فرما سکتے تھے ہتھیار بند سپاہی حجرۂ شریفہ کے باہر تعینات کئے جاتے تھے، بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا گیا ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم سهر فلما قدم المدينة قال (ليت رجلا من أصحابي صالحا يحرسني الليلة۔[1]

نسائی شریف میں ہے:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في أول ما قدم المدينة يسهر من الليل۔[2]

عن أبي بن كعب رضي الله عنه قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه و سلم و أصحابه المدينة و آوتهم الأنصار رمتهم العرب عن قوس واحدة كانوا لا يبيتون إلا بالسلاح و لا يصبحون إلا فيه۔[3]

لیکن ان حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجتماعی زندگی گذارنے کی تلقین فرمائی، اوران سے سمع وطاعت کی بیعت لی، آپ نے ان کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ امارت کے معاملے میں کوئی اختلاف پیدا نہ کریں بلکہ اجتماعی وحدت کا ثبوت دیں:

عن عبادة بن الصامت قال: بايعنا رسول الله صلى الله عليه و سلم على السمع و الطاعة في المنشط و المكره و أن لا ننازع الأمر أهله و أن نقوم أو نقول بالحق حيثما كنا لا نخاف في الله لومة لائم۔[4]

[1] - الجامع الصحيح المختصرج ٣ ص ١٠٥٧ حديث نمبر:٢٧٢٩ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407

[2] - السنن الكبرى ج ٥ ص ٢١ المؤلف : أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى : 303هـ) مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

[3] - المستدرك على الصحيحين ج ٢ ص ٤٣٢ حديث نمبر: ٣٥١٢ المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى، 1990 - 1411

تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا عدد الأجزاء: 4

[4] -الجامع الصحيح المختصرج ٦ ص ٢٦٣٣ حديث نمبر:٦٧٧٤ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407

تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا۔

عہد نبوت میں دوسرے غیر مسلم علاقوں میں تقرر امیر

☆ دوسرے غیر مسلم علاقوں میں بھی آپؐ کے ارشاد عالی کے مطابق امراء کا تقرر عمل میں آیا، مثلاً: مہاجرین حبش کے امیر حضرت جعفر طیارؓ مقرر کئے گئے، جب کہ حبشہ دار الکفر تھا، اور وہاں کا بادشاہ نصرانی تھا، سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

☆ دار الکفر میں تقرر امیر کی ایک نظیر خود عہد نبوت میں شام کی سرزمین پر (جو اس وقت تک اسلامی مفتوحات میں شامل نہیں ہوا تھا) غزوۂ موتہ کے موقعہ پر قوم کی طرف سے حضرت خالد بن الولیدؓ کا بحیثیت امیر تقرر ہے، جس پر نبی کریم ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی،

بلکہ پیرایۂ مدح میں آپ نے امت کے سامنے یہ پورا واقعہ بیان فرمایا، صحیح بخاری میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه:أن النبي صلى الله عليه و سلم نعى زيداو جعفراوابن رواحة للناس قبل أن يأتيهم خبرهم فقال(أخذ الراية زيدفأصيب ثم أخذجعفر فأصيب ثم أخذابن رواحة فأصيب).وعيناه تذرفان(حتى أخذ الراية سيف من سيوف الله حتى فتح الله عليهم) [1]

نسائی شریف میں اس روایت کے ساتھ یہ استدلال بھی نقل کیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے انتخاب سے بھی امارت قائم ہو جاتی ہے:

عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه و سلم بعث زيداو جعفرا وعبد الله بن رواحة ودفع الراية إلى زيد فأصيبوا جميعا قال أنس فنعاهم رسول الله صلى الله عليه و سلم إلى الناس قبل أن يجيء الخبر قال أخذ الراية زيد فأصيب ثم أخذ جعفر فأصيب ثم أخذ عبد الله بن رواحة فأصيب ثم أخذ الراية بعد سيف من سيوف الله خالد بن الوليد قال فجعل يحدث الناس وعيناه تذرفان رواه البخاري في الصحيح عن سليمان بن حرب وأحمد بن واقد عن حماد

---

[1] - الجامع الصحيح المختصرج ۴ ص ۱۵۵۴ حديث نمبر:۴۰۱۴ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا۔

وفيه دلالة على أن الناس إذا لم يكن عليهم أمير ولا خليفة أمير فقام بإمارتهم من هو صالح للأمارة وانقادوا اله انعقدت ولايته حيث استحسن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما فعل خالدبن الوليدمن أخذه الراية وتأمره عليهم دون أمر النبي صلى الله عليه وسلم ودون استخلاف من مضى من أمراء النبي صلى الله عليه وسلم إياه والله أعلم۔ [1]

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس حدیث سے یہی استدلال کیا ہے:

ثم أخذاللواء خالدبن الوليدولم يكن من الأمراء وهو أمير نفسه ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم انه سيف من سيوفك فأنت تنصره فمن يومئذ سمى سيف الله وفي حديث عبدالله بن جعفر ثم أخذها سيف من سيوف الله خالدبن الوليد ففتح الله عليهم وتقدم حديث الباب في الجهاد من وجه آخر عن أيوب فأخذها خالدبن الوليد من غير إمرة والمراد نفي كونه كان منصوصا عليه وإلا فقد ثبت أنهم اتفقوا عليه۔ [2]

دارالحرب یمامہ میں انتخاب امیر

☆ زمانۂ نبوت کے ایک اور واقعہ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے جس کا تذکرہ ابن خلدون وغیرہ نے بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے کہ "عہدرسالت کے آخری زمانہ میں جب یمامہ میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور بہت سے لوگ اس کے متبع ہوگئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عامل شہید کردیئے گئے، بہت سے مسلمان ڈرکر وہاں سے بھاگ نکلے، لیکن بہت سے لوگ ایمان کو چھپا کر وہیں رہے، یمامہ دارالاسلام سے دارالحرب ہوگیا، یہاں تک کہ اذانیں بند ہوگئیں اور علی الاعلان کوئی شخص اللہ کا نام لینے والا نہ رہا، ایک دن انہی پوشیدہ مسلمانوں میں سے کسی نے رات میں مدعی نبوت کو قتل کردیا، اور صبح کو وہاں موجود مسلمانوں نے حضرت معاذؓ کو اپنا امیر منتخب کیا اور مرتدین سے مقابلہ کیا، اللہ پاک کی نصرت سے وہ کامیاب ہوئے اور یمامہ پھر

---

[1] - سنن البيهقي الكبرى ج۸ص ۱۵۴ حديث نمبر: ۱۶۳۷۴ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر: مكتبة دار الباز - مكة المكرمة، 1994 – 1414 تحقيق: محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء: 10

[2] - فتح الباري شرح صحيح البخاري ج۷ص ۵۱۳ المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1379 تحقيق: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء: 13۔

دارالاسلام میں تبدیل ہوگیا، دربار رسالت میں اس بشارت کو لے کر قاصد بھیجا گیا، مگر وہ ایسے وقت مدینہ منورہ پہنچا جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کو اختیار فرما چکے تھے، اور حضرت صدیق اکبرؓ مسند خلافت پر متمکن تھے، کسی صحابی سے اس واقعہ پر کوئی نکیر منقول نہیں ہے، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ دارالحرب میں امیر کا انتخاب اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہے۔[1]

فقہی تصریحات

علاوہ کتب فقہ میں یہ تصریحات موجود ہیں کہ مسلمانوں کے لئے بے امیر رہنا کسی مقام پر درست نہیں، خواہ وہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

لا يجوز ترك المسلمين سدى ليس عليهم من يدبر أمورهم في دار الإسلام ولا في دار الحرب۔[2]

یہی بات مبسوط میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

ففي القول بما قالوا يؤدي إلى أن يكون الناس سدى لا والي لهم۔[3]

جن علاقوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے، اور وہاں کوئی مسلم حاکم موجود نہ ہو تو وہاں کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اتفاق باہم سے اپنا مسلم امیر منتخب کریں، تاکہ جمعہ وعیدین اور قضا کا نظام متأثر نہ ہو، امیر کوئی قاضی مقرر کرے یا خود کار قضا سنبھالے، یعنی اس حالت میں بھی اجتماعیت کے تحفظ کے لئے نصب امیر کا حکم مرتفع نہیں ہوتا، البتہ فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ جب تک یہ صورت ممکن نہ ہو ان پر لازم ہے کہ باہمی مشورہ سے جمعہ وعیدین کا نظام قائم کریں، اور قاضی کا تعین کریں، تاکہ بہت سے عائلی اور اجتماعی مسائل جن میں قضائے قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، کے حل میں دشواری پیدا نہ ہو، فقہاء نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اتفاق سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے شرعاً اس کا بھی اعتبار ہے اور وہ شرعی قاضی قرار پاتا ہے:

امام سرخسیؒ نے امام کی عدم موجودگی میں قوم کی طرف سے نصب امام کا اعتبار کیا ہے، اور اس کی

۱- ہندوستان اور مسئلۂ امارت مصنفہ مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۵۰۔

۲- شرح السير الكبير ج ۲ ص ۲۲۷

۳- المبسوط للسرخسي ج ۹ ص ۱۳۸ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م۔

نظیر حضرت عثمانؓ کی عدم موجودگی (حالت محاصرہ) میں حضرت علیؓ کی امامت جمعہ ہے:

لَوْ مَاتَ مَنْ يُصَلِي الجمُعَةَ بِالنَّاسِ فَاجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ فَصَلى بِهِمُ الجمُعَةَ هَلْ يجزئهم؟ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يجزئهم فَقَدْ ذَكَرَ ابْنُ رُسْتُمَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَوْ مَاتَ عَامِلُ إفْرِيقِيَّةَ فَاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى رَجُلٍ فَصَلى بِهِمُ الجمُعَةَ أَجْزَأَهُمْ لِأَنَّ عُثْمَانَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لما حُصِرَ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى عَلِيٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَصَلى بِهِمُ الجمُعَةَ وَلِأَنَّ الخلِيفَةَ إنَّمَا يَأْمُرُ بِذَلِكَ نَظَرًا مِنْهُ لهمْ فَإِذَا نَظَرُوا لِأَنْفُسِهِمْ وَاتَّفَقُوا عَلَيْهِ كَانَ ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ أَمْرِ الخلِيفَةِ إيَّاهُ۔ [1]

علامہ ابن ہمامؒ رقمطراز ہیں:

وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا أو يكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا لهم إماما يصلي بهم الجمعة۔ [2]

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا فِي بِلَادٍ عليها وُلَاةُ الكفارة (الكفار) فَيَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ إقَامَةُ الجمَعِ وَالْأَعْيَادِ وَيَصِيرُ الْقَاضِي قَاضِيًا بِتَرَاضِي المسْلِمِينَ وَيجب عليهم طَلَبُ وَالٍ مُسْلِمٍ اهـ [3]

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما

---

[1] - المبسوط للسرخسي ج ۲ ص ۶۲ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م۔

[2] - شرح فتح القدير ج ۷ ص ۲۶۴ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت۔

[3] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۶ ص ۲۹۸ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ / سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت۔

منهم اهـ وعزاه مسكين في شرحه إلى الأصل ونحوه في جامع الفصولين مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار وفي الفتح وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة اهـ وهذا هو الذي تطمئن النفس إليه تأمل ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أو باتفاقهم عليه يكون ذلك الأمير في حكم السلطان فيصح منه تولية القاضي عليهم۔ [1]

حاشیۂ مراقی الفلاح میں ہے:

وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوي غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما اه ولو مات الخليفة وله ولاة على أمور العامة كان لهم أن يقيموا الجمعة لأنهم أقيموا الأمور المسلمين فكانوا على حالهم ما لم يعزلوا حلبي۔ [2]

قوت قاہرہ کے بغیر بھی امارت قائم ہوسکتی ہے

ظاہر ہے کہ غیر مسلم اقتدار میں رہنے والے مسلمانوں کی طرف سے جو امیر مقرر ہوگا اسے قوت قاہرہ حاصل نہ ہوگی، یعنی وہ طاقت کے بل پر کوئی حکم نافذ کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ سیاسی اور فوجی اقتدار سے محروم ہے، اس کے باوجود علماء اور فقہاء کا قیام امارت پر اصرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امارت کے بھی درجات ہیں، اور اجتماعیت کے تحفظ اور ملی وعائلی مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ امارت کاملہ ہی ضروری نہیں ہے بلکہ بعض حالات میں اس کی جگہ پر امارت ممکنہ بھی کافی ہوتی ہے، یہ بات مذکورہ بالا واقعات وروایات اور فقہی تصریحات کے تناظر میں نکھر کر

[1] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۳۶۹ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ - 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

[2] -حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ۱ ص ۳۲۸ أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر۔

سامنے آتی ہے، بعض علماء نے بڑی صراحت کے ساتھ بھی یہ بات لکھی ہے مثلاً:

علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

الفصل الثامن: [وجوب اتخاذ الإمارة] يجب أن يعرف أن ولاية الناس من أعظم واجبات الدين بل لا قيام للدين إلا بها، فإن بني آدم لا تتم مصلحتهم إلا بالاجتماع لحاجة بعضهم إلى بعض، ولا بد لهم عند الاجتماع من رأس، حتى قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إذا خرج ثلاثة في سفر فليؤمروا أحدهم"، رواه أبو داود، من حديث أبي سعيد وأبي هريرة. (2608 أحمد 2-176) وروى الإمام أحمد في المسند عن عبد الله بن عمرو، أن النبي قال: "لا يحل لثلاثة يكونون بفلاة من الأرض إلا أمروا عليهم أحدهم۔ (أحمد: 2/177) فأوجب صلى الله عليه وسلم تأمير الواحد في الاجتماع القليل العارض في السفر، تنبيها على سائر أنواع الاجتماع، — فالواجب على المسلم أن يجتهد في ذلك بحسب وسعه، فمن ولي ولاية يقصد بها طاعة الله، وإقامة ما يمكنه من دينه، ومصالح المسلمين، وأقام فيها ما يمكنه من ترك المحرمات، لم يؤاخذ بما يعجز عنه، فإن تولية الأبرار خير للأمة من تولية الفجار. ومن كان عاجزا عن إقامة الدين بالسلطان والجهاد، ففعل ما يقدر عليه، من النصيحة بقلبه، والدعاء للأمة، ومحبة الخير، وفعل ما يقدر عليه من الخير، لم يكلف ما يعجز عنه، فإن قوام الدين الكتاب الهادي۔ [۱]

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے اس نظریہ کی تائید میں مختلف مسالک وادوار کے اکابر علماء ومفتیان کے فتاویٰ بھی نقل فرمائے ہیں تفصیل کے لئے ان کی کتاب 'ہندوستان اور مسئلہ امارت' کی طرف رجوع کیا جائے۔ [۲]

البتہ خاص ہندوستانی تناظر میں انگریزی تسلط کے بعد نصب امیر اور نظام قضا کے قیام کا پہلا فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے دیا، ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں حضرت شاہ

---

[۱]-السياسة الشرعية فى اصلاح الراعى والرعية لابن تيميةؒ القسم الثانى الحدود والحقوق ص ج 4 ص 21۔ 26 الناشر دار ابن حزم 1424ھ م 2003ء۔

[۲]-ملاحظہ فرمائیں ص ۶۳ تا ۷۳۔

صاحبؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا [۱]، اور اپنے فتاویٰ میں اس بات پر زور دیا کہ مسلمان خود اپنا امیر منتخب کریں، جس کی ماتحتی میں وہ تمام ملی اور اجتماعی امور انجام دیئے جائیں جو امیر و قاضی کے بغیر روبہ عمل نہیں آسکتے ہیں:

''اقامت جمعہ در دارالحرب اگر از طرف کفار والی مسلمان در مکانے منصوب باشد باذن او درست است، والا مسلمانان را باید کہ یک کس را کہ امین و متدین باشد رئیس قرار دہند کہ باجازت وحضور او اقامت جمعہ و اعیاد و انکاح من لاولی من الصغار، وحفظ مال غائب، وایتام وقسمت ترکات متنازع فیہا علیٰ حسب السہام می نمودہ باشد، بے آنکہ در امور ملکی تصرف کند و مداخلت نماید۔'' [۲]

ترجمہ: اگر دارالحرب میں کفار کی طرف سے کسی مقام پر مسلمان والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی معتبر اور دیندار شخص کو اپنا امیر منتخب کرلیں، اور اس کے حکم سے جن نابالغوں کا کوئی ولی نہ ہو ان کا نکاح کریں، اور غائب و یتمی کے اموال کی حفاظت کی جائے، اور حصۂ شرعی کے مطابق ان ترکات کی تقسیم کی جائے جن میں نزاع ہو، البتہ یہ امیر ملکی معاملات میں مداخلت سے گریز کرے۔

ملکی معاملات میں مداخلت سے گریز کی تلقین بطور مصلحت کے ہے اس لئے کہ اس دور میں انگریزی استبداد کے بالمقابل یہ ایک پرخطر چیز تھی، لیکن اگر جمہوری حکومتوں میں اظہار رائے کی آزادی میسر ہو اور امیر کی مداخلت سے مسلمانوں کا نفع متوقع ہو تو ملکی اور سیاسی معاملات میں مداخلت میں کچھ حرج نہیں۔ [۳]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بعد حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے بھی اسی

۱- حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے دارالحرب کی تعریف اور شرائط نقل کرنے بعد ہندوستان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم روسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است — اگر بعض احکام اسلام را مثل جمعہ وعیدین وذبح بقر تعرض نکنند نکردہ باشد لیکن اصل الاصول ایں چیز ہانزد ایشاں ہباء وہدر است، زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم می نمائند۔ از یں شہر تا کلکتہ عمل نصاریٰ ممتد است۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۶، ۱۷، فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء)

ترجمہ: اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے، اور نصرانی حکمرانوں کے احکام بے دغدغہ جاری ہیں، اگر بعض اسلامی احکام مثلاً جمعہ وعیدین اور ذبح بقر سے یہ لوگ تعرض نہیں کرتے ہیں تو نہ کریں، لیکن اصلاً ان کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، اس لئے کہ جب چاہتے ہیں مسجدوں کو بے تکلف شہید کردیتے ہیں، دہلی سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل اسی طرح جاری ہے۔

۲- مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔

۳- مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی اس قید کی یہی تاویل کی ہے (ہندوستان اور مسئلۂ امارت ص ۶۹، ۷۰ حاشیۂ کتاب)

مضمون کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ [۱]

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے اضطراری حالات میں امارت شرعیہ کی فکر کوئی بدعت یا حضرت مولانا سجادؒ کی ایجاد بندہ نہیں تھی بلکہ یہ شریعت اسلامیہ کی فقہ الاقلیات کا ایک حصہ ہے، جس سے امت مسلمہ نے ہمیشہ ایسے وقت میں استفادہ کیا ہے جب وہ سیاسی اعتبار سے ادبار وتنزل کی شکار ہوئی، اور یہ تنہا ہندوستان کا قصہ نہیں بلکہ تاریخ اسلامی میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں:

اسلامی تاریخ میں مغلوبانہ امارت کے نظائر

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے خطبۂ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند کلکتہ میں کتب تاریخ سے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں، مثلاً:

☆ سلیمان تاجر نے اپنے تیسری صدی ہجری کے سفر نامہ میں غیر اسلامی ملک چین کے شہر ’خانفو‘ کا حال لکھا ہے جہاں مسلمان تاجروں (جو زیادہ تر عراق سے آئے تھے) کی نوآبادی تھی، وہاں شاہ چین نے ان کی عید اور جمعہ نیز فصل احکام کے لئے انہی میں سے ایک شخص کو امیر اور فیصل مقرر کر دیا تھا، اور کوئی مسلمان تاجر اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا تھا:

”ان بخانفو وھو مجمع التجار رجلاً مسلماً یولیه صاحب الصین الحکم بین المسلمین الذین یقصدون الی تلک الناحیة یتوخی ملک الصین ذلک واذاکان فی العید صلی بالمسلمین وخطب ودعالسلطان المسلمین وان التجار العراقیین لاینکرون من ولایته شیئافی احکام وبمافی کتاب الله عزوجل واحکام الاسلام۔ [۲]

ترجمہ: شہر خانفو (چین) میں مسلمان تاجروں کا ایک مرکز ہے، ایک مسلمان ہے جس کو شاہ چین ان مسلمانوں کے درمیان فصل احکام کے لئے مقرر کرتا ہے، جو اس ملک میں جاتے ہیں، شاہ چین اس چیز کو پسند کرتا ہے اور عید جب آتی ہے تو والی مسلمانوں کی نماز کی امامت کرتا ہے، اور خطبہ پڑھتا ہے، اور بادشاہ اسلام کے لئے دعا کرتا ہے، اور عراقی تاجر مسلم والی کی ولایت کے کسی حکم اور عمل بالحق کا انکار نہیں کرتے اور نہ ان حکموں سے سرتابی کرتے ہیں جو اس والی نے کتاب

۱- مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ کتاب القضاء ج ۲ ص ۱۶۱۔

۲- ص ۱۴ مطبوعہ پیرس ۱۸۱۱ء بحوالہ خطبۂ صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ اجلاس کلکتہ ص ۵۸۔

الٰہی اور احکام اسلام کے موافق جاری کیا ہو۔

قدیم فارسی میں والی وقاضی کے لئے ہنرمند (یا ہنرمن) کی اصطلاح

☆ عراقیوں کی فارسی زبان میں والی اور قاضی کو ہنرمند کہا جاتا تھا جو عام استعمال میں ہنرمن بولا جاتا تھا، خود ہندوستان کے مختلف ساحلی شہروں میں جہاں جہاں مسلمان آبادیاں تھیں، غیر اسلامی سلطنتوں میں اسلامی تنظیم وقضا کے ذمہ دار افراد کو ہنرمند کہا جاتا تھا

☆ چوتھی صدی ہجری کے جہاز راں بزرگ ابن شہر یار نے اپنے سفرنامہ ''عجائب الہند'' میں صیمور (مدراس کے قریب) میں عباس بن ہامان سیرافی ہنرمند کا ذکر کیا ہے:

انه کان بصیمور رجل من اهل سیراف یقال له العباس ابن هامان و کان هنرمن للمسلمین بصیمور ذو وجه البلد و المنضوی الیه من المسلمین (ص ۴۲)

ترجمہ: صیمور میں سیراف کا ایک شخص تھا، جس کو عباس بن ہامان کہا جاتا تھا، اور جو وہاں کے مسلمانوں کا ہنرمند تھا، اور شہر کا ذی وجاہت شخص اور وہاں کے پناہ گزیں مسلمانوں کا مرکز تھا۔

☆ اسی مقام پر ۳۰۴ھ میں مشہور سیاح مسعودی بھی پہنچا تھا، اس نے اس دور کی صورت حال بیان کرتے ہوئے تحریر کیا:

علی الهنرمنة یومئذ ابو سعید معروف ابن زکریا و الهنرمنة یرادبه رئیس المسلمین وذلک ان الملک یملک علی المسلمین رجلاً من رؤسائهم تکون احکامهم مصروفة الیه۔ [1]

☆ چھٹی صدی ہجری میں جب کافر تاتاریوں نے ایران وخراسان وترکستان پر قبضہ کرلیا، تو وہاں کے علماء وقت نے اپنے لئے مسلم والی کا مطالبہ پیش کیا تھا، جو ہماری کتب فتاویٰ کا ایک باب ہے۔

☆ خود ہندوستان میں سلاطین کے عہد میں صدر جہاں کے نام سے اس قسم کا عہدہ قائم تھا، جس کے ماتحت تمام قضاۃ ومحتسب ائمہ ہوتے تھے، تاتاری کافروں کے استیلاء کے زمانہ میں اس عہد کے علماء نے اسی بنا پر مسلمان والی کے پہلو پر زور دیا تھا۔

☆ بولشویک روس کے مسلمان قازان کی مجلس دینیہ اسلامیہ کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔

☆ فلپائن، اسٹریا، ہنگری، بلگیریا، ازیکوسلیویا، اور یونان میں مسلمان بے حد اقلیت

۱- مروج الذہب ج ۲ ص ۶۶ یورپ۔

میں ہیں، تاہم ان کے تمام قومی و مذہبی صیغے مفتی اعظم کے ماتحت منظم اور با قاعدہ ہیں۔

☆ دسمبر (۱۹۲۶ء) کے اخیر ہفتہ کی رپورٹ ہے کہ پولینڈ کے تمام مسلمانوں نے جمع ہوکر ترپن ارکان کی ایک مجلس ترتیب دی ہے، اور اس میں چند کارکن منتخب کئے گئے ہیں، اور ایک صدر کا انتخاب کیا گیا ہے، تاکہ وہ اس وحدت تنظیمی کے سایہ میں اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھ سکیں۔

خطبۂ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند کلکتہ ص ۵۲ تا ۵۸ علامہ سید سلیمان ندویؒ

☆ مولانا مسعود عالم ندویؒ لکھتے ہیں:

"فلسطین میں "مسلم سپریم کونسل" (المجلس الاسلامی الاعلیٰ) اسی قسم کی دوسری شکل تھی، چند صدی پہلے صقلیہ میں اور آج کل یوگوسلاویہ میں اس قسم کے اسلامی نظام کے اداروں کا کامیاب تجربہ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔"[۱]

امارت شرعیہ کا تصور اسلامی تاریخ میں نیا نہیں

مذکورہ مثالیں یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ کسی غیر اسلامی ملک میں امارت شرعیہ کا تصور کا کوئی نیا نہیں ہے کہ اس کو بدعت سیئہ قرار دے کر مسترد کر دیا جائے۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی سابق وزیر تعلیم لکھتے ہیں:

"وہ (مولانا سجادؒ) مسلمانوں کے لئے ایک الگ نظام کے حامی تھے، ہندوستان کا مستقبل ان کی آنکھوں کے سامنے روشن تھا، وہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے عادی نہیں تھے دل کے ساتھ ان کا دماغ بھی روشن تھا، البانیہ، پولینڈ، یوگوسلاویہ کی مثالیں ان کے سامنے تھیں وہ ڈرتے تھے کہ آگے چل کر یہ ملک بھی کہیں مسلمانوں کے لئے ایک بڑا اراچھوتانہ نہ بن جائے، اس لئے وہ ہندوستان کی سب سے بڑی قومی سیاسی جماعت کا ساتھ دیکر اس سے اپنی انفرادیت منوانا چاہتے تھے، یہی ان کا مقصد تھا، اور اسی کے لئے وہ پچیس سال سے کچھ اوپر سرگرم کار رہے، امارت شرعیہ، جمعیۃ علماء اور دوسری تحریکیں سب اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ تھیں۔"[۲]

شریعت میں قیام امارت کے لئے قوت قاہرہ شرط نہیں ہے

نیز ان فقہی و تاریخی نظائر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ملک میں جو امارت شرعی یا ولایت دینی قائم ہوتی ہے اس میں قوت قاہرہ شرط نہیں ہے، اس لئے کہ مقہوریت کے ساتھ

۱- محاسن سجاد، ص ۹۶

۲- محاسن سجاد ص ۴۷، ۴۸۔

قاہریت جمع نہیں ہوسکتی، جب مسلمان غیر اسلامی اقتدار میں خود محکوم ومغلوب ہیں تو ان سے غالبیت کا مطالبہ کرنا ایک بے معنیٰ سی بات ہے، اسلام کا مقصد اس امارت سے جبر وقہر نہیں بلکہ مسلمانوں کی تنظیم ہے، یعنی مسلمان جہاں بھی رہیں اجتماعیت کے ساتھ مربوط رہیں اور یہ تنظیمیت مسلم اقتدار میں قوت وقہر سے حاصل ہوتی ہے جبکہ غیر اسلامی نظام میں دینی اور اخلاقی بنیادوں پر، اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور اس کے اصول ونظریات بھی آفاقی ہیں، روئے زمین کے ہر حصہ میں یہ قابل عمل ہیں، البتہ جہاں جو صورت ممکن ہوگی اس کو اختیار کرنا لازم ہوگا، امارت وولایت کا اصل مقصود تنظیم ہے، اگر قوت وقہر میسر نہ ہو تو اس کے انتظار میں گوہر مقصود ضائع نہیں کیا جائے گا، بلکہ وحدت واجتماعیت کے لئے دوسری ضروری بنیادیں تلاش کی جائیں گی۔[1]

اہلیت امارت کے لئے مطلوبہ معیار

اس باب میں قرآن وحدیث کے مطالعہ سے اسلام کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کے لئے اصل معیار قوت وامانت ہے، جیسا کہ آیات ذیل سے مستفاد ہوتا ہے:

- ★ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ۔ (القصص:۲۶)
- ★ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ (یوسف:۵۴)
- ★ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (التکویر:۱۹-۲۱)

قوت سے مراد قوت فیصلہ، انسان کے پاس علم اور قوت ارادی دونوں موجود ہوں تو قوت فیصلہ بھی حاصل ہوجاتی ہے۔

---

[1] تحریک امارت کے خلاف سب سے طاقتور دلیل کے طور پر اس بات کو اٹھایا گیا تھا، حضرت مولانا محمد سجادؒ کے شریک کار مولانا شاہ سید حسن آرزو صاحبؒ نے اس دور کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے:

"مخالفوں نے امیر بے طاقت کا مسئلہ اپنی دانست میں بہت ہی زور وشور سے اٹھایا تھا، اور وہ سمجھتے تھے کہ اس پردہ میں مولانا اور مولانا کی ساری اسکیم ہی کو مار لیں گے، اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا انتشار اور ان کی پریشان حالی مخالفوں کی کامیابی کا سبب ہوسکتی تھی، حالانکہ یہ کوئی بھی بڑا اور اہم مسئلہ نہ تھا، مگر مخالف ہماری پراگندگی اور انتشار کے پیش نظر اسی رائی کو پہاڑ بنا رہے تھے، یقینی اس دور میں امیر بے طاقت ہی کی ضرورت تھی، ظاہر ہے کہ بہار کی امارت نہ تو جہاد کی مدعی تھی، نہ سلطنت وخلافت کی، وہ مسلمانوں میں مذہبی تنظیم پیدا کرکے صرف سمع وطاعت کی عادت ڈال دینا چاہتی تھی، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ اگر قوم وجماعت منظم طور پر صرف سمع وطاعت کی عادی ہوجائے، تو نہ اسے تلوار کی ضرورت ہو نہ تیر کی، کہ اسی کا دوسرا نام قوت وطاقت ہے، جس کا تاریخی مظاہرہ بدر وحنین اور ابتدائے اسلام کے ہر ابتدائی دفاعی جنگوں میں ہوتا رہا تھا، ہاں خصومات باہمی میں دار القضاء کے فیصلوں کی پابندی جزء لازم چیز تھی، ممکن ہے یہی مخالفوں کی خود ساختہ منطق چندمنٹ مقابلہ میں آسکتی تھی، لیکن اس کا صاف اور سیدھا جواب یہی ہوسکتا تھا، کہ اگر تم امیر کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہو اور اسی سمع وطاعت کے اصول پر اپنا دعویٰ دار القضاء میں رجوع کرتے ہو، تو انفصال قضیہ کے بعد نفاذ فیصلہ میں کوئی بھی دشواری کا امکانی پہلو نظر نہیں آسکتا، اطاعت امیر کی صحیح تعریف تو یہی ہوسکتی ہے، کہ اس کے شرعی حکم پر کوئی روگردانی نہ کی جائے۔" (حیات سجاد ص ۹۵،۹۶)

اور امانت سے مراد خوف خداوندی اور احساس ذمہ داری ہے۔

یہ دونوں باتیں کسی شخص میں موجود ہوں تو اس کو امارت کا اہل قرار دیا جاسکتا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے انہی آیات کریمہ کے تناظر میں ولایت کے لئے مذکورہ بالا دونوں چیزوں کو رکن قرار دیا ہے، اور ان کی یہی تشریح کی ہے جو اوپر ذکر کی گئی:

فإن الولاية لها ركنان: القوة والأمانة۔۔والقوة في كل ولاية بحسبها — والقوة في الحكم بين الناس، ترجع إلى العلم بالعدل الذي دل عليه الكتاب والسنة، وإلى القدرة على تنفيذ الأحكام۔۔والأمانة ترجع إلى خشية الله، ۔۔ اجتماع القوة والأمانة في الناس قليل۔ [1]

مشہور حنفی فقیہ علامہ ابوالشکور السالمیؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ اگر امام کے پاس قہر وغلبہ باقی نہ رہے تو اس کی امامت ساقط نہیں ہوتی، اس لئے کہ ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قہر وغلبہ حاصل نہیں تھا، اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ بھی آخری دور میں مغلوب ہوگئے تھے لیکن ان کی امامت زائل نہیں ہوئی تھی، نیز حضرت علیؓ کو بھی تمام مسلمانوں پر قوت وغلبہ حاصل نہیں تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوت وغلبہ ولایت کے لئے لازمۂ ذات نہیں ہے:

قال بعض الناس بان الامام اذالم يكن مطاعاًفانه لايكون اماماًلانه اذالم يكن له القهر والغلبة لايكون اماماًليس كذلک لان طاعة الامام فرض على الناس فلولم يطيعواا الامام فالعصيان حصل منهم وعصيانهم لا يضر بالامامة ثم ان لم يكن القهر فذلک يكون من تمرد الناس وتمردهم لايعزله عن الامامة الاترى ان النبیﷺ ما كان مطاعاًفی اول الاسلام وكان لايمكنه القهر على اعدائه من طريق العادة والكفرة قدتمردواعن امداده ونصرة دينه وقدكان هذا لايضر ولايعزله عن النبوة وكذلک الامامة لان الامام خليفة النبیﷺ لامحالة وكذلک علیؓ ماكان مطاعاًمن جميع المسلمين ومع ذلک ماصار معزولاً۔ [2]

حدیث میں امام ضعیف سے مراد

بعض لوگوں کو اس روایت سے اشتباہ ہوا جو بعض کتب حدیث میں آئی ہے کہ:

---

[1] -السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية ج ۳ ص ۷، ۸ تأليف:أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني الناشر: دار ابن حزم 1424هـ-2003م

[2] -تمہید ابی الشکور السالمی ص ۱۸۶ بحوالہ ہندوستان اور مسئلۂ امارت مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

الإمام الضعيف ملعون (الطبرانی عن ابن عمر) أخرجه الطبرانی كما فی مجمع الزوائد (5/ 209، وقال الهيثمی: سقط من إسناده رجل بين عبد الكريم بن الحارث وبين ابن عمر، وفيه جماعة لم أعرفهم. وأخرجه أيضًا: الديلمی (1/ 121، رقم 410) [۱]

یعنی کمزور امام ملعون ہے۔

☆ لیکن اولاً یہ روایت محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے نا قابل اعتبار ہے،

☆ ثانیاً یہاں امام ضعیف سے قوت وغلبہ سے محروم امام نہیں، بلکہ صلاحیت تنفیذ سے محروم شخص مراد ہے، امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں اس کی یہی تشریح کی ہے:

الإمام الضعيف ملعون [هو الضعيف عن إقامة الأحكام الشرعية، فعليه التخلي (عن الإمامة)] [۲]

نیز امام شعرانیؒ نے بھی "کشف الغمۃ" میں یہی مطلب بیان کیا ہے:

قال ابن عباس رضی اللہ عنہ كان رسول الله ﷺ يقول "الامام الضعيف ملعون وهو الذی يضعف من تنفيذ الامور الشرعية واقامتها [۳]

قوتِ تنفیذ کا مطلب

تنفیذ کا مفہوم صحیح شرعی بنیادوں پر کیا گیا فیصلہ ہے، جس میں قطعیت کے ساتھ حکم صادر کیا گیا ہو، ضروری نہیں کہ طاقت کے زور پر اس کو جاری بھی کیا جائے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

مطلب في التنفيذ وأما التنفيذ فالأصل فيه أن يكون حكما إذ القضاء قوله

۱- جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي ج ۱ ص ۲۰۸ حديث نمبر: ۱۱۴ المصدر: موقع ملتقى أهل الحديث ★ مسند الفردوس للديلميج ۱ ص ۲۸ حديث نمبر ۴۱۰ ★ كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج ۶ ص ۲۲ حديث نمبر: ۱۴۶۶۵ المؤلف: علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى: 975هـ) المحقق: بكري حياني - صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة، 1401هـ/1981م مصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية۔

۲- الجامع الصغير من حديث البشير النذير المؤلف: الإمام جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر بن محمد بن سابق الدين السيوطي ج ۱ ص ۲۷۴ حديث نمبر: ۳۰۷۸۔

۳- كشف الغمة للشعرانی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۱۷۔

أنفذت عليك القضاء قالوا وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ الشرعي ومعنى رفع اليد حصلت عنده فيه خصومة شرعية [1]

والمراد من النفاذ الصحة ومن عدمه عدمها لا الصحة مع التوقف [2]

عقود الدریۃ میں ہے:

التنفيذ احكام الحكم الصادر من الحاكم وتقريره على موجب ما حكم به وبه يكون الحكم متفقا عليه [3]

☆ نیز تمام کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے پر قادر نہ تھے، اور نہ اپنا فرمان تمام مسلمانوں پر بزور نافذ کر سکتے تھے، کئی اہم لوگوں نے علانیہ آپ سے بیعت نہیں کی تھی، اس کے باوجود آپ خلیفۂ راشد تھے، بلکہ انہی کمزور حالات میں آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، علامہ ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں:

فالخلافة التامة التي أجمع عليها المسلمون وقوتل بها الكافرون وظهر بها الدين كانت خلافة أبي بكر وعمر وعثمان وخلافة علي اختلف فيها أهل القبلة ولم يكن فيها زيادة قوة للمسلمين ولا قهر ونقص للكاقرين ولكن هذا لا يقدح في أن عليا كان خليفة راشدا مهديا ولكن لم يتمكن كما تمكن غيره ولا أطاعته الأمة كما أطاعت غيره فلم يحصل في زمنه من الخلافة التامة العامة ما حصل في زمن الثلاثة مع أنه من الخلفاء الراشدين المهديين [4]

وأما علي فمن حين تولى تخلف عن بيعته قريب من نصف المسلمين من السابقين الأولين من المهاجرين والأنصار وغيرهم ممن قعد عنه فلم يقاتل معه ولا قاتله مثل أسامة بن زيد وابن عمر ومحمد بن مسلمة ومنهم من قاتله ثم كثير من الذين بايعوه رجعوا عنه منهم من كفره واستحل دمه ومنهم من ذهب

[1] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۳۵۳ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ - 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8۔

[2] - شرح الاشباہ ج ۱ ص ۱۴۳۔

[3] - عقود الدرية ج ۱ ص ۳۰۳ بحوالہ ہندوستان اور مسئلۂ امارت مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانیؒ ص ۱۱۰۔

[4] - منهاج السنة النبوية ج ۶۳ ص ۲۷ تأليف: أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني 728هـ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، المملكة العربية السعودية الأولى، 1406هـ / 1986م۔

إلى معاوية كعقيل أخية وأمثاله [۱]

تو جب امامت عظمیٰ میں اس کی گنجائش ہے تو امارت شرعیہ میں کیا کلام ہوسکتا ہے،

☆ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''خلیفہ عبدالمجید تو بالکل مقہوریت کی حالت میں خلیفہ بنائے گئے، اور خلیفہ سابق نے ان کو قائم مقام بھی نہیں بنایا، پھر بھی سب لوگوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا، علماء اسلام کی رائے تو یہ ہے کہ عدم سے وجود بہرحال بہتر ہے، اور سقوط وجوب کے لئے کافی ہے، جیسا کہ علامہ تفتازانی کے کلام سے سمجھا جاتا ہے، کہ خلیفہ غیر مطاع کا وجود سقوط وجوب کے لئے کافی ہے۔'' [۲]

مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے بھی لکھا ہے کہ:

''پس مسلمانوں کا والی دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں استطاعت سے باہر کہیں بھی اس کی ولایت کے لئے مادی طاقت شرط اور لازم نہیں قرار دی جاسکتی ہے بلکہ ہر جگہ استطاعت سامنے ہوگی، اور وہی مناط کار ہوگی۔'' [۳]

امارت شرعیہ کے لئے بیعت کی ضرورت

بعض حضرات کو ایک شبہ یہ ہوا کہ اگر یہ امامت کبریٰ نہیں ہے بلکہ محض ولایت وگورنری یا قضا کے ہم پلہ ہے تو پھر اس کے لئے بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ بیعت تو امامت کبریٰ کے لئے لی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے بیعت دراصل معاہدہ کا نام ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

والمبايعة عبارة عن المعاهدة [۴]

اور معاہدہ کے بغیر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، خلیفہ اور امام المسلمین سے قوم بیعت کرتی ہے تو امام شریعت پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہے اور قوم اس کی اطاعت کا، اور اسی معاہدہ کے نتیجہ میں امیر شرعی احکام کا پابند ہوتا ہے اور قوم پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے، اگر یہ معاہدہ وجود میں نہ

۱- منهاج السنة النبوية ج ۴ ص ۱۳۲ تأليف: أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني 728هـ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، المملكة العربية السعودية الأولى، 1406هـ/1986م۔

۲- امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت - شبہات وجوابات، ص ۳۷ مصنفہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ۔ ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔

۳- ہندوستان اور مسئلہ امارت مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۱۲۸۔

۴- فتح الباري بشرح صحيح البخاري ج ۱ ص ۲۸ المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ)

آ ئے تو لزوم بھی پیدا نہیں ہوسکتا، تو جس صورت میں مملکت میں امیر المؤمنین موجود ہو اور والی وقاضی کا تقرر اس کی جانب سے ہو تو ظاہر ہے کہ والی وقاضی سے جداگانہ بیعت کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ جملہ معروفات کے لئے امیر المؤمنین سے پہلے بیعت ہو چکی ہے اس لئے اس کے جملہ تقررات کی تعمیل واطاعت بھی واجب ہوگی، لیکن جہاں امیر المؤمنین موجود نہ ہو، وہاں قاضی ووالی کی اطاعت کے لئے مستقل معاہدہ وبیعت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بیعت پہلے سے موجود نہیں ہے، اور یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ تراضی مسلمین (جس کا اظہار بیعت سے ہوگا) سے قاضی ووالی کا تقرر درست ہے، اس مضمون کی کئی عبارتیں پہلے بھی آ چکی ہے، ایک عبارت شرح مواقف سے یہاں پیش کی جاتی ہے، جو اسلامی عقائد کے موضوع پر مستند کتاب ہے۔

علماء متقدمین میں قاضی عبدالرحمٰن بن احمد الایجیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المواقف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''لانسلم عدم انعقادالقضاء بالبیعة للخلاف فیه، وان سلم فذلک عند وجودالامام لامکان الرجوع الیه فی هذاالمهم واما عند عدمه فلابد من القول بانعقاده بالبیعة تحصیلاً للمصالح المنوطة به ودرءاً للمفاسد المتوقعة دونه ای دون القضاء۔ [1]

اس طرح کی تصریحات فقہاء حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں بھی موجود ہیں۔ [2]

فقہاء حنفیہ میں علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

یجب علیهم ان یتفقوا علیٰ واحدمنهم یجعلونه والیا فیولی قاضیاً اویکون هو الذی یقضی بینهم [3]

اسی حقیقت کو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اس طرح بیان فرمایا:

''ظاہر ہے کہ از خود کوئی قاضی بن بیٹھے اس سے کوئی قاضی نہیں ہوسکتا، اور سلطان اور والی سے تقرر ہوا نہیں، پھر سوا اس کے کوئی صورت ہی نہیں کہ مقامی ارباب حل وعقد کسی شخص کو باتفاق رائے یا بکثرت آراء قاضی بنالیں اور اس کے قضایا کے تسلیم کا عہد کرلیں اور یہی بیعت ہے

۱- المواقف فی علم الکلام ص ۳۹۹ طبع عالم الکتب بیروت۔

۲- الاحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلیٰ ص ۷۳ ☆ الاحکام السلطانیہ للامام ابی الحسن الماوردیؒ (متوفی ۴۵۰ھ) ص ۶۳، ۶۴ مطبعۃ السعادۃ مصر ☆ الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر مکی الہیثمی الشافعی ج ۴ ص ۳۲۶۔

۳- فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۵ ص ۴۶۱، مطبوعہ دار صادر بیروت۔

اوراس صورت میں لزوم بیعت ظاہر ہے ، کیونکہ شرعاً ثبوت ولایت کی تین ہی صورتیں ہیں(اول) تسلط، جس کو شریعت مجبوراً جائز کہتی ہے ، (دوم)تقرراز جانب والی اعظم (سوم)بیعت ارباب حل وعقد،قضاۃ کی بیعت کوجس صورت میں علماء نے لکھا ہےلزوم ہی پرمحمول ہے ،یعنی امام اعظم کی طرف سے تقرر نہ ہونے کی صورت میں ۔اورجن لوگوں نے جواز وعدم جواز کولکھا ہے وہ دیگرصورت پرمحمول ہےیعنی جب کہ امام اعظم کی طرف سے تقرر ہوا ہو۔"[1]

دارالاستیلاء میں امارت کبریٰ کے بارے میں مولانا سجادؒ کا موقف

بعض بزرگوں کوامارت شرعیہ کے معاملے میں اس لئے تأمل تھا کہ انگریزوں نے اسلامی ہندوستان پر قبضہ کرلیا ہے، فی الوقت اس استیلاء کا خاتمہ کرنے کی ضرورت ہے،امامت کبریٰ کے بجائے چھوٹی امارت شرعیہ کے قیام کا مطلب تو یہ ہوگا ہم موجودہ نظام حکومت پرراضی ہیں،اورہم اس جنگ کوموقوف کردیں جس کوڈیڑھ سوسال سے ہمارے اسلاف نے اس ملک کوآزادکرانے کے لئے شروع کررکھا ہے ،مثلاً حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ نے امیرشریعت اول کواپنے مکتوب میں تحریرفرمایا:

"فقیرتواس کودارالاستیلاء سمجھتا ہے،اوردارالاستیلاء کے ازالہ کولازم جانتا ہے۔"[2]

یہ اعتراض مختلف حلقوں کی طرف سے اٹھایا گیا تھا،اورسنجیدہ وجارحانہ دونوں لب ولہجہ میں اٹھایا گیا،لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض مولانا سجادؒ کے نظریات سے بے خبری پر مبنی تھا، مولاناؒ سے قریب رہنے والے لوگ پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے اور انہوں نے اس کی شہادت دی ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے) کہ مولاناؒ بھی بنیادی طور پرحکومت الٰہی کے قیام کے حامی تھے،اوران کا اصل نصب العین بھی یہی تھا،جیسا کہ ان کی تحریک خلافت وغیرہ مساعی سے بھی ظاہر ہوتا ہے ،لیکن جب تک اس کوشش میں کامیابی نہیں ملتی،محض انتظارفردا میں انتشارو پراگندگی کی زندگی گذارنا وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے،اس لئے کہ اس سے مسلمانوں کی صلاحیتیں اور بھی زیادہ کمزورہوتی جائیں گی ،علاوہ ایک شرعی فریضہ کے ترک کا گناہ بھی لازم آئے گا،ان کی

۱- امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت -شبہات وجوابات،ص ۵۴ مصنفہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ۔ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔

۲- امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت -شبہات وجوابات،ص ۴۰ مصنفہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ۔ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔

مضبوط رائے تھی کہ امارت شرعیہ کے قیام سے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت مضبوط ہوگی، اور حکومت الٰہیہ کا نصب العین حاصل کرنے میں اس سے مدد ملے گی، اور اگر خدانخواستہ اس میں کامیابی نہیں ملتی ہے اور ہندو مسلم اتحاد کے نتیجے میں کوئی جمہوری حکومت وجود میں آتی ہے جیسا کہ اس کے آثار نظر آرہے تھے، جب بھی امارت کی اجتماعی طاقت مسلمانوں کو مستحکم اور باوقار زندگی گذارنے میں معاون ثابت ہوگی، مولاناؒ نے اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں اپنا یہ درد اس طرح پیش فرمایا تھا:

''مسلمانوں کے لئے جس چیز کی آج ضرورت ہے اور حصول سوراج کے بعد بھی ضرورت ہوگی بلکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل کو قریب کرنے کے لئے جو چیز سب سے زائد مفید ہوگی یہی نظام اسلام یعنی امارت شرعیہ ہے۔''[1]

مولاناؒ کو اپنی اس رائے پر ایسا شرح صدر تھا کہ جیسا سامنے نظر آرہے دن کے اجالے پر انسان کو یقین ہوتا ہے، مولاناؒ نے خود فرمایا:

''ہمارے بہت سے احباب ممکن ہے کہ میری صاف گوئی سے خفا ہوئے ہوں، مگر میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مسئلہ کے لئے میرے دل میں انشراح پیدا کر کے اس حقیقت کو ویسا ہی روشن فرمادیا ہے جس طرح کہ سورج کی روشنی۔''[2]

۱- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۱۳۵۔

۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۱۲۵۔

فصل سوم

تحریک امارت شرعیہ - قیام، مقاصد اور پس منظر

امارت شرعیہ ہند کے قیام سے حضرت مولانا سجادؒ کا منصوبہ

دراصل حضرت مولانا سجاد صاحبؒ امارت شرعیہ کے ذریعہ آنے والے ہندوستان میں مسلمانوں کا دینی، ملی اور سیاسی مستقبل محفوظ کرنا چاہتے تھے، ان کا منصوبہ تھا کہ ایک منظم چیز تیار ہوجائے تو اس کو باقاعدہ حکومت کے ذریعہ قانونی حیثیت سے بھی منظور کرانے کی جدو جہد کی جائے، اور مسلمان ایک قانونی اجتماعیت کے زیر سایہ اپنی زندگی گذاریں، جس کے فیصلوں کو عدالتوں میں چیلنج نہ کیا جاسکے، اور جو حکومت کی مداخلت اور دستبرد سے محفوظ ہو، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ مولاناؒ کی اس فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا محمد سجاد مرحوم کا یہ خیال تھا کہ جب تک ہندو مسلمانوں کی جدو جہد کامیاب ہو اور ہندوستان میں نیشنل گورنمنٹ قائم ہو، اس وقت تک مسلمانوں کا اندرونی نظام اور ان کی شرعی تنظیم مکمل ہوجائے تاکہ نیشنل گورنمنٹ کے زمانے میں مسلمانوں کی معاشرت، ان کا کلچر، ان کی سوشل تہذیب، ان کے اوقاف، ان کا نکاح اور طلاق وغیرہ، ان کی زکوٰۃ، اور ان کا عشر یہ تمام باتیں ایک شرعی امیر کے ماتحت ہوں، اور ان تمام امور میں یہ ایک امیر کے ماتحت ہوں، اور اس شرعی تنظیم کو آئندہ ہندوستان کے دستور اساسی میں مسلمانوں کے ایک شرعی حق کی حیثیت سے تسلیم کرالیا جائے، تاکہ مسلمانوں کے اندرونی اور اصلاحی معاملات حکومت کی مداخلت سے محفوظ ہوجائیں، یہ ان کی اسکیم کا مختصر خلاصہ ہے جو میں نے عرض کیا، کاش اس مفید اور خالص مذہبی تحریک کو مسلمان سمجھتے۔''[1]

جدید اصطلاحات کے بجائے اسلامی اصطلاحات والا ادارہ

درست ہے کہ یہ اجتماعیت اور تنظیمی مقاصد جمعیۃ علماء ہند اور دیگر مسلم تنظیموں سے بھی حاصل ہوسکتے تھے، لیکن حضرت مولاناؒ طرز کہن کے داعی و مبلغ تھے، موجودہ زمانہ کی تمام تنظیموں کی ساخت میں عصر جدید اور زیادہ درست لفظ میں مغرب کا رنگ غالب تھا، صدر، نائب صدر، سکریٹری،

۱- حیات سجاد ص ۱۰۸۔

جنرل سیکریٹری، خازن، ارکان تاسیسی وممبران وغیرہ اصطلاحات سے ہماری قدیم اسلامی تاریخ اجتماعیت نا آشنا ہے، یہ سب عہد جدید کی پیداوار ہیں، جب کہ اسلام میں مسلمانوں کی تنظیم واجتماع کے لئے خلافت اسلامی، حکومت الٰہیہ، اورامارت شرعیہ جیسے اداروں کا تصورموجود ہے، جہاں امیرشریعت، والی، عامل، قاضی شریعت، ناظم بیت المال، اورنقیب وغیرہ جیسی جامع اورروحانیت ومقصدیت سے بھرپور اصطلاحات موجود ہیں پھراپنی چیزیں چھوڑ کرعہد جدید کی تقلید کرنا غیرت ایمانی کے خلاف ہے، مولاناؒ چاہتے تھے کہ چھوٹی سطح پر ہو یا بڑی سطح پر مسلمانوں کا ہراجتماعی کام قرآن وحدیث، اوراسلامی فقہ وتاریخ کے آئینے میں منظم کیا جائے، یہاں تک کہ اسماء واصطلاحات اورہیئت ترکیبی بھی وہی اختیار کی جائے جو خیرالقرون میں ملتی ہیں، اسی سے اسلامی تہذیب واقدار کا تحفظ وابستہ ہے اوراسی میں مسلمانوں کے لئے خیر ہے، اورجب ہی اس ملک میں مسلمان اپنے ملی وتاریخی تشخصات کے ساتھ محفوظ رہ سکتا ہے، دیکھئے خطبۂ صدارت کے یہ الفاظ:

> ”میرے نزدیک تنظیم اسلامی کے مصداق کی تحقیق کی وہی شکل ہے جس کو آپ عہدرسالت میں پاتے ہیں، ازاں بعدعہدصحابہ کرام میں بھی آپ بہترصورت میں اس کو دیکھتے ہیں تنظیم کی اس تشکیل اورتصورکو چھوڑ کر جوصورت بھی آپ اختیار کریں خواہ بظاہروہ کتنی ہی مرغوب ہوسنت سنیہ وطریقۂ حسنہ کا ترک ہوگا، اور چاہے آپ ان جملہ امورکی انجام دہی کے لئے کوئی دوسری صورت اختراع کرلیں، اورآپ کی نظروں میں بہ اعتبارترتب آثاروحصول مقاصد کوئی دقت بھی محسوس ہولیکن آپ اس تاثیرواثرکو جو تشکیل وتنظیم شرعی میں مضمر ہے نہیں پاسکتے، اورسب سے بڑھ کر یہ کہ آپ اس وجوب سے سبکدوش نہیں ہوسکتے جو آپ پرواجب ہے۔ پس اگرتنظیم کے یہی معنیٰ ہیں کہ مسلمانوں اوراسلام کا نظام قائم کرنا تو آپ حضرات یقین فرمائیں کہ اس کی شکل یہی ہے جس کو میں پیش کررہاہوں۔“[1]

مولاناابوالکلام آزاداوردیگرعلماءسے تبادلۂ خیال

حضرت مولانامحمدسجادؒ نے اس موضوع پر بہت سے علماء سے گفتگو کی اورتبادلۂ خیال کیا اور اکثرعلماء نے آپ کی رائے کی قوت وصداقت کوتسلیم کیا مولانا ابوالکلام آزادؒ بھی مسلمانوں کی تنظیم کے لئے مسلسل فکرمند تھے، اوراس کے لئے وہ ’حزب اللہ‘ قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، حضرت مولاناسجادصاحبؒ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ شریعت میں تنظیم اسلامی کی بنیاد ’امارت‘

۱- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۱۲۹، ۱۳۱۔

ہے اس بنیاد پر نظم کرنا بہتر ہوگا، اس بات کا تذکرہ جناب شاہ محمد قاسم عثمانی صاحبؒ نے رانچی میں مولانا آزادؔ سے کیا جوان دنوں وہاں نظر بند تھے، تو مولانا آزادؔ یہ سنتے ہی نفس مسئلہ تک پہنچ گئے، وہ مولانا سجادؒ کا مقصد سمجھ گئے، انہوں نے مشتاقانہ مولانا سجاد صاحبؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ قاضی احمد حسین اور شاہ محمد قاسم عثمانی صاحبان کی معیت میں رانچی تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا آزادؒ سے ملاقات کی، یہ ملاقات بالکل تخلیہ میں ہوئی تھی، مولانا سجادؒ نے مولانا آزادؒ کے مزید اطمینان وانشراح کے لئے متعدد نصوص اور فقہی عبارتوں کے حوالے دکھلائے اور بالآخر مولانا آزادؔ نے حزب اللہ کا ارادہ ترک کر کے امارت شرعیہ کی تحریک میں شامل ہونے کا فیصلہ فرمایا۔[1]

مولانا سجادؒ کے سب سے اخص الخاص شاگرد اور آپ کے افکار و اعمال کے نقیب مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جو چیز زیادہ تڑپا رہی تھی، اور سوہان روح بنی ہوئی تھی، وہ مسلمانوں کی غیر اسلامی اور غیر شرعی زندگی تھی، آخر بہت غور وخوض کے بعد امارت شرعیہ کی اسکیم آپ کے ذہن میں آئی، اس سلسلے میں مولانا مرحوم نے رانچی میں حضرت مولانا ابوالکلام صاحب سے جو اس وقت وہاں نظر بند تھے، ملاقات کی، اور اس مسئلہ پر باہمی مشورہ اور تبادلہ خیال ہوا، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور دیگر سربرآوردہ علماء سے بھی ملے اور رائے عامہ کو تیار کیا''[2]

خود حضرت مولانا آزادؒ نے بھی اپنے خطبۂ صدارت لاہور میں حضرت مولانا سجادؒ سے اپنی ملاقات کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور اس سبقت بالخیر کے لئے علماء بہار کو مبارکباد دی ہے، لکھتے ہیں:

''اسی زمانہ میں میرے عزیز ورفیق مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ رانچی میں مجھ سے ملے تھے اور اسی وقت سعی وتدبیر میں مشغول ہو گئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کن لفظوں میں حضرات علمائے بہار کو مبارکباد دوں کہ انہوں نے سبقت بالخیرات کا مقام اعلیٰ حاصل کیا اور جمعیۃ علماء بہار کے جلسہ میں تین سو کے مجمع علماء نے بالاتفاق اپنا امیر شریعت منتخب کرلیا۔''[3]

مولانا آزاد نے نہ صرف تحریک امارت شرعیہ کی حمایت کی بلکہ اسے اپنی بارہ سالہ جدوجہد کا نتیجہ اور تمام اصلاحی اعمال وتحریکات کے لئے اصل الاصول اور اساس قرار دیا، جمعیۃ علماء ہند کے

۱- حیات سجادص ۵۷ مضمون قاضی احمد حسین صاحبؒ وص ۱۳۳، ۱۳۴ مضمون مولانا محمد عثمان غنیؒ ☆حسن حیات ص ۴۲، ۴۳ سوانح حیات قاضی احمد حسین مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ۔

۲- محاسن سجادص ۷۔

۳- خطبات آزادص ۱۲۶۔

تیسرے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے (جب کہ بہار میں امارت شرعیہ کے قیام کو چند ماہ ہوئے تھے) اپنے خطبۂ صدارت میں برملا اعلان کیا:

''حضرات! اب آپ مجھے اجازت دیں کہ میں مختصراً اس مسئلہ کی نسبت بھی کچھ عرض کردوں جس کو میں علی وجہ البصیرۃ آج تمام اعمال اصلاحیہ کے لئے بمنزلہ اصل واساس کے یقین کرتا ہوں، اور کامل بارہ سال کے متصل غور وفکر کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ بغیر اس کے کبھی عقدۂ کا حل نہیں ہوسکتا، میرا اشارہ مسئلہ نظام جماعت اور قیام امارت شرعیہ کی جانب ہے۔''[۱]

حضرت مولانا سجادؒ کو احساس تھا کہ ان کے اس طرز کہن کی پابندی کو لوگ قدامت پرستی قرار دیں گے اور طرح طرح کے حیلے بہانے اور شبہات واعتراضات پیدا کریں گے، چنانچہ اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں ارشاد فرمایا:

''حضرات! مجھے معلوم ہے کہ اس دور میں اس قدیم اصول نظام پر کیا کیا اعتراضات اور شبہات ہیں اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے شبہات تو صرف علائق خارجہ کے جذب وکشش سے پیدا ہوگئے ہیں اور بہت سے تردادت ماحول کے واقعات اور اخوان زماں کی کیفیات نفسیہ سے حادث ہوئے ہیں، ان متردین اور مشککین میں بہت سے ایسے حضرات ہیں کہ ان کے دل ودماغ پر خارجی اثرات نے اتنا گہرا اثر جمادیا ہے، کہ اب شاید ان کے دل ودماغ میں حقیقی نظام اسلام کے تجس کے لئے بھی کوئی جگہ باقی نہیں ہے، اور بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ گرچہ وہ بھی کسی حد تک خارجی اثرات سے متاثر ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ وہ اصل نظام کی مکمل صورت کے متجس ہیں، اور اگر یقین ہوجائے کہ شرعی اصول سے نظام اسلام کی یہی واحد شکل ہے تو یقیناً اس کے آگے جبین نیاز رکھنے کو تیار ہیں۔''[۲]

لیکن مولانا آزادؒ نے ان کی بھرپور حمایت کی اور اپنے خطبۂ صدارت لاہور میں فرمایا:

''ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی قومی واجتماعی کام انجام نہیں پاسکتا جب تک اس میں نظم وانضباط نہ ہو، اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک اس کا کوئی رئیس وقائد مقرر نہ کیا جائے، پس ہم تیار ہوجاتے ہیں کہ جلسوں کے لئے صدر تلاش کریں، لیکن اگر یہی حقیقت شریعت کی ایک اصطلاح امامت کے لفظ میں ہمارے سامنے آتی ہے تو ہمیں تعجب وحیرانی ہوتی ہے اور اس کے لئے ہم تیار نہیں ہوتے۔

۱- خطبات آزاد ص ۱۱۹۔

۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۱۳۱۔

ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہئے کہ ہم ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا دستور العمل بنالیں، شریعت کے کھوئے ہوئے نظام کواز سر نو قائم واستوار کردیں اور اس طرح اسلام کی مٹی ہوئی سنتیں زندہ ہو جائیں۔ طریق شرعی اور اس کے نظام وقوام کے الفاظ سن کر یکا یک متوحش و مضطرب الحال ہو جاتے ہیں، یہ کیا مصیبت ہے کہ اگر لیڈر کا لفظ کہا جاتا ہے تو آپ اس کا استقبال کریں اور امیر وامام کا لفظ آجائے تو نفرت واستکراہ سے بھر جائیں۔''[1]

دارالکفر میں امارت شرعیہ تنظیم اسلامی کی واحد عبوری صورت

غرض امارت شرعیہ مولانا کی آخری منزل نہیں تھی بلکہ ایک عبوری منزل تھی، غیر اسلامی اقتدار میں اس سے بہتر ممکنہ تنظیمی واجتماعی صورت اور کوئی موجود نہیں تھی، ان کے نزدیک امارت شرعیہ کی ترجیح بمقابلۂ انتشار و پراگندگی وغیر شرعی اجتماعیت تھی نہ بمقابلۂ خلافت اسلامی۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل حضرت مولانا سجادؒ کی کتاب ''حکومت الٰہی'' ہے، جو اسلام کے نظام اجتماع اور فلسفۂ اجتماع پر اردو زبان میں اس عہد کی پہلی کتاب تھی، اس کی پہلی اشاعت کی سعادت (۱۹۴۱ء میں) حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کو حاصل ہوئی، اس کتاب کے عرض ناشر میں مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''مولاناؒ کی پوری زندگی بے پناہ جہد و عمل کا نمونہ تھی، جس کا مقصد وحید حکومت الٰہیہ کا قیام تھا، مولاناؒ نے اپنی زندگی میں جو عملی قدم بھی اٹھایا وہ صرف اس لئے کہ اس کے ذریعہ مقصد وحید کی راہ کھلتی تھی، جن لوگوں کو مولانا کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا ہے یا انہوں نے مولانا کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں، کہ ان کی زندگی کا مشن 'حکومت الٰہیہ' کے سوا اور کچھ نہ تھا، مولانا نے اپنی مخصوص بصیرت کے ساتھ جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی، اور جو انہیں کا حصہ تھی، اپنی زندگی کا کافی حصہ اسلام کے اجتماعی نظام اور حکومت الٰہی اور اس کی تفصیلات پر غور کرنے میں صرف کیا، اور جن لوگوں کو اس موضوع پر مولاناؒ سے گفتگو کا موقع ملا ہے وہ اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ 'حکومت الٰہیہ' یا 'خلافت اسلامیہ' کا کس قدر مرتب اور مفصل خاکہ مولانا کے ذہن میں موجود تھا اور ہندوستان میں صرف مولانا ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کی صحیح روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیم اور ہندوستان میں اس کی اسلامی زندگی کا بہترین خاکہ تیار کیا، اور اسے پوری طرح مرتب کر کے عملی صورت میں امارت

۱- خطبات آزاد ص ۱۲۰ تا ۱۲۲۔

شرعیہ کے نام سے صوبہ بہار میں جاری کیا کہ اگر آج مکمل اقتدار حاصل ہو جائے تو تھوڑے اضافہ کے بعد 'امارت شرعیہ' خلافت اسلامیہ کی شکل اختیار کر سکتی ہے، بلکہ اس کی ہیئت ترکیبی ہی ایسی ہے کہ قوت کے حصول کے بعد وہ 'خلافت اسلامیہ' کے سوا اور کوئی چیز بن ہی نہیں سکتی۔"[1]

اور یہی بات مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے اپنے ایک دوسرے مضمون میں بھی تحریر کی ہے:

"مولانا علیہ الرحمۃ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا اصل مقصد تو ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام ہے، اس لئے کہ موجودہ تمام طریقہائے حکومت میں اسلامی حکومت ہی کا نظام مکمل ہے لیکن چونکہ یہ حالات موجودہ براہ راست اسلامی حکومت کے قیام کی راہ میں مشکلات ہیں، اس لئے سردست کم ازکم ایک ایسی مشترکہ حکومت کے قیام کی کوشش کی جائے جہاں مسلمانوں کے لئے مخصوص نظام ہو۔"[2]

اس امر کی شہادت مولانا کے دیگر قریب ترین لوگوں نے بھی دی ہے مثلاً:

مولانا مسعود عالم ندویؒ فرماتے ہیں:

"لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ مولانا سجاد مرحوم یا دوسرے داعیان امارت کا یہ آخری نصب العین ہے، حاشا وکلا، اس مخلص مجاہد کے دامن پر اس سے زیادہ بدنما دھبہ اور کوئی نہیں لگایا جا سکتا، مولانا محمد سجاد بھی اسلامی حکومت کی تاسیس کے داعی تھے، اور یہی ان کا نصب العین تھا، مسلم نیشنلزم اور کمال اتاترک جیسی اسلامی حکومت نہیں بلکہ وہ خالص "الٰہی حکومت" (منہاج خلافت راشدہ پر) کے قیام کے داعی تھے۔"[3]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں:

"مولانا محمد سجاد ہندوستان کے ان چند متبحرین میں سے تھے، جو ہندوستان کی سیاست میں حصہ دار بننے کے باوجود حکومت الٰہیہ کے اس نصب العین کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے، جو ان کی جدوجہد کا حقیقی مرکز و محور تھا۔"[4]

مولانا عثمان غنی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا کا مقصد وحد اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے شریعت اسلامیہ کی حکومت کا قیام تھا،

۱- حکومت الٰہی ص ۱۳، ۱۴ عرض ناشر مولانا منت اللہ رحمانیؒ طبع دوم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔
۲- حیات سجاد ص ۱۶۴۔ مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے حضرت سجادؒ کی کتاب "حکومت الٰہی" پہلی بار شائع کی تو اس کے مقدمہ میں بھی حضرت کے اس مقصد وحید کو بڑی قوت کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔
۳- محاسن سجاد ص ۹۶۔ جیسا کہ حضرت مولانا محمد سجادؒ کی کتاب "حکومت الٰہی" سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔
۴- نقیب مولانا سجاد نمبر ص ۷۶۔

اور امارت شرعیہ اس کا ایک زینہ ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کی تنظیم اور ان میں وحدت ملی اور عادت سمع وطاعت پیدا کی جاسکے، غلاموں اور محکوموں کے لئے اعلائے کلمۃ اللہ دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔"[1]

قاضی سید احمد حسین صاحب رقمطراز ہیں:

"مولاناؒ کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے میں نے ایک دفعہ برسبیل تذکرہ مولاناؒ سے کہا کہ اس صوبہ میں امارت شرعیہ قائم کرکے آپ نے اپنا وقت زندوں کے بجائے مردوں میں ضائع کیا، کاش کہ آپ صوبہ سرحد جا کر ایک چھوٹی سی نمونہ کی اسلامی حکومت قائم کئے ہوتے تاکہ دنیا دیکھتی کہ اسلامی حکومت انسانیت کے لئے کیسی رحمت ہے؟ تو مولانا نے فرمایا کہ "صوبہ سرحد سے کچھ لوگ مجھے لینے کو آئے تھے اور میں بھی جانے کو تیار تھا لیکن امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحبؒ نے جانے نہ دیا۔"[2]

مولانا امین احسن اصلاحی (اعظم گڑھ) بھی مولاناؒ سے بہت قریب رہے ہیں، وہ رقمطراز ہیں:

"مولانا جس انقلاب کے داعی تھے اس کا پروگرام بالکل شرعی اور مذہبی تھا، ان کو پورا اعتماد تھا، کہ اگر مسلمانوں کی تنظیم جمعیۃ علماء کی قیادت میں قائم ہوجائے، تو مسلمان ہندوستان کے اندر ایک ایسا نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے، جو ہندوستانی قومیت میں شامل ہونے کے باوجود ان کی حفاظت کرسکے گا، وہ اس کو مسلمانوں کے لئے آئیڈیل نہیں سمجھتے تھے، مگر اس سے زیادہ کے لئے حالات سازگار نہیں پاتے تھے۔"[3]

موجودہ ہندوستان میں امارت ہی مسلمانوں کے مسائل کا حل ہے

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ غیر مسلم ہندوستان میں امارت شرعیہ کو بہت سے ملی اور اجتماعی مسائل کا حل تصور فرماتے تھے، اور تمام دینی تحریکات کی اصل قرار دیتے تھے، آپ نے مرادآباد کے مجمع کو جس میں علماء امت اور زعمائے ملت کی بڑی تعداد موجود تھی، مخاطب کرکے ارشاد فرمایا (واضح رہے کہ اس وقت تک بہار میں امارت شرعیہ قائم ہوچکی تھی لیکن مولانا کی کوشش تھی کہ ہندگیر سطح پر بھی امارت قائم ہوجائے)

۱- حیات سجاد ص ۱۴۸۔
۲- حیات سجاد ص ۷۶، ۷۷۔
۳- محاسن سجاد ص ۵۵۔

''سادات الکرام وزعمائے ملت! اگر آپ نے ہندوستان میں تنظیم اہل اسلام کی اہمیت کو محسوس فرمالیا ہے اور ضرورت بھی محض ضرورت عادیہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ دینی حیثیت سے تو آپ سے میں گذارش کروں گا کہ چونکہ تنظیم کی اصلی صورت وہی ہے جس کو جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۲۱ء میں منظور کرلیا ہے، اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آج علماء کرام وزعمائے ملت جبکہ ایک جگہ ہندوستان کے مسائل پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس چیز کو سامنے لانا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے، اگر آپ نے مرادآباد میں جمع ہو کر اور کچھ نہیں کیا بلکہ صرف اسی امر کے متعلق عمل کرنے کی کوئی شکل پیدا کرلی تو یقین فرمائیے کہ آپ نے سب کچھ کرلیا کیونکہ تمام چیزیں اس کی نسبت فرع ہیں اور وہ اصل ہے۔''[1]

امت کی تنظیم اطاعت سے وابستہ ہے

حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کو سفر وحضر میں حضرت مولانا سجادؒ کے ساتھ رہنے کے کافی مواقع ملے تھے، انہوں نے اپنے مضمون میں اس موضوع پر حضرت مولانا کے مجلسی اور عوامی خطابات کے کئی اہم اقتباسات نقل فرمائے ہیں، مثلاً:

''وہ (حضرت مولانا سجادؒ) ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کو بغیر امیر کے غیر شرعی زندگی سمجھتے تھے، کسی اسلامی ملک پر کفار کے تسلط کو وہ نہایت خطرے کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اس غیر شرعی زندگی پر وہ قرآن وحدیث سے استدلال کرتے تھے، اور بعض دفعہ اس زندگی کی خرابیاں ذکر کرتے کرتے رونے لگتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ ان کی ہچکی بندھ جاتی تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن جو سوال ہم لوگوں سے ہوگا اس کا جواب سمجھ میں نہیں آتا، ہم خدا کے سامنے کس طرح عہدہ برآ ہونگے، ان کا خیال یہ تھا کہ کفر کے اس بے پناہ غلبہ اور سطوت کو جس قدر کم کیا جا سکے کم کرنا چاہیئے، اس راستے میں جس قدر قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام ایک تنظیمی مذہب ہے، اس مذہب کی روح ڈسپلن اور نظم چاہتا ہے، اگر مسلمان منتشر رہیں، اور کسی ایک شخص کی اطاعت نہ کریں، اور اپنا کوئی امیر منتخب نہ کریں، تو یہ زندگی غیر شرعی زندگی ہوگی، ہر ایک پیغمبر جو دنیا میں آیا ہے اس نے اپنی ابتدائی تقریر میں دو باتیں لازمی طور پر کہی ہیں، فاتقوا اللہ واطیعون یعنی اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور یہی اطاعت وہ چیز ہے جس پر قوموں نے مخالفت کی ہے، عام طور سے قومیں

۱ـ خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۱۳۲۔

خدا کی قوت وطاقت تسلیم کرنے کو آمادہ ہو جاتی تھیں، لیکن پیغمبر کی اطاعت پر رضامند نہ ہوتی تھیں، پیغمبر کی اطاعت کو وہ اپنی عزت، برتری، اور اپنی سرداری کے منافی سمجھتی تھیں اس وجہ سے کہتے تھے:

ماهذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم

یعنی یہ پیغمبر بھی ہم تم جیسا آدمی ہے، یہ اپنی بڑائی منوانا چاہتا ہے اور ہم پر حکومت کرنا چاہتا ہے یہی وہ چیز ہے جو مکہ کے سرداروں کو کھٹکی اور یہی وہ امر ہے جس نے اہل کتاب کو نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے سے باز رکھا، اسی نقطہ پر قوموں سے مخالفت ہوئی، لیکن پیغمبر اس حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے، اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ خدائی مذہب کی یہ بنیادی چیز ہے، جب تک پیغمبر کی اطاعت پر تیار نہ ہو خدائی مذہب کی تکمیل نہیں ہوسکتی، اور تنظیمی زندگی بھی میسر نہیں آسکتی، اس نظریہ کے پیش نظر انہوں نے امارت شرعیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ اس مسئلے پر فقہاء حنفیہ کی تصریحات پیش کرتے تھے، اس پر انہوں نے ایک مفصل فتویٰ بھی مرتب کیا تھا اور جمعیۃ علماء نے جو تجویز امارت شرعیہ کے سلسلے میں پاس کی تھی، وہ بھی انہی کی سعی کا نتیجہ تھی، وہ چاہتے تھے کہ زکوۃ اور عشر کا صحیح انتظام ہوسکے اور مسلمانوں کے صدقات وخیرات شرعی طریقہ پر صحیح مصارف پر خرچ ہوسکیں۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی یہ خواہش ایک شرعی خواہش تھی۔ اور ۵۷ء کے اس انقلاب کے بعد جو ہندوستان میں ظہور پذیر ہوا اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی دولت ان کی عزت اور ان کی شرعی زندگی اور ان کا سیاسی اقتدار ملیامیٹ اور تباہ و برباد ہوگیا، اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ مسلمان مسجدوں کی امامت کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں ایک امیر بھی منتخب کرتے۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ علماء کی جماعت میں وہ پہلے عالم تھے، جنہوں نے وقت کی مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کام کو شروع کیا، اس کی حمایت میں آواز بلند کی، اور اگر تمام ہندوستان میں نہیں تو کم از کم ایک صوبہ میں اس کی تشکیل کی اور ہندوستان کے مسلمانوں کو بتایا کہ کفر کے تسلط اور غلبہ کے بعد مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا یہی طریقہ ہے۔"[1]

تحریک امارت میں مخالفتوں کا سامنا

لیکن افسوس کہ حضرت مولانا سجادؒ نے جس قوت واہمیت کے ساتھ اس نظریہ کو پیش فرمایا اور اس کے دلائل فراہم کئے، اتنی ہی زیادہ شدت کے ساتھ ان کی مخالفت کی گئی، ظاہر ہے

۱- حیات سجادؒ ص ۱۰۴ تا ۱۰۶ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

کہ مولانا سجادؒ شبہات واعتراضات کے جوابات دے سکتے تھے، مخالفتوں کا جواب دینا ان کے بس کی بات نہیں تھی، حضرت مولاناؒ نے علماء کرام سے اپنا غم بیان کیا ہے:

''علماء کرام داعیانِ ملت! مسلمانوں کی حیات اور اجتماعی زندگی بلکہ محض باعزت زندگی کے لئے اگر کوئی چیز ہندوستان میں ضروری اور لازم ہے تو وہ مسلمانوں کا شرعی اصولوں کے ساتھ باضابطہ منظم ہونا ہے، مگر افسوس کہ یہ چیز جتنی ضروری اقدم واہم ہے، اسی قدر اس کے ساتھ بے اعتنائی اور لاپروائی برتی گئی ہے اور آج تک باوجود ادراک واحساس کے وہی غفلت اور وہی جمود ہے۔''[۱]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اس دور کی مخالفتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے علماء اور غیر علماء تمام مسلمانوں میں یہ شرف صرف مولانا محمد سجاد صاحبؒ کو حاصل ہے کہ انہوں نے یہ احساس کرتے ہوئے کہ ''اس غیر اسلامی ملک میں مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسلامی ماحول اور اسلامی، اثرات پیدا کرنے کے لئے امارت شرعیہ کے قیام کے بغیر چارۂ کار نہیں، بہار کے صوبہ میں اس کی داغ بیل ڈال دی ـــ اگرچہ وہاں کے بعض صوفیاء، بعض علماء اور انگریزی داں طبقے نے اپنی ذاتی مصالح کی بنا پر اس کی کافی مخالفت کی۔۔اور صوبہ کے ان مسلمانوں نے جو پلیٹ فارم پر اسلامی تحریک، اسلامی حکومت کا نام رٹتے رہتے ہیں، اگرچہ پیہم اور مسلسل مخالفتوں سے اس کو بڑی حد تک نقصان پہنچایا، اور اس مقدس تحریک میں مناع للخیر بنے رہے''۔[۲]

مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اس قصۂ غم کو اور بھی تھوڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:

''مولانا محمد سجادؒ کی اس خالص مذہبی اور شرعی تحریک کی پوری قوت کے ساتھ اپنوں اور پرایوں نے مخالفت کی، ایک طرف حکومت متسلطہ نے اور دوسری طرف اس ملک کی بدقسمت اکثریت نے اس کو خطرے کی نگاہ سے دیکھا، سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ ملک کے اس تعلیم یافتہ طبقے نے جس کو آج کل سب سے زیادہ مسلمانوں کی نمائندگی کا شوق ہے، اور جو مسلمانوں کی تہذیب اور کلچر کی حفاظت کا مدعی ہے، اس نے بھی اس مذہبی تحریک کو اپنے اقتدار اور اپنی مزعومہ لیڈری کے خلاف سمجھا، جو حضرات غیر شرعی قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنے کے عادی ہو چکے تھے، اور صرف نام کے مسلمان بن کر اسلامی قومیت کے حقوق کا بٹوارا کرانا جن کا مقصد زندگی ہو چکا تھا، اور جو اسلامی احکام کی پابندی کو اپنی آزادیٔ ضمیر کے مخالف سمجھے ہوئے تھے،

۱-خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۱۲۴۔
۲-حیات سجاد ص ۱۴۸، ۱۴۹ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

انہوں نے اس تحریک کو دقیانوسی اور تیرہ سوسالہ پرانی تحریک کہنا شروع کیا، اور مولانا سجادؒ کی یہ کہہ کر مخالفت شروع کی کہ یہ ہم کو روشنی اور آزاد خیالی سے ہٹا کر پھر مُلّا اِزم پھیلانا چاہتے ہیں، اور ہم کو مولویوں کے اقتدار کے ماتحت کرنا چاہتے ہیں، ان سب مخالفتوں سے زیادہ حیرت انگیز ان علماء کی مخالت تھی، جن کا یہ فریضہ تھا اور قیام امارت جن کا شرعی اور قانونی فرض تھا ان تمام مخالف قوتوں اور طاقتوں کی موجودگی میں مولانا محمد سجادؒ نے خدا کے بھروسہ پر اس کام کو شروع کیا۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد میں جہاں بے شمار خداداد قابلیتیں موجود تھیں، ان تمام خوبیوں اور قابلیتوں میں ان کی پختہ کامی، عزم بالجزم، مستقل مزاجی، اور ہمت اور ارادے کی طاقت ضرب المثل ہے وہ بڑی سے بڑی مشکل کا ان تمام قوتوں کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے، وہ کام کرنے سے تھکتے نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان تمام طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی،...اگر علماء میں مداہنت اور منافست نہ ہوتی، اور صوفیاء میں ارباباً من دون اللہ بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک امیر کے ماتحت شرعی زندگی بسر کر رہا ہوتا اور اسلام کی حقیقی برکات سے متمتع ہوتا۔"[1]

مولانا سید حسن آرزو نے اس وقت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے کہ:

"مجھے مولانا سجاد کی معیت میں اس خدمت کو انجام دینے کا بھی شرف حاصل ہے، مجھے خوب یاد ہے، کہ مولانا مرحوم کو اس وقت کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر ہمت و عمل کی اس مشین نے ساری دشواریوں سے مقابلہ کرتے ہوئے آگے چلو! آگے بڑھو! کا نعرہ لگایا اور ہماری ہمتوں کو بلند اور کامیابی کو سامنے لا کھڑا کر دیا، اور مولانا کے سر کامیابی کا سہرا بندھ ہی گیا۔"[2]

حضرت ابوالمحاسنؒ کے ذہن میں امارت شرعیہ کا تصور

یہ تھے وہ مشکل حالات جن میں حضرت مولانا سجادؒ نے تحریک امارت شرعیہ کا اپنا سفر پورا کیا، مولاناؒ کو تو ایک عرصہ سے امارت شرعیہ کا خیال تھا، انہوں نے امارت شرعیہ کے قیام سے قبل ہی بعض خاص لوگوں سے بیعت جہاد بھی لی تھی، لیکن یہی وہ تلخ حالات تھے جن کی بنا پر یہ حرف آرزو زبان پر نہیں آسکتا تھا، جناب قاضی احمد حسین صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

"امارت شرعیہ کے قیام کا خیال تو مولانا مرحوم کو بہت پہلے سے تھا لیکن حالات کی ناسازگاری نہ حرف مطلب کو زبان تک لانے کی اجازت دیتی تھی، نہ ماحول عمل کا متحمل تھا، پھر بھی مجاہدانہ جذبہ

۱۔ حیات سجاد ص ۱۰۴ تا ۱۰۷۔

۲۔ حیات سجاد ص ۹۴۔

مولاناؒ کو بے قرار رکھتا تھا، چنانچہ جہاد کی بیعت بعض خاص لوگوں سے مولاناؒ نے قیام امارت سے پہلے لی تھی۔"[۱]

قیام امارت سے قبل بیعت جہاد

یہ خاص لوگ جن کو قیام امارت شرعیہ سے قبل حضرت کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی سعادت حاصل ہوئی ان میں سرفہرست حضرت شاہ ابوطاہر فردوسیؒ اوران کے رفقاء واحباب تھے، اس بیعت جہاد کی تفصیل خود شاہ ابوطاہر صاحبؒ ہی کی زبانی ملاحظہ کریں:

''ایک واقعہ جو غالباً میرے ساتھ مختص ہے یعنی میرے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اور غالباً قاضی احمد حسین صاحب بھی اس سے واقف نہیں ہیں، حالانکہ صرف ان ہی کی ایک ذات ہے جو مولانا کی ہر تحریک میں ان کی قوت بازو رہی۔ گیا میں جب مولانا کا قیام رہا سلسلہ ہرعرس میں تشریف لایا کئے، ایک موقع پر جب کہ آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں ارکان اسلام کے ساتھ جہاد پر بھی بیعت ہوتی ہے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیعت کے ساتھ اہتمام جہاد بھی کرنا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا تو آپ ہی امیر بنیں، میں امیر تسلیم کرتا ہوں، اس گفتگو کے چند دن بعد میں چند احباب کے ساتھ گیا مدرسہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے تو امیر تسلیم ہی کرلیا ہے، ہمارے یہ مخلص احباب بیعت جہاد کے لئے حاضر ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے بیعت جہاد لیا، ان میں سے جن لفظوں میں آپ نے بیعت لی ان کے ماثورہ الفاظ یہ ہیں:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر و الیسر والمنشط والمکرہ و ان لا انازع الامر اہلہ وان نقول بالحق حیث کنا ولا نخاف لومۃ لائم۔

اس وقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد امارت کی تحریک شروع ہوئی اور اللہ نے آپ کو نائب امیر شریعت بنایا۔[۲]

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دوم میں امارت فی الہند کی تجویز

آپ کی تحریک امارت کا محور پورا ہندوستان تھا اور آپ اس نظام شرعی کو پورے ملک میں نافذ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے اجلاس (منعقدہ ۷ تا ۹ ربیع

۱- حیات سجاد ص ۱۷ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔
۲- حیات سجاد ص ۲۷ مضمون شاہ ابوطاہر فردوسیؒ۔

الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی، زیر صدارت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ جس میں تقریباً پانچ سو ۵۰۰ علماء شریک تھے) میں آپ نے امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز پیش فرمائی جس کی تائید حضرت شیخ الہندؒ نے بھی کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وجہ سے حضرت مولانا سجادؒ بہت پر امید تھے، کہ اس اجلاس میں امیر الہند کا مسئلہ حل ہوجائے گا، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ نے باقاعدہ اس کے لئے دیوبند کا سفر کیا اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس موضوع پر تبادلۂ خیال فرمایا، اور حضرت شیخ الہندؒ اس کے لئے راضی ہوگئے تھے۔[1]

اور واقعتہً یہ مسئلہ حل ہوسکتا تھا اگر حضرت شیخ الہندؒ کی حیات مبارکہ میں یہ تحریک پیش کردی جاتی، حضرت شیخ الہندؒ کی بھی رائے یہی تھی کہ:

> ''اس نمائندہ اجتماع میں جب کہ تمام اسلامی ہند کے ذمہ داراورارباب حل وعقد جمع ہیں، امیر الہند کاانتخاب کرلیا جائے، اور میری چارپائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جایا جائے، پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔''[2]

امیر الہندؒ کے انتخاب میں دشواریاں

مگر دشواری یہ تھی کہ ایک تو حضرت شیخ الہندؒ بے حد علیل تھے، نقل وحرکت سے بھی معذور تھے، اجلاس میں خود شریک بھی نہ ہوسکے، بلکہ دوران اجلاس ڈاکٹر شوکت انصاری صاحب کی کوٹھی پر تشریف فرما رہے۔ دوسری طرف بعض قرائن وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ منصب امارت کے لئے اندر اندر کئی شخصیتوں کے نام گردش کررہے تھے:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

ظاہر ہے کہ ان میں سب سے اہم ترین شخصیت حضرت شیخ الہندؒ کی تھی، بلکہ آپ کی شخصیت اس معاملہ میں نقطۂ اتفاق بن سکتی تھی، اگر آپ کی امارت کا اعلان ہوجاتا تو شاید کسی کو اختلاف نہ ہوتا، خطبات آزاد سے معلوم ہوتا ہے کہ 'امام الہند' کے منصب کے لئے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بھی حضرت شیخ الہندؒ کو راضی کرلیا تھا، گوکہ یہ ان کے اس پروگرام کا حصہ تھا جب مولانا آزادؒ

۱- حیات سجادؒ ص ۱۳۴، ۱۳۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔
۲- تاریخ امارت ص ۵۳ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

حکومت الٰہیہ'' کے قیام کی جدوجہد کر رہے تھے اوراس کے لئے انہوں نے حزب اللہ کی تشکیل کی تھی، یہ ۱۹۱۴ء کی بات ہے، جب کہ ملک میں نہ جمعیۃ علماء ہند کی تحریک شروع ہوئی تھی اور نہ امارت شرعیہ کی، اس موقعہ پر مولانا آزادؒ نے بہت کوشش کی کہ حضرت شیخ الہندؒ ہجرت میں جلدی نہ کریں اور بحیثیت ''امام الہند'' ہندوستان میں رہ کر حکومت اسلامیہ کے احیاء کی سربراہی فرمائیں: مولانا آزادؒ فرماتے ہیں:

''۱۹۱۴ء کے لیل ونہار قریب الاختتام تھے، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ حقیقت اس عاجز پر منکشف کی اور مجھے یقین ہوگیا کہ جب تک یہ عقدہ حل نہ ہوگا ہماری کوئی سعی وجستجو بھی کامیاب نہ ہوگی، چنانچہ اسی وقت سے میں سرگرم سعی وتدبیر ہوگیا، حضرت مولانا محمود الحسنؒ سے میری ملاقات بھی دراصل اسی طلب وسعی کا نتیجہ تھی، انہوں نے پہلی ہی صحبت میں کامل اتفاق ظاہر فرمایا تھا اور یہ معاملہ بالکل صاف ہوگیا تھا کہ وہ اس منصب کو قبول کرلیں گے اور ہندوستان میں نظم جماعت کے قیام کا اعلان کر دیا جائے گا مگر افسوس ہے کہ بعض زوددرائے اشخاص کے مشورہ سے مولاناؒ نے اچانک سفر حجاز کا ارادہ کرلیا، اور میری کوئی منت وسماجت بھی انہیں سفر سے باز نہ رکھ سکی، اس کے بعد میں نظر بند کر دیا گیا۔''[۱]

اس لئے قوی امید تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ کا اسم گرامی سامنے آنے پر کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

ایک بڑا نام مولانا ابوالکلام آزادؒ کا بھی تھا، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے بعد ملک میں سب سے طاقتور نام مولانا آزاد ہی کا تھا، ان کو اس مسئلہ پر شرح صدر بھی تھا اور ان پر اتفاق رائے کا بھی امکان تھا حضرت مولانا سجادؒ کے محرم راز قاضی احمد حسین صاحبؒ کی روایت یہ ہے کہ:

''مولانا مرحوم (مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ) نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کو اس امر پر راضی کرلیا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزادؔ امیر الہند ہوں، میں اس وقت جیل میں تھا مگر جہاں تک یاد آتا ہے جمعیۃ علماء ہند کے دوسرے اجلاس میں مولانا سجاد صاحبؒ نے اس تجویز کو پیش کیا، مگر شیخ الہندؒ کی علالت کی وجہ سے جب کہ وہ خطرناک حالت سے گذر رہے تھے، دوسرے اجلاس کے لئے اس کو ملتوی کر دیا گیا۔''[۲]

۱- خطبات آزاد ص ۱۲۷۔

۲- حیات سجاد ص ۶۷،۶۵۔

اس کی تائید مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ کی کتاب "ذکر آزاد" سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے خود حضرت شیخ الہندؒ سے اس موضوع پر اپنی گفتگو کی روداد نقل کی ہے۔

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مولانا آزادؒ کے مقرب ترین لوگوں میں تھے، مولاناؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور صوبہ یوپی میں مولانا کی طرف سے بیعت امامت کے مجاز اور خلیفہ تھے [۱]، وہ لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مرحوم ومغفور مالٹے کی نظر بندی سے چھٹ کر پہلی دفعہ لکھنؤ تشریف لائے اور فرنگی محل میں ٹھہرے خبر ملی کہ فرنگی محل والے اس کوشش میں ہیں کہ مولانا عبدالباری صاحب کی امامت پر انہیں راضی کرلیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ خود شیخ الہند کے بعض رفیق شیخؒ کے لئے یہ منصب چاہتے ہیں، مجھے تشویش ہوئی، شیخ الہندؒ کے لئے میں انجان نہ تھا منیٰ میں اور مکہ میں ملاقاتیں ہو چکی تھیں، اور بڑی شفقت سے پیش آئے تھے، لیکن اب جو مسئلہ درپیش تھا نازک بھی تھا اور اہم بھی، خود شیخ کی ذات سے بھی تعلق رکھتا تھا، اور بڑے سلیقہ کا طالب تھا، میں نے شیخ الہندؒ سے تنہائی میں ملاقات کی، رسمی باتوں کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی امامت کا تذکرہ چھیڑا، شیخؒ نے فرمایا امامت کی ضرورت مسلم ہے، عرض کیا، حضرت سے زیادہ کون اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس منصب کے لئے وہی شخص موزوں ہوسکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ ہوشمند، مدبر اور ڈپلومیٹ ہو، مسلمانوں کا امام ایسا شخص ہونا چاہئے، جس کی استقامت کو نہ کوئی تشویش متزلزل کرسکے، نہ کوئی ترہیب، مثال کے طور پر میں نے پاپائے روم کا تذکرہ کیا جو ڈپلومیسی میں فرد اور سیاسیات کا شاطر ہوتا ہے۔

شیخ الہندؒ نے اتفاق ظاہر کیا تو عرض کیا آپ کی رائے میں اس وقت امامت کا اہل کون ہے؟ یہ بھی اشارۃً کہہ دیا کہ بعض لوگ اس منصب کے لئے خود آپ کا نام لے رہے ہیں، اور آپ بحمداللہ اہل بھی ہیں، شیخ بڑی معصومیت سے مسکرائے اور فرمایا کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی تصور نہیں کرسکتا کہ مسلمانوں کا امام بنوں، عرض کیا، کچھ لوگ مولانا عبدالباری صاحبؒ کا نام لے رہے ہیں، موصوف کا تقویٰ واستقامت مسلم ہے، مگر مزاج کی کیفیت سے آپ بھی

۱- مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مشہور صاحب قلم تھے، ان کے والدگرامی محترم عبدالحمید خان صاحب حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی سے بیعت تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے، ندوہ سے فراغت کے بعد مصر گئے، جہاں انہیں علامہ رشید رضا مصری سے شرف تلمذ حاصل ہوا، پھر وہاں سے ترکی اور حجاز گئے، ۱۹۱۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی، مولانا نے شروع ہی سے ایک سیمابی طبیعت پائی تھی، اپنے وطن کی آزادی کی جدوجہد میں شامل جاں فروشوں اور سوختہ جانوں کے لشکر میں پیش پیش رہے، ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۸ء تک مولانا آزاد کے شامل ایک جان وقالب بنے رہے، ۱۹۲۸ء کے بعد جب وہ مولانا آزاد سے الگ ہوئے تو وہ ہندوستان کے علم وادب اور صحافت کے افق پر ایک قطبی ستارے کے طور پر نمودار ہوئے اور دیر تک چھائے رہے، کینسر کے مرض میں ۱۹۵۴ء میں وفات پائی، (ذکر آزاد ص ۸)

واقف ہیں [۱] شیخؒ نے سادگی سے جواب دیا کہ مولانا عبدالباری کے بہترین آدمی ہونے میں
شبہ نہیں مگر منصب کی ذمہ داریاں کچھ اور ہی ہیں۔ عرض کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے
میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ نے متانت سے فرمایا: میرا انتخاب بھی یہی ہے، اس وقت
مولانا آزاد کے سوا کوئی شخص امام الہند نہیں ہوسکتا ان میں وہ سب اوصاف جمع ہیں جو اس
زمانے میں ہندوستان کے امام میں ہونا ضروری ہیں۔ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو چکا تھا،
شیخؒ سے عرض کیا، اس گفتگو کو پبلک میں لاسکتا ہوں؟ انہوں نے اجازت دے دی۔'' [۲]

مالٹا کی قید سے واپسی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ چونکہ بے حد کمزور اور بیمار ہو گئے تھے اس لئے حضرت کا اپنے بجائے کسی سنجیدہ، متین اور صاحب استقامت عالم دین کو بحیثیت امیر الہند پسند کرنا مستبعد نہیں۔

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ

امامت کی اس دوڑ میں تیسرا بڑا نام حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کا تھا، اور ایک بڑا حلقہ بحیثیت امیر الہند ان کو پسند کرتا تھا، لیکن اختلافات کو دیکھتے ہوئے وہ خود اس سے دستبردار ہو گئے تھے، اور لوگوں کے اطمینان کے لئے ایک تحریر بھی لکھ دی تھی، تاکہ ان کا نام لے کر کوئی فتنہ کھڑا نہ کیا جاسکے، یہ قصہ بھی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''مولانا (عبدالباری صاحب) سے میرے گہرے تعلقات تھے، اور اندیشہ تھا، کہ میری اس مہم
کا حال معلوم ہوگا تو مجھے نہ جانے کتنا برا سمجھیں گے، مگر جب بات چیت ہوئی، تو خندہ پیشانی سے

۱- دراصل حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے مزاج میں حدت و جلال کا غلبہ تھا، اور اس کی وجہ (آپ کے سوانح نگار مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ کے بیان کے مطابق) غالباً کسی نے دھوکہ سے آپ کو زہر دے دیا تھا، علاج سے شفا تو ہوگئی لیکن مزاج میں حدت و حرارت پیدا ہوگئی، ذرا سی گرمی بھی قابل برداشت نہ تھی، گرم چیزیں مرچ، تیل مسالہ وغیرہ آپ بہت کم استعمال کرتے تھے، چائے صرف سردی کے موسم میں استعمال فرماتے تھے، سخت جاڑے میں بھی بے تکلف سرد ترین اشیاء کا استعمال کرتے تھے (حسرۃ الآفاق ص ۷ ۳) اس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت میں حلم اور جلال کے باب میں اعتدال برقرار نہ رہا، مولانا عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''مولاناؒ میں یہ دونوں صفات (حلم اور غضب) علیٰ وجہ الکمال پائے جاتے تھے، غصہ بھی بوجہ دموی مزاج ہونے کے بہت زائد اور بعض اوقات حد اعتدال سے زائد ہو جاتا تھا، اسی کے مقابل حلم بھی کبھی حد اعتدال سے گذر جاتا تھا، مولاناؒ جب چار پانچ بار حلم فرمالیتے تو ایک مرتبہ غصہ فرماتے، اپنے کپڑوں کو بار ہا خود چوری ہوتے بلکہ سارق کو پہنے ہوئے ملاحظہ فرماتے مگر کچھ تنبیہ نہ فرماتے۔'' (حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق ص ۴۴، ۴۵)

ورنہ آپ کی عظمت و تقدس اور علم و تقویٰ میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا تھا، بلکہ جس طرح مشکل مواقع پر مختلف مسلک و مشرب کے لوگوں کے لئے آپ کی ذات گرامی نقطۂ اتفاق ثابت ہوئی اس کے پیش نظر حضرت شیخ الہندؒ کے بعد امارت ہند کے لئے بھی آپ کی شخصیت مرکز اتفاق بن سکتی تھی۔

۲- ذکر آزاد ص ۲۴، ۲۵ مصنفہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر: مکتبہ جمال لاہور، ۲۰۱۰ء۔

کہنے لگے، مولانا آزادؒ کے سوا کسی اور کا نام امامت کے لئے لینا قوم سے غداری ہے، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے شیخ الہندؒ سے معاملہ صاف کرلیا اور میں پہلا آدمی ہوں جو مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔

پھر انہوں نے ایک تحریر بھی مرحمت فرمائی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً مکرمی دام مجدہ السلام علیکم

مسئلۂ امامت یا شیخ الاسلامی کے متعلق مجھے جمہور کی موافقت کے سوائے کوئی چارۂ کار نہیں ہے، جو اندیشہ ہے وہ بارہا اہل الرائے سے ظاہر کرچکا ہوں، باوجود اس کے پھر بھی مسلمانوں کی تجویز کو بسروچشم قبول کرنے کے لئے تیار ہوں، خود مجھ سے بارہا اس منصب کے قبول کرنے کی بعض اہل الرائے نے خواہش کی مگر میں نے اپنی عدم اہلیت کے باعث اس امانت کا بار اٹھانا منظور نہیں کیا، نہ آئندہ قبول کرنے کا ارادہ ہے، مولانا محمود حسن صاحب سے دریافت کیا تو وہ بھی اس بار کے متحمل نظر نہیں آتے، مولانا ابوالکلام صاحب اسبق و آمادہ ہیں، ان کی امامت سے بھی مجھے استنکاف نہیں ہے، بسروچشم قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوں، بشرطیکہ تفریق جماعت کا اندیشہ نہ ہو، مولانا تو اہل ہیں اگر کسی نااہل کو تمام یا اکثر اہل اسلام قبول کرلیں گے تو مجھے وہ لوگ سب سے زیادہ اطاعت گذار و فرمانبردار پائیں گے، اصل یہ ہے کہ یہ تحریک دیانتاً میں اپنی سمت سے جاری کرنا نہیں چاہتا، نہ کسی کو منتخب کرکے اس کے اعمال کا اپنے اوپر بار لینا چاہتا ہوں، مسلمانوں کی جماعت کا تابع ہوں اس سے زائد مجھے اس تحریک سے تعرض نہیں ہے۔ والسلام

بندہ فقیر محمد عبد الباری

(یہ تحریر ۲۰؍ستمبر ۱۹۲۰ء (۶؍محرم الحرام ۱۳۳۹ھ) سے قبل کی ہے، اس لئے کہ مولانا آزاد کے مکتوب (مرقومہ ۲۰؍ستمبر ۱۹۲۰ء) میں اس خط کا ذکر ہے)[1]

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دوم (۱۹ تا ۲۱؍نومبر ۱۹۲۰ء بمقام نور گنج، زیر صدارت حضرت شیخ الہندؒ) سے قبل ہی بعض حلقوں میں امیر الہند کے انتخاب کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی، اور بہت سے لوگ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہوکر بھی آئے تھے، اور اس منصب کے لئے متوقع قد آور شخصیات کے درمیان باہم ذہنی اتحاد بھی موجود تھا، اس لئے حضرت مولانا سجادؒ بجا طور پر پر امید تھے کہ اجلاس دوم میں انتخاب امیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا،

۱- ذکر آزاد ص ۲۵ تا ۲۷۔

اور حضرت شیخ الہندؒ بھی اس قصہ کو اپنی زندگی ہی میں تمام کرنا چاہتے تھے، لیکن جیسا کہ گذرا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی علالت کے عذر کی بنا پر انتخاب امیر کی تجویز ہی اجلاس عام میں پیش نہ کی جاسکی، اور تقریباً ایک ہفتہ کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کا اختلاف

البتہ بعض شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سوم لاہور سے قبل جمعیۃ علماء ہند کا ایک ہنگامی اجلاس جامع مسجد دہلی میں منعقد ہوا تھا، اور اس کا مقصد گو کہ اصلاً انتخاب امیر نہیں تھا لیکن یہ تجویز اس موقعہ پر اچانک مجمع عام میں زیر بحث آ گئی، اور اس کی حمایت و مخالفت میں تقریریں ہونے لگیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ تحریک اجلاس عام میں پیش کی گئی، تو نفس امارت شرعیہ کی تجویز میں تو کوئی دشواری پیش نہیں آئی، لیکن امیر الہند کے انتخاب کے مسئلہ پر اختلاف ہوگیا، بعض حضرات نے کہا کہ اچانک بیعت امارت امت کے لئے مفید نہیں ہوگی، پروفیسر مولانا منتخب الحق قادریؒ (سابق ڈین آف فیکلٹی آف تھیالوجی کراچی یونیورسٹی) نے اپنے استاذ مولانا معین الدین اجمیریؒ (جو اس اجلاس میں شریک تھے) کے حوالے سے نقل کیا ہے:

> ''مولانا (معین الدین اجمیریؒ) نے بغیر تاریخ اور سن کے ذکر کے تذکرہ فرمایا کہ کسی کو امام الہند ماننے کی تجویز زیر غور تھی، اس کے لیے پہلے سے خط و کتابت بھی چل رہی تھی بعد ازاں جامع مسجد دہلی میں ایک جلسہ ہوا جس میں تمام علماء ہند جمع ہوئے، اور اس موضوع پر نہایت زوردار تقریریں ہوئیں اور سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا، آخر میں مولانا آزادؒ کی تقریر گویا حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی، جس سے تمام حاضرین مسحور سے ہوگئے اور یہ آوازیں بلند ہوئیں کہ ہاتھ بڑھایئے کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اس پر میں نے صدر جلسہ سے صرف پانچ منٹ کچھ کہنے کے لئے مانگے جو بہت مشکل سے اس شرط کے ساتھ ملے کہ چھٹا منٹ کسی صورت نہ ہونے پائے۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ علماء کے اس مؤقر اجتماع میں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اور صرف اشارہ کافی ہے میں جملہ علماء کی توجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کی طرف منبذ ول کرانا چاہتا ہوں جو آپ نے حج سے واپسی پر اس قسم کا چرچا سن کر کی تھی کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کا انتقال ہوگیا تو ہم فوراً اور دفعۃً فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کریں اور پھر فرمایا کہ فلتۃ بیعۃً امت کے حق میں کبھی مفید نہیں ہوگی، اگر لوگ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے استدلال کریں گے تو بہت

بڑی غلطی کا ارتکاب کریں گے اس لئے کہ حضرت ابو بکرؓ واحد شخصیت ہیں جن کے لئے اس قسم کی بیعت خالی از مضرت تھی۔ ان ؓ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسا موجود نہیں ہے۔[1]

میرے اس توجہ دلانے پر جلسے کا رنگ ایک دم تبدیل ہوگیا میری تائید میں مولانا انور شاہ صاحب نے ایک نہایت غامض اور دقیق تقریر فرمائی اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی میری تائید کی اگرچہ اس سے پہلے وہ اصل تجویز کی تائید میں تقریر کر چکے تھے۔‘‘[2]

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی صاحبؒ کے نام حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کا ایک نایاب خط نقل کیا ہے، اس میں غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور اگلے لائحۂ عمل کے بارے میں مناسب مشورہ طلب کیا گیا ہے:

۱- یہ روایت بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أُقْرِئُ رِجَالاً مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِنْهُمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، فَبَيْنَمَا أَنَا فِى مَنْزِلِهِ بِمِنًى، وَهْوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِى آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا، إِذْ رَجَعَ إِلَىَّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقَالَ لَوْ رَأَيْتَ رَجُلاً أَتَى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْيَوْمَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلْ لَكَ فِى فُلاَنٍ يَقُولُ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ لَقَدْ بَايَعْتُ فُلاَنًا، فَوَاللَّهِ مَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِى بَكْرٍ إِلاَّ فَلْتَةً، فَتَمَّتْ. فَغَضِبَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ إِنِّى إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَقَائِمٌ الْعَشِيَّةَ فِى النَّاسِ، فَمُحَذِّرُهُمْ هَؤُلاَءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَغْصِبُوهُمْ أُمُورَهُمْ. قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لاَ تَفْعَلْ فَإِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ وَغَوْغَاءَهُمْ، فَإِنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يَغْلِبُونَ عَلَى قُرْبِكَ حِينَ تَقُومُ فِى النَّاسِ، وَأَنَا أَخْشَى أَنْ تَقُومَ فَتَقُولَ مَقَالَةً يُطَيِّرُهَا عَنْكَ كُلُّ مُطَيِّرٍ، وَأَنْ لاَ يَعُوهَا، وَأَنْ لاَ يَضَعُوهَا عَلَى مَوَاضِعِهَا، فَأَمْهِلْ حَتَّى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ فَإِنَّهَا دَارُ الْهِجْرَةِ وَالسُّنَّةِ، فَتَخْلُصَ بِأَهْلِ الْفِقْهِ وَأَشْرَافِ النَّاسِ، فَتَقُولَ مَا قُلْتَ مُتَمَكِّنًا، فَيَعِى أَهْلُ الْعِلْمِ مَقَالَتَكَ، وَيَضَعُونَهَا عَلَى مَوَاضِعِهَا. فَقَالَ عُمَرُ أَمَا وَاللَّهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لأَقُومَنَّ بِذَلِكَ أَوَّلَ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فِى عُقْبِ ذِى الْحَجَّةِ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ عَجَّلْنَا الرَّوَاحَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ، حَتَّى أَجِدَ سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ جَالِسًا إِلَى رُكْنِ الْمِنْبَرِ، فَجَلَسْتُ حَوْلَهُ تَمَسُّ رُكْبَتِى رُكْبَتَهُ، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُ مُقْبِلاً قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، لَيَقُولَنَّ الْعَشِيَّةَ مَقَالَةً لَمْ يَقُلْهَا مُنْذُ اسْتُخْلِفَ، فَأَنْكَرَ عَلَىَّ وَقَالَ مَا عَسَيْتَ أَنْ يَقُولَ مَا لَمْ يَقُلْ قَبْلَهُ فَجَلَسَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَمَّا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّى قَائِلٌ لَكُمْ مَقَالَةً قَدْ قُدِّرَ لِى أَنْ أَقُولَهَا، لاَ أَدْرِى لَعَلَّهَا بَيْنَ يَدَىْ أَجَلِى، فَمَنْ عَقَلَهَا وَوَعَاهَا فَلْيُحَدِّثْ بِهَا حَيْثُ انْتَهَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ، وَمَنْ خَشِىَ أَنْ لاَ يَعْقِلَهَا فَلاَ أُحِلُّ لأَحَدٍ أَنْ يَكْذِبَ عَلَىَّ ثُمَّ إِنَّهُ بَلَغَنِى أَنَّ قَائِلاً مِنْكُمْ يَقُولُ وَاللَّهِ لَوْ مَاتَ عُمَرُ بَايَعْتُ فُلاَنًا. فَلاَ يَغْتَرَّنَّ امْرُؤٌ أَنْ يَقُولَ إِنَّمَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِى بَكْرٍ فَلْتَةً وَتَمَّتْ أَلاَ وَإِنَّهَا قَدْ كَانَتْ كَذَلِكَ وَلَكِنَّ اللَّهَ وَقَى شَرَّهَا، وَلَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ تُقْطَعُ الأَعْنَاقُ إِلَيْهِ مِثْلُ أَبِى بَكْرٍ، مَنْ بَايَعَ رَجُلاً عَنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلاَ يُبَايَعُ هُوَ وَلاَ الَّذِى بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلاَ ـــ قَالَ عُمَرُ وَإِنَّا وَاللَّهِ مَا وَجَدْنَا فِيمَا حَضَرْنَا مِنْ أَمْرٍ أَقْوَى مِنْ مُبَايَعَةِ أَبِى بَكْرٍ خَشِينَا إِنْ فَارَقْنَا الْقَوْمَ وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةٌ أَنْ يُبَايِعُوا رَجُلاً مِنْهُمْ بَعْدَنَا، فَإِمَّا بَايَعْنَاهُمْ عَلَى مَا لاَ نَرْضَى، وَإِمَّا نُخَالِفُهُمْ فَيَكُونُ فَسَادٌ، فَمَنْ بَايَعَ رَجُلاً عَلَى غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلاَ يُتَابَعُ هُوَ وَلاَ الَّذِى بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلاَ (الجامع الصحيح ج 6ص 2503حديث نمبر: 6442المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا

۲- جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ص ۵۴، ۵۵ مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد، ناشر: مکتبہ خدام القرآن لاہور، طبع پنجم، ۲۰۱۳ء۔

از دارالخیر اجمیر ۲رستمبر ۱۹۲۱ء

مرجع انام حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والانامہ نے عزت بخشی، سابق والانامہ چونکہ جواب طلب نہ تھا اس وجہ سے تاریخ مقررۂ آں مخدوم کو ذہن میں رکھ کر عریضہ حاضر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ ۵ رمحرم الحرام کے بعد حاضر خدمت ہو کر آں مخدوم کی ہمرکابی میں پنجاب روانہ ہو جاؤ نگا۔ یہی ارادہ اب بھی ہے، اطلاعاً عرض کیا گیا۔ لیکن دہلی کے جلسہ جمعیۃ علماء ہند کی شرکت نے اس سفر میں ایک جدید مانع پیش کر دیا کیونکہ اس کی تجویز کے مطابق ۱۷، ۱۸ رستمبر کو جلسہ منتظمہ قرار پایا ہے۔

اس میں ضبطیٔ فتوی و مسئلہ امامت پیش ہوگا جس کی طرف جناب مولوی ابوالکلام صاحب کو بیحد رجحان ہے۔ چونکہ ان کو اس مسئلہ سے زیادہ دلچسپی ہے اس وجہ سے خالی الذہن علماء ان کی تقریر سے متاثر ہوئے۔

اگر من جانب فقیر اس کے التواء کے متعلق مختصر و جامع تقریر نہ ہوتی تو کچھ عجب نہ تھا کہ حاضرین علماء اسی وقت اس مسئلہ کو طے کر دیتے۔ اس وجہ سے علماء دہلی کا یہ خیال ہے کہ فقیر خصوصیت کے ساتھ اس جلسہ میں شریک ہو ادھر جناب مولوی شوکت علی صاحب نزاع رنگون کے متعلق زور دے رہے ہیں کہ فقیر جلد وہاں پہنچ کر ان نزاعات کا تصفیہ کرائے جن کی وجہ سے وہاں کی کمیٹی خلافت کا وجود خطرہ میں ہے۔

اب میں حیران ہوں کہ کہاں جاؤں اور سفر کون سا پہلے اختیار کروں۔ اس کے متعلق امروز و فردا میں آں مخدوم کی خدمت میں عریضہ حاضر کرنے والا تھا کہ دفعۃً والانامہ نے شرف بخشا، مناسب معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں عرض حال کر دیا جائے جو آں مخدوم کی رائے ہوگی اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے بالکل تیار ہوں فقط۔

فقیر معین الدین کان اللہ لہ[1]

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً تیسرے اجلاس لاہور سے قبل اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ۱۷، ۱۸ رستمبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ کا خصوصی اجلاس بھی منعقد کیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں کیا ہوا اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سوم میں امیر الہند کا مسئلہ

بہر حال حضرت شیخ الہندؒ کے انتقال کے بعد یہ مسئلہ مزید پیچیدہ ہو گیا تھا، اور اختلافات کی خلیج تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی تھی، اگلے سال حضرت مولانا سجادؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سوم (۱۸ رنومبر ۱۹۲۱ء (مطابق ۱۷ رربیع الاول ۱۳۴۰ھ بہ مقام بریڈلا ہال لاہور، زیر صدارت حضرت

۱- جماعت شیخ الہند تنظیم اسلامی ص ۵۵، ۵۶۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ) میں دوبارہ یہ تحریک پیش فرمائی اور اس مسئلہ کو جلد از جلد حل کرنے پر زور دیا، ان کا خیال تھا کہ جتنی دیر ہوگی بڑی شخصیات اٹھتی جائیں گی اور یہ مسئلہ مزید مشکل ہوتا چلا جائے گا، لیکن وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، اس اجلاس میں بھی امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز سے تو اتفاق کیا گیا لیکن امیر الہند کے انتخاب کے مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا۔

بقول مشہور صحافی ملک نصر اللہ عزیز (جو مولانا آزادؒ کے قریب ترین لوگوں میں سمجھے جاتے تھے):

''۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماء ہند کا جو اجلاس بریڈلا ہال لاہور میں ہوا تھا اس موقع پر یہ خبر گرم تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو امام الہند مان کر بیعت کی جائے گی لیکن بعد میں کچھ نہ ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ اندرون خانہ دیوبندی علماء میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی اور غیر دیوبندی علماء میں سے مولانا معین الدین اجمیری نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی تھی۔''[1]

بالآخر اختلاف کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ انتخاب امیر کے لئے ایک خاص اجلاس طلب کیا جائے ،مگر یہ خصوصی اجلاس بھی چند در چند رکاوٹوں کا شکار ہو گیا، اور بہت کم لوگ اس میں شریک ہو سکے، جس کی بنا پر اس مسئلہ کو پھر کسی مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیا گیا، اس کی پوری روداد خود حضرت مولانا سجادؒ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''انہوں نے اجلاس جمعیۃ ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ فی الہند کی تجویز منظور کی، جو زیر صدارت حضرت علامہ ابوالکلام صاحب آزاد منعقد ہوا تھا، اور اسی اجلاس میں امیر شریعت کے اصول کو منضبط کرنے اور بعض امور کی تشریحات کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، اور اسی اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ ایک ماہ بعد فوراً ایک دوسرا خصوصی اجلاس اس مسودہ کی منظوری اور انتخاب امیر الہند کے لئے منعقد کیا جائے، مگر جس ہفتہ اجلاس خصوصی تھا، وہی وقت حکومت کے جبر و استبداد کے کامل مظاہرہ اور قوم کے دلیرانہ مقابلہ کا تھا، اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اور دوسرے علماء وغیرہ بھی گرفتار ہوئے اور شاید دشمنان اسلام کی طرف سے جا بجا مختلف عنوانوں سے یہ مشہور کیا گیا کہ اجلاس ملتوی ہو گیا بات بھی لگتی ہوئی تھی، کیونکہ خاص خاص مراکز میں گرفتاریاں عام تھیں، جن ارکین کے کانوں تک التوا کی غلط آواز پہنچی، انہوں نے قرائن پر قیاس کر کے صحیح سمجھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے ارکان نہ پہنچ سکے، جن کی موجودگی میں اجلاس منعقد ہو سکتا ہے، مگر پھر بھی بعض حضرات علمائے اکابر و بعض ارکان زعمائے ہند پہنچ گئے تھے، مثلاً مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب، مولوی احمد صاحب سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ وغیرہ، آخر ان حضرات کا باہمی مشورہ ہوا اور اس مجلس نے جو ترتیب مشورہ کے لئے مرتب ہوئی تھی مسودہ مرتب ہوا لیکن افسوس کہ حالات نے مساعدت نہ کی اور عملی شکل اس نے اختیار نہیں کی۔''[2]

۱- جماعت شیخ الہند ص ۵۵

۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۱۲۶، ۱۲۷۔

باسمہٖ

مسودہ

فرائض و اختیارات

امیر الشریعۃ فی الھند

جس کو

حسب تجویز اجلاس عام جمعیۃ علماء ہند لاہور مجلس ماتحت نے

مرتب کیا

معہ

مفصل نظام نامہ امیر شریعت

از جناب مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب ناظم [illegible]

مولوی عبدالحلیم صدیقی نائب ناظم جمعیۃ علماء ہند

[illegible] پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسودہ

نظام نامہ

امیر الشریعۃ فی الہند

از جناب مولوی محمد سجاد صاحب

تشریح امیر الہند

(۱)

تمام مسلمانان ہند خصوصاً اہل سنت والجماعت کی سیادت وقیادت و تنفید واجرائے احکام شرعیہ وانتظام والتزام امور مذہبی کے لئے ایک شخص واحد والی با اختیار (امیر الشریعۃ للہند) ہونا ضروری ہے، جس کا منصب امیر الہند ہوگا، اور اس کی تمام مسلمانوں پر پابندی اصول مقررہ پیروی لازم ہوگی، اور اس سے انحراف معصیت لیکن اس کے ہر خیال اور ہر عمل کی اتباع ہر شخص کے لئے ضروری نہیں۔

امیر کے لئے حسب ذیل صفات کا ہونا لازمی ہے اور یہی صفات اس کے شرائط ہوں گے۔

شرائط امیر الہند

الف۔ مسلم مرد عاقل بالغ آزاد ہو۔

ب۔ عالم باعمل ہو یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی اور حقائق کا معتد بہ علم رکھتا ہو، اغراض ومصالح شریعت اسلامیہ وعلم الفقہ وغیرہ سے واقف ہو، اور احکام شرعیہ پر عمل کرنا اس کا شیوہ ہو،

امارت ہند کا مکمل خاکہ تیار

حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر امارت ہند کا ایک جامع خاکہ بھی تیار کرلیا تھا، جس کو جمعیۃ علماء ہند نے 'مسودہ فرائض واختیارات امیر الشریعۃ فی الہند' مع 'مفصل نظام نامہ امیر الشریعۃ' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا، یہ سولہ صفحات کا رسالہ ہے جس میں امیر شریعت کے معیار، اہلیت، اصول عزل ونصب اور دیگر قواعد وضوابط کو بڑی جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، اصطلاحی القاب کی تشریحات بھی کی گئی ہیں، یہ مسودہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ مطابق دسمبر ۱۹۲۱ء میں تیار کیا گیا تھا اور ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں حمیدیہ پریس دہلی سے شائع ہوا۔

کل ہند امارت شرعیہ کے قیام میں رکاوٹیں

غرض حضرت مولانا سجادؒ کی ہر ممکن کوشش کے باوجود کل ہند امارت شرعیہ کا منصوبہ پورا نہ ہوسکا، مولاناؒ نے اس کے بعض اسباب اور رکاوٹوں پر بھی روشنی ڈالی ہے:

☆ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علماء کے درمیان فروعی اختلافات کی خلیج تھی، حضرت مولانا سجادؒ کے ایک مکتوب میں اس کی طرف اشارہ ہے:

> ''وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا۔''

☆ اور انہی اختلافات نے امیر شریعت کے بارے میں یہ غلط تصور پیدا کیا کہ امیر کی اطاعت مسلکی معاملات میں بھی کرنی پڑے گی، اور علمی مسائل میں بھی اس سے اختلاف کی گنجائش نہ ہوگی، اپنے اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''جو چیز ہمارے محترم علماء و مشائخ کو اس امر کی طرف اقدام کرنے سے روکتی ہے اور باوجود اقرار وجوب وتحقق ضرورت اس امر کے انجام دینے میں سخت متردد و متفکر بنادیتی ہے اور مشکلات کا پہاڑ ان کے سامنے کھڑا کردیتی ہے، وہ صرف ایک غلط تخیل ہے کہ امیر شریعت کے اختیارات غیر محدود ہوں گے، اتباع واطاعت کی کوئی حد نہ ہوگی، امیر مطلق العنان ہوگا، اور اس لئے امیر جس خیال ومشرب کا ہوگا، اسی کے مطابق احکامات نافذ کرے گا جس کی اتباع تمام لوگوں پر شرعاً واجب ہوگی، ورنہ بصورت عدم اتباع نقض بیعت ہوگی، جو بدترین معصیت ہے اور اگر اپنی تحقیق کے خلاف اس صورت میں اتباع کی جائے تو تدین کے خلاف، یہی خطرات ہیں جو اس بارے میں اکثر حضرات کے دلوں میں گذرتے ہیں۔

۱- مکاتیب سجادؒ ص ۱۳۔

بیشک اگر امیر ایسا مطلق العنان ہو تو ہر ایک ذی علم اور متدین شخص کے یہ شبہات اپنے مقام پر بہت صحیح ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ امیر کے اختیارات محدود ہونگے وہ نہایت مدبر مصالح شریعت سے واقف ہوگا یعنی وہ مسائل متفقہ منصوصہ کو نافذ کرے گا۔

فروعی اور مختلف فیہ مسائل کے اجراء وتنفیذ کو اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا، کہ جن کی اجتماعی زندگی میں کوئی احتیاج نہیں ہے۔ مختلف فیہ مسائل کی بحث وتحقیق کو نہیں روکے گا لیکن جنگ وجدال اور فساد کو رفع کرنے کی ہمیشہ کوشش کرے گا۔

اس کا ہر عمل اور ہر خیال تمام فرق اسلامیہ کے لئے واجب الاتباع نہیں ہوگا، جس عالم کی تحقیق امیر کی تحقیق کے خلاف ہو اور اس بنا پر اس مسئلۂ خاص میں امیر کی اتباع نہ کرے، تو کوئی حرج نہیں، وہ عالم ہرگز مستحق طعن نہیں اور نہ اس کی بیعت ٹوٹ سکتی ہے۔۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کتنے مسائل ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے خلاف تھے، کتنی جزئیات ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمانؓ کے موافق نہ تھے، تو کیا آج تک کسی نے اس کو نقض بیعت سمجھا، یا ان پر طعن کیا گیا اور کیا اس فروعی مخالفت کی وجہ سے ان حضرات نے دوسرے اجتماعی احکامات میں امیر کی اتباع وانقیاد سے روگردانی کی؟ ہرگز نہیں۔''[1]

☆ حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں کچھ اور موانع کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً تحریر فرماتے ہیں:

''شاید اس تعویق اور تاخیر میں یہ مصلحت ہو کہ اس وقت ہندوستان کے بہت سے ارباب حل و عقد، علماء وغیرہ قید خانوں میں محبوس تھے، اس لئے امارت کے قیام واستحکام کے لئے ان اصحاب کے باہر آ جانے کی ضرورت تھی، تا کہ تمام یا اکثر ارباب حل وعقد علماء وغیر علماء غور وفکر کے بعد ایک مضبوط بنیاد پر اس کو قائم کریں، کیونکہ اس کی بنیاد تو انسانی قلوب کی زمین پر ہوتی ہے نہ کہ مٹی کے ڈھیر یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر، اور اس کا حصار واسلحہ خانہ تو صرف حقیقی ایمان ہے نہ کہ توپ وتفنگ، اس لئے کہ قلوب کے انشراح کی ضرورت ہے اور انشراح کامل شاید کچھ سکون ہی کی حالت میں ہوسکتا ہے بشرطیکہ تدبر وتفکر سے کام لیا جائے۔''[2]

صوبہ وار امارتیں قائم کرنے کی تجویز منظور

بعد کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''بعدہ کچھ ایسے واقعات وحوادث پیش آئے کہ اس مسودہ پر مجلس منتظمہ کو غور کرنے کا موقع نہیں

۱- مکاتیب سجاد ص ۱۰ تا ۱۲۔

۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۱۲۷، ۱۲۸۔

ملا، اس بنا پر جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس اجمیر میں یہ غور کیا گیا کہ امارت شرعیہ ہند کے قیام میں
چونکہ بہ ہمہ وجوہ متعدد تعویق ہے اس لئے جب تک صوبہ وار جمعیتوں کو مخاطب کرتے ہوئے
ایک تجویز کے ذریعہ ان کو ہدایت دی کہ جلد از جلد صوبہ وار امارت شرعیہ قائم کریں
مگر اکثر صوبوں کے ناظمین اس دور میں اپنے صوبہ کے کاموں کے ذمہ دار تھے، اس لئے
غالباً اس تجویز پر عمل نہ کر سکے۔"[1]

امارت شرعیہ بہار کی بنیاد

اس تجویز کے مطابق ہندوستان کے کسی صوبہ میں تو کوئی پیش رفت نہ ہو سکی، البتہ اس تجویز نے حضرت مولانا سجادؒ کے لئے کم از کم صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کے قیام کی راہ آسان کر دی، اور اس طرح بہار کو وہ اولیت حاصل ہوئی جو کسی صوبہ کے حصہ میں نہیں آئی، مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب ایم اے بی ایل آرگنائزر محکمۂ دیہات سدھار بہار لکھتے ہیں کہ:

"آئندہ مؤرخ کا قلم برسوں ان موشگافیوں میں مبتلا رہے گا کہ امارت شرعیہ کا محرک اصلی کون تھا؟ اور ہندوستان میں امارت شرعیہ کا مستقل قیام کیوں وجود پذیر نہ ہوسکا، اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم کی عظیم شخصیت کے باوجود بھی امارت شرعیہ ہندیہ کا نظام نامہ مستقل لائحۂ عمل اختیار نہ کرسکا، نیز یہ کہ امام الاحرار حضرت مولاناؒ کی تحریک قیام امارت شرعیہ صوبۂ بہار میں کیونکر بارآور ہوئی، اور خود امام الاحرار بنگال میں جو ان کا آج تک مستقر ہے، صوبۂ متحدہ میں جہاں لکھنؤ کے فرنگی محل سے سراج منیر کی جھلک آرہی تھی، اور دہلی میں جہاں ان کا وطن تھا، اور پنجاب میں جہاں کے مسلمان آج بھی دعوائے قیادت اسلام رکھتے ہیں، امارت شرعیہ کا نظام قائم نہ ہوسکا، اور پھر یہ سبب بھی لائق تفتیش ہوگا کہ بہار ایسے صوبے میں جو اسلامستان ہند میں پست ترین صوبہ سمجھا جاتا ہے کن کمزور ہاتھوں نے امارت شرعیہ کا نظام قائم کر دیا، جو آج بھی تمام خامیوں کے باوجود حیرت نگاہ بنا ہوا ہے، اور جس نے مسلمانان ہند کے سامنے ہمیشہ مذہبی، سیاسی نقطۂ نگاہ و پیرایۂ عمل کو بار بار تجربہ کر کے لائق تقلید بنا دیا۔"[2]

بہر حال حضرت مولانا سجادؒ کے منصوبہ ساز ذہن نے یہ پروگرام بنایا کہ جس طرح جمعیۃ علماء ہند کے قیام میں برسوں علماء اور قائدین پس و پیش میں مبتلا رہے، لیکن جب ان کے عزم و ہمت سے بہار میں جمعیۃ علماء قائم ہوگئی تو اس نمونے نے پورے ملک میں مہمیز کا کام کیا اور اس کی روشنی میں چند برسوں کے اندر جمعیۃ علماء ہند بھی قائم ہوگئی، مولاناؒ نے امارت شرعیہ کے لئے بھی یہی خطوط متعین

۱- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مراد آباد ص ۱۲۶، ۱۲۷۔
۲- محاسن سجاد ص ۷۷۔

فرمائے، اور بہار میں امارت شرعیہ کے قیام کا عزم فرمالیا۔ اس کا اظہار خود انہوں نے اپنے اس مکتوب میں کیا ہے جو آپ نے قیام امارت کے دعوت نامہ کے طور پر علماء ومشائخ بہار کے نام لکھا تھا:

''غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ جس زمانہ میں جمعیۃ علماء بہار جن اغراض ومقاصد کو لے کر قائم ہوئی وہ سرزمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیت تھی، اس وقت علماء کرام اقدام سے گھبراتے تھے، حتیٰ کہ خود ہمارے صوبہ کے بہتیرے علماء پس وپیش میں مبتلا تھے، مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے اقدام وجرأت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا کہ آخر میں اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیۃ علماء قائم ہوگئی، اور وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا کس طرح کافور ہوگیا، پس اسی طرح بہت ممکن ہے کہ بلکہ ظن غالب ہے کہ صوبہ بہار میں اسی کام کے انجام پانے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ تمام صوبوں میں امیروں کا انتخاب جلد از جلد عمل میں آئے گا، اور جس طرح جمعیۃ علماء ہند بعد میں قائم ہوئی، اسی طرح امیر الہند بھی آخر میں نہایت آسانی کے ساتھ منتخب ہو جائے گا''[1]

جمعیۃ علماء بہار کے اجلاس دربھنگہ میں قیام امارت کا فیصلہ

حضرت مولانا سجادؒ نے پٹنہ پہنچ کر پہلے انفرادی طور پر متعدد علماء ومشائخ سے گفتگو کی اور پھر رجب المرجب ۱۳۳۹ھ مطابق مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماء بہار کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ پھلواری شریف میں طلب کی، اس میٹنگ میں امارت شرعیہ کے عملی اقدامات کے لئے کئی اہم تجاویز منظور کی گئیں، جن کا حاصل یہ تھا:

''۱۳۳۹ھ (جمعیۃ علماء بہار کا) اجلاس سوم بمقام دربھنگہ منعقد ہو اور اس اجلاس کی صدارت کے لئے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو تکلیف دی جائے اور مولانا عبدالحمید صاحب دربھنگہ (ناظم مدرسہ حمیدیہ) کی دعوت قبول کی جائے، کہ جمعیۃ علماء بہار کا تیسرا اجلاس عام دربھنگہ میں ہو''[2]

چنانچہ دربھنگہ میں جمعیۃ علماء بہار کا اجلاس عام بتاریخ ۲۳، ۲۴ رشعبان المعظم ۱۳۳۹ھ مطابق ۲، ۳رمئی ۱۹۲۱ء پورے شان وشکوہ کے ساتھ منعقد ہوا، داعی اجلاس مولانا عبدالحمید صاحب اور صدر استقبالیہ مولانا مقبول احمد صاحب کی مخلصانہ اور پرجوش تگ ودو کی بدولت جلسہ بہت کامیاب رہا، البتہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نا گہانی علالت کے سبب تشریف نہ لاسکے، اس لئے باتفاق رائے جلسہ کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ (جو بعد میں امیر شریعت ثانی ہوئے)

۱- مکاتیب سجادؒ ص ۱۳، ۱۴ جمع وترتیب: مولانا محمد ضمان اللہ ندیم، وتصحیح وتقدیم: قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

۲- تاریخ امارت ص ۵۸۔

نے کی، اس اجلاس میں باتفاق رائے درج ذیل تجویز منظور کی گئی کہ:

''جمعیۃ تجویز کرتی ہے کہ صوبہ بہار واڑیسہ کے محکمہ شرعیہ کے لئے ایک عالم اور مقتدر شخص کا امیر ہونا انتخاب کیا جائے، جس کے ہاتھ میں تمام محاکم شرعیہ کی باگ ہو اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کے لئے واجب العمل ہو، نیز تمام علماء ومشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت وحفاظت اسلام کے لئے بیعت کریں، یہ بیعت سمع وطاعت ہوگی، جو بیعت سلسلہ طریقت کے علاوہ ایک ضروری اور اہم چیز ہے، یہ جمعیۃ متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر محکمہ شرعیہ کے لئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بہ مقام پٹنہ وسط شوال میں منعقد کیا جائے۔''[1]

اجلاس تاسیس امارت کے لئے دعوت نامہ (مکتوب) جاری

اس تجویز کے مطابق انتخاب امیر کے لئے بانکی پور پٹنہ میں جمعیۃ علماء بہار کے ایک اجلاس خاص کی تاریخ ۱۸، ۱۹؍شوال المکرم ۱۳۳۹ھ روز شنبہ ویکشنبہ مطابق ۲۵، ۲۶؍جون ۱۹۲۱ء مقرر کی گئی، ایک مضبوط مجلس استقبالیہ کا قیام عمل میں آیا، حضرت مولانا سید شاہ حبیب الحق صاحب سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ صدر مجلس استقبالیہ، جناب حکیم عبدالحی صاحب پروفیسر طبی کالج پٹنہ ناظم، اور مولانا اعتماد حسین صاحب امام مسجد لون پٹنہ خازن منتخب ہوئے، اور اجلاس خصوصی کی صدارت کے لئے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کا اسم گرامی منظور ہوا[2]، اور مفکر اسلام حضرت مولانا سجادؒ نے بحیثیت ناظم جمعیۃ علماء بہار دفتر جمعیۃ علماء بہار مدرسہ انوار العلوم گیا بہار سے علماء ومشائخ بہار کے نام دعوت نامہ جاری فرمایا، جس میں قیام امارت کی شرعی ذمہ داری اور امیر شریعت کی اہلیت ومعیار اور قیام امارت کے سلسلے میں بعض شبہات اور موانع پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی، اس پر ۶؍شوال المکرم ۱۳۳۹ھ (مطابق ۱۳؍جون ۱۹۲۱ء) کی تاریخ درج ہے، یہ آٹھ صفحات کا تفصیلی مکتوب ہے جو 'العدل پریس' بانکی پور مراد پور پٹنہ سے شائع ہوا، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی 'تاریخ امارت' میں بھی یہ مکمل مکتوب موجود ہے، بعد میں جب امارت شرعیہ پٹنہ سے ''مکاتیب سجادؒ'' شائع ہوئی تو اس میں اس مکتوب کو بھی شامل کیا گیا، البتہ مکاتیب سجاد میں مکتوب کی تاریخ اور مقام کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح مکتوب میں اجلاس جمعیۃ علماء بہار دربھنگہ کی تجویز کا حوالہ دیا گیا تھا، وہ بھی مذکور نہیں ہے، نیز حضرت مولاناؒ کے نام کے ساتھ 'ناظم جمعیۃ علماء بہار' کا لاحقہ بھی موجود نہیں ہے، مکاتیب سجاد میں یہ مکتوب آٹھ کے بجائے دس صفحات میں ہے اور ترتیب کے لحاظ سے پہلا مکتوب یہی ہے۔

۱- حسن حیات ص ۱۳۳ ☆ تاریخ امارت ص ۵۸، ۵۹۔
۲- تاریخ امارت ص ۵۹۔

حضرت مولانا سجادؒ کا تاریخی مکتوب

اس مکتوب کا آغاز دعوت نامہ کے مضمون سے ہوا ہے، پھر امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت اور عہد حاضر میں اس کی ضرورت واہمیت کی طرف قلم کا رخ پھر گیا ہے، اس کے بعد تاریخی پس منظر کے حوالے سے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان پر علمی بحث کی گئی ہے، اس راہ کی دشواریوں کا بھی ذکر ہے، شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے، امیر شریعت کے معیار واہلیت اور طریق انتخاب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، غرض یہ پورا مکتوب امارت شرعیہ کے مباحث میں علمی شاہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے، اور حضرت مولانا سجادؒ کے فکر عمیق اور سوز دروں کا عکاس ہے، یہ پورا خط دل کی آنکھوں سے پڑھنے اور آب زریں سے لکھنے کے لائق ہے، اس لئے باوجود طویل ہونے کے اس کو مکمل نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

دفتر جمعیۃ علماء بہار
مقام گیا
محررہ ۱۹ شوال

محترمی! زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کو جمعیت علمائے بہار کے غیر معمولی اجلاس کی شرکت کی دعوت نہایت خلوص کے ساتھ دے رہا ہوں۔ امارت شرعیہ کے قیام کی غرض سے خاص اجلاس قرار پایا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے متعلق مختصراً شرعی حیثیت سے اپنے خیالات ظاہر کر دوں۔ تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ اور اس مسئلہ کے متعلق بقدر ضرورت شکوک واوہام ہیں زائل ہو جائیں۔

جناب اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ جب مسلمانوں کے بلاد پر کفاروں کا تسلط وغلبہ ہو جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے نظام شرعی کے قیام وبقا کے لئے مسلم والی (امیر یا حکم شرعیہ) منتخب کریں۔

تقریباً ڈیڑھ سو برس کا زمانہ گزرا کہ مسلمانان ہند پر یہ فرض عائد ہو گیا ہے۔ یعنی جب سے حکومت اسلامیہ کا زوال سرزمین ہند سے ہوا۔ لیکن غفلت وتساہل باہمی تخالف یا عدم مساعدت اسباب کی وجہ سے مسلمانوں نے اس اہم فریضہ کی

حضرت مولانا سجادؒ کا مکتوب دعوت جو تاسیس امارت شرعیہ کے لئے دفتر جمعیۃ علماء بہار سے جاری کیا گیا۔
(صفحۂ اول) بشکریہ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف۔

۸

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام صوبہ کے ہر عالم اور ہر شخص کا بوقت انتخاب موجود رہنا
یا کل کا اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں لہذا اول کا انتخاب آپکے پیش نظر ہے کہ بغیر
موجودگی تمام ارباب حل وعقد انتخاب عمل مین آیا اور اس کی بیعت پر جماعت ہوا بلکہ تمام
اہل مدینہ وبلاد اسلامیہ مین انتخاب کئے جانے کا اعلان بھی نہیں ہوا تھا بہت جمعیت کے
اعلان عام ودعوت خاص کے بعد جس قدر بھی علما ومشائخ تاریخ مقررہ پر مجتمع ہو کر انتخاب
فرمائین گے بشرعاً وہ بالکل درست ہوگا اور بقیہ حضرات پر تسلیم وانقیاد واجب ہوگا
کہ چند چیدہ علما کی ایک مجلس شوریٰ ہوگی جن سے مشاورت کے بعد باصول شریعت امیر
فیصلہ کریگا احکامات جاری ونافذ کریگا جس کی نظیرین قرون اولیٰ کے اندر موجود ہین۔

محترما! اب آخر مین مکرر جناب سے گذارش ہے کہ ان جمیع معروضات کو غور سے
مطالعہ فرمانے اور جو شرائط ومعیار امارت مین نے عرض کئے ہین اگر آپ کو اس سے اتفاق
ہو تو اسی معیار کے مطابق ہمارے صوبہ مین سے جن حضرات کو آپ اہل سمجھتے ہون اور بہتر سمجھتے
ہون مہربانی فرما کر ان سے بھی استمزاج کر کے آپ تشریف لائین اور اس معیار کے علاوہ
اس سے کوئی بہتر معیار نظر بہ حالات حاضرہ باصول شریعت جناب کے خیال مین آئے تو
۲۰ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ تک جلد مطلع فرمائین وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب

فقط والسلام مع الاکرام

الملتمس

خادمکم ابو المحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ ناظم جمعیت علما بہار

مطبوعہ العدل پریس بانکیپور

دعوت نامہ کا آخری صفحہ

دفتر جمعیۃ علماء بہار

مقام گیا محررہ ۶ رشوال المکرم

محترمی! زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

جناب کو جمعیۃ علمائے بہار کے غیر معمولی اجلاس کی شرکت کی دعوت نہایت خلوص کے ساتھ دے رہا ہوں اور جس اہم مقصد کی غرض سے خاص اجلاس قرار پایا ہے میں نہایت مناسب سمجھتا ہوں، کہ اس کے متعلق مختصراً شرعی حیثیت سے اپنے خیالات ظاہر کر دوں تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے، اور اس مسئلہ کے متعلق جس قدر شکوک واوہام ہیں زائل ہو جائیں۔

جناب اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ جب مسلمانوں کے بلاد پر کفار کا استیلاء وغلبہ ہو جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے نظام شرعی کے قیام وبقا کے لئے مسلم والی (امیر محکمہ شرعیہ) منتخب کریں۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس کا زمانہ گذرا کہ مسلمانان ہند پر یہ فرض عائد ہو گیا ہے یعنی جب سے حکومت اسلامیہ کا زوال سرزمین ہند سے ہوا، لیکن غفلت وتساہل، باہمی تخالف یا عدم مساعدت اسباب کی وجہ سے مسلمانان ہند نے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کی جس کالازمی نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ کیا آج مسلمانان ہند کی زندگی باہمہ زہد وتقویٰ حقیقتاً ایک غیر شرعی اور جاہلیت کی زندگی نہیں ہے؟

ہم نے شخصی اور اجتماعی زندگی و نیز ان کے احکام کی طرف کبھی توجہ نہیں کی، ان سب کی اہمیت کو کبھی مدنظر نہیں رکھا، ہم نے صرف ادا کاریٔ فرائض شخصی کو بغیر تنظیم شرعی سعادت عظمیٰ سمجھا اور باعث نجات، جو ایک طرح پر رہبانیت ہے اور معبر بجاہلیۃ۔

اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں ہم سے آج تک جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے عند اللہ کوئی عذر مقبول نہیں ہے، آپس کی جنگ وجدل، فروعی اختلافات کا ہونا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، یا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے امثال ونظائر کا فقدان عذر غیر مقبول ہے، اور عذر قبول نہیں، کما لایخفیٰ۔ کیونکہ اول الذکر شئے اختیاری اور خود ساختہ ہے اور ثانی الذکر کے غیر معتبر ہونے کے لئے نظیر سلف موجود کہ امامت عظمیٰ کی شرائط میں بھی حسب ضرورت تنزل اختیار کیا گیا، مگر یہ صورت اختیار نہیں کی گئی کہ بصورت فقدان جامع الشرائط اصلی وجوب انعقاد وامامت ساقط ہے، پس جب کہ آج ہم لوگوں کو تنبہ ہو گیا ہے اور توفیق اللہ جل شانہ نے بھی مساعدت کی ہے تو اب فریضہ کی ادائیگی میں ادنیٰ تساہل بھی بدترین جرم ہے، اور بالخصوص بہ نظر حالات موجودہ اور حوادث لاحقہ جو غالباً بہت جلد ظہور پذیر ہوں، اب اس کا موقع بھی باقی نہیں ہے کہ کچھ اور تاخیر کی جائے، بلکہ ہم پر واجب ہے کہ اس اہم امر کو فوراً انجام دیتے ہوئے اس تیزی سے قدم اٹھائیں کہ برسوں کی مسافت مہینوں اور مہینوں کی

دنوں اور دنوں کی لمحوں میں طے پاجائے ورنہ یادرکھئے کہ اگر خدانخواستہ آج بھی ہماری جماعت کے تنافس و تفاخر کا پہاڑ، فروعی اختلافات کی خلیج اس راہ میں حائل ہوئی تو سرزمین ہند میں جوآج ہماری حالت ہورہی ہے، اس سے بھی بدتر ہوجائے گی، اور ہمارے علماء ومشائخ کی یہ محترم جماعت اپنے طرز عمل سے تمام دنیا پر ثابت کردے گی کہ ان میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اور پھر اس جماعت کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ اصلاح امت و وراثت انبیاء کے دعوؤں سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہوجائے، اور جرأت کرکے نہایت صفائی کے ساتھ اعلان عام کردے کہ ہم میں امت کی رہبری کی صلاحیت نہیں، اپنا رہنما کسی اور کو تلاش کرے۔

محترما! جناب کو معلوم ہے کہ امت کی ہدایت اور اس کی فلاح و بہبود کا خیال، نظام شرعی کا قیام و بقا وغیرہ کی ساری ذمہ داریاں عنداللہ کس جماعت پر عائد ہوتی ہے؟ علماء کرام و ذی علم مشائخ صوفیائے عظام اور صرف انہیں پر، کہ یہی حضرات قدرتاً اور من اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے قائد ہیں رہنمائی کی تمام تر ذمہ داری انہی حضرات کے سر ہے۔ یہی حضرات شرعاً ارباب حل وعقد ہیں، اس لئے اس اہم امر کا بحسن وخوبی انجام دینا بھی صرف انہی کا کام ہے، اور اس کے لئے جس قدر بھی ایثار وقربانی کی ضرورت ہو اور مشکلات کا سامنا پڑے، نہایت دلیری کے ساتھ برداشت کرنی چاہئے اور میرے نزدیک تو یہ مسئلہ نہایت سہل الحصول ہے، صرف اپنے ذاتی اغراض اور شخصیت کو قربان کرنا ظنون فاسدہ واوہام کاسدہ کا دور کرنا کافی ہے، پھر خدا اور اپنے دین اسلام کے لئے ایک متحدہ مقصد میں متفق الخیال والعمل ہونا چاہئے۔ جو چیز ہمارے محترم علماء ومشائخ کو اس امر کی طرف اقدام کرنے سے روکتی ہے اور جو باوجود اقرار وجوب وتحقیق ضرورت اس امر کے انجام دینے میں سخت متردد ومتفکر بنادیتی ہے اور مشکلات کا پہاڑ ان کے سامنے کھڑا کردیتی ہے وہ صرف ایک غلط تخیل ہے کہ امیر شریعت کے اختیارات غیر محدود ہونگے، اتباع واطاعت کی کوئی حد نہ ہوگی، امیر مطلق العنان ہوگا، اور اس لئے امیر جس خیال ومشرب کا ہوگا اسی کے مطابق احکامات نافذ کرے گا، جس کی اتباع تمام لوگوں پر شرعاً واجب ہوگی، ورنہ بصورت عدم اتباع نقض بیعت ہوگی، جو بدترین معصیت ہے اور اگر اپنی تحقیق کے خلاف اس صورت میں اتباع کی جائے تو تدین کے خلاف، یہی خطرات ہیں، جو اس بارے میں اکثر حضرات کے دلوں میں گذرتے ہیں۔ بے شک اگر امیر ایسا مطلق العنان ہو تو ہر ایک ذی علم اور متدین شخص کے یہ شبہات اپنے مقام پر بہت صحیح ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ:

۱- امیر کے اختیارات محدود ہونگے، وہ نہایت مدبر، مصالح شریعت سے واقف ہوگا یعنی مسائل متفقہ منصوصہ کو نافذ کرے گا۔

۲- مقاصد ومسائل اعلاء کلمۃ اللہ پر ہمیشہ نگاہ رکھے گا، اور ان کے متعلق خصوصیت کے ساتھ احکامات نافذ کرتا رہے گا۔

۳- وہ ایسے احکامات نافذ کرے گا جس سے بلاامتیاز فرق تمام امت مسلمہ کی فلاح و بہبود متصود ہو۔

۴- فروعی ومختلف فیہ مسائل کے اجراء اور تنفیذ کو اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا کہ جن کی اجتماعی زندگی میں کوئی احتیاج نہیں ہے۔

۵- مختلف فیہ مسائل کے بحث وتمحیص کو نہیں روکے گا، لیکن جنگ وجدال اور فساد کو دفع کرنے کی ہمیشہ کوشش کرے گا۔

۶- اس کا ہر عمل اور ہر خیال تمام فرق اسلامیہ کے لئے واجب الاتباع نہیں ہوگا، جس عالم کی تحقیق امیر کی تحقیق کے خلاف ہو اور اس بناپر اس مسئلۂ خاص میں امیر کی اتباع نہ کرے تو کوئی حرج نہیں وہ عالم ہرگز مستحق طعن نہیں، اور نہ اس کی بیعت ٹوٹ سکتی ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کتنے مسائل ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے خلاف تھے کتنی جزئیات ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے موافق نہ تھے، تو کیا آج تک کسی نے اس کو نقض بیعت سمجھا یا ان پر طعن کیا گیا، اور کیا اس فروعی مخالفت کی وجہ سے ان حضرات نے دوسرے اجتماعی احکامات میں امیر کی اتباع وانقیاد سے روگردانی کی؟ ہرگز نہیں۔ پس آج کس قدر ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم ان مسائل کو جانتے ہیں لیکن محض ظنون واوہام کی بناپر ایک اہم الواجبات کی ادائیگی میں پس وپیش کرتے ہیں۔

محترما! اگر ہمارا ایمان ہے ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین اور ہم اصلاح وحیات امت کی ذمہ داری اپنے سر سمجھتے ہیں، تو پھر ہمیں اس فریضہ کی ادائیگی میں ہرگز پس وپیش نہ کرنا چاہئے اور اپنی ذات وایمان پر اعتماد رکھتے ہوئے توکلاً علی اللہ فوراً اس کام کو انجام دینا چاہئے۔

چنانچہ بعد غور وخوض بحمداللہ جمعیۃ علماء بہار اس کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہوئی، اور بتاریخ ۲۴؍شعبان ۱۳۳۹ھ بمقام دربھنگہ جمعیۃ کے تیسرے سالانہ اجلاس میں اس مسئلہ کے متعلق مندرجہ ذیل تجویزیں بالاتفاق منظور ہوئیں۔ (اس کے بعد وہی تجویز نقل کی گئی ہے جو اوپر اجلاس دربھنگہ کے ضمن میں آچکی ہے)

اور اسی لئے بتاریخ ۸، ۹؍شوال المکرم ۱۳۳۹ھ روز شنبہ ویکشنبہ مطابق ۲۵، ۲۶؍جون ۱۹۲۱ء بمقام بانکی پور حسب مشورہ ارکان جمعیۃ علماء بہار کا ایک غیر معمولی اجلاس ہونا قرار پایا ہے، جناب سے نہایت خصوصیت کے ساتھ گذارش ہے کہ وقت کی نزاکت اور ضرورت کی اہمیت کا خیال فرما کر ضرور بالضرور اس اجلاس میں شرکت کی تکلیف گوارا فرمائیں۔

محترما! اس مسئلہ کے متعلق فطرتاً دوسوال پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دیدینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

اول یہ کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں صوبۂ بہار ہی سب سے پہلے اس طرف کیوں

قدم اٹھاتا ہے اور امیر الہند کا مسئلہ اولاً کیوں نہیں طے ہوتا ہے؟

دوم یہ کہ موجودہ وقت میں اس صوبہ کے امیر کے لئے کیا کیا شرائط ہونا چاہئے، انتخاب کن اصولوں پر ہوگا؟ امیر کا طریق کار کیا ہوگا؟

اول کا جواب یہ ہے کہ انسب تو یہی تھا کہ سب سے پہلے امیر الہند کا انتخاب ہوتا بعدہ امیر صوبہ کا تعین وتقرر، لیکن مسلمانان ہند کی بدقسمتی کو کیا کیجئے کہ وہ ابھی اصل مرکز کے بنانے کو تیار نہیں، ایسی صورت میں سوائے اس کے چارۂ کار نہیں کہ صوبہ وار امیروں کا انتخاب کرلیا جائے کیونکہ ہندوستان کا تساہل ہمارے لئے عذر نہیں ہوسکتا، ہندوستان کی معصیت ہمارے عصیاں پر قائم رہنے کی حجت نہیں ہوسکتی، کیا جناب کو معلوم نہیں یہ حکم مستقلاً ہر بلد پر عائد ہے اور اس مسئلہ کو فقہاء کرام نے صرف ملک ہی تک محدود نہیں رکھا ہے، غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ جس زمانہ میں جمعیۃ علماء بہار جن اغراض ومقاصد کو لے کر قائم ہوئی، وہ سرزمین ہند میں اس جہت سے پہلی جمعیۃ تھی، اس وقت علماء کرام اقدام سے گھبراتے تھے، حتیٰ کہ خود ہمارے صوبہ کے بہتیرے علماء پس وپیش میں مبتلا تھے، مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے اقدام وجرأت کا کیا نتیجہ برآمد ہوا، کہ آخر اس تین سال میں انہی مقاصد کو لے کر تقریباً تمام صوبوں میں جمعیۃ علماء قائم ہوگئی، اور وہی فروعی اختلافات کا پہاڑ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل تھا کس طرح کافور ہوگیا، پس اس طرح بہت ممکن ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ صوبہ بہار میں اس کام کے انجام پانے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ تمام صوبوں میں امیروں کا انتخاب جلد از جلد عمل میں آجائے گا، اور جس طرح جمعیۃ علماء ہند بعد میں قائم ہوئی اور اسی طرح امیر الہند بھی آخر میں نہایت آسانی کے ساتھ منتخب ہوجائے گا۔

امر دوم کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ کام شرعی اور سیاسی نقطۂ نظر سے انجام دینا ہے، اس لئے ہر پہلو کا لحاظ ضروری ہے پس اس قحط الرجال کے زمانہ میں اغراض ومقاصد شریعت کو مدنظر رکھ کر میرے نزدیک جن شرائط کے ساتھ امیر کا انتخاب ہونا چاہئے، وہ حسب ذیل ہیں، مجھے امید ہے کہ آپ بھی پسند کریں گے:

۱- عالم باعمل صاحب فتویٰ جس کا علمی حیثیت سے زمرۂ علماء میں ایک حد تک وقار واثر ہو، تاکہ علماء کرام اس کے اقتدار کو تسلیم کریں، اور صاحب بصیرت ہوتا کہ نہایت تدبیر کے ساتھ احکامات نافذ کرے۔

۲- مشائخ طریقت میں بھی صاحب وجاہت ہو، اور اس کے حیطۂ اثر میں اپنے صوبہ کے مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت اس حیثیت سے موجود ہو کہ عوام وخواص اس کے اثر سے متأثر ہوں، اور تنظیم شرعی واجتماعی قوت جلد سے جلد پیدا ہوسکے۔

۳- حق گوئی وحق بینی میں نہایت بے باک ہو اور کسی مادی طاقت سے متأثر ومرعوب ہونے کا بظاہر اندیشہ نہ ہو۔

۴- مسائل حاضرہ میں بھی ایک حد تک صاحب بصیرت ہو اور تدبیر کے ساتھ کام کر رہا ہو، تا کہ ہمارا کام بحسن وخوبی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔

۵- لاپروائی اور خود رائی کے مرض سے پاک ہو۔

میرے نزدیک اسی قدر شرائط موجودہ وقت میں مع لحاظ احکام شریعت بہت کافی ہیں، بلکہ یہ وہ معیار ہے جس کی بنا پر شاید صوبہ ہٰذا میں دو ہی ایک آدمی مل سکتے ہیں، ورنہ آپ کو معلوم ہے کہ شرائط اجتہاد عرصہ مدید سے امام اور مفتی کے لئے بھی (مجبوراً) غیر ضروری قرار پاچکے ہیں۔

☆ اب رہا اصول انتخاب تو ظاہر ہے کہ یہ کام شرعاً ارباب حل وعقد کا ہے، جس کے مصداق علماء کرام وذی علم مشائخ ہیں اور یہ حق شرعاً انہیں کو حاصل ہے اس کے بعد عوام کا فرض انقیاد واتباع ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام صوبہ کے ہر عالم اور ہر شیخ طریقت وکل ارباب حل وعقد کا وقت انتخاب موجود رہنا یا کل کا اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں، خلیفۂ اول کا انتخاب آپ کے پیش نظر ہے، کہ بغیر موجودگی تمام ارباب حل وعقد انتخاب عمل میں آیا اور اس کی صحت پر اجماع ہوا، بلکہ تمام اہل مدینہ وبلاد اسلامیہ میں انتخاب کئے جانے کا اعلان بھی نہیں ہوا تھا۔ پس جمعیۃ کے اعلان عام ودعوت خاص کے بعد جس قدر بھی علماء ومشائخ تاریخ مقررہ پر مجتمع ہو کر انتخاب فرمالیں گے، شرعاً وہ بالکل درست ہوگا اور بقیہ حضرات پر تسلیم وانقیاد واجب۔

☆ طریق کار امیر کا یہ ہوگا کہ چند چیدہ چیدہ علماء کی ایک مجلس شوریٰ ہوگی، جن سے مشاورت کے بعد باصول شریعت امیر فیصلہ کرے گا، اور احکامات جاری کرے گا، جن کی نظیریں قرون اولیٰ کے اندر موجود ہیں۔

محترما! اب آخر میں مکرر جناب سے گذارش ہے کہ ان جمیع معروضات کو غور سے مطالعہ فرمائیے، اگر آپ کو اس سے اتفاق ہو تو اسی معیار کے مطابق ہمارے صوبہ میں جن حضرات کو آپ اہل سمجھتے ہوں اور بہتر سمجھتے ہوں، مہربانی فرما کر ان سے بھی استمزاج کر کے آپ تشریف لائیں، اور اس کے معیار کے علاوہ اس سے کوئی بہتر معیار نظر بہ حالات حاضرہ باصول شریعت جناب کے خیال میں آئے تو ۱۴ر شوال المعظم ۱۳۳۹ھ تک مجھ کو مطلع فرمائیں۔

وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب فقط والسلام مع الاکرام۔

الملتمس

خادم مکم ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ

ناظم جمعیۃ علماء بہار"[۱]

۱- تاریخ امارت ص ۶۱ تا ۷۱ ☆ مکاتیب سجاد ص ۷ تا ۱۶۔

دعوت نامہ کا استقبال

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے اس مدلل مکتوب کے گہرے اثرات مرتب ہوئے، مولانا عبد الصمد رحمانیؒ کے الفاظ میں:

> ''مولاناؒ کا یہ مکتوب صاعقۂ حق تھا کہ جس نے شبہات کے خرمن کو جلا دیا، اعلاء کلمۂ حق تھا جس نے خشیت رکھنے والے دلوں کو کپکپا دیا، پیمبرانہ صدائے حق کے اسوۂ حسنہ کی اتباع تھی، جس میں صفائی کے ساتھ بلا خوف لومۃ لائم علماء اور صوفیاء اور تمام ذمہ داروں کو متنبہ کر دیا گیا۔''[1]

ہر طرف سے اس دعوت نامہ کا استقبال کیا گیا اور علماء و مشائخ نے اس کے مثبت جوابات دیئے، یہاں بطور نمونہ بہار کی تین مشہور شخصیات کے جوابات نقل کئے جاتے ہیں:

حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ کا جواب

☆ اس دعوت نامہ کا سب سے پہلا جواب خانقاہ رحمانی مونگیر اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی، قطب العالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (۱۸۴۶ء ـ ۱۹۲۷ء)[2] کی جانب سے موصول

۱- تاریخ امارت ص ۷۱

۲- حضرت مولانا سید شاہ محمد علی کان پوری ثم مونگیریؒ ابن مولانا سید عبد العلی حسنی، حسینی، حنفی نقشبندی ۳؍شعبان المعظم ۱۲۶۲ھ (۲۸؍جولائی ۱۸۴۶ء) کو پیدا ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب شیخ عبد القادر جیلانی بغدادیؒ تک پہنچتا ہے، اولاً آپ نے حضرت مولانا عنایت احمد کاکورویؒ سے میزان الصرف و دیگر رسائل صرف، نحو و منطق پڑھے، پھر مولانا سید حسین شاہ بخاری سے پڑھا، باقی جملہ کتب درسیہ کی تکمیل حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی سے کی، بعد تحصیل و تکمیل مدرسہ فیض عام کان پور میں مدرس ہوئے، تین برس تک اسی مدرسے میں مدرس رہے، اور طالبان علوم کو فیض یاب کرتے رہے، ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں بغرض حصول سند حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور ایک سال مقیم رہ کر صحاح ستہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد پڑھ کر سند حاصل کی، حضرت مولانا آل احمد کانپوریؒ (مہاجر مدینہ طیبہ) نے بعد امتحان سند مرحمت فرمائی، ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادیؒ سے شرف بیعت حاصل کی، اور اجازت و خلافت سے بہرہ یاب ہوئے۔ آپ نے تعلیمی اور ملی میدانوں میں عظیم الشان خدمات انجام دیں، ندوۃ العلماء آپ کی بہترین علمی اور تاریخی یادگار ہے، تعلیمی و تدریسی میدان کے علاوہ ردعیسائیت اور ردقادیانیت میں بھی آپ کا کام نمایاں ہے، ملک کے حالات کے پیش نظر آپ نے ۱۲۸۹ھ؍۱۸۷۲ء میں کان پور سے ایک رسالہ 'منشور محمدی' جاری کروایا، جس میں آپ کے مضامین تسلسل سے شائع ہوتے تھے، ردعیسائیت پر متعدد کتابیں لکھیں، جن میں مرآۃ الیقین، پیغام محمدی، آئینۂ اسلام، البرہان، ترانۂ حجازی، اور دفع التلبیسات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عیسائی مبلغین یتیم خانہ کھول کر غریب اور یتیم بچوں کو اپنا شکار بناتے تھے، یہ دیکھ کر آپ نے کانپور میں یتیم خانہ اسلامیہ قائم کیا، ردقادیانیت پر آپ نے قریب ایک سو کتابیں لکھیں، جن میں چالیس آپ کے نام سے شائع ہوئیں اور بقیہ دوسروں کے نام سے، قادیانیت کے خلاف آپ نے کئی مناظرے کئے اور کرائے، کثرت سے جلسوں کا انعقاد کروایا۔ دعوت و ارشاد اور تزکیۂ نفوس میں بھی آپ کا پایہ بے حد بلند تھا، آپ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں بتائی ہے، آپ کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں: نزھۃ النظر (عربی) پیغام محمدی (اردو- حصہ اول ردعیسائی)، دفع التلبیسات (حصہ اول ردنصاریٰ) مرآۃ الیقین لاغلاط ہدایۃ المسلمین، ترانۂ حجازی بجواب نغمۂ حجازی، غایۃ التنقیح فی اثبات التراویح، احکام التراویح، ارشاد رحمانی و فضل یزدانی، البرہان فی حفاظۃ القرآن، یادایام وغیرہ، آپ کی وفات ۹؍ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۱۹۲۷ء کو خانقاہ مونگیر میں ہوئی، اور وہیں مدفون ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ مصنفہ مولانا محمد ثانی الحسنیؒ ☆ تذکرہ علماء ہندوستان ص ۳۵۱ مؤلفہ مولانا محمد حسین بدایونی، مع تحشیۃ ڈاکٹر خوشتر نورانی ص ۸۱، ۸۲۷)

ہوا، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ صاحب کا بیان ہے کہ:

''مولانا کا خط جب مونگیر پہنچا اور آپ کو پڑھ کر سنایا گیا تو آپ بے تاب ہو گئے، اور فوراً اپنے نواسہ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رحمانی کو طلب فرمایا اور جواب لکھوایا اور اپنے دست خاص سے باوجود ضعف ونقاہت کے دستخط فرمائے، جو دفتر امارت شرعیہ میں محفوظ ہے۔''[1]

مکتوب گرامی کے الفاظ یہ ہیں:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مطبوعہ خط اور اشتہار پہنچا آپ کی جمعیت اسلامی اور علوہمتی اور دینی مستعدی سے نہایت مسرت ہوئی، آپ کی باتیں تو طبیعت کو ایسا بھاتی ہیں کہ جس سے دل بے چین ہو گیا، مگر میری حالت نے ایسا مجبور کر رکھا ہے، کہ اب میں کسی کام کا نہیں ہوں، ضعف کے سوا کچھ حالت قلبی ایسی ہے، جس نے بالکل بیکار کر دیا ہے، جنون کی سی کیفیت ہے، اب یہ جز اس کے کہ قلب میں اس حالت کو دیکھ کر درد ہو اور بے قراری ہو اور کچھ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے، آمین۔

ان شاء اللہ تعالیٰ جلسہ کے وقت اپنے نواسہ کو بھیج دوں گا اور تو کوئی میرے پاس نہیں ہے، میرے ذہن میں کچھ باتیں آتی ہیں مگر قائم نہیں رہتیں، نکل جاتی ہیں، اس لئے میں اس وقت اس کے متعلق کچھ نہیں لکھتا، اگر آپ آجائیں تو اس وقت زبانی گفتگو ہو جائے۔ والسلام

محمد علی

ز خانقاہ رحمانیہ مونگیر — ۱۱ر شوال ۱۳۳۹ھ''[2]

حضرت مولانا شاہ بدرالدین پھلوارویؒ کا جواب

☆ دوسرا اہم ترین خط خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں بدرالکاملین حضرت مولانا شاہ بدرالدین پھلوارویؒ کی طرف سے وصول ہوا[3]، گو کہ تاریخ ارقام کے لحاظ سے خانقاہ مجیبیہ کا جواب خانقاہ رحمانی سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ شاہ بدرالدین صاحب کے خط پر ۱۰ر شوال کی تاریخ درج ہے،

۱– تاریخ امارت ص ۷۲۔

۲– تاریخ امارت ص ۷۳۔

۳– حضرت فیاض المسلمین مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری صاحبؒ پھلواری شریف کے اس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، جس کی سیادت وقیادت عہد مغلیہ سے آج تک چلی آرہی ہے، یہ خاندان مدینہ طیبہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے محمود غزنوی کے زمانہ میں غزنی آیا، اور غزنی سے اس خاندان کے کچھ لوگوں نے ہندوستان کا رخ کیا، خاندان کے بعض افراد دلی میں مقیم ہو گئے، اور بعض نے محمد شاہ شرقی کے دربار کا رخ کیا، اور اس کے دربار میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے، جن کی اولاد مچھلی شہر میں موجود ہے۔ ←

لیکن مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی، غالباً اجلاس سے ایک دن قبل وصول ہوا،[1] حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب نے ارقام فرمایا:

← دسویں صدی ہجری کے شروع میں اس خاندان کے سربرآوردہ بزرگ سید شاہ سعد اللہ جعفری زینبی اپنے صاحبزادہ امیر عطاء اللہ (متوفی ۹۶۴ھ/ ۱۵۵۷ء) کے ساتھ پھلواری شریف آئے، شاہ سعد اللہ کا مزار پن پن ندی کے کنارے منورا سالار پور گاؤں میں ''سعد شہید'' کے نام سے مشہور ہے، شاہ سعد اللہ کے صاحبزادے امیر عطاء اللہ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد شیر شاہ سوری (متوفی ۹۵۲ھ/ ۱۵۴۵ء) کے دربار کا رخ کیا، اور وزارت کے منصب پر فائز ہوئے، شیر شاہ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں سلیم شاہ سوری (متوفی ۹۶۰ھ/ ۱۵۵۳ء) پسر شیر شاہ سوری کے دربار سے منسلک رہے، لیکن وہاں دل نہ لگا تو دلی کا رخ کیا، اور شہنشاہ ہمایون (متوفی ۹۶۲ھ/ ۱۵۵۵ء) کے دربار میں پہنچے، اور منصب وزارت پر فائز ہوئے، خدا بخش خان اورینٹل لائبریری پٹنہ میں آپ کا ایک مرقع موجود ہے جس کے نیچے ''امیر عطاء اللہ جعفری زینبی وزیر ہمایوں بادشاہ'' مرقوم ہے۔

امیر عطاء اللہ اخیر عمر میں ترک سلطنت کر کے پھلواری شریف میں مقیم ہوگئے، اور خلق خدا کی رشد و ہدایت میں مصروف ہوگئے، اس خاندان کو اللہ پاک نے دینی و دنیاوی ہر عزت و بلندی سے سرفراز کیا، اس کے افراد ہر دور میں حکومت کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے، اور علوم دینیہ میں محدث، فقیہ اور فقر و عرفان کی دنیا میں غوث، قطب و ابدال کے مناصب و مقامات پر فائز ہوتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت شمس الدین جنید ثانی (متوفی ۱۰۷۳ھ/ ۱۶۶۳ء)، محبوب رب العالمین حضرت عمادالدین قلندر (متوفی ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء)، آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری (متوفی ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۷ء)، ملا وحید الحق ابدال (متوفی ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۶ء)، سید العلماء مولانا احمدی (متوفی ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۷ء)، شیخ العالمین مخدوم سید شاہ نعمت اللہ قادری (متوفی ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء) حضرت فرد الاولیاء مخدوم سید شاہ ابوالحسن فرد (متوفی ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء)، حضرت مصباح الطالبین مخدوم سید شاہ حبیب حق نصرؔ (متوفی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) وغیرہ خاندان جعفری و زینبی کی ایسی آفتاب و ماہتاب ہستیاں گذری ہیں جن کی ضوفشانیاں پورے برصغیر ہندو پاک پر محیط تھیں (تاریخ اطباء بہار ج ۲ ص ۱۹۳، ۱۹۴ مؤلفہ حکیم محمد اسرار الحق)

حضرت شاہ بدرالدین پھلورویؒ کی ولادت ۲۷ رجمادی الثانیہ یک شنبہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸ راپریل ۱۸۵۲ء کو ہوئی، درسی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ شرف الدین اور مولانا شاہ محمد علی حبیب نصرؔ سے پڑھیں، ۱۰ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۳ رجولائی ۱۸۶۶ء کو حضرت حبیب نصرؔ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، ۲۳ رذی قعدہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۲ رجنوری ۱۸۷۴ء کو جملہ سلاسل مجیبیہ وجنیدیہ کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔

حصن حصین و دیگر کتب حدیث کی سند مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنیؒ سے حاصل کی، حزب البحر کی اجازت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے ملی، حضرت حبیب نصر کے خلفاء میں آپ سب سے ممتاز ہوئے، اور آپ کے بے پناہ فیوض چار دانگ عالم میں ظاہر ہوئے، آپ کے زمانے میں خانقاہ بقعۂ نور معلوم ہوتی تھی، آپ نے قرآن اور علوم احسان کی تدریس کا وسیع پیمانے پر اہتمام کیا، سالہا سال تک مکتوبات صدی کا درس دیا، آپ کے علم و کمال کے اعتراف میں حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۵ء میں شمس العلماء کا خطاب اور خلعت و تمغہ پیش کیا، آپ لینے پر راضی نہیں ہوئے، مگر اصرار پر رکھ لیا اور پھر ۱۹۱۹ء میں واپس کر دیا۔ آپ نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں پرجوش حصہ لیا، بہار میں ان تحریکوں کو آپ کی سرپرستی حاصل تھی، ۱۹ رشوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶ رجون ۱۹۲۱ء کو پتھر کی مسجد میں ایک عظیم الشان اجلاس میں باتفاق جملہ علماء کرام آپ کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور تمام حاضرین نے سمع وطاعت کی بیعت کی۔

آپ کے علمی مضامین اور مقالات کوئی بارہ سو (۱۲۰۰) صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ قلمی۔

حضرت کی شخصیت مرجع خلائق تھی، کامل ۳۳ رسال سریر آرائے سجادہ رہنے کے بعد ۷۵ رسال کی عمر میں شب سہ شنبہ ۱۲ رصفر المظفر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۶ رستمبر ۱۹۲۴ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور مقبرۂ مجیبیہ میں اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ (اعیان وطن مرتبہ حضرت حکیم شعیب نیرؔ صاحب ص ۶۸)

۱- تاریخ امارت ص ۴۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامیٔ ملت جناب مولوی محمد سجاد صاحب دام اکرامکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں جمعیۃ علماء بہار کے اس جلسہ میں حاضر ہونے سے معذور ہوں اور اس تحریر کے ذریعہ سے اپنی رائے ظاہر کر دیتا ہوں۔

محکمۂ شرعیہ کے امیر کے لئے میری رائے میں جو پانچ صفات ہونی بتائی گئی ہیں، بہت مناسب ہیں، اس صوبۂ بہار میں ان صفات سے موصوف اس وقت جناب مولانا شاہ محمد علی صاحب رحمانیؒ کے سوا دوسرے کسی کو میں نہیں پاتا، اس لئے میری رائے ہے کہ اس منصب پر وہی مقرر کئے جائیں اگر علالت مزاج کے عذر سے وہ تشریف نہ لائے ہوں تو ان کا موجود رہنا اس جلسہ میں ضروری نہیں ان کے منتخب ہو جانے کے بعد کوئی شخص ان کی نیابت کرے اور حاضرین سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ان کی اطاعت کا اقرار لے لے اور تہذیب اخلاق کے متعلق ان کے نصائح کو بہ قدر وسعت مان لینے کا اقرار لے، تو یہ کافی ہے اور اگر علماء و مشائخ حاضرین مختلف کئی لوگوں کا نام لیں تو اختلاف کی حالت میں جس کو اکثر لوگ منتخب کریں میں اکثر کی رائے کو قبول کروں گا۔ والسلام

محمد بدر الدین پھلواری

۱۰ر شوال، جمعہ ۱۳۳۹ھ"[۱]

حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلورویؒ کی تائید

☆ اس موقعہ پر پھلواری شریف کی شہرۂ آفاق شخصیت اور ملک گیر خطیب حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلورویؒ کا ذکر بھی بطور خاص کیا جانا چاہئے کہ حضرت مولانا سجادؒ کی تحریک امارت کی حمایت کرنے والے اہم علماء و مشائخ کے ہراول دستہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت بھی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ مولانا سجادؒ کے قدیم سرپرستوں میں تھے، چند سال قبل (۱۹۱۷ء میں) جب مولاناؒ نے جمعیۃ علماء بہار کی تحریک شروع کی تھی اس وقت بھی سب سے پہلے شاہ صاحبؒ ہی نے مولانا سجادؒ کے سر پر بزرگانہ درست شفقت رکھی تھی، اور بہار شریف کے اجلاس جمعیۃ میں بنفس نفیس تشریف لا کر اس تحریک کو تقویت بخشی تھی، نیز جمعیۃ کا دوسرا اجلاس بھی پھلواری شریف میں شاہ صاحبؒ کی راست سرپرستی میں انجام پایا تھا، تحریک امارت میں بھی شاہ صاحبؒ نے مولانا سجادؒ کی پرزور تائید فرمائی تھی، لیکن بعد میں (غالباً امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلورویؒ کے

۱- تاریخ امارت ص ۴۷، ۵۷۔

دورامارت میں) بعض وجوہات کی بنا پر وہ اس تحریک سے بلکہ خود حضرت مولانا سجادؒ سے بھی علٰحدہ ہو گئے تھے، مولانا سجادؒ کے تلمیذ رشید مولانا اصغر حسین بہاریؒ کا بیان ہے:

''جب حضرت استاذ (مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ) نے امارت شرعیہ بہار کی تمہید اٹھائی تو حضرت شاہ صاحب مرحوم (حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی ؒ) نے اس کی تاسیس و تعمیر میں ساتھ دیا، لیکن امارت کے دوسرے دور کے بعد خیال نے پلٹا کھایا جس کے باعث دونوں ہستیوں کے درمیان مخالفت کی خلیج حائل ہوگئی۔''[1]

ان کے علاوہ بہار کے دیگر علماء و مشائخ نے بھی مولانا سجادؒ کی دعوت کا خیر مقدم کیا۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا جواب

حضرت مولانا سجادؒ نے اس موقعہ پر بہار سے باہر بھی کئی اہم شخصیتوں کو بطور خاص دعوت دی تھی، اور ہر جگہ سے اس اقدام کی تحسین کی گئی، دارالعلوم دیوبند سے درج ذیل جواب موصول ہوا:

باسمہ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

از دارالعلوم دیوبند

مکرم بندہ جناب شاہ حبیب الحق و جناب مولوی سجاد صاحب! زاد لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا، بے حد مسرت ہوئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعیۃ علماء بہار کو غیر معمولی کامیابی عنایت فرمائے، خدا کرے کہ کوئی بزرگ متشرع حسب شرائط انتخاب میں آجائیں اور علماء کرام اور مشائخ عظام ان کی اطاعت فرمائیں، اور یہ فریضۂ شرعیہ ادا ہو۔

ہم لوگوں میں سے ایک دو شخص ضرور شریک جلسہ ہوتے مگر چونکہ افتتاح تعلیم کا وقت ہے، اور مہتمم و مدرسین اس میں مشغول ہیں، اس لئے حاضری سے معذور ہیں، امید ہے کہ آپ بھی شرکت قلبی کو کافی خیال فرمائیں گے فقط

احقر محمد احمد مدرسہ دیوبند[2]

تاسیس امارت کے لئے جمعیۃ علماء بہار کا خصوصی اجلاس

بہر حال اس دعوت نامہ کے مطابق ۱۸، ۱۹ر شوال المکرم ۱۳۳۹ھ روز شنبہ و یکشنبہ مطابق

۱- محاسن سجاد ص ۲۵۔

۲- تاریخ امارت ص ۸۳

۲۵، ۲۶ رجون ۱۹۲۱ء کو پتھر کی مسجد پٹنہ میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس خاص زیر صدارت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد منعقد ہوا، جس میں صرف بہار کے نمائندہ علماء کی تعداد ایک سو سے زائد تھی، یوں چار پانچ سو علماء شریک ہوئے، عام شرکاء اجلاس کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی[۱]، بیرونی شخصیتوں میں مولانا آزاد سبحانیؒ اور مولانا سبحان اللہ صاحبؒ مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے، تلاوت قرآن کریم سے مجلس کا آغاز ہوا، صدر استقبالیہ مولانا شاہ حبیب الحق صاحب نے اپنا خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا'' اور نہایت مؤثر اور درد بھرے الفاظ میں انگریزی دور حکومت کے اثرات قبیحہ کو بیان کر کے وقت کے اس اہم فریضہ کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی فرمائی[۲]:

خطبۂ استقبالیہ

''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یکا یک رحمت خدا موجزن ہوئی اور اپنے گنہ گار بندوں کی طرف مخاطب ہو کر **لاتقنطوا من رحمۃ اللہ** کی صدا دی، سب سے پہلے اسی صوبہ کے علماء چونکہ غفلت سے ہوشیار ہوئے اور جمعیۃ علماء کی بنیاد ڈالی، بکھرے ہوئے شیرازہ کا استحکام شروع کیا ہماری اصلاح کی طرف مخاطب ہوئے، حالات موجودہ پر غور وفکر کی تدبیریں نکالیں۔ اسی طرح اب امیر شریعت کے لئے بھی سب سے پہلے یہی صوبہ آگے قدم بڑھاتا ہے، خدا اسے کامیاب کرے اور ساتھ ہی ساتھ تمام صوبۂ ہند کے اس ارادہ پر قائم ہو کر پہلے امیر صوبہ بنائیں، اور یہ امراء مل کر امیر الہند کا انتخاب کریں۔

حضرات! اس زمانہ موجودہ میں جس وقت کہ تمامی اقتدار آپ کے ملیامیٹ ہو گئے، ہر جگہ سے نکالنے کی فکر ہے، بغداد لیا، نجف اشرف لیا، بیت المقدس لیا، قسطنطنیہ کو محصور کیا، مکہ معظمہ کو تباہ کیا، مدینہ منورہ کو برباد کیا، انگورہ پر چڑھائی کا قصد ہے، خلافت تنزل میں آ گئی، تو اب بتائیے کہ ہم کیا کریں، اس زندگی سے تو بدرجہا موت بہتر ہے۔

کیا وہ خدا جس نے اصحاب فیل کو تباہ کیا، نمرود و فرعون کو نار جہنم دکھایا، ہم لوگوں کو اس قعر مذلت سے نکال کر کرسی اعزاز پر نہیں پہنچا سکتا ہے؟ ضرور پہنچا سکتا ہے، یقینی پہنچا سکتا ہے، **لاتھنوا ولاتحزنوا انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین**۔ ایمان کو مضبوط کرو، اسلام کے فدائی بن جاؤ، جان ومال کی قربانیاں کرنے کو تیار ہو جاؤ، **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً** کے مصداق بن جاؤ، بکھرے ہوئے شیرازہ کو باندھ لو۔

دیکھو! یہ آیت جو میں نے ابھی پڑھی ہے، اس پر نظر ڈالو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور صاحب امر کی اطاعت کرو، صاحب امر سے

۱- تاریخ امارت ص ۷۵، ۷۶۔

۲- تاریخ امارت ص ۷۶ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

کیا مراد ہے؟ کیا صرف خلافت وحکومت مراد ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد علماء ہیں، بروایت حضرت ابن عباس اور حسن اور ضحاک، انہیں کی اطاعت فرض ہے، آپ سب لوگ ان کی اطاعت فرض جان کر کیجئے، ان کے احکام کی بجاآوری پر تل جائیے۔ اوران کے احکام کو احکام رسول سمجھئے، جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** [1] اور یہ حضرات ہم لوگوں کی دشواریوں کو آسان کریں، تعصبات ونفسانیت سے علٰحدگی حاصل کریں، خلوص واتحاد کے ڈورے مضبوط کرڈالیں، **رئیس القوم خادمھم** کو اپنا معیار بنائیں۔

اے میرے بزرگو! دین کے پیشواؤ! وراثت ابنیاء کے مستحقو! **انما العلماء ورثۃ الانبیاء** آپ کے لئے ہے، **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** کی شان ہے، **فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادناکم** آپ کی شان ہے، قوم آپ کی محتاج ہے، کشتیٔ اسلام کے آپ ناخدا ہیں، سینکڑوں برس ہوگئے امیر شریعت ندارد ہوگیا، تعصبات ونفسانیت کا زور ہوگیا، ہر شخص کا تشخص الگ ہوگیا، مسائل الگ ہوگئے، مسجدیں الگ ہوگئیں، جس کا جوجی چاہتا ہے کرتا ہے، نہ مسائل دینی، نہ دار القضاء ہے، نہ زکوٰۃ ہے، نہ خیرات ہے، نہ بیت المال ہے۔

کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والے کو قتل کا حکم نہ فرمایا تھا؟ کیا احکام شریعت کے اجراء کی امید غیر اسلامی سلطنت سے کی جاسکتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!

ذرا خدا کے لئے غور کیجئے احادیث وفقہاء کے اقوال پر توجہ فرمائیے، کیا امیر شریعت کی تقرری صرف حکومت وخلافت کے ساتھ مخصوص ہے، کہ جیسے حکومت گئی، یہ فرض کفایہ بھی سر سے اتر گیا؟ نہیں حاشا کلا نہیں، امیر شریعت اور شئے ہے، سلطنت اور شئے ہے سلطنت ملک کا انتظام کرسکتی ہے، مگر اسلامی مسائل کے لئے سلطنت کو بھی امیر شریعت اور علماء کی ضرورت ہے، بہتیرے فرائض اسلامی ہیں، جن کی ادائیگی بلا امیر شریعت ناممکن ہے، اگر امیر شریعت ہوتا ہر صوبہ کا ایک امیر ہوتا، اس کے ماتحت ہر شہر میں نائبین ہوتے، تمام ہند کا ایک امیر الہند ہوتا، تو خلافت کے معاملے میں اتنی دقتیں اٹھانی پڑتیں؟ اس قدر انجمنیں، اس قدر تحریکیں پیش کرنی پڑتیں؟ ایک امیر الہند کی زبان آپ سب کی زبان ہوتی، جو حکم وہ دیتا آپ سب لوگ اس کے معمل ہوتے، اگر واقعی خلافت کے ساتھ ہمدردی ہے اور اماکن مقدسہ کی محبت ہے، تو پہلے اپنی جماعت درست کیجئے، شریعت کے اصول پر چلئے، اپنا ایک سردار بنائیے، کوئی کام دنیا کا بلا سردار کے نہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے حیوان تک میں سردار ہوتے ہیں، اور آپ اشرف

---

[1] اس حدیث کو محدثین نے بے اصل قرار دیا ہے، دیکھئے: المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة ج ۱ ص 459 المؤلف: شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي (المتوفى: 902هـ) المحقق: محمد عثمان الخشت الناشر: دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة: الأولى، 1405هـ – 1985م عدد الأجزاء: 1۔

★ تذكرة الموضوعات ج ۱ ص ۲۰ المؤلف: محمد طاهر بن علي الفتني (المتوفى: 986هـ)

المخلوقات کے سردار نہیں؟ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دس آدمی کی جماعت بھی بلا سردار (یعنی امیر) کے کہیں نہیں بھیجی، اب آپ لوگ اپنا سردار امیر شریعت مقرر فرمائیے۔"[1]

(اس کے بعد مولانا نے امیر شریعت کے شرائط ومعیار کی طرف توجہ دلائی)

اس موقعہ پر داعی اجلاس حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اور صدر اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے جو خطبات پیش فرمائے تھے یقیناً ان سے ہندوستان میں ایک نئی ملی وسیاسی تاریخ کا آغاز ہوا، لیکن یہ خطبات تحریری نہ تھے اس لئے یہ خطبات محفوظ نہ رہ سکے، کاش وہ دستیاب ہوتے تو غیر مسلم ہندوستان کے لئے ہمیں مزید روشنی مل سکتی تھی۔

مجلس شوریٰ وارباب حل وعقد کی خصوصی نشست

ساڑھے گیارہ بجے دن میں صدر اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا خطبۂ صدارت ختم ہوا، اس کے بعد مجلس شوریٰ کی تشکیل کی گئی اور نشست برخاست کردی گئی، پھر چار بجے بعد نماز عصر جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب کے مکان (شیرستان) میں مجلس شوریٰ اور ارباب حل وعقد کی نشست زیر صدارت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد برائے انتخاب امیر شریعت منعقد ہوئی، جس میں روداد کے مطابق ایک سو سے زائد علماء ومشائخ نے شرکت کی، روداد میں تمام کے نام اور پتے بھی درج ہیں، اس خصوصی اجلاس میں سب سے پہلے ناظم جمعیۃ علماء بہار حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ نے اجلاس کے مقاصد پر روشنی ڈالی، پھر حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا مکتوب پیش فرمایا جس میں تعین امیر کے سلسلے میں انہوں نے ایک تجویز پیش فرمائی تھی، اس دوران مسئلۂ امارت پر علماء کے درمیان کافی طویل بحثیں ہوئیں، اوران کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا، پٹنہ کے ایک اہل حدیث عالم مولانا کفایت حسین صاحب نے بھی اپنے بعض شبہات پیش کئے، ان کو بھی تشفی بخش جواب دیا گیا، بالآخر طویل بحث وکلام کے بعد یہ مجلس نو بجے شب میں اختتام پذیر ہوئی، اور باتفاق حاضرین درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

تجاویز انتخاب امیر شریعت ونائب امیر شریعت

"۱- حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین صاحب سجادہ نشیں پھلواری شریف ضلع پٹنہ مدظلہ العالی صوبۂ بہار کے لئے امیر شریعت ہوں۔

---

[1] - تاریخ امارت ص ۷۶ تا ۷۹ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

۲- جناب مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت مقرر ہوں۔
۳- (حضرت) امیر (شریعت) کی مشاورت کے لئے علماء بہار میں سے اہل شوریٰ متعین کردیئے جائیں، جن کی تعداد علاوہ نائب امیر کے نو ہو، اور ان کے انتخاب کا حق مولانا عبدالوہاب صاحب (دربھنگہ)، مولانا صدیق صاحب اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کو دیا جائے۔
۴- حضرت مولانا جناب سید شاہ محمد بدرالدین صاحب قبلہ کے پاس کل ۱۹ رشوال کو اجلاس کے وقت سے پہلے تجویز انتخاب امیر، نائب امیر، اور نیز ارکان شوریٰ کے اسماء گرامی (مجوزہ اصحاب ثلاثہ) منظوری کے لئے بھیج دیئے جائیں، تاکہ واپسی کے بعد اجلاس عام میں اس کا اعلان کردیا جائے۔"[1]

چنانچہ حسب تجویز علی الصباح (۱۹ رشوال کو) تمام تجاویز کی نقل مع اسماء ارکان شوریٰ حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب کی خدمت عالیہ میں بھیجی گئی اور ان سے منصب امارت قبول کرنے کی درخواست کی گئی، نیز نیابت اور ارکان شوریٰ کے بارے میں رائے عالی دریافت کی گئی۔

حضرت امیر شریعت اول کا مکتوب منظوری

صبح آٹھ بجے تک حضرت امیر شریعت کی طرف سے منظوری آ گئی، مکتوب منظوری دفتر امارت میں محفوظ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

جناب مکرم ادام اکرامکم! السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

میں نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا، آپ کو معلوم ہے، اور پرسوں جمعہ کے دن اپنی رائے تحریر کردیا تھا کہ جناب مولوی سید شاہ محمد علی صاحب رحمانیؒ کو میں اس منصب کا اہل جانتا ہوں، آج معلوم ہوا کہ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند، جب بالاتفاق آپ لوگوں کی یہی رائے ہے تو اب قبول کرنے کے سوا کیا چارہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے تو **افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد** نیابت ومجلس شوریٰ کے لئے جن علماء کا انتخاب ہوا اس سے بھی آگاہی ہوئی، یہ سب لوگ مناسب منتخب ہوئے ہیں۔ والسلام

محمد بدرالدین پھلواری اصلح اللہ تعالیٰ حالہ
۱۹ رشوال یکشنبہ ۱۳۳۹ھ[2]

۱- تاریخ امارت ص ۸۰، ۸۱ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی۔
۲- تاریخ امارت ص ۸۲ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی۔

کاروائی آخری اجلاس عام

۱۹ رشوال کو ۹ ربجے دوسرا اجلاس شروع ہوا، تلاوت کلام اللہ ونعتیہ نظم کے بعد تھوڑی دیر حضرت مولانا عبدالاحد صاحب نے تقریر فرمائی، اس کے بعد صدر اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا کامل دو گھنٹے تک طویل خطاب ہوا، مولانا آزاد نے شوریٰ کی ساری کاروائی سے لوگوں کو آگاہ فرمایا، اس کے بعد حضرت مولانا سجادؒ نے حضرت شاہ بدرالدین صاحبؒ کا مکتوب منظوری پیش کیا جس کو خود مولانا آزاد نے بآواز بلند پڑھ کر سنایا، اور تمام علماء کرام وحاضرین سے درخواست کی کہ اگر آپ حضرات کو اس سے اتفاق ہے تو کھڑے ہو کر نائب کے ہاتھ پر اطاعت فی المعروف کی بیعت کیجئے، تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر حضرت مولانا سجادؒ کے ہاتھ پر نیابتاً بیعت کی، پھر حضرت مولانا سجادؒ نے دارالعلوم دیوبند کا وہ خط مجمع کو پڑھ کر سنایا جس میں اکابر دارالعلوم نے امارت کی پرزور تائید کی تھی بلکہ اجلاس میں اپنی شرکت کی خواہش بھی ظاہر کی تھی۔

بوقت ۸ ربجے شب تیسرا اجلاس عام شروع ہوا اور لوگوں کو بلا ٹکٹ شرکت کی اجازت عامہ دے دی گئی، اس کی وجہ سے مجمع اس قدر کثیر ہوا کہ ہال ناکافی پڑ گیا، اکثر لوگوں کو کھڑے ہو کر اجلاس کی ساری کاروائی سننی پڑی، جب کہ بہت سے لوگ اندر بھی داخل نہ ہو سکے اور مایوس لوٹ گئے۔

تلاوت کلام پاک اور نعتیہ نظم کے بعد حکیم عبدالعزیز صاحب[1] اور حکیم رکن الدین

۱- حکیم مولوی عبدالعزیز صاحب عاجزؔ موضع بھوساہی، ڈاکخانہ چندن پٹی، ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے، آپ کے والد ماجد حکیم مولوی حاجی سید شاہ عبدالرحمٰن صاحب مشہور حکیم تھے، انہیں حکیم محمد اسماعیل قندی مصری سے فخر تلمذ حاصل تھا، آپ کے جد امجد حضرت سید فرحت حسین قدس سرہ ایک صاحب باطن بزرگ تھے، جو برصغیر ہند میں شہرت رکھتے تھے۔

حکیم عبدالعزیز صاحب کی ولادت رمضان المبارک ۱۲۸۹ھ (نومبر ۱۸۷۲ء) کو ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب سید الحسنی والحسینی ہے، اصل وطن دہلی ہے، مگر تقریباً دو ڈھائی سو سال قبل بعض وجوہات سے دہلی چھوڑ دی اور کچھ عرصہ علاقہ چھپرہ میں اقامت پذیر رہے، بعد ازاں بھوساہی ضلع مظفر پور منتقل ہو گئے، مختلف اساتذہ سے درسیات بالاستیعاب پڑھی، آخر میں مولانا نعیم صاحب لکھنوی سے علم حدیث کی سند حاصل کی، پھر اپنے والد ماجد سے طب کی مطولات سبقاً پڑھی، تکمیل کے بعد کچھ دنوں بعض مدارس میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر مستقل طور پر مطب کرنے لگے، اونچے درجہ کے حکیم تھے، آپ نے بعض معرکہ کے علاج کئے اور پیچیدہ اور مشکل امراض میں کامیابی حاصل کی، آپ نے اپنے طبی تجربات ''تجربات عزیزی'' کے نام سے کتابی صورت میں مرتب کئے تھے، جس میں ہر مرض کا علاج ہندوستان میں پیدا شدہ جڑی بوٹیوں سے تجویز کیا گیا تھا، غالباً یہ کتاب دارالکتب رفیق الاطباء سے شائع ہوئی، وفات ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء کو ہوئی (تاریخ اطباء بہار ج ۱ ص ۱۲۲، ۱۲۳)

صاحب داناؔ[1] نے تقریریں فرمائیں، اس کے بعد جناب مولانا عبدالقادر آزادؔ سبحانی نے امارت شرعیہ کی تاریخ و اہمیت کے موضوع پر انتہائی فصیح و بلیغ اور مؤثر و مدلل تقریر کی، جس سے مجمع بے حد متأثر ہوا۔

آخر میں حضرت مولانا سجادؒ کے شکریہ اور صدر اجلاس کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔[2]

حضرت مولانا سجادؒ کے ہاتھ پر نیابتاً بیعت امارت

اس طرح اس اجلاس میں باتفاق رائے حضرت بدر الکاملین مولانا شاہ بدر الدین پھلوارویؒ کو امیر شریعت اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا، حضرت مولانا محمد سجادؒ کسی عہدہ کے لئے راضی نہ تھے، لیکن شرکاء کے دباؤ میں آپ نے نائب امیر شریعت کا عہدہ قبول فرمایا۔

۱ - اسم گرامی محمد رکن الدین اور تخلص داناؔ ہے، آپ کے والد ماجد مولوی عبدالحافظ (متوفی ۲ر شوال المکرم ۱۳۲۵ھ مطابق ۸ر نومبر ۱۹۰۷ء) سہسرام کے برگزیدہ اور ہر دلعزیز بزرگوں میں تھے، صاحب نسبت و اجازت تھے، دانا عبدالرزاق صاحب سے اجازت وخلافت حاصل تھی، خاص خاص لوگوں کو مرید بھی فرماتے تھے، اخلاق و مروت اور سادگی میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، آپ پر اہل شہر اور حکام کو خاص اعتماد تھا، عموماً فریقین میں ثالثی کا کام آپ کے سپرد ہوتا اور آپ جو فیصلہ دیتے فریقین اسے منظور کرتے، آپ کا خاندان سہسرام کے طبقۂ شرفاء میں شمار کیا جاتا تھا، سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے، آپ کے مورث اعلیٰ شاہان مغلیہ کے دور میں عرب سے آئے اور پہلے جونپور میں مقیم ہوئے، پھر ان کی اولاد مختلف بلاد وامصار میں پھیل گئی، ان میں شاہ عبدالجلیل قدس سرہ سہسرام تشریف لائے، اور ان سے اس خاندان کا سلسلہ شروع ہوا، آپ کے دادا شیخ عبدالقادر صاحب سہسرام کے ان لوگوں میں سے تھے، جن پر برطانوی حکومت کو خاص اعتماد تھا، آپ سہسرام کے کامیاب اور نامور وکیل تھے۔

حکیم رکن الدین صاحب پانچ بھائی تھے آپ تیسرے نمبر پر تھے، آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر پھر سہسرام کے شاہی مدرسہ خانقاہ میں ہوئی، ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے، اور مسلسل چھ سال وہاں رہ کر عربی درسیات کی تکمیل کی، یہاں مولانا محمد فاروق چریاکوٹی اور مفتی عبداللطیف صاحب سنبھلی سے استفادہ کیا، آخر میں مولانا حفیظ اللہ صاحب تلمیذ رشید فخر المتاخرین حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور خصوصی مقام حاصل کیا، ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں آخری امتحان میں اول آئے، دوران تعلیم طلبہ کو تعلیم بھی دیتے تھے، ندوہ سے فراغت کے بعد مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں مدرس ہوئے، اور وہاں بورڈنگ سپرنٹنڈنٹ بھی رہے، انہی ایام میں طب کی تعلیم شروع کی، اور حکیم عبدالولی صاحب اور حکیم سید محمد باقر سے استفادہ کیا، اور اور تکمیل الطب نیز علم طب کے اعلیٰ درجات کے امتحانات میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ پھر وطن واپس آئے، اور قصبہ جھجوا ضلع شاہ آباد میں اپنے ماموں مولوی شاہ وصی احمد صاحب آنریری مجسٹریٹ کے مطب میں بیٹھنے لگے، پھر مراد آباد گئے، اس کے بعد کلکتہ چلے گئے، کچھ دنوں کے بعد کشن گنج پورنیہ میں مطب کھولا، شعر و شاعری کا بھی اچھا مذاق رکھتے تھے، اس موضوع پر "تحفۂ احسان" آپ کا قیمتی ادبی سرمایہ ہے، تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا علم نہیں ہے، منطق وفلسفہ کے موضوع پر آپ کی دو کتابیں المنطق اور الفلسفہ کافی مقبول ہوئیں (تاریخ اطبائے بہار ج ۱ ص ۱۴۶ تا ۱۴۹ مؤلفہ حکیم محمد اسرار الحق صاحب // تحفۂ احسان (شعرائے کشن گنج کی مختصر تاریخ) ص ۲۵ تا ۲۸ مرتبہ حکیم رکن الدین دانا، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو کشن گنج، ۱۹۴۰ء)

۲ - تاریخ امارت ص ۸۳، ۸۴ مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی بحوالہ روئداد اجلاس خصوصی جمعیۃ علماء بہار۔

اور چونکہ امیر شریعت حضرت مولانا شاہ بدرالدینؒ مجلس میں تشریف نہیں لائے تھے، اور (اپنی سجادگی کی بناپر) پہلے ہی اس کی معذرت فرمادی تھی، اس لئے بحیثیت نائب حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے حضرت امیر شریعت کی طرف سے شرکاء اجلاس سے بیعت سمع وطاعت لی، خانقاہ مجیبیہ کے ترجمان حضرت مولانا حکیم سید محمد شعیب صاحب پھلواروی تحریر فرماتے ہیں:

''۱۹؍شوال المکرم ۱۳۳۹ھ میں بانکی پور محلہ پتھر کی مسجد میں بہ غرض انتخاب امیر الشریعۃ علماء کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوااور علماء کے اتفاق سے ہمارے پیرومرشد مولانا شاہ محمد بدرالدین صاحب نفعنا اللہ والمسلمین ببرکات روحہ وقدس سرہ امیر الشریعۃ منتخب ہوئے، حاضرین نے نیابۃً مولوی محمد سجاد صاحب مہتمم مدرسہ انوارالعلوم گیا کے ہاتھ پر بیعت امارت کی جن میں علماء کی کثیر تعداد اس کارخیر میں سبقت لے گئی۔''[1]

خود حضرت مولانا سجادؒ نے بھی اپنے مقالہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

''چنانچہ بحمداللہ چندسالوں کی پیہم کوشش وتبادلہ خیالات کے بعد ۱۹؍شوال ۱۳۳۹ھ کو وہ مبارک ساعت آئی جس میں علماء کرام ومشائخ عظام اوراعیان بہار کے علاوہ بعض بیرونی علماء کرام کی باہمی مشاورت سے بمقام پٹنہ جمعیۃ علماء بہار کے اجلاس خصوصی میں امیر شریعت کا متفقہ طور پر انتخاب ہوا، نیابۃً بیعت عامہ لی گئی، محکمۂ شرعیہ کے قیام کا اعلان ہوا، اس طرح پر یہ نعمت عظمیٰ سب سے پہلے تمام ہندوستان کی سرزمین میں صوبہ بہار کو ملی، جوشاید قسام ازل نے بلحاظ اولیت اسی کے لئے ودیعت رکھی تھی۔''[2]

پہلی مجلس شوریٰ

تجویز میں مجلس شوریٰ کی تشکیل کا اختیار سہ رکنی کمیٹی (مولانا عبدالوہاب صاحب، دربھنگہ)[3]، مولانا

۱- لمعات بدریہ حصہ سوم ص ۲۰۱ بحوالہ مقالہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی تذکرۂ ابوالمحاسن۔

۲- مقالات سجاد ص ۱۳۷۔

۳- حضرت مولانا عبدالوہاب بلاسپور حیاگھاٹ ضلع دربھنگہ میں ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں پیدا ہوئے، مڈل پاس کر کے تجارت میں لگ گئے، ایک رات خواب میں نبی کریم علیہ ﷺ کی زیارت ہوئی، اس کے بعد دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ مدرسہ عربیہ میں داخلہ لیا، پھر ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں حضرت شیخ الہندؒ کے پاس دورۂ حدیث پڑھا، حضرت شیخ الہند کے خادم خاص رہے، ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں تکمیل فنون کا نصاب مکمل کیا، اورامتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے، روحانی تعلیم حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ سے حاصل کی۔

دیوبند سے فراغت کے بعد ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں مدرس ہوئے، پھر جلد ہی شیخ الحدیث اور مہتمم کے عہدے پر فائز ہوئے، درس وتدریس میں مشغول رہے، قرآن وحدیث سے خصوصی شغف تھا، سیکڑوں علماء نے آپ سے دورۂ حدیث پڑھا، تحریک آزادی میں بھی پیش پیش رہے، کئی بار جیل گئے، وعظ وخطابت میں شہرت رکھتے تھے، جون ۱۹۴۸ء مطابق رجب المرجب ۱۳۶۷ھ میں وفات پائی، اورعلمی دنیا ایک گنجینۂ علم سے محروم ہوگئی، (مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند ص ۶۶، ۶۷ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیرالدین مفتاحی بحوالہ مکاتیب گیلانی ص ۹۰ مرتبہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ)

صدیق صاحبؒ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ) کو دیا گیا تھا۔

چنانچہ ان حضرات نے درج ذیل نو اصحاب علم کے ناموں کی سفارش کی اور حضرت امیر شریعت نے بحیثیت ارکان شوریٰ ان کو منظوری عنایت فرمائی:

☆ حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروئیؒ (جو بعد میں امیر شریعت ثانی ہوئے)

☆ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب (دربھنگہ)

☆ حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ

☆ حضرت مولانا شاہ محمد نور الحسن پھلواروئیؒ [1]

☆ حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ [2]

☆ حضرت مولانا فرخند علی سہسرامیؒ

☆ حضرت مولانا کفایت حسین صاحبؒ

☆ حضرت مولانا زین العابدین صاحب (ڈھاکہ، چمپارن)

۱-حضرت مولانا نور الحسن پھلوارویؒ بن مولانا حکیم محمد مخدوم محی الدین ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں پھلواری شریف میں پیدا ہوئے، تعلیم پھلواری شریف میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحبؒ سے حاصل کی، روحانی تعلیم اوراجازت وخلافت سلسلۂ منعمیہ کے مشہور بزرگ مولانا وحید الحقؒ سے حاصل ہوئی، جید عالم دین اور فقیہ تھے، امارت شرعیہ کے پہلے قاضی تھے، قضا کی خداداد صلاحیت حاصل تھی، بہت سے علماء نے آپ سے کار قضا کی تربیت حاصل کی، ۳/رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۴/اپریل ۱۹۵۶ء کو آپ کی وفات ہوئی، پھلواری شریف میں مدفون ہیں۔ (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۴۰۵ مؤلفہ مولانا ابوالکلام شمسی قاسمی)

۲-اسم گرامی عبدالاحد، والد ماجد کا نام: سرکار ارادۃ اللہ، آپ ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۸/مارچ ۱۹۴۷ء مطابق ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ کو وفات پائی، ''جالہ'' آپ کا مولد و مدفن ہے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اس کے بعد عربی تعلیم کے لئے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے پھر مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں تعلیم حاصل کی، اور اسی زمانے میں حضرت مولانا نصیر الدین نصرؒ (مظفر پوریؒ) سے بھی خصوصی استفادہ کیا تھا، اس کے بعد حضرت نصرؒ ہی کی ہدایت کے مطابق آپ کانپور تشریف لے گئے، پھر آپ ہی کے ایما پر کانپور سے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے،

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں دار العلوم دیوبند سے امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی، دوسرے سال آکر فنون کی تکمیل کی، ڈیڑھ سال حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں رہے، کچھ دنوں حضرت تھانویؒ کی صحبت میں بھی رہ کر استفادہ کیا، طب آپ نے مولانا حکیم محمد حسن صاحب سے پڑھی اور اسی کو ذریعۂ معاش بنایا، مدرسہ احمدیہ مدھوبنی (جو اس وقت علاقہ کا ممتاز مدرسہ تھا) میں آپ شیخ الحدیث تھے، کچھ دنوں آپ نے کلکتہ میں بھی تعلیمی خدمات انجام دیں، وہاں آپ کو مولانا ابوالکلام آزاد کی رفاقت حاصل ہوئی، امارت شرعیہ بہار کے اولین معماروں میں ہیں، علم غیب اور بشریت رسول وغیرہ کے موضوعات پر آپ کے بعض غیر مطبوعہ رسائل بھی تھے افسوس کہ وہ محفوظ نہ رہ سکے (حیات مجاہد مرتبہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ص ۲۹ تا ۳۱، طبع ۲۰۰۲، ۲۰۰۳ء حیدرآباد ☆ مشاہیر علماء دار العلوم دیوبند ص ۶۲ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ مفتی دار العلوم دیوبند ناشر دفتر اجلاس صد سالہ دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء)

☆ حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحبؒ (دیورہ)[۱] جن کو بعد میں مجلس شوریٰ نے پہلا ناظم امارت شرعیہ مقرر کیا۔[۲]

خانقاہ رحمانی مونگیر کی طرف سے اپنے متوسلین کو ہدایات

انتخاب امیر شریعت کا اجلاس انتہائی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، تمام ہی معتبر اداروں اور مؤقر علماء ومشائخ نے اس پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا، اور اپنے اپنے حلقے کو امیر شریعت کی اطاعت کی تلقین کی، اس موقعہ پر حضرت مولانا شاہ محمد علی مونگیریؒ (خانقاہ رحمانی) کی طرف سے جو ہدایت نامہ جاری ہوا اس کا یہ حصہ بے حد اہم اور تاریخی ہے:

> ''امارت شرعیہ کا خاص مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو شریعت اسلامیہ سے آگاہ کریں، اور اسلام کی عملی زندگی میں روح پھونکیں اس لئے میری دلی خواہش ہے کہ تمام مسلمان خصوصاً ہمارے متوسلین امارت شرعیہ کے مقاصد کی تکمیل میں مستعدی سے حصہ لیں، اور اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔
>
> اخیر میں یہ فقیر اپنے خاص محبین سے اتنا اور کہتا ہے کہ اس وقت جو امیر شریعت ہیں، انہوں نے میرے کہنے سے اس امارت کو قبول کیا ہے، اب تمام محبین سے یہ اصرار منت کہتا ہوں، کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں، بلکہ اسلام میں اتفاق کی بنیاد قائم کریں، تاکہ صوبہ بہار کا اتفاق تمام ہندوستان کے لئے نظیر ہو جائے، اور اس نازک وقت میں سب مل کر پوری سعی اور توجہ کے ساتھ مخالفین اسلام آریہ وغیرہ جو اسلام کے مٹانے میں نہایت سرگرم ہیں، پوری مستعدی کے ساتھ تحریری اور تقریری ہر ممکن صورت سے ان کا مقابلہ کریں۔''[۳]

۱- حضرت مولانا سید عثمان غنی صاحب کا تعلق اساس دیورہ ضلع گیا کے خانوادۂ سادات سے ہے۔ رجب ۱۳۱۳ھ مطابق جنوری ۱۸۹۶ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور فراغت حاصل کی، قیام دیوبند کے زمانہ ہی سے حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ و مولانا مدنیؒ کی تحریکی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے تھے، وطن آئے تو حضرت مولانا سجاد کی سرپرستی میں ان کا یہ جوہر کھل کر سامنے آیا، امارت شرعیہ قائم ہوئی تو اس سے وابستہ ہو گئے، اور تا دم آخر یں امارت شرعیہ کے لئے وقف رہے، امارت شرعیہ کے پہلے باقاعدہ ناظم اور پہلے باقاعدہ مفتی ہوئے، جریدۂ امارت کی ترتیب بھی آپ سے متعلق رہی، اپنے ہم وطن مشہور بزرگ حضرت شاہ فدا حسین عثمانی دیورویؒ سے بیعت تھے، ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۸ رد سمبر ۱۹۷۷ء کو پٹنہ میں انتقال فرمایا اور خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (مزید حالات کے لئے دیکھئے فتاوی امارت شرعیہ اور ''ٹوٹے ہوئے تارے'' از شاہ محمد عثمانی)

۲- حیات سجاد ص ۱۳۵ مضمون مولانا عثمان غنیؒ۔

۳- تاریخ امارت ص ۸۶۔

دفتر امارت شرعیہ کا قیام

۹؍ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ (۱۵؍جولائی ۱۹۲۱ء) خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے احاطہ میں دفتر امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، اور حضرت مولانا سجادؒ کی تحریک پر مجلس شوری نے مولانا محمد عثمان غنیؒ کو پہلا ناظم امارت شرعیہ مقرر کیا۔

جمعیۃ علماء بہار نے کچھ ماہ قبل اپنی ایک تجویز کے ذریعہ بیت المال اور دارالقضاء قائم کیا تھا قیام امارت کے بعد مجلس شوریٰ نے بیت المال اور دارالقضاء کو حضرت امیر شریعت کی نگرانی میں لے لیا، حضرت مولانا شاہ محمد نورالحسن پھلوارویؒ کو امارت شرعیہ کا پہلا ناظم بیت المال اور قاضی شریعت مقرر کیا گیا۔

دفتر امارت شرعیہ اور بیت المال کے قیام کے بعد محررین، مبلغین، عمال اور محتسب مقرر کئے گئے۔[1]

حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ بدرالدین پھلوارویؒ کا زمانۂ امارت گو بہت مختصر (دو سال چار ماہ) رہا اور ۱۶؍صفر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۶؍ستمبر ۱۹۲۴ء کو آپ کا انتقال ہوگیا، لیکن یہ زمانہ امارت کے تعارف واستحکام کے حق میں بہت بابرکت ثابت ہوا، حضرت مولانا سجادؒ نے امیر شریعت کی طرف سے پورے صوبہ کا دورہ فرمایا، اور تمام مسلمانوں سے نیابۃً بیعت لی۔

حضرت امیر شریعت اول کا پہلا فرمان

حضرت امیر شریعت اول نے انتخاب کے بعد درج ذیل پہلا فرمان جاری کیا:

''خدا کا شکر ہے کہ صوبہ بہار واڑیسہ کے علماء ومشائخ امارت شرعیہ جیسے اہم مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہوگئے اور بحمداللہ نہایت جوش وعزم راسخ کے ساتھ بحسن وخوبی اس امر کو متفقہ طور پر انجام دیا اور تمام ہندستان کے لئے ایک مہتم بالشان نظیر قائم کردی۔ مگر اس امارت کا بار گراں مجھ ضعیف وناتواں کے کاندھے پر ڈالا گیا جس کے لئے میں تیار نہ تھا لیکن اب جب کہ حضرات علماء ومشائخ نے اس اہم منصب کے لئے متفقہ طور پر مجھ کو منتخب کیا ہے اور اطاعت وفرماں برداری کی بیعت کرلی اور نیز عوام کی ایک کثیر جماعت نے بھی بیعت کرلی تو اب میں نہایت عزم واستقلال کے ساتھ اس اہم منصب کے فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنے دل میں

۱- حیات سجاد ص ۱۳۵، ۱۳۶ مضمون مولانا محمد عثمان غنی صاحبؒ۔

خاص جوش پاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق پر اعتماد کرکے ہر طرح تیار ہوں لہذا آج میں عام اعلان کرتا ہوں، تمام خاص و عام کو متنبہ ہونا چاہیے کہ اس دور پرفتن اور شورش کے زمانہ میں سب سے بڑی سعادت جو تم کو ملی ہے وہ یہی قیام امارت شرعیہ ہے اگر تم نے اس کی قدر کی اور اس کی منزلت کو پہچانا اور اپنے عہد و میثاق پر قائم رہے تو پھر انشاء اللہ تمام مصائب خس و خاشاک کی طرح اڑ جائیں گے۔ صرف ایمان، خوف خدا اور حزم و احتیاط کے ساتھ استقلال کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس امارت کا مقصد کیا ہے، خدمت و حفاظت، بقائے عزت و ناموس دین، اجرائے احکام شرعیہ جو بجز اجتماعی قوت کے ممکن نہیں ہے، اور اسی لئے مقاصد و مصالح شرعیہ کو پیش نظر رکھ کر میں اسی نوع کے احکام جاری کروں گا جس سے حیات اجتماعی کو تعلق ہو اور وہ ایسے احکام ہوں گے جو مسلمانوں کی کسی جماعت کے خلاف نہ ہوں، ہمارا فرض ہوگا کہ کسی مسلمان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے، چونکہ یہ بیعت ہر شخص کے لئے نہایت ضروری ہے اس لئے قریب کے لوگوں کو یہاں آ کر بیعت کر لینی چاہئے اور دوسرے اضلاع کے لئے میں اپنے نائب کو ایک وفد کے ساتھ بیعت لینے اور تشریح احکام کے لئے عنقریب روانہ کروں گا۔

محمد بدرالدین ۲۰ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ"[1]

مولانا عبدالحکیم اوگانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اس کے بعد بہار کے مختلف شہروں میں مولانا سید شاہ محی الدین اور مولانا مرحوم کی سرکردگی میں امارت کا وفد گشت لگاتا رہا، اور مسلمانوں سے شرعی اور اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد و پیمان اور قول و قرار لیتا رہا، اور دیکھا گیا کہ مسلمانوں نے پوری عقیدت اور خلوص کے ساتھ وفد کا خیر مقدم کیا، اور اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلایا۔"[2]

حضرت امیر شریعت اول کی آخری ہدایت

حضرت امیر شریعت اول نے اپنی وفات سے قبل اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ قمر الدین پھلواریؒ کے ہاتھ سے درج ذیل تحریر املا کرائی جس کو ہم ملت کے نام حضرت کی وصیت کہہ سکتے ہیں:

۱- مجموعۂ فرامین حصۂ اول۔ حضرت امیر شریعت صوبہ بہار و اڑیسہ۔ مدظلہ العالی۔ مرتبہ مولانا ابوالبیان صاحب اعجاز گیلانی ناظر دارالامارۃ الشرعیۃ صوبہ بہار و اڑیسہ، مطبوعہ دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف۔ ۱۳۰۴ھ☆ امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۸۱ مؤلفہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

۲- محاسن سجاد ص ۸۔

''شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم لوگوں کو جوصورت تنظیم تعلیم فرمائی ہے اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہیں ہوسکتی، وہ یہ کہ ہر موقعہ انتظام میں زمام نظم کسی ایک شخص کے اختیار میں دے دیا جائے، اورسب لوگ اس کی اعانت کریں، حدیث شریف میں ہے: **اذا خرج ثلثة فی سفر فلیؤمروا احدھم** (تین شخص بھی اگر سفر میں نکلیں تو چاہئے کہ وہ لوگ ایک شخص کو امیر بنالیں (جامع صغیر بسند حسن بحوالہ ابن ماجہ)۔''[1]

'مسئلہ انتخاب امیر شریعت' (ثانی)

حضرت امیر شریعت اول کے وصال کے بعد کسی ممکنہ اندیشہ سے بچنے کے لئے بلا تاخیر 'مسئلہ انتخاب امیر شریعت' کے عنوان سے حضرت مولانا سجادؒ نے ایک پمفلٹ شائع فرمایا، جس کا مضمون یہ تھا:

''حضرت مولانا سید شاہ حاجی محمد بدرالدین صاحب امیر شریعت قدس سرہ العزیز کی وفات سے جہاں اور قسم کی پریشانیاں مسلمانوں کو لاحق ہوئی ہیں۔

وہاں بہت سے مسلمانوں کو تشویش ہوگی، اور فکر مند ہونگے کہ اب امارت شرعیہ کے متعلق کیا ہوگا، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ امارت کا وجود نہ کوئی مخفی سیاسی چیز ہے، اور نہ وقتی شئے، بلکہ یہ خالص مذہبی اصول وشرعی حکم کے ماتحت مسلمانوں کی حیات وزندگی کے لئے لازمی چیز ہے، اور تمام اہل علم واکثر ارباب حل وعقد نے مناسب غور وخوض کے بعد اس چیز کی بناڈالی، اور ہندوستان کے ہر صوبہ کے لئے ایک بہترین نمونہ پیش کیا۔

اگرچہ ابھی وہ تمام مقاصد جو پیش نظر ہیں اور منتہائے امور جو امارت کے ماتحت انجام پانا چاہئے اور مسلمانوں کو جس طرح پر قرون اولیٰ کی طرح متحد ہوکر ایک طاقتور ہستی بن جانا چاہئے، ابھی تک یہ سب نہیں ہوا، اور شاید ابھی ایک مدت تک انتظار کرنا ہوگا۔

اس وقت مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ عام مسلمانوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ جن مقاصد کے لحاظ سے امارت شرعیہ قائم ہوئی ہے، اس کی تکمیل کے لئے امارت شرعیہ ان شاء اللہ برابر قائم رہے گی، اس کے قیام وبقاکی حیثیت سے کوئی تشویش کی وجہ نہیں۔

ہاں ایک مسئلہ جدید انتخاب کا ہے اس کے لئے ایک تاریخ معین ہوگی، تمام ارباب حل وعقد کو دعوت دی جائے گی، اور بہت جلد نہایت آزادی کے ساتھ انتخاب عمل میں آئے گا،

۱- حسن حیات ص ۱۲۵، ۱۲۶ ☆ تاریخ امارت ص ۹۲ بحوالہ حاشیۂ معارف۔

چنانچہ تاریخ انتخاب معین کرنے کے پہلے جمعیۃ علماء بہار کے ارکان منتظمہ و دیگر معزز علماء وارکان شوریٰ امارت کو ۱۹ رصفر ۱۳۴۳ ھ کوطلب کیا گیا ہے جوتاریخ اجلاس جمعیۃ علماء بہار وطریق انتخاب امیر شریعت باہمی مشورہ سے طے کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ دو ہفتہ کے اندر انتخاب عمل میں آئے گا، لیکن اس سے پہلے امارت کا کام جس طرح تھا بدستور جاری رہے گا، اور جتنے عہدہ دار وارکان تھے وہ سب کے سب بدستور رہیں گے، اور نائب نیابتاً تمام خدمات کو انجام دیتا رہے گا، یہی مسئلۂ شرعی ہے اور یہی اصول ہے۔

خدا کی ذات سے امید ہے کہ علماء بہار وعقلاء بہار کو اللہ پاک نے جس طرح پہلے توفیق دی تھی، کہ تمام نفسانیت وخود رائی وخود پسندی چھوڑ کر دین قویم کے اصول واحیاء کے لئے ایک ذات پر متفق ہو کر بیعت اطاعت کر لی تھی، اب بھی ایسا ہی کریں گے، اور بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنے کے بعد اب کبھی نہ بھولیں گے، اور اصل مقصد پر نگاہ کر کے جس طرح تمام اختلافات سے علٰحدہ ہو کر ایک شخص کو اپنا امیر بنایا تھا ویسا ہی اب بھی کریں گے۔"[1]

جمعیۃ علماء بہار کی مجلس منتظمہ کا اجلاس

۱۹ رصفر ۱۳۴۳ ھ (۱۹ رستمبر ۱۹۲۴ء) بروز جمعہ بوقت ۳ ربجے دن حضرت مولانا قاضی سید نور الحسن صاحب کے مکان پر جمعیۃ علماء بہار کی مجلس منتظمہ کا مشترکہ اجلاس انتخاب امیر کے مسئلہ پر غور وخوض کے لئے منعقد ہوا، جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی:

- ☆ مولانا محمد یوسف صاحب رمضان پور
- ☆ مولانا عبدالشکور صاحب بہار شریف
- ☆ مولانا سید شاہ محمد اسمعیل صاحب
- ☆ مولانا ابوالخیرات صاحب سیوان
- ☆ مولانا ریاض احمد صاحب بتیا
- ☆ مولانا خیر الدین صاحب گیا
- ☆ مولانا عبداللطیف صاحب گیا
- ☆ مولانا محمد طٰہٰ صاحب بہار شریف
- ☆ مولانا عبدالکریم صاحب گیا

۱- تاریخ امارت ص ۹۰ تا ۹۲

☆ مولانا عبدالحکیم صاحب گیا
☆ مولانا عبدالحمید صاحب دربھنگہ
☆ مولانا عبدالعزیز صاحب دربھنگہ
☆ مولانا عبدالوہاب صاحب دربھنگہ
☆ مولانا محمد یسین صاحب آرہ
☆ مولانا سید شاہ نورالحسن صاحب قاضی پھلواری شریف
☆ مولانا سید محمد اسحاق صاحب نبیرۂ حضرت مولانا سید محمد علی صاحب مونگیر
☆ مولانا فرخند علی صاحب سہسرام
☆ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت
☆ مولانا محمد عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ
☆ مولانا مقبول احمد صاحب دربھنگہ
☆ مولانا دیانت حسین صاحب دربھنگہ
☆ مولانا قمرالدین صاحب دربھنگہ
☆ مولانا عبدالغفور صاحب آرہ
☆ قاضی احمد حسین صاحب گیا
☆ مولانا حسن آرزو صاحب پھلواری شریف
☆ مولانا عبدالہادی صاحب پھلواری شریف
☆ مولانا عبیداللہ صاحب امجھر شریف گیا
☆ مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب مونگیر
☆ مولانا احمداللہ صاحب گیا
☆ مولانا سید محمد صاحب گیا

اس اجلاس میں علاوہ دوسری تجویزوں کے حضرت امیر شریعت اول کی وفات کے لئے تجویز تعزیت منظور کی گئی، اور انتخاب امیر کے لئے ۸، ۹/ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (۷، ۸/اکتوبر ۱۹۲۴ء) کی تاریخ بمقام پھلواری شریف طے کی گئی، جس میں ارکین جمعیۃ علماء بہار کے علاوہ دیگر اہل الرائے کو بھی مدعو کیا جانا منظور ہوا، اور اجلاس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ

کا اسم گرامی تجویز کیا گیا، مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مولانا قمر الدین پھلوارویؒ[1] مقرر ہوئے، مجلس استقبالیہ نے فوراً تمام علماء کرام واعیان بہار کے نام دعوتی خطوط روانہ کئے، اخبارات میں بھی اعلانات شائع کرائے گئے، حضرت مولانا سجادؒ کا پمفلٹ 'مسئلہ انتخاب امیر شریعت' کی دوبارہ اشاعت کی گئی، اور بالآخر حسب تجویز مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء بہار ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ۷، ۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو پھلواری شریف میں امیر شریعت ثانی کے انتخاب کے لئے عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیری (خانقاہ رحمانی) نے منظور فرمائی تھی، لیکن آپ علالت کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے اور آپ کی جگہ پر آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ لطف اللہؒ نے مسند صدارت کو زینت بخشی، تلاوت ونعت کے بعد مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین پھلوارویؒ نے انتہائی قیمتی خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا، جو بہت قیمتی معلومات پر مشتمل تھا، اور بے حد پسند کیا گیا، پھر صدر اجلاس حضرت مولانا سید شاہ لطف اللہ صاحبؒ نے حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ کا خطبۂ صدارت پڑھ کر سنایا، جس میں انتہائی مدلل اور علمی انداز میں مسئلۂ امارت پر تفصیلی بحث کی گئی تھی، اس سے پہلے اس مسئلہ پر اتنی مفصل علمی تحریر نہیں آئی تھی۔

اس کے بعد حضرت مولانا سجادؒ نے ملک سے آئے ہوئے مختلف پیغامات کی خواندگی فرمائی، مثلاً حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (اس وقت کے نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند وغیرہ، اس اجلاس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بھی تشریف لانے والے تھے، لیکن ریلوے لائن کے خراب ہوجانے کی

۱- حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین قادریؒ حضرت مولانا شاہ بدر الدین قادری پھلوارویؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۳ ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۸۹۵ء میں ہوئی، ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا شاہ محی الدینؒ سے پڑھیں، پھر چند سال تک مولانا عبدالعزیز اجھریؒ سے متوسطات تک کی کتابیں پڑھیں، اثنائے تعلیم مولانا اجھری کا انتقال ہوگیا، تو مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ میں داخل ہوئے، اور وہاں مولانا عبدالحمید ساکن راجو ضلع دربھنگہ، اور مولانا مقبول احمد خان صاحب ساکن گوڑا ضلع دربھنگہ سے ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں درسیات کی تکمیل کی، فراغت کے بعد ایک بڑے اجلاس میں دستار بندی ہوئی جس میں مدرسہ حمیدیہ اور خانقاہ مجیبیہ کے اکابر علماء شریک ہوئے، تعلیم باطنی اور اجازت وخلافت اپنے والد ماجد سے حاصل کی، دو حج کئے اور شیوخ حرمین سے سند حدیث واجازت حاصل کی، مدینہ منورہ میں سید عبداللہ بن محمد غازی سے قصیدہ بردہ کی اجازت بھی ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (۸ مارچ ۱۹۳۵ء) کو حاصل ہوئی، تحصیل علم کے بعد کچھ دنوں درس وتدریس میں مشغول رہے، پھر تصوف میں مشغول ہوگئے، تصوف اور دیگر موضوعات پر کئی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں، ۶، ۷ رشعبان المعظم ۱۳۶۶ھ / ۲۶، ۲۷ جون ۱۹۴۷ء کو اپنے بڑے بھائی کے انتقال کے بعد باتفاق رائے امیر شریعت ثالث منتخب ہوئے، آپ کی وفات ۳۰ جمادی الثانیہ ۱۳۷۶ھ / یکم فروری ۱۹۵۷ء کو شب جمعہ میں ہوئی، خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں مدفون ہیں (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴ بعض تاریخی اصلاحات کے ساتھ)

وجہ سے شریک نہ ہوسکے، اس کی طلاع بھی مجمع کو حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے دی، جو تار کی صورت میں دیوبند سے آیا تھا۔

اس کے بعد انتخاب امیر کا عمل شروع ہوگیا اور کافی دیر تک بحث و تمحیص کے بعد امیر شریعت ثانی کی حیثیت سے باتفاق رائے حضرت مولانا سید شاہ محی الدین پھلواروی کا انتخاب عمل میں آیا[۱] اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ بدستور نائب امیر شریعت کے منصب پر فائز رہے۔

دوسرے دن (۹/ربیع الاول) کو ۱۱/ بجے دن میں اندرون خانقاہ مجیبیہ ایک اجلاس عام

۱-حضرت مولانا شاہ محی الدین صاحب قادریؒ ۳۰/ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ (۱۵/دسمبر ۱۸۷۹ء) کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادری پھلوارویؒ سے اور فارسی مولوی محمد کامل پھلوارویؒ سے حاصل کی، بقیہ درسیات مولانا شاہ حمیدالحق پھلوارویؒ اور مولانا محمد عبداللہ نقشبندی رامپوریؒ سے پڑھیں مولانا عبداللہ رام پوریؒ مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رامپوری کے ارشد تلامذہ میں تھے، سندفراغ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ناصری گنج (تلمیذارشد مولانا عبدالعزیز امروہویؒ) سے حاصل کی، ۱۱/ربیع الاول ۱۳۱۸ھ (۹/جولائی ۱۹۰۰ء) کو بعد نماز ظہر خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں آپ کی دستار بندی ہوئی، اس جلسہ میں مولانا عبداللہ رامپوریؒ، مولانا متیر الدین الہ آبادیؒ، مولانا عبدالوہاب الہ آبادیؒ، مولانا عبدالحمید عظیم آبادیؒ، مولانا شاہ صفت اللہ پھلوارویؒ، اور مولانا شاہ سلیمان پھلوارویؒ جیسی مقتدر شخصیات نے شرکت کی، بعض شیوخ حرمین سے بھی آپ کو اجازت حدیث حاصل ہوئی، شیخ احمد مکیؒ سے مسلسلات کی اجازت ملی، بیعت اپنے والد محترم سے ہوئے، اور ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں اجازت و خلافت سے شرف ہوئے، فراغت کے بعد عرصہ تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا، آپ کے تلامذہ میں مولانا شاہ عباس پھلوارویؒ، مولانا ابوالبرکات صاحب عیسیٰ پوریؒ، مولانا شاہ قمرالدین صاحب پھلوارویؒ، مولانا شاہ نظام الدین صاحب پھلوارویؒ، مولانا شاہ عزیز صاحب فریدی پھلوارویؒ، مولانا شاہ وارث امام صاحب مجیبی پھلوارویؒ، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دینی و ملی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہے، صوبہ بہار کی خلافت کمیٹی کے آپ صدر تھے، آرہ خلافت کانفرنس کی آپ نے صدارت فرمائی، اس موقعہ پر آپ نے بڑی موثر اور پرجوش صدارتی تقریر فرمائی، اس کے بعد ہی آپ کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا، اور دوسرے مواقع پر بھی تقریر کرنے کے جرم میں وارنٹ جاری ہوئے لیکن اس کی تعمیل کبھی نہیں ہوئی۔

جمعیۃ علماء ہند کی تحریک میں بھی شامل رہے، جمعیۃ کے دوسرے اجلاس عام (۱۹۲۰ء) دہلی میں شرکت کی، جمعیۃ علماء بہار کے سالانہ اجلاس دربھنگہ کی صدارت فرمائی، اور نہایت بلیغ و عالمانہ خطبہ پڑھا۔ اپنے والد کے بعد ۱۹/صفر المظفر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹/ستمبر ۱۹۲۴ء بروز جمعہ خانقاہ مجیبیہ کے صاحب سجادہ قرار پائے، اور ۹/ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (۸/اکتوبر ۱۹۲۴ء) کو ایک عظیم الشان اجلاس میں بالاتفاق امیر شریعت بہار و اڑیسہ منتخب ہوئے، جس میں تقریباً چار ہزار علماء، صوفیاء اور دانشوران شریک ہوئے، ۱۳/شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ (۲۶/فروری ۱۹۲۶ء) کو سعادت حج سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ ملک کے ممتاز عالم دین تھے، علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، فقہ کی جزئیات پر بڑی گہری نگاہ تھی، عربی ادب میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے تھے، آپ کے یادگار چار خطبے، کچھ عربی خطوط اور عربی قصیدے ہیں، (جس کی تفصیل اعیان وطن میں موجود ہے) آپ کی کوئی مستقل تصنیف تو موجود نہیں ہے، لیکن مختلف مواقع پر جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس سے زور تحریر اور آپ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت سید احمد بن ادریس اویسی شاذلیؒ کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ (۲۴ صفحات) ہے، جو کتاب "محامد ثمانیہ و اوراد شاذلیہ" کے آخر میں شائع ہوچکا ہے، شعر و شاعری کا بھی نفیس ذوق رکھتے تھے، آپ کے عہد میں امارت شرعیہ نے بہت زیادہ ترقی کی، آپ ہی کے عہد میں امارت شرعیہ نے سیاسی پارٹی قائم کی، ۲۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ (۲۲/اپریل ۱۹۴۷ء) سہ شنبہ کو وفات پائی، (ماخوذ از: اعیان وطن (آثارات پھلواری شریف) ص ۹۸ تا ۱۰۱ مؤلفہ: حضرت مولانا حکیم سید شاہ شعیب نیر پھلوارویؒ، شائع کردہ: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ ☆ تاریخ اطباء بہار ج ۲ ص ۱۹۳ تا ۲۰۲ مؤلفہ حکیم اسرار الحق ☆ امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب ص ۹۴، ۹۵ مؤلفہ: حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ ☆ محی الملۃ والدین" مؤلفہ حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ)۔

منعقد ہوا، جس میں سب سے پہلے حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے یہ اعلان فرمایا کہ:

"کل کی مجلس جس کو انتخاب امیر شریعت کا حق دیا گیا تھا اس نے مولانا شاہ محمد محی الدین صاحب کو باتفاق امیر شریعت منتخب کیا، اور اطاعت فی المعروف کا عہد واثق کیا۔"

اس اعلان کو سن کر جملہ حاضرین کے چہروں پر بشاشت پھیل گئی، اس جلاس میں قریب چار ہزار آدمی شریک تھے، اخیر میں نومنتخب امیر شریعت نے انتہائی پرسوز اور پراثر خطاب فرمایا اور حاضرین سے سمع وطاعت کا عہد لیا۔

اس اجلاس میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مولانا حافظ عبدالحلیم صدیقی بھی شریک ہوئے۔ اجلاس میں ان دونوں بزرگوں کی بھی پرجوش اور موثر تقریریں ہوئیں، پھر دعا پر جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔[1]

حضرت امیر شریعت ثانی کے عہد میں امارت شرعیہ کی توسیع وترقی

حضرت امیر شریعت ثانی کا زمانۂ امارت کافی طویل (۳۳ سال سے زائد) رہا، اور اس دوران امارت کو کافی وسعت وترقی حاصل ہوئی، حضرت مولانا سجادؒ کو بھی آپ کے ساتھ کام کرنے کی طویل مدت میسر ہوئی، آپ کے زمانۂ امارت میں حضرت مولاناؒ تقریباً ۱۵، ۱۶ ر سال باحیات رہے، اور امارت شرعیہ کو بام عروج تک پہنچا دیا۔

امارت شرعیہ کی پالیسی کا اعلان

☆ حضرت امیر شریعت ثانیؒ کے زمانے میں امارت شرعیہ کی آواز بہار کے گاؤں گاؤں تک پہنچانے کے لئے قاضی احمد حسین صاحب کی تحریک اور حضرت مولانا سجادؒ کی تائید سے دستخطی مہم شروع کی گئی، جس میں امارت شرعیہ کی تائید میں ایک تفصیلی مضمون مرتب کر کے اس پر مختلف مسلک ومشرب کے بیالیس ممتاز علماء سے دستخط کرائے گئے، اور مختصر رسالہ (۱۶ صفحات) کی شکل میں اس کو بڑے پیمانے پر شائع کیا گیا، اس سے امارت شرعیہ کے تعارف اور اس کے نظام کی توسیع واشاعت میں کافی مدد ملی، اور عوام وخواص کا اعتماد مضبوط ہوا۔[2]

اس رسالہ کا ایک اقتباس (جس سے امارت شرعیہ کی پالیسی ظاہر ہوتی ہے) ملاحظہ فرمائیں:

۱- تاریخ امارت ص ۹۳ تا ۱۰۱۔

۲- حسن حیات ص ۱۴۰ تا ۱۴۷، یہ پورا مضمون اور علماء کرام کے اسماء گرامی اس کتاب میں موجود ہیں۔

''ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ یہ امر نہایت قابل افسوس ہے کہ بعض حضرات تو ابتدا ہی سے اس معاملہ میں متردد رہے مگر یہ امر چنداں قابل تعجب نہیں ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ ایک عرصہ دراز کی متروک العمل شے کے دوبارہ اجرا میں اس قسم کا تخیل ہونا کوئی مستبعد امر نہیں ہے لیکن اس سے زیادہ افسوسناک یہ ہے کچھ لوگ ''امارت شرعیہ'' کو وہابیت کی نشر واشاعت کا اور بعض حضرات بدعات کی ترویج کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن یہ دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، اور یہ غلطی امارت شرعیہ کے طریقۂ کار سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہوئی ہے، مختلف فیہ مسائل میں جن کی ضرورت اجتماعی زندگی اوراسلامی تمدن میں نہیں ہے ۔ امیر شریعت بحیثیت امیر شریعت نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم جاری نہیں فرمائیں گے، ان مختلف فیہ مسائل میں ہر مسلمان آزاد ہے اپنی تحقیق یا اپنے اساتذہ وشیوخ کی تحقیق کی بنا پر جس مسلک کو چاہے اختیار کرے، اس قسم کی آزادی جس طرح مامورین اور تمام مسلمانان بہار کے لئے ہے ، اسی طرح خود امیر شریعت اور کارکنان امارت کے لئے بھی ہے ۔''[1]

نظارت امور شرعیہ

امیر شریعت ثانی ہی کے عہد میں حضرت مولانا محمد سجادؒ نے امارت شرعیہ کے استحکام وتوسیع کی غرض سے 'مسودۂ نظارت امور شرعیہ' مرتب فرمایا، جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت مولاناؒ اسلام کے مکمل اجتماعی نظام کے قیام کی جدو جہد کو جہاں ضروری سمجھتے تھے ، وہاں دوسری طرف کم سے کم جو چیز مل سکتی ہو، اسے زیادہ سے زیادہ کی تمنا میں چھوڑنے کو بھی تیار نہ تھے، مسودہ مذکورہ حضرت مولاناؒ کے اس خط کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ، جو مولاناؒ نے استصواب رائے کے لئے ذمہ داران کے پاس بھیجا تھا:

دفتر امارت شرعیہ، صوبہ بہار واڑیسہ

پھلواری شریف پٹنہ ۲۵ رصفر ۱۳۵۷ھ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منسلکہ خط مطبوعہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے، یہ خط مختلف صوبوں کے مسلمان وزراء کے نام بھیجنا چاہتا ہوں، اس مسودہ میں جس کمی بیشی کی ضرورت ہو کر کے بھیج دیں، تاکہ دوبارہ آپ کی رائے کی روشنی میں خط مرتب کر کے بھیج دوں، اس سلسلہ میں اور بھی مفید باتیں ذہن میں آئیں

۱- اختلاف مسلک اور امارت شرعیہ ص ۹ شائع کردہ مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

تو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

میری آنکھ کی روشنی میں مرض کی وجہ سے کمی آگئی ہے، اس وجہ سے ایک حد تک خود لکھنے پڑھنے سے مجبور ہوں۔ والسلام

(مولانا) ابوالمحاسن محمد سجاد

(نائب امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ)

دفتر امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ

پھلواری شریف پٹنہ

مسودہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک ضروری امر کے لئے یہ عریضہ بھیج رہا ہوں امید ہے کہ آپ اس پر خاص توجہ فرمائیں گے۔

آپ کے علم میں ہے کہ ہندوستان میں علماء اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ یہاں کے نظام حکومت میں مسلمانوں کی تعلیم، تربیت، معاشرت، اور قوانین مذہبی کے تحفظ کے لئے ایک مخصوص ادارہ قائم کیا جائے لیکن ان بارسوخ حضرات کی وجہ سے جن کی نظر میں اس کی اہمیت نہ تھی، یہ مطالبہ وہ قوت حاصل نہ کرسکا، جس کا یہ مستحق تھا، اور انگریزوں کی اس کھلی روش کے بعد جو انہوں نے سو برس کے عرصہ میں ہندوستان سے اسلامی تمدن کے مٹانے میں اختیار کی ہے، یہ توقع رکھنا کہ اس مطالبہ کو وہ آسانی سے قبول کرلیں گے، عبث تھا لیکن اس مقصد کے حصول کی کوشش حتی الوسع ہم لوگوں نے جاری رکھی ہے۔

اب جب کہ موجودہ اصلاحات کے نفاذ نے ہندوستان میں ناقص لیکن قومی حکومت کی بنیاد رکھ دی ہے، اور بعض امور اب ایک حد تک نمائندگان جمہور کے ہاتھ میں آگئے ہیں، ان مقاصد کے حصول کی ایک راہ نکل آئی ہے۔

مسلمانوں کا کم از کم مطالبہ یہ تھا، ایک بااختیار حاکم امور شرعیہ کی انجام دہی کے لئے مقرر کیا جائے جو قاضی کا تقرر کرے اور مسلمانوں کے تمام امور مذہبی (جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو) کا نگراں رہے، اور خصوصیت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وتربیت کا محافظ ہو، اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے بہتر راہ تو یہ تھی کہ اعلان بنیادی حقوق —— (Fundamental Rights) کے سلسلہ میں ہندوستان کے نظام اساسی میں یہ چیزیں

موجود ہوتیں، لیکن افسوس کہ یہ نہ ہوسکا۔

اب موجودہ حالات میں یہ مناسب ہے کہ نظام شرعی کا ایک ایسا خاکہ پیش کیا جائے، جو موجودہ اصلاحات کے ذریعہ بآسانی چل سکے، اس سے اصلی مطالبہ تو پورا نہ ہوگا لیکن یہ ہوگا کہ ایک ناقص نقش تیار ہوجائے گا، اور کسی حد تک مسلمانوں کی بعض شکایات ومشکلات کا کچھ ازالہ ہوجائے گا۔ اسکیم یہ ہے:

۱- ہر حکومت میں 'ناظرامور اسلامیہ' کا ایک عہدہ رکھا جائے (جو مختلف محکموں کے ڈائرکٹر کے مثل ایک عہدہ ہو اور یہ عہدہ دار کسی مسلمان وزیر کے ماتحت ہو) اور اس کے متعلق حسب ذیل امور ہوں:

(الف) مسلم اوقاف

(ب) تقرر قضاۃ یا تفویض اختیارات قاضی، یا جبوری کے تعین میں مشورہ دینا۔

(ج) ہندوستانی بین الاقوامی معاملات کے متعلق اسلامی بین الاقوامی اصول کے ماتحت حکومت کو مشورہ دینا (اس کی رائے کا ان معاملات میں ایکسپرٹ (ماہر) کی رائے کی حیثیت سے لحاظ رکھا جائے۔

(د) تعلیم کے ہر صیغہ اور درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم یا نگرانی (جیسی صورت حال اور ضرورت ہو) اس کے تحت ہو۔

(ہ) مسلمانوں کے پرسنل لاء کے متعلق قانون سازی کی نگرانی اور اس کے متعلق اگر کوئی غلطی ہورہی ہو یا کسی ذریعہ سے ہوگئی ہو تو حکومت کو اصلاح کا مشورہ دینا۔

(۲) 'ناظرامور اسلامیہ' کے ساتھ ایک مختصر مجلس مشورہ لائق مسلمانوں کی ہو۔

(۳) تمام تقرریاں اور انتخاب مؤقت ہوں۔

(۴-الف) متذکرہ محکمہ کے ساتھ ساتھ حکومت ایک قانون "فسخ نکاح' طلاق وتفریق' وخلع وغیرہ کے لئے اسلامی اصول کے ماتحت پاس کرائے، جس سے وہ مشکلات دور ہوجائیں، جو موجودہ عہد میں شرعاً قاضی مجتہد کے فقدان سے لاحق ہیں اور ہوں گی۔

(ب) تقرر قاضی کے لئے فی الحال یہ صورت اختیار کی جائے کہ مسلمان منصف اور جج کے تقرر کے معیار میں اس کا لحاظ رکھا جائے، کہ فقہ اسلامی کی براہ راست معلومات ان کو ہوں، یا اقل درجہ اس خاص صنف میں ہندوستانی (اردو) میں ضروری تالیفات مہیا کردی جائیں، (اور اس کا ڈیپارٹمنٹل امتحان بھی لے لیا جائے) اور تفویض اختیارات کے وقت ہائی کورٹ یا جوڈیشل محکمہ جس کے بھی حدود ہوں، ان ہی حکام کو نکاح،

طلاق اور تفریق وغیرہ کے مقدمات کی سماعت کے اختیارات دیئے جائیں۔

(ج) ان مقدمات کی سماعت کا ضابطہ اسلامی آداب قضا کے مطابق اردو میں تیار کر دیا جائے، اس طرح تقرر قضاۃ کا مسئلہ بغیر کسی مزید مالی بار کے کسی حد تک حل ہو جائے گا۔

'ناظر امور اسلامیہ' مسلم اوقاف کے ساتھ دوسرے امور حکومت انجام دے گا، تو کوئی مزید مالی بار بھی حکومت پر ایسا نہ پڑے گا، جو غیر معمولی ہو۔

ایک اور ضروری امر مسلمانوں کی فوری توجہ کا محتاج ہے، یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تمام تر تہذیب وتمدن اور معاشرت کی بنا مذہب پر ہے، اب تک انگریزوں نے مسلمانوں کے تمدن کو مٹانے کے لئے طرح طرح کے نظریئے پیدا کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ''حکومت مذہبی تعلیم کی ذمہ دار نہیں ہوسکتی'' اب جب کہ نئی اصلاحات نے صوبوں میں قومی حکومت کی ایک شکل پیدا کر دی ہے، یہ حکومتیں جیسی کچھ بھی ہوں، بہر حال قومی حکومت ہیں، تو ان کو مسلمانوں کے اس جائز واجبی مطالبہ سے کہ تعلیم کے ہر درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم کیا جائے، بے اعتنائی نہ برتنی چاہئے، مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ وقت کے تمام مسائل سے اہم ہے، اس لئے حکومت اور قوم کو اس طرف فوراً توجہ کرنی چاہئے، کیونکہ مسلمانوں کے ہر اجتماعی اور انفرادی اخلاق کی کمزوری کی بنا ان کی مذہبی معلومات اور تربیت کی کمی ہی ہے، اور اس ایک اصلاح سے ان کی بہت سی کمزوریوں کی اصلاح بیک وقت ہو جائے گی، جو حکومت وقت اور ملک سب کے لئے یکساں مفید ہوگی۔

(مولانا) ابوالمحاسن محمد سجاد (نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ)

پھلواری شریف پٹنہ [1]

اس پر حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

''اگر مولانا (سجاد صاحبؒ) کی فکر اور امارت شرعیہ کے نظام کو مختلف صوبے قبول کر لیتے اور امیر الہند کا انتخاب ہو جاتا، اور مسلمانوں کے اس اجتماعی نظام کو ہندوستان کے دستور اساسی میں منوالیا جاتا تو یقیناً آج کے حالات کچھ اور ہوتے، اور بار بار پرسنل لاء میں ترمیم اور دین میں مداخلت کا سوال کھڑا نہ ہوتا۔'' [2]

۱- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۱۰۵ تا ۱۱۱۔

۲- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۱۱۱۔

فصل چہارم

امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا سجادؒ کی خدمات

☆ حضرت امیر شریعت اول کے عہد میں دفتری نظام مرتب اور مضبوط ہوگیا تھا، اور بعض شعبہ جات بھی قائم ہو گئے تھے (جیسا کہ اوپر ذکر آیا) حضرت امیر شریعت ثانی کے زمانے میں مزید شعبہ جات قائم ہوئے، اور ہر شعبہ کے لئے الگ الگ رجال کار مقرر ہوئے، اس طرح حضرت مولانا سجادؒ کی حیات مبارکہ میں امارت شرعیہ کے بنیادی طور پر کل آٹھ مستقل شعبے قائم ہوئے، جن کے ذریعہ پورے بہار میں دینی، علمی اور ملی سرگرمیاں انجام دی گئیں، ان کے آئینے میں امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا محمد سجادؒ کی خدمات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے[1]، اس لئے کہ امارت شرعیہ میں درحقیقت آپ ہی مرکز اعصاب تھے، اور آپ میں منصوبے بنانے اور ان کو عملی قالب میں ڈھالنے کی جو بے نظیر صلاحیت موجود تھی، حضرت امیر شریعت ثانیؒ اس سے پوری طرح باخبر تھے، جس کا اعتراف انہوں نے اپنے ان ارشادات عالیہ میں فرمایا ہے جو حضرت مولانا سجادؒ کی وفات پر قلمبند کئے تھے:

> ''مفید تحریکات پیدا کرنا پھر ان کو عمل میں لانے کی جو صلاحیت یہ رکھتے تھے، اس صلاحیت کا دوسرا آدمی نظر نہیں آتا''[2]

ان شعبہ جات کا تفصیلی تعارف حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی کتاب ''تاریخ امارت'' میں موجود ہے، یہاں بطور شہ سرخیاں ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

دارالقضاء

☆ اس کے پہلے قاضی مولانا نورالحسن صاحب پھلواروی مقرر ہوئے، یہ دارالقضاء پہلے انجمن علماء بہار کے ماتحت قائم ہوا تھا، بعد میں اس کو امارت شرعیہ کے تحت کر دیا گیا۔ پھر اس نظام میں

[1]- آپ کی سیاسی پارٹی ''مسلم انڈی پینڈنٹ پارٹی'' بھی امارت شرعیہ ہی کی نگرانی میں قائم ہوئی تھی، مگر اس کا مستقل ذکر آگے آرہا ہے۔
[2]- حیات سجادص ۶۸ مضمون حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلواروی۔

مزید توسیعات ہوئیں، اور امارت شرعیہ نے اس میدان میں بڑی شہرت و نیک نامی حاصل کی، موجودہ ہندوستان میں اس سے بہتر اور بڑا نظام کہیں موجود نہیں ہے، بلکہ اس کو دنیا کے بڑے عدالتی نظاموں میں شمار کیا جاسکتا ہے، اب تک امارت شرعیہ کے دارالقضا سے سات سو تیس ہزار سے زائد مقدمات کے فیصلے ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے زمانے میں قاضی شریعت کے بعض فیصلوں کے خلاف امیر شریعت کی خدمت میں جو اپیلیں دائر کی جاتی تھیں، ان کا جائزہ بحیثیت نائب امیر شریعت حضرت مولانا سجادؒ لیتے تھے، اور پھر اپنا فیصلہ جاری فرماتے تھے، ان میں سے بعض فیصلے ''قضایا سجادؒ'' کے نام سے امارت شرعیہ سے شائع ہو چکے ہیں۔

امارت شرعیہ کے قاضیوں میں حضرت مولانا قاضی نورالحسن پھلوارویؒ کے بعد حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ قاضی القضاۃ نے نظام قضا کو بڑی وسعت دی اور نقطۂ عروج تک پہنچایا۔

دارالافتاء

☆ دارالافتاء بھی قیام امارت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، جس میں خود حضرت مولانا سجادؒ ہی فتویٰ کا کام بھی کرتے تھے، حضرت مولانا کے فتاوی کا مجموعہ 'محاسن الفتاویٰ' فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول کے نام سے امارت شرعیہ سے شائع ہو چکا ہے، لیکن بعد میں آپ کی مصروفیات کی بنا پر یہ شعبہ مولانا محمد عثمان غنی صاحبؒ کے حوالے کر دیا گیا، اور آپ اس کے پہلے باضابطہ مفتی قرار پائے، بعد کے ادوار میں اس شعبہ سے بڑے اہم علماء وابستہ ہوئے مثلاً: مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، مفتی عباسؒ، مفتی یحییٰ قاسمیؒ، اور مفتی صدر عالم قاسمیؒ وغیرہ۔

شعبۂ دعوت وتبلیغ

☆ اس شعبہ نے بدعات و منکرات کے خاتمہ، ارتداد و انحراف کے فتنوں سے تحفظ اور دین حق کی توسیع و اشاعت میں عظیم الشان خدمات انجام دیں، خود حضرت مولانا سجاد نے شدھی تحریک اور چمپارن کے علاقے میں گدیوں کے درمیان پھیلے ہوئے ارتداد کا مقابلہ کیا۔[1]

☆ فتنۂ راجپال کے انسداد کے لئے حضرت مولانا سجادؒ نے صوبہ کے مختلف مقامات پر جلسے

۱- آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ چمپارن میں گدی قوم کے تقریباً چار سو (۴۰۰) افراد العیاذ باللہ ارتداد کا شکار ہو گئے تھے، آپ کو خبر ملی تو خود تشریف لے گئے اور آپ کی کوششوں سے الحمد اللہ تمام مرتدین تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، تفصیل حضرت مولاناؒ کی دعوتی خدمات کے ضمن میں آئے گی ان شاء اللہ (حیات سجاد ص ۱۱۲، ۱۱۳)

کرائے۔[۱]

اس سلسلے کی مزید تفصیل اسی کتاب میں آگے ''حضرت مولانا کی دعوتی واصلاحی خدمات'' کے تحت آئے گی ان شاء اللہ۔

شعبۂ تنظیم

☆ اس شعبہ کا مقصد ریاست کے ایک ایک فرد کو امارت شرعیہ سے وابستہ کرنا اور ہر بالغ کمانے والے شخص سے سالانہ محصول وصول کرنا ہے، اس کے لئے بعض علاقوں میں خود حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے بھی دورے فرمائے۔

چمپارن کے مسلمان حضرت مولانا سے بہت مانوس تھے، تقریباً ہر سال اواخر شعبان میں آپ وہاں کا دورہ فرماتے تھے، اور رمضان کا بڑا حصہ وہیں گذارتے تھے،۔ ۱۹۳۴ء کے زلزلہ کے موقعہ پر بھی جب آپ کے اکلوتے صاحبزادہ کی وفات ہوئی تو آپ چمپارن ہی میں تھے۔ اسی طرح جس ملیریا بخار میں آپ کی وفات ہوئی آپ کے بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق اس کا آغاز بھی چمپارن ہی سے ہوا تھا۔[۲]

☆ چمپارن کے علاوہ سارن، پورنیہ اور دربھنگہ وغیرہ کے اسفار بھی آپ نے بکثرت فرمائے، پورنیہ کا سفر نامہ تو بعنوان 'ضلع پورنیہ کا دورہ مسلمانوں کا جوش وخروش خوش آئند توقعات' خود آپ کے قلم سے موجود ہے، جس میں مسلمانان پورنیہ کی دینی، اخلاقی اور معاشی صورت حال کا آئینہ بھی آگیا ہے۔[۳]

☆ اسی شعبہ کے تحت ہر چھوٹی بڑی آبادی میں مذہبی سربراہ مقرر کئے گئے جن کا اصطلاحی نام نقیب تھا، نقیب امیر شریعت اور عوام کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

۱- حیات سجاد ص ۱۳۶، ۱۴۷ مضمون مولانا محمد عثمان غنیؒ۔

''راجپال ایک آریہ تھا جس نے 'رنگیلا رسول' نامی ایک ناپاک کتاب لکھی تھی، اور حکومت پنجاب نے جب اس پر مقدمہ چلایا تو ہائی کورٹ سے وہ رہا ہوگیا، اس واقعہ سے مسلمانان ہند میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا، اور خطرہ ہوا کہ مفسد اور شر پسند عناصر اسی طرح اپنے خبث کا مظاہرہ کریں گے، اس لئے پورے ہندوستان میں احتجاجی جلسے اور مظاہرے ہوئے، اور حکومت ہند سے قانون میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا،— ایک مسلمان نے راجپال کو قتل کردیا اور حکومت ہند نے قانون میں ایسی ترمیم منظور کی کہ دوبارہ اس طرح کی کوئی کتاب شائع نہ کی جاسکے'' (حیات سجاد ص ۱۴۷ مضمون مولانا عثمان غنیؒ)

۲- حیات سجاد ص ۱۱۱، ۱۱۲ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب۔

۳- دیکھئے ''مقالات سجاد ص ۸۲ تا ۱۱۵۔

شعبۂ تعلیم

☆ اس شعبہ کا مقصد ریاست کے مسلمانوں میں تعلیمی شعور پیدا کرنا تھا، اس شعبہ کے تحت مختلف علاقوں میں مدارس و مکاتب اور اسکول قائم کئے، غریب طلبہ کے لئے وظائف کا انتظام کیا گیا۔
☆ چمپارن کے دیہاتوں میں خود مولانا سجادؒ نے اپنی نگرانی میں مکاتب قائم کئے، خاص گدی قوم کے لئے بھی دو مکاتب قائم کئے گئے، جن کے اخراجات کی مکمل کفالت کی ذمہ داری امارت شرعیہ نے لی۔
☆ ۱۹۲۶ء میں جب قاضی احمد حسین صاحب کونسل کے ممبر تھے، تو ان کی کوششوں سے ایک مسلمان معلم کو گورنمنٹ کی طرف سے بحال کرایا گیا۔[۱]

شعبۂ تحفظ مسلمین

☆ اس شعبہ کا مقصد مسلمانوں کی جان و مال، دین و ایمان اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے منظم کوششیں کرنا تھا۔

اس شعبہ کے تحت فسادات یا حادثات کے موقعہ پر مسلمانوں کی امداد کا خصوصی اہتمام کیا گیا، حضرت مولانا سجادؒ کے زمانہ میں ۲ راگست ۱۹۳۷ء (۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ) کو بتیا میں انتہائی بھیانک فساد ہوا، بارہ مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے، بے شمار مکانات نذرِ آتش کئے گئے، مولاناؒ اس موقعہ پر بنفس نفیس وہاں تشریف لے گئے، اور انتہائی مشکل اور پرخطر راستوں کا سفر طے کر کے متعلقہ مقامات تک پہنچے، اور مسلسل چھ سات ماہ بتیا میں قیام فرمایا، بڑے بڑے قانون دانوں کی خدمات حاصل کیں اور مظلوموں کو انصاف دلا کر اور ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا، تفصیل صدر النقیب حافظ محمد ثانی اور حاجی شیخ عدالت حسین صاحب وغیرہ کے مضامین میں موجود ہے۔[۲]
☆ اسمبلی اور کونسل میں جب بھی کوئی ایسا مسودۂ قانون آیا جس کا کوئی اثر کسی اسلامی معاملہ پر پڑتا ہو تو سب سے پہلے حضرت مولانا محمد سجادؒ اس کی مخالفت فرماتے تھے۔

مولانا عثمان غنی صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

۱- حیات سجاد ص ۱۱۴، ۱۱۵ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب۔
۲- حیات سجاد ص ۱۱۵ تا ۱۱۸ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب، وص ۱۲۹، ۱۳۰ مضمون حاجی عدالت حسین۔

''راقم الحروف کو خاص تاکید تھی کہ جب کوئی مسودہَ قانون یا کسی عدالت کا فیصلہ ایسا ہو جس کی زد کسی اسلامی قانون پر پڑتی ہو تو فوراً اس کی مخالفت میں مضامین لکھو اور جمعیۃ علماء ہند کو خط کے ذریعہ اطلاع دو۔''[1]

شعبۂ نشر و اشاعت

☆ اس کا مقصد ادارہ کا تعارف، ادارہ کے پیغامات کی ترسیل، دینی علوم کی اشاعت اور باہم افراد وعمال کے درمیان رابطوں کو مضبوط کرنا تھا، اسی شعبہ سے اولاً جریدۂ امارت جاری کیا گیا جس کی ادارت حضرت مولانا عثمان غنی صاحبؒ کے حوالے کی گئی، دفتر کے ناظم بھی مولانا عثمان غنی ہی تھے۔[2]

بیت المال

☆ اس کا مقصد امارت کے مالی نظام کو مستحکم کرنا اور اس میں شفافیت پیدا کرنا تھا، حضرت مولانا شاہ قمرالدین پھلواروی (جو بعد میں امیر شریعت ثالث بھی ہوئے) پہلے ناظم بیت المال مقرر ہوئے۔ بعد میں جب قاضی احمد حسین صاحب مستقل دفتر امارت شرعیہ میں رہنے لگے تو انہوں نے نظام بیت المال کو کافی ترقی دی، قاضی صاحب چاہتے تھے کہ امارت شرعیہ کا بیت المال اس معیار کا ہو جس معیار کا سرکاری محکمۂ خزانہ ہوتا ہے، اس مقصد کے لئے وہ گیا کے رئیس شاہ مصطفیٰ احمد صاحبؒ کو جو ریاست بھوپال میں اکاؤنٹنٹ جنرل (مہتمم دفتر حضور) تھے، اور لندن سے کامرس کی ڈگری حاصل کی تھی، پھلواری شریف لائے شاہ صاحبؒ نے منشی عیسیٰ صاحبؒ کو ٹریننگ دی۔[3]

شعبۂ تربیت سپہ گری

امارت شرعیہ کا ایک اہم ترین شعبہ جس کا عموماً تذکرہ نہیں کیا جاتا شعبۂ تربیت سپہ گری وفنون حرب تھا، حضرت شاہ ابوطاہر فردوسیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے:

''اور امارت کے ذریعہ سے مسلمانوں کو سپاہیانہ فنون کے سکھلانے کا نظم کیا گیا تھا۔''[4]

امیر شریعت کی عدم موجودگی میں بحیثیت امیر شریعت

☆ حضرت امیر شریعت ثانی کو انتخاب کے بعد ہی سفر حج پیش آ گیا، شوریٰ نے طے کیا کہ

۱- حیات سجاد ص ۱۳۷، ۱۳۸ مضمون مولانا محمد عثمان غنیؒ۔
۲- حسن حیات ص ۱۴۷۔
۳- حسن حیات ص ۱۴۹۔
۴- حیات سجاد ص ۲۷ مضمون شاہ ابوطاہر فردوسیؒ۔

امیر شریعت کی عدم موجودگی میں نائب امیر شریعت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ امیر شریعت کی حیثیت سے کام کریں گے چنانچہ اس دوران حضرت مولانا سجادؒ نے امیر شریعت کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔[۱]

حضرت مولانا سجادؒ کی صدارت میں مجلس شوریٰ کا ایک یادگار اجلاس

امیر شریعت کی حیثیت کی تحریری وضاحت

اس دور کا ایک بہت قابل ذکر واقعہ مجلس شوریٰ کا وہ اجلاس ہے جو ۱۹/ربیع الاول ۱۳۵۳ھ (مطابق ۲/جولائی ۱۹۳۴ء) کو حضرت مولانا سجادؒ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، یہ جلسہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں امیر شریعت کی حیثیت کی باقاعدہ تحریری طور پر وضاحت کی گئی تھی، اس کی تفصیل شاہ محمد عثمانیؒ کی کتاب حسن حیات سے پیش ہے:

''امارت شرعیہ مسلمانوں کا ایک مذہبی نظام ہے جو مسلمانوں کے بعض مذہبی امور کو انجام دینے کے لئے قائم ہے، اور جس کا اصول یہ ہے کہ جمعیۃ علماء کے انتظام سے ایک شخص کا انتخاب ہوتا ہے اور اس صوبہ کے مسلمانوں کا مذہبی سردار ہوتا ہے، اور اپنی حیات تک مسلمانوں کا مذہبی پیشوا سمجھا جاتا ہے، اس کے ماتحت ایک مجلس شوریٰ بھی ہوتی ہے جس سے وہ اپنے کاموں میں مشورہ لیتا ہے لیکن وہ مختار مطلق کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے ماتحت ایک مالی صیغہ بھی ہے جسے بیت المال کہتے ہیں، اس کا سکریٹری تمام مالیات کے آمد وخرچ کے لئے امیر اور اس کی مجلس شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہے، اور انہی کی ہدایت کے مطابق تمام کاموں کو انجام دیتا ہے، موجودہ امیر مولانا شاہ محی الدین سجادہ نشیں پھلواری شریف ہیں، اس بیان میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ:

(۱) امیر شریعت مختار مطلق ہے یعنی وہ جمعیۃ علماء یا مجلس شوریٰ یا اور کسی ادارہ کا پابند نہیں ہے۔

(۲) امیر شریعت کا انتخاب جمعیۃ علماء کے انتظام سے ہوتا ہے، چنانچہ امیر شریعت رابع کے انتخاب تک یہ دستور رہا کہ جمعیۃ علماء نے ہی امیر شریعت کے انتخاب کے جلسہ کو بلایا جس میں ارکان جمعیۃ کے علاوہ صوبہ کے دیگر علماء وزعماء کو مدعو کیا گیا، اور اس میں امیر کا انتخاب عمل میں آیا۔

(۳) امیر شریعت تا زندگی امیر شریعت رہے گا۔

جب جمعیۃ علماء نے اپنے مقاصد سے محاکم شرعیہ کے قیام کی دفعہ نکال دی، تو یہ سوال اٹھتا رہا ہے، کہ اب امارت شرعیہ کا ہی کوئی انتخابی محکمہ بنا دیا جائے، جو نقباء اور دیگر کارکنان

۱- حسن حیات ص ۱۴۷۔

امارت کی مدد سے امیر کا انتخاب کرادیا کرے ——

قاضی احمد حسین نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ انہوں نے یہ تجویز مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے رجحان کو مدنظر رکھ کر مرتب کی تھی، مولانا عبدالوہاب صاحب دربھنگہ نے اس سے اختلاف کیا تھا کہ امیر تا زندگی امیر رہے لیکن شوریٰ نے ان کی رائے کو قبول نہیں کیا مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے فرمایا، کہ ایسی کوئی نظیر قولی یا فعلی موجود نہیں ہے، کہ مسلمانوں کا امیر چند عرصہ کے لئے بنایا جاتا رہا ہو مولانا عبدالوہاب اس کا جواب دیتے تھے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جیسا آدمی دو تو اس کو ساری زندگی امیر مان لیا جائے لیکن تم ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تو دوگے نہیں اور کہو گے کہ اس کو ساری زندگی امیر مانو

بہر حال مولانا عبدالوہابؒ نے رائے شماری میں اپنا اختلاف درج نہیں کرایا۔"[1]

امارت شرعیہ میں مالی بحران، اسباب اور حکمت عملی

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے آخری دور حیات میں ایک بار امارت شرعیہ سخت مالی بحران سے دوچار ہوئی، یہاں تک کہ ملازمین کی تنخواہیں بھی مشکل میں پڑ گئیں، اس بحران کی وجہ ملک میں مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت تھی، امارت شرعیہ مسلم لیگ کی پالیسی کو پسند نہیں کرتی تھی، اور مذہبی امور میں بھی مسلم لیگ امیر شریعت کی رائے کو اہمیت دینے کو تیار نہ تھی، اس سیاسی اختلاف کا اثر امارت شرعیہ کی آمدنی پر پڑا، اور سخت مالی بحران پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے امارت کے اخراجات میں تخفیف کرنی پڑی، بعض ملازمین کی تنخواہیں عارضی طور پر بند اور بعض کی کم کر دی گئیں [2]، حالات ایسے سخت تھے کہ امارت شرعیہ کی بقا پر بھی سوالیہ نشان لگنے لگے، اس موقعہ کے کئی نایاب خطوط حضرت مولانا سجادؒ کے تحریر کردہ مولانا شاہ محمد عثمانیؒ نے اپنی کتاب 'حسن حیات' میں محفوظ کر دیئے ہیں، ان میں سے ایک خط بطور نمونہ پیش ہے جو مولانا عثمان غنی صاحبؒ کے نام ہے، اور جن سے اس وقت کے مشکل

۱- حسن حیات ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

۲- جہاں تک خود حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی اپنی ذات گرامی تھی تو وہ ان معاوضوں سے قطعی بے نیاز تھی، آپ کی خدمت خالصتاً فی سبیل اللہ تھی، جناب زکریا فاطمی صاحب شہادت دیتے ہیں کہ:

"مولانا مرحوم تقریباً ۲۲، ۲۳ سال تک قومی سرگرمیوں میں بلا معاوضہ اور بدون توقع کسی صلہ سرگرم کار رہے، نہ دن کو دن سمجھا، اور نہ رات کو رات، اپنے بال بچوں اور اعزہ و اقربا تو کیا خود اپنے نفس کے آرام کا بھی مطلق خیال نہ کیا، اگر دل میں کوئی درد تھا تو قوم کا اور سر میں کوئی سودا تھا تو اسلام کا۔" (محاسن سجاد ص ۱۵)

البتہ آخر میں جب آپ کی موروثی زمینیں نیلام ہو گئیں تو غالباً امارت شرعیہ سے معمولی معاوضہ لینے لگے تھے، اس کا اندازہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے:

"ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، غربت و عسرت کی زندگی تھی، گھر کے خوشحال نہ تھے، امارت سے معاوضہ بہت قلیل لیتے تھے، سفر معمولی سواریوں اور معمولی درجوں میں کرتے تھے۔" (محاسن سجاد ص ۲۱)

حالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

''۲۶؍ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

مکرمی محترمی زاد لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ اس سال مالی دقت تمام سالوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو رہی ہے، جو تمام کارکنوں کو معلوم ہے، وظائف کی ادائیگی ناممکن سی ہو رہی ہے، تقاضا بھی شدید ہوتا ہے، کوئی صورت امید افزا بھی نہیں ہے، اس لئے ان حالات پر آج غور کیا گیا، اخراجات کو کم کرنے کی کوشش کی گئی، اور حضور امیر شریعت مدظلہ میں تمام صورت حال کا نوٹ اور تخفیف کا خاکہ پیش کیا گیا، حضور امیر شریعت نے بھی آج ہی اس پر منظوری دے دی ہے، اس لئے آج ہی آپ کو اس کی اطلاع دے دینا بھی ضروری ہوا کیونکہ یکم جمادی الاول سے اس پر عمل درآمد ہوگا۔

اس میں جو تجویز منظور ہوئی ہے یہ بھی ہے کہ آپ کا اور مولانا قاضی سید نور الحسن صاحب کا عہدہ اعزازی باقی رکھتے ہوئے کل وظیفہ ساقط کر دیا گیا، اور چند مبلغین کا وظیفہ موقوف کر کے ان کو یہ حق دیا گیا، کہ سفارت کی خدمت با کمیشن انجام دے سکتے ہیں، اور دفتر میں اکثر بقیہ لوگوں کے وظیفہ میں تخفیف کی گئی ہے۔

اس کے باوجود بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اخراجات کے مطابق آمدنی ہوگی یا نہیں، دعا فرمائیے کہ امارت شرعیہ کا نظام اور کام جاری و باقی رہے، اور اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دے جن سے مشکلات پر قابو پانا سہل ہو جائے، آپ تو خود پورے حالات سے واقف ہیں۔ والسلام

دستخط مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد[1]

اکابر نے پیٹ پر پتھر باندھ کر امارت شرعیہ کی حفاظت کی

یہ وہ مشکل ترین حالات تھے جن میں امارت شرعیہ کے اکابر پیٹ پر پتھر باندھ کر ملت اسلامیہ کی خدمات انجام دے رہے تھے، لیکن دوسری طرف معاندین کے خیمہ میں مسرت کی لہر جاری تھی اور ان کے بعض قائدین امارت شرعیہ کے خاتمہ تک کی پیش قیاسی کرنے لگے تھے۔ اور شمس ہاشمی صاحب کو ان کے دفاع میں لکھنا پڑا تھا کہ:

''مسلمانان ہند ابھی مدت مدید تک اس امر پر غور کرتے رہیں گے کہ امارت شرعیہ کا تصور صحیح ہے یا غلط؟ لیکن فیصلہ ''امارت شرعیہ کے نظام'' کو محو و منسوخ کرنے کا اگر قوم کبھی بھی دے گی تو وہ دن اس کی مذہبی زندگی کا آخری دن ہوگا، جو تاریخ اسلام میں ایک ''نیا کربلا'' پیدا کر دے گا،

۱۔ حسن حیات ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

آخر حضرت امام حسینؓ بھی تو خلاف جمہوریت آمادۂ پیکار نظر آئے۔ ووٹ کے اعتبار سے تو میدان کربلا میں ان کے صرف بہتر (۷۲) ووٹ تھے اگر آپ کو شبہ ہو تو علامہ اقبال کی سند حاضر ہے:

دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد دوستان او بہ یزداں ہم عدد"[1]

امارت شرعیہ کی سیاسی مخالفت

امارت شرعیہ کے قیام سے قبل جو شبہات واعتراضات تھے وہ اپنی جگہ تھے (جن میں بعض اہم اعتراضات کا ذکر پہلے آچکا ہے) لیکن امارت شرعیہ کے قیام کے بعد اس کی زیادہ تر مخالفت سیاسی بنیادوں پر کی گئی، جن میں بعض بظاہر اعتدال پسند حضرات بھی شامل ہو گئے تھے، حضرت مولانا محمد سجادؒ کے تلمیذ رشید مولانا اصغر حسین بہاریؒ کا بیان ہے کہ:

"بعض اعتدال پسند دوستوں نے مولاناؒ کو ان تمام خوبیوں کا حامل تسلیم کرتے ہوئے بتایا کہ ان سے ایک بڑی غلطی ہوئی، کہ امارت شرعیہ کو پارٹی الیکشن میں استعمال کر کے امارت کو صدمہ پہنچایا، کیونکہ امارت ایک ہمہ گیر ادارہ ہے، اس کی شان مسلمانوں کی پارٹی بندیوں کی لعنت دور کرنا تھی، نہ کہ خود ایک فریق کی حیثیت اختیار کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ ظاہر نظر میں یہ اعتراض وقیع معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بڑا مغالطہ ہے، جس کے ہمارے دوست شکار ہو گئے۔ بے شک پارٹی بندیوں اور تفرقہ اندازیوں کو ختم کرنے یا کم سے کم سب پارٹیوں میں ہم آہنگی پیدا کر کے وحدت قائم کرنا امارت کا نصب العین ہے، لیکن ساتھ ہی اسلامی قوانین وشعائر کے احترام کو باقی رکھنا بھی امارت کا اولین فریضہ ہے، اور آئین شرع کو اغراض پرستوں کے ہاتھ کھلونا ہونے سے بچانا عین مقصد امارت ہے، اب دیکھئے کہ موجودہ حکومت نے نمائندگان عوام کو ملکی قوانین بنانے کا اختیار دے رکھا ہے، مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کا نمائندہ کونسلوں میں جا کر اسلامی آئین اور مذہبی قوانین بلوں پر مہر تصدیق ثبت کر کے توہین اسلام کا مظاہرہ پیش کرتا ہے اور جب علماء مذہب کی جمعیۃ تنبیہ کرتی ہے، تو لبیک کہنے کے بجائے اس کو ٹھکرا دیتا ہے، تو کیا آئین اسلام کے استحفاظ کے لئے کونسلوں میں ایسے ممبران بھیجنا ضروری نہیں جو اسلامیات کے متعلق علماء دین کے فیصلہ کو شاہراہ عمل قرار دیں اور ایسے افراد کو ممبر ہونے سے روکنا فرض نہیں جو کونسلوں میں پہنچ کر بل کے پاس کرنے میں شریعت کا پاس نہ رکھیں، اب اگر اس سلسلہ میں پارٹی بندی لازم آتی ہے، تو امارت اس کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ وہ مطلق العنان امیدوار ہے، اس واسطے پارٹی بندیوں کے الزام وجرم سے امارت کا دامن بالکل

۱- محاسن سجاد ص ۱۵۴۔

پاک ہے۔''[1]

لیکن اللہ پاک نے حضرت مولانا سجادؒ اور آپ کے رفقاء کی اولوالعزمی کی برکت سے امارت شرعیہ کی حفاظت فرمائی اور حالات رفتہ رفتہ درست ہو گئے اور آج سو(۱۰۰) سال ہونے جارہے ہیں، امارت شرعیہ کی عظمت کا آفتاب اب بھی نصف النہار پر ہے۔

نعرۂ تکبیر سے جس کے کہستاں ہل گئے
نغمۂ شیریں سے جس کے کفر وایماں مل گئے

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے انہی حالات کے پیش نظر لکھا تھا:

''بہار میں امارت شرعیہ کا قیام ان (مولانا سجادؒ) کی سب سے بڑی کرامت ہے، زمین شور میں سنبل پیدا کرنا اور بنجر علاقہ میں لہلہاتی کھیتی کھڑی کر لینا ہر ایک کا کام نہیں۔''[2]

کوئی طاقت اس کوہ عزم واستقلال کو متزلزل نہ کرسکی

امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی ؒ نے حضرت مولانا سجادؒ کی روح کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا جس میں اعتراف حقیقت بھی ہے اور اس دور کی مشکلات کی جھلک بھی:

''اس وقت کہ ہندوستان کے بہترین دماغ انقلاب کی نیم خفیہ تدبیریں سوچ رہے تھے، مولانا نے وقت کی صحیح شرعی ضرورت کو سمجھا کر اور شرعی تنظیم کے اصول علماء کو یاد دلائے، اور اس طرح امارت شرعیہ کے قیام کی تحریک تمام ہندوستان میں پھیلائی، اس کے لئے علماء وزعماء ہند کے پاس متعدد سفر کئے، جہاں تک مجھ کو یاد ہے، سال دو سال تک پیہم مخصوص طور پر اس کے لئے جدو جہد کرتے رہے، بالآخر علماء صوبہ بہار کے ذریعہ زعماء اور علماء کی ایک بڑی جماعت کو جمع کر کے اس کی بنیاد ڈالی، اور صوبہ بہار میں امارت شرعیہ قائم کی، بعد کو اس میں اختلافات بھی پیدا کئے گئے لیکن دنیا کی کوئی طاقت اس کوہ عزم واستقلال کو اپنی جگہ سے متزلزل نہ کرسکی، اور بحمد اللہ امارت شرعیہ اپنا کام حسب استعداد برابر کرتی رہی اور کر رہی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ کرتی رہے گی۔''[3]

۱- محاسن سجاد ص ۲۷، ۲۸۔

۲- محاسن سجاد ص ۳۹۔

۳- حیات سجاد مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۶۹۔

کل ہند امارت کا خواب پورا نہ ہوسکا

البتہ حضرت مولانا سجادؒ یہ غم اپنے ساتھ لے کر دنیا سے گئے کہ امارت شرعیہ بہار کے قیام کے بعد مولانا قریب انیس سال باحیات رہے لیکن کل ہند امارت کا خواب ان کا پورا نہ ہوسکا، جس کے لئے وہ جمعیۃ علماء ہند کی طرح پرامید تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ امارت شرعیہ بہار کے قیام کے بعد مولاناؒ کل ہند امارت کے معاملے میں مایوس ہوکر بیٹھ گئے ہوں، بلکہ آپ کی مسلسل کوششیں اس کے بعد بھی جاری رہیں، مثلاً:

☆ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس سوم (۱۸؍نومبر ۱۹۲۱ء مطابق ۱۷؍ربیع الاول ۱۳۴۰ھ) کو بہ مقام بریڈلا ہال لاہور زیر صدارت حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ قیام امارت شرعیہ بہار کے چار ماہ بعد ہوا، آپ کی کوششوں سے اس اجلاس میں بھی امیر الہند کی تجویز پیش کی گئی، جو باہمی اختلافات کی نذر ہوگئی (تفصیل پیچھے گذر چکی ہے)۔

☆ اس سے قبل ۱۸؍ستمبر ۱۹۲۱ء (۱۵؍محرم الحرام ۱۳۴۰ھ) کو جمعیۃ علماء کی مجلس منتظمہ میں بھی یہ تجویز رکھی گئی تھی۔

☆ جمعیۃ علماء ہند کا چوتھا اجلاس ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۲ء کو خود حضرت مولانا سجادؒ کی نگرانی میں ان کے اپنے شہر ''گیا'' میں منعقد ہوا، اس میں بھی قیام امارت اور انتخاب امیر کی شرعی ضرورت کا اعلان کیا گیا، صدر اجلاس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

> ''ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت ہیں، اور ان کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے ''والی'' اور امیر مقرر کریں۔ دار القضاء قائم کر کے قضاۃ اور مفتیین کا تقرر کریں۔ جمعیۃ علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے، اور جمعیۃ علماء کے اجلاس لاہور میں یہ طے ہوا تھا کہ ایک سب کمیٹی کا اجلاس بدایوں میں منعقد کیا جائے جس میں امیر شریعت کے شرائط وفرائض واختیارات وغیرہ مسائل طے کر لئے جائیں اور اس کے بعد انتخاب امیر کا مسئلہ پیش کیا جائے۔
>
> اس قرارداد کے موافق ۸؍ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ کو سب کمیٹی کا اجلاس ہوا اور مختلف مسودے پیش ہوئے مگر ابھی تک ان کا نتیجہ مرتب ہوکر مجلس منتظمہ میں پیش نہیں ہوا، امید ہے کہ جلد از جلد اس کے قواعد مرتب ہوکر انتخاب امیر کا وقت آجائے گا یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ ہندوستان

کے امیر شریعت کے تحت میں صوبہ وار امیر مقرر ہوں گے۔

میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اول صوبہ جات کے امراء کا انتخاب کیا جائے اور جب ہم کو صوبہ جات کی حالت سے اطمینان ہو جائے اس وقت امیر عام کا انتخاب ہونا چاہیئے۔

علماء و مشائخ اور کبراء صوبہ بہار کا مسلمانوں پر بھاری احسان ہے کہ انہوں نے اپنے صوبہ میں امیر شریعت قائم کر کے مسلمانوں کے لئے ایک سڑک تیار کر دی ہے ۔۔۔ امید کرتے ہیں کہ دوسرے صوبہ کے علماء بھی جلد از جلد صوبہ بہار کی تقلید کریں گے۔"[۱]

☆ جمعیۃ علماء بہار کا چھٹا اجلاس (۱۹۲۵ء/ ۱۳۴۳ھ) مرادآباد میں ہوا جس کے صدر عالی قدر خود حضرت مولانا سجادؒ تھے، آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں امارت ہند کی ضرورت و اہمیت پر مفصل گفتگو فرمائی اور آخر میں فرمایا:

"آپ کا فرض ہے کہ آج علمائے کرام و زعمائے ملت جب کہ ایک جگہ ہندوستان کے مسائل پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، تو میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس چیز کو سامنے لانا چاہیئے، اور غور کرنا چاہیئے، اگر آپ نے مرادآباد میں جمع ہو کر اور کچھ نہیں کیا بلکہ صرف اسی امر کے متعلق عمل کرنے کی کوئی شکل پیدا کر لی تو یقین فرمائیے کہ آپ نے سب کچھ کر لیا، کیونکہ تمام چیزیں اس کی نسبت فرع ہیں اور وہ اصل ہے۔"[۲]

☆ اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کلکتہ (۱۹۲۶ء/ ۱۳۴۴ھ زیر صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ) میں، نیز اجلاس پشاور (۱۹۲۷ء/ ۱۳۴۵ھ زیر صدارت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ) میں بھی امارت شرعیہ کے مسئلہ کا ذکر آیا، اور ہر بار اسٹیج سے اس کے قیام کی دعوت دی گئی۔

☆ حضرت مولانا سجادؒ کی حیات میں آخری بار یہ تجویز جمعیۃ علماء ہند کے بارہویں اجلاس جونپور (۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء زیر صدارت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) میں منظور کی گئی، تجویز کے الفاظ تھے:

"تجویز نمبر ۵ انتخاب امیر

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی ترقی اور اقتصادی اصلاح اور ہر نوع کی فوز و فلاح کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے ماتحت اپنا امیر منتخب

۱- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند (۱۹۲۲ء) گیا، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ص ۴۴۔

۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد ص ۳۲،۱۳ (۱۹۲۵ء)۔

کر کے اس کے ہاتھ پر سمع وطاعت کی بیعت کریں، یہ ایک اہم فریضہ ہے جس کی طرف جمعیۃ علماء ہند ۱۹۲۱ء سے مسلمانوں کو توجہ دلا رہی ہے، بہر حال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے، اور اس کے ایک مخصوص اجلاس منعقدہ بدایوں میں تشکیل امارت شرعیہ کا ایک ابتدائی خاکہ بھی مرتب کر کے شائع کیا گیا تھا، بہر حال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے، البتہ شرعی امیر کا انتخاب ایسے شرعی اصول پر ہو جو زیادہ سے زیادہ ارباب حل وعقد کے نزدیک مقبول ومسلم ہو، امیر ایسا شخص ہو جو علوم دینیہ کا ماہر، قومی ضرورتوں سے واقف اور سیاست حاضرہ کا اچھا جاننے والا ہو، اس کے اعمال واخلاق پسندیدہ اور قابل اعتماد ہوں، وہ مستعد اور جری ہو اور اس کی عملی زندگی ممتاز درجہ رکھتی ہو، جمعیۃ علماء ہند ضروری سمجھتی ہے، کہ اول مسلمانوں کو اس فریضہ کی ضرورت اور اہمیت سے روشناس کرایا جائے، پھر مناسب وقت پر انتخاب امیر کے لئے ایسی مخصوص مؤتمر طلب کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ ارباب حل وعقد کو دعوت دی گئی ہو، اور اس میں 'امیر الہند' کا انتخاب کیا جائے، اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، اور اسی روز 'بیت المال' قائم کیا جائے۔"[۱]

لیکن کوئی عملی قدم نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکا، یہاں تک کہ حضرت مولانا سجادؒ کا وقت موعود آ پہنچا اور ۱۷؍شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸؍نومبر ۱۹۴۰ء کو وہ یہ غم اپنے سینے میں دبائے چلے گئے۔

جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت مولانا سجادؒ کے بعد

حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ کے وصال کے بعد بعض ریاستوں (مثلاً یوپی) میں امارت شرعیہ کے لئے کچھ کوششیں کی گئیں، لیکن وہ بھی بے نتیجہ رہیں، اس المیہ کو حضرت مولاناؒ کے شریک کار اور محرم اسرار شاہ محمد عثمانیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"یوپی میں امارت شرعیہ کے قیام کی کوششیں آزادی سے پہلے ہوئیں، لیکن علماء دین کے اختلاف باہمی کا مرکز یوپی کی ریاست رہی، اس لئے مذہبی تنظیم کی اسکیم کامیاب نہ ہو سکی، آزادی کے بعد جمعیۃ اس قابل ہو گئی تھی کہ وہ امارت شرعیہ قائم کرے، مسلمان جمعیۃ کے گرد جمع

۱- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۶۴، ۶۵ تالیف حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ

ہو رہے تھے لیکن سردار پٹیل اور آر ایس ایس والے یہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ مسلمان انقلاب کی تیاریاں کر رہے ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بلکہ انہونی باتوں کو مہیب شکل میں پیش کرتے تھے، اور ان کا ہوّا کھڑا کر دیتے تھے، مولانا حفظ الرحمٰنؒ وغیرہ خائف ہوئے کہ امیر شریعت فی الہند کا انتخاب ہوا تو اس کا مطلب بھی یہی لیا جائے گا، اس لئے امارت کا قیام تو کیا عمل میں آتا جمعیۃ نے سیاست سے علٰحدگی کا اعلان کر دیا، اور جمعیۃ کے مقاصد سے محاکم شرعیہ کے قیام کی دفعہ نکال دی گئی۔"[1]

۱- ٹوٹے ہوئے تارے ص ۱۰۲ مرتبہ: شاہ محمد عثمانیؒ

قومی وملّی خدمات

(۱۱)

گیارہواں باب

ہندوستان میں اسلامی نظام قضا کا نفاذ

حضرت ابوالمحاسنؒ کے تفکر وتفقہ کا مستقل باب

●

علماء ہندوستان میں یہ شرف بھی صرف حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو حاصل ہے کہ انہوں نے غیر اسلامی ہندوستان میں جب اسلامی نظام قضا کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا، اس کا عملی طور پر احیا کیا، آج اس ملک میں نظام قضا زندہ یا متعارف ہے تو وہ مولانا سجادؒ کی کوششوں کی دین ہے، اس مردہ نظام کو جس طرح انہوں نے زندہ کیا وہ ان کی شان تجدید کا مظہر ہے، یہ اللہ پاک کی طرف سے مرد موفق کے علاوہ کوئی دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا تھا، قدرت کی طرف سے یہ مولاناؒ کا انتخاب تھا، اور تجربات وواقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ حسن انتخاب تھا۔

دار القضاء کا اجمالی تذکرہ امارت شرعیہ کے شعبہ جات کے ضمن میں آ چکا ہے، اور اس کی مزید تفصیل بھی وہیں ذکر کی جا سکتی تھی لیکن مستقل حیثیت سے اس کو لانے کا سبب یہ ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ کے نظام قضا کی تاریخ امارت شرعیہ سے بھی قدیم ہے، امارت شرعیہ کی تاسیس سے قبل ہی مولاناؒ کا تصور قضا عملی صورت اختیار کر چکا تھا، اور بہار کے مختلف شہروں میں ان کے کئی دار القضاء وجود میں آ چکے تھے، اس لئے یہ ناانصافی ہوگی اگر ہم اس اہم ترین اور اولین خدمت کو امارت شرعیہ کے محض ایک ذیلی شعبہ کے طور پر پیش کریں، یہ حضرت مولانا سجادؒ کے تفکر و تفقہ کا ایک مستقل باب ہے، یہ ان کی تابناک زندگی کا وہ روشن عنوان ہے جس کی اہمیت وقت کے گذرنے کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔

نظام قضا کی اہمیت

قضا اسلامی معاشرہ کا لازمی عنصر ہے، اس کو فریضۂ محکمہ قرار دیا گیا ہے، امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

فإن القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة۔ [1]

۱- سنن البيهقي الكبرى ج ۱۰ ص ۱۳۵ حديث نمبر:۲۰۲۴۷ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر: مكتبة دار الباز - مكة المكرمة، 1994 - 1414 تحقيق: محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء: 10۔
★سنن الدارقطني ج ۴ ص ۲۰۶ حديث نمبر:۱۵ المؤلف: علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1966 - 1386۔ تحقيق: السيد عبد الله هاشم يماني المدني عدد الأجزاء: 4

ترجمہ: قضا فریضہ محکمہ (غیر منسوخ) ہے، اور ایسی سنت ہے جس کی ہمیشہ اتباع کی جائے گی۔

اسی لئے فقہاء نے بالاتفاق قیامِ قضا کو واجب قرار دیا ہے:

☆ معین الحکام میں ہے:

لا خلاف بین الامة ان القیام بالقضاء واجب۔ [1]

☆ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

أعلم بأن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعد الإيمان بالله تعالى وهو من أشرف العبادات۔ [2]

☆ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

(أَمَّا) الْأَوَّلُ فَنَصْبُ الْقَاضِي فَرْضٌ؛ لِأَنَّهُ يُنْصَبُ لِإِقَامَةِ أَمْرٍ مَفْرُوضٍ، وَهُوَ الْقَضَاءُ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى {: يَادَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ} وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِنَبِيِّنَا الْمُكَرَّمِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ: { فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ } وَالْقَضَاءُ هُوَ: الْحُكْمُ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ، وَالْحُكْمُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَكَانَ نَصْبُ الْقَاضِي؛ لِإِقَامَةِ الْفَرْضِ، فَكَانَ فَرْضًا ضَرُورَةً۔ [3]

☆ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

نَصْبُ الْقَاضِي فَرْضٌ كَذَا فِي الْبَدَائِعِ وهو من أَهَمِّ أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ وَأَقْوَى وَأَوْجَبُ عليهم۔ [4]

☆ علامہ موصلیؒ لکھتے ہیں:

[1]- معین الحکام، الباب الاول فی بیان حقیقة القضاء۔ ص۷ طبع مصطفی البابی الحلبی مصر، ۱۳۹۳ء۔

[2]-المبسوط للسرخسي ج ۱۲ ص ۱۱۴ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م۔

[3]- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۱۵ ص ۲ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية- بيروت—لبنان الطبعة الثانية 1406هـ-1986م محمد عارف بالله القاسمي

[4]-الفتاوى الهندية الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۲۵۰ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق: الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ- 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6۔

القضاء بالحق من أقوى الفرائض وأشرف العبادات۔ [۱]

☆ مجمع الانہر میں ہے:

لهذا قال القضاء بالحق من أقوى الفرائض وأفضل العبادات بعد الإيمان بالله تعالى۔ [۲]

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ یہ انبیاء کی بعثت کے مقاصد میں شامل تھا، انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر خلفاء اسلام کے ادوار میں بھی یہ تسلسل جاری رہا:

ولأجله بعث الأنبياء والرسل صلوات الله عليهم وبه اشتغل الخلفاء الراشدون رضوان الله عليهم۔ [۳]

قضا کا مفہوم اور معیار-قضا کے لئے قوت تنفیذ شرط نہیں

قضا قانون الٰہی کے مطابق لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کرنے کا نام ہے:

وَالْقَضَاءُ هُوَ: الحكمُ بَيْنَ النَّاسِ بِالحقِّ، وَالحكمُ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ۔ [۴]

اس میں قوت جبر اور پولیس کی شرط نہیں ہے، یہ امر زائد ہے، اگر ہو تو بہتر ہے ورنہ یہ لوازم قضا میں شامل نہیں ہے، بعض حضرات کو عالمگیری وغیرہ کی اس عبارت سے شبہ ہوا جس میں قضا کو قول ملزم قرار دیا گیا ہے:

وَالْقَضَاءُ لُغَةً بِمَعْنَى الْإِلْزَامِ وَبِمَعْنَى الْإِخْبَارِ وَبِمَعْنَى الْفَرَاغِ وَبِمَعْنَى التَّقْدِيرِ وفِي الشَّرْعِ قَوْلٌ مُلْزِمٌ يَصْدُرُ عن وِلَايَةٍ عَامَّةٍ كَذَا فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ۔ [۵]

۱- الاختيار لتعليل المختارج ۲ ص ۸۷ المؤلف: عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان - 1426هـ - 2005م الطبعة: الثالثة تحقيق: عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء/ 5

۲- مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحرج ۳ ص ۲۱۱ عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ - 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

۳- المبسوط للسرخسي ج ۱۲ ص ۱۱۴ تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م۔

۴- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۷ ص ۲ علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7

۵- الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۲۴۶ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ - 1991م مكان النشر عدد الأجزاء 6

لیکن فقہاء امت نے صراحت کی ہے کہ مادی طاقت لازمۂ قضا نہیں ہے، علامہ ابن فرحونؒ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ رَشِيدٍ : حَقِيقَةُ الْقَضَاءِ الْإِخْبَارُ عَنْ حُكْمٍ شرعِيّ عَلَى سَبِيلِ الْإِلْزَامِ. قَالَ غَيْرُهُ: وَمَعْنَى قَوْلِهِمْ قَضَى الْقَاضِي أَيْ أَلْزَمَ الحقَّ أَهْلَهُ، وَالدَّلِيلُ عَلَى ذَلِكَ قَوْلُه تَعَالَى { فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الموْتَ } أَيْ أَلْزَمْنَاهُ وَحَتَّمْنَا بِهِ عَلَيْهِ، وقَوْله تَعَالَى {فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ} أَيْ أَلْزِمْ بِمَا شِئْتَ وَاصْنَعْ مَا بَدَا لَكَ.

وَفِي المدْخَلِ لِابْنِ طَلْحَةَ الْأَنْدَلُسِيِ الْقَضَاءُ مَعْنَاهُ الدُّخُولُ بَيْنَ الخَالِقِ وَالخلْقِ لِيُؤَدِّيَ فِيهِمْ أَوَامِرَهُ وَأَحْكَامَهُ بِوَاسِطَةِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ.

قَالَ الْقَرَافِيُ حَقِيقَةُ الحكْمِ إِنْشَاءُ إِلْزَامٍ أَوْ إِطْلَاقٍ وَالْإِلْزَامُ كَمَا إِذَا حَكَمَ بِلُزُومِ الصَّدَاقِ أَوْ النَّفَقَةِ أَوْ الشُّفْعَةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، فَالحكْمُ بِالْإِلْزَامِ هُوَ الحكْمُ، وَأَمَّا الْإِلْزَامُ الحسيُ مِنْ التَرسِيمِ وَالحبْسِ فَلَيْسَ بِحُكْمٍ؛ لِأَنَّ الحاكِمَ قَدْ يَعْجِزُ عَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ يَكُونُ الحكْمُ أَيْضًا بِعَدَمِ الْإِلْزَامِ۔[1]

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

أَمَّا وِلَايَةُ الْقَضَاءِ فَقَالَ الْفَرَّاءُ هَذِهِ الْوِلَايَةُ مُتَنَاوِلَةٌ لِلْحُكْمِ لَا يَنْدَرِجُ فِيهَا غَيْرُهُ. وَقَالَ أَيْضًا فِي مَوْضِعٍ آخَرَ وَلَيْسَ لِلْقَاضِي السِّيَاسَةُ الْعَامَّةُ لَا سِيَّمَا الحاكِمُ الَّذِي لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى التَّنْفِيذِ، كَالحاكِمِ الضَّعِيفِ الْقُدْرَةِ عَلَى الملُوكِ الجبَابِرَةِ فَهُوَ يُنْشِئُ الْإِلْزَامَ عَلَى الملِكِ الْعَظِيمِ وَلَا يَخْطُرُ لَهُ تَنْفِيذُهُ لِتَعَذُّرِ ذَلِكَ عَلَيْهِ، بَلْ الحاكِمُ مِنْ حَيْثُ هُوَ حَاكِمٌ لَيْسَ لَهُ إِلَّا الْإِنْشَاءُ، وَأَمَّا قُوَّةُ التَّنْفِيذِ فَأَمْرٌ زَائِدٌ عَلَى كَوْنِهِ حَاكِمًا فَقَدْ يُفَوَّضُ إِلَيْهِ التَّنْفِيذُ وَقَدْ لَا يَنْدَرِجُ فِي وِلَايَتِهِ۔[2]

علامہ علی بن خلیل طرابلسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وَقَالَ الْقَرَافِيُ: حَقِيقَةُ الحكْمِ إِنْشَاءُ إِلْزَامٍ أَوْ إِطْلَاقٍ. فَالْإِلْزَامُ: كَمَا إِذَا حَكَمَ بِلُزُومِ الصَّدَاقِ أَوْ النَّفَقَةِ أَوْ الشُّفْعَةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ. فَالحكْمُ بِالْإِلْزَامِ هُوَ الحكْمُ

---

[1]-تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ١ ص ١٢ المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى: 799هـ)

[2]- تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ١ ص ٢٦ المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى: 799هـ)

.وَأَمَّا الإِلْزَامُ الحِسِّي مِنَ التَرسِيمِ وَالحبسِ فَلَيسَ بِحُكمٍ ؛ لِأَنَّ الحاكِمَ قَدْ يَعْجِزُ عَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ يَكُونُ الحكمُ أَيْضًا بِعَدَمِ الْإِلْزَامِ، وَذَلِكَ إِذَا كَانَ مَا حُكِمَ بِهِ هُوَ عَدَمُ الْإِلْزَامِ وَأَنَّ الْوَاقِعَةَ يَتَعَيَّنُ فِيهَا الْإِبَاحَةُ وَعَدَمُ الحجرِ۔ [1]

عام مسلمان بوقت ضرورت قاضی کا تقرر کر سکتے ہیں

اسی لئے فقہاء اسلام نے صراحت کی ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے زمان ومکان کی قید نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ کے مسلمان اس فریضہ کے پابند ہیں، خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، ان کا اپنا اقتدار ہو جہاں مسلم حاکم قاضی کا تقرر کرسکتا ہو، یا کسی غیر اسلامی طاقت کے محکوم ہوں، جہاں مسلم حکمراں موجود نہ ہو۔ البتہ جہاں مسلم حکومت ہو وہاں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قاضی کا تقرر کرے یا حاکم (بشرط اہلیت) خود کار قضا انجام دے، اور جہاں اسلامی حکومت موجود نہ ہو اور نہ حکومت کی طرف سے نظم قضا کی امید ہو تو عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی اتفاق سے خود قاضی مقرر کریں، اس پر بہت سی فقہی تصریحات موجود ہیں مثلاً:

☆ علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں:

وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا أو يكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا لهم إماما يصلي بهم الجمعة۔ [2]

البحر الرائق میں ہے:

وفي فَتْحِ الْقَدِيرِ ما يُخالِفُهُ قال وإذا لم يَكُنْ سُلْطَانٌ وَلَا من يجوزُ التَّقْلِيدُ منه كما هو في بَعْضِ بِلَادِ المسْلِمِينَ غَلَبَ عليهم الْكُفَّارُ في بِلَادِ المغْرِبِ كَقُرْطُبَةَ الْآنَ وبالنسية (وبلنسية) وَبِلَادِ الحبَشَةِ وَأَقَرُّوا المسْلِمِينَ عِنْدَهُمْ على مَالٍ يُؤْخَذُ منهم يجبُ عليهم أَنْ يَتَّفِقُوا على وَاحِدٍ منهم يجعَلُونَهُ وَالِيًا فيولي قَاضِيًا وَيَكُونُ هو

[1] -معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام ج ۱ ص ۱۰ المؤلف: علي بن خليل الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين (المتوفى: 844هـ)

[2] -شرح فتح القدير ج ۷ ص ۲۶۴ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت عدد الأجزاء۔

الذي يَقْضِي بَيْنَهُمْ وَكَذَا ينصبوا (ينصبون) إِمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ الجُمُعَةَ اهـ ـ ـ وَأَمَّا فِي بِلَادٍ عليها وُلَاةُ الكفرة (الكفار) فَيَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ إِقَامَةُ الجُمَعِ وَالْأَعْيَادِ وَيَصِيرُ الْقَاضِي قَاضِيًا بتراضي الْمُسْلِمِينَ وَيجب عليهم طَلَبُ وَالٍ مُسْلِمٍ اهـ [1]

علامہ ابن عابدینؒ رقمطراز ہیں:

مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار وفي الفتح وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة اهـ وهذا هو الذي تطمئن النفس إليه فليعتمد نهر۔ [2]

طحطاوی میں ہے:

وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوي غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما اهـ۔ [3]

شاہ عبدالعزیزؒ غیر اسلامی ہندوستان میں نظامِ قضا کے اولین داعی

یہی وہ ذمہ داری تھی جس نے اسلامی ہند کے سقوط کے بعد علماء اسلام کو بے چین کر دیا، جس کے ہراول دستہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ذات گرامی تھی، ہندوستانی علماء میں سب سے پہلے شاہ صاحبؒ ہی نے برطانوی ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور مسلمانوں کو یہاں بطور خود نظامِ امارت اور نظامِ قضا قائم کرنے کی تجویز پیش کی (تفصیل پیچھے گذر چکی ہے)۔ [4]

جب کہ ابھی ہندوستان میں نظامِ قضا بالکلیہ معطل نہیں ہوا تھا، اور مسلم عہد حکومت کے

---

[1] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٦ ص ٢٩٨ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت۔

[2] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٥ ص ٣٦٩ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ- 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

[3] -حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ١ ص ٣٢٨ أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة/ سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر عدد الأجزاء

[4] -مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔

قاضیوں اور مفتیوں کا سلسلہ برقرار تھا، لیکن آپ نے خطرہ کی گھنٹی محسوس فرمالی تھی کہ یہ سلسلہ کبھی بھی موقوف ہوسکتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے فتویٰ کے تقریباً چالیس سال کے بعد ۱۸۶۲ء (۱۲۷۸ھ) میں انگریزوں نے پہلے اسلامی تعزیرات منسوخ کرکے تعزیرات ہند کا نفاذ کیا، پھر ۱۸۶۴ء (۱۲۸۰ھ) میں اسلامی قاضیوں کی تقرری موقوف کردی، اور ۱۸۷۲ء (۱۲۸۹ھ) میں اسلامی قانون شہادت بھی منسوخ کردی گئی۔

فقہ اسلامی کے مذکورہ بالا ضابطہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے اس فتویٰ کے مطابق غیر اسلامی ہندوستان میں سب سے پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنے دور میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اول صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کو قاضی مقرر فرمایا، پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بالحاظ اختلاف مسلک مختلف مسالک کے پانچ سو سے زیادہ علماء کرام سے نظام قضا کے مسئلہ پر تائیدی دستخط حاصل فرمائے۔

یہ تائیدی تحریرات اور دستخط آج بھی محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہیں۔[1]

حضرت مولانا سجادؒ نے اس فکر کو عملی قالب عطا کیا

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے اسی فکری تسلسل کو آگے بڑھایا، اور غیر مسلم ہندوستان میں امارت شرعیہ کے لئے پہلی بار باقاعدہ جدوجہد کا آغاز فرمایا، بقول حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ:

> ''اس مسئلے کو متأخرین علماء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے پوری قوت کے ساتھ اٹھایا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس اللہ سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس کی بھرپور تائید کی۔''[2]

حضرت مولانا محمد سجادؒ اولاً تحریک خلافت میں پیش پیش رہے، پھر انجمن علماء بہار قائم کی، جس کی توسیع بعد میں جمعیۃ علماء ہند کے طور پر ہوئی، لیکن ان تمام کوششوں کے پیچھے ان کا نصب العین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مذکورہ فتویٰ کی روشنی میں نظام امارت وقضا کا قیام تھا، مولانا سجاد

۱۔ نظام قضاء کا قیام ص ۱۰ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۶ء۔

۲۔ نظام قضاء کا قیام ص ۱۱ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۶ء۔

صاحبؒ نے اپنے متعدد فتاویٰ اور مقالات میں اس فتویٰ کا حوالہ دیا ہے، اور اس کو دلیل راہ کے طور پر اپنے سامنے رکھا ہے (تفصیل پہلے گذر چکی ہے)۔[۱]

اس باب میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی حساسیت اور فکرمندی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب مسٹر مانٹیگو وزیر ہند ہندوستان آئے تو ہندوستان کی مختلف تنظیمیں اور سیاسی شخصیات اپنے اپنے مختلف مقاصد کے تحت ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوئیں، لیکن مولانا سجادؒ نے ان سے ہندوستان میں محکمۂ قضا کے قیام کا مطالبہ کیا، مولانا کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ لکھتے ہیں:

> ''جب مسٹر مانٹیگو وزیر ہند (۱۹۱۷ء میں) اعلان (حکومت خود اختیار) کے لئے ہندوستان آئے تو ہندوستان کی تمام جماعتوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق عرضداشتیں پیش کیں مگر مولانا نے ان کے پاس محکمۂ قضاء کے متعلق ایک عرضداشت بھیجی کہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملات اور مقدمات کے فیصلے کے لئے جن میں مسلمان حاکم شرط ہے محکمۂ قضا قائم کیا جائے اور اس کو ان مقدمات کے متعلق ڈسٹرکٹ جج کے برابر اختیارات دیئے جائیں۔ مولانا کی اس عرضداشت پر کوئی توجہ نہ کی گئی۔ مگر مولانا اپنے اس مطالبہ سے کسی وقت بھی غافل نہ ہوئے۔''[۲]

بالآخر مولانا نے جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس اور امارت شرعیہ کے قیام سے قبل جب وہ مدرسہ انوار العلوم گیا (بہار) میں مہتمم و مدرس تھے، مدرسہ کے سالانہ اجلاس (۳۰ رصفر المظفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۵ ردسمبر ۱۹۱۷ء) کے موقعہ پر ''انجمن علماء بہار'' کی بنیاد رکھی، جس کا صدر مقام مدرسہ انوار العلوم گیا قرار پایا، تاکہ اس کے ذریعہ دیگر اجتماعی امور کے علاوہ دار القضاء کے لئے ماحول کو سازگار بنایا جاسکے۔[۳]

اندازہ یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے لئے مولانا کی کوششیں انجمن علماء بہار کے قیام سے قریب دو سال قبل ہی (یعنی تقریباً ۱۹۱۵ء میں) شروع ہوگئی تھیں، جیسا کہ حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے: ''جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے لئے ہندوستان کے اکثر صوبوں میں سفر کر کے علماء میں اس کی تبلیغ کی اور لوگوں کو آمادہ کیا لیکن عمل کی طرف پہلا قدم مولاناؒ کا تھا۔ اس طرح امارت شرعیہ کے قیام کی تحریک تمام ہندوستان میں پھیلائی،

۱- دیکھئے: مقالات سجاد ص ۲ ۱۳ شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ☆ متفقہ فتویٰ علماء ہند تحریر کردہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ص ۳، ۴ مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ سن طباعت ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء۔

۲- حیات سجاد مصنفہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی ص ۳۔

۳- کتاب الفسخ والتفریق ص ۴۳ مصنفہ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ☆ تاریخ امارت شرعیہ ص ۴۱ مرتبہ: مولانا عبدالصمد رحمانی ☆ حسن حیات ص ۴۵ مرتبہ: شاہ محمد عثمانیؒ ☆ حیات سجاد ص ۶۸ مضمون حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلوارویؒ۔

اس کے لئے علماء وزعماء ہند کے پاس متعدد سفر کئے، جہاں تک مجھ کو یاد ہے سال دو سال تک پیہم مخصوص طور پر اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے، بالآخر علماء صوبہ بہار کے ذریعہ زعماء اور علماء کی ایک بڑی جماعت کو جمع کر کے اس کی بنیاد ڈالی۔'' [1]

لیکن جب ان کو محسوس ہوا کہ امارت شرعیہ کے قیام میں فی الوقت کافی دشواریاں ہیں، اور اس کے لئے ذہنی تشکیل میں تھوڑا وقت لگے گا، اور وہ عجلت میں صرف بہار کی حد تک امارت شرعیہ قائم کرنا نہیں چاہتے تھے، ان کی آخر آخر تک یہ کوشش رہی کہ کل ہند سطح پر امارت شرعیہ قائم ہو، جب ہی امارت کی پوری افادیت حاصل ہوسکتی تھی، لیکن مسلم معاشرہ کے کئی مسائل کے حل لئے نظام قضا کی فوری ضرورت تھی، جس کو مستقبل بعید پر ٹالا نہیں جاسکتا تھا، اس لئے ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ نے امارت شرعیہ سے قبل دارالقضاء کی بنیاد ڈال دینے کا عزم کرلیا، لیکن اس کے لئے بھی مجلس علماء کی ضرورت تھی، جو دارالقضاء کی تجویز منظور کرے، قاضی کا تقرر کرے، اور دارالقضاء کے کاموں کی نگرانی کرے، علاوہ مسلمانوں کے ملی اور سیاسی مسائل پر بھی نظر رکھے، انہی وسیع مقاصد کے پیش نظر آپ نے کئی سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد 'انجمن علماء بہار' کی بنیاد ڈالی۔

امارت شرعیہ کے قیام سے قبل دارالقضا کا قیام

چنانچہ ایک سال کی جدوجہد کے بعد 'انجمن علماء بہار' کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ (۲۵ رشعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۴ رمئی ۱۹۲۰ء) پھلواری شریف پٹنہ میں حضرت مولانا نے دوسری کئی تجویزوں کے ساتھ تجویز نمبر پانچ (۵) خاص دارالقضاء کے لئے مرتب فرمائی، جو حسب ذیل الفاظ میں باتفاق رائے منظور ہوئی:

> ''یہ جلسہ انجمن علماء بہار تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی مالی ومذہبی نزاعات کے انفصال کے لئے صوبہ بہار کے تمام اضلاع اور قصبات میں دارالقضاء قائم کیا جائے، جس کے قاضی کا انتخاب منجانب ارکان انجمن علماء بہار ہو اور تمام علماء ومشائخ کو چاہئے کہ اپنے حلقے میں تمام مسلمانوں اور مریدوں کو نہایت شدت کے ساتھ ہدایت کریں کہ وہ اس دارالقضاء کی طرف توجہ کریں۔''

پھر اس اجلاس کی مجلس انتظامی میں یہ تجویز منظور کی گئی:

> ''ارکان انتظامیہ کی یہ مجلس تجویز کرتی ہے کہ حسب تجویز نمبر ۵ اجلاس دوئم منعقدہ ۲۵ رشعبان

۱- حیات سجاد ص ۶۹۔

۱۳۳۸ھ میں ایک دارالقضاء پھلواری شریف میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی جناب مولانا نورالحسن صاحب ہوں اور ایک دارالقضا پٹنہ میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا شاہ حبیب الحق صاحب ہوں، اور ایک دارالقضاء بانکی پور میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی مولانا اعتماد حسین صاحب ہوں اور ایک دارالقضاء مونگیر میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا محمد عمر صاحب ہوں اور ایک دارالقضاء سہسرام میں قائم کیا جائے، جس کے قاضی مولانا فرخند علی صاحب ہوں، اور ایک دارالقضاء آرہ میں قائم کیا جائے جس کے قاضی مولانا عبدالوہاب صاحب ہوں۔"[1]

یہ تمام دارالقضاء انجمن علماء بہار کے زیر نگرانی اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آ گیا تو یہ تمام دارالقضاء امارت شرعیہ کی طرف منتقل ہو گئے، اور امارت شرعیہ کا مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف کا دارالقضاء قرار پایا، اور یہی پورے صوبہ کے مقدمات کی سماعت کرتا رہا، باقی تمام دارالقضاء عملی طور پر آہستہ آہستہ معطل ہو گئے، امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ قمرالدین صاحب پھلورویؒ کے زمانے تک یہی صورت حال رہی، امیر شریعت ثالثؒ کے وصال کے بعد شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ مطابق مارچ ۱۹۵۷ء میں جب امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ (جو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے) کا انتخاب عمل میں آیا، تو انہوں نے محکمۂ قضا پر خصوصی توجہ مرکوز کی، اور پہلی فرصت میں صوبۂ بہار واڑیسہ کے بڑے شہروں میں دارالقضاء قائم کرنے کا فرمان جاری کیا۔[2]

اس کے بعد سے آج تک اس میں مسلسل توسیعات ہو رہی ہیں، اور ابھی تک بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ اور بنگال چار صوبوں میں پینسٹھ دارالقضاء قائم ہو چکے ہیں جس کی نگرانی خود امارت شرعیہ کرتی ہے، مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف پٹنہ میں واقع ہے، جہاں سے تمام دارالقضاؤں کو ہدایات جاری کی جاتی ہیں۔

☆ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت بھی پورے ہندوستان میں مرکزی مقامات پر تقریباً ساٹھ دارالقضا قائم ہیں، جن میں اکثر قضاۃ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار کے تربیت یافتہ ہیں۔

۱- کتاب الفسخ والتفریق ص ۴۳ تا ۴۷ مصنفہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نائب امیر شریعت ثانی، مع ترتیب وتحقیق حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ، ناشر: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، اشاعت سوم ۲۰۰۰ء۔

۲- کتاب الفسخ والتفریق ص ۴۳ تا ۴۷ مصنفہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نائب امیر شریعت ثانی، مع ترتیب وتحقیق حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ، ناشر: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، اشاعت سوم ۲۰۰۰ء۔

دارالقضاء یا جماعۃ المسلمین العدول (شرعی پنچایت)؟

اسی دور میں جب کہ بہار میں امارت شرعیہ اور دارالقضاء کا نظام کامیابی کے ساتھ جاری ہو چکا تھا مجبور عورتوں کے مسائل کے حل کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شاہکار کتاب 'الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ' شائع ہوئی، جو ہندوستان کے علماء حنفیہ اور حجاز مقدس کے علماء مالکیہ سے مراسلت اور تبادلۂ خیالات کے بعد تیار کی گئی تھی، اس کتاب میں امارت اسلامیہ کی عدم موجودگی میں جن مسائل میں قضائے قاضی کی ضرورت ہے ان میں ''نظام قضا'' کے بجائے مسلک مالکی سے ''جماعۃ المسلمین العدول'' (شرعی پنچایت) کا نظریہ اختیار کیا گیا تھا۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنی یہ کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' علماء ہند کے پاس استصواب رائے کے لئے بھیجی تو حضرت مولانا محمد سجادؒ نائب امیر شریعت بہار کو بھی اس کا ایک نسخہ ارسال فرمایا، یہ تقریباً ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق اگست ۱۹۳۴ء کی بات ہے، (یعنی امارت شرعیہ کے قیام کے تقریباً تیرہ سال کے بعد) حضرت مولانا محمد سجادؒ نے کتاب کے بنیادی مندرجات سے اتفاق کرتے ہوئے شرعی پنچایت والے نظریہ سے اختلاف کیا، اور اس کے لئے اختصار کے ساتھ دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا:

> ''اس وقت جزو دوم کا مقدمہ سرسری طور پر دیکھا، دارالکفر میں قضا بین المسلمین کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے جو صورت تجویز فرمائی ہیں وہ نہ معلوم کیوں اس رسالہ میں مذکور نہ ہوئیں، یعنی: یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین اور ان یتفقوا علی واحد یجعلونہ والیاً فیولی قاضیاً الخ۔ اور جب یہ صورت موجود ہے تو پنچایت کی صورت اختیار کرنا بلا ضرورت مسئلۂ غیر کا اختیار کرنا ہوگا ــــ اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت کے علاوہ پنچایت کی عملی دقتیں بہت زیادہ ہیں اور ان شرائط کی نگہداشت بھی بہت مشکل ہوگی۔''[1]

(۱) حضرت مولانا سجاد نے جن نکات کی نشاندہی کی ہے وہ اپنی جگہ بے حد اہم ہیں، دارالقضاء کا نظریہ مسلک حنفی کے مطابق ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسے مواقع پر اصل نظام قضا ہے، جماعۃ المسلمین یا شرعی پنچایت کا نظریہ مسلک مالکی سے لیا گیا ہے، اصول کے مطابق جب تک مسلک حنفی پر عمل کرنا ممکن ہو، حنفی مسلمانوں کے لئے کسی دوسرے مسلک پر عمل یا فتویٰ کی گنجائش نہیں ہے، مولانا سجادؒ

۱- الحیلۃ الناجزۃ ص ۷۷ تا ۷۹ ۳ مطبوعہ مکتبہ رضی دیوبند، سن طباعت ۱۹۹۳ء، مکاتیب سجاد ص ۱۷، ۱۸ شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پٹنہ، سن اشاعت ۱۹۹۹ء

نے انجمن علماء بہار یا امارت شرعیہ کی نگرانی میں نظام قضا کا جو برسوں کامیاب تجربہ کیا تھا، اس کی روشنی میں یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ یہ نظریہ قابل عمل نہیں تھا، اس لئے مسلک غیر کو اختیار کیا گیا۔ اس کا اعتراف حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان الفاظ میں فرمایا:

''اس باب میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ امارت اور اس کے تحت محکمۂ دارالقضاء کا ملک میں قیام کوئی دشوار امر نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی خاص رکاوٹ ہے، اس کا ایک صوبائی نظام پچاس سال سے صوبۂ بہار واڑیسہ میں قائم ہے، صوبہ میں متعدد مقامات پر دارالقضاء قائم ہیں، جہاں امارت کی طرف سے قضاۃ مقرر ہیں، اور ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں مقدمات آ کر فیصل ہوتے رہتے ہیں۔

مسلمان ان دارالقضاؤں میں اپنے ہر طرح کے مقدمات لاتے ہیں، اور آسانی سے انصاف حاصل کرتے ہیں، اور سالہا سال کا تجربہ ہے کہ ان دارالقضاؤں کے فیصل شدہ مقدمات بے چون وچرا مسلمانوں میں مانے جاتے ہیں، اس پورے پچاس سال میں غالباً صرف گیارہ مقدمات ہیں جن کی اپیل سرکاری عدالت میں کی گئی، مگر یہ بات خوشی کی ہے کہ سرکاری عدالت نے ان ہی فیصلہ جات کو برقرار رکھا جو قاضیوں نے کئے تھے۔''[1]

(۲) دوسری بات یہ ہے شرعی پنچایت میں عملی طور پر دشواریاں زیادہ ہیں، جس کی تائید حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے بھی فرمائی، حضرت حکیم الاسلامؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت تھانویؒ نے شرعی کمیٹی کے نام سے فقہ مالکی کی رو سے جو حل پیش فرمایا ہے، وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے اہم اقدام ہے لیکن اس میں بڑی دشواری یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تمام ارکان کمیٹی کا اتفاق فیصلہ میں ضروری ہے، اگر یہ اتفاق حاصل نہ ہو سکے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا—

قلت: فلو أنهما اختلفا فطلق أحدهما ولم يطلق الآخر؟ قال: إذا لا يكون ذلك هناك فراق؛ لأن إلى كل واحد منهما ما إلى صاحبه باجتماعهما عليه[2]

اس طرح ایک عجیب الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور اصل میں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تحکیم کی صورت نظام قضاء کے تحت معاملہ کو سلجھا لینے کی ایک راہ ہے اگر تحکیم کسی

۱- نظام قضاء کا قیام ص ۱۵، ۱۴ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔ واضح رہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے یہ رسالہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے قبل تحریر فرمایا تھا (پیش لفظ کتاب ص ۵)

۲- المدونة الكبرى ج ۲ ص۲۶۸ المؤلف : مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى : 179هـ)المحقق: زكريا عميرات، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت-لبنان۔

ضابطہ کے نقص کی وجہ سے ناکام ہوجائے، تو اس کا موقع رہتا ہے کہ قاضی اس معاملے کو ہاتھ میں لے کر فیصلہ کردے، اب موجودہ صورت حال میں تحکیم تو ہو لیکن قضاء نہ ہو تو ایسی صورت میں ضابطۂ تحکیم کی ضروری شرائط کے فقدان کی بنا پر تحکیم مسئلہ کے حل سے عاجز رہتی ہے، اور قاضی ہے نہیں جو مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لے، اس طرح وہ (مخمصہ) پھر لوٹ آتا ہے جس کے حل کے لئے فقہ مالکی کی طرف عدول کیا گیا تھا۔"[۱]

(۳) علاوہ اس کے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہندوستان میں اس فکر کے اولین داعی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی نظام قضا ہی کے قائل تھے، اپنے اس فتویٰ میں جس میں انہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کو خود اپنا امیر وقاضی منتخب کرنے کی ہدایت دی ہے، اس کے استدلال میں آپ نے جو فقہی عبارتیں نقل کی ہیں اس میں فتاویٰ عالمگیری کی یہ عبارت بھی شامل ہے:

"بلاد علیها ولاة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیاً مسلماً کذافی معراج الدرایة۔"[۲]

ہندوستان میں جو حضرات نظام قضا کے قائل ہیں وہ بھی اپنے استدلال میں اسی طرح کی عبارتیں پیش کرتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک بھی اس عبارت کا وہی مفہوم ہے جو نظام قضا کے قائلین نے سمجھا ہے، اور ان کی رائے میں بھی غیر مسلم ہندوستان میں حنفیہ کا نظام قضا ہی زیادہ لائق قبول ہے، اسی لئے ان کا ذہن مسلک غیر کی طرف نہیں گیا۔

غیر اسلامی ہندوستان میں تقرر قاضی کا مسئلہ

☆ رہی یہ بات کہ کیا غیر اسلامی ہندوستان میں مسلمان خود براہ راست نظام قائم کرسکتے ہیں؟ یا اس کے لئے امیر وحاکم کا وجود ضروری ہے بایں معنیٰ کہ یہ انتظامی مسئلہ ہے، اور انتظام کے لئے پہلے منتظم کا وجود ضروری ہے، تو گو کہ بعض علماء کے نزدیک یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، لیکن خروج عن الخلاف کے لئے اس دشواری کا حل حضرت مولانا سجادؒ نے امیر شریعت کے انتخاب کے ذریعہ دریافت کرلیا تھا، اور اس کے بعد سے آج تک قاضیوں کا تقرر بہار یا دیگر ریاستوں میں امیر شریعت

۱- نظام قضاء کا قیام ص ۱۵، ۱۶ شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔

۲- فتاوی عزیزی فارسی ص ۳۳۔

ہی کے توسط سے ہوتا ہے، اس صورت میں تو نظام قضا کے قابل قبول ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، اور مسلک حنفی سے عدول کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ جو حضرات عام مسلمانوں کی طرف سے براہ راست نظام قضا کے قیام کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی تراضی مسلمین سے امیر کے انتخاب کے قائل ہیں، ان کے خیال میں مسلمانوں کی پہلی ضرورت نصب امیر کی ہے اور امیر کے فرائض میں نصب قضا شامل ہے، عہد حاضر میں اس مسئلہ کے مضبوط وکیل مولانا مفتی عبدالقدوس رومی صاحبؒ سابق مفتی شہر آگرہ تحریر فرماتے ہیں:

"بلاد کفر میں مسلمانوں پر صرف یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اتفاق رائے سے اپنا کوئی والی وامیر مقرر کرلیں اس کے بعد مسلمانوں کے لئے قاضی کا تقرر تو یہ ذمہ داری اس والی وامیر کی ہے والی کے بغیر محض تراضی مسلمین سے کوئی شخص قاضی شرعی نہیں ہوسکتا۔"[1]

اسی طرح کی بات اسی فکر کے حامل ایک دوسرے عالم دین مولانا افضال الحق جوہر قاسمیؒ نے بھی لکھی ہے:

"مسلم عوام والی تو بنا سکتے ہیں مگر قاضی نہیں منتخب کر سکتے۔"[2]

☆ حالانکہ محققین علماء کی بڑی تعداد اس خیال سے اتفاق نہیں رکھتی کہ مسلمان باہم رضامندی سے نظام قضا قائم نہیں کرسکتے، اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ تقرر قاضی کے دو طریقے ہیں:

قَالَ المازِرِيُّ فِي شرحِ التَّلْقِينِ الْقَضَاءُ يَنْعَقِدُ بِأَحَدِ وَجْهَيْنِ أَحَدُهما عَقْدُ أَمِيرِ المؤْمِنِينَ أَوْ أَحَدِ أُمَرَائِهِ الَّذِينَ جَعَلَ لهمُ الْعَقْدَ فِي مِثْلِ هَذَا، وَالثَّانِي عَقْدُ ذَوِي الرَّأْيِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ وَالمعْرِفَةِ وَالْعَدَالَةِ لِرَجُلٍ مِنْهُمْ كَمُلَتْ فِيهِ شروطُ الْقَضَاءِ وَهَذَا حَيْثُ لَا يُمْكِنُهُمْ مُطَالَعَةُ الْإِمَامِ فِي ذَلِكَ وَلَا أَنْ يَسْتَدْعُوا مِنْهُ وِلَايَتَهُ، وَيَكُونُ عَقْدُهُمْ لَهُ نِيَابَةً عَنْ عَقْدِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَوْ نِيَابَةً عَمَّنْ جَعَلَ الْإِمَامُ لَهُ ذَلِكَ لِلضَّرُورَةِ الدَّاعِيَةِ إِلَى ذَلِكَ. [3]

۱- ہندوستان میں شرعی پنچایت ہی کیوں دار القضا کیوں نہیں؟ ص ۱۶۰ افادات: حضرت مفتی عبدالقدوس رومیؒ، جامع: مفتی مجدالقدوس خبیب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یوپی، ناشر مجمع الفقہی الحنفی الہند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔

۲- ہندوستان میں شرعی پنچایت ہی کیوں دار القضا کیوں نہیں؟ ص ۱۴۸ افادات: حضرت مفتی عبدالقدوس رومیؒ، جامع: مفتی مجدالقدوس خبیب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یوپی، ناشر مجمع الفقہی الحنفی الہند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔

۳- تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ۱ ص ۴۱ المؤلف: إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى: 799هـ)

مسلم حکمراں کی موجودگی میں عام مسلمان قاضی کا تقرر نہیں کر سکتے

(۱) والی اور امیر کے ذریعہ نامزدگی عمل میں آئے، مسلم والی وامیر کی موجودگی میں (عام حالات میں) عام مسلمانوں کو خود سے قاضی مقرر کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر کیا جائے گا تو غیر معتبر اور غیر شرعی قرار پائے گا اور امیر سے بغاوت متصور ہوگی۔ اور یہی ان عبارتوں کا محمل ہے جن میں کہا گیا ہے کہ محض عام مسلمانوں کی تراضی سے قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس صورت میں عام مسلمانوں کی طرف سے اس پیش قدمی کی کوئی حاجت نہیں ہے (یہ ذمہ داری امیر کی ہے) دراصل کچھ لوگوں کو بعض ان عبارتوں سے غلط فہمی ہوئی جن میں کہا گیا ہے کہ اہل شہر اگر اپنی مرضی سے قاضی مقرر کر لیں تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہوگا:

وَإِذَا اجْتَمَعَ أَهْلُ بَلْدَةٍ عَلَى رَجُلٍ وَجَعَلُوهُ قَاضِيًا يَقْضِي فِيمَا بَيْنَهُمْ لَا يَصِيرُ قَاضِيًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَعَقَدُوا مَعَهُ عَقْدَ السَّلْطَنَةِ، أَوْ عَقْدَ الْخِلَافَةِ يَصِيرُ خَلِيفَةً وَسُلْطَانًا كَذَا فِي الْمُحِيطِ۔ [1]

حالانکہ ان عبارتوں کا محمل وہ صورت ہے جب اسلامی حکمراں موجود ہو، اور وہ قاضی کا تقرر کر سکتا ہو، ظاہر ہے کہ پھر مسلمانوں کو خود سے قاضی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ایسے موقعہ پر عام مسلمانوں کو تقرر قاضی کی اجازت دینا فتنہ اور بغاوت کا باعث ہے۔

(۲) لیکن جہاں مسلم حکمراں موجود نہ ہو اور نہ سر دست اس کا انتخاب ممکن ہو، جبکہ نظام قضاء کے فقدان سے مسلمانوں کو بہت سے مسائل میں دشواریوں کا سامنا ہو، تو ایسی ضرورت کی صورت میں خود مسلمان بھی قاضی کا انتخاب کر سکتے ہیں، جس طرح کہ امیر کے نہ ہونے کی صورت میں امیر کا انتخاب کرنے کی ان کو اجازت ہے، اس مضمون کی بہت سی صریح فقہی عبارتیں موجود ہیں۔

علامہ شامیؒ نے بہت تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے:

قوله (ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائز) أي الظالم وهذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف ما لو ولوا سلطانا بعد موت

---

[1] - الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۲۶۹ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة، الناشر: دار الفكر سنة النشر 1411هـ - 1991م
مكان النشر عدد الأجزاء 6

سلطانهم كما في البزازية نهر وتمامه فيه قلت وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده۔ وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم اهـ وعزاه مسكين في شرحه إلى الأصل ونحوه في جامع الفصولين مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار وفي الفتح وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة اهـ وهذا هو الذي تطمئن النفس إليه فليعتمد۔ [1]

اس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا، دیگر فقہاء نے بھی ضرورت کے وقت عام مسلمانوں کو تقرر قاضی کی اجازت دی ہے اور اس کو شرعی قاضی قرار دیا ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

اجتمع اهل البلدة وقدموا رجلاً على القضاء لايصح لعدم الضرورة وان مات سلطانهم واجتمعوا علىٰ سلطنة رجل جاز للضرورة۔ [2]

فتاویٰ بزازیہ ہی کی کتاب السیر میں ہے:

واما البلاد التی علیها ولاة کفار فیجوز فیها ایضاً اقامة الجمع والاعیاد والقاضی قاض بتراضی المسلمین ویجب علیهم طلب وال مسلم۔ [3]

علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

یجب علیهم ان یتفقوا علیٰ واحدمنهم یجعلونه والیافیولی قاضیاً او یکون هو الذی یقضی بینهم۔ [4]

[1] حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۵ ص ۳۶۹ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ - 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

[2] الفتاویٰ البزازیة علی ہامش الهندیة، کتاب ادب القاضی ج ۵ ص ۱۳۰، المطبعة الکبریٰ الامیریة، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ۔

[3] الفتاویٰ البزازیة علی ہامش الهندیة کتاب ادب القاضی ج ۲ ص ۳۱۱، المطبعة الکبریٰ الامیریة، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ۔

[4] فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۵ ص ۴۶۱، مطبوعہ دار الصادر بیروت۔

جامع الفصولین میں ہے:

اهل البلدة لوتبايعوا على سلطنة احديصير سلطاناً بخلاف القاضى لضرورة فى الاول لا فى الثانى۔ [1]

طحطاویؒ میں ہے:

وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوي غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما اه۔ [2]

علماءِ متقدمین میں قاضی عبدالرحمٰن بن احمد الایجیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المواقف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''لانسلم عدم انعقاد القضاء بالبيعة للخلاف فيه، وان سلم فذلك عند وجود الامام لامكان الرجوع اليه فى هذا المهم واما عند عدمه فلابد من القول بانعقاده بالبيعة تحصيلاً للمصالح المنوطة به ودرءاً للمفاسد المتوقعة دونه۔'' [3]

اسی طرح کی تصریحات فقہاء حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں بھی موجود ہیں۔ [4]

خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزۃ کی تصنیف کے زمانہ میں علماء مالکیہ کے سامنے جب یہ سوال رکھا تھا کہ اگر مسلمان غیر مسلم حکومت کے تحت ہوں اور وہاں حکومت کی طرف سے کوئی قاضی مقرر نہ ہو، تو کیا عام مسلمانوں کی جانب سے قاضی کا تقرر درست ہوگا؟ جب کہ قاضی کو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہوگی۔

اس کا جواب حرم نبوی کے مالکی عالم شیخ عبداللہ الموتی نے ان الفاظ میں تحریر کیا:

لامانع من ذلک اذا اضطر الناس الى ذلک بما دل عليه ظاهر كلام اهل المذهب۔ [5]

۱- جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۹، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی۔

۲- حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة 1231ھ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318ھ مكان النشر مصر عدد الأجزاء۔

۳- المواقف فی علم الکلام ص ۳۹۹ طبع عالم الکتب بیروت۔

۴- الاحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلیٰ ص ۷۳، ☆ الاحکام السلطانیۃ للامام ابی الحسن الماوردیؒ (متوفی ۴۵۰ھ) ص ۶۳، ۶۴ مطبعۃ السعادۃ مصر، ☆ الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر مکی الہیثمی الشافعی ج ۴ ص ۳۲۶ ☆ فتح المعین ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

۵- الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۵۵ مکتبہ رضی دیوبند، ۲۰۰۵ء۔

یعنی اگرلوگوں کوواقعی اس کی ضرورت ہوتو مذہب میں بظاہر اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس سے فقہائے مالکیہ کے رجحان پر روشنی پڑتی ہے۔

قوت واختیار کا اصل سرچشمہ

دراصل ان فقہاء کے پیش نظر یہ بات ہے کہ قوت واختیار کا اصل سرچشمہ کون ہے؟ عام مسلمان یا حاکم وقت؟ علامہ کاسانیؒ نے اس پر بڑی اصولی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوت واختیار کا اصل سرچشمہ عام مسلمان ہیں اور حاکم کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ انہی مسلمانوں کے عطا کردہ ہوتے ہیں، اس کے اعمال وتصرفات مسلمانوں کے نائب کی حیثیت سے انجام پاتے ہیں، اسی لئے حاکم کی موت یا علٰحدگی سے اس کے مقرر کردہ قضاۃ وحکام معزول نہیں ہوتے، لہٰذا جس جگہ مسلم حاکم موجود نہ ہو عام مسلمانوں کا اختیار مسلوب نہیں ہوگا اس لئے کہ انہوں نے یہ اختیار کسی کے حوالے نہیں کیا ہے، پس انہیں بوقت ضرورت تقرر قاضی کا اختیار بھی حاصل ہوگا جیسے کہ تقرر امیر کا اختیار انہیں حاصل ہے:

وَالْقَاضِي لَا يَعْمَلُ بِوِلَايَةِ الخَلِيفَةِ وَفِي حَقِّهِ بَلْ بِوِلَايَةِ المسْلِمِينَ وَفِي حُقُوقِهِمْ، وَإِنَّمَا الخَلِيفَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّسُولِ عَنْهُمْ؛ لهذَا لم تَلْحَقْهُ الْعُهْدَةُ، كَالرَّسُولِ فِي سَائِرِ الْعُقُودِ وَالْوَكِيلِ فِي النِّكَاحِ، وَإِذَا كَانَ رَسُولًا كَانَ فِعْلُهُ بِمَنْزِلَةِ فِعْلِ عَامَّةِ المسْلِمِينَ، وَوِلَايَتِهِمْ بَعْدَ مَوْتِ الخَلِيفَةِ بَاقِيَةٌ، فَيَبْقَى الْقَاضِي عَلَى وِلَايَتِهِ، وَهَذَا بِخِلَافِ الْعَزْلِ، فَإِنَّ الخَلِيفَةَ إِذَا عَزَلَ الْقَاضِيَ أَوْ الْوَالِي يَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ، وَلَا يَنْعَزِلُ بِمَوْتِهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَنْعَزِلُ بِعَزْلِ الخَلِيفَةِ أَيْضًا حَقِيقَةً، بَلْ بِعَزْلِ الْعَامَّةِ؛ لما ذَكَرْنَا أَنَّ تَوْلِيَتَهُ بِتَوْلِيَةِ الْعَامَّةِ، وَالْعَامَّةُ وَلَّوْهُ الِاسْتِبْدَالَ دَلَالَةً؛ لِتَعَلُّقِ مَصْلَحَتِهِمْ بِذَلِكَ، فَكَانَتْ وِلَايَتُهُ مِنْهُمْ مَعْنًى فِي الْعَزْلِ أَيْضًا، فَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْعَزْلِ وَالموْتِ. [1]

جمعیۃ علماء ہند نے ہر دور میں نظام قضا کی حمایت کی

اسی لئے جمعیۃ علماء ہند نے ہر دور میں دارالقضاء کی حمایت کی اور اس کے متعدد جلسوں کے اسٹیج سے قیام دارالقضاء کی دعوت پیش کی گئی، ''جمعیۃ علماء ہند کے اساسی اصول وآئین وضوابط (جو دہلی کے اجلاس منعقدہ ۷، ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں منظور

۱- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۷ ص ۱۶ علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7۔

ہوکرشائع ہوئے) میں دفعہ ۴ شق واؤ کے تحت اغراض ومقاصد کے ذیل میں شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے فصل خصومات کے لئے محکمۂ دارالقضاء قائم کرنا بھی داخل ہے۔''[۱]

یہ اس موقف کی مضبوطی اور ہندوستان جیسے غیر مسلم ملکوں میں مسلک حنفی کے مطابق نظام قضا کے قابل عمل ہونے کی علامت ہے، مثلاً:

☆ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس چہارم گیا (۱۹۲۲ء) میں صدر اجلاس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (متوفی: رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا:

''ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت ہیں، اور ان کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے والی اور امیر مقرر کریں، دارالقضا قائم کر کے قضاۃ اور مفتین کا تقرر کریں، جمعیۃ علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے۔''[۲]

☆ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (متوفی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہشتم (۱۹۲۷ء) میں اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

''مسلمان جب کہ باہمی اتفاق سے اپنے امیر اور قاضی منتخب کرلیں گے تو ان پر ان کے احکام اور فیصلوں کا تسلیم کرنا بھی لازم ہوگا اور ان امیروں اور قاضیوں کو فیصلے دینے کا شرعی حق ہو جائے گا اور اس طرح مسلمانوں کے شرعی معاملات قضاء شرعی کے ماتحت انجام پذیر ہوتے رہیں گے، جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے گذشتہ اجلاسوں میں بھی اس مسئلہ پر متعدد مرتبہ زور دیا ہے اور اس نے دارالامارۃ اور دارالقضاء کے اصول وقواعد بنانے کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر کرکے مسودے بھی تیار کرا لئے ہیں۔''[۳]

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں شرعی پنچایت کے بالمقابل نظام قضا ہی زیادہ مطابق احوال اور لائق قبول ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۶۲ تالیف: حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ شائع کردہ مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ مطبوعہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء۔

۲- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند گیا، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (۱۹۲۲ء) ص ۴۴۔

۳- خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند پشاور، ص ۵۹۔

دینی ودعوتی خدمات

(۱۲)

بارہواں باب

مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی دعوتی، اصلاحی وفلاحی خدمات

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی مبارک زندگی کا ایک وسیع باب دعوت واصلاح اور فلاحی خدمات سے متعلق ہے، کئی تذکرہ نگاروں نے آپ کی ان خدمات کا ذکر متفرق طور پر کیا ہے، مگر ان میں پورے ایک دور کی تاریخ دعوت وعزیمت پوشیدہ ہے، ان واقعات میں آج کے حالات کے لئے بھی بڑی عبرتیں پوشیدہ ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ چیزیں خود ان کے ناقلین کی زبانی پیش کی جائیں، تاکہ آپ کی سیرت کا یہ عظیم باب تشنہ نہ رہ جائے، اور اس میدان میں بھی آپ کی جو انفرادیت تھی، وہ سامنے آجائے۔

فصل اول

دعوتی خدمات

حضرت مولانا محمد سجادؒ نے اسلام کی دعوت واشاعت، فتنۂ ارتداد کے انسداد اور کفر وشرک کے جراثیم کے خاتمہ کے لئے پوری زندگی جدوجہد کی، دور دراز علاقوں کے اسفار کئے، دشوار گذار راستوں کی مشقتیں برداشت کیں، اور آپ کی بروقت کوششوں کے نتیجے میں ہزاروں لوگ فتنۂ ارتداد کی آگ سے محفوظ رہے، سیکڑوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، حضرت مولاناؒ کی زندگی کا یہ انتہائی اہم باب ہے، اور مولانا نے اس میدان میں جو زریں خدمات انجام دی ہیں، اس وقت کے قائدین میں بہت کم لوگ ہونگے جو اس میدان میں حضرت مولاناؒ کی ہمسری کرسکیں، لیکن آپ کی خدمات کے اس حصہ کو جس اہمیت اور عمومیت کے ساتھ پیش کیا جانا چاہئے تھا نہیں کیا جاسکا، حضرت کے چند خاص اہل تعلق کو چھوڑ کر بہت کم لوگوں نے ان کی زندگی کے اس حصہ سے تعرض کیا ہے، ضرورت ہے کہ آپ کی خدمات کے اس باب کو بھی کافی نمایاں طور پر پیش کیا جائے۔

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اس جذبۂ دعوت سے کبھی خالی نہیں رہے، بلکہ ان کی حیات طیبہ میں اسی جذبہ نے سرشاری پیدا کی، اور ان کی سرگرمیوں میں سرفروشی کی نمود اسی جذبہ کی بدولت ہے، یہاں اس موضوع سے متعلق بعض واقعات وروایات پیش کی جارہی ہیں:

تبلیغ اسلام کی مساعی جمیلہ اور فتنۂ ارتداد کا مقابلہ

حضرت مولانا عثمان غنی صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

☆ ’’تحریک خلافت کے زوال کے بعد ملک میں جو فتنہ وفساد پھیلا اور شدھی سنگھٹن کی تحریک شروع ہوئی اور ملک کے مختلف حصوں میں ارتداد کی وبا پھیل گئی، اس کے روکنے میں حضرت مولاناؒ نے امارت شرعیہ کے کارکنوں سے کام لینے کے علاوہ خود بھی حصہ لیا، ملکانہ میں خود دورہ کرکے تبلیغی کام انجام دیئے، امارت کے متعدد مبلغین کو وہاں متعین کرکے ان سے دفع ارتداد اور تبلیغ واصلاح کا کام انجام دلایا۔

☆ صوبہ بہار کے گدیوں اور بھانٹوں میں جب ارتداد کی وبا پھیلی تو ضلع چمپارن میں

گدیوں کی اصلاح کے لیے اور ضلع سارن میں بھانٹوں کی اصلاح کے لیے خود بھی دورہ کیا، چونکہ گورکھپور کی طرف سے ان اضلاع میں ارتداد کے جراثیم آتے تھے اس سرچشمہ کو بند کرنے کے لیے حضرت مولاناؒ نے گورکھپور کے علاقہ کا دورہ فرمایا اور اصلاحی و تبلیغی جلسے کرکے اور متاثر شدہ افراد کی نفسیات کا لحاظ رکھ کر اصلاحی رسائل شائع فرمائے۔ اس طرح ارتداد کی یہ وبا حضرت مولانا کی سعی جمیل سے اس صوبہ سے ختم ہوگئی اور ان لوگوں کی آئندہ حفاظت اور تعلیم کے لیے متعدد علاقوں میں مسجد تعمیر کرادی اور اس طرح ہزاروں مسلمان کفر کی آغوش میں جانے اور جہنم کے ایندھن بننے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئے۔[۱]

☆ اس دور میں ستر ہزار مذہبی مضامین اور پمفلٹ مفت تقسیم کئے گئے۔''[۲]

فتنۂ راج پال کا مقابلہ

☆ ''فتنۂ راج پال کے انسداد کے لیے صوبہ کے مختلف مقامات میں جلسے کرائے۔ راج پال ایک آریہ تھا جس نے ''رنگیلا رسول'' نامی ایک ناپاک کتاب لکھی تھی اور حکومت پنجاب نے جب اس پر مقدمہ چلایا تو ہائی کورٹ سے وہ رہا ہوگیا۔ اس واقعہ سے تمام مسلمانِ ہند میں ایک ہیجان پیدا ہوا، اور خطرہ ہوا کہ مفسد اور شریر افراد اسی طرح اپنے خبث نفس کا اظہار کرتے رہیں گے۔ اس بنا پر تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے ہوئے اور حکومتِ ہند سے قانون میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا۔ ایک مسلمان نے راج پال کو قتل کردیا اور حکومت ہند نے قانون میں ایسی ترمیم کردی کہ پھر اس طرح کی کوئی کتاب شائع نہ کی جائے۔''[۳]

آریہ سماجی فتنہ کا استیصال چارسو مرتدین کا قبول اسلام

حافظ محمد ثانی صاحب رقمطراز ہیں:

☆ ''۱۹۲۶ء میں جب کہ تمام ہندوستان میں فتنۂ ارتداد کا زور تھا، ضلع چمپارن میں مسلمان گدی قوم کے تقریباً ۴۰۰ اشخاص مکروفریب، ظلم وجور کے ساتھ مرتد بنائے گئے تھے۔ امارت شرعیہ کے مقامی کارکنوں نے دفتر امارت کو اطلاع دی حضرت مولاناؒ خود تشریف لائے اور بعض مقامی کارکن یعنی شیخ عدالت حسین صاحب، حافظ احمد علی صاحب کے ہمراہ دریائے گنڈک پار کرکے چمپارن کے مغربی وجنوبی حصہ سے گزر کر خانقاہ اہرونی حضرت مولانا شاہ عبداللہ صاحب

۱- حیات سجاد ص ۱۳۶، ۱۳۷ مضمون مولانا عثمان غنی صاحبؒ

۲- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۰۰ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ۔

۳- حیات سجاد ص ۱۳۶، ۱۳۷ مضمون مولانا عثمان غنی صاحبؒ

کے یہاں پہنچے، جو یوپی کے علاقہ میں چمپارن کی سرحد سے متصل واقع ہے۔ یوپی کے راجہ ''تمکو ہی'' کا اس فتنہ کے بڑھانے میں زبردست ہاتھ تھا اور اُسی کا اثر یوپی اور چمپارن کے گدیوں پر پڑ رہا تھا۔ مولانا مرحوم نے حضرت شاہ صاحب موصوف کی کوششوں سے مسلمانوں کے ایک جلسۂ عام کا اعلان کر دیا جس میں گورکھپور سے مولوی سبحان اللہ صاحب اور مولانا آزاد سبحانی بھی تشریف فرما تھے، زبردست تبلیغی تقریریں ہوئیں۔ غریب گدیوں کی ہمت افزائی ہوئی۔ راجہ مذکور مرعوب ہوا اور فتنۂ ارتداد کا سدباب ہوا اور تھوڑے دنوں میں یوپی اور چمپارن کے مرتدین ایک ایک کر کے حلقۂ بگوش اسلام ہو گئے۔''[1]

حاجی عدالت حسین صاحب نے ارتداد کے اسباب اور پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''علاقہ چمپارن میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات میں گدیوں کی شدھی کا انسداد وہ درخشاں خدمت ہے، جو تاریخ کے اہم اور نمایاں واقعات میں لکھا جائے گا۔

چمپارن میں پچیس سال سے آریہ سماج مخفی طور پر کوشش کر رہے تھے کہ چمپارن کے بائیس ہزار گدیوں کی شدھی کر لی جائے۔ کیوں کہ گدیوں کی یہ قوم باوجود اپنے کو مسلمان کہنے کے سیرت وصورت، نشست وبرخاست، خورد ونوش، طرز بود وماند میں یکسر ہندوانہ طریقے پر تھی۔ ان کے مردوں کے نام مہادیو، شیورتی، رام بلاس، عورتوں کے کچھمنیاں، بھگمنیاں، سیتا، درپتی وغیرہ تھے، سر پر ٹیک رکھتے تھے، مونچھیں بڑی بڑی رکھتے تھے، ڈاڑھیاں بالکل صاف رہتی تھیں، مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے میں ان کو احتراز تھا۔ نماز، روزہ سے ناآشنا، دیبی، درگا، بھوانی، بلسپتی کے معتقد اور ناگ پوجا وغیرہ کے عادی تھے۔ ان ہی حالات نے آریوں کو آمادہ کرلیا، اور وہ شدھی کے پرچار میں تن من دھن سے مصروف ہو گئے، اور ان کے پرچارک اور مبلغ کونے کونے میں پہنچ کر مخفی طور پر کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ آ پہنچا کہ یہ طے ہوا کہ فلاں دن۔ 'پنجروا استھان' پر جو بتیا سے تین کوس پر ہے، ان سب کی شدھی کی جائے، اور اس کے لیے بنارس، گورکھپور، اجودھیا وغیرہ سے بڑے بڑے سوامی مدعو کیے گئے۔

امارت شرعیہ کے کارکن حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ جن کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس امر میں خصوصی ہدایات حاصل تھیں۔ چنانچہ عین موقع پر صدر النقیب امارت شرعیہ حافظ محمد ثانی صاحب، اور مولانا ابو محمد صاحب مبلغ امارت شرعیہ وغیرہ مسلمانانِ بتیا کے ایک پورے جتھ کے ساتھ پہنچے، حالات اس درجہ خطرناک ہو گئے کہ پولیس مع فورس کے نگرانی کے لیے آ گئی۔ بلوہ خطرہ کی شکل میں آ کھڑا ہوا۔ مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات اور تربیت بروقت کام آ گئی۔ اور ظہر کی نماز کے بعد سے تقریریں شروع ہو گئیں۔ آریوں نے بھی تقریریں شروع کیں، مگر اسلامی تقریروں کا

۱- حیات سجادؒ ص ۱۱۳، ۱۱۴ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب

اتنا اچھا اثر ہوا کہ تمام گدی آریوں سے متنفر ہو کر اپنی چوٹی اور ٹیک کٹوانے لگے، اور بُرے افعال سے تائب ہوئے، باہر کے آئے ہوئے گدی بھی جو شدھی کرانے کے لیے لائے گئے تھے۔ صحیح معنوں میں شدھ (یعنی پاک ہو کر) وہ بھی تائب ہو گئے۔ آریہ مبلغ ناکام ہو کر بھاگ نکلے۔"[۱]

پچیس ہزار مرتدین اور تین ہزار غیر مسلموں کا قبول اسلام

حضرت مولانا عثمان غنی صاحبؒ نقل کرتے ہیں کہ:

☆ "حضرت مولانا اور امارت شرعیہ کے کارکنوں کی تبلیغ و اصلاح سے کم سے کم تین ہزار اشخاص کفر کے حلقہ سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ کم سے کم پچیس ہزار افراد ارتداد کی لعنت سے محفوظ ہو گئے۔ ہزاروں مسلمانوں نے مراسم شرک سے نجات پائی، ہزاروں مسلمان عقائد فاسدہ سے تائب ہوئے۔"[۲]

سیکڑوں دلت گھرانے حلقہ بگوش اسلام

حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

☆ "موضع چوترا تھانہ بگہا ضلع چمپارن میں تقریباً چار سو گھرانے جرائم پیشہ مگر ڈوم زیر نگرانی سلوشن آرمی ہیں۔ امارت شرعیہ کے مبلغین وکارکنوں کی کوششوں سے تقریباً ایک سو گھرانے بخوشی مسلمان ہو گئے۔ سلوشن آرمی کے انگریز منیجر نے غریب مسلمانوں پر قسم قسم کے مظالم ڈھانا شروع کیا مگر وہ لوگ صبر واستقامت کے ساتھ آج تک اسلام پر ثابت قدم ہیں۔

۲۶ء میں قاضی احمد حسین صاحب جو اس زمانہ میں کونسل کے ممبر تھے ان کی کوششوں سے ایک مسلمان معلم کو گورنمنٹ نے بحال کیا جو آج تک تعلیم دے رہے ہیں۔ کانگریسی حکومت کے زمانہ میں میں نے ان نومسلموں کے متعلق گورنمنٹ سے بارہا متعدد سوالات کیے جس کے بعد خود پرائم منسٹر صاحب ہم لوگوں کے ساتھ چوترا تشریف لے گئے۔ تحقیقات کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ سلوشن آرمی کی نگرانی سے اُن لوگوں کو نکال کر اچھوت اور مسلمانوں کے مستند اداروں کی نگرانی میں دے دیا جائے، ابھی تک یہ معاملہ ناتمام ہی رہا کہ کانگریسی حکومت مستعفی ہو گئی۔"[۳]

اس کارروائی کی تفصیلی رپورٹ حاجی عدالت حسین صاحبؒ نے اس طرح نقل کی ہے:

"چمپارن میں جرائم پیشہ ڈوموں کو پورے ضلع سے جمع کر کے گورنمنٹ نے چوترا سٹلمنٹ تھانہ

۱- حیات سجاد ص ۱۲۲، ۱۲۳ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب
۲- حیات سجاد ص ۱۴۶ مضمون مولانا عثمان غنی صاحبؒ
۳- حیات سجاد ص ۱۱۴ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب

بگہا اور ہری نگر تھانہ رام نگر میں رکھا تھا، اور اصلاح کے لیے ان کو سلوشن آرمی کے حوالہ کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم یہ ہوا کہ ان کو کرشچین بنایا جارہا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آریہ سماجیوں نے بھی ریشہ دوانی شروع کردی ہے، حضرت نائب امیر شریعت اس صورتِ حال سے بہت متأثر ہوئے، اور مجھ کو ہدایات دے کر ارشاد فرمایا کہ وہاں جا کر ان کی اصلاح کرو۔ اور اسلام کی تبلیغ کرو، حسبِ ارشاد میں اور مولانا حفیظ الحسن صاحب مبلغ امارت شرعیہ ہری نگر سٹلمنٹ گئے۔ اور حسب ہدایات حضرت مولاناؒ تبلیغ شروع کردی، جس کا نتیجہ بہت بہتر نکلا، اور ان کی کثیر تعداد اسلام میں حلقہ بگوش ہوگئی۔ اور پھگوا تہوار کے سلسلہ میں جو دو تین دن کے بعد ہونے والا تھا ان لوگوں نے حسب دستور قدیم سور (خنزیر) شراب، گانجا وغیرہ جمع کیا تھا۔ ان سب سامان کو برباد کردیا۔ سور جنگل میں چھوڑ دیئے گئے۔ شراب اور گانجا کو نالیوں کے نذر کیا گیا۔

یہ خبر تمام بجلی کی طرح پہنچ گئی۔ اور متمول ہندو بڑے بڑے سوامی کے ساتھ زرپاشی کے لیے روپیہ لے کر پہنچ گئے اور لالچ دے کر شدھی کی ترغیب دینے لگے۔

لیکن اسلام کی سادگی اور معاشرتی مساوات ان کے دل میں گھر کر چکی تھی، انھوں نے مطالبہ کیا کہ آپ لوگ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے لیے تیار ہیں؟ ہم کو جنھوں نے کلمہ پڑھایا ہے۔ ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ ایک بستر پر سوتے ہیں۔ ایک مسجد میں ایک ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ کوئی فرق اور امتیاز میرے ساتھ نہیں برتتے ہیں۔

جب اس سے وہ مایوس ہوگئے تو تھانہ کی طرف رجوع کیا۔ وہاں سے سب انسپکٹر کو مع چند کانسٹبل کے لے کر وہاں پہنچے، جہاں ہم لوگ نئی مسجد بنا کر قیام کیے ہوئے تھے۔ الزام یہ رکھا گیا کہ آپ لوگوں نے خلافِ قانون سٹلمنٹ کو بہکا کر خراب کیا ہے۔ ہم لوگوں کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ہم لوگوں کا کوئی آدمی سٹلمنٹ میں ابھی تک نہیں گیا ہے، جو میرے پاس آ کر اسلام قبول کرتا ہے، ہم لوگ اس کو اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور مسلمان بناتے ہیں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

جب انسپکٹر صاحب جانے لگے، تو میں نے ان سے کہا کہ چند منٹ ٹھہر جائیے، سٹلمنٹ کے مرد وعورت کی ایک جماعت غسل کرنے کے لیے دریا گئی ہے۔ ابھی آ کر آپ کے سامنے اسلام قبول کرے گی۔ آپ بھی اس کو دیکھ لیں، تاکہ رپورٹ میں سہولت ہو، اتنے میں تیس آدمی آ گئے۔ جن کو مولانا محمد حفیظ الحسن صاحب مبلغ امارت شرعیہ نے کلمہ پڑھایا، اور ان لوگوں نے اپنی چوٹی اور مونچھ کے بال اپنے ہاتھ سے کاٹ کر وہاں رکھا، جہاں اور بھی یہ شعار کفر پہلے سے رکھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد موضع کولہوا چوتروا (جو مسلمانوں کی بستی ہے اور سٹلمنٹ کے قریب واقع ہے) آ گئے اور وہاں کی مسجد میں قیام کیا۔ جرائم پیشہ ڈوم وہاں بھی پہنچتے رہے۔ اور مسلمان ہوتے

رہے۔ چند دنوں میں سٹلمنٹ کا تقریباً نصف حصہ مسلمان ہوگیا۔ اس جرم میں کہ ان لوگوں نے اسلام کیوں قبول کیا۔ آئینی اور غیر آئینی طریقہ پر مصیبت میں مبتلا کیے گئے، مگر بحمد للہ وہ لوگ اپنے اسلام میں پختہ ثابت ہوئے، اور ان کے استقلال ایمانی میں کوئی لغزش نہیں ہوئی، اور پورے صبر واستقامت کے ساتھ یہ لوگ آج تک اسلام پر ثابت قدم ہیں۔

ان حالات سے مایوس ہو کر شدھی کے پرچارک آریہ سماجی جو سیکڑوں کی تعداد میں چمپارن میں متعین کیے گئے تھے۔ مرکز کے عتاب میں آکر موقوف کیے گئے اور سلوشن آرمی کے پادری کا درجہ توڑ دیا گیا اور وہاں سے تبدیل کر دیئے گئے۔"[1]

ضلع سارن (چھپرہ) میں فتنۂ ارتداد کا خاتمہ

"شدھی تحریک کے زیر اثر ضلع سارن (چھپرہ) کے دو سو بھاٹ مرتد ہوگئے تھے، امارت شرعیہ کو جیسے ہی اس کی اطلاع ملی، ذمہ دار حضرات اور مبلغین وہاں پہنچے اور ان حضرات کی کوششوں سے یہ مرتدین دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، اور دوسرے بھاٹ بھی اس لعنت سے محفوظ ہوگئے۔"[2]

ریاست گورکھپور میں شدھی تحریک کا استیصال

حاجی عدالت حسین صاحب نے ریاست گورکھپور کے علاقہ "راجہ تمکوہی" میں ارتداد و اصلاح کا ایک چشم دید واقعہ نقل کیا ہے، جو حضرت مولانا سجاد کی عزیمت وتجدید کا شاہکار ہے:

"اسی سلسلہ کی دوسری کڑی راجہ تمکوہی علاقہ گورکھپور کی ریاست کا ہے۔ جب حضرت نائب امیر شریعت کو یہ اطلاع ملی کہ اس علاقہ کے گدیوں کی شدھی کی جارہی ہے، اور ان کے گھر کے صحن میں بانس کا جھنڈا گاڑ کر گھر والوں کو گائے کے دہی، دودھ، گھی میں گوبر اور پیشاب ملا کر اُن کو پلایا جاتا ہے، اور اس طرح ان کو شدھ کیا جاتا ہے۔ اور بانس کی جڑ میں ایک رسم "نک دریا" کرائی جاتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ مولانا شاہ عبد اللہ صاحب اہرونی کا خط پہنچا کہ فلاں تاریخ کو میری مسجد شہید کی جائے گی اور میرا مکان مسمار کیا جائے گا۔ نیز میری جان کا بھی خطرہ ہے۔ تو حضرت مولاناؒ بیتاب ہوگئے۔ اور فوراً یہ انتظام کیا کہ نوجوان گدیوں کے تقریباً چالیس افراد کو جو رضاکار بنائے گئے تھے، ان کے صدر عبد الحکیم گدی کے ساتھ مقدمۃ الجیش بنا کر اور ہدایات دے کر آگے روانہ کیا۔ اس کے بعد حضرت مولاناؒ اپنے ساتھ مجھ کو لے کر اور مولانا عبد الرزاق صاحب مبلغ امارت شرعیہ اور

۱- حیات سجاد ص ۱۲۷ تا ۱۲۹ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب۔

۲- امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب ص ۲۰۸ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ

حافظ محمد نعیم اور حافظ علی احمد عرف پچو صاحب انصاری روانہ ہوئے، راستہ پر خطر تھا دو جگہ دریائے گنڈک اور ایک جگہ دریا بانسی کو عبور کرنا تھا۔ یکہ کی سواری تھی۔ حافظ پچو صاحب رہنمائی کر رہے تھے۔ غلطی سے بے گھاٹ راہ پر یکہ لگ گیا۔ حضرت نائب امیر شریعت کا یکہ پہلے دلدل میں جا پڑا، اور قریب ڈوبنے کے پہنچ گیا، اس کے بعد میرا یکہ جس پر مبلغ صاحب بھی تھے دلدل میں جاتا رہا اور وہ بھی ڈوبنے کے قریب ہوگیا مبلغ صاحب اور حافظ محمد نعیم صاحب گھبرا کر چیخ رہے تھے، کہ حضرت فوراً خشکی پر تشریف لے آئیے۔ مگر مولانا باطمینان بیٹھے ہوئے تھے اور 'في الباساء والضراء' والی آیت تلاوت فرمارہے تھے، کہ یکا یک تائید غیبی ہوئی۔ اور تینوں یکے جو ہم لوگوں کی سواری میں تھے، مع سوار کے راستہ پر لگ گئے۔ اور سب لوگ بال بال بچ گئے۔

اس کے بعد جب دریا بانسی پر پہنچے، تو مغرب کا وقت ہو چلا تھا۔ کشتی سے دریا عبور کر کے مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ اب یہاں سے شاہ عبداللہ صاحب کا مکان تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ عجب اضطراب انگیز مصیبت تھی، مگر حضرت نائب امیر شریعت باطمینان تمام ہم لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے اور رہنمائی فرماتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ دس بجے شب کو شاہ صاحب موصوف کے مکان پر پہنچ گئے۔

رضا کاروں کی جماعت پہلے پہنچ چکی تھی۔ اس سے حضرت مولانا کی تشریف آوری کی خبر دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ ضلع سارن اور ضلع گورکھپور کے ذمہ دار حضرات اور علماء اور غریب عوام اس خبر کو سن کر کچھ آ چکے تھے، اور زیادہ تر آپ کی تشریف آوری کے بعد پہنچے۔ گدیوں کی جماعت سے (جن میں چالیس رضا کاروں کو بھیجا گیا تھا) اور تقریباً اس علاقہ میں ان کی آبادی چھیالیس ہزار ہے۔ بہت بڑی جماعت کثیر تعداد میں پہنچی۔ اور حملہ آور لوگوں کی (جو گھات میں وقت کا انتظار کر رہے تھے) ان حالات کو دیکھ کر حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔ ریاست نے اپنی حدود ریاست میں جلسہ کی ممانعت کر دی تھی۔ جس سے مخمصہ کی شکل پیدا ہوگئی تھی۔ مگر قدرت نے یہ راہ پیدا کی کہ مسٹر ملیکشن صاحب مالک کوٹھی بتر ہی نے حضرت نائب امیر شریعت کی تشریف آوری کی خبر سے متأثر ہو کر جلسہ کے لیے اپنی زمین دی۔ اور اسی کے ساتھ جلسے کے تمام سامان شامیانہ اور خیمہ وغیرہ کا خود مسٹر موصوف نے نظم کیا، اور بڑے پیمانہ پر جلسہ ہوا۔ شرکاء جلسہ میں مولوی سبحان اللہ صاحب رئیس اعظم گورکھپور اور مولانا آزاد سبحانی صاحب اور مولانا جمیل احمد صاحب علی گنج بھی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء کرام تھے، جن کے نام مجھ کو یاد نہیں ہیں، جلسہ کا افتتاح مولوی سبحان اللہ صاحب نے کیا، اور اپنی پر جوش تقریر سے حاضرین کے دلوں کو گرما دیا، اور حق و باطل کی آویزش اور صداقت وحقانیت کی برتری اور کامرانی پر ایسی مدلل تقریر کی کہ شدھی کے

خطرات کے تمام تار و پود بکھر گئے۔ اس کے بعد حضرت نائب امیر شریعت نے نہایت بلیغ اور پر معنیٰ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا اور اسی کے ساتھ یہ اعلان فرمایا کہ چمپارن کے گدیوں اور جرائم پیشہ ڈوموں کے پیر یہاں موجود ہیں۔ آپ لوگ ان کی باتوں کو سنیں۔ جلسہ سے شور اُٹھا کہ ہم لوگ ان کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت نائب صاحبؒ کے حکم سے میں جلسہ میں پیش ہوا۔ اور گدیوں کی ابتدائی حالت کی تاریخ جو ہندی میں حضرت نائب امیر شریعتؒ کے ملاحظہ کے بعد طبع کرا کے اپنے ساتھ لیتا گیا تھا، پڑھ کر سنایا، جس سے گدیوں میں جوش وخروش پیدا ہو گیا، اور آریوں کی فریب کاریوں اور دسیسہ کاریوں سے ان کے دلوں میں اپنے ہندو ہونے کے متعلق جو تردد پیدا ہو گیا تھا وہ یک قلم کافور ہو گیا، اور ان کے دل اس یقین سے معمور ہو گئے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں۔ خاتمہ پر میں نے گدیوں کے ذمہ دار پیر ہونے کی حیثیت سے اعلان کیا کہ اس کے بعد اگر کوئی زبردستی آپ کے گھروں میں 'دھجا' گاڑنے آئے یا 'پنچ گپ' کا انتظام کرے۔ یا 'نک دریا' کی رسم کرانا چاہے اور آپ کو اس پر مجبور کرے، تو آپ پوری قوت سے اس کا مقابلہ کریں اور جان دینے اور جان لینے کے بھی خطرہ کا کچھ خیال نہ کریں اور صاف کہہ دیں کہ میرے پیر کا یہی حکم ہے۔

اس کے بعد دو روز تک جلسہ ہوتا رہا۔ علماء کرام کی اصلاحی اور تبلیغی تقریریں ہوتی رہیں۔ ان ہی حالات میں معلوم ہوا کہ راجہ صاحب اوّل ہی روز موٹر سے بنارس روانہ ہو گئے، اور آریہ سماج کے سوامی شہر سنگھ جو بڑے جنگجو مشہور تھے، وہ بھی روانہ ہو گئے، اور کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی، یہ سب برکات حضرت نائب امیر شریعت کی رہنمائی اور حسن تدبر اور تدبیر کی تھیں۔ جو بروقت کام آئیں، اور اس طرح یہ مورچہ کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔''[۱]

ہزاری باغ میں فتنۂ ارتداد کا خاتمہ

''اسی دور میں شدھی تحریک سے متاثر ہو کر ضلع ہزاری باغ کے پانچ سو مسلمان بھی مرتد ہو گئے تھے ، امارت شرعیہ کو اطلاع ہوئی، تو فوراً ذمہ داران اور مبلغین وہاں پہنچے اور ان میں اسلام کی تبلیغ کی، اور مرتد ہونے والوں کو دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل کیا، اور کفر و شرک سے توبہ کرائی۔''[۲]

سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام

ان دفاعی کوششوں کے ساتھ ایک بڑا کام حضرت مولاناؒ نے یہ کیا کہ سرکاری اسکولوں کے

۱- حیات سجاد ص ۱۲۴ تا ۱۲۷ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب۔

۲- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۰۳ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ

نصاب کا جائزہ لیا، اور جہاں مذہبی تعلیم کی جگہ پر گیتا یا بائبل وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی مسلم بچوں کے لئے اس کی جگہ پر اسلام کی دینی تعلیم کا انتظام فرمایا، مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب کا بیان ہے کہ:

''اس سلسلہ کی ایک اصلاح مولاناؒ نے چمپارن ضلع کے ابتدائی اسکولوں اور پاٹ شالوں میں کی، جہاں مسلمان بچوں کو ہندی کی تعلیم دی جاتی تھی اور بجائے قرآن کے گیتا پڑھایا جاتا تھا، مولاناؒ نے دفتر تعلیمات سے کافی مراسلات کئے اور ابتدائی مکاتب کا معائنہ کرکے من وعن حالات حکام بالا کو پہنچائے۔ متعصب افسران ماتحت کو بدلوایا اور مسلمان بچوں کی تعلیم مذہبی کا انتظام کرایا اور بکثرت اردو داں مسلمان معلم مقرر کرائے۔''[1]

ا۔ محاسن سجاد ص ۸۳ مضمون مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب۔

فصل دوم

اصلاحی خدمات

حضرت مولاناؒ کی اصلاحی خدمات کا دائرہ بھی بے حد وسیع ہے، یوں تو پورے ملک میں آپ کا فیض پہنچا، ملک میں کہیں بھی مسلمان پریشان ہوئے، آپ سربکفن وہاں پہنچے، لیکن خاص طور پر بہار کو آپ کے اصلاحی فیوض سے مستفید ہونے کا زیادہ موقعہ ملا، آپ نے بہار کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا، بعض علاقوں میں اپنے نمائندوں کو بھیج کر معاشرتی اصلاحات کے فرائض ادا کئے، بہت سے غلط رسم ورواج کا خاتمہ کیا، فاسد عقائد اور باطل توہمات سے معاشرہ کو نجات دلائی، ناخواندہ معاشرہ کو جہالت کے دلدل سے باہر نکالا، اللہ پاک حضرت مولاناؒ کے درجات بلند فرمائے، آپ نے اللہ کی مدد سے پورے پورے خطہ کی تصویر بدل ڈالی، علم کو فروغ دیا، علماء اور مشائخ سے ان کا رابطہ مضبوط کیا، اور سلف صالحین کی یاد تازہ فرمادی فجزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین۔

چمپارن سے خصوصی تعلق

بہار میں بھی خطۂ چمپارن آپ کی اصلاحی مساعی کا خصوصی میدان رہا ہے، سب سے زیادہ چمپارن کے لوگوں نے آپ کے روحانی اور اخلاقی کمالات سے استفادہ کیا، چمپارن کو حضرت مولانا سجادؒ کی زندگی میں وہی اہمیت حاصل ہے جو مشہور داعی ومبلغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ بانی جماعت تبلیغ کے یہاں میوات کو ہے، بقول حاجی عدالت حسین صاحب:

> ''چمپارن کو یہ خصوصی شرف حاصل ہے کہ قیام امارت شرعیہ کے بعد حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے باضابطہ پہلا دورہ چمپارن کا فرمایا، اور اس احقر کو اس کا شرف حاصل رہا۔''[1]

بہار میں حضرت مولاناؒ کی قدردانی کا جتنا حق اہل چمپارن نے ادا کیا دوسرے علاقوں میں کم نظر آتا ہے، چمپارن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کی مٹی میں بہت نمی اور قبول حق کی بڑی

۱- حیات سجادص ۱۲۰ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب۔

صلاحیت ہے، چمپارن کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جو حضرت مولاناؒ سے فیض یاب نہ ہوا ہو، وطن مالوف اور پھلواری شریف کا استثناء کر کے سب سے زیادہ طویل قیام آپ کا اسی خطہ میں رہا۔

چمپارن کا دینی وتاریخی پس منظر

مولانا حافظ محمد ثانی صاحب چمپارن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ ضلع سابق ایام میں ظلمت و جہالت کا گہوارہ اور شعاع علم سے یکسر محروم تھا مگر ۱۸۵۷ء کے بعد خدائے پاک کی توفیق اور مہربانیوں سے علمائے حقانیین مثلاً حضرت مولانا جعفر علی صاحب وحضرت مولانا سرفراز علی صاحب خلفائے کرام غازی اعظم حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ نے ہدایات وارشاد کے لیے اس ضلع کو منتخب فرمایا، اس کے بعد یوپی کے ایک باخدا بزرگ حضرت مولانا احسان اللہ صاحب نے اس ضلع میں سلسلہ تبلیغ وہدایات جاری رکھا، ان ہی مقدس بزرگوں کے فیوض وبرکات سے مسلم آبادیوں میں مسجدیں تعمیر ہوئیں اور مدرسہ حفظ کلام پاک کی بنیاد ایک غیر معروف بستی سمرا میں ڈالی گئی جس میں آج بھی تقریباً ایک صد طلبہ قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔ اور یہ مدرسہ باوجود غیر مستقل ذرائع آمدنی کے ان طلبا کے طعام وقیام و دیگر ضروری اخراجات کا کفیل ہے اس کے بعد ان ہی بزرگوں کے معتقدین نے مختلف مقامات میں مدارسِ علوم دینیہ کی بنیاد ڈالی۔ ایک اور خصوصیت اس ضلع کی یہ تھی کہ اس ضلع کے مسلم باشندے زیادہ تر غریب اور کچھ متوسط الحال تھے۔ کسی مسلم زمین دار اور دولت مند سرمایہ دار کا وجود نہیں تھا۔ اور علوم فرنگ اور تہذیب جدید کے مسموم جراثیم سے بالکل محفوظ ومامون تھا حضرت نائب امیر شریعتؒ کی دوربین نگاہوں نے ایک نظر ڈالتے ہی یہ اندازہ لگالیا کہ اس صوبہ میں یہی ایک ضلع ہے جہاں کے لوگوں میں احکامِ شریعت بلا دلیل وحجت قبول کرنے کی صلاحیت ہے سرمایہ داروں کی جنگِ سرمایہ داری، متفرقین اکابر کا مکر وحیلہ، شیدایانِ علوم فرنگ کا جہل مرکب، فریفتہ گان تہذیب جدید کی سازشیں، حق وصداقت کی دعوت وتبلیغ میں سدراہ نہیں ہیں، ان ہی اسباب کی بنا پر امارت شرعیہ جیسے اہم ترین فریضہ کی دعوت وتبلیغ کے لیے حضرت مولاناؒ نے اس ضلع کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی، چنانچہ یہ ضلع حضرت مولاناؒ کے تبلیغی دور کی عزت اوراعلیٰ دینی خدمات پر جس قدر بھی فخر کرے کم ہے چمپارن کی مسلم آبادی کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں ہے جو مولانا کے ارشادات وہدایات کے فیضان سے محروم ہو۔''[1]

۱- حیات سجاد ص ۱۱۰، ۱۱۱ مضمون حافظ محمد ثانی صاحبؒ

اہل چمپارن کا حضرت مولاناؒ سے بے پناہ عشق ومحبت

اہل چمپارن کومولانا کے ساتھ عشق کی حد تک تعلق تھا، چمپارن ہی کے رہنے والے حافظ محمد ثانی صاحب بیان فرماتے ہیں:

''ہم لوگوں پر مولاناؒ کی ایک خاص شفقت کی نظر رہتی تھی۔ مولاناؒ کی صحبت اور وعظ و پند میں وہ کشش تھی کہ ہم لوگ اپنی تمام اہم ضروریات کو بالائے طاق رکھ کر ان کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے اور نکات قرآنی سے قوت روحانی حاصل کیا کرتے تھے۔ مولاناؒ تبحر علمی، سیاست فہمی، ایثار واخلاصِ عمل وجذبۂ عمل، عجز وانکساری، سادگی وجفاکشی، صبر واستقامت، توکل وقناعت و دیگر صفاتِ عالیہ سے ایسے متصف تھے کہ یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ خدائے قدوس نے اپنے خاص بندوں کو خاص صفات ودیعت فرما کر کسی خاص اہم فریضہ کی انجام دہی کے لیے بھیجا تھا۔''[۱]

چمپارن میں والہانہ استقبال کا ایک منظر

جناب حاجی عدالت حسین صاحب (چمپارنی) نے چمپارن کے ایک دورہ کی جو منظر کشی کی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:

''جس وقت حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید شاہ محی الدین صاحب مدظلہ (موجودہ حضور امیر شریعت) ساٹھی اسٹیشن پر پہنچے پورا اسٹیشن اس علاقہ کے مسلمانوں سے بھرا تھا اور ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف انسانوں کا جنگل معلوم ہوتا تھا۔ حافظ دین محمد صاحب چنپٹیا کی پندرہ سو روپیہ کی نئی شکرم گاڑی، جس میں پانچ سو روپیہ کا گھوڑا لگا ہوا تھا اسٹیشن پر موجود تھی جب دونوں بزرگ بیٹھے تو ارادت مندوں کے والہانہ جذبات کا یہ حال تھا، کہ باوجود سخت انکار اور ممانعت کے لوگوں نے گھوڑے کو الگ کر دیا اور جوش ارادت میں موضع سمری شیخ عبدالحکیم صاحب کے مکان تک کھینچ کر لے گئے۔

یہاں سے شیخ گلاب صاحب مجاہد چمپارن کی دعوت پر چاند برواتشریف لے گئے شیخ صاحب نے اس طرح وفد کا استقبال کیا کہ تین میل آگے سے کیلے کے ستون نصب کر کے جھنڈیوں سے آراستہ کیا تھا۔ اور مسلمانوں کے عام اژدحام کے ساتھ ساتھ علاقے کے ہندو رؤساء بھی ہاتھی اور گھوڑے پر سوار شریک جلوس تھے۔ پولیس بھی نگرانی کے خیال سے مع فورس کے ساتھ تھی، دن کو شیخ صاحب کے ہاں کھانا کھایا گیا رات کو موضع وہوبنی میں حافظ محمد اسحق صاحب

۱- حیات سجاد ص ۱۱۲ مضمون حافظ محمد ثانی صاحبؒ

کے زیر اہتمام عظیم الشان جلسہ ہوا، حضرت نائب امیر شریعت اور دیگر علماء نے تقریریں کیں، جن میں حضرت مولانا ریاض احمد صاحب[1] خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، شب کو حافظ محمد اسحٰق صاحب کے مکان پر بند کمرے میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مخصوص حضرات کو خصوصی طور پر طلب فرمایا اور حالات حاضرہ کے متعلق خصوصی مشورے دیئے۔"[2]

اصلاحی جدوجہد بھی عبادت ہے

حضرت مولاناؒ کو بھی اہل چمپارن سے خصوصی لگاؤ تھا، ان کے جذبات صدق وخلوص کی آپ نے بڑی قدر فرمائی، دل وجان سے ان کو گلے لگایا اور ان کی دینی ودنیاوی ضروریات کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ لوگوں کی اصلاح بھی عبادت ہے، اور مشقت کے ساتھ کی جانے والی عبادت کا اجر دو چند ہوجاتا ہے، حافظ محمد ثانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

"حضرت مولاناؒ جیٹھ بیسا کھ کی چلچلاتی دھوپ اور جلتی تپش میں بیل گاڑی پر بھی نہایت خوشی کے ساتھ صبح سے شام تک سفر کرتے اور چھتری تک نہیں لگاتے۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا بہتر ہوتا کہ حضور کا دورہ اب سے بعد رمضان شریف یا قبل رمضان ہوتا کہ ہم لوگ روزہ میں تکالیف سفر سے نجات پاتے مولانا نے تبسم آمیز لہجہ میں فرمایا کہ رمضان شریف میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے۔ اصلاح قوم بہت بڑی عبادت ہے جس کو ہم لوگ اس متبرک مہینہ میں ادا کرتے ہیں۔"[3]

عقد بیوگان کی سنت کا احیا

جناب حاجی عدالت حسین صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

۱- حضرت مولانا ریاض احمد چمپارن کے ممتاز عالم، زندہ دل، اور صاحب نسبت بزرگ گذرے ہیں جو زندہ دل اور حساس قلب رکھتے تھے، بتیا شہر سے دس (۱۰) کلومیٹر جنوب میں واقع ایک گاؤں موضع سنت پور (تھانہ نوتن) میں آپ کی پیدائش ہوئی، یہی آپ کا آبائی وطن ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ بتیا میں مولانا نیک محمد سے حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے رام پور تشریف لے گئے، اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف اور مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ میں بھی بالترتیب مدرس رہے، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور وہاں استاذ تفسیر ہوئے، امیر شریعت ثالث کے انتخابی اجلاس میں بحیثیت صدر استقبالیہ خطبۂ صدارت پڑھا، اسی طرح امیر شریعت رابع کے انتخاب کے لئے جمعیۃ علماء بہار کے اجلاس خصوصی کی بھی صدارت فرمائی، امارت شرعیہ کے رکن شوریٰ بھی رہے، آپ کے مکاتیب کا مجموعہ "مکاتیب ریاضیہ" کے نام سے شائع ہوچکا ہے، آپ کا انتقال ۱۹۶۲ء (۱۳۸۲ھ) میں بتیا میں ہوا، اور موضع سنت پور میں مدفون ہوئے، آپ کے تلامذہ اور خلفاء میں حضرت امیر شریعت خامس مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، اور آپ کا روحانی سلسلہ بھی ان ہی کے ذریعہ کافی وسیع ہوا (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱ مؤلفہ مولانا ابوالکلام شمسی قاسمی)

۲- حیات سجاد ص ۱۲۱، ۱۲۲ مضمون حاجی عدالت حسین صاحبؒ

۳- حیات سجاد ص ۱۱۲، ۱۱۳ مضمون حافظ محمد ثانی صاحبؒ

''اس علاقہ کی جہالت کی وجہ سے شادی میں ہندوانہ مراسم کا عام شیوع تھا۔ اسی بنا پر عقد ثانی کرنا سخت معیوب تھا، اور اس کا اظہار کرنے والا انتہا درجہ کا معتوب ہوتا تھا چمپارن میں یہ مردہ سنت حضرت نائب امیر شریعت کی وجہ سے زندہ ہوئی۔ اور شیخ شمس الدین صاحب کا نکاح جو موضع سبیا کے سربر آوردہ لوگوں میں سے ہیں ان کی بیوہ بھاوج سے کیا گیا۔ اس کا اثر پورے علاقہ پر یہ ہوا کہ وہ تمام کراہیت جو قدیم سے اس سنت کی انجام دہی میں حائل تھی وہ مفقود ہوگئی۔ اور پورے علاقہ میں عقد ثانی کا اجرا ہوگیا۔ اور آج تک ہوتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک بری رسم یہ بھی تھی کہ چھوٹے بھائی کی بیوہ بی بی سے عقد کرنا نہایت ہی برا سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی وجہ سے اس کی بھی اصلاح ہوئی بعض کا نکاح چھوٹے بھائی کی بیوہ بی بی سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کردیا۔''[۱]

شادی بیاہ میں اسراف بیجا کی اصلاح

''اسی سلسلہ کی ایک کڑی شادی میں اسراف بیجا اور غیر ضروری تزک و احتشام اور لہو ولعب بھی تھا۔ جس کے لیے مسلمان سودی قرضہ لیتے تھے، اور اپنی جائداد مرہون اور فروخت کردیتے تھے، اور اس طرح یہ شادی خانہ آبادی ساتھ ساتھ خانہ بربادی بھی ہو جاتی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی سے یہ اسراف بیجا بھی بند ہوگیا۔ اب عموماً لڑکا والے طعام ولیمہ کرتے ہیں۔ اور لڑکی والے حسب لیاقت جہیز دیتے ہیں۔

☆ شیخ فیض القدیر صاحب رئیس بگہی کے لڑکے کی شادی شیخ محی الدین صاحب سبیا کی لڑکی سے جس اسلامی سادگی کے ساتھ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ہوئی، وہ چمپارن کی تاریخ میں یادگار واقعہ رہے گا حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ لڑکے کو مع چند خاص اصحاب کے سادہ لباس میں لے کر سبیا پہنچے، عصر اور مغرب کے درمیان حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عقد پڑھایا۔ اس کے بعد حاضرین نے چائے پی، اور اسی دن لڑکی بیل گاڑی کی سواری سے رخصت کردی گئی۔ حالاں کہ طرفین کے لوگ اللہ کے فضل و کرم سے اپنے گاؤں کے رئیس ہونے کے علاوہ دونوں حضرات کے پاس متعدد ہاتھی، گھوڑے، ٹمٹم، موجود تھے۔''[۲]

مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا خاتمہ

☆ بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کے درمیان پشتینی جھگڑے چلے آرہے تھے، ایک دوسرے کے خلاف مقدمات کی کثرت تھی، حضرت مولاناؒ کی کوششوں سے یہ جھگڑے ختم ہوئے، اور مقدمات

۱- حیات سجاد ص ۱۳۰ مضمون حاجی عدالت حسین صاحبؒ

۲- حیات سجاد ص ۱۳۱ مضمون حاجی عدالت حسین صاحبؒ

اٹھا کر سب گلے گلے مل گئے، اس طرح سینکڑوں گھرانے حضرت مولانا کے فیوض عالیہ سے باہم شیر وشکر ہو گئے۔[1]

مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح

☆ مسلمانوں کے عقائد واعمال پر حضرت مولاناؒ کی گہری نگاہ تھی، اور آپ کے فیض توجہ سے ہزاروں لوگوں نے اپنے غلط عقائد واعمال سے توبہ کی، اور سچے پکے مسلمان بن گئے، حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی تحریر فرماتے ہیں:

''جس وقت امارت شرعیہ کی بنیاد رکھی گئی تھی، دور دراز دیہاتوں میں بہت سے مسلمان ایسے تھے، جن میں غیر اسلامی اور مشرکانہ رسوم پھیلی تھیں، صحیح اسلامی عقائد ان تک پہنچانے والا کوئی نہیں تھا، امارت شرعیہ نے اپنے مخلص مبلغین کے ذریعہ ان مسلمانوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا، مشرکانہ اعمال ومراسم سے توبہ کرائی، اور اسلامی عقائد واخلاق سے انہیں آشنا کیا، تقریباً بارہ ہزار شہروں، دیہاتوں اور مسلم آبادیوں کا اجتماعی یا انفرادی دورہ کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ہزار ہا ہزار مسلمانوں کے عقائد درست ہوئے۔

اس دور میں نماز پڑھنے کا شوق مسلمانوں میں بہت کم تھا، امارت شرعیہ نے مسلمانوں کو اس بنیادی عبادت کی اہمیت جتائی، اور مسجدوں کے آباد کرنے کی ترغیب دی، بلکہ بہت سی جگہوں میں مسجدیں بھی تعمیر کرائی گئیں، اس کا بہت خوشگوار اثر ہوا، اور انتیس ہزار ایک سو سینتیس مسلمانوں نے باضابطہ ترک نماز سے توبہ کی، اور پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کا عہد کیا، اسی طرح چھ ہزار آٹھ سو ترپن مسلمانوں نے جو مشرکانہ رسوم میں مبتلا تھے باضابطہ کارکنان امارت کے ہاتھوں پر توبہ کی، کچھ مسلمان جو گھروں میں مورتیاں رکھتے تھے انہیں نکال کر پھینکا، کچھ ایسے بھی تھے جو اس وقت سروں پر چوٹیاں رکھتے تھے، انہوں نے چوٹیاں کٹوائیں، اُس وقت کی رپورٹ میں ایسے مسلمانوں کی تعداد چھ ہزار پانچ سو آٹھ درج ملتی ہے۔

بہار کے بعض علاقوں میں شراب اور تاڑی پینے کا بہت رواج تھا، مسلمان بھی اس نشہ خوری میں مبتلا تھے، امارت شرعیہ کے مبلغین اور کارکنوں نے ان علاقوں میں پہنچ کر ایسے مسلمانوں سے توبہ کرائی، اور اس سے نفرت ذہنوں میں بٹھائی، ابتدائی دس سالوں میں ایسے توبہ کرنے والوں کی تعداد چوہتر ہزار تین سو چوہتر تھی، ایسے بچھڑے ہوئے علاقوں میں امارت

۱- امارت شرعیہ: دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۱۹۹ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی۔

شرعیہ نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے بکثرت مکاتب ومدارس کھولے۔'' [1]

دیہی علاقے شہر سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں

حضرت مولانا سجادؒ اپنی اصلاحات میں شہر سے زیادہ دیہاتوں پر توجہ دینے کے قائل تھے ،شاہ محمد ثانی صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

''مولاناؒ شہروں سے زیادہ دیہاتوں پر توجہ دیتے تھے کیونکہ ملک کی پچھتر فیصدی آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے دوسرے یہ کہ شہروں میں کثرت سے جلسے ہوتے رہتے ہیں،علماء اور زعماء کی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔دیہاتوں کے دشوار گزار راستوں کو طے کرنے کی کم ہی لوگ ہمت کرتے ہیں۔تیسرے یہ کہ دیہاتوں میں جو اثر ہوجاتا ہے وہ دیرپا ہوتا ہے،مولاناؒ کی طاقت کا راز بھی یہی تھا جس سے مولاناؒ اپنے حریفوں کو شکست دے سکے،مولاناؒ اپنی صحت کی پرواہ نہ کرکے کثرت سے دیہاتوں کا دورہ کرتے تھے۔'' [2]

۱۔امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۱۹۸،۱۹۹ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ۔
۲۔ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی،ص ۱۰۲

فصل سوم

امدادی وفلاحی خدمات

فلاحی خدمات سے مراد وہ مجاہدانہ خدمات ہیں جو حضرت مولانا سجادؒ نے قدرتی آفات اورفرقہ وارانہ فسادات کے مواقع پر انسانی امداد، قیام امن، بقائے باہم، اور بالخصوص مسلمانوں کی جان ومال کے تحفظ، مصیبت زدوں کی امداد، مقدمات کی پیروی، حکومت سے گفت وشنید اور تحفظ ایمان وقیام اجتماعیت کے لئے مکاتب ومدارس اور مساجد کی تعمیر وغیرہ کے ضمن میں انجام دی ہیں، مولاناؒ نے اس محاذ پر بھی جو عظیم خدمات انجام دی ہیں، وہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں، لیکن افسوس ان میں سے بہت کم کو محفوظ کیا جاسکا، یہاں بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۹۳۴ء کے زلزلے میں حضرت مولانا سجادؒ کی بے نظیر امدادی خدمات

☆ بہار میں ۱۹۳۴ء میں جو بھیانک زلزلہ آیا اس موقعہ پر حضرت مولانا سجادؒ نے بنفس نفیس جو زریں خدمات انجام دیں اس کی مثال امدادی تاریخ میں بہت کم ملے گی، اس کی کچھ تفصیل حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ نے نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

> ''۱۵/ جنوری ۱۹۳۴ء مطابق ۲۸/رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ یوم دوشنبہ کو بہار میں بڑا خوفناک اور ہیبت ناک زلزلہ آیا اور یہ زلزلہ اپنے ساتھ بڑی تباہی وبربادی لایا، ہزاروں مکانات مسمار ہوگئے، اور نہ معلوم کتنے انسان ان مکانوں کی چھتوں اور دیواروں کے نیچے دب کر مر گئے، زمین شق ہوگئی، اور پانی کے چشمے چھوٹ پڑے، اس وقت انسانوں کی سراسیمگی کا عجب عالم تھا خصوصی طور پر اضلاع مونگیر، دربھنگہ، مظفر پور، چمپارن، اور سارن بہت متأثر ہوئے۔
>
> امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے اس موقعہ پر بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں، آج اس کی مثال شاید نہ مل سکے، نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اس خدمت کے لئے وقف ہوکر رہ گئے تھے، اور آپ کے ساتھ امارت کے سارے کارکنان اور بہی خواہ کام کر رہے تھے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں امارت کے آدمی پہنچے، اور لوگوں کو سہارا دیا، اس دور میں بیت المال امارت شرعیہ سے ایک لاکھ روپے مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم ہوئے، علماء ملت نے اپنے سروں پر مٹی اٹھائی، غریبوں کے گھر بنوائے، اس حادثے میں جو بچے یتیم ہوگئے تھے، ان

کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا گیا۔''[۱]

تعاون باہمی کی انوکھی اسکیم

''بعض دیہاتوں میں تعاون باہمی کی اسکیم رائج کی گئی، اس کی صورت یہ ہوتی تھی، کہ ایک آبادی کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، اور ہر حصہ والے سے کہا جاتا تھا کہ یہ سب مل کر یکے بعد دیگرے ایک ایک شخص کا مکان تعمیر کریں اور ہر شخص اپنی وسعت بھر اس میں حصہ لے، خود نائب امیر شریعتؒ بھی اس میں عام باشندگان کے ساتھ حصہ لیتے تھے، اور مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کم خرچ میں بہت سارے مکانات تعمیر ہو گئے، اور کوئی غریب ایسا باقی نہ رہنے پایا جس کا گھر نہ بن گیا ہو۔''[۲]

فسادات کے موقعہ پر امدادی خدمات

☆ مولانا عثمان غنی صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

''صوبہ میں جتنے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ان میں جہاں کہیں مسلمانوں کی مظلومیت ثابت ہوئی، حضرت مولاناؒ نے امارت شرعیہ کی جانب سے مظلومین کی مناسب اعانت کی —

☆ اضلاع دربھنگہ ومظفر پور کے بعض دیہاتوں میں بقرعید کے موقع پر فسادات ہوئے جن میں مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور لوٹا گیا۔ وہاں بھی حضرت مولاناؒ خود تشریف لے گئے اور امارت شرعیہ کے کارکنوں کے ذریعہ مقدمہ میں اعانت کی، صوبہ کے دوسرے مقامات کے فسادات میں بھی مسلمانوں کی اعانت کی گئی۔

☆ کانگریسی حکومت کے زمانہ میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، اس کی خود تحقیقات کی یا امارت شرعیہ کے کارکنوں کے ذریعہ تحقیقات کرائی اور مظلوم مسلمانوں کی مالی یا قانونی امداد کرائی۔

☆ نیا گاؤں ضلع مظفر پور کے فساد میں مظلوم مسلمانوں کے لیے پٹنہ کے ایک مشہور بیرسٹر کو حکومت کی طرف سے مقرر کرایا جنھوں نے سیشن اور ہائی کورٹ میں بھی کام کیا۔

☆ گیا کے فساد کی تحقیقات کے لیے راقم الحروف کو بھیجا، اور پھر ایک دو روز کے لیے خود تشریف لے جا کر مفید مشورے دیئے اور سعی وکوشش کر کے مسلمانوں کو تاوان دلایا۔''[۳]

۱- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۱۲ تا ۲۱۴ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ

۲- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۱۲ تا ۲۱۴ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ

۳- حیات سجاد ص ۱۳۷، ۱۳۸ مضمون مولانا عثمان غنی صاحبؒ

چمپارن کا گوشہ گوشہ فسادات کی لپیٹ میں

''اسی طرح سوگولی، چنپٹیا، اختہ کے شدید بلوے اور ضلع چمپارن کے گوشہ گوشہ کے جزئی فسادات میں (جو ان دنوں بکثرت ہو رہے تھے) حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمات کی اس طرح نگرانی فرمائی کہ کارکنان امارت شرعیہ چمپارن ہر موڑ پر کامیاب رہے۔''[1]

بتیا میں فرقہ وارانہ فسادات کے موقعہ پر مسلمانوں کی امداد

☆ بتیا میں فرقہ وارانہ فسادات کے موقعہ پر حضرت مولاناؒ کی امدادی خدمات کی رپورٹ حافظ محمد ثانی صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''۲۱؍اگست ۳۷ء کو بتیا میں ایک گہری سازش کے تحت جو مشہور فرقہ وارانہ فساد کرایا گیا تھا اور ہندوؤں نے غریب مسلمانوں پر جن جن مصائب کا پہاڑ ڈھایا تھا اس سے تمام ہندوستان واقف ہے، بارہ مسلمان جن میں زیادہ تر بوڑھے ضعیف تھے بے رحمی اور انتہائی ظلم کے ساتھ شہید کیے گئے اور سیکڑوں مجروح ہوئے۔ بے شمار مکانات نظر آتش کیے گئے اور لوٹے گئے۔ خدا کے پاک کلام اور مسجد کی بے حرمتی کی گئی۔ یہ ایک ایسا ہولناک اور روح فرسا واقعہ تھا کہ تمام شہر پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور مسلمان بسبب غربت اور فلاکت کے بدحواس اور پریشان تھے۔ حکام کے طرز تفتیش و برادران وطن کی انتھک کوششوں سے صاف ظاہر تھا کہ اب مقدمات میں مسلمانوں ہی پر مزید مصیبت نازل ہوگی اور ہندو بال بال بے داغ بچ جائیں گے اور مظلوم قید و بند اور دار و رسن کے شکار ہوں گے۔ دوسرے دن صبح کی ٹرین سے منشی سخاوت حسین صاحب عامل امارت شرعیہ کی معرفت ایک دستخطی مولوی شفیع داؤدی ناظم خلافت کمیٹی صوبہ بہار کو اور دوسرا خط حضرت نائب امیر شریعت صوبہ بہار مولانا سید ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کی خدمت میں لکھا اور اُردو اخبارات اور خطوط کے ذریعہ صوبہ بہار کے مشہور و ممتاز قانون داں حضرات سے مظلومین کی امداد و اعانت کی اپیل کی مگر افسوس کہ جواب میں ہر طرف سے خاموشی ہی خاموشی رہی۔ عزیز ملت نے ایسے فسادات میں مسلمانوں ہی پر الزام لگاتے ہوئے امداد سے بے تعلقی کا اظہار فرمایا ہے، وہ خط آج تک دفتر میں محفوظ ہے۔ ۴؍اگست کو صبح کی ٹرین سے مولوی شفیع داؤدی صاحب تشریف لائے اور دردناک مناظر کا معائنہ فرما کر بہت متاثر ہوئے، چوں کہ شفیع صاحب ابھی تک کانگریس کے ہم نوا تھے، اس لیے انھوں نے بتیا کے کانگریسی ہندو اور مسلمان لیڈروں کو جمع کر کے فرمایا کہ بہت ممکن ہے کہ آپ لوگ بھی مقدمات کے سلسلہ میں گرفتار ہو جائیں، اس لیے ضروری ہے کہ اپنا اپنا بیان مجھے لکھا دیں تاکہ آپ لوگوں کی غیبت میں ہم اور بابو راجندر پرشاد بتیا آئیں اور

۱- حیات سجاد ص ۱۲۹، ۱۳۰ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب

آپ لوگوں کے بیان سے فائدہ اٹھائیں، میں اپنا بیان دینے کو مستعد تھا مگر چمپارن کے سب سے بڑے صلح کن اور ست وانہسا کے پجاری ہندو لیڈر نے فوری بیان دینے سے انکار کیا اور اپنے ہم مذہب ہندو فرقہ سے مشورہ کرنے کے بعد بیان دینے پر ٹلایا، شفیع صاحب ان کی ذہنیت کو دیکھ کر بالکل مایوس ہو گئے اور فوراً واپسی کا اظہار کیا، ابھی وہ واپس نہ ہوئے تھے کہ ہم مسلمانوں کے دینی مقتدا اور سچے ہمدرد و بہی خواہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب انار اللہ مرقدہٗ کی مقدس ہستی مظلوم و مصیبت زدہ مسلمانوں کے لیے سایۂ رحمت بن کر رونق افروز ہوئی۔ شفیع صاحب یہ کہہ کر واپس ہو گئے کہ اب مولاناؒ تشریف لا چکے، میری ضرورت نہیں ہے، مگر شفیع صاحب نے مظفر پور پہنچ کر بتیا کے عبرت ناک واقعہ کو بچشم پُرنم مسلمان وکلاء سے بیان کیا۔ بیان سن کر مولوی عبدالودود صاحب وکیل و مولوی سید مجتبیٰ صاحب وکیل اور مولوی زاہد حسن صاحب مختار بہ سواری موٹر برسات کے ایام میں مظفر پور سے بتیا تک اسّی میل کی دشوار گزار مسافت طے کرتے ہوئے پہنچے۔ حضرت مولانا پہلے ہی سے مستقلاً بتیا میں قیام گزیں ہو چکے تھے۔ وہ لوگ ان سے ملے اور دو ایک روز رہ کر مقدمات کے متعلق ضروری اور مفید ہدایات دے کر مظفر پور تشریف لے گئے۔ مولانا نے مظلومین کی اعانت و حفاظت و ظالموں کی سرکوبی کے لیے بہترین نظم کیا، ایک ڈیفنس کمیٹی بنائی اور ایک باضابطہ دفتر کھول دیا، جس میں روزانہ صبح سے بارہ بجے شب تک محررین و ٹائپسٹ اپنے فرائض متعلقہ کو انجام دینے لگے، مالیات کا بہترین نظم تھا جس سے مظلومین کی امداد اور دیگر ضروری اخراجات میں کوئی دشواری کبھی پیش نہیں آئی، اس زمانہ میں کونسل کا اجلاس رانچی میں ہو رہا تھا، شیخ عدالت حسین صاحب و مولوی مجتبیٰ صاحب وکیل کو ضروری ہدایات کے ماتحت وہاں مولانا نے بھیجا۔ تاکہ مسلمان ممبروں کے ذریعہ صوبائی گورنمنٹ کی توجہ مظلومین کی طرف منعطف کرائیں۔ مقدمات کی تحقیقات کی نگرانی کی گئی۔ مسلمانوں کو تاوان دلانے کی زبردست سعی میں کامیابی ہوئی۔ مقدمات کے انچارج مولوی سید مجتبیٰ صاحب وکیل مظفر پوری بنائے گئے جنھوں نے نہایت ہی ایثار و قربانی کے ساتھ تحقیقاتی منزل سے لے کر سیشن کورٹ تک اپنا فریضہ نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ مولاناؒ کا قیام چھ سات ماہ مسلسل بتیا میں رہا اور انھوں نے سب سے پہلے واقعات کے متعلق اپنی خداداد قابلیتوں سے ایک مبسوط و مدلل بیان اردو، انگریزی اخبارات میں شائع کرایا اور حکام بالا کو بھیجا۔ اس سے گورنمنٹ متوجہ ہوئی اور ہندوستان کے مسلمان متأثر ہوئے۔ گورنمنٹ کے آفیسران ہوم ممبر اور گورنر تک بتیا آئے اور ظالموں کے انتہائی ظلم و عدوان کا جانکاہ منظر اور مظلومین کی لاچاری اور بے کسی کا درد انگیز تماشا دیکھ کر واپس گئے۔ گورنمنٹ افسروں کے طرز تحقیقات میں تبدیلی ہوئی اور ہندوستان کے اہل درد اور مخیر مسلمانوں نے مظلومین کی امداد کے لیے مالی اعانت شروع کر دی جن میں جناب سر فخرالدین مرحوم و حاجی عبدالرحمٰن صاحب وکیل مرحوم کے ساڑھے سات سو کی رقم سب

سے پہلے پہنچی اور مظلومین و فاقہ کشوں کی فوری امداد میں خرچ ہوئی۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

ابتدائی ایام میں طویل مقدمات کے کثیر اخراجات کا تصور غریب و مفلس مسلمانوں کے لیے باعثِ پریشانی و حیرانی تھا مگر بحمداللہ مولانا کے بیان کے بعد ان کی مقدس ذات کی برکت سے روپیوں کی بارش شروع ہوئی اور تقریباً بارہ ہزار روپے جمع ہو کر خرچ ہوئے۔ یہ مولاناؒ کی بہت بڑی کرامت تھی، مقدمات کی تحقیقاتی منزل میں مسٹر حاجی محمد یونس صاحب، مسٹر سید اصغر یوسف صاحب، بیرسٹران پٹنہ و مولوی عبدالودود صاحب وکیل مظفرپور بھی دو ایک روز کے لیے تشریف لائے تھے اور کام کیا تھا اور سیشن کورٹ میں مسٹر سید بشیر الدین صاحب بیرسٹر پٹنہ نے تقریباً ایک ماہ مسلسل قلیل معاوضہ پر اپنی اعلیٰ قانونی قابلیت کا ثبوت دیا، ان تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیشن کورٹ سے پانچ مسلمانوں کو ایک سال سے پانچ سال تک سزائے قید ہوئی اور ہائی کورٹ سے یہ بصورت جرمانہ تبدیل ہوئی اور مسلمان قید خانہ سے باہر آئے۔ تقریباً پندرہ ہندوؤں کو چار سال سے دس سال تک کی سزا ہوئی۔ اڈیشنل پولیس کا خرچہ ہندو اور مسلمان دونوں فریق سے وصول ہوا۔ پچاس ہزار کی رقم ہندوؤں سے وصول کر کے بصورت معاوضہ نقصانات مسلمانوں کو دلایا گیا۔ ان ہولناک جرائم کی انگریزی عدالت سے یہ سزا ہوئی۔''[1]

مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''بتیا شہر میں ایک محلہ میر شکار ٹولی کہلاتا ہے، باختلاف روایت چالیس پچاس ہزار ہندوؤں کا مسلح جلوس اس محلہ کی تنگ سڑکوں سے گذرنے لگا جہاں ایک چھوٹی سی مسجد میں تیس چالیس مسلمان نماز عصر ادا کرنے کو جمع ہوئے تھے، مسلمانوں نے عذر کیا کہ وہ راستہ نہ تھا، آبادی محلہ کی خالص مسلمانوں کی تھی، سرداران جلوس نے اس مزاحمت کا جواب مسلح حملوں سے دیا، مسجد بری طرح بے حرمت کی گئی، تمام محلہ جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا اور شہر میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان عام بلوہ ہو گیا، ہتھیار عام طور پر استعمال ہوئے، بندوقیں چل گئیں، سینکڑوں مکانات اور دکان لٹ گئے، مسلمان بہت زیادہ مقتول ہوئے، ایک ہندو بھی مارا گیا اور وہ سب کچھ ہوا جو ایسے بلووں میں ہوا کرتا ہے۔

بتیا کے مسلمان عموماً جاہل، غریب اور مزدور پیشہ ہیں، ان کا پرسان حال اور پیروی کار کوئی نہ تھا، یہی بطل حریت اور رہبر عالم اسلام مسلمانان بتیا کے لئے ملجا و مامن بن کر پہنچا۔ مدرسہ اسلامیہ بتیا میں امارت شرعیہ کے آزمودہ کار نقیب و رئیس حافظ محمد ثانی صاحب و شیخ عدالت حسین کی مدد سے مولاناؒ نے پیروی مقدمات کا دفتر کھول ڈالا۔ بہترین قانون دان حضرات باہر سے بلوائے گئے اور تقریباً ایک سال تک تمام مقدمات کی پیروی کی گئی۔ دنیا جانتی ہے کہ بلوے کے ایسے خوفناک مقدمات کیا ہوتے ہیں، قانون کی چیرہ دستیاں کس طرح لوگوں کو پریشان کرتی

۱- حیات سجاد ص ۱۱۵ تا ۱۱۸ مضمون حافظ محمد ثانی صاحبؒ

ہیں، تمام شہر اور مضافات ایک عجیب مصیبت میں مبتلا تھے اور مولانا سجادؒ ان کے ہر مرض کی دوا، تین سو (۳۰۰) سے زیادہ مسلمان ماخوذ تھے جن پر تمام سنگین دفعات عائد کئے گئے تھے، مگر بالآخر ایک ایک مسلمان رہا ہو کر رہا، کچھ ہندو سزایاب ہوئے، سرغنہ ہندوؤں کو سخت سزائیں ہوئیں مسلمانوں کو تقریباً پچاس ہزار تاوان حکومت سے دلوائے راقم الحروف تقریباً ایک سال تک مولاناؒ کے ہمراہ قانونی مشیر رہا۔''[۱]

موضع بیلا بلاس پور کا فساد

حاجی عدالت حسین صاحب چند اور فسادات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''موضع بیلا بلاس پور میں جب مفسد ہندوؤں نے عید الاضحیٰ کے موقع پر فساد کیا، اور مسجد کو اور چند مسلمانوں کے مکان کو توڑا، اور مسلمانوں کو مجروح کیا، تو حضرت نائب امیر شریعت مجھ کو اور مولوی محمد ثانی صاحب کو لے کر یہاں تشریف لائے، اور مظلوم مسلمانوں کی ہر طرح کی ہمدردی کی اور ان کے مقدمہ کی کامل پیروی کی۔ اور اس کے لیے جملہ مبادیات کو بہم کیا، اور مسلمان کامیاب ہوئے اور ہندو سزایاب ہوئے۔''[۲]

ویشالی اور سمستی پور میں فساد زدگان کی امداد

☆ ویشالی ضلع کے پاتے پور تھانہ کے موضع 'سمروارہ' گائے کی قربانی کو لے کر فساد بھڑک اٹھا اور 'نثار علی' نامی ایک غریب مسلمان شہید ہو گیا، بہت سے غریب مسلمانوں کے گھر جلا دیئے گئے۔

☆ اسی علاقہ کے قریب سمستی پور ضلع کے ایک دیہات 'سرسونا' میں بھی بقرعید کے موقعہ پر فساد رونما ہوا، جس میں ہندوؤں نے کئی مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ لیا، یہ دونوں مقدمے بھی کامیابی کے ساتھ لڑے گئے، اور قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا، اس میں حضرت مولانا سجادؒ کی جدو جہد کا بڑا دخل تھا۔[۳]

مدارس و مکاتب کا قیام اور مساجد کی تعمیر

حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

''مولانا کے حسب ایماء دیہاتوں میں متعدد مکاتب کا اجرا ہوا اور آج تک دو مکاتب خاص گدی

۱۔ محاسن سجاد ص ۷۹، ۸۰ مضمون مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب۔

۲۔ حیات سجاد ص ۱۲۹، ۱۳۰ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب

۳۔ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد۔ حیات و خدمات، مضمون جناب انوار الحسن وسطی (حاجی پور ضلع ویشالی) ص ۳۴۳۔

قوم کے لیے امارت شرعیہ کے زیر نگرانی قائم ہیں، اور امارت شرعیہ اخراجات کی کفیل ہے۔

حضرت مولاناؒ ہی کی کوششوں سے جناب مولوی شاہ مصطفی احمد صاحب رئیس گیا نے موضع سریاڈیہہ گدیانی میں ایک پختہ مسجد بخرچ مبلغ ساڑھے سات سو روپیہ بنوادیا اور موضع بھٹوا ٹولہ گدیانی میں ایک مسجد خاص شخص نے بنوائی، اب اس قوم کے بعض لڑکے اتنے تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں جو اپنی قوم میں تبلیغ و ہدایت کا فریضہ انجام دے سکیں۔"[1]

حاجی عدالت حسین صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

"موضع سریا میں ایک پختہ مسجد، موضع بھٹولیا میں پختہ کھپرا پوش مسجد اور موضع کرنمیاں میں خام دیوار کی مسجد اور بہت سی جگہوں میں خس پوش مسجدیں تیار کرائی گئیں اور موقع موقع سے مکتب کھولے گئے، اور گدیوں کے بہت سے لڑکوں کو بتیا کے مدرسہ میں داخل کیا گیا، ان کے نام بدل دیئے گئے آج بفضلہ تعالیٰ بہت سے گدی کے نوجوان تعلیم یافتہ مکتب اور اسکولوں میں ملازمت پر ہیں۔"[2]

موپلا مسلمانوں کی مالی امداد

☆ "ملک کی آزادی کے لئے موپلا مسلمانوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، اور یہ لوگ اس آزادی کی لڑائی میں بڑی تعداد میں شہید ہوئے، حکومت برطانیہ نے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے، جب انگریزی دور حکومت میں ان کا برا حال ہو گیا، اور ان کی بیوائیں اور بچے فاقوں سے دم توڑنے لگے، تو امارت شرعیہ نے اپنے یہاں ان کی امداد کے لئے ایک فنڈ کھولا اور اس کے ذریعہ ان کی کافی مدد کی اور ہزاروں روپے بھجوائے۔"[3]

حکومت عثمانیہ کی امداد

حضرت مولانا کی امدادی خدمات کا دائرہ کسی ایک ریاست تک محدود نہیں تھا بلکہ پورے ملک بلکہ بیرون ملک تک اس کا دائرہ وسیع تھا، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ نقل فرماتے ہیں:

۱- حیات سجاد ص ۱۲۴ مضمون حاجی عدالت حسین صاحب

۲- حیات سجاد ص ۱۱۴ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب

۳- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۰۹، ۲۱۰ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ

''خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کے تحفظ و بقاکے سلسلے میں بھی امارت نے کافی حصہ لیا، بلکہ قائدانہ حصہ لیا، ترک حکومت کو دنیا کی طاقتیں کچل دینا چاہتی تھیں، یہ وقت اس کے لئے بڑا نازک تھا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اس معاملہ میں پیش پیش رہے، اور پورے ملک سے ترکی کے لئے امداد کی اپیل کی، امارت شرعیہ نے اپنے صوبوں سے اس وقت بڑی گرانقدر رقم بطور امداد بھیجی۔''[۱]

مسلمانان فلسطین کی حمایت

مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ ہی کا بیان ہے کہ:

''۱۹۳۰ء میں بالفور اسکیم سے فلسطین کے عرب مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا وہ اب عیاں ہو چکا ہے، ابھی اسرائیلی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے قائم کرنے کے لئے یہ بالفور اسکیم تیار ہوئی تھی، ہندوستان میں اس کے خلاف سخت احتجاج ہوا صوبہ بہار واڑیسہ کے بھی تمام شہروں اور قصبات میں امارت شرعیہ کی ہدایت پر احتجاجی جلوس نکالے گئے، اور جلسے کئے گئے، جس میں تمام مسلمانوں نے جوش وخروش سے حصہ لیا تھا۔

۱۹۳۶ء میں جب یہ خبر آئی کہ حکومت برطانیہ فلسطین کو تقسیم کرنا چاہتی ہے، تو امارت شرعیہ نے اعلان کیا کہ پورے صوبہ میں ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۳۶ء یوم جمعہ کو 'یوم فلسطین' منائیں، اور حکومت برطانیہ کے اس رویہ کے خلاف احتجاج کریں، اور ساتھ ہی مسلمانان فلسطین کے لئے دعا کریں، چنانچہ تمام مسلمانوں نے اس اپیل پر لبیک کہا اور یوم فلسطین منایا، یہ خاکسار کی طالب علمی کا زمانہ تھا، اور مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں داخل تھا، مجھے یاد ہے کہ اس دن دعا کے لئے جو مضمون تیار کیا گیا تھا وہ استاذ محترم حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ موجودہ نائب امیر شریعت نے لکھا تھا، اور خاکسار نے صاف کیا تھا۔

پھر ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء یوم جمعہ کو بھی حکومت وقت کے خلاف احتجاج کیا گیا، اور عرب فلسطین کی حمایت میں تقریریں کی گئیں، چھپرہ شہر میں اس تحریک کے بنیادی کارکنوں میں خاکسار بھی شریک تھا۔''[۲]

۱- امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب ص ۲۱۰ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ
۲- امارت شرعیہ دینی جدو جہد کا روشن باب ص ۲۱۰، ۲۱۱ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ

یہ تو چند واقعات ہیں جو حضرت مولانا کے بعض تذکرہ نگاروں نے نقل کئے ہیں، ان کے علاوہ آپ کا فیض اور کہاں کہاں اور کس کس انداز میں پہنچا تاریخ وتذکرہ کے صفحات اس کے ذکر سے خاموش ہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ اس کا دائرہ ان واقعات کے حدود سے کہیں زیادہ ہے جو محفوظ رہ گئے ہیں، فرحمہ اللہ۔

کوئی بزم ہو، کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی وہاں اک چراغ جلادیا

سیاسی وقومی خدمات

(۱۳)

تیرہواں باب

حضرت مولانا ابوالمحاسن سیّد محمد سجاد کی سیاسی زندگی

افکار ونظریات، خدمات وامتیازات اور مسائل وتعلقات
غیر اسلامی ہندوستان میں اسلامی سیاست کا نقش اولین

فصل اول

اسلامی سیاست ــ حکم شرعی اور خط وخال

مفکر اسلام ابوالمحاسن حضرت مولانا محمد سجادؒ کی زندگی کا اہم ترین باب ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں ان کی عمیق فکری بصیرت اور عملی سیاست میں ان کی مضبوط حصہ داری ہے، غیر اسلامی ہندوستان میں مولانا سجادؒ واحد ایسے سیاست داں تھے جو عالم ربانی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست اسلامی اور سیاست حاضرہ کے رموز اور نزاکتوں کا بھی گہرا علم اور پختہ عملی تجربہ رکھتے تھے، آپ نے اقلیت میں ہونے کے باوجود انتخابی سیاست میں مثالی کامیابی حاصل کی، اور اپنے طاقتور حریفوں کو کھلی شکست سے دو چار کیا، جنہوں نے دیار کفر میں اسلامی سیاست کا خوبصورت معیار پیش فرمایا ــ ''نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری'' ــ الحاد و مادیت کی شب تاریک میں روحانیت کا چراغ روشن کیا، تخت شاہی پر فقیری کی مثال تازہ کی، شرار بولہبی کا فقر بوذری سے مقابلہ کیا، خود غرضی وجاہ پرستی کے بالمقابل دنیا کو صدق وراستی کا درس دیا، ایسے دور میں جب علماء کے طبقہ میں (عام طور پر) سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ لیا گیا تھا، حضرت مولانا سجادؒ نے ہندوستانی سیاست کو نئی سمت اور نئی بانکپن عطا کی، سیاست میں غیر اسلامی عناصر کے حلول کی وجہ سے جس طرح اس کی شبیہ خراب کر دی گئی تھی آپ نے تعمیری سیاست کو فروغ دے کر مثبت مقاصد کے لئے سیاست کا استعمال کیا۔

قرآن کے نزدیک سیاست وسیلۂ خیر ہے

حضرت مولانا سجادؒ کا نقطۂ نظر تھا، کہ کسی چیز کا غلط استعمال اس کو غلط ثابت نہیں کرتا، سیاست اسلام میں ممنوع نہیں ہے، بلکہ مقاصد اسلام کے حصول میں معاون ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ، الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ[1]

۱- سورۃ الحج ۴۰، ۴۱

ترجمہ: اللہ پاک ان لوگوں کی ضرور مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کریں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے، اور وہ لوگ جن کی مدد اللہ کرے گا اگر ہم ان کو زمین پر قابض بنادیں تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے منع کریں گے اور تمام کاموں کا انجام و مآل اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

ظاہر ہے کہ تمکین فی الارض (حکمرانی) سیاست ہی کا ایک جزو ہے، اس آیت کریمہ میں قرآن نے تمکین کو اقامت دین کے لئے معاون قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا سجادؒ کے الفاظ میں:

"اگر تمکین فی الارض کی سعی مسلمانوں کے لئے غیر محمود ہے تو پھر آیت تمکین اور آیت استخلاف کا کیا منشا ہے۔"[1]

سیاست بھی کارِ نبوت کا حصہ ہے

سیاست انبیاء کے طریق کار کا حصہ رہی ہے، بنی اسرائیل میں امتوں کی دینی قیادت کے ساتھ سیاسی قیادت بھی انبیاء ہی کرتے تھے، حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ۔[2]

حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ پیغمبروں نے سیاسی حکمرانی کی جو تاریخ رقم کی اس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے:

☆ حضرت یوسفؑ کے بارے میں ارشاد ہے:

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۃ یوسف:۵۶)

☆ حضرت داؤدؑ کے بارے میں فرمایا گیا:

يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ (ص:۲۶)

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص۵۰۔

۲ - الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۲۷۳ حديث نمبر:۳۲۶۸ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت الطبعة الثالثة، 1987-1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء 6۔

☆ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے بنی اسرائیل کی حوالگی کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا:

أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ۔ (سورۃ الدخان: ۱۸)

ترجمہ: اے فرعون اور فرعونی حکومت کے ارباب حل وعقد! خدا کے بندوں کو میرے حوالے کردو، کیونکہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں، اور میں ہی ان خدا کے بندوں کا امین ہوں، ان کی نگرانی کا میں مستحق ہوں۔

☆ حضرت یوسفؑ بھی اپنی مرضی سے حکومت میں حصہ دار ہوئے تھے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ★قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔ (سورۃ یوسف ۵۴، ۵۵)

☆ حضرت سلیمانؑ نے بھی رب العالمین سے خود یہ حکومت طلب فرمائی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ ص: ۳۵)

علماء اس وراثت کے اولین حقدار ہیں

احادیث میں علماء امت کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے، تو انبیا کی اس میراث سے ان کے لئے مفر کہاں ہے؟

إن العلماء ورثة الأنبياء إن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما إنما ورثوا العلم فمن أخذبه أخذ بحظ وافر۔ [1]

حقیقی سیاست

دراصل موجودہ حالات میں سیاست کا اصل تصور لوگوں کے ذہنوں سے دھندلا گیا ہے، سیاست مکروفریب، کذب وظلم اور موقعہ پرستی کا نام نہیں ہے، سیاست رعایا کے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے انتظام مملکت کا نام ہے، یہی سیاست عادلہ ہے، اور انبیاء کی سیاست اسی قسم کی تھی، اگر کسی سیاست میں انسانی حقوق اور خدائی حدود کی رعایت ملحوظ نہ رہ سکے تو وہ سیاست ظالمہ

---

[1] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج۵ ص۴۸ حدیث نمبر: ۲۶۸۲ المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: 5۔★سنن أبي داود ج ۳ ص ۳۵۴ حدیث نمبر: ۳۶۴۳ المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت عدد الأجزاء: 4 مصدر الكتاب: وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي۔

ہے، انبیاء اور علماء کی سیاست کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، علامہ شامیؒ نے اس پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے:

فالسياسة استصلاح الخلق بإرشادهم إلى الطريق المنجي في الدنيا والآخرة فهي من الأنبياءعلى الخاصةوالعامةفي ظاهرهم وباطنهم ومن السلاطين والملوك على كل منهم في ظاهره لاغيرومن العلماء ورثةالأنبياء على الخاصةفي باطنهم لاغير كمافي المفردات وغيرها اه ومثله في الدر المنتقى قلت وهذاتعريف للسياسةالعامةالصادقة على جميع ماشرعه الله تعالى لعباده من الأحكام الشرعيةوتستعمل أخص من ذلك ممافيه زجروتأديب ولوبالقتل كماقالوافي اللوطي والسارق والخناق إذاتكررمنهم ذلك حل قتلهم سياسة وكمامر في المبتدع ولذا عرفها بعضهم بأنهاتغليظ جناية لهاحكم شرعي حسما لمادة الفساد وقوله لها حكم شرعي معناه أنها داخلة تحت قواعدالشرع وإن لم ينص عليهابخصوصها فإن مدار الشريعة بعد قواعد الإيمان على حسم مواد الفسادلبقاء العالم ولذا قال في البحر وظاهر كلامهم أن السياسة هي فعل شيء من الحاكم لمصلحة يراها وإن لم يردبذلك الفعل دليل جزئي اه وفي حاشية مسكين عن الحموي السياسةشرع مغلظ وهي نوعان سياسة ظالمة فالشريعة تحرمهاوسياسةعادلةتخرج الحق من الظالم وتدفع كثيرامن المظالم وتردع أهل الفسادوتوصل إلى المقاصدالشرعية فالشريعةتوجب المصيرإليهاوالاعتمادفي إظهار الحق عليهاوهي باب واسع فمن أرادتفصيلهافعليه بمراجعةكتاب معين الحكام للقاضي علاء الدين الأسود الطرابلسي الحنفي اه۔ [1]

ابن فرحون لکھتے ہیں:

وَالسِّيَاسَةُنَوْعَانِ:سِيَاسَةٌظَالِمَةٌفَالشَّرْعُ يحرِّمُهَاوَسِيَاسَةٌعَادِلَةٌتخرِجُ الحَقَّ مِنْ الظَّالِم وَتَدْفَعُ كَثِيرًا مِنْ المظَالِم، وَتَرْدَعُ أَهْلَ الْفَسَادِ وَيَتَوَصَّلُ بِهَاإلَى المقَاصِدِ الشَّرْعِيَّةِ، فَالشَّرْعِيَّةُتُوجِبُ المصْدَرَإلَيْهِ وَالِاعْتِمادَفِي إظْهَارِالحَقِّ عَلَيْهَاوَهِيَ

[1] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۴ ص ۱۵ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ- 2000م.مكان النشر بيروت.عددالأجزاء 8

بَابٌ وَاسِعٌ تَضِلُّ فِيهِ الْأَفْهَامُ وَتَزِلُّ فِيهِ الْأَقْدَامُ، وَإِهمالُهُ يُضَيِّعُ الحقُوقَ وَيُعَطِّلُ الحدُودَ، وَيجرِّئُ أَهْلَ الْفَسَادِ وَيُعِينُ أَهْلَ الْعِنَادِ وَالتَّوَسُّعُ فِيهِ يَفْتَحُ أَبْوَابَ المظَالِمِ الشَّنِيعَةِ، وَيُوجِبُ سَفْكَ الدِّمَاءِ وَأَخْذَ الْأَمْوَالِ بِغَيْرِ الشَّرِيعَةِ، وَبِهَذَا سَلَكَتْ فِيهِ طَائِفَةٌ مَسْلَكَ التَّفْرِيطِ المذْمُومِ، فَقَطَعُوا النَّظَرَ عَنْ هَذَا الْبَابِ إِلَّا فِيمَا قَلَّ ظَنًّا مِنْهُمْ أَنَّ تَعَاطِيَ ذَلِكَ مُنَافٍ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ، فَسَدُّوا مِنْ طُرُقِ الحقِّ سَبِيلًا وَاضِحَةً، وَعَدَلُوا إِلَى طَرِيقِ الْعِنَادِ فَاضِحَةً، لِأَنَّ فِي إِنْكَارِ السِّيَاسَةِ الشَّرْعِيَّةِ وَالنُّصُوصِ الشَّرِيفَةِ تَغْلِيطًا لِلْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ. وَطَائِفَةٌ سَلَكَتْ هَذَا الْبَابَ مَسْلَكَ الْإِفْرَاطِ، فَتَعَدَّوْا حُدُودَ اللهِ تَعَالَى وَخَرَجُوا عَنْ قَانُونِ الشَّرْعِ إِلَى أَنْوَاعٍ مِنَ الظُّلْمِ وَالْبِدَعِ وَالسِّيَاسَةِ، وَتَوَهَّمُوا أَنَّ السِّيَاسَةَ الشَّرْعِيَّةَ قَاصِرَةٌ عَنْ سِيَاسَةِ الخلْقِ وَمَصْلَحَةِ الْأُمَّةِ، وَهُوَ جَهْلٌ وَغَلَطٌ فَاحِشٌ۔ [1]

علامہ طرابلسیؒ رقمطراز ہیں:

اعْلَمْ أَنَّ السِّيَاسَةَ شرعٌ مُغَلَّظٌ. وَالسِّيَاسَةُ نَوْعَانِ: سِيَاسَةٌ ظَالِمَةٌ فَالشَّرْعِيَّةُ تحرِّمُهَا. وَسِيَاسَةٌ عَادِلَةٌ تخرِجُ الحقَّ مِنَ الظَّالِمِ وَتَدْفَعُ كَثِيرًا مِنَ المظَالِمِ وَتَرْدَعُ أَهْلَ الْفَسَادِ، وَيُتَوَصَّلُ بِهَا إِلَى المقَاصِدِ الشَّرْعِيَّةِ لِلْعِبَادِ. فَالشَّرْعِيَّةُ يجِبُ المصِيرُ إِلَيْهَا وَالِاعْتِمادُ فِي إِظْهَارِ الحقِّ عَلَيْهَا، وَهِيَ بَابٌ وَاسِعٌ تَضِلُّ فِيهِ الْأَفْهَامُ وَتَزِلُّ فِيهِ الْأَقْدَامُ، وَإِهمالُهُ يُضَيِّعُ الحقُوقَ وَيُعَطِّلُ الحدُودَ وَيجرِّئُ أَهْلَ الْفَسَادِ وَيُعِينُ أَهْلَ الْعِنَادِ، وَالتَّوَسُّعُ فِيهِ يَفْتَحُ أَبْوَابَ المظَالِمِ الشَّنِيعَةِ وَيُوجِبُ سَفْكَ الدِّمَاءِ وَأَخْذَ الْأَمْوَالِ الْغَيْرِ الشَّرْعِيَّةِ، وَلِهَذَا سَلَكَ فِيهِ طَائِفَةٌ مَسْلَكَ التَّفْرِيطِ المذْمُومِ فَقَطَعُوا النَّظَرَ عَنْ هَذَا الْبَابِ إِلَّا فِيمَا قَلَّ ظَنًّا مِنْهُمْ أَنَّ تَعَاطِيَ ذَلِكَ مُنَافٍ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ، فَسَدُّوا مِنْ طُرُقِ الحقِّ سُبُلًا وَاضِحَةً، وَعَدَلُوا إِلَى طَرِيقٍ مِنَ الْعِنَادِ فَاضِحَةٍ؛ لِأَنَّ فِي إِنْكَارِ السِّيَاسَةِ الشَّرْعِيَّةِ رَدًّا لِلنُّصُوصِ الشَّرْعِيَّةِ وَتَغْلِيطًا لِلْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ. وَطَائِفَةٌ سَلَكَتْ فِي هَذَا الْبَابِ مَسْلَكَ الْإِفْرَاطِ فَتَعَدَّوْا حُدُودَ اللهِ وَخَرَجُوا عَنْ قَانُونِ الشَّرْعِ إِلَى أَنْوَاعٍ مِنَ الظُّلْمِ وَالْبِدَعِ السِّيَاسِيَّةِ،

---

[1] تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ۲ ص ۲۵۵ المؤلف: إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى: 799هـ)

وَتَوَهَّمُوا أَنَّ السِّيَاسَةَ الشَّرْعِيَّةَ قَاصِرَةٌ عَنْ سِيَاسَةِ الْحَقِّ وَمَصْلَحَةِ الْأُمَّةِ، وَهُوَ جَهْلٌ وَغَلَطٌ فَاحِشٌ، فَقَدْ قَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ {الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ} فَدَخَلَ فِي هَذَا جَمِيعُ مَصَالِحِ الْعِبَادِ الدِّينِيَّةِ وَالدُّنْيَوِيَّةِ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ۔ [۱]

سیاست کی جامع تعریف

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں اس موضوع پر اتنی مفصل، مدلل اور منطقیت سے لبریز گفتگو کی ہے کہ وہ بجا طور پر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے الفاظ میں 'اسلامی سیاسیات کی بہترین انسائیکلو پیڈیا' ہے۔ [۲]

حضرت مولانا سجادؒ سیاست کی مختلف تعریفات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ تو وہ تعریفات ہیں جو ہمارے علمائے ملت نے بیان کی ہیں، اس کے بعد مغربی حکماء نے اس مسئلہ پر خوب خوب موشگافیاں کی ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ باوجود سخت قیل وقال کے سیاست کی حقیقت پر ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے، اگر چہ عبارات مختلف ہیں تعریفات میں مبادی، مدارک کو شامل کرلیا گیا ہے اور آخر میں جو تعریف سب سے بہتر کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقوام وحکومتوں کے اندرونی احوال اور باہمی تعلقات کے اسلوب اور مصالح کا علم اور ان کی نگہداشت کا نام سیاست ہے، مغربی حکماء کے ان تمام مباحث کو فضلائے مصر نے عربی تراجم کے ذریعہ ہم تک پہنچا دیا ہے، جو مبادی علم السیاسۃ کے نام سے موسوم ہے، لیکن آپ غور فرمائیں کہ ہمارے علمائے کرام نے ایک جملہ میں سیاست کی ایسی مکمل تعریف کر دی ہے کہ سیاست کلی وجزئی، سیاست شخصی، سیاست بلدی وملکی، الغرض تمام اقسام سیاست اس کے تحت داخل ہیں، ایسی جامع تعریف اب تک مغربی حکماء کے ان اقوال میں مجھ کو نہیں ملی جو ہم تک پہنچے ہیں۔'' [۳]

ان تعریفات کی روشنی میں حقیقی سیاست خارج از دین نہیں بلکہ عین دین ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور بہت سے صحابۂ کرام نے سیاست میں حصہ لیا، اور دنیا امن وانصاف سے معمور ہوگئی جس کی تفصیلات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔

۱- معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام ج ۲ ص ۳۳۳ المؤلف: علي بن خليل الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين (المتوفى: 844هـ)

۲- حیات سجاد ص ۱۴۹ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

۳- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۴۹۔

خیر القرون میں سیاسی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی

خلفاء راشدین کی مجلس شوریٰ میں علماء کی تعداد غالب تھی، حضرت میمون بن مہرانؒ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں قانون سازی اور نفاذ قانون کے طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِنْ أَعْيَاهُ ذَلِكَ دَعَا رُءُوسَ الْمُسْلِمِينَ وَعُلَمَاءَهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَإِذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ عَلَى الأَمْرِ قَضَى بِهِ قَالَ جَعْفَرٌ وَحَدَّثَنِى مَيْمُونٌ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَعْيَاهُ أَنْ يَجِدَ فِى الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ نَظَرَ هَلْ كَانَ لأَبِى بَكْرٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ فِيهِ قَضَاءٌ فَإِنْ وَجَدَ أَبَا بَكْرٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ قَدْ قَضَى فِيهِ بِقَضَاءٍ قَضَى بِهِ وَإِلاَّ دَعَا رُءُوسَ الْمُسْلِمِينَ وَعُلَمَاءَهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَإِذَا اجْتَمَعُوا عَلَى الأَمْرِ قَضَى بَيْنَهُمْ.[1]

حضرت عمرؓ کے دور میں مہاجرین اولین کی رائے کو ترجیحی حیثیت حاصل تھی:

قال ابن عباس فقال عمر ادع لي المهاجرين الأولين فدعاهم فاستشارهم۔[2]

غرض اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں علماء کی بڑی تعداد سیاست میں شریک ہوتی تھی، اور اس کو علماء و مشائخ کے لئے معیوب تصور نہیں کیا جاتا تھا، البتہ بعد کے زمانے میں سیاست میں علماء کی شرح کم ہونے لگی، لیکن اس کو شجر ممنوعہ کبھی نہیں سمجھا گیا، بلکہ بڑے اکابر علماء ہمیشہ اس سے وابستہ رہے، حضرت مولانا محمد سجادؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے علماء ایک طرف علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے علمبردار ہیں، تو دوسری طرف وزارت خارجہ اور داخلیہ اور وزارت مالیہ کے قلمدان کو بھی سنبھالے ہوئے ہیں، اگر ایک وقت فقاہت کی مسند پر جلوہ گر ہیں، تو دوسرے وقت بین السلاطین سفارت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، تیسرے وقت دشمنان اسلام سے جہاد بالسیف بھی کر رہے ہیں۔''[3]

۱-السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ۱۰ ص ۱۱۴ حديث :۲۰۸۳۸ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق:الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة: الطبعة: الأولى۔ 1344هـ عدد الأجزاء: 10۔

۲- الجامع الصحيح المختصر ج ۵ ص ۲۱۶۳ حديث نمبر:۵۳۹۷ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407

تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6

۳- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵۲۔

عہد قدیم کے چند ممتاز سیاسی علماء

حضرت مولانا سجادؒ نے بطور نمونہ چند ممتاز علماء کا ذکر کیا ہے جن کے قدم سیاست میں بہت راسخ تھے۔[1]

علامہ ابوالقاسم محمود بن المظفر المروزیؒ

(ولادت جمادی الثانیہ ۴۶۲ھ وفات رمضان المبارک ۵۳۰ھ قبر شریف چاب قلعہ باتکر)

بڑے عالم فقیہ، محدث صوفی اور ذاکر وشاغل تھے، فقہ کی تعلیم علامہ ابوالمظفر بن السمعانیؒ، قاضی ابوالیسر محمد بن محمد بن الحسین البز دویؒ اور علماء ماوراء النہر سے حاصل کی، آپ کے ہاتھ میں قلمدان وزارت تھی اور الوزیر الکبیر کے لقب سے معروف تھے، آپ پر علم وذکر کا ایسا غلبہ تھا کہ بوقت وزارت بھی اس سے غافل نہیں ہوتے تھے۔[2]

علامہ عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ الحسنی الطالبی ابومحمد ضیاء الدین الکاری

(متوفی ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء)

بڑے عالم اور فقیہ تھے، امام ابوالقاسم بن البرزیؒ کے تلامذہ میں ہیں، ایک زمانہ تک حلب میں فقہ کی تعلیم دی، اور علم فقہ میں بڑی شہرت حاصل کی، اسی دوران سلطان اسدالدین شیرکوہ سے ان کا تعلق قائم ہوا اور عہدۂ امارت پر فائز ہوئے، شیرکوہ کی وفات کے بعد سلطان صلاح الدین کے قیام حکومت میں بھرپور تعاون کیا، سلطان صلاح الدین آپ کی صلاحیت وخدمات کے بے حد معتقد و معترف تھے، انہوں نے آپ کو امیر الامراء کے منصب پر فائز کیا، وہ آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا، آخر میں آپ دولت صاحبہ کے 'اکبر الامراء' ہو گئے تھے، فوجی لباس پہنتے تھے اور فقہاء جیسا عمامہ باندھتے تھے، 'عکا' کے قریب محمیہ کے مقام پر عیسائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔[3]

۱-خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵۲ تا ۵۴۔ حضرت مولانا سجادؒ نے صرف اجمالی تذکرہ پر اکتفا کیا ہے، اس حقیر نے ان کو کھول کرتے ہوئے جن کی ولادت ووفات اور ضروری حوالے مل سکے ان کو شامل کر دیا ہے، علاوہ ایک آدھ نام کا بھی اضافہ کیا ہے۔

۲-التحبير في المعجم الكبيرج ۲ ص ۲۸۶ المؤلف: عبدالكريم بن محمدبن منصور التميمي السمعاني المروزي، أبو سعد (المتوفى: 562هـ)المحقق: منيرة ناجي سالم الناشر: رئاسة ديوان الأوقاف -بغدادالطبعة: الأولى، 1395هـ- 1975م عددالأجزاء:2

۳-الأعلام ج ۵ ص ۱۰۷ المؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ)الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وتراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000ترجمة)]

قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالوہاب العلامی المصری الشافعی

(متوفی ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۶ء)

مدرسہ تشریعیہ کے بلند پایہ استاذ، دارالقضاۃ کے مدیر اور مملکت مصر کے وزیر تھے، بعد میں وزارت سے مستعفی ہوکر تدریس میں مشغول ہو گئے تھے، ابن بنت الاعز کے نام سے مشہور ہوئے۔[1]

ظہیر الدین محمد بن الحسین ابوشجاع الروذراوریؒ

(۴۳۷ھ ۴۸۸ھ مطابق ۱۰۴۵ء-۱۰۹۵ء)

اونچے علماء وادباء میں تھے، اھواز میں ولادت ہوئی، مقتدی العباسی کے عہد حکومت میں وزیر رہے، اپنے عہد وزارت میں اپنے حسن کارکردگی سے بڑی نیک نامی حاصل کی، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مدینہ پاک میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔[2]

علامہ محمد بن الحسین الانصاری

بڑے عالم وفقیہ، زاہدومتقی اور صاحب کرامات تھے، اصول اور فقہ کا درس دیتے تھے، زہدوتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کسی کا نذرانہ بھی جلدی قبول نہ کرتے تھے، ان کی سیاسی حیثیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب سلطان مصر ملک کامل اور اس کے بھائی والی دمشق موسیٰ الاشرف کے درمیان نزاع پیدا ہوا تو دونوں کے درمیان مفاہمت کے لئے سلطان مصر کے سفیر کی حیثیت سے علامہ موصوف مصر سے دمشق تشریف لے گئے۔[3]

قاضی القضاۃ علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن خلف

حافظ ذکی الدین کے تلامذہ میں ہیں، بے حد ذکی وذہین اور صاحب رائے تھے، سلاطین وقت کی نظروں میں ان کی بڑی وقعت تھی، خطابت، وزارت ونظارت کے مناصب جلیلہ

---

[1]-الأعلام ج ۳ ص ۳۱۵ المؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وتراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000 ترجمة)]

[2]-الأعلام ج ۶ ص ۱۰۱ المؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وتراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000 ترجمة)]

[3]-خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵۳، ۵۴۔

پر فائز ہوئے [۱] وغیرہ

غرض تاریخ میں ایسے بہت سے علماء کی مثالیں موجود ہیں، جنہوں نے علمی مقام ومرتبہ کے باوجود سیاست میں بھی مقام بلند حاصل کیا، اورسیاست کے پلیٹ فارم سے دین وملت کی شاندار خدمات انجام دیں۔

امام غزالیؒ کے قول کا مطلب

بعض حضرات کو امام غزالیؒ وغیرہ کی بعض عبارتوں سے غلط فہمی ہوئی جن میں کہا گیا ہے کہ انبیاء کی سیاست عوام وخواص سب پر نافذ ہوتی ہے، جبکہ بادشاہوں کی سیاست صرف ظاہر پر چلتی ہے اور علماء کی سیاست خواص کے باطن تک محدود رہتی ہے:

والسياسة في استصلاح الخلق وإرشادهم إلى الطريق المستقيم المنجي في الدنيا والآخرة على أربع مراتب: الأولى -وهي العليا: سياسة الأنبياء عليهم السلام وحكمهم على الخاصة والعامة جميعاً في ظاهرهم وباطنهم. والثانية: الخلفاء والملوك والسلاطين وحكمهم على الخاصة والعامة جميعاً ولكن على ظاهرهم لا على باطنهم. والثالثة: العلماء بالله عز وجل وبدينه الذين هم ورثة الأنبياء، وحكمهم على باطن الخاصة فقط۔ [۲]

اس سے بظاہر یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے ظاہری اعمال واحوال کی نگہداشت علماء کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہے، لیکن حضرت مولانا سجادؒ نے اس شبہہ کو غلط اور اصطلاحات سے ناواقفیت پر مبنی قرار دیا ہے، یہاں 'العلماء' سے مطلق اہل علم مراد نہیں ہیں بلکہ وہ اصطلاحی علماء مراد ہیں جو امور دنیا سے الگ تھلگ صرف علم دین کی اشاعت اور طالبین کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں، اشتغال فی العلم کی بنا پر عرف میں ایسے ہی لوگوں کو علماء کہا جاتا ہے، اس لئے کہ جو لوگ جس شغل سے وابستہ ہوتے ہیں گو کہ وہ مختلف النوع صلاحیتوں اور گوناگوں کمالات کے حامل ہوں لیکن اپنے شغل کی نسبت ہی سے شہرت پاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے علماء کا دائرۂ کار اپنے طالبین، تلامذہ اور خواص متعلقین سے عموماً متجاوز نہیں ہوتا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان میں سیاسی اہلیت نہیں ہوتی یا کہ ان کو سیاست میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔ [۳]

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵۴۔

۲- إحياء علوم الدين ج ۱ ص ۱۲ المؤلف: محمد بن محمد أبو حامد الغزالي (المتوفى: 505هـ)

۳- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵۴ تا ۵۷۔

ابن خلدون کی عبارت کا محمل

بعض لوگوں کو علامہ ابن خلدونؒ کے اس قول سے بھی شبہ ہوا ہے:

العلماء من بین البشر ابعد عن السیاسة۔ [۱]

کہ انسانی جماعت میں علماء کا طبقہ سیاست سے سب سے زیادہ دور ہے۔

مگر حضرت مولانا سجاد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''ابن خلدون کے کلام میں لفظ علماء سے علماء اسلام، حاملین شریعت مراد نہیں ہے، بلکہ انہوں نے علماء کا لفظ عام لوگوں کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے، اور یہ امر خود ان کے بیان تقریر سے واضح ہے، ان کی مراد علماء سے ہر وہ تعلیم یافتہ شخص ہے، جس نے علوم عقلیہ اور حکمیہ کو حاصل کیا، اور منطق فلسفہ وغیرہ میں اس کا توغل رہا اور وہ افکار ذہنیہ کا عادی ہوگیا، تو وہ سیاست سے بہت بعید ہے اور ان کے کلام میں سیاست بھی عام ہے، جو عادلہ اور ظالمہ دونوں کو شامل ہے، اس لئے ابن خلدون کی عبارت ہمارے مقصد کے لئے کسی طرح مضر نہیں ہے۔'' [۲]

حضرت مولانا سجادؒ نے ابن خلدون کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ پوری عبارت اس طرح ہے:

الفصل الرابع والثلاثون في ان العلماء من بين البشر ابعد عن السياسة ومذاهبها والسبب في ذلك أنهم معتادون النظر الفكري والغوص على المعاني وانتزاعها من المحسوسات وتجريدها في الذهن أمورا كلية عامة ليحكم عليها بأمر العموم لا بخصوص مادة ولا شخص ولا جيل ولا أمة ولا صنف من الناس ويطبقون من بعد ذلك الكلي على الخارجيات وأيضا يقيسون الامور على أشباهها وأمثالها بما اعتادوه من القياس الفقهي فلا تزال أحكامهم وأنظارهم كلها في الذهن ولا تصير إلى المطابقة إلا بعد الفراغ من البحث والنظر ولا تصير بالجملة إلى المطابقة وإنما يتفرع ما في الخارج عما في الذهن من ذلك كالاحكام الشرعية فإنها فروع عما في المحفوظ من أدلة الكتاب والسنة

۱- تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۵۴۲ المؤلف: عبد الرحمن بن محمد، ابن خلدون (المتوفى: 808ھ) دار احیاء التراث العربي بيروت—لبنان

۲- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵۷۔

فتطلب مطابقة مافي الخارج لها عكس الانظار في العلوم العقلية التي تطلب في صحتهامطابقتها لمافي الخارج فهم متعودون في سائرأنظارهم الامور الذهنية والانظار الفكرية لا يعرفون سواها والسياسة يحتاج صاحبها إلى مراعاة مافي الخارج ومايلحقها من الاحوال ويتبعها فإنها خفية۔ [1]

سیاست سے علماء کی علٰحدگی کے اسباب

حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان بنیادی اسباب وعلل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جن کی بنا پر علماء کے قدم سیاست کے میدان میں پیچھے ہوتے چلے گئے، مولاناؒ رقمطراز ہیں:

''علماء کرام کو قرون اولیٰ کے بعد کن امور نے اقدام فی السیاستہ سے روکا؟ اور کیا اس تاخر میں:

☆ صرف حوادث اور واقعات کا ہاتھ ہے۔

☆ یا ان احادیث واخبار کا اثر ہے، جن میں ان امور پر اقدام اور دخول کے شدائد ومہالک بیان کئے گئے ہیں جس سے مقصود یہ تھا کہ نہایت حزم واحتیاط اور تدبر و تفکر کے ساتھ کام کیا جائے، نہ کہ سرے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

☆ یا اخبار فتن کی تاثیر ہے جس سے مقصود یہ تھا کہ امت محمدیہ ہر وقت ہوشیار رہے اور نہایت صبر وہمت کے ساتھ عزیمت کی راہ اختیار کر کے فتن کے سد باب کی فکر کرے نہ یہ کہ عزلت نشینی اختیار کر کے ابواب فتن کو وسیع تر ہونے کے لئے چھوڑ دے۔

☆ یا مسائل رخصت وعزیمت کے غلط طریقۂ استعمال کو دخل ہے اس قدر عمومیت اور کلیت کا مرتبہ دیا گیا کہ عزیمت کا وجود صرف کتابوں کے اوراق میں رہ گیا۔'' [2]

سیاست سے علماء کی علٰحدگی کے نقصانات - علم اور تاریخ کے تناظر میں

حضرت مولانا سجادؒ کو اس خلا کا بہت احساس تھا کہ سیاست میں علماء کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے علماء کے ساتھ خود امت مسلمہ کا بھی بڑا نقصان ہوا، انہوں نے ایک جگہ اپنا درد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱- تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۵۴۲ المؤلف: عبد الرحمن بن محمد، ابن خلدون (المتوفى: 808هـ) دار احياء التراث العربي بيروت - لبنان

۲- خطبۂ صدارت مراد آباد ص ۵۷، ۵۸۔

''یہ صحیح ہے کہ سیاست مدن کے متعلق بہت سے اصولی اور فروعی احکام کو علماء کرام وفقہائے عظام نے آداب قضا اور کتاب السیر اور کتاب البیوع وغیرہ میں جمع کر دیا ہے، اور علم الکلام کی فصل امامت میں بھی کسی قدر اصولی بحث کی گئی ہے، مگر کیا میری شکایت غلط ہے کہ جس طرح کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ اور نکاح وطلاق کے ابواب میں بال کی کھال نکالی گئی ہے، نظام الاسلام کے اصول وفروع میں اس تفصیل سے کام نہیں لیا گیا۔ یہ کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ تمام مسائل پر تو مستقلاً متعدد تصانیف موجود ہیں، لیکن کیا نظام الاسلام پر بھی کوئی کامل ومکمل تالیف موجود ہے؟ — اس کے ثبوت کے لئے صرف اس قدر کافی ہے، کہ اگرچہ بعض حکمائے اسلام نے چند چھوٹے چھوٹے رسالے سیاسیات پر لکھے، اور بعض متاخرین نے بھی تمدنی وسیاسی مسائل کے بعض مسئلوں کے متعلق کتابیں لکھیں مگر یہ تمام کتابیں نظام اسلام کے اصول وفروع پر محیط نہیں ہیں، اور ان سے پورے نظام اسلام پر ہرگز روشنی نہیں پڑتی ہے۔

جہاں تک ہماری معلومات ہیں میں نہایت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ قاضی القضاۃ علامہ ابوالحسن ماوردیؒ (متوفی ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء) اول وہ بزرگ ہیں جنہوں نے پورے نظام اسلام کو کسی قدر بسط وتفصیل کے ساتھ یکجا کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے **جزاہ اللہ عنی وعن جمیع المسلمین۔**

اس کے بعد علامہ رشید رضا مدیر المنار مسئلۂ خلافت کے سلسلہ میں اس کے متعلق المنار کے صفحات میں مضامین لکھتے رہے اور اخیر میں اپنے تمام مضامین کو ایک مرتب شکل میں جمع کر کے کتابی صورت میں منتقل کر دیا جو الخلافۃ کے نام سے گذشتہ سال شائع ہو چکی ہے۔ **شکر اللہ سعیہ۔**

مگر میں نے جہاں تک غور کیا ہے یہ دونوں کتابیں بھی ناکافی ہیں بلکہ کسی قدر قابل تنقید بھی ہیں، ان کے علاوہ محض دیگر فضلائے مصر نے بھی کتابیں لکھی ہیں، مگر ان تالیفات کے اندر بھی اثرات خارجیہ کا اثر بہت نمایاں ہے۔

ضرورت ہے کہ اس سے زائد بسط وتفصیل سے کام لیا جائے بلکہ تمام احکام کے مآخذ ومدارک بیان کرتے ہوئے ان کے حکم کو بھی بتایا جائے۔ اصول نظام اسلام کے علاوہ اب اس کی بھی ضرورت ہے کہ نظام اسلام اور مروجہ نظامہائے جمہوریت دنیا کے مابین مابہ الافتراق امور کو نہایت وضاحت سے ظاہر کیا جائے، اور پھر نظام اسلام کے تفوق کو نمایاں طور پر واضح کر دیا جائے، اگر سیاست مدن، اجتماعی زندگی، اصول نظام پر اس بسط وتفصیل کے ساتھ کتابیں ہوتیں، جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں اور ان کے نشر واشاعت کی کوشش کی جاتی بلکہ ان کی تعلیم پر بھی خصوصیت کے ساتھ قوت صرف کی جاتی، تو میں سمجھتا ہوں کہ تثلیثی حکومتوں کے مذکورۃ الصدور جراثیم ثلاثہ ہمارے نوجوانوں کے دماغ کے اندر اس قدر نفوذ نہیں کرتے۔ اور خود اسلامی حکومتوں نے غیر اسلامی اصول کو اختیار کر کے ازمنۂ ماضیہ اور حال میں جتنے

مفاسد برپا کیے ہیں، غالباً ان سب کا اگر سدباب نہ ہوتا تو کم از کم کمی ضرور ہوتی۔

علمائے ربانیین اور فضلائے عظام ماہرین شریعت نے عملی حیثیت سے اتنا حصہ نہیں لیا جتنی کہ ضرورت تھی، اگر یہ حضرات عملاً حصہ لیتے رہتے اور اپنے اوقات کا معتدبہ حصہ اس پرخار وادی میں گذارتے، تو امید یہ تھی کہ اتنے مفاسد پیدا نہیں ہوتے اور شریعت اسلامیہ کے اصول وفروع کی اتنی بے حرمتی نہ ہوتی، اور مسلمانوں کی بے عزتی جو وقوع میں آئی ہے نہ ہوتی، جس کے تصور سے آج بدن پرلرزہ آتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل کے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ علمائے کرام اور فضلائے عظام کی سیاست مدن سے عملی دلچسپی کی کمی کوئی آج کی بات نہیں ہے، بلکہ میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد سے اس باب میں کمی شروع ہوئی ہے اور رفتہ رفتہ اس کمی میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا ہے۔"[1]

حضرت مولانا سجادؒ کا درد

غرض حضرت مولانا سجادؒ کو اس کا بے حد رنج تھا کہ علماء نے سیاسی قیادت کا محاذ ترک کر کے پوری امت مسلمہ کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا اور اس طرح ملکی اور قومی سیاست صحیح منہج سے دور ہوتی چلی گئی، اور اسلامی سیاست کی جگہ مغربی سیاست کے قدم مضبوط ہوتے چلے گئے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا سجاد مرحوم کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی، کہ علماء سیاست میں بھی قوم کی رہبری کا فرض انجام دیں۔"[2]

مولانا شاہ سید حسن آرزو لکھتے ہیں:

"مولانا کا صاف اور حقیقی نظریہ یہ تھا کہ مذہب اور سیاست مسلمانوں کے دونوں معاملات میں علماء اسلام کو عموماً اور امارت بہار کو خصوصاً نہ صرف مداخلت کرنے کا حق ہے بلکہ اس کی نگرانی کا فرض ان ہی پر عائد ہوتا ہے۔ مولانا مذہب وسیاست کی باگ علماء اور بالخصوص امارت کے مضبوط ہاتھوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔"[3]

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۴۰ تا ۴۳۔

۲- محاسن سجاد ص ۹۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ

۳- حیات سجاد ص ۹۶،۹۵ مضمون مولانا سید شاہ حسن آرزو۔

فصل دوم

حضرت مولانا سجادؒ کی بے نظیر سیاسی بصیرت اور عملی اقدامات

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی سیاست اور اس کی تاریخ پر حضرت مولانا سجادؒ کی کتنی گہری نگاہ تھی، مولانا سجادؒ ہندوستانی علماء میں واحد ایسے عالم دین تھے جو بے انتہا تبحر علمی کے ساتھ کامل درجہ کا سیاسی شعور بھی رکھتے تھے، جس کی پشت پر ان کے پاس مضبوط علمی دلائل بھی تھے اور پختہ عملی تجربات بھی، انہوں نے جن مخلصانہ جذبات کے ساتھ اپنے سیاسی سفر کا آغاز فرمایا، اور جس قوت کے ساتھ انہوں نے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو بالخصوص جماعت علماء کو ملکی سیاست میں حصہ داری کی دعوت دی، اگر مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا ہوتا تو اس ملک کی سیاست کا نقشہ مختلف ہوتا، لیکن ان کی دعوت ایک ویرانہ کی صدا بن کر رہ گئی، مولانا نے اس ملک کو سیاسی نظریات بھی دیئے اور ان کو عملی رنگ بھی دیا، ان کی سیاسی صلاحیت پر ایک دنیا نے اعتماد کیا، آپ کی سیاسی اصابت رائے پر موافق ومخالف سب یقین رکھتے تھے۔

مولانا سید شاہ حسن آرزو صاحب کا بیان ہے کہ:

”مجھے مولاناؒ سے مدتوں بعض امور اور بعض مسائل میں سخت ترین اختلاف رہا اور باوجود متعدد گفتگوؤں کے مولاناؒ کی منطق میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن ان کی نیک نیتی اور اپنے سے بہت زیادہ قابل اعتماد سیاست دانی پر بھروسہ کرتے ہوئے مولاناؒ کے اس اجتہاد پر وقت کا انتظار کرتا رہا، مجھے اپنی شکست اور نافہمی کا اقرار ہے کہ مولاناؒ جیتے اور میں ہارا۔“[1]

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

”۳۷ء سے آخر ۳۹ء تک اسلامی ہند کی سیاست میں جو بحرانی دور گذرا، جس میں ہر خیال کے کارکنوں کا دماغی توازن بگڑ چکا تھا اس وقت جو چند چیدہ حضرات اس رو میں بہنے سے محفوظ رہے، ان میں ایک ممتاز ہستی حضرت مولانا مرحوم کی تھی، میں اس دور میں ان کے خیالات سے اگرچہ

۱- حیات سجادؒ ص ۹۳، ۹۴۔

کلیتاً یعنی سوفی صدی تو متفق نہ تھا، بلکہ صرف قریب تر تھا لیکن اگر کسی کی رائے کو اپنے شرح صدر کے بغیر ماننا ہوتا تو حضرت مرحوم کی رائے کو یقیناً اس کا مستحق سمجھتا تھا۔''[۱]

علماءوقائدین کے اعترافات

اس دور میں جس کو بھی حضرت اقدس ابوالمحاسنؒ سے ملنے اور آپ کا طرز عمل دیکھنے کا موقعہ ملا وہ آپ کی شخصیت اور سیاسی حکمت عملی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، بڑی بڑی شخصیتوں نے آپ کی سیاسی عظمت کا لوہا مانا اور فکری عبقریت کا اعتراف کیا، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے الفاظ میں:

''اگلوں نے تعظیم دی، پچھلوں نے تکریم کی، اور اب جو دیکھا تو ان کے قدم کسی سے پیچھے نہیں، منزلت کے دربار میں ان کی کرسی کسی سے نیچے نہیں ـــــ امتیاز ناقصوں میں نہیں کاملوں میں پایا، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ـــــ چمک جگنو کی نہیں جو ہر اندھیرے گھپ میں روشنی پیدا کرسکتی ہے، نور ماہتاب کا جو جگمگاتے ستاروں کو ماند کردیتا ہے۔''[۲]

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مولاناؒ کو جس طرح علوم عقلی ونقلی میں کمال حاصل تھا، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ سیاسی، اجتماعی مسائل میں بھی ان کو یدطولیٰ حاصل تھا، ہندو مسلم یونیٹی کانفرنس لکھنؤ، الہ آباد میں انہوں نے جس بصیرت کا ثبوت دیا ہے اس کا اعتراف شرکائے کانفرنس ہندو مسلم دونوں نے کیا، اور بعض سیاسی مبصرین نے خود مجھ سے کہا، کہ یہ شخص جب بات کرنا شروع کرتا ہے، تو لکنت اور عجز گفتگو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے، کہ خواہ مخواہ ایسے اہم مسائل میں کیوں دخل دیتا ہے، لیکن جب بات پوری کرلیتا ہے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس شخص کا دماغ معاملات کی گہرائی تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے اور تہہ کی بات نکال کرلے آتا ہے۔ مرادآباد میں جب جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا اور مولانا نے بہ حیثیت صدر خطبہ صدارت سنایا تو زمیندار، انقلاب اور دوسرے اسلامی اخبارات نے خطبہ صدارت پر ریویو کرتے ہوئے یہ لکھا تھا، کہ مولانا سجادؒ کی صورت اور گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ایسا شخص بھی اسلامی سیاسیات بلکہ سیاست حاضرہ کا اس قدر مبصر اور عمیق النظر ہوسکتا ہے، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ مولانا کا یہ خطبہ صدارت سیاسیات اسلامی کی بہترین انسائیکلوپیڈیا ہے۔''[۳]

علامہ مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں:

۱- محاسن سجاد ص ۵۹ مضمون مولانا منظور نعمانیؒ۔
۲- محاسن سجاد ص (و) مضمون مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ۔
۳- حیات سجاد ص ۱۴۹ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

''سیاسی مہارت جو ان کو حاصل تھی اس کا تجربہ تو مجھ سے زیادہ ان لوگوں کو ہوتا رہا جن کی عمر گذری تھی اسی دشت کی سیاحی میں۔'' [۱]

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ اپنے تجربات اور قلبی تاثرات ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''میں نے پہلی بار یہ اندازہ کیا کہ یہ شخص اپنی شان کا نادر العالم ہے، اسی دن میرے قلب پر ان کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا، اور میں ان کو دورِ حاضر میں کم از کم طبقۂ علماء میں اسلامی سیاست کا اعلیٰ ماہر سمجھنے لگا، میں صاف کہتا ہوں کہ پھر اس کے بعد سے آج تک اس باب میں حلقۂ علماء میں سے کسی کی بھی عظمت و جلالت کا اس درجہ قائل نہ ہوسکا۔ ہندوستان کے سیاسی مسائل میں بھی بس 'اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی ضروریات' ہی آپ کے غور و فکر کا مرکز اور محور تھے۔

اس تحزب الاحزاب کے زمانہ میں ہمارے علمی اور دینی حلقوں میں بھی جو رشتے، مثلاً ہم استاذی، ہم شیخی، یا کسی ایک خاص 'سلسلہ' میں انسلاک وغیرہ وغیرہ جو عموماً اتحاد و ارتباط میں مؤثر سمجھے جاتے ہیں، مجھے حضرت ممدوح سے کوئی ایک بھی ان میں سے حاصل نہ تھا لیکن ان کے اخلاص، ورع و تقویٰ، دین کی بے لوث فدائیت، اور سب سے زیادہ سیاسیات میں ان کے پختہ اسلامی اندازِ فکر نے مجھے ان سے اس قدر وابستہ کر دیا تھا، کہ اپنے جن محترم بزرگوں سے مجھے اس قسم کی نسبتیں بھی حاصل ہیں، ان کے ساتھ بھی مجھے اس سے زیادہ وابستگی نہیں ہے۔

واللہ العظیم اگر میرے بس میں ہوتا تو میں سیاسی کام کرنے والے، کم از کم نوجوان علماء کے لئے تو فرض قرار دیتا کہ وہ پہلے کچھ دنوں حضرت مرحوم کی زیرِ نگرانی ٹریننگ حاصل کریں۔'' [۲]

جناب محمد یونس صاحب سابق وزیر اعظم بہار اپنے مشاہدات کی روداد بیان کرتے ہیں:

''مولانا مرحوم کی یہ عجیب خصوصیت تھی کہ وہ وقت کے تقاضا کو خوب سمجھتے تھے، اور بروقت اس کا حل بھی نکال لیتے تھے، مولانا مرحوم کے ساتھ قومی، سیاسی، دستوری، اور آئینی ہر طرح کے کام کرنے کا مجھ کو شرف حاصل رہا اور مولاناؒ کے ذہن رسا کے متعلق مجھ کو عملاً ہر قسم کے معاملہ میں اس کا اندازہ کرنے کا موقع ملا ہے، کہ وہ کس طرح معاملہ کی روح اور اس کی سیاست کو سمجھ جاتے تھے، اور اگر سیاسی اور آئینی معاملہ کے متعلق یہ کہوں کہ مولانا مرحوم کی شخصیت باوجود اس کے کہ موجودہ سیاسی لٹریچر کی زبان سے وہ ناآشنا تھے، اور آئین ہند کے دفاتر و اسفار کے مطالعہ سے وہ بالکل دور تھے، وہ اس قدر قریب سے اس کو دیکھتے تھے، کہ اس کے جوار میں رہنے والا ششدر ہو جاتا تھا، تو میری یہ شہادت قیاس و تخمین نہیں ہوگی، بلکہ عملی تجربہ ہوگا جس کی بنیاد

۱- حیات سجاد ص ۵۷، ۵۸ ارتسامات گیلانیہ۔

۲- محاسن سجاد ص ۵۷، ۵۸، ۶۲ مضمون مولانا منظور نعمانیؒ۔

واقعات پر ہوگی، اور ایسے واقعات پر ہوگی جس کے دامن میں میری سعی بھی تھی۔'' [۱]

مولانا شاہ سید حسن آرزو صاحب اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے پہلی ہی ملاقات میں اس دبلے پتلے نحیف وکمزور عالم دینؒ سے مل کر یہ محسوس کیا کہ اس کے جسم کے اندر گوشت کالوتھڑا نہیں، دہکتی آگ کا شعلہ ہے، اس کی نظر کی گہرائی، اس کے دماغ کی بلندی، اور فہم وفراست، ارتقائے ملک کے لئے صاف اور سیدھا نظام عمل اپنے اندر مخفی رکھے ہوئے ہے، لکھنؤ کی وہ صحبت یقینی ایک تاریخی صحبت تھی، کہ مخصوص مسلمانوں کا ایک مجمع تھا، اور کم ازکم میری زندگی کا ایک تاریخی دن تھا مجلس مضامین کی مخصوص صحبت میں پتہ چلا کہ مولانا سجادؒ کی دینی پہنچ کیا ہے، اور سیاسی معلومات میں وہ کس درجہ ماہر ہیں۔'' [۲]

امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ لکھتے ہیں:

''مولاناؒ کی سیاسی زندگی پر جو بھی قلم اٹھائے گا وہ یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ مولاناؒ نے کامیاب اور شاندار سیاسی زندگی گذاری، ایک طرف مولاناؒ نے امارت شرعیہ قائم کرکے اس اہم ترین مسئلہ کو حل کیا کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں زندگی کس طرح گذارنی چاہئے، دوسری طرف مولاناؒ نے اسمبلی اور کونسل پر قبضہ کرکے وزارت قائم کی اور سیاسی اقتدار وقوت اپنے ہاتھ میں لی، اور بتلایا کہ طاقت وقوت کا کیا مصرف ہے اور دنیا کس طرح چلائی جاتی ہے؟ مجھے بہت سے رہبروں اور رہنماؤں سے شرف ملاقات حاصل ہے، لیکن وہ مولانا کی طرح مذہب کی لگن، قوم وملک کا جنون، کام کا سودا، اور پھر اس سلسلہ میں پوری طرح خود فراموشی میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی۔'' [۳]

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''سیاست وتمدن اور تاریخ کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، خاص طور پر قانونی ودستوری باریکیوں اور ہندوستان کے دستور اور سیاسی نظاموں سے وہ گہری دلچسپی رکھتے تھے اور ان کا انہوں نے بنظر غائر مطالعہ کیا تھا ــــ جب کوئی مشورہ ہوتا تو سب کی نگاہیں مولانا مرحوم کی طرف اٹھی رہتیں اور ان کی رائے فیصلہ کن سمجھی جاتی۔'' [۴]

حضرت مولانا سجادؒ کے سیاسی مخالف اور مسلم لیگی رہنما علامہ راغب احسن صاحب جنرل سکریٹری مسلم لیگ کلکتہ نے حضرت مولانا کی سیاسی شخصیت وعظمت کا نہایت بلند الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

۱- حیات سجادص ۷۸ مضمون جناب محمد یونس صاحب۔
۲- حیات سجادص ۹۲ مضمون شاہ سید حسن آرزو صاحب۔
۳- حیات سجادص ۱۶ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔
۴- پرانے چراغ ج ۳ ص ۱۲۹ مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔

''مولانا سجادؒ جدید اسلامی ہند کی صف اول کے رجال دین وسیاست میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، وہ ان چند واقعی لائق ترین سیاسین میں تھے، جن کو تحریک خلافت نے پردۂ گمنامی سے ابھار کر ہندوستانی سیاست کی صف اول میں کھڑا کیا تھا، پھر وہ تحریک خلافت کے رہنماؤں میں اپنی اصابت رائے، سیاست دانی، معاملہ فہمی، نکتہ رسی، ذہانت، عملی صلاحیت، تنظیمی طاقت، کاردانی، کارپردازی، عزم واستقلال کے ساتھ ایک نصب العین کے لئے مسلسل یکسوئی سے محنت کرنے کی قابلیت، حالات وضروریات کے مطابق زمانہ کے ساتھ چلنے اور ساتھ دینے کی اہلیت اور اپنے مقاصد کے لئے معیار واصول سے فروتر لوگوں اور چیزوں سے مصالحت کر لینے کی قوت کے لئے ممتاز تھے۔

مولانا سجاد علمائے ہند میں نہ صرف سب سے زیادہ سیاسیات حاضرہ کے ماہر تھے بلکہ سب سے بڑے عملی سیاست کار بھی تھے، سیاسیات مغرب کے متعلق نہ صرف ان کا علم دوسرے مولویوں سے زیادہ بہتر تھا، بلکہ وہ ان سے زیادہ موجودہ سیاسی ادارات سے کام لینے کی قابلیت رکھتے تھے اور غالباً مسلمانان ہندوستان میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا تنظیمی صلاحیت کا انسان نہیں تھا — اگر قوم ان کا ساتھ دیتی تو جیسا کہ مولانا دانا پوریؒ نے فرمایا تھا کہ وہ ایک نئے ہندوستان اور کم ازکم ایک جدید اسلامی ہندوستان کی تعمیر میں ایک اول درجہ کے معمار کا پارٹ ضرور ادا کرتے۔

مولانا سجادؒ ہندوستان کے تمام علماء میں سب سے زیادہ عملی سیاست اور دنیاوی معاملات کو سمجھنے اور ان کے برتنے والے کارواں مدبر تھے، وہ انگریزی نہیں جانتے تھے، لیکن انگریزی سیاست ودستور اور مغربی تمدن وقانون کو خوب سمجھتے تھے اور ان کی ماہرانہ سیاست دانی اور سیاست کاری کا یہ بہترین اور ناقابل تردید ثبوت ہے کہ انہوں نے بہت سے انگریزی داں سیاست دانوں کو شکست دے دی تھی۔''[1]

نظری سیاست سے عملی سیاست کی طرف

حضرت مولانا سجادؒ کا خیال تھا کہ ہر قوم یا جماعت کی ترقی کے لئے سیاسی اور آئینی طاقت کا حصول ناگزیر ہے، خصوصاً اس آئینی دور میں تو اس کے بغیر کسی جماعت کا زندہ رہنا ہی مشکل ہے[2]، اس طرح مولانا نے نہ صرف یہ کہ اپنے سیاسی افکار ونظریات سے دنیا کو متاثر کیا بلکہ آگے بڑھ کر اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، وہ صرف خیالی دنیا کے بادشاہ نہیں تھے بلکہ اپنے خیالات کو عملی قالب میں ڈھالنے کا ہنر بھی جانتے تھے، وہ خالص عملی آدمی تھے، وہ زمینی سطح پر کام کرنا پسند کرتے تھے،

۱- محاسن سجاد، ص ۹۵ تا ۱۰۹ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۲- محاسن سجاد ص ۱۶۴ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔

اور جس چیز کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے، خود ان کے قدم اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔

آپ کی عملی سیاست کا آغاز کب ہوا؟ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''یوں تو مولاناؒ میں سیاسی خیالات کی نشوونما ۱۹۰۸ء و ۱۹۰۹ء ہی سے ہو رہی تھی۔ لیکن ۱۹۱۵ء سے وہ زمانہ شروع ہو گیا۔ جہاں سے مؤرخ 'مولانا کی سیاسی خدمات' کا باب شروع کر سکتا ہے۔''[۱]

ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ

حضرت مولانا سجادؒ نے ملک کے آئینی پس منظر اور بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں مسلمانوں کی ایک ایسی سیاسی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا، جو ملک کی کامل آزادی کی حامی ہو اور مسلمانوں کے دینی و قومی تشخصات کی محافظ بھی۔

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ حضرت مولانا سجادؒ کے اس اہم ترین تاریخی فیصلہ کے پس منظر اور آپ کی سیاسی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وہ (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ) موجودہ تسلط اور استبدادیت کو زیادہ سے زیادہ کمزور کرنے کی فکر میں تھے، ایک جانب ان کی توجہ تعمیر کی طرف مائل تھی، اور زندگی کا دوسرا پہلو ان نظامہائے حکومت کی تخریب پر منعطف تھا، ان کے سامنے ۱۸۵۷ء کی پوری تاریخ تھی، اسلامی حکومت کی تباہی، مسلمانوں کی بربادی کا تمام نقشہ ان کی آنکھوں میں تھا، پٹنہ کی وہابی تحریک اور اس کی ناکامی کا بھی ان کو علم تھا، سرحدی علاقہ میں حضرت شہیدؒ کی بچی کھچی جماعت کا جو حشر ہوا اس کو وہ جانتے تھے حضرت شیخ الہندؒ کی آخری نہضت اور مولانا عبید اللہ سندھی کی جلاوطنی اور ریشمی رومال کی تحریک کا انجام بھی ان کو معلوم تھا، وہ ان تمام تحریکات کی ناکامی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اس ملک میں نظام حکومت کی تخریب تنہا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں ہو سکتی، نظام حکومت کی تخریب جب ہی ہو سکتی ہے جب دونوں قومیں مل کر اس کام کو کریں، اور دونوں قوموں پر پورا پورا اشتراک عمل ہو یہ رائے انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر قائم کی تھی۔''[۲]

سیاسی جماعت کے قیام کا پس منظر تجویز مقاطعہ کی واپسی

اس سیاسی جماعت کے قیام کا پس منظر مولانا محمد عثمان غنی اول ناظم امارت شرعیہ (جو اس تحریک میں روز اول سے شامل تھے) کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

۱- حیات سجاد ص ۱۵ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

۲- حیات سجاد ص ۱۰۷، ۱۰۸ مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

''جمعیۃ علماء ہند نے ترک موالات کے سلسلہ میں مجالس مقننہ کا بھی مقاطعہ کیا تھا لیکن انتخاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی نشستوں سے مسلمان کھڑے ہوتے تھے، اور منتخب ہو کر مجالس مقننہ میں جاتے تھے، اور بعض لوگ وہاں پہنچ کر صرف اپنے مفاد کے پیش نظر کام کرتے تھے، دینی اور جماعتی مفاد کو فراموش کر جاتے تھے، صوبہ کی کونسل اور مرکزی اسمبلی میں ایسے بہت سے واقعات پیش آئے۔

راقم الحروف نے حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ مجالس مقننہ کے ارکان جس طرح منتخب ہو کر جاتے ہیں وہ دین وملت اور ملک وقوم کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، اس لئے مسلم ارکان پر آئندہ کوئی پابندی عائد کرنی چاہئے، حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ جب تک جمعیۃ علماء ہند مقاطعہ کی تجویز کو واپس نہ لے لے اس وقت تک ہم لوگ کس طرح کسی کی تائید یا حمایت کر سکتے ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ مجالس مقننہ کے ارکان کی جو روش ہے اس کو دیکھتے ہوئے مقاطعہ کو قائم رکھنا جائز قرار نہیں دیا جا سکتا (اذاابتلی ببلیتین فاختراھونھما) پر عمل کرنا چاہئے مثال میں ہم نے قاضی احمد حسین صاحب کے وقف بل کی ناکامیابی کو بیان کیا کہ صرف مسلمان ارکان کی حکومت پرستی نے اس مفید بل کو ناکامیاب کیا، نیز مرکزی اسمبلی کے بعض ارکان جیسی حرکتیں کر رہے تھے، اس کو عرض کیا۔

حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ تم جریدۂ امارت میں لکھو اگر جمعیۃ علماء ہند اپنی عائد کردہ پابندی ہٹالے تو پھر آئندہ حصہ لیا جائے گا، چنانچہ راقم الحروف نے جریدۂ امارت میں مضامین لکھنا شروع کر دیئے، اس کے بعد نقیب میں بھی کچھ مضامین لکھے۔

حضرت مولاناؒ کی عادت تھی کہ جس معاملہ میں ان کا قلب مطمئن ہو جاتا تھا پھر اس کو جلد سے جلد انجام دینے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ اس معاملہ میں بھی جب ان کا قلب مطمئن ہو گیا کہ مجالس مقننہ کے انتخاب میں ہمارے حصہ لینے سے کسی حد تک دینی فائدہ کی توقع ہے اور امارت شرعیہ کے مقاصد کے لئے ہماری شرکت مفید ہو سکتی ہے، تو انہوں نے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ (منعقدہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء مرادآباد) مجالس مقننہ (اسمبلی) کے انتخاب میں حصہ لینے کی تجویز پیش کر دی، جو منظور ہو گئی، اس کے بعد امارت شرعیہ کی مجلس شوریٰ (ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق جون ۱۹۳۴ء) میں اسی مضمون کی تجویز پیش کی، جس کو مجلس شوریٰ نے منظور کیا تمہید کے بعد اصل تجویز کے الفاظ یہ ہیں:

'امارت شرعیہ اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اگر صوبہ بہار واڑیسہ میں کوئی مجلس اس اصول کے ماتحت قائم ہوئی اور اس کے دستور اساسی وقواعد امارت شرعیہ کے نزدیک قابل اعتماد ہوئے، اور اس نے خصوصیت کے ساتھ اپنے دستور اساسی میں اس امر کو داخل کیا کہ مجلس (پارٹی) تمام ایسے امور میں جن کا تعلق مسلمانوں کے مذہب سے ہو یا ان کے مذہبی معاملات پر اس کا اثر پڑتا ہو، امارت شرعیہ کی ہدایت ورہنمائی کی پابند ہوگی، تو امارت شرعیہ کی پوری

ہمدردی وتائید اس مجلس کے ساتھ ہوگی، لیکن اگر بدقسمتی سے اس نازک دور میں بھی مسلمانوں کی کوئی مجلس اس قسم کی قائم نہ ہوئی، یا اس کے دستور وقواعد پر امارت شرعیہ کا اعتماد نہ ہوا، تو امارت شرعیہ ان ہی مقاصد واغراض کے ماتحت اپنے صوبہ کے مسلم امیدواروں کے لئے ایک عہد نامہ مرتب کرکے شائع کردے گی، تاکہ جو امیدوار اس پر دستخط کرکے امارت شرعیہ کے دفتر میں بھیجیں ان پر غور کرکے امارت شرعیہ کی مختصر مجلس (سب کمیٹی) جن امیدواروں کے انتخاب کو ترجیح دے گی، امارت شرعیہ کی پوری ہمدردی وتائید اس کے ساتھ ہوگی۔

اسی تجویز کی بنیاد پر "امارت شرعیہ بورڈ" کی تشکیل عمل میں آئی، جس کے ذمہ آئندہ اسمبلی الیکشن کی فکر، امیدواروں کا انتخاب اور ان کی حمایت کرنا تھا۔"[1]

گو کہ بعض لوگوں کو امارت شرعیہ کا یہ فیصلہ ناگوار گذرا، لیکن حضرت مولاناؒ نے پورے خلوص کے ساتھ اس کام کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا، آپ کے تلمیذ رشید مولانا اصغر حسین صاحب بہاریؒ سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ لکھتے ہیں کہ:

"بعض اعتدال پسند دوستوں نے مولاناؒ کو ان تمام خوبیوں کا حامل تسلیم کرتے ہوئے بتایا کہ ان سے ایک بڑی غلطی ہوئی کہ امارت شرعیہ کو پارٹی الیکشن میں استعمال کرکے امارت کو صدمہ پہنچایا کیونکہ امارت ایک ہمہ گیر ادارہ ہے اس کی شان مسلمانوں کی پارٹی بندیوں کی لعنت دور کرنا تھی نہ کہ خود ایک فریق کی حیثیت اختیار کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ ظاہر میں یہ اعتراض وقیع معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ ایک بڑا مغالطہ ہے جس کے ہمارے دوست شکار ہوگئے بیشک پارٹی بندیوں اور تفرقہ اندازیوں کو ختم کرکے یا کم سے کم سب پارٹیوں میں ہم آہنگی پیدا کرکے وحدت قائم کرنا امارت کا نصب العین ہے، لیکن ساتھ ہی اسلامی قوانین وشعائر کے احترام کو باقی رکھنا بھی امارت کا اولین فریضہ ہے، اور آئین شرع کو اغراض پرستوں کے ہاتھ کھلونا ہونے سے بچانا عین مقصد امارت ہے۔ اب دیکھئے کہ موجودہ حکومت نے نمائندگان عوام کو ملکی قوانین بنانے کا اختیار دے رکھا ہے، مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کا نمائندہ کونسلوں میں جاکر اسلامی آئین، مذہبی قوانین کے خلاف بلوں پر مہر تصدیق ثبت کرکے توہین اسلام کا مظاہرہ پیش کرتا ہے اور جب علمائے مذہب کی جمعیت تنبیہ کرتی ہے تو لبیک کہنے کے بجائے اس کو ٹھکرا دیتا ہے تو کیا آئین اسلام کے استحفاظ کے لئے کونسلوں میں ایسے ممبران بھیجنا ضروری نہیں جو اسلامیات کے متعلق علماء دین کے فیصلہ کو شاہراہ عمل قرار دیں؟ اور ایسے افراد کو ممبر ہونے سے روکنا فرض نہیں جو کونسلوں میں پہنچ کر بلوں کے پاس کرنے میں شریعت کا پاس نہ رکھیں؟ اب اگر اس سلسلہ میں پارٹی بندی لازم آتی ہے تو امارت اس کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ وہ مطلق العنان امیدوار ذمہ دار ہے۔ اس واسطے پارٹی بندیوں کے الزام وجرم سے امارت کا دامن بالکل پاک ہے۔"[2]

۱- حیات سجاد ص ۱۴۰ تا ۱۴۲ مضمون مولانا عثمان غنیؒ۔

۲- محاسن سجاد ص ۲۸ مضمون مولانا اصغر حسین صاحب۔

بدلے ہوئے حالات

تحریک خلافت اورتحریک عدم تعاون کے دوران ملک میں انگریزوں کے خلاف جواتحاد اورمحبت کا ماحول بنا تھا،اورمسلمان اورہندوشیروشکر بن گئے تھے،ان تحریکات کےختم ہوجانے کے بعد وہ ماحول کمزور پڑنے لگا تھا،نفرت وتنگ نظری کا تعفن پھرفضا میں پھیلنے لگا تھا،اور ماحول کے اس بگاڑمیں کانگریس کی غلط پالیسیوں کا بھی بڑادخل تھا،کانگریس کی منفی پالیسیوں نے مسلمانوں کے جذبات مجروح کیے تھے،یہاں تک کہ انتخابات کےموقعہ پربھی کانگریس نےمسلم حلقوں کونظرانداز کردیا تھا۔اس کی وجہ سے پورے ملک کے مسلمان کانگریس کے خلاف ہوگئے تھے[۱]،مسلم لیگ نے اس کومزیدہوادی اورملک کے اکثرمسلمان کانگریس مخالف لہروں میں بہہ گئے،بہارمیں مسلم لیگ کی یونٹ اتنی مضبوط نہیں تھی،اس لئے بہارکا ماحول کانگریس کےخلاف اتنا گرم نہیں تھا۔

مسلم یونٹی بورڈ کا قیام

مانٹیگوچیمسفورڈایوارڈ کے مطابق جب ہندوستان کے لئے نیادستورنافذ ہوا،جس کے ذریعہ کونسلوں میں منتخب ہندومسلمان آسکتے تھےتومرکزی اورصوبائی اسمبلیوں کے لئے انتخاب کا مسئلہ کھڑا ہوا،چنانچہ مرکزی اسمبلی چناؤ(۱۹۳۴ء) کےموقعہ پریوپی اوربہارکانگریس کےمسلم رہنماؤں نے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے خلافت،لیگ اورجمعیۃ العلماء کےقدیم رہنماؤں کی مدد سے 'مسلم یونٹی بورڈ' قائم کیا،اورمحبان وطن اورآزادیٔ ہند کےخواہاں مسلمانوں کوالیکشن کے لئے کھڑا کیا،اس بورڈ کے قیام اورانتخاب کی حکمت عملی میں حضرت مولانا سجادؒ کا بنیادی کردارتھا۔اس بورڈ میں حضرت مولاناؒ کی مرکزی اہمیت کا اندازہ مولانا مسعود عالم ندوی صاحبؒ کی اس رپورٹ سے ہوتا ہے جوانہوں نے اپنے مشاہدے کی بنیاد پرلکھی ہے:

> ''مسلم یونیٹی بورڈ کے جلسے غالباً ۱۹۳۲ء کے اواخرمیں ہوئےاوراس سلسلہ میں مولاناؒ کا لکھنؤمیں ہفتوں قیام رہا،اس دوران راقم برابرحاضرہوتا،اوران کے افادات سےاپنی کم مائگی دورکرنے کی کوشش کرتا،مولاناؒ کی نوازش سے راقم یونیٹی بورڈ کی مجلس مضامین میں برابرشریک ہوسکا،اورحقیقت میں یہی یونیٹی بورڈ کے جلسے تھے جہاں مولاناؒ کے سیاسی تدبرکالوہاموافق ومخالف سب ماننے پرمجبورہوئے،یوں کہنے کوتو جمعیۃ کی پوری مجلس انتظامی موجودتھی،بورڈ میں اس کے

۱-تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۱۸،مصنفہ: جناب تقی رحیم صاحب،شائع کردہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۱۹۹۸ء۔

نمائندے بھی موجود تھے، پر دماغ ایک تھا اور سب جسم محض کی حیثیت رکھتے تھے۔"[1]

امارت شرعیہ کی 'مجلس انتخابات' کا قیام

امارت شرعیہ کی مذکورہ بالا تجویز کے مطابق ایک سب کمیٹی ''مجلس انتخابات'' قائم کی گئی، وہ درج ذیل افراد پر مشتمل تھی:

صدر : مولانا لطف اللہ صاحبؒ سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر

نائب صدر : مولانا شاہ قمر الدین صاحبؒ (جو بعد میں امیر شریعت ثالث ہوئے)

سیکریٹری : قاضی احمد حسین صاحبؒ۔

جوائنٹ سیکریٹریز : (۱) مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ (جو بعد میں امیر شریعت رابع ہوئے

(۲) شرف الدین صاحب رئیس باڑھ۔

(۳) سعید الحق صاحب وکیل دربھنگہ

ارکان : (۱) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ

(۲) مولوی مجتبیٰ صاحب مظفر پور

(۳) محمد اسمعیل صاحب وکیل چھپرا

(۴) مولانا عبدالوہاب صاحب صدر جمعیۃ علماء بہار

(۵) مولانا نور الحسن صاحب قاضی شریعت بہار

(۶) مولانا حافظ محمد ثانی صاحب صدر النقیب بتیا چمپارن

(۷) شیخ عدالت حسین صاحب رئیس النقباء دیوراج [2]

امیدواروں کا اعلان

اس مجلس نے حسب ذیل حضرات کو مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے لئے نامزد کیا:

(۱) مولوی بدیع الزماں صاحب وکیل کشن گنج

(۲) مولوی عبدالحمید صاحب وکیل دربھنگہ

(۳) مولوی محمد نعمان صاحب پٹنہ ڈویزن

۱۔ محاسن سجاد ص ۷۰ مضمون مولانا مسعود عالم ندویؒ۔

۲۔ حسن حیات مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ ص ۷۴، ۷۵۔

حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین پھلواروی نے ان نامزدگیوں کی تصویب فرماتے ہوئے حسب ذیل نوٹ تحریر فرمایا:

''جن لوگوں کو اسمبلی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، ان کا انتخاب مناسب ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دعوت حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، میں اجازت دیتا ہوں کہ مجلس کی طرف سے اس اعلان کو شائع کیا جائے۔

دستخط محمد محی الدین پھلواری امیر شریعت ثانی[1]

انتخابات کے نتائج

حضرت مولانا سجادؒ کی کامیاب حکمت عملی کی بدولت مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں بہار کے تین امیدواروں میں سے دو (یعنی مولوی بدیع الزماں وکیل کشن گنج، اور مولوی محمد نعمانی پٹنہ) تو بلا مقابلہ منتخب ہوگئے، صرف ترہت کی نشست پر مقابلہ ہوا، امارت کے امیدوار جناب عبدالحمید خان صاحب تھے، اور ان کے مقابلے میں جناب مولوی شفیع داؤدی صاحب انتہائی بااثر شخصیت کے مالک تھے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا بیان ہے کہ:

''ذاتی حیثیت میں ان دو امیدواروں میں کوئی نسبت ہی نہ تھی، مولوی شفیع کے مقابلے میں مولوی عبدالحمید کی کوئی شخصیت ہی نہ تھی، پھر بھی مولاناؒ کے تدبر نے اس انتخاب کو بہت اہم بنا دیا، گرچہ امارت کو تقریباً ایک سو ووٹ سے ناکامی ہوئی، مگر وہ نتیجہ تھا اپنی غلطیوں کا، کاش مولاناؒ کی ہدایتوں پر عمل کیا جاتا تو یہاں بھی کامیابی قدم چومتی۔''[2]

لیکن حضرت مولاناؒ نے ہار نہیں مانی، مولوی سید مجتبیٰ صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

''مولانا سجادؒ نے الکشن کو خلاف قانون قرار دینے کے لئے مقدمہ دائر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الکشن ٹریبونل کی تحقیقات مولوی شفیع داؤدی کی موافقت میں ہونے کے باوجود وائسرائے نے انتخاب کو مسترد کر دیا۔''[3]

نتائج کے اعلان کے بعد امارت شرعیہ کے ساتھ کانگریس کا رویہ

مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج سے یوپی اور بہار میں نئی امنگوں اور نئی توقعات کا آغاز ہوا، کانگریس کو بھی مسلم حلقوں کے تئیں سنجیدگی سے توجہ دینے کی فکر پیدا ہوئی، خاص طور پر بہار میں

۱۔حسن حیات مرتبہ شاہ محمد عثمانی ص ۷۴، ۷۵۔
۲۔محاسن سجاد ص ۱۶۲، ۱۶۳ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی۔
۳۔محاسن سجاد، ص ۷۵ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔

امارت شرعیہ کے اثرات کا اس کو پورا اندازہ ہوگیا، لیکن کانگریس نے اس سے سبق حاصل نہیں کیا، اور اس نے صوبائی الیکشن کے موقعہ پر امارت شرعیہ کو نظر انداز کر کے مسلم لیگ کے تعاون سے انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا، حالانکہ بہار میں مسلم لیگ کے بہت زیادہ اثرات نہیں تھے، بلکہ تحریک خلافت کی مخالفت کر کے مسلم لیگ نے بہار کے مسلمانوں کو جو جذباتی صدمہ پہنچایا تھا، اس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان مسٹر محمد علی جناح اور مسلم لیگ دونوں سے بدظن ہو گئے تھے، اس کے بالمقابل امارت شرعیہ نے تحریک خلافت میں پرجوش حصہ لے کر مسلمانان بہار پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔[۱]

نئے حالات میں امارت شرعیہ کا اہم فیصلہ

دوسری طرف کانگریس سے انتخابی اتحاد کے بعد مسٹر جناح نے بہار میں مسلم لیگ کو تنظیمی طور پر مضبوط کرنے کا ارادہ کیا، اور ریاست کی بعض نمائندہ شخصیتوں کو اپنے پارلیامنٹری بورڈ میں شامل کیا، مثلاً: حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ [۲]، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ، قاضی احمد حسین صاحبؒ، مولوی عبدالحفیظ ایڈووکیٹ، اور شاہ مسعود احمد وغیرہ ــ لیکن ان حضرات نے بہار کے مسلمانوں کا سیاسی مزاج اور رجحان دیکھتے ہوئے مسلم لیگ کے لئے مہم چلانا مناسب نہیں سمجھا۔[۳]

حضرت مولانا سجادؒ کی ان حالات پر گہری نظر تھی، آپ نے امارت شرعیہ کے سربراہوں کی ایک بیٹھک طلب کی اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ:

(۱) امارت شرعیہ مسلمانوں کی سربراہی کے لئے خود آگے بڑھے اور انتخابی مہم کو سر کرنے کے لئے ایک نئی پارٹی تشکیل دی جائے۔

(۲) اگر کوئی مجلس امارت شرعیہ کے ضابطوں اور اصولوں کے مطابق تشکیل دی جائے تو امارت شرعیہ اس کی حمایت کرے گی۔[۴]

۞۞

۱- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۱۸، مصنفہ: جناب تقی رحیم صاحب، شائع کردہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۸ء، بحوالہ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، تاراچند ج ۴ ص ۲۱۹۔

۲- مفتی صاحبؒ گو کہ بہار کے نہیں تھے لیکن بحیثیت صدر جمعیۃ علماء ہند آپ کا نام شامل کیا گیا۔

۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۱۸، مصنفہ: جناب تقی رحیم صاحب، شائع کردہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۸ء۔

۴- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۲۵۸، ۲۵۹ مضمون جناب فضل حق عظیم آبادی ریٹائرڈ اے ڈی ایم، الکاری پوری روڈ انیس آباد پٹنہ۔

فصل سوم

'بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی' کا قیام

امارت شرعیہ کے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ''امارت شرعیہ پارلیمنٹری بورڈ'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے سربراہ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ہی مقرر ہوئے، پھر حضرت مولاناؒ نے اسی بورڈ کے ذریعہ امارت شرعیہ، تحریک خلافت، اور جمعیۃ علماء کے کارکنوں کے تعاون سے ایک نئی سیاسی جماعت 'بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی' کی بنیاد رکھی، ۲۵/اگست ۱۹۳۵ء مطابق ۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو نواب علی سجاد کی صدارت میں مسٹر ایم محمود بیرسٹر صاحب کے مکان پر ایک اجتماع (جس میں علماء اور دانشوران قوم وملت کی کثیر تعداد شریک ہوئی) میں حضرت مولانا سجادؒ کی طاقتور تحریک پر پارٹی کا قیام عمل میں آیا، اور حضرت مولاناؒ کو ان کے انکار کے باوجود متفقہ طور پر پارٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔[1]

پارٹی کے بنیادی مقاصد

پارٹی کے دو اہم مقاصد تھے:

(۱) سیاسی نقطۂ نگاہ سے ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ۔

(۲) اور مذہبی نقطۂ نظر سے امارت شرعیہ کے فیصلوں کی پابندی۔[2]

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا بیان ہے کہ:

''مولانا سجادؒ فرمایا کرتے تھے کہ ملکی آزادی کی جدوجہد میں ہمارا ایک مذہبی مقصد یہ بھی ہے کہ آزاد جمہوری حکومت میں مسلمانوں پر کم از کم اسلامی نظام حکومت کا وہ حصہ تو پوری طرح نافذ ہو سکے جس کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے۔''[3]

۱- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۳۴۸ مضمون مولانا سہیل اختر قاسمی دار القضاء امارت شرعیہ پٹنہ بحوالہ نقیب ص ۱، ۵ شمارہ بابت: ۶/رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۱۹۳۶ء)

۲- حیات سجاد ص ۱۶۳، مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

۳- حیات سجاد ص ۱۶۳، مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس

پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس ۱۲، ۱۳؍ستمبر ۱۹۳۶ء مطابق ۲۵، ۲۶؍ جمادی الثانیۃ ۱۳۵۵ھ کو انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے زیر صدارت منعقد ہوئی[۱]، یہ پہلی کانفرنس بے حد کامیاب ہوئی، موسلا دھار بارش، سیلاب کی بنا پر ریلوے لائن خراب ہونے اور گاڑیوں کی آمدورفت بند ہونے کے باوجود تمام اضلاع سے کثیر تعداد میں مندوبین شریک ہوئے، انجمن اسلامیہ ہال اندروباہر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، کچھ لوگ چھتوں پر بھی تھے، جب کہ بہت سے لوگ بارش میں کھڑے چھتریاں لے کر پروگرام سن رہے تھے پارٹی کے صدر حضرت مولانا سجادؒ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، لوگوں نے نہایت توجہ سے سنا، پھر دیگر مقررین نے اظہار خیال کیا، اخیر میں صدر اجلاس مولانا احمد سعید دہلویؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند نے اپنی تقریر میں ملکی وملی سیاست اور تحریک حریت (۱۹۳۰ء، ۱۹۳۲ء) پر روشنی ڈالی، اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے قیام پر اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا:

> ”صوبہ بہار کے مسلمان لائق تبریک وتہنیت ہیں، کہ ان کے صوبہ میں امارت شرعیہ قائم ہے جو مسلمانوں کا بہترین مذہبی ادارہ ہے، اگر اسمبلی اور کونسل میں جانے والے مسلمان یہ عہد کر کے جائیں، کہ وہ مذہبی معاملات میں امارت شرعیہ سے استصواب رائے کے بعد عمل کریں گے، تو ان کو یقین رکھنا چاہئے، کہ وہ اپنی اقلیت کے باوجود محفوظ ومصئون رہیں گے۔“[۲]

اسی اجلاس کے موقعہ پر پارٹی کے عہدیداران اور مجلس عاملہ وغیرہ کا انتخاب عمل میں آیا، جو حسب ذیل ہے:

صدر: حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ

نائبین صدر: (۱) مولوی بدرالحسن صاحب ایم ایل اے مظفر پور
(۲) خان بہادر مولانا عبدالعزیز صاحب سنتھال پرگنہ
(۳) نواب سید علی سجاد صاحب پٹنہ۔

۱- جناب تقی رحیم صاحب نے ۱۴؍ستمبر ۱۹۳۶ء کی تاریخ لکھی ہے، اور اسی کو یوم تاسیس قرار دیا ہے (تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۲۲۰) لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ پارٹی کی تاسیس پہلے ہو چکی تھی۔

۲- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۵۲، ۵۳ مضمون مولانا سہیل اختر قاسمی بحوالہ: نقیب ۵؍رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲؍ستمبر ۱۹۳۶ء۔

(۴) مولانا غلام احمد صاحب گریڈیہہ، ہزاری باغ

جنرل سیکریٹری: مسٹر سید محمود بیرسٹر پٹنہ

جوائنٹ سیکریٹریز: (۱) حاجی شیخ شرف الدین حسن صاحب باڑھ۔

(۲) مرزا ابابر حسین صاحب مختار سمستی پور

(۳) مولوی عبدالمجید صاحب وکیل بھاگلپور

(۴) حکیم سید محمد الیاس صاحب رانچی

اسسٹنٹ سیکریٹری: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ مونگیر

خازن: (۱) مولوی جسٹس خلیل احمد صاحب پٹنہ

(۲) مولوی محمد اسماعیل صاحب تاجر پٹنہ

پروپیگنڈہ سکریٹری: حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ مونگیر

اسسٹنٹ پروپیگنڈہ سکریٹری: مولوی ولی الحق صاحب شاہو بیگھوی

اراکین مجلس عاملہ:

(۱) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ (۲) مسٹر محمد محمود بیرسٹر (۳) مولانا محمد عثمان غنی ناظم امارت شرعیہ (۴) قاضی احمد حسین (۵) مولوی سید عبدالحفیظ صاحب ایڈوکیٹ (۶) مولوی عبدالقدوس صاحب وکیل پٹنہ (۷) مولوی سید جعفر امام صاحب وکیل پٹنہ (۸) مولانا محمد یٰسین صاحب (۹) ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب فردوسی (۱۰) مولوی بدرالحسن صاحب وکیل مظفرپور (۱۱) حاجی شیخ شرف الدین حسن صاحب باڑھ (۱۲) مولوی محمد اسماعیل خان صاحب تاجر (۱۳) مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (۱۴) مولوی سید قدیر الحسن صاحب وکیل (۱۵) مولانا عبدالودود صاحب دربھنگہ (۱۶) حافظ محمد ثانی صاحب (۱۷) مولانا عبدالصمد رحمانیؒ (۱۸) مولوی جسٹس خلیل احمد صاحب ایڈوکیٹ (۱۹) مسٹر محمد یونس صاحب بارایٹ لاء (۲۰) مولوی حاجی اختر حسین خان صاحب (۲۱) مسٹر سید تجمل حسین صاحب بیرسٹر۔[۱]

اسی موقعہ پر مجلس عاملہ کے سامنے پارٹی کا دستور (مینی فیسٹو) پیش کیا گیا اس کا مسودہ حضرت مولانا سجادؒ کی ہدایات کے مطابق قاضی احمد حسین صاحبؒ نے تیار کیا تھا، پھر حضرت مولانا سجادؒ کی

۱-حسن حیات مرتبہ شاہ محمد عثمانیؒ ص ۷۷ ☆ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ، مرتبہ تقی رحیم ص ۲۲۰ ☆ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۳۴۸، ۳۴۹ مضمون مولانا محمد سہیل اختر قاسمی دارالقضاء امارت شرعیہ پٹنہ بحوالہ نقیب ص ۱، ۵ شمارہ بابت ۶/رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۱۹۳۶ء)

نظر ثانی کے بعد اس کو آخری شکل دی گئی، مجلس میں پورے تین گھنٹے تک بحث وتمحیص اور غور وخوض کے بعد اس کے اطراف وجہات کو منقح کیا گیا اور پارٹی کے دستور کی حیثیت سے اس کو منظور کیا گیا، اس دستور سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پارٹی کتنے جامع اور بلند مقاصد کے تحت قائم کی گئی تھی، اور اسلامی نظریۂ سیاست سے وہ کس قدر ہم آہنگ تھی۔

بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا دستور (مینی فیسٹو)

باب اول: مبادیات

دفعہ ۱: صوبۂ بہار کی اس سیاسی جماعت کا نام ''بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی'' ہوگا۔

دفعہ ۲: اس جماعت کا دائرۂ عمل صوبہ بہار کے تمام اضلاع پر محیط ہوگا۔

دفعہ ۳: اس جماعت کا صدر دفتر پٹنہ میں رہے گا۔

باب دوم: بنیادی اغراض ومقاصد

دفعہ نمبر ۴: مسلمانوں میں عام بیداری اور سیاسی احساس پیدا کرنے کی سعی کرنا۔

دفعہ نمبر ۵: مسلمانوں کے تمام سیاسی واقتصادی، معاشرتی ومذہبی حقوق کی حفاظت اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا۔

دفعہ نمبر ۶: مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور مالی ترقی کی سعی کرنا۔

دفعہ نمبر ۷: قوم ووطن کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرنے کی حسب استطاعت سعی کرنا۔

دفعہ ۸: (الف) اسلامی اور وطنی مفاد کے حصول کے لئے دیگر قوموں سے اشتراک عمل کرنا۔

(ب) اور جب تک باہمی مفاہمت سے مسلمانوں کے تمام قومی ومذہبی حقوق کی حفاظت کے لئے قابل اطمینان اصولوں پر اتفاق نہ ہوجائے، ان حقوق کی حفاظت کرنا، جو مسلمانوں کے لئے جدید انڈیا ایکٹ میں مندرج ہیں۔

دفعہ ۹: صوبہ کے تمام بیکار اور بے روزگار مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنے اور ان کی بے روزگاری کو دور کرنے کی ہر ممکن طریق سے کوشش کرنا۔

دفعہ ۱۰:- مسلمانوں میں دینی اور دنیاوی تعلیم کو وسیع تر کرنے اور ایسی تعلیم جاری کرنے کی سعی کرنا جو بیکاری اور بے روزگاری کا سبب نہ بنے۔

دفعہ ۱۱: اپنی مادری زبان اردو اور رسم الخط کو ذریعۂ تعلیم علوم وفنون قرار دیئے جانے کی سعی کرنا۔

دفعہ ۱۲: عدالتی اور دیگر سرکاری محکموں میں اردو زبان اور رسم الخط رائج کرانے کی سعی کرنا، سیاسی مسائل اور دیگر اہم امور کی اشاعت عامہ کے لئے اردو میں رسائل وکتب شائع کرنا۔

دفعہ ۱۳: (الف) اس امر کی کوشش کرنا کہ نظام حکومت کی مشنری خاص بڑے بڑے عہدہ داروں پر کم سے کم خرچ ہوتا کہ صوبہ کی سرکاری آمدنی کا روپیہ قوم وملت کی ترقی اور عوام کی فلاح وبہبودی میں زیادہ صرف ہو۔

(ب) اور جب کبھی پارٹی مجلس مقننہ میں اپنے منتخب شدہ ارکان کے لئے سرکاری عہدوں کا قبول کرنا تجویز کرے اور حکومت سرکاری عہدہ داروں کو بڑی بڑی تنخواہوں میں تخفیف منظور نہ کرے، تو اس پارٹی کا سرکاری عہدہ دار اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ایک مناسب رقم لے کر بقیہ رقم اپنی قوم کی تعلیمی واقتصادی مفاد پر خرچ کرنے کے لئے پارٹی کو دے گا، جو مجلس عاملہ کے مشورہ پر خرچ ہوگا۔

دفعہ ۱۴: اسلامی اصول اور تاریخی روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیگر قوموں کے ساتھ حسن سلوک ورواداری برتتے ک ہوئے ملکی نظام حکومت میں مسلمانوں کی مخصوص ملی وقومی ضروریات کی تحصیل وتکمیل کے لئے جدوجہد کرنا۔

دفعہ ۱۵: سیاسیات میں مسلمانوں کے تمام فرقوں اور نسلی ونسبی قبائل کو متحد رکھنے کی سعی کرنا۔

دفعہ ۱۶: کاشتکاروں، مزدوروں، تاجروں اور دیگر اقتصادی طبقات کی فلاح وبہبود کی ہر ممکن طریق سے سعی کرنا۔

دفعہ ۱۷: حکومت کے کسی شعبہ میں خاص کر مجالس مقننہ میں جب کبھی ایسے معاملات پیش آجائیں جن کا مذہب سے تعلق ہو تو اس قسم کے تمام معاملات کو امارت شرعیہ بہار واڑیسہ میں بھیجنا تاکہ صوبہ کے تمام اسلامی فرقوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہر فرقہ کے مستند عالم دین سے استصواب رائے کے بعد وہ جو کچھ مشورہ دے اس کے مطابق عمل کرنا یا خود امارت شرعیہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مستند علماء دین کے استصواب رائے کے بعد کسی مسودۂ قانون کو پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرے، اور وہ پارٹی کو اس کی طرف توجہ دلائے تو ایسے مسودۂ قانون کو مجالس مقننہ سے منظور کرانے کی سعی کرنا۔

تشریحی نوٹ: اگر کسی مسودۂ قانون کے متعلق فرق اسلامیہ کے مذہبی مسائل میں اختلاف ہو تو اس

فرقہ کے مستند عالم دین اپنے فرقہ کی طرف سے جو رائے دیں گے اس کی اطلاع امارت شرعیہ پارٹی کو دے گی، تا کہ قانون میں ہر فرقہ کی رعایت ہو جائے، اور کوئی ایسا قانون نہ بن جائے جو کسی فرقہ کے مذہب کے خلاف اس فرقہ پر نافذ ہو جائے۔

باب سوم: پارٹی کی رکنیت اور اس کی تشکیل

دفعہ ۱۸: اس پارٹی کا ہر وہ شخص ممبر ہوسکتا ہے جو:

(الف) مرد مسلمان ہو

(ب) عاقل و بالغ ہو

(ج) صوبہ بہار کا باشندہ ہو

(د) اور پارٹی کے تمام اغراض و مقاصد سے متفق ہو

(س) دو آنہ سالانہ فیس رکنیت ادا کرتا ہو۔

جنرل کمیٹی

دفعہ ۱۹: پارٹی کی ایک مرکزی مجلس ہوگی، جس کا نام جنرل کمیٹی ہوگا، اور اس کے ارکان کی تعداد ستر ہوگی، جس کی تشکیل حسب ذیل طریق پر ہوگی۔

(الف) ہر ضلع بارہ نمائندے جنرل کمیٹی کے لئے منتخب کرے گا۔

(ب) صوبہ کے پانچ انتخابی شہری حلقوں کو جداگانہ حق نمائندگی مثل اضلاع کے حاصل ہوگا۔

(ج) جن اضلاع میں ایک سے زیادہ انتخابی حلقے ہوں گے اس ضلع کے بارہ نمائندوں کو اسی ضلع کے حلقوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، چونکہ شہری حلقوں کی نمائندگی علیحدہ دے دی گئی ہے، اس لئے اس تقسیم میں دوبارہ حق نمائندگی نہیں دے جائے گی، اور جہاں دو اضلاع مل کر ایک ہی انتخابی حلقہ بنا ہو تو وہاں دونوں اضلاع کو ملا کر بارہ اراکین کی نمائندگی دی جائے گی۔

(د) جنرل کمیٹی اپنے جلسہ میں تیس (۳۰) اشخاص کو خود منتخب کرے گی۔

دفعہ ۲۰: جنرل کمیٹی کے حسب ذیل عہدہ دار ہوں گے: صدر ایک، نائبین صدر چار، جنرل سیکریٹری ایک، جوائنٹ سیکریٹری چار، خازن ایک۔

ان عہدہ داروں کا انتخاب جنرل کمیٹی میں ہوگا۔

دفعہ ۲۱: جنرل کمیٹی کا ایک تنخواہ دار نائب سیکریٹری ہوگا۔

دفعہ ۲۲: جنرل کمیٹی کے تمام ارکان اور عہدہ داروں کو سالانہ تین روپے چندہ ادا کرنا لازمی ہوگا۔

دفعہ ۲۳: اس پارٹی کی ایک مجلس عاملہ ہوگی، جس کے ارکان کی تعداد پینتیس (۳۵) ہوگی، اور ان کا انتخاب جنرل کمیٹی کے جلسہ میں ہوگا۔

دفعہ ۲۴: جنرل کمیٹی کے جو عہدہ دار ہونگے وہی مجلس عاملہ کے بھی عہدہ دار ہونگے۔

دفعہ ۲۵: جنرل کمیٹی کے منتخب شدہ ارکان کی تعداد جب پچھتّر تک ہوجائے گی، تو یہ تعداد جدید جنرل کمیٹی کے انعقاد کے لئے کافی ہوگی، اور جب تک پچھتّر کی تعداد پوری نہ ہوگی، سابق کمیٹی بدستور قائم رہے گی اور اس کی تمام کاروائی حسب قواعد وضوابط جائز متصور ہوگی۔

دفعہ ۲۶: جنرل کمیٹی کی پہلی تشکیل کے لئے دفعہ ۱۹ کی پابندی لازمی نہ ہوگی، لیکن جب اس پارٹی کی شاخیں صوبہ کے تمام یا اکثر اضلاع میں قائم ہوجائیں تو جنرل سکریٹری کا فرض ہوگا کہ وہ تمام اضلاع کی شاخوں میں نمائندوں کے انتخاب کے لئے ایک تاریخ مقرر کرے، اور ان شاخوں کے سیکریٹریوں کو اس کی اطلاع دے دے کہ وہ حسب دفعہ ۱۹ نمائندوں کے نام منتخب کر کے صدر دفتر میں کسی معینہ تاریخ تک بھیج دیں۔

دفعہ ۲۷: (الف) جب ۷۵ نمائندوں کے نام حسب دفعہ ۲۵ صدر دفتر میں آجائیں تو سکریٹری کا فرض ہوگا کہ دو ماہ کے اندر جنرل کمیٹی کا ایک جلسہ طلب کرے جس میں قدیم اور جدید ارکان مدعو ہوں اور قدیم ارکان اپنا جلسہ کر کے جدید کمیٹی کی تشکیل کریں اور اس کمیٹی کے بعد تمام کام اس کے سپرد کردیں۔

(ب) جنرل سکریٹری جو حسب دفعہ ۱۹ بنے گی، اس کی مدت ایک سال کی ہوگی، لیکن ملک کے حالات اور سیاسی مصالح کی بنا پر کمیٹی کی مدت میں ایک سال تک توسیع بھی ہوسکتی ہے۔

دفعہ ۲۸: (الف) جنرل کمیٹی کے جلسہ کا نصاب (کورم) پچاس ہوگا، جب کہ وہ حسب دفعہ ۱۹ قائم ہوئی ہوگی اور عارضی کمیٹی جو حسب دفعہ ۲۶ قائم ہو اس کا نصاب بارہ ہوگا۔

(ب) مجلس عاملہ کے جلسہ کا نصاب (کورم) نو (۹) ہوگا۔

دفعہ ۲۹: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے جلسوں کا انعقاد جب باضابطہ تکمیل نصاب کے بعد شروع

ہو جائے تو جب تک اور جتنے دنوں تک اجلاس ہوتا رہے، اس میں نصاب کی تکمیل ضروری نہیں ہوگی۔

دفعہ ۳۰: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے باضابطہ مدعو جلسہ میں نصاب (کورم) اگر پورا نہ ہو تو اس وقت مقررہ پر یہ جلسہ منعقد نہ ہوگا لیکن اگر سکریٹری نے اس دعوت میں یہ اطلاع بھی ممبروں کو دے دی ہو کہ اگر نصاب (کورم) پورا نہ ہوگا تو جلسہ وقت مقررہ پر دوسرے روز فلاں جگہ ہوگا، تو دوسرے روز یہ ملتوی شدہ جلسہ اسی جگہ ہوگا جس میں نصاب کی تکمیل ضروری نہ ہوگی۔

دفعہ ۳۱: جنرل کمیٹی اور اس کے ماتحت کمپنیوں کے تمام جلسوں میں بصورت اختلاف آراء کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا۔

دفعہ ۳۲: - تمام کمیٹیوں کے ہر رکن کی ایک رائے شمار ہوگی، بصورت اختلاف رائے صدر کی رائے دو رایوں کے برابر ہوگی۔

باب چہارم: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے فرائض واختیارات

دفعہ ۳۳: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ پارٹی کے اغراض ومقاصد مصرحہ باب دوم کے ماتحت تجاویز پروگرام منظور کر سکتی ہے۔

دفعہ ۳۴: مجلس عاملہ کی جدید تشکیل جنرل کمیٹی اپنے باضابطہ اجلاس میں کرے گی۔

دفعہ ۳۵: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ وہ دیگر سب کمیٹیاں حسب ضرورت بنائیں اور اس کے حدود واختیارات وفرائض کی تعیین کر دیں۔

دفعہ ۳۶: مجلس عاملہ کی تجاویز و پروگرام میں جنرل کمیٹی ترمیم وتنسیخ کر سکے گی۔

دفعہ ۳۷: مجلس عاملہ کا فرض ہوگا کہ وہ جنرل کمیٹی کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب کارروائی کرے، نیز اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی سعی کرے۔

دفعہ ۳۸: پارٹی کی مالیات کا حساب وکتاب کی نگرانی جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے ذمہ ہوگی۔

دفعہ ۳۹: مجلس عاملہ دستور ہذا کے باب دوم کے کسی دفعہ میں کسی تغیر وتبدل کی مجاز نہیں ہوگی لیکن دیگر ابواب کے دفعات میں حسب ضرورت تغیر وتبدل کر سکتی ہے۔

دفعہ ۴۰ جنرل کمیٹی عہدہ داروں کو کسی وجہ معقول سے معزول اور منتخب کر سکتی ہے، اسی طرح کسی

رکن کو بھی۔

دفعہ ۴۱: جنرل کمیٹی اپنے ارکان اور عہدہ داران کا استعفیٰ قبول یا واپس کر سکتی ہے۔

دفعہ ۴۲: جنرل کمیٹی میں جب کوئی جگہ کسی ممبر کی کسی وجہ سے خالی ہو جائے، یا کسی ضلع کی کمیٹی سے نمائندوں کے نام صدر دفتر میں موصول نہ ہوں تو کمیٹی خالی جگہوں کے لئے اور اس ضلع کے نمائندوں کے لئے ممبر منتخب کرے گی۔

دفعہ ۴۳: حسب دفعہ ۱۹ ضمن (د) کے ماتحت جب بیس نمائندوں کا انتخاب کرے گی، تو اس وقت یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ دس نمائندے کاشتکاروں اور مزدوروں کی انجمن سے مسلمان نمائندے کو طلب کرے اگر وہ اپنے نمائندے نہ بھیجیں تو جنرل کمیٹی کو اختیار ہے کہ دس کاشتکاروں اور مزدوروں کو از خود منتخب کرے۔

دفعہ ۴۴: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ اپنے باضابطہ جلسوں میں گذشتہ جلسوں کی کاروائی کی تصدیق و تصحیح کرے گی، اور ان کو اختیار ہوگا کہ اپنے منظور شدہ تجاویز و پروگرام میں ترمیم و تنسیخ کریں۔

دفعہ ۴۵: مجلس عاملہ کو اپنے ممبر یا عہدہ داروں کے استعفیٰ کے قبول اور واپس کرنے کا اختیار ہوگا، و نیز یہ کہ جو جگہ مجلس عاملہ میں کسی وجہ سے خالی ہو جائے اس کی جگہ دوسرے ممبر اور عہدہ دار منتخب کرے۔

دفعہ ۴۶: مجلس عاملہ کا فرض ہوگا کہ جنرل کمیٹی کے پاس شدہ تجاویز کو کامیاب کرے، و نیز یہ کہ پارٹی کے اغراض و مقاصد اور جنرل کمیٹی کی طے شدہ پالیسی و تجاویز کے ماتحت تجاویز اور پروگرام منظور کر کے مناسب کاروائی کرے۔

دفعہ ۴۷: مجلس عاملہ کو ماتحت مجالس کی شکایات و نزاعات سننے اور فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا، و نیز یہ کہ صدر دفتر کے ملازمین کے تقرر و معزولی اور ان کی شکایات کی سماعت و فیصلہ کا حق ہوگا۔

دفعہ ۴۸: اگر کوئی رکن پارٹی کے اصول و ضوابط یا طے شدہ تجاویز یا پالیسی کی ایسی خلاف ورزی کرے جس سے پارٹی کے وقار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مجلس عاملہ کو یہ حق ہوگا کہ اگر افہام و تفہیم کے بعد بھی وہ ممبر اپنی حرکت سے باز نہیں آئے تو اس کا نام ممبری سے خارج کر دے۔

دفعہ ۴۹: اگر کسی ممبر کو مجلس عاملہ یا جنرل کمیٹی کے عہدہ داروں سے یا پارٹی کے ممبر سے کوئی شکایت ہو اور وہ ان دو مجالس یا کسی ایک میں پیش کر دے تو وہ اس شکایت کی سماعت

کرے گی، اور بیان شکایات اوراس کے جواب کے وقت دونوں فریق مجلس میں موجود رہیں گے، لیکن مجلس وقت بحث باہم اور فیصلہ ہر فریق کو مجلس سے علحدہ رہنے کی ہدایت کرے گی اور یہی طریقہ ہر دو مجالس اس وقت اختیار کریں گی جب کسی ممبر کو دوسرے ممبر سے شکایت ہو۔

دفعہ ۵۰: جب پارٹی مجلس مقننہ میں اپنے نمائندوں کو بھیجنا طے کرے اور جو تجویز یا پالیسی جنرل کمیٹی یا مجلس عاملہ منظور کرے یا کوئی عہد نامہ تیار کرے یا کوئی پابندی نمائندوں پر عائد کرے تو انہیں اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

دفعہ ۵۱: مجلس عاملہ اور جنرل کمیٹی جب مناسب سمجھے سال میں ایک مرتبہ صوبہ کے کسی ضلع میں ایک کانفرنس کا انعقاد کرے، جس میں صوبہ کی جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے ممبروں و عہدہ داروں کے علاوہ حسب ذیل ممبران و اشخاص بھی شریک ہو سکتے ہیں، اور یہ کانفرنس پراونشل انڈی پنڈنٹ کانفرنس کے نام سے موسوم ہوگی۔

(الف) اضلاع کے عام ممبران (ب) ہر ضلع کمیٹی کے ارکان و عہدہ دار۔

(ج) وہ اشخاص جن کو مجلس عاملہ یا اس کے عہدہ دار خصوصیت سے مدعو کریں۔

(د) عام مسلمان یا دیگر قوموں کے افراد بہ حیثیت وزیٹر۔

دفعہ ۵۲: (الف) جب کبھی انڈی پنڈنٹ کانفرنس حسب دفعہ ۵۱ منعقد ہوگی، تو کانفرنس کے اجلاس عام میں تمام شرکائے اجلاس کو ہر تجویز پر بحث کرنے کا اختیار ہوگا، سوائے ان اشخاص کے جو دفعہ ۵۱ ضمن (د) کے ماتحت شریک ہوں اور وقت رائے شماری تمام شرکائے اجلاس کو رائے دینے کا حق ہوگا سوائے ان لوگوں کے جو حسب دفعہ ۵۱ ضمن ج، و، د شریک اجلاس ہوں۔

(ب) کانفرنس کو اختیار ہوگا کہ مجلس عاملہ یا جنرل کمیٹی کی تجاویز کو مسترد یا اس میں ترمیم کرے، یا کوئی دوسرا پروگرام مرتب کرے، اسی طرح جنرل کمیٹی کو بھی مجلس عاملہ کی تجاویز میں ترمیم یا رد کا اختیار ہوگا۔

دفعہ ۵۳: کانفرنس کے انتظامات اور اس کی کارروائی کے لئے مجلس عاملہ جو قواعد بنائے گی اس کی پابندی لازمی ہوگی۔

دفعہ ۵۴: سالانہ کانفرنس بالعموم سال میں ایک دفعہ اور جنرل کمیٹی کی مجلس بالعموم سال میں

دومرتبہ ہوگی، اور مجلس عاملہ کا جلسہ کم سے کم ہر تین ماہ میں ایک مرتبہ لیکن غیر معمولی حالات میں مجلس عاملہ، جنرل کمیٹی اور کانفرنس کا اجلاس اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔

دفعہ ۵۵: اگر جنرل کمیٹی یا مجلس عاملہ کا جلسہ معمولی صدر وسکریٹری طلب نہ کریں تو جنرل کمیٹی کے دس ممبران اور مجلس عاملہ کے پانچ ممبران کے دستخطوں سے جلسہ طلب ہوسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ پہلے یہ دستخط کرنے والے ممبران صدر وسکریٹری کو بذریعہ جلسہ طلب کرنے کی فرمائش کریں، اوراس فہمائش کے باوجود صدر وسکریٹری جلسہ طلب نہ کریں تو مذکورالصدر تعداد میں ممبران اپنے دستخطوں سے جلسہ طلب کرسکتے ہیں۔

اسی طرح غیر معمولی حالات میں بھی ممبروں کو اسی قاعدہ کے مطابق خاص جلسہ طلب کرنے کا اختیار ہوگا۔

دفعہ ۵۶: کانفرنس کے صدر کا انتخاب مجلس عاملہ کرے گی اور کانفرنس کی صدارت کے لئے ضروری نہیں کہ اسی صوبہ کا کوئی آدمی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ پارٹی کے اغراض ومقاصد سے متفق ہو۔

دفعہ ۵۷: اضلاع کی ماتحت مجالس کے قواعد وضوابط کی منظوری اوران مجالس کے الحاق کو توڑنے کا حق مجلس عاملہ کو ہوگا۔

باب پنجم: عہدہ داروں کے فرائض واختیارات

دفعہ ۵۸: جنرل کمیٹی اور مجلس عاملہ کے جلسوں کی صدارت منتخب شدہ صدر کرے گا، اور صدر کی عدم موجودگی میں کوئی نائب صدر کرے گا، بشرطیکہ جلسہ میں ایک بھی نائب صدر موجود ہو، اگر چند نائب صدر ہوں، تو جس نائب صدر کی صدارت پر کثرت رائے ہووہی صدر جلسہ قرار پائے گا۔

دفعہ ۵۹: صدر یا قائم مقام صدر کا فرض ہوگا کہ جلسہ میں ضبط ونظم کو قائم رکھیں۔

دفعہ ۶۰: صدر کو اختیار ہوگا کہ ایجنڈا کے غور طلب امور میں سے جس امر کو چاہیں بحث وفیصلہ کے لئے پہلے اختیار کرے یعنی ایجنڈا کی ترتیب لازمی نہیں ہوگی، لیکن یہ ضرور ہے کہ ایجنڈا کے اموران امور پر مقدم ہونگے جو صدر کی اجازت سے پیش ہوں گے۔

دفعہ ۶۱: صدر وسکریٹری کو اختیار ہوگا کہ پارٹی کے مقاصد اور پالیسی کے ماتحت اعلانات شائع اور سرکلر جاری کرے۔

دفعہ ۶۲: صدر کو سکریٹری اور کارکنان دفتر کے کاموں کی نگرانی کا حق ہوگا۔

دفعہ ۶۳: سکریٹری کو اختیار ہوگا کہ خزانہ سے کوئی رقم اپنے دستخط سے ان حدود کے اندر برآمد کرے جو مجلس عاملہ نے معین کر دیا ہو۔

دفعہ ۶۴: صدر کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی غیر موجودگی میں کسی ایک نائب کو اپنے کل اختیارات یا بعض تفویض کرے، اور جب صدر بغیر تفویض اختیارات دو تین ماہ کے لئے صوبہ سے باہر جائے تو باجازت مجلس عاملہ کوئی نائب صدر صدارت کے فرائض و اختیارات کو استعمال کر سکتا ہے۔

دفعہ ۶۵: جنرل سکریٹری کے حسب ذیل فرائض و اختیارات ہوں گے:

(الف) دفتر کی تنظیم و ترتیب اور دستور ہذا کے اصولوں اور طے شدہ تجاویز و پالیسی کے ماتحت ضروری مراسلات جاری کرنا، لیکن کسی اعلان عام یا اہم سرکلر کے لئے ضروری ہے کہ اس کی منظوری صدر سے حاصل کر لی جائے۔

(ب) جنرل کمیٹی، مجلس عاملہ اور کانفرنس کے اجلاسوں کی کاروائیوں کو منضبط کرنا اور ان کو رجسٹروں میں محفوظ رکھنا اور کارکنان صدر دفتر و ماتحت مجالس کے کاموں و دفتروں کی نگرانی کرنا ہے۔

(ج) آمد و خرچ کا حساب و کتاب صاف رکھنا۔

(د) پچاس روپیہ تک کے ملازم کا تقرر یا برطرف کرنا، لیکن اس سے زیادہ کے لئے صدر کی تحریری اجازت ضروری ہوگی، اور بہر صورت ہر تقرری اور برطرفی کو مجلس عاملہ یا جنرل کمیٹی میں پیش کرنا ہوگا۔

(ہ) شش ماہی میزانیہ اور آخر سال میں کل آمد و خرچ کا گوشوارہ مجلس عاملہ میں پیش کرنا۔

(و) پارٹی کے جملہ رقوم کو خازن کے پاس جمع کر کے دستخط حاصل کرنا۔

(ز) دفتری اور دیگر اخراجات کے لئے سو روپیہ کی رقوم جنرل سکریٹری اپنی تحویل میں رکھ سکتا ہے۔

(ح) میزانیہ کے علاوہ غیر معمولی اخراجات پچاس روپیہ تک بہ اختیار خود اور سو روپیہ تک باجازت صدر جنرل سکریٹری کر سکتا ہے۔

(ط) اضلاع کی کسی کمیٹی کی تنظیم اور اس کی نگرانی کے لئے یا پارٹی کے مقاصد کے نشر و اشاعت کے لئے دورہ کرنا۔

دفعہ ۶۶: جوائنٹ سکریٹری جنرل سکریٹری کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہوں گے، اور اگر جنرل سکریٹری کسی کو قائم مقامی کے بغیر صوبہ سے باہر ایک ماہ یا اس سے زائد کے لئے چلا جائے جائے تو صدر جس کو قائم مقام کر دے گا وہ جنرل سکریٹری کے اختیارات کو استعمال کرے گا، اور سکریٹری جو کام جس جوائنٹ سکریٹری کے سپرد کرے وہ اس کو انجام دے گا۔

دفعہ ۶۷: خازن کا فرض ہوگا کہ پارٹی کی تمام رقوم جو اس کی تحویل میں دی جائیں اور برآمد ہوں مفصل حساب ایک مستقل کتاب میں رکھے۔

دفعہ ۶۸: خازن کا فرض ہوگا کہ سکریٹری کے تحریری مطالبہ پر کوئی رقم خزانہ سے واپس کرے اور ان تجاویز کو پیش نظر رکھے جو مالیات کے جمع و برآمد کے متعلق مجلس عاملہ منظور کرے۔

باب ششم: مالیات

دفعہ ۶۹: پارٹی کے حسب ذیل ذرائع آمدنی ہونگے۔

(الف) ممبران جنرل کمیٹی و مجلس عاملہ کی فیس رکنیت۔

(ب) ضلع کی کمیٹیوں کی معرفت جو رقم وصول ہوں۔

(ج) عطیات جو ممبروں اور ہمدردوں سے وصول ہوں۔

(د) سیاسی اقتصادی اصلاحی کتب کی اشاعت سے جو رقم وصول ہوں۔

(ہ) اور وہ تمام رقوم جو مجلس کی تجاویز کے ماتحت پارٹی کے فنڈ میں محسوب ہوسکتی ہے۔

دفعہ ۷۰: پارٹی فنڈ کا تمام روپیہ اس دستور کے قواعد اور مجلس عاملہ کی تجاویز کے ماتحت خرچ ہوگا۔

دفعہ ۷۱: پارٹی کے لئے رقم دینے والوں کو پختہ رسید دینا لازم ہوگا جس پر پارٹی کی مہر اور جنرل سکریٹری کی دستخط ہوگی۔

باب ہفتم: ضلع کمیٹیوں کے فرائض واختیارات

دفعہ ۷۲: ضلع کی مجالس اور کمیٹیوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دستور کی روشنی میں اپنے لئے قواعد وضوابط

وضع کریں، بایں شرط کہ کوئی قاعدہ وضابطہ دستور ہذا کے کسی دفعہ کے خلاف نہ ہو۔

دفعہ ۷۳: تمام ضلع وار کمیٹیوں اور ماتحت مجالس کا فرض ہوگا کہ جنرل کمیٹی، مجلس عاملہ اور کانفرنس کے اجلاس کے جملہ منظور شدہ تجاویز کا احترام کریں، اور تمام عملی تجاویز کو اپنے حلقہ میں کامیاب کرنے کی پوری سعی بلیغ کریں۔

دفعہ ۷۴: تمام ضلع کمیٹیوں کا فرض ہوگا کہ عام ممبروں کے نام و پتہ کی فہرست اور ان کے قرطاس رکنیت کو تا انتخاب ثانی محفوظ رکھیں۔

دفعہ ۷۵: تمام ضلع کے ماتحت مجالس کا فرض ہوگا کہ اپنی جملہ آمدنی کا ایک چوتھائی جنرل کمیٹی کے صدر دفتر میں ہر سہ ماہی کے اندر روانہ کریں۔

دفعہ ۷۶: ہر ضلع کی کمیٹیوں کا فرض ہوگا کہ:

(الف) صدر دفتر کے ہر سرکلر کے مطابق عمل کریں۔

(ب) اور جو تجویز و پروگرام صدر دفتر سے شائع ہو اپنے حلقہ کے عام مسلمانوں خاص کر پارٹی کے تمام ممبروں میں اس کو مقبول بنانے کی سعی کریں۔

دفعہ ۷۷: ضلع کی کمیٹیوں کا فرض ہوگا کہ اگر وہ اپنے لئے کوئی قاعدہ وضابطہ وضع کریں تو اس پر عمل درآمد سے پہلے پارٹی کے صدر اور مجلس عاملہ سے اس کی منظوری حاصل کریں۔

دفعہ ۷۸: ضلع کی کمیٹیاں اپنے جلسوں میں تجاویز و عملی پروگرام منظور کرسکتی ہیں بشرطیکہ وہ پارٹی کے مقاصد و پالیسی اور جنرل کمیٹی و مجلس عاملہ کی تجاویز و پروگرام کے خلاف نہ ہوں اور شرط یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے سے پہلے صدر دفتر کو اس کی اطلاع دی جائے۔

دفعہ ۷۹: ضلع کمیٹیوں کے ماتحت تھانہ کمیٹی اور تھانہ کمیٹی کے ماتحت مواضعات کی حلقہ کمیٹیاں ہوں گی جن کی تنظیم و نگرانی ضلع کمیٹیوں کے ذمہ ہوگی۔

دفعہ ۸۰: -ہر ماتحت کمیٹی اپنے عہدہ دار (سکریٹری، صدر، خازن) اپنے ممبروں میں سے خود منتخب کرے گی۔[1]

ظاہر ہے کہ یہ تمام قواعد وضوابط مفکر اسلام حضرت مولانا سجادؒ کے ذہن رسا کی دین ہیں، ان سے آپ کی دوراندیشی اور سیاسی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

۱- حسن حیات ص ۳۲۶ تا ۳۳۸۔

پارٹی کی طرف سے انتخابات میں شرکت کا اعلان

اس کانفرنس میں ملی، قومی اور بین الاقوامی مسائل پر کئی اہم تجاویز بھی منظور کی گئیں، چونکہ ١٩٣٦ء ہی سے بہار میں مجلس قانون ساز کے عام انتخابات کی تیاریاں ہونے لگی تھیں، اس لئے اس کانفرنس میں یہ تجویز بھی بڑے زوروشور سے پاس ہوئی، کہ ہونے والے انتخابات میں مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی بھی الیکشن میں حصہ لے گی، تجویز کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

''ہرگاہ کہ مجلس مقننہ جوگورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ١٩٣٥ء کے ماتحت قائم ہوگی، ان کے ذریعہ باشندگان ملک کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً اہم تعمیری خدمت ان کی ضروریات وحاجات کے لحاظ سے ناممکن ہے، اوراس کے ساتھ اس امر کا بھی اندیشہ ہے، کہ مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی ان مجالس کے لئے حریت پرور اور حق پسند مسلمانوں کو امیدوار کھڑا نہ کرے تو ایک طرف ایسے مسلمان جو رجعت پسند ہیں، ان مجالس میں پہنچ کر نہ صرف یہ کہ انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے باعث ہونگے، بلکہ ملک کے غریب طبقہ کو، مسلمانوں کو خصوصاً نقصان ہوگا، اور دوسری طرف عام مسلمین کو رعظیم صدمہ لاحق ہوگا، اس لئے بہار پراونشل مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا یہ اجلاس تجویز کرتا ہے، کہ ان دوہری مضرتوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی کریڈ اور پالیسی کے ٹکٹ پر لائق امیدوار مجالس مقننہ کے لئے کھڑے کئے جائیں اور یہ کانفرنس پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کو کامل اختیار دیتی ہے کہ انتخابی منشور تیار کر کے شائع کرے، اور شرائط امیدوار وغیرہ مرتب کر کے انتخاب کے لئے ہر مناسب وجائز کاروائی کرے۔''[1]

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''انتخابات میں حصہ لینے سے مولانا کا ایک مقصد یہ بھی تھا، کہ رفتہ رفتہ آئینی طریقہ پر مذکورہ بالا مقاصد کی طرف قدم بڑھایا جائے۔ اور مرکزی وصوبائی مجالس قانون ساز سے ایسے قوانین مرتب کرائے جائیں، جو صحیح اسلامی اصول پر مرتب کئے گئے ہوں، اور جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' پارٹی کا منشور عام اور پارٹی کانفرنس کا خطبہ استقبالیہ)۔''[2]

پارٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس

مذکورہ کانفرنس کے چند دنوں کے بعد ١٧ رستمبر ١٩٣٦ء (یکم رجب المرجب ١٣٥٥ھ) کو پارٹی کی مجلس عاملہ منعقد ہوئی، جس نے پارٹی کا (مذکورہ بالا) دستور منظور کیا اور انتخابات کے تعلق

١۔مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ٥٢، ٥٣، ٥٤ مضمون مولانا سہیل اختر قاسمی بحوالہ: نقیب ٥ ر رجب۔١٣٥٥ھ مطابق ٢٢ رستمبر ١٩٣٦ء۔

٢۔حیات سجاد ص ١٦٥ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

سے چند اہم تجاویز بھی منظور کیں۔ بعد ازاں انتخابی منشور اور عہد نامہ برائے امیدوار بھی مرتب کئے گئے۔

ملاحظہ ہو کاروائی مجلس عاملہ انڈی پنڈنٹ پارٹی:

''آج بتاریخ ۷ ار ستمبر ۱۹۳۶ء بوقت ساڑھے گیارہ بجے دن بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے دفتر واقع مراد پور بانکی پور پٹنہ مجلس عاملہ کا اجلاس مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی صدارت میں منعقد ہوا، حسب ذیل اراکین عاملہ شریک تھے:

(۱) مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ (۲) حاجی شرف الدین حسن باڑھ (۳) مسٹر محمد محمود بیرسٹر (۴) ڈاکٹر سید عبدالحفیظ فردوسی (۵) مسٹر محمد یونس بیرسٹر (۶) مولوی خلیل احمد وکیل (۷) قاضی احمد حسین (۸) تجمل حسین بیرسٹر (۹) مولانا سید منت اللہ (۱۰) حافظ محمد ثانی (۱۱) مولانا محمد یسین (۱۲) مولانا محمد عثمان غنی (۱۳) مولانا عبدالصمد رحمانی (۱۴) مولوی محمد حفیظ ایڈوکیٹ۔

تجاویز

تجویز نمبر ۱:۔ مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بناتا ہے اور اس کو اختیار دیتا ہے، کہ وہ مینی فیسٹو کو ان اہم الفاظ کی روشنی میں جن کو مجلس عاملہ نے بحث کر کے ضبط کیا ہے، پھر سے مرتب کر کے مجلس عاملہ کی طرف سے شائع کر دے۔

ارکان کمیٹی برائے مرتب کردن منشور برائے انتخابات

(۱) مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ (۲) قاضی احمد حسین (۳) مولوی خلیل احمد وکیل (۴) مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

تجویز نمبر ۲:۔ مجلس عاملہ کا یہ جلسہ طے کرتا ہے، کہ انتخابی اعلان اردو اور انگریزی اخبار میں شائع کر دیا جائے، اور مستقلاً بھی رسالہ کی شکل میں شائع کیا جائے۔

تجویز نمبر ۳:۔ مجلس عاملہ کا یہ جلسہ عہد نامہ درخواست امیدواران کو منظور کرتا ہے، اور فیس امیدواری اسمبلی کے لئے مبلغ ۲۵ روپے، کانسل کے لئے مبلغ پچاس روپے اور کانسل آف اسٹیٹ کے لئے ایک سو روپے پارٹی فنڈ کے لئے مقرر کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۴:۔ مجلس عاملہ کا یہ جلسہ درخواست امیدواری کی آخری تاریخ ۲۰ اکتوبر مقرر کرتا ہے، اور طے کرتا ہے کہ تمام درخواستیں جنرل سیکریٹری مسٹر محمد محمود بیرسٹر کے نام صدر دفتر بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی مراد پور پٹنہ کے پتہ پر بھیجی جائیں، اور حسب ذیل حضرات کی کمیٹی بناتا ہے، اور انہیں ہدایت کرتا ہے، کہ وہ ضلع اور حلقوں کی کمیٹیوں سے مشورہ کر کے لائق شخص کو نامزد کریں۔

(۱) مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ (۲) مولوی خلیل احمد صاحب وکیل (۳) ڈاکٹر عبدالحفیظ فردوسی (۴) حکیم نوراللہ صاحب (۵) مولوی محمد اسمعیل خان صاحب (۶) مولانا عبدالودود صاحب

(۷) مولانا محمد عثمان غنی صاحب۔

تجویز نمبر ۵:- مجلس عاملہ کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ڈویژن کانفرنس کے لئے ضلع کمیٹی سے خط وکتابت کی جائے۔

تجویز نمبر ۶:- مجلس عاملہ کا یہ جلسہ تجویز کرتا ہے، کہ چاروں ڈویژن کے کاموں کی نگرانی اور پارٹی کی پالیسی کو مقبول عام بنانے کے لئے چار مقرر کا تقرر کیا جائے، اور اس کا بار نمائندوں پر ڈالا جائے۔"[1]

بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا انتخابی منشور عام

اس موقعہ پر پارٹی کا جو انتخابی منشور عام جاری کیا گیا وہ بھی بہت جامع، وطن سے محبت اور اسلام پسندی کے جذبات پر مبنی تھا، جس میں جہالت، غربت، بے روزگاری اور بدامنی کے خاتمہ، قدیم تمدنی اقدار وروایات اور بنیادی حقوق کے تحفظ اور تعلیمی واقتصادی وسائل کے فروغ کو ضروری اہداف کا درجہ دیا گیا تھا:

"اس ملک میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد جب ایک ایسی اجنبی حکومت قائم ہوگئی، جس کی بنیاد ہندوستان کے فائدہ پر نہیں بلکہ انگلستان کی بدیشی حکومت کے سیاسی واقتصادی فوائد پر رکھی گئی اور ملک کے دوسرے باشندوں کی طرح مسلمان بھی محکومانہ زندگی بسر کرنے پر قانع ہوگئے، تو اس کا نتیجہ وہی ہوا جو قدرتاً ہوا کرتا ہے، کہ نہ دولت رہی نہ علم وہنر، وہ ہندوستان جہاں کے کارخانوں میں ولایت کے جہاز بنتے تھے، جس کے کپڑے کی صنعت اس درجہ پر تھی کہ تقریباً تمام دنیا کی منڈیاں ہندوستانی کپڑوں سے پٹی ہوئی تھیں، جن کی بدولت لاکھوں ہندوستانیوں کی روٹی کا سوال حل ہوتا تھا، جس کے عطر ومسالے اور دیگر اشیائے لطیفہ کی مانگ ساری دنیا میں تھی، انگریزی حکومت کی ناقص حکمت عملی کی بدولت تباہ ہوگیا، اور ہندوستان فلاکت زدوں کی بستی ہوکر رہ گیا ہے۔

افلاس

آج سارا ملک افلاس اور غربت کی مصیبت میں مبتلا ہے، مسلمانوں کا افلاس اور ان کی تنگ دستی اس حد تک پہنچ گئی ہے، کہ تقریباً نوے فی صدی مسلمان نان شبینہ کے محتاج ہیں، تن ڈھانکنے کے لئے پھٹے پرانے کپڑے بھی میسر نہیں آتے اور بقیہ دس فی صدی اگر چہ اس درجہ محتاج نہیں مگر روٹی اور کپڑے انہیں بھی اطمینان قلب کے ساتھ نہیں ملتے، رات دن اسی فکر میں سرگرداں وپریشان رہنے پر بھی آبائی عزت وآبرو کا نباہنا مشکل تر ہوگیا ہے، زمینداروں کے چہرے اداس،

۱- حسن حیات ص ۷۷ تا ۷۹۔

کاشتکاروں کے زرد اور بدن لاغر و خشک ہوگئے ہیں، غرض ہندوستان کی معاشی حالت بد سے بدتر ہے اور معیشت کی تمام راہیں بند ہیں۔

جہالت

نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی دولت وصنعت ہی غارت ہوگئی، بلکہ جہالت بھی عام ہوگئی، قدیم علوم و معارف جس سے انسانوں کے دماغ میں روشنی پیدا ہوتی ہے، اخلاق بلند و برتر ہوتے ہیں، اس کے تمام ذرائع ناپید ہوگئے ہیں، نہ وہ مدارس رہے نہ مسجدوں اور خانقاہوں میں لوجہ اللہ درس دینے والے، نہ ہر گاؤں میں قدیم مکاتب کا دستور رہا، جہاں غریب و امیر کے بچے بغیر کسی امتیاز کے مفت تعلیم پاتے تھے، اور جن کے ذریعہ جہالت عامہ کا خاتمہ ہوسکتا تھا، انگریزی حکومت نے اپنے استحکام کے لئے انگریزی زبان کے ذریعہ علوم کی تعلیم کا طریقہ جاری کر کے ملک کو مزید تباہی میں مبتلا کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مسلمانوں نے باپ دادا کی بچی کھچی جائیداد کو بیچ بیچ کر اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلائی، لیکن یہ انگریزی خوانی بھی آخر وبالِ جان ثابت ہوئی، قدیم آداب تہذیب اور سادہ زندگی رخصت، روح کی پاکیزگی فنا ہوچکی تھی، پیٹ پالنے کا سہارا صرف ایک انگریزی تعلیم رہ گئی تھی، مگر اس کا بھی اب یہ حال ہے کہ ہمارے ہزاروں نوجوان بی اے ایم اے دربدر خاک چھاننے کے بعد بھی بیکاری اور بے روزگاری کی مصیبت عظمیٰ میں مبتلا ہیں جس سے نجات پانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اسلامی تمدن کی تباہی

انگریزی نظامِ حکومت اور اس کی پالیسی سے مسلمانوں کی دنیاوی زندگی تو ہر طرح تباہ و برباد ہو ہی گئی، لیکن سب سے بڑی مصیبت جو نازل ہوئی، وہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن و معاشرت اور اسلامی کلچر (شعار) کے تحفظ و بقا کا بھی کوئی ذریعہ باقی نہ رہا، انگریزی عدالتوں ہائی کورٹوں کے غیر مسلم ججوں کی فہم و ادراک کے سانچوں میں اسلامی قانون کو ڈھال کر اینگلو محمڈن لا بنا دیا گیا، جس کو اسلامی احکام کی تخریب و تنسیخ ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے آج بدقسمتی سے مسلمان اس اینگلو محمڈن لاء کو اسلامی قانون سمجھ کر اس کی اتباع پر مجبور ہیں۔

دار القضاء کا انہدام

مسلمانوں کے باہمی تمدنی و مذہبی معاملات کے انصرام و انفصال کے لئے اسلامی قانون کے مطابق دار القضاء کا قیام ایک نہایت ضروری امر ہے، انگریزی حکومت نے اسلامی محکمۂ

قضا کوتوڑ کر دارالقضاء کو بالکل منہدم کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان خالص مذہبی حیثیت سے ہزاروں مصائب میں مبتلا ہیں، دنیا وآخرت تباہ وبرباد ہے، دنیا کی ذلیل ترین زندگی بسر کرنے کے ساتھ صرف ایک محکمۂ قضا نہ ہونے سے بے شمار مسلمانوں کو زبردستی جہنم میں بھیجنے کا سامان مہیا کر دیا گیا کیونکہ بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا فیصلہ کسی حال میں غیر مسلم عدالتوں سے جائز نہیں۔

مجالس مقننہ کا فساد

ان تمام مصائب دینی ودنیوی کے علاوہ انگریزی نظام حکومت کا ایک فسادانگیز کارنامہ یہ ہے کہ قانون سازی کے لئے ایسی اسمبلیاں اور کانسلیں مشترکہ تمام قوموں کے ملک میں قائم کر دی گئی ہیں جن میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق قانون بنتے ہیں، اور بنائے جاسکتے ہیں۔

نکاح ہو یا طلاق، حج کا سفر ہو یا مقامات مقدسہ کا قبرستان ہو یا عبادت گاہ اوقاف ہوں یا وراثت، کوئی ایک چیز بھی ان مشترکہ مجالس قانون ساز کے احاطۂ اختیار سے باہر اور تمام قوانین کی منظوری محض اکثریت کی رائے پر موقوف ہے، جس طرح وہ چاہیں قانون بنائیں، مسلمانوں کے خالص مذہبی احکام تک میں تنسیخ وترمیم ہوسکتی ہے، اور اس قسم کی فسادانگیز کاروائیوں کے انسداد کا کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہ حکومت کے دستور ۱۹۱۹ء میں موجود ہے اور نہ جدید انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں، بلکہ اس آخری دستور سے مسلمانوں کے لئے مزید خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔

مسلمانوں کی ذمہ داری

غلامی پر قناعت

اور اس قسم کے تمام دین ودنیا کی تباہی وبربادی کی ذمہ داری بڑی حد تک مسلمانوں کے سر پر عائد ہوتی ہے، کہ انہوں نے ایک طرف اجنبی حکومت کی غلامی پر قناعت کر لی، جس کے سامنے انگریزوں کا مفاد سب سے مقدم ہے، اور اس کے خودساختہ قوانین کی بلا چوں وچرا اطاعت کرتے رہے، غریب کاشتکاروں ومزدوروں، کاریگروں کو حکومت کے نظام اور طریق کار سے ناواقف اور اصول کشمکش حیات ورموز زندگی سے بے خبر رکھا۔

نظام ملت سے غفلت

اور دوسری طرف نظام ملت کی طرف سے غفلت برتی گئی جو اسلامی زندگی کا لازمی جزو ہے، جس کو تمام مسلمانوں کی قومی ومذہبی زندگی کا مرکز ہونا چاہئے، اور حق یہ ہے کہ مسلمانوں کی اسلامی زندگی

اور مذہبی تحفظ کا یہی ایک واحد ذریعہ عقلاً ونقلاً ہے، مگر ہمارے بہت سے مسلمان لیڈروں نے بدقسمتی سے شاید یہ سمجھ رکھا ہے، کہ مسلمانوں کی دنیا اسمبلی وکانسل کی ممبریوں اور سرکاری نوکریوں سے بن جائے گی، باقی رہا مذہب تو وہ اللہ کا دین ہے وہی اس کا محافظ ہے اس کی ہمیں فکر کرنے کی کیا حاجت۔

تمام مصائب کا علاج

الغرض مسلمانوں کے دین ودنیا کی تباہی کے حقیقتاً دوسبب ہیں، ایک اجنبی حکومت کی محکومی دوسرے نظام ملت کی طرف سے غفلت اس لئے مسلمانوں کے تمام طبقات کاشتکار ہوں یا مزدور، کاریگر ہوں یا بے روزگاران کی حالت سدھرنے کے لئے ضروری ہے کہ اجنبی حکومت کی غلامی سے نجات حاصل کی جائے، تاکہ ملک کی دولت اسی ملک کے باشندوں پر مناسب طریقہ سے تقسیم ہو اور اس ملک کا روپیہ حتی الامکان باہر جانے نہ پائے۔

اسی کے ساتھ مسلمانوں کی قومی خصوصیات اور مذہبی تحفظ کے لئے اسلامی نظام ملت کو جس کا دوسرا نام امارت شرعیہ ہے مضبوط واستوار کیا جائے، تاکہ ان اقیموا الدین ولاتتفرقوا فیہ کے فرض سے سبکدوشی حاصل ہو اور اس کی رہنمائی میں تمام مسلمان مذہبی فرقہ بندیوں اور نسلی وقبائلی ٹولی بندیوں سے بالاتر ہوکر متحدہ طاقت کے ساتھ مذہبی احکام وقوانین کے احترام کو قائم کرسکیں، کیونکہ مسلمانوں کی جماعتی زندگی کے قیام کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ جب کسی ملک میں اسلامی حکومت موجود نہ ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایک لائق اعتماد شخص کو امیر منتخب کریں اور تمام مذہبی امور میں جو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہو اس میں اس کی اطاعت کریں۔

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی اہمیت

ان ہی دو اہم مقاصد کے حصول کے لئے عرصہ زائد ایک سال سے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی صوبہ بہار میں قائم ہوئی ہے، اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے کھوئی ہوئی آزادی اور ضائع شدہ دولت وعلم اور برباد شدہ نظام ملت کا حصول ہمت وجرأت کے ساتھ ممکن ہے، اور اس کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں کے تمام طبقات امیر غریب کاشتکار ومزدور بغیر کسی مذہبی اور نسلی تفریق کے مسلم انڈی پنڈنٹ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوجائیں اس طرح مسلمانوں کی عزت وآبرو رہ سکتی ہے نہ کہ کسی انگریزی اصلاحات اور ریفارمر کے ذریعہ۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی عدم مقبولیت

بلکہ اس پارٹی کو یقین ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء غلامی کا ایک بوجھل طوق

ہے، جس سے غریب مسلمان مزید مصیبتوں میں مبتلا ہوجائیں گے، اوراس ایکٹ کے ماتحت جوحکومت قائم ہوگی، اس سے ہندوستانیوں کوعموماً اور مسلمانوں کوخصوصاً کسی فائدہ کی توقع نہیں ہے، اوراسی وجہ سے بہار مسلم انڈی پنڈنٹ کانفرنس نے ایک مفصل تجویز میں اس کی حقیقت کوواضح کرتے ہوئے اس کی عدم قبولیت کا اعلان کردیا ہے۔

آزاددستورحکومت کی تشکیل

اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہی دستور حکومت قابل قبول ہوسکتا ہے، جس کو ہندوستانی اقوام کے مختلف نمائندے باہمی مفاہمت سے تیار کریں، جس کی بنیاد کامل جمہوریت پر ہواور یہ کہ دستور میں تمام اقلیتوں کے حقوق کی کافی ضمانت ہواسی کے ساتھ مسلمانوں کے لئے خصوصیت سے دستور میں یہ ضمانت ہو کہ اسلامی احکام میں جمہوری حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی، اور یہ مسلمانوں کے باہمی معاملات کے انفصال وانصرام کے لئے مستقل نظام احکام اسلام کے مطابق قائم کیا جائے گا، جس کی جمہوری حکومت ذمہ دار ہوگی۔

مجالس مقننہ کی نمائندگی

اس پارٹی کو یقین ہے کہ جب تک آزادی حاصل نہیں ہوتی، اور آزاددستورحکومت تیار نہیں ہوتا، ان تمام مصائب کو دور کرنا جس میں اہل ملک عموماً اور مسلمان خصوصاً برطانوی حکومت کی وجہ سے مبتلا ہوگئے ہیں ناممکن ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی یقین ہے کہ برطانوی حکومت کی قائم کردہ مجلس مقننہ کے ذریعہ آزادی حاصل نہیں ہوسکتی ہے، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انگریزی حکومت رجعت پسند نمائندوں کے ذریعہ غلامی کی مدت کوطویل کرسکتی ہے اورغریب کاشتکاروں اورمزدوروں اور کاریگروں کو زیادہ تباہی میں مبتلا کیا جاسکتا ہے، ان تمام مضرتوں سے اہل ملک اورمسلمانوں کو بچانے کے لئے اس کے سوااورکوئی صورت نہیں ہے کہ مسلم انڈی پنڈنٹ کے ٹکٹ پر لائق وقابل اور باہمت مسلمانوں کو مجالس مقننہ میں بھیجا جائے۔

نمائندوں کی حکمت عملی

ہمارے نمائندے اپنی حکمت عملی سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کوان نقصانات سے بچانے کی سعی کریں گے جوغیر مسلم ومسلم رجعت پسندوں یا انگریزوں کی پالیسی سے پہنچنے کا اندیشہ ہے، بلکہ سعی کریں گے کہ:

۱: ان متشددانہ قوانین کومنسوخ کرایا جائے، جوشخصی حریت یا پریس کی آزادی میں حائل ہیں۔

۲: ان قوانین کو منسوخ کرایا جائے، جن سے مذہب اسلام میں مداخلت ہوگئی ہے، اوران مسودات قانون کی مخالفت کی جائے، جن سے اسلامی یا قومی مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۳: اس وقت تک کمیونل ایوارڈ کی مخالفت کی جائے، جب تک کہ باہمی مفاہمت سے اس کا نعم البدل حاصل نہ ہوجائے۔

۴: رعایا پر سے ٹیکسوں کا بار کم ہو۔

۵: دینی تعلیم سرکاری اثرات سے آزاد ہوکر جمہور مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے،

۶: نہر وآب پاشی کے متعلق ایسی اسکیم تیار ہو جو کاشتکاروں کے لئے امکانی آسانی پیدا کرے۔

۷: ہندستانی (اردو) زبان ورسم الخط تمام محکموں میں جاری ہو۔

۸: بےضرورت عظیم الشان فوج اور بے پناہ فوجی اخراجات کا بار ہندوستان پر سے کم کیا جائے۔

۹: نظام حکومت میں خاص کر بڑے بڑے عہدے داروں پر کم سے کم خرچ ہو، تاکہ صوبہ کی سرکاری آمدنی کا روپیہ قوم وملک کی ترقی اورعوام کی فلاح وبہبود پر زیادہ سے زیادہ خرچ ہو، اور اگر اس تخفیف کو حکومت نے منظور نہیں کیا اور پارٹی کے ہاتھ میں آئے، تو اس پارٹی کا سرکاری عہدہ دار اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ایک مناسب رقم لے کر بقیہ رقم اپنی قوم کے تعلیمی اقتصادی مفاد پر خرچ کرنے کے لئے پارٹی کو دے دے گا۔

۱۰: بہار مسلم انڈی پنڈنٹ کانفرنس کے تجویز کردہ پنج سالہ پروگرام کو کامیاب کرنے کی سعی کریں گے یعنی:

(الف) جبری تعلیم اور مدارس شبینہ جاری کئے جائیں گے۔

(ب) نصاب وطریق تعلیم میں انقلاب پیدا ہو اور ہندوستانی (اردو) زبان ذریعۂ تعلیم ہو۔

(ج) نصاب تعلیم سے تمام غلط تاریخی کتابیں خارج ہوں۔

(د) اعلیٰ تعلیم کے اخراجات میں تخفیف ہو۔

(ہ) ہر ضلع میں صنعتی تعلیم کے لئے اسکول جاری ہوں۔

(و) بہار کے تمام اضلاع خاص کر ترہت میں سیلاب کی روک تھام کا کافی سامان کیا جائے۔

(ز) سود کی مصیبت سے ملک کو نجات ہو۔

(ح) کسانوں، مزدوروں، زمینداروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش مناسب قوانین کے ذریعہ دور ہو اور قانون لگان میں مفید اور ضروری ترمیم ہوں۔

غرض ہمارے نمائندے ایسی تجاویز پیش کر کے منظور کرانے کی کوشش کریں گے جن پر عمل کرنے سے ملک وقوم کی اقتصادی، اخلاقی، اور تعلیمی حالت درست ہوسکتی ہے، اور اس قسم کی مفید عام کاروائیوں میں گورنر کی رکاوٹ پیدا کرنے سے نہ صرف یہ کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا بدترین اور نا قابل قبول ہونا دنیا پر ظاہر ہوجائے گا، بلکہ اس حکمت عملی کے سوا اس کی تبدیلی کی اور کوئی بہتر تدبیر نہیں ہوسکتی ہے۔

مسلمانوں سے اپیل

مگر ان سب امور کے لئے ضرورت ہے کہ تمام مسلمان ان چیزوں کو خود سمجھیں دوسروں کو سمجھائیں، اور عوام کی نمائندہ جماعت مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی ہی کے امیدواروں کو ووٹ دے کر مجالس قانون ساز میں بھیجیں اور رجعت پسندوں، حکومت کی جماعتوں یا افراد کے غلط پروپیگنڈوں سے متأثر نہ ہوں اور ووٹ محض قوم وملت کے مفاد کے لئے استعمال کریں، شخصی یا خاندانی تعلقات کے لئے ہرگز ووٹ نہ دیں۔

اس لئے بہار مسلم انڈی پنڈنٹ کی مجلس عاملہ تمام مسلمان ووٹروں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس پارٹی کے امیدواروں کو ووٹ دے کر مجالس قانون ساز میں اپنا نمائندہ بنائیں۔[1]

عہدنامہ برائے امیدوار

پارٹی کی طرف سے ایک عہدنامہ بھی تیار کیا گیا جس میں ہر امیدوار سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ پارٹی کی پالیسی، ڈسپلن، اور اغراض ومقاصد کا پابند رہے گا، عہدنامہ کے الفاظ یہ تھے:

”(۱) میں مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے دستوراساسی کے اغراض ومقاصد سے کامل اتفاق کرتا ہوئے بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کانفرنس کی تجاویز کو تسلیم کرتا ہوں۔

۲:- اگر مجھ کو اس پارٹی کی طرف سے لیجسلیٹو یا بہار اسمبلی یا کونسل آف اسٹیٹ میں منتخب کیا گیا، تو میں پارٹی کی پالیسی کی اتباع کروں گا، اور پارٹی ڈسپلن کو برابر قائم رکھوں گا۔

(۳) اگر پارٹی نے مجھ کو امیدواری کے لئے نامزد نہیں کیا تو میں پارٹی کے نامزد کردہ امیدوار کا مقابلہ نہیں کروں گا۔

(۴) مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی مجلس عاملہ کی شرائط امیدواری کو تسلیم کرتا ہوں اور اپنے کو اس کا اہل سمجھتے ہوئے مبلغ ـــــ فیس امیدواری جنرل سکریٹری بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے پاس روانہ کرتا ہوں، جو پارٹی فنڈ میں داخل ہوگا، اور میں۔مسلم حلقہ ـــــ ڈویزن رضلع سے

۱-حسن حیات ص ۳۳۸ تا ۳۴۴۔

امیدوار ہوں، مجھ کو اور میرے احباب کو اس حلقہ سے مسلم انڈی پنڈنٹ کے ٹکٹ پر کامیابی کی پوری توقع ہے۔ دستخط امیدوار، پتہ/تاریخ

دستخط صدر ابوالمحاسن محمد سجادؒ۔[1]

پارٹی میگزین 'الہلال' کا اجراء

پارٹی کے قیام کے ساتھ ہی ایک نمائندہ رسالہ کی ضرورت بھی محسوس کی جانے لگی جو پارٹی کے سیاسی نظریات اور خدمات کی ترجمانی کرے، اس مقصد سے 'الہلال' جاری کیا گیا، اور اس کا صدر دفتر پٹنہ رکھا گیا، بحیثیت مدیر رسالہ 'مولانا زکریا فاطمی ندوی' مقرر کئے گئے، مجلس ادارت میں مولانا مسعود عالم ندویؒ اور مولانا عبدالاحد فاطمی وغیرہ اصحاب قلم شامل تھے، یہ رسالہ حضرت مولاناؒ کی زندگی میں نکلتا رہا، لیکن مولانا مسعود عالم ندویؒ کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد اس رسالہ کی اشاعت ملتوی ہوگئی۔[2]

اب تک اس رسالہ کے کسی شمارہ کی زیارت کا شرف مجھے حاصل نہیں ہوسکا ہے لیکن بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ غالباً اس کے کچھ نسخے طبیہ کالج گیا کی لائبریری میں موجود ہیں۔[3]

غالباً الہلال کے بند ہوجانے کے بعد حضرت مولاناؒ کے بعض محبین نے 'الہلال بک ایجنسی' کے نام سے ایک دارالاشاعت کی بنیاد ڈالی تھی، جس کی ایک بڑی غرض حضرت مولاناؒ کے احوال و آثار اور علوم و معارف کی توسیع و اشاعت تھی[4]، لیکن زمانۂ مابعد میں اس ایجنسی کی کسی کارگذاری کا پتہ نہ چل سکا، سچ کہا کہنے والے نے:

یہ حالت ہوگئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہے

(مولانا محمد علی جوہرؔ)

امیدواروں کا انتخاب

''پارٹی کے قیام کے بعد مشکل مرحلہ امیدواروں کے انتخاب کا تھا، مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا بیان ہے کہ:

۱- حسن حیات ص ۷۹ ☆ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات و خدمات ص ۳۵۵، ۳۵۶، بحوالہ نقیب ص ۱، ۲۰ دسمبر ۱۹۳۶ء۔
۲- تقریب (پیش لفظ) محاسن سجاد ص ط تا ک از مولانا مسعود عالم ندویؒ مرتب محاسن سجاد۔
۳- یہ اطلاع مجھے مولانا طلحہ نعمت ندوی استھانوی صاحب نے کسی سے سن کر دی ہے۔
۴- تقریب (پیش لفظ) محاسن سجاد ص ''ن'' از مولانا مسعود عالم ندویؒ مرتب ''محاسن سجاد''۔

''مولانا کو سب سے زیادہ دشواری اسی میں پیش آئی، مولانا علیہ الرحمۃ کو ضرورت تھی ایسے امیدواروں کی جن کے دلوں میں ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کا جذبہ، مسلمانوں کا سچا درد، اور مذہبی عقائد و احکام پر پورا اعتماد ہو، ساتھ ہی ساتھ اتنا سرمایہ بھی ہو کہ انتخاب کے تمام اخراجات کو برداشت کرسکیں، ظاہر ہے کہ یہ معیار کتنا دشوار تھا، ان مجبوریوں کے ساتھ پارٹی کے امیدواروں کا انتخاب عمل میں آیا، میں اکثر مولاناؒ سے کہا کرتا تھا کہ آپ نے ایک گاڑی میں مختلف نسل کے گھوڑے لگا دیئے ہیں، اب وہ گاڑی چلے گی کیوں کر؟ مولانا مجھے سمجھاتے اور فرماتے ''اچھا، ان امیدواروں کو علحدہ کرکے ان لوگوں کے نام بتاؤ جو مناسب بھی ہوں اور انتخابات میں مقابلہ بھی کرسکیں ـــــ میرے پاس اس کا کیا جواب ہوسکتا تھا، ظاہر ہے، لیکن دنیا نے دیکھا کہ مولانا نے اپنے غور و تدبر، بے پناہ قوت عمل اور زبردست شخصیت سے پارٹی کا شیرازہ بکھرنے نہ دیا، اوران سے وہ کام کرائے جو دوسرے کسی صوبہ میں نہ ہوسکے۔''[۱]

دیگر مسلم پارٹیوں سے مفاہمت اور اتحاد کی کوششیں

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ رقمطراز ہیں کہ:

''انتخابات شروع ہوئے تو مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کا مقابلہ مولوی شفیع داؤدی کی بہار احرار پارٹی [۲] مسٹر سید عبدالعزیز صاحب کی بہار یونائیٹیڈ پارٹی، کانگریس پارٹی، مسلم لیگ اور آزاد امیدواروں سے ہوا''[۳]

۱- حیات سجادص ۱۶۳ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

۲- جناب بیرسٹر شفیع داؤدی صاحب ۱۸۸۸ء (۱۳۰۵ھ) میں پکہیتہ کے ایک خوش حال گھرانہ (جو تعلیم اور فہم و شعور میں ایک عرصہ سے ممتاز رہا ہے، اور جہاں گذشتہ کئی دہائیوں سے سماجی قیادت اور قومی رہبری کا تسلسل بھی چلا آرہا تھا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا خدا بخش پورے علاقہ کے تحصیلدار تھے، اور قصبہ کے سماجی سربراہ بھی، جبکہ والد محترم رحمن بخش زمینداروں میں سے تھے، ۱۹۰۷ء میں تعلیم کے لئے انگلینڈ گئے، جہاں یونیورسٹی آف لیڈس سے ٹیننگ انجینئرنگ اور مڈل ٹمپل سے بارایٹ لاء کیا۔ انگلینڈ میں آپ نے تقریباً سات سال کا عرصہ گزارا، یہاں سینئر کیمبرج کے بعد Univercity Of Leads سے Tanning Engineering اور پھر Middle Temple London سے Bar at Law (بیرسٹری) کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۱۴ء میں بحری جہاز سے کلکتہ کے راستہ وطن واپس پہنچے۔ انگلینڈ جانے سے قبل ہی آپ کی شادی حافظ سراج الدین صاحب کی بڑی صاحبزادی صغری خاتون سے ہوگئی تھی۔ انگلینڈ سے واپسی کے بعد آپ کو جلد ہی کلکتہ کی ایک برٹش کمپنی میں ملازمت مل گئی، اور آپ نے ملازمت شروع کردی، اس وقت ملک میں آزادی کی تحریک شباب پر تھی، آپ بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، نتیجتاً ملازمت ترک کرکے واپس آگئے، پہلے مظفر پور میں وکالت شروع کی، جو کہ اس وقت ڈسٹرک کورٹ تھا، پھر جب دربھنگہ ڈسٹرک کورٹ بنا تو یہاں وکالت کرنے لگے۔

وہ بیرسٹر تھے، وکالت کی ایک بڑی ڈگری حاصل تھی، وہ چاہتے تو اس کے ذریعہ بڑی دولت کما سکتے تھے، مگر انہوں نے اسے خدمت کا ذریعہ بنایا، جس کے نتیجہ میں اللہ نے ان کو بڑی شہرت عطا کی، یہ بات تواتر کی حد تک مشہور ہے کہ آپ غلط کیس نہیں لیتے تھے، مدعی و مدعا علیہ کے درمیان صلح کی تحریک کرتے تھے، غریبوں کی پیروی بلا معاوضہ بھی کرتے تھے، آپ نے انصاف کے ساتھ کبھی ناانصافی نہیں کی، بلکہ آپ کے نزدیک ایمانداری اور انصاف کے ساتھ سمجھوتا جرم کے مترادف تھا۔

اس وقت دربھنگہ ضلع ہونے کی وجہ سے سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بھی تھا، چنانچہ آپ وکالت کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینے لگے، آزادی کی لڑائی میں آپ اس تندہی سے شریک ہوئے کہ ولایتی شان و تمکنت سب بھول گئے، خان بہادر کا خطاب واپس کردیا، غیر ملکی سامان کا استعمال ترک کردیا اور سادگی کو شعار زندگی بنالیا، جسے اخیر دم تک قائم رکھا۔ ←

← شروع میں خلافت تحریک سے جڑے، خلافت کمیٹی دربھنگہ کے نائب سکریٹری، سکریٹری اور پھر صدر بھی رہے، احرار پارٹی سے بھی آپ کا تعلق رہا، اس کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور پوری گرم جوشی کے ساتھ اس کی سرگرمیاں انجام دیتے رہے، آپ مسلم لیگ کے ریاستی نائب صدر اور دربھنگہ ضلع کے صدر کے عہدوں پر فائز رہے، ملک کی آزادی اور تقسیم کے بعد ۱۹۴۸ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے اور اخیر وقت تک اس سے تعلق باقی رہا، پٹنہ کے بیرسٹر عزیز، بیرسٹر یونس وغیرہ سے رفاقت اسی تحریک آزادی کے حوالہ سے قائم ہوئی۔

سیاست کے حوالے سے آپ کی ایک بڑی خدمت جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی یہ ہے کہ ۱۹۳۱ء میں جب آپ گورنر کاؤنسل کے رکن تھے، آپ کے ذریعہ بٹاداری قانون سے متعلق ایک ایکٹ Non Official Amendment Bill پیش ہوا، یہ قانون غریبوں کے حق میں تھا، اس وقت مہاراج دھیراج دربھنگہ نے آپ کو اس بل کو پیش کرنے سے روکنے کی پوری کوشش کی، آپ کی خدمت میں اپنے مخصوص قاصد کے ذریعہ سونے کی تھالی میں دعوت نامہ بھیجا، مگر آپ نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان کے تحائف واپس کر دئے، یہ آپ کے کردار کی بلندی کی ایک مثال ہے۔ سادگی کا یہ حال تھا کہ تقریباً ۳۵ برسوں تک دربھنگہ میں کرایہ کے ایک مکان میں رہے، پارٹی کے ریاستی نائب صدر سے لے کر وزارت تک کی کرسی پر متمکن رہے، مگر شہر میں ایک گز زمین نہیں خرید سکے، جو تنخواہ ملتی تھی مہینہ کے اخیر تک ختم ہو جاتی تھی، اس میں رشتہ داروں کی کفالت اور محتاجوں کی امداد کا بڑا حصہ ہوا کرتا تھا، کبھی بینک میں کھاتا نہیں کھلوایا، کوئی رقم جمع نہیں کی، وراثت میں ملی زمین کے علاوہ کوئی ملکیت حاصل نہیں کی، آخری وقت میں صرف چھ سو (۶۰۰) روپئے جیب میں تھے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

دینداری کا یہ عالم تھا کہ خالص عصری تعلیم یافتہ اور ولایت سے پڑھ کر آئے تھے، مگر بقول مولانا ممتاز علی مظاہری صاحب: ''متشرع تھے، شکل سے مولوی لگتے تھے، داڑھی رکھتے تھے۔''

۱۹۲۰ء میں گاندھی جی سے ملاقات ہوئی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیرمین منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں گورنر کاؤنسل کے ممبر کی حیثیت سے بٹائی داری قانون میں غیر سرکاری ترمیمی بل پیش کیا۔ ۱۹۳۲ء میں مہاراجہ دربھنگہ نے دربھنگہ میڈیکل اسکول (جواب ڈی ایم سی ایچ کے نام سے کالج ہے) قائم کیا، آپ بھی اس کے بنیادی ممبر بنائے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں مسلم ہائی اسکول دربھنگہ کے قیام میں شامل رہے، اور اس کے بانی سکریٹری منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۴ء وائس چیرمین دربھنگہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی حیثیت سے گاؤں کے لئے مڈل اسکول منظور کروایا۔

۱۹۳۴ء میں دربھنگہ زلزلہ کے متاثرین کی امداد اور بازآبادکاری میں بڑے پیمانہ پر رضاکارانہ خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۵ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ سے سوار کے لئے سرکاری ہاسپیٹل منظور کروایا۔ ۱۹۴۸ء میں اپنے ہزاروں کارکنوں کے ساتھ مسلم لیگ چھوڑ کر انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے۔

۱۹۵۲ء میں بینی پٹی سے کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی انتخاب میں کامیابی حاصل کی اور وزیر تعمیرات عامہ بنائے گئے۔ آپ نے اپنی وزارت سے عوامی ترقی کے بہت سے کام کروائے، وسائل کی کمی کے باوجود سڑکوں کا جال بچھایا، بہت سے پل بنوائے، بہار کی بہت سی سڑکیں آپ کی رہین منت ہیں، جن میں بطور خاص دربھنگہ۔ شکری، جھنجھارپور۔ پھلپر اس، کھٹونہ۔ لوکہا، دربھنگہ۔ جئے نگر اور رہیکا۔ بینی پٹی شاہراہیں شامل ہیں، آپ کی ان کوششوں سے بہار میں آمدورفت کی جو سہولت ہوئی اسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ اہل علم سے تعلق، ان کے ساتھ حسن سلوک، اور وضع داری میں مشہور تھے۔ امانت کا اتنا خیال تھا کہ اپنے ذاتی کاموں کے لیے سرکاری سواری استعمال نہیں کرتے تھے۔

۱۱ رفروری ۱۹۵۵ء (۱۸ رجمادی الثانیہ ۱۳۷۴ھ) کو پٹنہ میں اپنی سرکاری رہائش گاہ پر زندگی کی آخری سانس لی۔

ملی وتعلیمی اداروں کے قیام میں شرکت: ☆مسلم ہائی اسکول دربھنگہ کے بانی سکریٹری ☆مدرسہ حمیدیہ کے نائب صدر اور پھر صدر ☆دربھنگہ میڈیکل اسکول کے ممبر ☆چنددھاری متھلا کالج کے ممبر مجلس منتظمہ ☆سی ایم کالج کے قیام میں شرکت ☆یتیم خانہ دربھنگہ کے رکن۔ سیاسی عہدے اور مناصب: ☆احرار پارٹی کے نائب ریاستی صدر ☆خلافت کمیٹی دربھنگہ کے صدر ☆دربھنگہ مسلم لیگ کے صدر اور ریاستی مسلم لیگ کے نائب صدر ☆ڈسٹرکٹ بورڈ دربھنگہ کے وائس چیرمین ☆ممبر اسمبلی ووزیر تعمیرات عامہ بہار ☆ترہت کمشنرس بورڈ کے ممبر (سب ڈپٹی کلکٹر کی بحالی کے لئے)۔ آپ کی طرف منسوب ادارے: ☆شفیع مسلم ہائی اسکول دربھنگہ ☆شفیع اردو لائبریری یکہتہ ☆شفیع روڈ بینی پٹی

(ماخوذ از 'یکہتہ واطراف اور یہاں کی دو نامور شخصیات ص ۲۶۵ تا ۲۸۳' تالیف: مولانا منور سلطان ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، شائع کردہ: شفیع اردو لائبریری یکہتہ، ضلع مدھوبنی بہار، ۲۰۱۲ء۔ بحوالہ: 'دربھنگہ میں اردو' مؤلفہ جناب ظہیر نوشاد صاحب ☆ 'مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، تاریخ کے آئینہ میں' ☆ مجلہ شفیع، جولائی ۲۰۰۱ء ☆ منارۂ علم وارتقاء شفیع مسلم ہائی اسکول، از عطاء الرحمٰن رضوی)

۳- حیات سجاد ص ۱۶۵، ۱۶۶، مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب —— مسلم لیگ کا تذکرہ حضرت مولانا رحمانیؒ کے مضمون میں آیا ہے، لیکن جیسا کہ آگے آئے گا کہ صحیح بات یہ ہے کہ بہار میں مسلم لیگ اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کرسکی تھی۔

یہ سیاسی پارٹیاں پہلے سے موجود تھیں، جو پہلے سے اپنی اپنی سطح پر ملک وملت کی خدمات انجام دے رہی تھیں، ان کی افادیت سے انکار نہیں ہے لیکن اس وقت کے حالات کے مطابق دو بنیادی چیزیں ان کے اہداف اور مقاصد میں شامل نہیں تھیں:

☆ ملک کی کامل آزادی کا تصور

☆ علماء کی دینی قیادت کو تسلیم کرنا۔

جب کہ یہ دونوں چیزیں دین کے تحفظ، ملک کے مستقبل اور مسلمانوں کے تشخص کے لئے بے حد اہمیت رکھتی تھیں، حضرت مولانا محمد سجادؒ نے تمام مسلم سیاسی پارٹیوں کو ان مقاصد کے لئے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن جب آپ کو ان پارٹیوں کی طرف سے مخلصانہ اقدامات کی کمی کا احساس ہوا تو خود امارت شرعی کے زیر نگرانی انہی مذکورہ مقاصد کی تکمیل کے لئے 'بہار مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی' قائم کی، اس لئے یہ محض سیاسی جماعتوں میں ایک جماعت کا اضافہ نہیں تھا بلکہ ملک کی آزادی اور دین کے تحفظ کے لئے ایک فکری انقلاب کا آغاز تھا، تاکہ دوسری پارٹیاں بھی اپنے بنیادی منشور میں ان چیزوں کو شامل کریں، اسی لئے پارٹی کی تاسیس کے بعد بھی مولاناؒ کا موقف یہ رہا کہ اگر کوئی سیاسی پارٹی ان اغراض واہداف کو تسلیم کرلے تو وہ اس کے ساتھ اتحاد بلکہ تحلیل تک کے لئے راضی ہو جائیں گے، جیسا کہ مسٹر سید عبدالعزیز (سابق وزیر تعلیم حکومت بہار)[1] کے

۱- بیرسٹر سید عبدالعزیز کا شمار آل انڈیا مسلم لیگ بہار کے اہم رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پہلے عوامی اجلاس کے جو دسمبر ۱۹۳۸ء کو پٹنہ میں منعقد ہوا، کے تمام اخراجات برداشت کیے تھے۔ بیرسٹر عبدالعزیز ۱۸۸۲ء (۱۲۹۹ھ) کو پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سیّد حفاظت حسین ایک بلند پایہ حکیم تھے۔ آپ کے والدین کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ آپ نے اسکول کی تعلیم جسٹس شرف الدین کے گھر میں رہ کر حاصل کی جو آپ کے قریبی عزیز بھی تھے۔ بعد ازاں پٹنہ اسکول میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سینٹ کولمبس کالج ہزاری باغ سے انٹرمیڈیٹ کیا، انٹرمیڈیٹ کے بعد آپ کو بیرسٹری کے لیے لندن بھیج دیا گیا۔ انگلستان میں قیام کے دوران آپ نے مقامی اخباروں میں مضامین لکھے جس کی وجہ سے انھیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۹۱۱ء (۱۳۲۹ھ) میں آپ نے لندن سے بیرسٹری کی سند حاصل کی اور ۱۹۱۲ء (۱۳۳۰ھ) میں وطن واپس لوٹے۔ بیرسٹر سیّد عبدالعزیز نے وکالت کا آغاز کلکتہ ہائی کورٹ سے کیا جہاں آپ کو سر سیّد علی امام اور سیّد حسن امام کے ساتھ وکالت کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں ہندو مسلم فساد ہوا اور مسلمانانِ کلکتہ کو بہت بڑی تعداد میں گرفتار کرلیا گیا ان کے مقدمات کی پیروی کے لیے مسلمانوں کی نظر انتخاب بیرسٹر عبدالعزیز پر پڑی۔ ان کی قانونی صلاحیتوں کے پیش نظر حکومت برطانیہ نے دلی سازش کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں ۱۹۳۲ء میں ان کی خدمات حاصل کیں۔

مسلمانانِ بہار نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے ہمیشہ بڑی کوشش کیں۔ لیکن جب شدھی اور سنگٹھن تحریک شروع ہوئی اور بہار میں ہندو مہا سبھائیوں نے مسلمان برقع پوش عورتوں کی زندگی اجیرن بنادی تو مسلمانانِ بہار نے ''انجمن محافظت'' قائم کی، جس کے صدر سر سیّد علی امام منتخب کیے گئے اور نائب صدارت کے لیے بیرسٹر عبدالعزیز کا انتخاب عمل میں آیا۔ آپ نے انگریزی اور اردو میں ''پروگریس'' اور ''پیام'' کے نام سے دو اخبار جاری کیے ان اخبارات کے ذریعے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی خلیج کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ آپ اپنی آمدنی سے آنکھ کے مریضوں کا ہر سال کیمپ بھی لگاتے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۳ء تک قائم رہا۔ مریضوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ←

ساتھ مولاناؒ کی مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے، جن سے بعض سیاسی اختلافات کے باوجود مولانا کے ذاتی تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے۔

مسٹر سید عبدالعزیز صاحب نے جولائی ۱۹۳۵ میں یونائیٹیڈ پارٹی قائم کی تھی، حضرت مولانا سجادؒ نے اس کے ایک سال کے بعد اگست ۱۹۳۶ء میں بہار مسلم انڈی پنڈنڈنٹ پارٹی کی بنیاد رکھی، مسٹر سید عبدالعزیز کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مولاناؒ کو خط لکھا اور ملاقاتیں بھی کیں، جن کا مقصد دونوں پارٹیوں کو متحدہ پارٹی میں تبدیل کرنا تھا، اس موضوع کے دو خطوط (دونوں قائدین کا ایک ایک خط) 'دوسیاسی دستاویز' کے نام سے مولانا عثمان غنی ناظم امارت شرعیہ کی فرمائش

← بیرسٹر عبدالعزیز نے وکالت کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی ہمیشہ دلچسپی لی اور بہار صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں دو (۲) مرتبہ کامیابی حاصل کی۔ آپ اس صوبے کے وزیر زراعت اور وزیر تعلیم بھی مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے بعد برصغیر کے مسلمانوں نے ہر صوبے میں مقامی طور پر سیاسی جماعتیں تشکیل دے دیں۔ بیرسٹر عبدالعزیز نے بھی ایک پارٹی قائم کی جس کا نام ''یونائیٹڈ پارٹی'' تھا۔ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لیے قائد اعظم محمد علی جناح پٹنہ آئے تو اس موقع پر بیرسٹر عبدالعزیز نے اپنی پارٹی کو آل انڈیا مسلم لیگ میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔

بیرسٹر عبدالعزیز آل انڈیا مسلم لیگ کی پہلی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور بہار مسلم لیگ کے صدر بھی منتخب ہوئے تھے۔ آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا پہلا جلسہ محمد علی پارک کلکتہ میں ۲۷ دسمبر ۱۹۳۷ء (۲۳ رشوال المکرم ۱۳۵۶ھ) کو منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر قائد اعظم نے بیرسٹر عبدالعزیز کو انجمن کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لیے خصوصی طور پر دعوت نامہ ارسال کیا۔ دسمبر ۱۹۳۸ء کے آخری عشرے میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ (بہار) میں منعقد ہوا اور آپ مجلس استقبالیہ کے صدر منتخب ہوئے۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انھوں نے محمد علی جناح کو ''قائدِ اعظم'' کے خطاب سے نوازا۔ پنجاب کے ایک مسلم لیگی رضا کار میاں فیروز الدین نے مسٹر جناح کے پنڈال میں داخل ہوتے وقت ''قائدِ اعظم زندہ باد'' کا نعرہ بلند کیا جو بعد میں سارے ہندوستان میں مشہور ہوگیا۔ پٹنہ کے اجلاس میں آل انڈیا خواتین مسلم لیگ کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ پٹنہ کے سالانہ اجلاس کے بعد بیرسٹر عبدالعزیز نے پٹنہ میں ایک جلسۂ عام طلب کیا جس کی صدارت سردار اورنگ زیب خان (سابق وزیر اعلیٰ سرحد) نے کی۔ نواب بہادر یار جنگ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا اس جلسہ میں ریاستی مسلم لیگ کی بنیاد پڑی اور نواب بہادر یار جنگ آل انڈیا ریاستی مسلم لیگ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

۱۹۴۰ء میں بیرسٹر عبدالعزیز کی قانون دانی سے متاثر ہوکر نظام حیدرآباد دکن نے آپ کو بحیثیت صدر المہام (وزیر قانون) ریاست حیدرآباد مقرر کیا۔ حیدرآباد میں آپ نے ریاست کی بے مثال خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۵ء میں بیرسٹر عبدالعزیز بیمار ہوکر پیروں سے مفلوج ہو گئے۔ نظام حیدرآباد دکن نے آپ کی تاحیات پنشن مقرر کردی۔ علالت کے زمانے میں آپ کا قیام بمبئی میں تھا۔ جہاں قائد اعظم بھی ملاقات کے لیے آتے تھے۔ اس حقیقت سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں کہ جس زمانے میں بیرسٹر عبدالعزیز ریاست حیدرآباد دکن میں وزیر قانون تھے انھوں نے مسلم لیگ کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے نظام حیدرآباد دکن سے بیس (۲۰) لاکھ روپے قائد اعظم کو دلوائے اور بمبئی میں خود آپ نے نظام کی جانب سے قائد اعظم کو چیک پیش کیا تھا اور مسلم لیگ نے اس رقم کو انتخاب پر خرچ کیا اور ہندوستان کی سیاسی زندگی میں کامیاب و کامران ہوئی۔ بمبئی میں جب ان کے مرض میں افاقہ نہیں ہوا تو آپ پٹنہ واپس آ گئے۔ اس زمانے میں بہار میں ہندو مسلم فسادات ہوئے فسادات کے واقعات کو بیرسٹر عبدالعزیز نے تین کتابچوں میں تحریر کیا ہے جس کا نام ''دی بہار ٹریجڈی'' ہے، یہ کتابچے پاکستان کی آزادی میں اہم اور موثر ثابت ہوئے، انگلستان کی پارلیمنٹ کے طلب کرنے پر جب قائد اعظم محمد علی جناح، مسٹر گاندھی اور دیگر کانگریسی اور مسلم لیگی زعماء انگلستان تشریف لے گئے تو قائد اعظم بیرسٹر عبدالعزیز کے تحریر کردہ کتابچے ''دی بہار ٹریجڈی'' کو بھی اپنے ساتھ لے گئے جن کو پڑھ کر برطانوی پارلیمنٹ کے اراکین بے انتہا متاثر ہوئے اور اس طرح پاکستان کے قیام میں ان کتابچوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ بیرسٹر سیّد عبدالعزیز نے ۷ جنوری ۱۹۴۸ء (۲۴ رصفر المظفر ۱۳۶۷ھ) کو پٹنہ (بہار) میں وفات پائی (الواقعہ کراچی شمارہ: ۶۶-۶۷، ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ، ستمبر ۲۰۱۷ء مضمون محمد رضی ابدالی)

پر حضرت مولاناؒ کی حیات ہی میں (۸رستمبر ۱۹۳۶ءکو) شائع ہوئے تھے، جناب عبدالعزیز صاحب نے ۲راگست ۱۹۳۶ء (۱۳رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ) کو یہ خط (۵ صفحات) تحریر کیا تھا، اور حضرت مولاناؒ کا تفصیلی جواب چھیاسٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اور وقفہ وقفہ سے تقریباً دس دن (۳تا۱۳رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲راگست تا یکم ستمبر ۱۹۳۶ء) اس جواب کو تیار کرنے میں صرف ہوئے۔[1]

اس تفصیلی خط کے مطالعہ سے حضرت مولاناؒ کی وسعت قلبی اور سیاسی دوراندیشی کا اندازہ ہوتا ہے، مولاناؒ نے نہ صرف یہ کہ جناب عبدالعزیز صاحب کی پیشکش کا پرتپاک خیر مقدم کیا، بلکہ اس ضمن میں اپنی گذشتہ کوششوں کا بھی ذکر فرمایا، مولاناؒ نے اس مکتوب میں تاریخ بہ تاریخ اتحاد کی اپنی نو (۹) کوششوں کا تذکرہ کیا ہے، مولاناؒ کا مکتوب اس پیراگراف پر ختم ہوتا ہے:

"آپ یقین فرمائیے کہ ہم لوگوں کے سامنے صرف ملک وملت کا مفاد اور مذہب کی حفاظت ہے، اور اس کے لئے جن اصولوں کی پابندی ہمارے خیال میں ضروری ہے، جب ان میں دونوں پارٹیاں متحد ہوتی ہیں، اسی کے ساتھ پارٹی کی تشکیل بھی اس طرح پر ہوتی ہے، جس سے نمایاں طور پر ہو کہ جمہوری اصول پر صرف عام مسلمانوں کی یہ پارٹی ہے، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی سنجیدہ آدمی کو اتحاد کی اسکیم پر یا اس پارٹی پر جو اس اسکیم کے ماتحت بنے کوئی اعتراض ہو، ۲۱راگست کو جناب کا خط ملنے کے بعد ۲۲راگست ۱۹۳۶ء سے جواب لکھ رہا ہوں مگر مسلسل وقت اس کام میں صرف کرنے سے معذور رہا اس لئے آج کی تاریخ اس سے فراغت ہوئی۔"[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولاناؒ کی سیاسی جماعت کسی تحزب وگروہ بندی پر مبنی نہیں تھی اور نہ پارٹیوں میں یہ ایک پارٹی کا اضافہ تھا، بلکہ اس کی بنا مد بلند دینی، ملی اور قومی اقدار ومقاصد پر تھی۔

چنانچہ حضرت مولاناؒ نے انتخابات کے اعلان کے بعد بھی ان کوششوں کا اعادہ فرمایا، اور دیگر مسلم پارٹیوں سے سلسلہ جنبانی کی، تاکہ ووٹ منتشر اور ضائع ہونے سے محفوظ رہے، لیکن اس میں آپ کو کامیابی نہ مل سکی، اور بالآخر آپ کی پارٹی نے تنہا الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا۔

انتخابی مہم کی کمان

حضرت مولانا سجادؒ نے خود انتخابی مہم کا بیڑہ اٹھایا، آپ کے علاوہ پارٹی کی طرف سے مولانا احمد سعید دہلویؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، مولانا عثمان غنی صاحبؒ ناظم امارت شرعیہ، اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ وغیرہ نے پورے صوبے کا طوفانی دورہ کیا، تقریریں کیں

---

[1] واضح رہے کہ مکاتیب سجادؒ (شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ) میں یہ مکتوب شامل نہیں ہے۔
[2] دو سیاسی دستاویز ص ۲۷ شائع کردہ حسب فرمائش حضرت مولانا عثمان غنی صاحب۔

اور لوگوں کو مطمئن کیا کہ عوام کی اصل نمائندہ جماعت مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی ہے، اس لئے عوام اس پارٹی کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں، اور رجعت پسندوں، سرکاری جماعتوں اور افراد کے غلط پروپیگنڈوں سے متأثر نہ ہوں، ووٹ کا استعمال قومی مفادات میں کریں، شخصی یا عارضی مفادات کے لئے اپنا ووٹ ضائع نہ کریں۔

پارٹی کی حمایت میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی اپیل

ملک کی بعض مذہبی جماعتوں نے بھی مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی حمایت میں اپنے بیانات جاری کئے، بالخصوص جمعیۃ علماء ہند نے عملی اور قولی ہر لحاظ سے پوری شرکت کی، جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ تو کاروان انتخاب میں خود عملاً شریک رہے، اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے اہم رکن حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی ایک زوردار اپیل اپنی طرف سے جاری فرمائی، جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

> ''صوبہ بہار میں اسمبلی اور کونسل کا انتخاب عنقریب ۲۲ رجنوری کو ہوگا، اس لئے تمام مسلمانان صوبہ بہار سے اپنی بصیرت اور تجربہ کی بنا پر محض ملک وملت اور مذہب کے مفاد کے لئے ہر فرد سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ صرف مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے نمائندوں کے لئے اپنی تمام جدوجہد اور امداد عمل میں لائیں، یہی وہ پارٹی ہے جو کہ صفات مذکورہ بالا کے ساتھ متصف ہے۔ اس جماعت نے امارت شرعیہ صوبہ بہار کی (جس کی اطاعت مسلمانان صوبہ بہار پر واجب ہے) رہنمائی قبول کی ہے، بنا بریں کسی مسلمان ووٹر کا اس پارٹی کے نمائندوں کو ووٹ نہ دینا اور دوسری جماعتوں کے نمائندوں کی یا شخصی طور پر کھڑے ہونے والوں کی امداد کرنا ملک اور مذہب سے بے وفائی اور غداری ہے بلکہ ملک اور مذہب سے صریح دشمنی ہوگی۔ ننگ اسلاف
>
> حسین احمد غفرلہ''[۱]

انتخابی نتائج اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی شاندار کارکردگی

انتخابی مہم کے دوران گو کہ حضرت مولانا سجادؒ کو سخت دشواریوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، اور مخالفین نے آپ کے خلاف ہر قسم کے سیاسی ہتھکنڈے استعمال کئے، لیکن آپ کے صدق وخلوص اور اثر ورسوخ اور امارت و جمعیۃ کے دیگر قائدین کی شبانہ روز جدوجہد کے نتیجے میں پارٹی نے توقع

۱- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۳۵۶، ۳۵۷ بحوالہ نقیب ۴ ردسمبر ۱۹۳۶ء۔

سے زیادہ کامیابیاں حاصل کیں، الیکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو ماہرین سیاست بھی انگشت بدنداں رہ گئے، مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی نے تقریباً اسّی فی صد کامیابی حاصل کی تھی، اور مسلم ارکان میں سب سے زیادہ 'مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی' کے ارکان کو کامیابی ملی، جب کہ غیر مسلم ارکان میں سب سے زیادہ کانگریس کے ارکان کامیاب ہوئے [۱] مسلمانوں کے لئے چالیس سیٹیں مخصوص تھیں، ان میں سے ایک سیٹ پر جو عورت کے لئے مخصوص تھی آزاد امیدوار کی حیثیت سے لیڈی انیس امام نے جیت درج کی، اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے تیئیس امیدواروں میں سے بیس امیدوار کامیاب ہوئے۔

یونائیٹیڈ پارٹی کے مایوس کن نتائج

☆ مسٹر عبدالعزیز صاحب کی یونائیٹیڈ پارٹی تینتیس میں سے صرف پانچ جگہوں پر کامیاب ہوئی، اٹھائیس سیٹوں پر ناکام ہوئی، اور سات امیدواروں کی ضمانتیں بھی ضبط ہوگئیں، جب کہ مسٹر عبدالعزیز صاحب اس وقت بہار حکومت میں وزیر تعلیم تھے جس کی بنا پر یونائیٹیڈ پارٹی کو حکومت کی تائید اور امداد بھی حاصل رہی، خود وزیر موصوف نے اپنے نمائندوں کی کامیابی کے لئے دورے کئے اور وہ سب کچھ کیا جو ممکن تھا۔ شاید الیکشن میں اسی پسپائی کا نتیجہ تھا کہ وہ پارٹی لیڈر ہونے کے باوجود اسمبلی سے مستعفی ہوگئے، بعد میں وہ سیاست سے ہی کنارہ کش ہوگئے۔ [۲]

احرار پارٹی کا حشر

☆ بیرسٹر شفیع داؤدی صاحب کی احرار پارٹی نے اپنی سرگرمی ترہت ڈویزن تک ہی محدود رکھی تھی، اور کوئی دس بارہ امیدوار کھڑے کئے تھے، ان کا ترہت میں بڑا اثر تھا، لیکن بمشکل صرف تین سیٹوں پر کامیابی مل سکی، خود پارٹی لیڈر بیرسٹر شفیع داؤدی بھی الیکشن ہار گئے اور اپنی سیٹ بھی نہ بچا سکے، بعد میں وہ سیاست ہی سے کنارہ کش ہوگئے اور مظفر پور جا کر وکالت کرنے لگے۔ [۳]

بہار میں مسلم لیگ انتخاب سے باہر

☆ مسلم لیگ نے بہار اور صوبہ سرحد میں ایک بھی امیدوار کھڑا نہیں کیا تھا، اس لئے کہ وہ اس پوزیشن ہی میں نہیں تھی کہ اپنا کوئی امیدوار ان جگہوں پر کھڑا کر سکے، ۱۹۲۰ء کے بعد تحریک

۱- حیات سجاد مضمون مولانا عثمان غنی صاحب ص ۱۴۲۔

۲- حیات سجاد مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب ص ۱۶۶۔ و مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ص ۱۵۲ ☆ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۳، ۳۳۵ مرتبہ تقی رحیم صاحب۔

۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۳، ۳۳۵ مرتبہ تقی رحیم صاحب

خلافت اور عدم تعاون کے ریلے میں مسلم لیگ بہہ گئی تھی اور بہار میں اس کا وجود ختم ہو گیا تھا، صرف برائے نام ایک تنظیم باقی رہ گئی تھی، ۱۹۳۶ء میں بہار صوبائی مسلم لیگ کے صدر سید ابوالعاص صاحب اور سکریٹری محمود شیر ایڈوکیٹ تھے [۱]، پھر سکریٹری سید معین اللہ ایڈوکیٹ کو بنا دیا گیا، مگر ۱۹۳۶ء تک بہار کے کسی ضلع میں مسلم لیگ کی کوئی شاخ موجود نہیں تھی، صرف پٹنہ میں چند عہدہ دار موجود تھے، اور بس، اس لئے ان دنوں بہار میں مسلم لیگ کی امیدواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، البتہ ملکی سطح پر چار سو پچاسی سیٹوں میں سے ایک سو آٹھ سیٹوں پر مسلم لیگ نے جیت حاصل کی۔ [۲]

کانگریس کی صورت حال

☆ کانگریس کو سات مسلم سیٹوں میں سے صرف پانچ پر کامیابی ملی، جبکہ ملکی سطح پر عام سیٹوں (۸۰۸) کے علاوہ چار سو بیاسی مسلم سیٹوں پر کانگریس نے اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے جن میں صرف چھبیس سیٹوں پر اس کو کامیابی ملی [۳]، یوں بہار میں کل اٹھانوے سیٹیں اس کو ملی تھیں، عام حلقوں ۸۷ میں سے ۷۳ اور ہریجنوں کی ۱۵ نشستوں میں ۱۴ نشستیں اس کے قبضے میں آئی تھیں۔ [۴]

جداگانہ انتخابات

واضح رہے کہ اس دور میں مخلوط انتخاب نہیں ہوتا تھا، بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی جداگانہ ووٹنگ ہوتی تھی، مسلمان مسلم امیدوار کو اور ہندو ہندو امیدوار کو ہی ووٹ دے سکتے تھے۔

کانگریس کے بعض مسلم امیدواروں کی حمایت

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ’’کانگریس نے مسلم امیدواروں کے انتخاب سے پہلے مولانا سے مصالحت کی گفتگو کی، اور تجویز یہ پیش کی کہ انڈی پینڈنٹ پارٹی چودہ حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑے نہ کرے، اور وہاں کانگریسی امیدوار کی مدد کرے، مولانا اس تجویز پر راضی نہ ہوئے، آپ نے چند امیدواروں کے نام گنائے

۱– تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۵۳۳ مرتبہ تقی رحیم صاحب بحوالہ ’’نقوش قائد اعظم‘‘ مرتبہ رحیم بخش شاہین مضمون انیس الرحمٰن شائع شدہ روزنامہ جنگ کراچی ۱۹۷۵ء یوم پاکستان ایڈیشن۔

۲– تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۳، ۳۳۵، ۳۳۶ مرتبہ تقی رحیم صاحب

۳– مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد– حیات و خدمات ص ۲۵۹، ۲۶۰ ☆ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۲۲۱ مرتبہ تقی رحیم صاحب بحوالہ جناح اینڈ گاندھی از ایس کے مجمدار ص ۱۶۲، و اقبال کے آخری دو سال از عاشق بٹالوی ص ۳۹۱۔

۴– تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۲۲۱ مرتبہ تقی رحیم صاحب۔

اور کہا کہ ہم ان کی مدد صرف اس شرط پر کرسکتے ہیں، کہ وہ اس بات کا عہد کریں، کہ مجالس قانون ساز میں تمام مذہبی معاملات میں امارت شرعیہ کے احکام کی پابندی کریں گے چنانچہ انہی شرائط کے ساتھ سید شاہ محمد عمیر صاحب (گیا) سعید الحق صاحب (دربھنگہ) اور ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم کی حمایت کی گئی، بلکہ ڈاکٹر صاحب کے لئے دو دو حلقے خالی کر دیئے گئے، مولوی سعید الحق ابتداءً انڈی پنڈنٹ پارٹی کے امیدوار تھے، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے کانگریس کے عہد نامہ پر بھی دستخط کر دیا ہے مولاناؒ نے خود سعید صاحب کو بلا کر تصدیق کی، تصدیق کے بعد آپ نے اس عہد نامہ کو جس پر امیدوار موصوف کے دستخط تھے چاک کر دیا، اور امارت شرعیہ کے عہد نامہ پر دستخط کرانے کے بعد ان کی تائید کی۔

کانگریس کے ایسے امیدواروں سے جنہوں نے امارت کے عہد نامہ پر دستخط نہ کئے پارٹی کا مقابلہ بھی ہوا، جہاں بجز ایک کے تمام امیدوار کامیاب رہے۔''[1]

☆ چھ سیٹوں پر آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔

انڈی پنڈنٹ پارٹی کانگریس کے بعد دوسری بڑی پارٹی

اس طرح مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کانگریس کے بعد بہار اسمبلی میں سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری، مسلم ارکان سب سے زیادہ اسی پارٹی سے جیت کر آئے، جن میں دس حفاظ اور علماء تھے، بعض ممبران نے توریکارڈ کامیابی حاصل کی اور مخالفین کی ضمانتیں تک ضبط ہوگئیں۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ بھاگلپور سے کھڑے تھے، ان کے مقابلے میں مسٹر عبدالعزیز سابق وزیر حکومت بہار کی یونائٹیڈ پارٹی کے رکن رکین مولوی علاء الدین وکیل کھڑے ہوئے تھے، وکیل صاحب کو صرف دوسوا کیانوے ووٹ مل سکے، جب کہ مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے امیدوار مولانا منت اللہ رحمانی نے پانچ ہزار پانچ سو اٹھاسی ووٹ حاصل کئے، وکیل صاحب کی ضمانت بھی ضبط ہوگئی۔ظاہر ہے کہ یہ سب حضرت مولانا سجادؒ کی عظیم شخصیت اور ان کے صدق وخلوص کی برکات تھیں۔

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی کامیابی کی ایک وجہ بتاتے ہوئے ڈاکٹر دتہ (Dulta) اپنی کتاب فریڈم موومنٹ ان بہار میں لکھتے ہیں:

''بہار میں مسلم لیگ تو نہیں تھی مگر مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کا سیاسی پروگرام اور الیکشن مینی فیسٹو کانگریس سے بہت ملتا جلتا تھا، بلکہ اس کے الیکشن مینی فیسٹو میں زرعی اصلاحات

---

[1] - حیات سجادؒ ص ۱۶۷، مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

اور مہاجنی لوٹ پر روک لگانے کے متعلق مسلم لیگ اور کانگریس دونوں سے زیادہ ترقی پسندانہ مطالبات تھے۔''[۱]

ایک دلچسپ قصہ

اس موقعہ پر ایک دلچسپ قصہ پیش آیا جس کو جناب شاہ محمد عثمانی صاحبؒ نے نقل کیا ہے:

''مولاناؒ نے انتخابات کے موقع پر حکومت برطانیہ کے خلاف ہر جگہ سخت تقریریں کیں اور حکومت کو مذہب دشمن قرار دیا۔ جب ان کی پارٹی کامیاب ہوئی تو مسٹر عزیز نے مقدمہ دائر کر دیا کہ مذہبی جذبات کو بھڑکا کر کامیابی حاصل کی ہے، مسٹر عزیز کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ مولاناؒ عدالت میں اس سے انکار نہیں کریں گے۔ اس لئے مسٹر یونس وغیرہ نے بہت مشکل سے مولاناؒ کو اس پر راضی کیا کہ وہ عدالت میں حاضر نہ ہوں؛ چنانچہ جب تک عدالت میں مقدمہ کی کاروائی جاری رہی، مولاناؒ پٹنہ سے باہر رہے، یہاں تک کہ ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے مسٹر عزیز کا مقدمہ خارج ہوگیا، ورنہ مولاناؒ اگر عدالت میں حاضر ہوتے تو سچ بولتے، اگرچہ مخالف کے پاس ثبوت نہ تھا۔''[۲]

انتخاب میں پارٹی کے یا اس کی حمایت سے کامیاب ہونے والے ممبران کی فہرست درج ذیل ہے:

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے کامیاب امیدوار

نمبر شمار	نام	حلقہ	فاضل ووٹ کی تعداد	بکس کا رنگ
۱	مسٹر محمد یونس	مغربی پٹنہ	۵۸۳	لال
۲	حاجی شرف الدین حسن	مشرقی پٹنہ	۵۶۰	لال
۳	چودھری شرافت حسین	شاہ آباد	۸۴۶	لال
۴	مولوی عبدالجلیل وکیل	ترہت ڈویزن	۱۴۹۹	سبز
۵	مولوی عبدالمجید وکیل	جنوبی چمپارن	۱۸۰	لال
۶	حافظ محمد ثانی	بتیا چمپارن	۲۶۸۷	زرد

۱- حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۲۶۱ مضمون جناب فضل حق عظیم آبادی بحوالہ فریڈم موومنٹ ان بہار ج ۲ ص ۲۸۲ ☆☆ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۲۲۳ مرتبہ تقی رحیم۔

۲- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۷	مولوی محمد یعقوب	مظفر پور	۷۴۶	سبز
۸	مولوی بدرالحسن وکیل	مظفر پور حاجی پور	۴۷	پیلا
۹	مسٹر تجمل حسین بیرسٹر	مظفر پور، سیتا مڑھی	۳۰۰	کالا
۱۰	نواب عبدالوہاب خان	بھاگلپور ڈویزن	۲۷۱	لال
۱۱	مولوی رفیع الدین رضوی وکیل	جنوبی مونگیر	۲۹۴۶	لال
۱۲	چودھری نظیر الحسن	شمالی مونگیر	۱۶۳۸	لال
۱۳	مسٹر محمد محمود بیرسٹر	جنوبی بھاگلپور	۵۵۰	سبز
۱۴	مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ	شمالی بھاگلپور	۲۸۰۰	اجلا
۱۵	شیخ محمد حسین	پلاموں	۱۴۰۰	لال
۱۶	قاضی سید محمد الیاس	مانبھوم	۱۱۰۰	اجلا

اپر چیمبر

۱۷	مسٹر نقی امام بیرسٹر	گیا چھوٹا ناگپور
۱۸	مولوی سید محمد حفیظ وکیل	بہار اسمبلی
۱۹	مولوی ابوالاحد سید محمد نور	بہار اسمبلی

درج ذیل چار حضرات انتخاب کے بعد پارٹی کے ممبر ہوئے:

۲۰	مولوی ضیاء الرحمٰن	پورنیہ ارریہ
۲۱	مولوی اسلام الدین وکیل	شمالی مشرقی کشن گنج
۲۲	مولوی شفیق الحق وکیل	جنوبی مغربی پورنیہ صدر
۲۳	مولوی طاہر وکیل	جنوبی مشرقی پورنیہ صدر

امارت شرعیہ نے درج ذیل چار حضرات کی حمایت کی:

۲۴	مسٹر سید نجم الحسن	مشرقی گیا
۲۵	ڈاکٹر سید محمود بیرسٹر	سارن
۲۶	مولوی سعید الحق وکیل	دربھنگہ
۲۷	ڈاکٹر سید محمود بیرسٹر	شمالی چمپارن[1]

۱-مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۳۵۷، ۵۹۳ بحوالہ جریدہ نقیب ص ۶، ۴ مارچ ۱۹۳۷ء۔

انتخابات کے بعد پارٹی کے کامیاب ممبران کا اجلاس

حضرت مولانا محمد سجادؒ کی تقریر دلپذیر

انتخابات کے نتائج آنے کے بعد حضرت مولانا سجادؒ نے پارٹی کے کامیاب ممبران کا ایک اجلاس طلب فرمایا، اس اجلاس میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ بھی شریک تھے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''اس جلسہ میں مولاناؒ نے جو تقریر کی وہ ان کے مخصوص تدبر و فراست کی حامل تھی، آپ نے اپنے نظریہ کے مطابق ہندوستان کی آنے والی حکومت کے اصول بتائے اور ممبروں کو ان کا طریق کار سمجھایا۔

مولاناؒ نے اس وقت اپنے تمام ممبروں کو دو مشورے دیئے، ایک اندرونی اور دوسرا بیرونی، اندرونی مشورہ یہ تھا کہ ہر ممبر کسی ایک خاص شعبہ کا ذمہ دار ہو، وہ اس شعبہ کی تمام معلومات حاصل کرے، اور اس پر پوری طرح تیار ہو۔

بیرونی کام یہ تھا کہ کوئی ممبر اپنے حلقۂ انتخاب سے غافل نہ ہو، وہ اپنے حلقہ میں یا خود کام کرے یا اس کے اخراجات برداشت کرے افسوس ہے کہ پارٹی کے ممبران مولاناؒ کے ان مفید مشوروں پر کاربند نہ ہوسکے ورنہ آج اسمبلی کے اندر پارٹی کا مقام بہت بلند ہوتا۔

مشترکہ حکومت کے قیام کی تجویز منظور — کانگریس کا ردعمل

''اسی جلسہ میں مولانا کی مرتب کی ہوئی ایک تجویز بھی منظور ہوئی تھی جس میں اپنے مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کا اعلان کیا گیا تھا، مولانا مشترکہ وزارت کے قیام کے حامی تھے، لیکن کانگریس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، غالباً اس وقت کانگریس کا نظریہ اکثریت والے صوبوں میں خالص اپنی پارٹی کی گورنمنٹ قائم کرنا تھا، اس لئے اتحادی حکومت سازی کے وہ خلاف رہی، چنانچہ کانگریس صدر پنڈت جواہر لال نہرو، اور اس کے سینئر لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کی مخالفت میں بیانات شائع کئے۔''[1]

کانگریس کے اہم لیڈر ڈاکٹر راجندر پرساد (جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے بہار، اڑیسہ اور آسام کے انچارج تھے)[2] نے ۱۱ر فروری کو بیان دیا کہ:

''کانگریس اسمبلیوں میں کسی دوسری پارٹی یا گروپ کے ساتھ تعاون نہیں کرے گی۔''[3]

۱- حیات سجادؒ ص ۱۶۸، ۱۶۹ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔
۲- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۴ تقی رحیم صاحب
۳- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۵ تقی رحیم صاحب۔

مولانا عثمان غنی صاحب نے درست لکھا ہے:

''کانگریس کی غیر متوقع کامیابی نے بعض بڑے کانگریسیوں کا دماغی توازن بگاڑ دیا اور انہوں نے اپنے بیانات میں کہنا شروع کر دیا کہ ہم وزارت بنانے میں کسی دوسری پارٹی سے اشتراک نہیں کر سکتے، حالانکہ وہی لوگ انتخاب سے قبل اپنی اور بعض دوسری پارٹیوں کے اشتراک سے وزارت بنانے کا اظہار کرتے تھے۔''[1]

نظری وعملی سیاست کا فرق - حضرت ابوالمحاسنؒ کی سیاسی پیش قیاسی

لیکن حضرت مولاناؒ کا شروع سے خیال تھا جس پر وہ ہمیشہ قائم رہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کو اپنے مقاصد کے پیش نظر مشترکہ اہداف پر اتفاق کرنا چاہئے، اس طرح زیادہ بہتر، بامعنیٰ اور مستحکم حکومت وجود میں آ سکتی ہے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ مولاناؒ نے اپنا یہ خیال ایک مشہور رہنما کے سامنے پیش کیا، مولاناؒ نے فرمایا ''نظری اور عملی سیاست کے فرق کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے مختلف ملکوں کی پارلیمنٹری تاریخ کو دیکھئے، مختلف الخیال جماعتیں ایک متحدہ اسکیم بنا کر مشترکہ وزارتیں مرتب کرتی ہیں، اور کامیابی کے ساتھ چلاتی ہیں، ہاں! ایسے مسائل بھی پیش آ جاتے ہیں جن پر اتفاق نہیں ہوتا، تو پھر وزارتیں ٹوٹ جاتی ہیں، اور ان کی جگہ نئی بنتی ہیں--- مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ آج تو کانگریس گریز کرتی ہے، لیکن اگر کانگریس کو موقعہ ملا تو وہ اقلیت والے صوبوں میں مشترکہ وزارتیں ضرور مرتب کرے گی۔ چنانچہ ہم نے مولاناؒ ہی کی زندگی ہی میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرحد اور آسام میں مولاناؒ کا خیال حرف بحرف صحیح ثابت ہوا، خود یہاں کی صوبائی کانگریس کمیٹی کی مجلس عاملہ کے ذمہ دار اراکین نے ۱۹۳۹ء میں مولاناؒ کے سامنے انڈی پنڈنٹ پارٹی کی شرکت سے وزارت مرتب کرنے کی تجویز پیش کی، جسے مولاناؒ نے بعض وجوہ کی بنا پر قبول نہ فرمایا- یہی ہے ''عملی ونظری سیاسیات کا فرق۔''[2]

کانگریس کا حکومت سازی سے انکار - پارٹی کے لئے لمحۂ فکریہ

بہر حال ایک نومولود پارٹی نے جیسی شاندار کامیابی حاصل کی وہ حضرت مولانا سجادؒ اور امارت شرعیہ پر مسلمانوں کے پختہ اعتماد کا مظہر تھی، پارٹی نئی تھی لیکن مولانا سجادؒ اور امارت شرعیہ کی

۱- حیات سجاد ص ۱۴۳ مضمون مولانا عثمان غنی صاحبؒ۔
۲- حیات سجاد ص ۱۶۹، ۱۷۰ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

خدمات جلیلہ سے ایک دنیا واقف تھی، امارت شرعیہ کی حمایت اور حضرت مولانا سجادؒ کی رہبری نے پارٹی کو پہلے قدم پر ہی نقطۂ ارتقاء تک پہنچادیا تھا، مجلس قانون ساز میں کانگریس کے بعد مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو دوسرا مقام حاصل ہوا، اصولی طور پر بڑی پارٹی ہونے کے ناطے کانگریس کو حکومت بنانی چاہئے تھی، اس لئے کہ ۱۹۳۷ء کے صوبائی اسمبلی انتخاب میں بہار اسمبلی کی کل ایک سو باون سیٹوں میں سے کانگریس کو کل اٹھانوے سیٹیں ملی تھیں، کانگریس کے پارٹی لیڈر بابو سری کرشن سنہا تھے، گورنر نے ان کو وزارت سازی کی دعوت دی، لیکن انہوں نے مرکزی کانگریس کمیٹی کی ہدایت پر گورنر سے اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال نہ کرنے کی یقین دہانی کا مطالبہ کیا اور گورنر کے انکار پر وزارت کی تشکیل سے معذرت کردی —— کانگریس کے انکار کے بعد قدرتی طور پر یہ حق مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو حاصل ہوتا تھا[۱]، اس کی تھوڑی تفصیل حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مولانا سجادؒ کے نزدیک کانگریس کا انکار درست نہیں تھا

''صورت حال یہ تھی کہ کانگریس نے ۱۹۳۷ء سے پہلے اپنے جلسوں میں اور ورکنگ کمیٹی نے اپنی تجویزوں میں صاف اعلان کردیا تھا کہ دستور جدید ناقص اور قابل استرداد ہے لیکن کانگریس نے چھ صوبوں میں اکثریت حاصل کرتے ہی یہ اعلان کیا کہ اگر گورنر اپنے اختیارات خصوصی کو استعمال نہ کرنے کا یقین دلادیں تو کانگریس وزارت مرتب کرنے کے لئے تیار ہے۔

مولاناؒ کا خیال تھا کہ کانگریس کی یہ شرط صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ اگر گورنر کانگریس کی شرط تسلیم کرلیتے ہیں تو یہ قانون قابل عمل ہوجاتا ہے، حالانکہ کانگریس کے نقطۂ نگاہ سے یہ قانون قطعی ناقابل عمل تھا اس قانون سے کانگریس کا جو سب سے بڑا اصولی اختلاف تھا وہ گورنر کی مداخلت یا عدم مداخلت کا نہ تھا، وہ یہ تھا کہ قانون بنانے کا حق ہندوستان کے بسنے والوں کو حاصل تھا، نہ کہ برطانوی پارلیامنٹ کو، اس لئے کہ بہرحال وہ قانون قابل استرداد ہی تھا۔

مولاناؒ کے خیال میں ایسی انقلابی جماعتوں کے لئے جو کانسلوں میں قانون مسترد کرنے کی غرض سے پہنچی ہوں دو ہی عملی صورتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ اس قانون کے خلاف غیر آئینی جدوجہد شروع کردی جائے، اور دوسرے یہ کہ وزارت مرتب کرکے عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے، اور اس طرح اس قانون کے مسترد کرنے کا سامان فراہم کیا جائے، چنانچہ انہی خیالات کی بنا پر مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی نے

۱- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳، ۳۴، ۲۲۳ تقی رحیم صاحب۔

وزارت قبول کی،لیکن وزارت قبول کرتے وقت ہی پارٹی نے ایک تجویز کے ذریعہ یہ بات صاف کردی،کہ اصولی طور پر اس صوبے میں وزارت کانگریس کو مرتب کرنی چاہئے تھی، چونکہ کانگریس اور گورنر کی جنگ ہے اور فی الحال کانگریس کوئی جدو جہد بھی نہیں کرتی ہے،اس لئے یہ پارٹی اس صوبے میں وزارت بنا کراورعوام کی خدمت کرکے قانون کے آئینی طور پر مسترد کرانے کے مواد فراہم کرے گی، ساتھ ہی ساتھ پارٹی کی دلی خواہش ہے کہ کانگریس اور گورنر کے درمیان سمجھوتہ ہوجائے۔''[1]

حکومت سازی پر تبادلۂ خیال کے لئے پارٹی کا اجلاس طلب

کانگریس کے انکار کے بعد گورنر نے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دی، دعوت ملنے کے بعد اس موضوع پر تبادلۂ خیال اور غور وفکر کے لئے ایک نشست خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہوئی، ۳۱/مارچ ۱۹۳۷ء (۲۰/ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ) کو حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین صاحب پھلوارویؒ نے پارٹی کے جملہ نومنتخب ممبران اور مجلس عاملہ کے ارکان کو خانقاہ مجیبیہ میں مدعو فرمایا، تمام حضرات نو بجے صبح حاضر ہوئے، دس بجے دن میں حضرت امیر شریعتؒ کے سامنے حضرت نائب شریعت اور پارٹی صدر حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے تمام ارکان منتخب اور مجلس عاملہ کے ممبران کا تعارف کرایا، اس کے بعد حضرت امیر شریعتؒ نے ارکان کو کاموں سے متعلق ایک مختصر سی ہدایت فرمائی، اس کے بعد تمام حضرات نے کھانا تناول کیا، اور بانکی پور پٹنہ لوٹ گئے۔

پھر دو بجے دن میں حاجی شرف الدین حسن صاحب کی کوٹھی پر مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا، اس کے بعد چار بجے بعد نماز عصر مجلس عاملہ اور منتخب ارکان کی مشترکہ نشست ہوئی، کچھ کاروائیوں کے بعد نشست چائے اور نماز مغرب کے لئے ملتوی ہوگئی، بعد نماز مغرب پھر جلسہ شروع ہوا، اور بحث وتمحیص کے بعد پارٹی لیڈر وغیرہ کا انتخاب ہوا، حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے:

پارٹی لیڈر: مسٹر حاجی محمد یونس صاحب بیرسٹر
ڈپٹی لیڈر: مولوی رفیع الدین صاحب رضوی ایڈوکیٹ
چیف وہپ: قاضی سید محمد الیاس صاحب
وہپ: مولوی سید محمد طاہر صاحب ایڈوکیٹ

۱- حیات سجاد ص ۱۷۰ تا ۱۷۲ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

انتخاب کے بعد صدر پارٹی حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، اور جلسہ تقریباً نو بجے شب میں ختم ہوا۔[۱]

حکومت سازی کے مسئلہ پر ممبران میں اختلاف رائے

غالباً ان نشستوں میں حکومت سازی کا مسئلہ طے نہیں ہوسکا، اس لئے مزید غور وفکر کے لئے مجلس ملتوی کردی گئی، اس کے بعد اس موضوع پر آخری بحث وگفتگو کے لئے ۱۳؍مارچ ۱۹۳۷ء کو پارٹی کی مجلس عاملہ اور مجلس مقننہ کا اجلاس مسٹر محمد محمود صاحب کی کوٹھی پر بلایا گیا[۲]، یہ اجلاس بھی حضرت مولانا سجادؒ کی سربراہی میں منعقد ہوا، پارٹی کے اندر اس مسئلے میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا:

☆ بعض حضرات کا خیال تھا کہ بڑی پارٹی (کانگریس) سے الگ ہوکر کوئی چھوٹی پارٹی پائیدار وزارت قائم نہیں کرسکتی، اس لئے کہ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کی اکثریت ہے، اور گورنر دستور کے مطابق زیادہ سے زیادہ چھ ماہ میں اسمبلی کا اجلاس بلانے پر مجبور ہے، اس لئے چھ ماہ کے بعد یہ وزارت ٹوٹ جائے گی، کیونکہ اس کو اکثریت کا اعتماد حاصل نہ ہوسکے گا اور کانگریس بے اعتمادی کی تجویز بآسانی منظور کرالے گی۔[۳]

☆ کچھ لوگوں کے اختلاف کی وجہ یہ بھی تھی کہ جب ایک حریت پسند پارٹی (کانگریس) نے حکومت بنانے سے انکار کردیا ہے تو دوسری حریت پسند پارٹی (مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی) کے لئے بھی وزارت قبول کرنا مناسب نہیں ہوگا، ان دونوں پارٹیوں کو آزادئ کامل کے مطالبہ کی بنا پر ہم مسلک تصور کیا جاتا تھا، اور دونوں کے قائدین کے درمیان کوئی بڑا اختلاف موجود نہیں تھا[۴]، اس لئے حکومت سازی سے کانگریس کے انکار کے بعد انڈی پنڈنٹ پارٹی کا اس کو قبول کرنا مناسب نہیں ہے۔

☆ لیکن دوسری جانب ممبران کی ایک بڑی تعداد وزارت قبول کرنے کی حامی تھی اور یہ رجحان ان میں خود کانگریس کے ردعمل سے پیدا ہوا تھا، الیکشن میں غیر متوقع کامیابی ملنے کے بعد کانگریسی رہنماؤں نے مسلمانوں سے بے نیازی کا جو رویہ اختیار کرلیا تھا اسے دیکھ کر مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے رہنما مایوس ہوگئے تھے، اور بہار میں مخلوط حکومت بننے کی کوئی امید باقی نہ رہ گئی تھی۔

۱- حسن حیات ص ۸۰ تا ۸۴ ☆☆ ذکر یونس مرتبہ تقی رحیم صاحب ص ۵۳، شائع کردہ: بیرسٹر محمد یونس میموریل کمیٹی، یونس کیمپس، ایس پی ورما روڈ پٹنہ، اشاعت دوم مئی ۲۰۱۲ء بحوالہ نقیب ۴؍مارچ ۱۹۳۷ء // تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۴ تقی رحیم صاحب۔
۲- حسن حیات ص ۸۰۔
۳- حسن حیات ص ۷۹، ۸۰۔
۴- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۴، ۳۲۵ بحوالہ "اپنی کہانی" از ڈاکٹر راجندر پرشاد ۹۲۷، ۹۳۷

حضرت مولانا سجادؒ کی ذاتی رائے

دوسری طرف کانگریس اور گورنر کے اختلاف سے ریاست میں جو تعطل کی صورت حال پیدا ہوگئی تھی اس کی بنا پر حضرت مولانا سجادؒ اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کے دیگر بڑے رہنماؤں کو یہ خدشہ پیدا ہوگیا تھا، کہ کہیں ملک کی آزادی کی منزل دور نہ چلی جائے، اور قوم لا حاصل تگ ودو سے مایوس ہوکر بیٹھ نہ جائے، حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے ایک بیان میں ان خدشات کا خود اظہار فرمایا ہے:

''قابل غور امر یہ ہے کہ اس تعطل کے مظاہرے سے بحالت موجودہ ملک کی آزادی کی طرف کوئی قدم آگے بڑھے گا؟ اس سے عوام الناس کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ غربت وافلاس سے ملک کے باشندوں کو نجات ملے گی؟ یا اس میں کوئی تخفیف ہوگی؟

میں سمجھتا ہوں کہ یہ رائے ایسی نہیں تھی جن پر توجہ نہیں کی جاتی، اسی طرح بعض بعض ممبروں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا، کہ اگر کانگریس نے مجالس مقننہ کو توڑ کر بار بار الیکشن لڑانے کا کھیل کھیلنا شروع کیا، تو ممکن ہے کہ ہندو اکثریت کے نقطۂ نگاہ سے کوئی نقصان دہ امر نہ ہو، مگر مسلمانوں کی قومی حالت کے اعتبار سے یہ کھیل ان کے لئے ناقابل برداشت ہے، مسلمانوں کی اقتصادی حالت ایسی نہیں ہے کہ سال میں ایک دوبار یہ کھیل کھیلا کریں، اگر کانگریس نے یہ روش اختیار کی، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا، کہ کوئی مسلمان اپنی طاقت پر الیکشن میں کھڑا نہیں ہوگا، اسمبلی کے دلدادے مجبور ہوکر دوسروں کے سہارے الیکشن میں کھڑے ہونگے اور اس طرح ان کی جماعتی حیثیت فنا ہوجائے گی۔''[۱]

مجلس عاملہ کے ایک اہم رکن قاضی احمد حسین صاحبؒ کا بھی یہی خیال تھا ان کا کہنا تھا کہ:

''کانگریس کو یہ تجربہ کرنا چاہئے کہ عوام کی مرضی اور عوام کے مفاد میں اس کی وزارت کام کرسکے گی یا نہیں۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہوا اور گورنروں نے وزارت کے کاموں میں مداخلت کی تو اس کے لئے راہ کھلی ہوئی ہے، وہ اس وقت وزارتوں سے استعفیٰ دے سکتی ہے، لیکن جبکہ کانگریس نے اس خطرہ کی بنا پر کہ گورنر مداخلت کریں گے، وزارت قبول کرنے سے انکار کردیا ہے، تو کانگریس کی حامی جماعتوں کو وزارت قبول کرکے یہ تجربہ کرنا چاہئے، کہ گورنر وزیروں کے کاموں میں مداخلت سے پرہیز کرتے ہیں یا نہیں، کانگریس کو سوچنے کا وقت اور موقعہ دینا چاہئے، اور برطانیہ نواز حلقوں کو اس کا موقعہ نہیں دینا چاہئے، کہ وہ حکومت کی کرسیوں پر قبضہ کرلیں، قاضی صاحب کو امید تھی کہ کانگریس اور گورنر کے درمیان جو رسہ کشی ہے وہ ختم ہوجائے گی، اور کانگریس

۱- مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد حیات وخدمات ص ۳۶۳، ۳۶۴ بحوالہ جریدہ نقیب ص ۴، ۶ مورخہ ۱۷/اپریل ۱۹۳۷ء۔

وزارتوں کی ذمہ داریاں اٹھالے گی، اور اسے اٹھالینا چاہیے۔'' ۱

مجلس عاملہ میں آزادانہ بحث ومباحثہ کے بعد رائے شماری

بہرحال مجلس عاملہ میں اس موضوع پر کھل کر گفتگو ہوئی، اجلاس کی پوری کاروائی شاہ محمد عثمانی صاحبؒ کی کتاب 'حسن حیات' سے پیش ہے:

''۳۱؍مارچ ۱۹۳۷ء کو مجلس عاملہ انڈی پنڈنٹ پارٹی کی ملتوی شدہ میٹنگ کی دوسری نشست مسٹر محمد محمود صاحب کی کوٹھی میں ہوئی، حضرات ذیل شریک تھے:

۱- حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ (صدر) ۲- حافظ محمد ثانی
۳- حاجی اختر حسین خان ۴- مولانا سید منت اللہ
۵- مسٹر محمد محمود ۶- مسٹر تجمل حسین
۷- حاجی شرف الدین حسن ۸- مولوی سید محمد حفیظ ایڈووکیٹ
۹- قاضی احمد حسین ۱۰- مولانا محمد یسین
۱۱- مولانا عبدالودود ۱۲- مولوی خلیل احمد وکیل
۱۳- مولوی جعفر امام

سب سے پہلے مسٹر محمد یونس نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہندو ممبران اسمبلی کی کافی تعداد ان کی حمایت کرے گی، اس پر خلیل احمد صاحب نے کہا کہ ہندو ہرگز ساتھ نہیں دیں گے، یہ مسٹر یونس صاحب کا صرف ایک خیال ہے، اس کے بعد بحث شروع ہوئی، آخر میں قاضی احمد حسین صاحب نے حسب ذیل تجویز پیش کی:

''کانگریس کے انکار وزارت اور ملک وملت کے مفاد اور اس پارٹی کے کریڈ اور پروگرام وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر اور تمام احوال پر غور کرکے مجلس عاملہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ:

(الف) کانگریس کے لیڈر اور گورنر کا باہم متفق نہ ہونا غالباً غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جس سے خطرہ پیدا ہوگیا ہے، کہ عوام کے منتخب شدہ نمائندگان اگر آفس قبول کرنے سے انکار کردیں تو یقیناً بحالت موجودہ گورنر کو اس کا موقعہ دیتے ہیں، کہ وہ شخصی حکمراں ہونے کی حیثیت خود اختیار کرلیں، جس سے ملک وعوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ اندیشہ ہے کہ

۱- حسن حیات ص ۸۰۔

نقصان پہنچے، اس کے ساتھ وہ مقصد بھی کلیۃً مفقود ہوجاتا ہے، جس کے لئے کانگریس آفس قبول کرنے کو تیار تھی۔

(ب) اور یہ طے کرتی ہے کہ آفس قبول کیا جائے تاکہ قوم پرورانہ پروگرام کو حتی الوسع کامیاب بنانے کی کوشش کی جائے اور اسمبلی کے ذریعہ غریب کسانوں، مزدوروں، دیسی کاریگروں اور تاجروں کو جو کچھ نفع پہنچانا ممکن ہو اس کی راہ پیدا کی جائے۔

مجلس عاملہ کو امید ہے کہ کانسٹی ٹیوشن کے اندر قوم پرورانہ پروگرام کے لئے جو کچھ کام ہوسکتا ہے، عام حالات میں گورنر اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال کر کے رکاوٹ پیدا نہ کریں گے اور ایسی صورت میں تجربہ کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ وہ غلط فہمی دور ہوجائے گی، جو کانگریس اور گورنر کے مابین پیدا ہوگئی ہے، اور وہ وقت ملک کے لئے نہایت خوش آئند ہوگا۔''

اس کے بعد جلسہ دوسرے روز کے لئے ملتوی ہونے والا تھا کہ مسٹر یونس جو صدر جلسہ سے اجازت لے کر گورنر سے ملنے گئے تھے، واپس آئے، اور انہوں نے بتایا کہ گورنر نے کہا ہے کہ نواب عبدالوہاب صاحب اور گورسہائے لال کو وزارت میں ضرور رکھا جائے، ورنہ وہ کسی دوسرے صاحب کے ذمہ وزارت بنانے کا کام کردیں گے، اس چیز سے قاضی احمد حسین صاحب اور بعض دوسرے ممبران مجلس عاملہ میں گورنر کے خلاف ناراضی پیدا ہوئی، دوسری طرف یہ واقعہ بھی ہوگیا کہ پٹنہ کے کچھ نوجوانوں نے انگریزی حکومت کے خلاف کوئی جلوس نکالا تھا غالباً یوم جلیانوالہ باغ کے سلسلہ میں تھا، ان کو گرفتار کرلیا گیا، اور انڈی پنڈنٹ پارٹی کی سفارش کے باوجود ان کو رہا نہیں کیا گیا، اس طرح یہ بات صاف ہوگئی کہ گورنر وزارت کو آزادانہ کام نہیں کرنے دیں گے، اس طرح کانگریس کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور کانگریس کے ذمہ داروں کو یہ تجربہ کرنے دینے کی بات ختم ہوگئی کہ کانگریس وزارتوں کے کاموں میں گورنر حائل نہیں ہونگے اس لئے جب ۱۴راپریل ۱۹۳۷ء کو پارٹی کی مجلس عاملہ اور نمائندگان اسمبلی وکانسل کا مشترکہ جلسہ ۹ بجے دن کو پارٹی کے دفتر میں منعقد ہوا، تو قاضی احمد حسین صاحب نے وزارت قبول کرنے کی مخالفت کی، اس جلسہ میں ارکان عاملہ کے علاوہ حسب ذیل حضرات نے شرکت کی تھی۔

۱- مسٹر سید نقی امام صاحب
۲- چودھری شرافت حسین صاحب
۳- مولوی اسلام الدین صاحب

۴۔ مولوی محمد طاہر صاحب

۵۔ مولوی عبدالجلیل صاحب ۶۔ مولوی ابوالاحد محمد نور صاحب

۷۔ مولوی عبدالمجید صاحب

۸۔ مولوی محمد یعقوب صاحب

۹۔ مولوی رفیع الدین رضوی صاحب ڈپٹی لیڈر انڈی پنڈنٹ پارٹی

۱۰۔ چودھری نظیر الحسن صاحب

۱۱۔ مولوی شفیق الحق صاحب

اس موقعہ پر مسٹر محمد محمود صاحب نے وہ تجویز پیش کی جو قاضی احمد حسین نے مرتب کی تھی اور مجلس عاملہ میں پیش کی تھی، اور مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر جس کے وہ مخالف ہو چکے تھے، مولانا عثمان غنی صاحب نے اس تجویز کی تائید کی، لیکن رفیع الدین رضوی اور قاضی احمد حسین صاحب کی تقریریں سننے کے بعد مولانا عثمان غنی صاحب غیر جانبدار ہو گئے۔رفیع الدین رضوی نے تجویز کے خلاف ایک طویل تقریر کی انہوں نے کہا کہ ''عہدہ قبول کرنا غیر دانشمندانہ ہوگا، قاضی احمد حسین نے کہا کہ:

''مجلس عاملہ میں میں نے رائے دی تھی کہ عہدہ قبول کرنا چاہئے مگر اس چندروز کے تجربہ نے ہمیں بتایا کہ ہماری کابینہ قطعاً بے بس ہوگی، یکم اپریل ۷ ۱۹۳ء کو گرفتاریاں ہوئیں مگر آج تک ان کو رہا نہیں کیا گیا، دوسرے گورنر کو اس پر بھی اصرار ہے کہ ان کا کوئی آدمی بھی کابینہ میں رہے گا، وہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر مسٹر یونس نے ان کے آدمی کو قبول نہیں کیا تو وزارت کی تشکیل کی ذمہ داری دوسرے لوگوں کے سپرد کریں گے اس لئے میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عہدہ قبول نہ کیا جائے جس کی ابتدا یہ ہے اس کی انتہا نہ پوچھ۔''

اس کے بعد اور لوگوں نے بھی تقریریں کیں۔

آخر میں صدر پارٹی حضرت مولانا سجادؒ کے ایماء پر رائے شماری کی گئی تو ایک ووٹ کی اکثریت سے وزارت قبول کرنے کا فیصلہ کیا گیا، تجویز کی حمایت میں حسب ذیل حضرات نے ووٹ دیئے:

۱۔ مسٹر محمد محمود بیرسٹر جنرل سکریٹری ۲۔ چودھری شرافت حسین

۳۔ ابوالاحد محمد نور ۴۔ مولوی اسلام الدین

۵۔ مولوی عبدالجلیل ۶۔ چودھری نظیر الحسن

۷- مولوی شفیق الحق صاحب ۸- مولوی طاہر
۹- نواب تجمل حسین ۱۰- مسٹر محمد یونس
۱۱- مولوی جعفر امام صاحب ۱۲- مولوی قدیر الحسن صاحب

جب کہ مندرجہ ذیل حضرات نے وزارت قبول کرنے کی مخالفت کی:

۱- حافظ محمد ثانی
۲- قاضی احمد حسین
۳- سید نقی امام صاحب
۴- خلیل احمد صاحب
۵- بدر الحسن صاحب وکیل
۶- مولوی اسمٰعیل خان صاحب
۷- مولوی شرف الدین صاحب باڑھ
۸- مولوی رفیع الدین رضوی ڈپٹی لیڈر انڈی پنڈنٹ پارٹی
۹- مولوی محمد یعقوب صاحب
۱۰- سید محمد حفیظ صاحب وکیل
۱۱- مولوی عبد المجید صاحب

مولانا عثمان غنی صاحب اور مولانا یٰسین صاحب غیر جانبدار رہے، مولانا منت اللہ صاحب جلسہ میں موجود نہیں تھے، اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ امارت شرعیہ کے کسی کارکن نے اس موقعہ پر کھل کر وزارت قبول کرنے کی حمایت نہیں کی، پھر بھی چونکہ حاضرین کی ایک ووٹ کی اکثریت سے وزارت قبول کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی اس لئے امارت کے کارکنوں نے وزارت کو کامیاب بنانے میں پوری مدد کی۔[1]

البتہ خود حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی ذاتی رائے وزارت قبول کرنے کے حق میں پہلے سے ہی تھی۔[2]

۱- حسن حیات ص ۸۰ تا ۸۴۔
۲- محاسن سجاد ص ۱۷۰ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی ☆ حیات سجاد ص ۱۲۳ مضمون مولانا محمد عثمان غنی۔

فصل چہارم

حکومت سازی کی تجویز منظور

جناب بیرسٹر محمد یونس صاحب کی بحیثیت وزیر اعظم حلف برداری

یکم اپریل ۱۹۳۷ء (۱۹رمحرم ۱۳۵۶ھ) کو جناب بیرسٹر محمد یونس صاحب[1] نے وزارت

۱- جناب محمد یونس صاحب کی ولادت ۴رمئی ۱۸۸۴ء (۸ررجب المرجب ۱۳۰۱ھ) خطۂ مگدھ میں ایک روایت کے مطابق اپنے آبائی گاؤں ''پنہرا'' میں اور دوسری روایت کے مطابق نانیہال ''سلیم پور چپلا'' میں ہوئی، پنہرا پٹنہ ضلع کے نوبت پور تھانہ میں پٹنہ شہر کے جنوب مغرب میں کوئی بیس میل کی دوری پر پن پن ندی کے ٹھیک کنارے پر اس کے مغرب جانب واقع ہے، اس وقت یہ ایک گوردہ دیہات تھا، جہاں کوئی کچی یا پکی سڑک نہیں جاتی تھی، نہ کوئی اسکول تھا، نہ اسپتال اور نہ ڈاک خانہ، بلکہ یہ پورا علاقہ ہی انتہائی پسماندہ تھا، لیکن علمی اور ثقافتی اعتبار سے نہ صرف مگدھ بلکہ پورے صوبۂ بہار کا اسے دماغ تصور کیا جاتا تھا، اس علاقہ کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بڑی بڑی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں (مسٹر محمد یونس بار ایٹ لاء ایک تعارف، از کامریڈ تقی رحیم ص ۶ تا ۹ میں ان بستیوں اور وہاں پیدا ہونے والی نامور شخصیتوں کی تفصیل موجود ہے، ملاحظہ کریں۔ واضح رہے کہ کامریڈ تقی رحیم صاحب بھی اسی دیار کے پنہرا سے چار میل کے فاصلہ پر شمال میں واقع بہرانواں گاؤں کے رہنے والے ہیں) جہاں سے تہذیب وثقافت، علم وادب، درس وتدریس، اور روحانیت واخلاق کے سوتے پھوٹتے تھے، یہاں تک کہ آج بھی جب کہ یہ علاقہ مسلمانوں سے گویا خالی ہو چکا ہے، اور ان کی بستیاں ویران اور کھنڈر پڑی ہیں، بہار کی عوامی زندگی پر ان کے علمی وثقافتی وسماجی اور سیاسی کاموں کی چھاپ بہت واضح اور روشن ہے، پچھلی صدی کے نصف آخر میں جتنی بڑی تعداد میں اونچے پایہ کے علماء، فضلاء، ادیب وشاعر، خطیب وواعظ، حکماء، قانون داں، دانشور اور سیاسی مدبر نیز دوسرے اعتبار سے عظیم ہستیاں اس علاقے میں پیدا ہوئیں اس کی مثال ملک کے کسی دوسرے خطہ میں شاید ہی مل سکے۔

ع چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اسلام کی علمی تہذیب سے اس علاقہ کے غیر مسلم بھی کافی فیضیاب تھے۔

جناب یونس صاحب کی پرورش و پرداخت موضع پنہرا میں ہوئی، ان کے والد کا نام مولوی علی حسن مختار تھا، نامی گرامی اور اپنے پیشے میں کامیاب بیرسٹر تھے، کافی جائداد بنائی اور خوب نام پیدا کیا، ان کے دولڑکے تھے، بڑے محمد یوسف اور چھوٹے محمد یونس، یونس صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر مکتب میں حاصل کی، اور اردو، فارسی اور عربی میں اچھی صلاحیت پیدا کر لی، پٹنہ کالجیٹ سے میٹرک پاس کیا، اور میٹرک پاس کرنے کے بعد پٹنہ کالج میں داخلہ لے کر ایف اے میں پڑھنے لگے،

ادھر مختار صاحب نے بڑے لڑکے محمد یوسف کو بیرسٹری پڑھنے کے لئے لندن بھیج دیا، یونس صاحب نے بھی لندن جانے کی ضد کی، لیکن والد راضی نہیں ہوئے، ۱۹۰۲ء میں یونس صاحب کی شادی مرزاپور کے وکیل مولوی عبدالجبار صاحب کی لڑکی سے ہوئی، چنانچہ گھر پر کسی کو کچھ کہے سنے بغیر والد کی مرضی کے خلاف صرف اہلیہ کو خبر دے کر اور غالباً انہیں سے روپیہ لے کر یونس صاحب ۱۹۰۳ء میں لندن کے لئے روانہ ہو گئے، اپنی ضد پر قائم رہے اور والد محترم کو خرچ پورا کرنے پر مجبور کیا، ۱۹۰۶ء میں انہوں نے بیرسٹری پاس کی، لندن کے دوران قیام انہوں نے یورپ کے کئی ملکوں کی سیاحت کی اور دوبار ممالک متحدہ امریکہ کی سیر کی، ۴رمارچ ۱۹۰۶ء کو لندن سے واپس لوٹے اور کلکتہ ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے کے لئے اپنا نام درج کرایا، مگر چند ہی مہینوں میں وہاں سے پٹنہ آ کر لوور کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے جہاں ان کی پریکٹس خوب چمکی۔

طالب علمی کی زندگی میں پٹنہ میں یونس صاحب کو اسپورٹس سے خاصی دلچسپی تھی، مگر لندن میں انہوں نے مختلف ممالک کی سیاحت اور مباحثہ کی مجلسوں سے زیادہ دلچسپی لی، پٹنہ میں پریکٹس شروع کرنے پر وکالت کے ساتھ مختلف سماجی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا، بارہ برسوں تک وہ بہار ینگ مین ایسوسی ایشن کے سکریٹری رہے۔ ←

← انسٹی ٹیوٹ کی موجودہ عمارت خاص طور پر ان کی سعی وکوشش کی مرہون منت ہے، بہار اسٹوڈنٹس یونین کے کئی برسوں تک صدر رہے، جو بقول ڈاکٹر راجندر پرشاد ایک زمانہ میں سیاسی مسائل پر بحث وفکر کے لئے بہاریوں کا واحد ادارہ تھا، پٹنہ سیٹی میونسپلٹی کے لئے تین بار چنے گئے، اور اچھی خدمات انجام دیں، ابتدا میں کانگریس کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، ۱۹۰۸ء کے لاہور سیشن میں پہلی بار ڈیلی گیٹ کی حیثیت سے شریک ہوئے، لیکن گاندھی جی کی عدم تعاون کی پالیسی سے اختلاف کے باعث ڈاکٹر سچیتانند سنہا، اور سر علی امام وغیرہ کی طرح کانگریس سے الگ ہوگئے، ۱۹۱۶ء میں پہلی بار امپیریل لیجس لیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے، پھر بہار واڑیسہ کونسل کے انتخاب میں ۱۹۲۱ء میں حصہ لیا، کامیاب ہوئے، اور ۱۹۲۲ء تک اس کے ممبر رہے، ۱۹۳۲ء میں پھر بہار کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۳۶ء تک اس کے ممبر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۳۳ء میں انہوں نے فریضۂ حج ادا کیا، اور اس سفر کے دوران مقامات مقدسہ کی زیارت بھی کی، ساتھ ہی مشرق وسطیٰ عرب اور شمالی افریقہ کے مسلم ممالک کی سیاحت کی۔

یونس صاحب کے والد خود زمیندار نہیں تھے، انہوں نے زیادہ تر جائیداد کاشت کی صورت میں بنائی اور بڑی اچھی کھیتی کرواتے تھے، یونس صاحب کو جو زمین والد صاحب سے ملی ان پر یہ جدید طریقہ سے بہت اچھی کھیتی کرتے تھے، وہ ایک ماہر کاشتکار کے ساتھ پٹنہ ہائی کورٹ کے چوٹی کے بیرسٹر اور بختیار پور بہار ریلوے کے مالک بھی تھے، ایک انگریزی پریس بھی ان کا تھا، اور ایک ڈیلی انگلش اخبار پٹنہ ٹائمز کے مالک بھی تھے، ان کا گرانڈ ہوٹل پٹنہ کا سب سے پرانا اور سب سے پہلا انگریزی وضع کا ہوٹل تھا، ویسے تو کئی بینکوں کے ڈائرکٹر تھے، لیکن اور ینٹ بینک کے نام سے اپنا ایک بینک قائم کیا، ایک انشورنس کمپنی بھی ان کی تھی، اسی ایک گرانڈ ہوٹل میں ان کی رہائش گاہ بھی تھی، اور بیرسٹری کا چیمبر بھی تھا، پریس بھی تھا، اور اخبار بینک، انشورنس کمپنی اور لائٹ ریلوے کا دفتر بھی، اور کمال یہ کہ ان سب کی نگرانی خود ہی کرتے تھے۔

مسٹر یونس اپنے وقت میں بہار کے سب سے بڑے بیرسٹروں میں تھے، اور کافی محنت سے کام کرتے تھے، قانون کا مطالعہ کافی وسیع تھا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے انڈی پنڈنٹ پارٹی بنائی تو اس پارٹی کو مضبوط بنانے اور برسر اقتدار لانے میں مسٹر یونس کے عوامی رابطہ نے بڑا کام کیا۔ ۱۹۳۷ء میں صوبہ بہار کے پہلے وزیر اعظم ہوئے، بناوٹ اور تصنع سے دور صاف گوئی کے عادی تھے، اس لئے نئے حکمرانوں سے نہیں بنی۔ ۱۹۴۶ء کے فسادات، ملک کی تقسیم اور بہار کے مسلمانوں کی تباہی کا ان کے دل ودماغ اور صحت پر برا اثر پڑا، پھر بھی فساد زدگان کی ریلیف کا کام خلوص اور مستعدی کے ساتھ انجام دیا، ہر آڑے وقت میں جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ اور عام مسلمانوں کے کام آئے، اسی درمیان ۱۹۴۶ء میں ان کے بڑے لڑکے یٰسین یونس کا انتقال ہوگیا، ہونہار بیٹے کی موت کا صدمہ جانکاہ ثابت ہوا، اور بعض دیگر آزمائشوں سے بھی دو چار ہونا پڑا، مثلاً ان کے بختیار پور ریلوے کے مسئلے میں الجھا کر ان کو نظر بند کر دیا گیا، اس کا قصہ یہ تھا کہ بختیار پور ریلوے کے وہ مالک تھے، کچھ لوگوں نے یہ ہنگامہ کیا کہ اس ریلوے کا انتظام اچھا نہیں ہے، ڈسٹرکٹ بورڈ کو چاہئے کہ کہ اس کو اپنے قبضہ میں کر کے نظام درست کرے، چنانچہ ڈسٹرکٹ بورڈ نے زبردستی اس پر قبضہ کر لیا، اور جب اس کے آدمی حساب لینے کے لئے مسٹر یونس صاحب کے پاس گئے تو مسٹر یونس نے حساب دینے سے انکار کر دیا، اس پر طرفین میں کچھ تیز وترش باتیں ہوئیں، چنانچہ یونس صاحب کے خلاف فوجداری مقدمہ دائر کر دیا گیا، پھر ڈاکٹر کی اس رپورٹ پر کہ ان کو اپنے مکان سے منتقل کیا گیا، تو ان کی زندگی کو خطرہ ہوسکتا ہے، ان کو گھر ہی پر نظر بند کر دیا گیا، شاہ محمد عثمانی صاحبؒ اپنے سابقہ تعلقات کے پیش نظر ان سے ملنے گئے تو انہوں نے عثمانی صاحب کو ایک درخواست اور مسلح پولیس کے پہرہ کی تصویریں دیں اور کہا کہ آپ جواہر لال تک میری یہ درخواست پہنچادیں، عثمانی صاحب وہ کاغذات لے کر دہلی پہنچے تو حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ سے معلوم ہوا کہ جواہر لال آج ہی انڈونیشیا جارہے ہیں، اس لئے ان سے ملاقات دشوار ہے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ساتھ وہ سردار پٹیل سے ملے، سردار پٹیل نے وہ کاغذات لے لئے اور کہا کہ پڑھ لوں تو کوئی کاروائی کروں گا، سردار پٹیل نے بعد میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو اطلاع دی کہ انہوں نے ایک نوٹ بہار گورنمنٹ کو بھیجا ہے، اس کے بعد سے مسٹر یونس سے پولیس کا پہرہ اٹھ گیا، تاہم ہائی کورٹ اور پھر سپریم کورٹ میں وہ مقدمہ لڑتے رہے، اور وہ کیس جیت بھی گئے، لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے نے ریلوے کی قیمت لے کر اس سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

ان حادثات سے بیرسٹر یونس صاحب کی صحت بے حد متاثر ہوئی، اور وہ علاج کے لئے لندن چلے گئے، اور اسی دیار غیر میں ۱۳ رمئی ۱۹۵۲ء (۲ر شوال المکرم ۱۳۷۵ھ) کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کے لئے رخصت ہوگئے، خواجہ کمال الدین کی تعمیر کردہ ورکنگ مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اور وہاں سے تین میل دور بروک ووڈ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اولاد میں صرف دولڑ کے یٰسین یونس اور یعقوب یونس ہوئے، دونوں تعلیم یافتہ تھے، بڑے لڑکے یسین یونس باپ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئے تھے، چھوٹے صاحبزادے یعقوب یونس بعد تک زندہ رہے (مسٹر محمد یونس بارایٹ لا ایک تعارف از کامریڈ تقی رحیم ص ۵ تا ۱۷☆ ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی ص ۳۴۷ تا ۳۵۰)

عظمیٰ کا حلف لیا اور بہار کے پہلے وزیر اعظم (فرسٹ پریمیر آف بہار) کی حیثیت حاصل کی۔[۱]

بہر حال مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی حکومت میں دیگر وزراء کے ساتھ گورنر کی خواہش کے مطابق اس کے کامیاب ممبران کے علاوہ جناب عبدالوہاب خان صاحب، بابو گرسہائے لال، اور کمار اجیت پرشاد سنگھ دیو بھی شامل تھے۔[۲]

سر سلطان احمد ایڈوکیٹ جنرل بنائے گئے۔[۳]

کانگریس کا ردعمل

کانگریس پارٹی کو یہ ہرگز توقع نہیں تھی کہ انڈی پنڈنٹ پارٹی اتنی عجلت کا مظاہرہ کرے گی اور اس کے علی الرغم وزارت سازی کے لئے آمادہ ہو جائے گی، اس لئے کہ سیاسی حلقوں میں انڈی پنڈنٹ پارٹی کانگریس کی اتحادی پارٹی تصور کی جاتی تھی، انڈی پنڈنٹ پارٹی کے حکومت سازی کے فیصلہ سے کانگریس کو حیرت بھی ہوئی اور ناراضگی بھی، کانگریسی قائدین نے اس کو مولانا سجادؒ اور انڈیپنڈنٹ پارٹی کی بڑی سیاسی بھول قرار دیا، بہار، اڑیسہ اور آسام کے الیکشن انچارج ڈاکٹر راجند پرشاد (جو بعد میں آزاد ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ بنے) اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

> ''بہار صوبہ میں یہ کام گورنر نے مسٹر محمد یونس کے سپرد کیا یہ حضرت مسلم انڈی پنڈنٹ کی طرف سے چنے گئے تھے، جس کے خاص معاون تھے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد جو جمعیۃ العلماء کے خاص رہنما تھے، سمجھا جاتا تھا کہ اس (محمد یونس) کے ساتھ ان کی پوری ہمدردی ہے، چناؤ میں بھی اگرچہ ان سے صلح نہیں تو کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوا تھا، کتنے ہی کانگریسی مسلمانوں نے ان کی پارٹی میں اس لئے نام لکھایا تھا کہ وہ اس طرح آسانی سے چنے جا سکیں گے، خاص کر جب وہ یہ سمجھتے تھے، کہ کانگریس کی پالیسی سے مولانا سجادؒ بڑی حد تک متفق ہیں، مگر اس موقعہ پر مولانا چوکے، انہوں نے اپنی پارٹی میں طے کیا کہ وہ وزارت بنائیں، معلوم نہیں وہاں کیا ہوا؟ طرح طرح کی باتیں اس زمانے میں ہوا میں تھیں۔''[۴]

۱۔ حسن حیات ص ۸۰ تا ۸۴ ☆ نقیب ۴ر مارچ ۱۹۳۷ء ☆ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۴ تقی رحیم صاحب ☆ صوبہ بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ص ۷ مرتبہ: جناب اصغر امام فلسفی، شائع کردہ: سید ایڈورٹائزنگ، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء۔ واضح رہے کہ اصغر امام فلسفی صاحب کو ایک عرصہ تک حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہے، جیسا کہ انہوں نے انتساب کتاب میں خود اس کا اظہار کیا ہے (ص ۳)۔

۲۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۴ تقی رحیم صاحب۔

۳۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۶ تقی رحیم صاحب۔

۴۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۴، ۳۲۵ بحوالہ ''اپنی کہانی'' از ڈاکٹر راجندر پرشاد ص ۹۲، ۹۳۔

یہ مولاناؒ کی سیاسی بھول ہو یا نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے لئے خود کانگریس کا اپنا رویہ بھی ذمہ دار تھا، کانگریس کے طرزِ عمل نے مسلمانوں کو سخت مایوس کر دیا تھا، ورنہ مولاناؒ نے پارٹی کی پہلی میٹنگ میں ہی میں کانگریس کو مخلوط حکومت بنانے میں اپنے تعاون کا اشارہ دیا تھا، لیکن کانگریس نے اپنی غیر متوقع فتح کے غرور میں اس کو مسترد کر دیا تھا۔[1]

بہار میں انڈی پنڈنٹ پارٹی کی مثالی اور تاریخ ساز حکومت

بہار کی حکومت گو کہ بظاہر وزیر اعظم مسٹر محمد یونس بیرسٹر کے ہاتھ میں تھی مگر حقیقت میں اس کے روحِ رواں اور پالیسی ساز پارٹی کے پارلیمنٹری بورڈ کے صدر حضرت مولانا محمد سجادؒ کی ذات گرامی تھی۔[2]

مسٹر یونس صاحب نے حضرت مولاناؒ کی سربراہی میں شاندار حکومت چلائی، اور خیر القرون کی یاد تازہ کر دی، ان کا دروازہ رات و دن ہر عام و خاص کے لئے کھلا رہتا تھا، کسی سے ملنے سے کبھی انکار نہیں کیا، ہر ایک سے ملتے اور اس کے لئے ضروری ہدایات دیتے، تقریباً پورے صوبہ اور صوبہ کے اندر دور افتادہ دیہاتوں تک کے انہوں نے دورے کئے، اور لوگوں کے مسائل خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اور سنے، مسٹر یونس کو ان تمام مشکلات کا سامنا ہوا جو کسی غریب ریاست کے ذمہ دار کو ہو سکتا تھا۔ کسانوں کی شکایتیں بھی تھیں، گنے کی کاشت کا مسئلہ تھا، سیلاب کا قہر تھا، فرقہ وارانہ فسادات کی مصیبت تھی، ہندی اردو کا جھگڑا تھا، وغیرہ انہوں نے ہر مسئلہ کو جماعتی یا مذہبی تصورات سے بالاتر ہو کر حل کرنے کی کوشش کی۔[3]

قیدیوں کی رہائی

یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو کانگریس نے ہڑتال کا اعلان کیا ہوا تھا، اس سلسلے میں پرتشدد مظاہروں کا سلسلہ رات ہی سے شروع ہو گیا تھا، مسٹر یونس صاحب کی کوٹھی کے سامنے بھی مظاہرے ہوئے، جو ابھی تک وزیر اعظم نہیں بنے تھے لیکن پارٹی لیڈر ہونے کی بنیاد پر متوقع وزیر اعظم تھے، بہار پولیس نے مظاہرہ کے بعض قائدین کو گرفتار کر لیا تھا، مسٹر یونس صاحب نے زمام حکومت ہاتھ

۱۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۵۔
۲۔ حیات سجاد ص ۱۵۲ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔
۳۔ صوبہ بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس مرتبہ اصغر امام فلسفی ص ۱۴۔

میں لیتے ہی تمام قیدیوں کو غیر مشروط رہائی عطا کی، ۳۱؍مارچ کی شب میں یہ لوگ گرفتار ہوئے تھے اور یکم اپریل کی صبح کو رہا کردیئے گئے، اور باقی قیدیوں کے متعلق تفصیلات طلب کیں، تاکہ ان پر غور کرکے مناسب فیصلہ کیا جائے۔[1]

اس دور میں فرقہ وارانہ ملزمین پر اکثر جگہ مقدمے نہیں چلائے گئے، بلکہ ان میں اکثر لوگوں کو غیر مشروط طور پر چھوڑ دیا گیا، تاکہ ان کی رہائی سے امن وسکون کی فضا پیدا ہو اور فریقین کے درمیان سمجھوتہ میں آسانی ہو، آپ نے اپنے چار ماہ کے عرصۂ حکومت میں سات دہشت انگیز قیدیوں کو غیر مشروط رہائی دی، جب مسٹر یونس جیل انسپکٹ کرنے گئے تو وہاں کئی گھنٹے رہے، اور ہر پولٹیکل قیدی سے خود اکیلے میں باتیں کیں، اور اس کی شکایتیں دور کرنے کی کوشش کی۔[2]

فرقہ وارانہ ہم آہنگی

یونس حکومت نے فرقہ وارانہ کشیدگی پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا، ایسا نہیں تھا کہ ان کے زمانہ میں فسادات نہیں ہوئے، لیکن ان کے ایثار اور مستعدی کی بدولت اسے زیادہ پھیلنے اور شدت پکڑنے کا موقعہ نہ ملا، جہاں کہیں فساد کی خبر آئی، خود بنفس نفیس موقعہ واردات پر پہنچے، اور خوش اسلوبی کے ساتھ فریقین میں سمجھوتہ کرایا۔[3]

اورنگ آباد فساد کے موقعہ پر وزیر اعظم مسٹر یونس کا مثالی کردار

اورنگ آباد کے فساد کے موقعہ پر مسٹر یونس صاحب نے اسلامی سیاست اور رواداری کا جو نمونہ پیش کیا، اس کی کوئی مثال موجودہ دور کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، زمام حکومت سنبھالے ہوئے ابھی دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اورنگ آباد میں ہندو مسلم فساد بھڑک اٹھا، جس کی جڑیں پچھلے سات آٹھ ماہ سے جڑی ہوئی تھیں، یہ خبر ملتے ہی ۲۲؍اپریل ۱۹۳۷ء (۱۰؍صفر المظفر ۱۳۵۶ھ) کو یکایک آٹھ بجے دن میں وہ اورنگ آباد پہنچ گئے، اور ہندو مسلمان دونوں فریقوں سے مل کر باہم تصفیہ کروایا، ۲۵؍اپریل کو مورتی کا قصہ ختم ہوگیا، اور مورتی بھسان ہوگئی، مسجد کو جو نقصان پہنچا تھا، اس کی بھی مرمت کرائی گئی، پچھلے کئی ماہ سے بہت سے بے قصور مسلمان اسی سلسلے میں جیل میں

۱۔بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ص ۱۴، ۱۵ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔
۲۔بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ص ۱۴، ۱۵ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔
۳۔بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ص ۱۵ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔

بند تھے اوران سے دس دس ہزار کی ضمانت طلب کی گئی تھی، ان کی رہائی کا فیصلہ کیا انہوں نے اورنگ آباد کی جامع مسجد میں مسلمانوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

''مذہب اسلام کی بنیاد پر بحیثیت وزیر اعظم میرا فرض ہے، کہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں طور پر جور وستم سے بچاؤں۔

وہ دن بھر معاملات کو سلجھانے میں مصروف رہے، ظہر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی، اوراپنے سامنے سڑک سے پرامن طور پر مورتی کا جلوس گزار دیا، جس میں ہزاروں مسلح ہندو شریک تھے، خود چار گھنٹے جلوس کے ہمراہ رہ کر اس کی نگرانی کی، یہ آسان کام نہیں تھا، جب کہ مقامی حکام نے اس کی مخالفت کی تھی، لیکن ان کے قدم متزلزل نہیں ہوئے، ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ سارے جوکھم حضرت مولانا محمد سجادؒ کی ہدایات پر مول لئے تھے، مولاناؒ کی حسن تربیت کے نتیجے میں بیرسٹر یونس صاحب نظم وضبط کے فولاد ثابت ہوئے، اوراپنی معاملہ فہمی اور تدبر کا ریکارڈ قائم کیا، جس کی تعریف لندن پارلیامنٹ میں وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ نے بھی کی، خود اورنگ آباد کے ہندو مسلمانوں نے ان کی حسن خدمت پر ایک مشترکہ بیان جاری کیا، جس پر وہاں کے تمام ممتاز اور معروف لوگوں نے دستخط کئے، اس بیان کا مضمون یہ تھا:

ہندو مسلمانوں کا مشترکہ نذرانۂ تشکر

''ہم لوگ اورنگ آباد کے تمام باشندے (ہندو مسلمان) جناب وزیر اعظم بہار (مسٹر محمد یونس) کے بے حد ممنون ہیں، اورانتہائی مسرت اور خلوص دل کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں، کہ جن دووجہوں کی بنا پر اورنگ آباد کی فضا مکدر تھی، اورجس سے آئندہ فساد کا اندیشہ تھا ان کا خاتمہ ہوگیا۔

(۱) چھ سات ماہ سے اندیشۂ فساد کے سبب کالی مورتی کا بھسان نہیں ہوا تھا۔

(۲) چند بے گناہ مسلمان جیل میں تھے، الحمدللہ کہ آپ نے بحسن وخوبی دونوں سبب دور کردیئے کئی ہزار ہندوؤں کے مجمع نے مورتی اٹھائی اور جلوس نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ بھسان کی رسم ادا کی اور مسلمان ماخوذین بلا شرط رہا کردیئے گئے، اب فضا بالکل صاف ہے، اوراورنگ آباد کے ہندو اور مسلمان بھائی ہیں، اورآپ کی ترقیٔ اقبال اور درازیٔ عمر کے لئے دعا گو ہیں''

دستخط کنندگان

☆ رائے صاحب لکشمی ☆ وکیل حکیم محمد فاضل خان ☆ رامانند پرشاد ☆ کدار ناتھ ☆ خلیل الرحمٰن وکیل ☆ ابونصر خان ☆ شاہ علی خان ☆ رامیشور پرشاد وکیل ☆ بابو مادھو پرشاد

وکیل ☆ سید حسن خان جعفری ☆ غلام رسول خان خان (مالک خاکسار موٹر سروس) ☆ محمد محی الدین فاضل ☆ محمد عبدالودود وکیل ☆ سید شاہ غیاث الدین ☆ انرنرائن سنگھ وکیل ☆ سید وسیم الحق ☆ منشی روصان علی ☆ کامیشور پرشاد ☆ شیو پرشاد میٹن وکیل ☆ عبدالغفور خان ☆ فیاض الدین خان زمیندار ☆ سیتارام سنہا وکیل ☆ غلام رسول خان (ممبر یونین) ☆ محمد ایوب عثمان ☆ حمید اللہ خان ☆ غلام مخدوم عبدالحی (تاجر) ☆ منشی دوست محمد۔

پھر اورنگ آباد کے ہندو مسلمانوں نے مل کر وزیر اعظم صاحب کو اپنے یہاں دعوتیں دیں، جس میں وزیر اعظم صاحب نے بطور خاص شرکت کی۔[1]

اس واقعہ سے جہاں حضرت مولانا سجادؒ کی مثالی اور پر امن حکومت کا نقشہ ذہن میں گھوم جاتا ہے وہیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اگر نیک دل اور صاحب عزم ہو تو ملک میں بدامنی وفساد کی جڑیں کبھی نہیں پنپ سکتی ہیں۔

لوکل باڈیز کی واپسی

عوامی نمائندہ حکومت کا منشا یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حکومت خود اختیاری کی تعلیم دی جائے، اور اسی تعلیم اور تجربہ کے لئے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹیوں کا وجود تمام شہروں میں ہوتا ہے، جناب محمد یونس صاحب نے زمام حکومت سنبھالتے ہی وہ لوکل باڈیز جنہیں گذشتہ انگریزی حکومت نے بحق سرکار ضبط کر لیا تھا، ان کا انتظام و انصرام پھر عوام کے نمائندوں کے سپرد ہونے کا اعلان کر دیا، اور جن مقامات کی میونسپلٹیاں ضبط تھیں وہ آزاد کر دی گئیں، چنانچہ ان میں سے تمام میونسپلٹیوں کے عام انتخابات ہوئے اور عوام کے نمائندے ان میونسپلٹیوں میں منتخب ہو کر آئے اور وہ میونسپلٹیوں کو عوام کے نمائندہ کی حیثیت سے چلانے لگے۔

جن مقامات کی میونسپلٹیاں آزاد کی گئیں تھیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) گیا میونسپلٹی — (۲) باڑھ میونسپلٹی
(۳) بھاگلپور میونسپلٹی — (۴) دیوگھر میونسپلٹی
(۵) مادھوپور میونسپلٹی — (۶) بھاگلپور ڈسٹرکٹ بورڈ[2]

۱– صوبہ بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ص ۱۵ تا ۱۸ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔
۲– صوبہ بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس ص ۱۸ مرتبہ جناب اصغر امام فلسفی۔

مسلم انڈیپنڈنٹ حکومت کی بعض تاریخ ساز خدمات

اس طرح حضرت مولانا سجادؒ نے سقوط اسلامی ہند کے بعد پہلی مرتبہ ایک ایسے نظام حکومت کی شروعات کی جس کی بنیاد امن وانصاف اور آپسی بھائی چارہ پر تھی، پھر ایک عرصہ سے نڈھال صوبۂ بہار نے کروٹ لی اور امن وامان اور پیداواری ترقی کی طرف اس نے سفر شروع کیا، اس حکومت میں بہت سی تاریخ ساز خدمات انجام دی گئیں، کم وقت میں بہت زیادہ کام کئے گئے، کئی اہم قوانین منظور کئے گئے جن کی اہمیت بالخصوص مسلمانوں اور کسانوں کے نقطۂ نظر سے بہت زیادہ تھی، مثلاً:

سرکاری دفاتر میں اردو زبان کا اجراء

(۱) سرکاری دفاتر میں اردو زبان جاری گئی، عدالتوں میں اردو رسم الخط کے استعمال کے متعلق حسب ذیل سرکاری اعلان اس وزارت نے جاری کیا۔

''کافی غور وخوض کے بعد وزارت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ اردو تحریر کے استعمال کی اجازت پٹنہ کمشنری سے باہر بھی کیوں نہ دی جائے۔اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یہاں جون 1937 سے تمام عدالتوں اور دفتروں میں اردو تحریر مستقل بنیاد پر جاری کر دی جائے۔''

حکومت کے اس فیصلہ پر دیگر لوگوں کے ساتھ قاضی عبدالودود بیرسٹر نے بھی مبارک باد پیش کی۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''پہلی خدمت سرکاری دفاتر میں اردو زبان کا اجراء ہے، جاننے والے جانتے ہیں، کہ اس میں مولاناؒ کی کن کن کوششوں کو دخل ہے، بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے، کہ اگر مولانا مرحوم اس کے لئے کوشاں نہ ہوتے تو آج بھی یہاں اردو کے ساتھ اچھوت ہی جیسا سلوک ہوتا۔''[۱]

کسانوں کے لگان میں تخفیف

(۲) حضرت مولانا رحمانیؒ لکھتے ہیں:

''پارٹی کی دوسری اہم ترین خدمت جس سے صوبہ کے تمام کسان آج تک مستفید ہو رہے ہیں، وہ دفعہ ۱۱۲ کی ترمیم ہے، جس سے کسانوں کو کئی طرح سے تخفیف لگان کا فائدہ پہنچا آج کانگریسی

۱- حیات سجاد مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب ص ۲۷ او مضمون حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب ص ۱۴۳۔ و مضمون حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ص ۱۵۲ ☆ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۶ تقی رحیم۔

حضرات کسانوں کی بھلائی اور فلاح و بہبود کا دم بھرتے پھرتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ کارنامہ ہے انڈی پینڈنٹ پارٹی کا اور یہ سب کچھ مولانا مرحوم ہی کے اشارہ پر ہوا تھا۔"[۱]

سرکاری عمارتوں کی تعمیر

(۳) فنڈ کی کمی کے باوجود اس حکومت نے بہار قانون ساز اسمبلی، بہار قانون ساز کونسل اور پٹنہ سول کورٹ (عدالت) کی عالی شان عمارتیں تعمیر کرائیں ان عمارتوں پر آج بھی ۱۹۳۷ء نمایاں طور پر لکھا ہوا ہے[۲] وغیرہ۔

یونس حکومت کا استعفا اور کانگریس حکومت کا قیام

لیکن یہ شاندار اور تاریخ ساز حکومت بہت زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی، خود کانگریس کا رویہ اس باب میں کافی منفی اور مایوس کن رہا، کانگریس نے حلف برداری کے پہلے سے ہی یکم اپریل کو ہڑتال کا اعلان کیا ہوا تھا، لیکن مسٹر یونس کے وزارت بنا لینے پر ان میں اور بھی جوش وخروش پیدا ہو گیا، چنانچہ عین حلف برداری کے دن (یکم اپریل کو) پورے بہار میں جلسے ہوئے، اور جلوس نکالے گئے، پٹنہ میں اس دن کانگریسیوں نے دو عام جلسے کئے، ایک پٹنہ سیٹی میں اور دوسرا بانکی پور میں، رات سے ہی مظاہرے شروع ہو گئے تھے، سوشلسٹ پارٹی نے مسٹر یونس کی کوٹھی کے سامنے جا کر مظاہرہ کرنے کے لئے دو جلوس منظم کئے جنہیں راستے ہی میں روک دیا گیا ان کے کئی (۱۳) رہنما (جن میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی)[۳] گرفتار کر لئے گئے لیکن ان کے خلاف مقدمات واپس لے لئے گئے البتہ چند کو تین تین ماہ قید کی سزا دی گئی۔[۴]

دوسری طرف گورنروں کے خصوصی اختیارات کے مسئلہ پر گورنر جنرل کے ساتھ گاندھی جی کا سمجھوتہ ہو گیا، اور کانگریس ورکنگ کمیٹی نے وزارتوں کی تشکیل کی اجازت دے دی، اس کے بعد یونس حکومت کے لئے استعفا کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا، ۷ رجولائی ۱۹۳۷ء (۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶

۱- حیات سجاد مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب ص ۲۷ او مضمون حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب ص ۱۴۳۔ ومضمون حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ص ۱۵۲۔

۲- مسٹر محمد یونس بار ایٹ لا- ایک تعارف از کامریڈ تقی رحیم ص ۱۴۔

۳- مثلاً: بابو سیاش نرائن، بساون سنگھ، رام برکچھ بینی پوری، سید شاہ محمد حبیب پھلواروی، انیس الرحمٰن داناپور، عبدالباقی آزاد پریس پٹنہ، کامتا پرشاد بھتور پوکھر پٹنہ اور منظور احسن محلہ قلعہ پر بہار شریف، پروفیسر عبدالباری وغیرہ (تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۵ تقی رحیم بحوالہ فریڈم موومنٹ ان بہار ج ۲ ص ۲۸۹ از ڈاکٹر دتہ)

۴- تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۵ تقی رحیم بحوالہ فریڈم موومنٹ ان بہار ج ۲ ص ۲۸۹ از ڈاکٹر دتہ)۔

ھ) کو وزیر اعظم جناب یونس صاحب نے حکومت سے استعفا دے دیا، لیکن گورنر کی درخواست پر ۱۹؍جولائی ۱۹۳۷ء مطابق ۱۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ تک حکومت کا کام سنبھالے رہے اس طرح مسٹر یونس کی حکومت (یکم اپریل ۱۹۳۷ء تا ۱۹؍جولائی ۱۹۳۷ء) کل ایک سو دس دن چل سکی یعنی قریب چار ماہ، اس کے بعد بہار حکومت کی کمان کانگریس پارٹی کے پاس منتقل ہوگئی، کانگریس کے پارٹی لیڈر بابو سری کرشن سنہا نے ۲۰؍جولائی ۱۹۳۷ء کو وزیر اعظم کا حلف لیا، اور اسی دن ان کے ساتھ ہی انوگرہ بابو، ڈاکٹر سید محمود اور جگ لال چودھری نے بھی ان کی کابینہ کے وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھایا، رام دیالو سنگھ اسمبلی اسپیکر اور پروفیسر عبدالباری ڈپٹی اسپیکر، مولوی سعید الحق پارلیمنٹری سکریٹری، اور سر سلطان احمد کے استعفا کے بعد بابو بلدیو سہائے ایڈوکیٹ جنرل بنائے گئے۔[۱]

کانگریس کا مایوس کن رویہ

کانگریسی حکومت نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی سیاسی سرگرمیوں پر روک لگانے والے پہلے احکام واپس لے لئے، بہار سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند لوگوں کو جن کی تعداد ۷۲ تھی فوراً رہا کر دیا گیا، ۹۲ ضبط شدہ کتابوں پر سے پابندی اٹھالی گئی، اخبارات اور اداروں پر عائد پابندی بھی ہٹالی گئی، اس کے ساتھ ہی لوکل باڈیز اور سرکاری اداروں کی عمارتوں پر قومی جھنڈا (کانگریسی جھنڈا) لہرانے پر جو روک تھی، اسے بھی ختم کر دیا گیا، جس کو لے کر مسلم حلقوں کی طرف سے بڑے اعتراضات ہوئے اور بڑی ناگوار صورت حال پیدا ہوگئی۔[۲]

کانگریس نے اپنے عہد حکومت میں مسلسل ایسا رویہ اختیار کیا، جس سے عام مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے، بالخصوص بہار کے مسلمانوں نے کانگریس کے لئے جو قربانیاں پیش کی تھیں، اور ان کو کانگریس سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہ ہوسکیں، مسلمانوں نے ابتدا سے ہی کانگریس کی حمایت کی تھی، بہار میں کانگریس تنظیم کی بنیاد ہی مسلمانوں نے کھڑی کی، بہار کو بنگال سے الگ کر کے ایک نئے صوبہ کی تعمیر و تشکیل میں بھی مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا، ہوم رول، تحریک خلافت اور عدم تعاون سے صداقت آشرم کی تعمیر تک ہر مرحلہ میں مسلمانوں نے کانگریس کی قیادت کی، وغیرہ،[۳] اس لئے ان کا حق کسی طرح بھی ہندوؤں سے کم نہیں تھا، اسی لئے مولانا آزادؒ

۱۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۶۔ البتہ تقی رحیم صاحب نے انڈی پنڈنٹ پارٹی کی مدت حکومت ایک سو بیس (۱۲۰) دن لکھی ہے جو غالباً سہو قلم ہے، یکم اپریل سے ۱۹ جولائی تک کی مدت ایک سو دس دن ہوتی ہے۔

۲۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۲۶ تقی رحیم صاحب

۳۔ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۴ تقی رحیم صاحب

بھی چاہتے تھے کہ کانگریس اپنے قومی کردار کو اجاگر کرنے کے لئے بمبئی کا وزیر اعظم مسٹر نریمان کو (جو ایک پارسی تھے) اور بہار کا وزیر اعظم ڈاکٹر سید محمود صاحب کو بنائے ، بہار میں ڈاکٹر راجندر بابو کو چھوڑ کر کوئی اس درجہ کا قدآور لیڈر بھی نہیں تھا، ڈاکٹر صاحب بھی اپنے کو اس کا حقدار سمجھتے تھے، لیکن خود مولانا آزاد کے بقول سردار ولبھ بھائی پٹیل اور ڈاکٹر راجند پرشاد نے اس مسئلہ کو فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے دیکھا اور ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ اس سلسلے میں مولاناؒ کو پنڈت نہرو سے بہت امیدیں تھیں، لیکن اس مسئلہ پر ان سے بھی ناامیدی ہوئی [۱]، اور آخر بہار میں ڈاکٹر سید محمود صاحب کی جگہ بابو سری کرشن کو پارٹی لیڈر اور پھر وزیر اعظم بنایا گیا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب اس سے اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ وہ بحیثیت ممبر کابینہ میں شرکت کے لئے ہرگز رضامند نہ تھے، لیکن جواہر لال نہرو کے دباؤ میں شامل ہوگئے۔ [۲]

سر سلطان احمد کی جگہ پر بابو بلدیو سہائے کو ایڈوکیٹ جنرل بنانے کا فیصلہ بھی اسی ذہنیت پر مبنی تھا اور یہی سوچ ملک میں مسلم لیگ کے عروج اور پھر ملک کی تقسیم کا سبب بنی۔ [۳]

کانگریسی حکومت میں شمولیت سے انڈی پنڈنٹ پارٹی کا انکار

کانگریس نے حکومت سنبھالنے کے بعد مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو حکومت میں شامل کرنے کی کوشش کی، اور غالباً ایک وزیر اور دو پارلیمنٹری سکریٹریوں کی بھی پیشکش کی گئی تھی، لیکن کانگریس کے سابقہ رویہ سے مسلمان بہت رنجیدہ تھے علاوہ اور بھی کئی مصالح تھے جن کی بنا پر حضرت مولانا سجادؒ نے شرکت کو قبول نہیں فرمایا۔ [۴]

لیکن اقتدار میں شامل نہ ہونے کے باوجود بھی مولاناؒ اور ان کی پارٹی کا ممکنہ تعاون کانگریسی حکومت کو حاصل رہا اور مولانا نے ملک وملت کے مفاد میں بہت سے اہم فیصلے اس حکومت کے ذریعہ بھی کرائے۔ لیکن خود کانگریس کا رویہ درست نہیں تھا، جس سے ملک کی سیاسی صورت حال پر منفی اثرات پڑے۔

جناب تقی رحیم مرحوم، سی پی آئی (ایم ایل) کے سابق ممتاز رہنما اپنی کتاب 'تحریک آزادی

۱-تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۳ تقی رحیم صاحب بحوالہ انڈیا ونس فریڈم از مولانا ابوالکلام آزاد (مکمل تیس صفحات کے اضافہ کے ساتھ) ص ۱۶ تا ۱۸۔

۲-تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۳ تقی رحیم صاحب بحوالہ ''اپنی کہانی'' از ڈاکٹر راجندر پرشاد ص ۸۱۵۔

۳-تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ ص ۳۳۳ تقی رحیم صاحب

۴-حیات سجاد ص ۱۴۳ مضمون مولانا محمد عثمان غنی صاحب۔

میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ' میں مسلم انڈی پنڈنٹ کی وزارت سے علاحدگی کے بعد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''انڈی پنڈنٹ پارٹی کے اپوزیشن بنچ پر بیٹھنے کا اچھا اثر بہار کی عوامی زندگی پر نہیں پڑا، کیونکہ مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والی سب سے بڑی پارٹی ہونے کی حیثیت سے ہندو اور مسلمان دونوں اس کی پارلیمانی سرگرمیوں اور عام سیاسی کاروائیوں کو اپنے اپنے ڈھنگ سے فرقہ وارانہ رنگ میں دیکھنے لگے، مسلمان اپنی اس سب سے بڑی پارٹی کو جس کے رہنما جنگ آزادی میں کانگریس کے حلیف بلکہ برابر کا شریک تھے، اقتدار سے محروم دیکھ کر بے یقینی اور احساس کمتری کا شکار ہو گئے، جب کہ کانگریس کے عام کارکن خود کو حکمرانوں کی برادری کا اور دوسروں کو غیر برادری کا فرد سمجھنے لگے، یہاں تک کہ کانگریسی خیال کے جو مسلمان رہنما مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے، انہیں بھی کانگریس اور کانگریسی حکومت کا مخالف سمجھ لیا گیا، اور سرکاری حلقوں میں ان کا اثر کم ہو گیا، جس کا اتنا ناخوشگوار اثر ان کے دل و دماغ پر پڑا کہ قوم پرستی کی اپنی پرانی سیاست پر سے ان کا یقین ہی اٹھ گیا، بہار کی عوامی اور سیاسی زندگی پر مسلمانوں کا دبدبہ اور اثر جو کانگریس کے ابتدائی دور سے چلا آ رہا تھا، اسے اکھڑتا دیکھ کر عام مسلمان انتہائی اضطراب اور ہیجان میں مبتلا ہو گئے، اور اپنی روایتی سیاست سے بے یقین ہو کر نیا سیاسی سہارا ڈھونڈنے لگے، جس کی وجہ سے مسلم لیگ کو پنپنے اور اپنی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع خود بخود فراہم ہو گیا۔''[1]

اس طرح کانگریس کے منفی اور غیر روایتی سلوک نے بالواسطہ طور پر مسلم انڈی پنڈنٹ کو کمزور اور مسلم لیگ کو مضبوط کرنے کا کام کیا۔

١- حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات ص ٢٦٣، ٢٦٤ مضمون بحوالہ تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ۔

فصل پنجم

حضرت مولانا سجادؒ کی سیاسی خصوصیات وامتیازات

حضرت مولانا سجادؒ کی سیاسی شخصیت کے عناصر ترکیبی اور بنیادی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ رقمطراز ہیں:

جماعتی تنگ نظری سے بالاتر سیاست

''مجھے حضرت مرحوم کی جس خصوصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ یہ ہے کہ'پارٹی فیلنگ' اور 'جماعتی مسلک' سے بالاتر ہوکر وہ ہر مسئلہ پر غور کرتے تھے، پہلے کوئی رائے قائم کرکے یا کسی جماعت کے فیصلہ کو سامنے رکھ کر خواہ مخواہ اس کی تائید میں مواد فراہم کرنے کے وہ عادی نہ تھے، بلکہ پہلے ملی ضروریات اور واقعات وحالات پر غور کرتے اور تہ میں ڈوب کر غور کرتے تھے اور پھر جس نتیجہ پر پہنچتے اسی کو 'مسلک' بناتے اور اپنے رفقاء سے منوانے کی کوشش کرتے تھے۔''[1]

سیاسی دوربینی اور واقعات کی روح تک رسائی

☆ آپ کی سیاست کا دوسرا بڑا امتیاز دوربینی اور صحیح حقائق کی دریافت تھی۔ مولانا منظور نعمانی صاحبؒ ہی لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے سیاسی مسائل میں بھی بس'اسلام'اور'مسلمانوں' کی مذہبی ضروریات ہی آپ کی غور وفکر کا مرکز اور محور تھے آپ کے قلم سے نکلی چند متفرق چیزیں اب بھی لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں، مثلاً جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس منعقدہ مرادآباد ۱۹۲۵ء کا خطبہ صدارت، مسلم انڈی پنڈنٹ کانفرنس کا خطبہ صدارت، کچھ نقیب میں شائع شدہ متفرق مقالات، نظارت امور شرعیہ کی مختصر اسکیم اور مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی وہ مفصل تجویز جو مسلم آزاد کانفرنس کے اجلاس دہلی منعقدہ مارچ ۱۹۴۰ء کے لئے مولانا مرحوم ہی نے مرتب کی تھی، ان ہی چیزوں سے سیاسی دوربینی اور ہندوستانی مسلمانوں کے اصل مسئلہ کی گرفت اور اس کے ممکن العمل اور متوقع الحصول صحیح حل کے دریافت میں دوسرے حضرات پر آپ کی سابقیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔''[2]

۱- محاسن سجاد ص ۵۷، ۵۸ مضمون مولانا منظور نعمانیؒ۔

۲- محاسن سجاد ص ۵۷، ۵۸ مضمون مولانا منظور نعمانیؒ۔

مضبوط منصوبہ بندی اور راسخ عزم وہمت

☆ مولانا کا تیسرا سیاسی امتیاز ان کی حکمت عملی، مضبوط منصوبہ بندی، اور راسخ عزم وہمت ہے ،اس کا اعتراف آپ کے سیاسی ناقد جناب راغب احسن صاحب کی زبان سے سنئے:

”مولانا مرحوم جس بات کا عزم کر لیتے تھے اور جو بات ان کے ذہن میں جم جاتی تھی۔ اس کے لئے اپنے غیر معمولی دماغ اور جسم کی ساری قوتوں کے ساتھ وقف ہوجاتے تھے اور جی جان سے اس کے پیچھے پڑ جاتے اور ہر طریقہ سے اس کو کامیاب کرنے کے لئے ممکن سے ممکن تدبیر سے دریغ نہیں کرتے تھے، وہ اپنے مخالفین کے کیمپ میں پھوٹ ڈالنے اور ان کی قوتوں کو پاش پاش کر دینے کی ہر ممکن صورت اختیار کرتے تھے۔ مولانا کبھی شکست قبول نہیں کرتے تھے اور کبھی شکست کو معاف بھی نہیں کرتے تھے، وہ کبھی نہ تھکنے والے کارکن تھے اور باوجود لیڈر ہونے کے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے معمولی سے معمولی اور حقیر سے حقیر کام کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے، وہ ایک بڑے کام کا نقشہ بہت سنجیدگی اور غور وفکر کے بعد بناتے تھے اور اس کو عمل میں لانے کے لئے بہت دور سے آتے تھے اور بہت طویل اور وسیع تیاری کے ساتھ تدبیریں کرتے تھے، وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے تھے اور خواہ حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں اور سامان اور معاون کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں اور ان کو کتنی ہی بار ناکامی کیوں نہ ہوتی ہو، وہ بڑے بڑے کام کا عزم کرتے، اس کے لئے نقشہ بناتے اور اس کو پورا کرنے کے لئے ہر چیز کی بازی لگا دیتے تھے۔ مولانا بلا کے لڑنے والے، مستقل مزاج، ثابت قدم جنگجو سپاہی تھے، وہ دشمن کو زیر کرنے کے لئے کسی تدبیر، کسی طریقہ اور کسی ذریعہ کو ترک نہیں کرتے تھے۔“[۱]

وسیع علم اور جدید وقدیم فنون جنگ سے واقفیت

☆ حضرت مولاناؒ کے سیاسی امتیازات کا چوتھا بڑا عنصر آپ کا وسیع علم اور جدید وقدیم فنون حرب میں آپ کی مہارت تھی، جن کے ذریعہ آپ اپنے بڑے سے بڑے حریف کو مات دے سکتے تھے ،جناب راغب احسن صاحب ہی نے لکھا ہے:

”—— ان کا دماغ لامحدود تدابیر کا محدود خزانہ اور حکمت عملیوں کا کارخانہ تھا۔ یہی باعث تھا کہ مولاناؒ مغربی پروپیگنڈا کے فن میں اپنے بہت سے حریفوں سے زیادہ ماہر ثابت ہوئے تھے——

مولانا سجادؒ ہندوستان کے طبقۂ علماء میں واحد شخص تھے جس نے ملکی دستور وقانون، مجالس آئین ساز، نیابتی اور انتخابی ادارات اور جمہوریت مغرب کے مسائل کا عملی مطالعہ کیا تھا اور

۱- محاسن سجادص ۹۵ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

جنہوں نے ان کو اپنے آئیڈیل اور مقصد اصلی کو حاصل کرنے کے لئے بطور آلہ کار استعمال کرنے کی کوشش کی۔''[۱]

بے نظیر انتظامی و تعمیری صلاحیت

حضرت مولاناؒ کا ایک بڑا امتیاز یہ بھی تھا کہ وہ بے نظیر انتظامی صلاحیت کے مالک تھے، وہ نئے حالات میں نئی تعمیر کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، اور اس باب میں پورے ملک میں ان کو انفرادیت حاصل تھی، جناب راغب احسن صاحب نے مولانا عبدالرؤف دانا پوری صاحب اصح السیر وصدر مجلس استقبالیہ اجلاس جمعیۃ علماء گیا کے یہ قیمتی الفاظ نقل کئے ہیں:

''مولانا سجادؒ نے مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیمی اور سیاسی کاروائی کا جو ثبوت دیا ہے وہ اس درجہ بلند ہے کہ سوارج ملنے کے بعد مولانا کو ہندوستان کا گورنر اور گورنر جنرل بنانا موزوں ہوگا کیونکہ وہ ایک نئے ہندوستان کے نئے خیالات واصول کے مطابق تعمیر کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔''[۲]

صدق وخلوص پر مبنی اور تصنع سے پاک سیاست

مولاناؒ کا ایک بڑا امتیاز یہ تھا کہ ان کا عمل صدق وخلوص پر مبنی اور سیاسی تصنعات سے پاک ہوتا تھا، وہ ایک انتھک محنت کرنے والے سپاہی تھے، وہ اپنے ساتھیوں سے کام لینا جانتے تھے اور ان پر پورا اعتماد کرتے تھے، یہ وہ وصف ہے جس سے اُس دور میں بھی اکثر سیاسی لیڈران خالی تھے، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں:

''اس عزیمت کے ساتھ وہ انتھک کام کرنے والے تھے، میں نے ان کو کبھی خالی الذہن یا غیر مشغول نہیں پایا، وہ سوچتے یا کام کرتے، سستاتے کبھی نہیں تھے، وہ ایک ایسی دریا کے مانند تھے جس میں تموج وطغیانی کی سرجوشی تو نہ ہو لیکن روانی کا پورا جوش وخروش موجود ہو جو بغیر دم لئے ہر آن و ہر لمحہ چٹانوں سے ٹکراتا، پتھروں سے لڑتا، جھاڑیوں سے الجھتا، رواں دواں۔ ان کے پبلک اشغال نہ فیشن کے طور پر تھے نہ حصول سروری وسعادت کی طمع میں، وہ جس مسئلہ کو اٹھاتے وہ زندگی اور موت کا سوال بن کر ان سے چمٹ جاتا، اس لئے وہ کسی کام کو بے دلی (Dishearteadly) کے ساتھ کر کے اپنے نفس کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے، بلکہ مجبور تھے کہ اس کے لئے اپنے فکر وعمل کی تمام قوتیں میدان میں ڈال دیں، سوتے جاگتے بس وہی مسئلہ ان کے سامنے ہوتا اور ان کی

۱- محاسن سجاد ص ۹۵ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۲- محاسن سجاد ص ۱۰۴ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

ساری راحت وطمانیت اس کے انہماک کے اندر سمٹ آتی، وہ اپنے پبلک اشغال سے تھک کر نہ تو کوئی امن کا گوشہ تلاش کرتے، نہ دوسری غیر پبلک دلچسپیوں کو ان کے ساتھ شریک کر کے ان کی حرمت کو بٹہ لگاتے، اس اعتبار سے ان کا مزاج ایک سیاسی لیڈر سے بالکل مختلف تھا، ان کی دُھن میں عاشق کی دُھن کی شان تھی۔ اور چونکہ وہ ایک زبرست عالم تھے اس لئے یقیناً یہ چیزیں انہوں نے پیغمبران عظام کے اسوۂ حسنہ سے اخذ کی تھیں، میں نے یہ چیز وقت کے بڑے سے بڑے لیڈروں میں بھی نہیں پائی۔

مولاناؒ کے اخلاق میں ایک عجیب چیز ان کی محبت بھی تھی، جو تصنع اور بناوٹ کے ہر شائبہ سے بالکل پاک تھی، اس محبت کا اظہار نہ تو وہ لفظوں سے کرتے نہ سیاسی لیڈروں اور مذہبی پیشواوں کی مصنوعی اداؤں سے، وہ سرتاپا عمل تھے، اس لئے ان کی محبت عملی تھی، میں جب کبھی ان سے ملا مجھے محسوس ہوا کہ ان کی محبت کے فیضان میں نہا گیا ہوں، حالانکہ وہ زبان سے تو کچھ کہتے نہیں تھے اور اگر کچھ کہتے تھے، تو میں نہ تو اس کے سننے کی کوشش کرتا نہ سمجھنے کی، وہ اپنے ساتھیوں پر پورا اعتماد کرتے تھے اور قابل طبیعتوں کے جوہر نمایاں کرنے کے لئے استاد کی طرح شفیق اور باپ کی طرح فیاض تھے۔"[1]

مولانا شاہ سید حسن آرزو لکھتے ہیں:

"مولانا سجادؒ وقت کو ضائع کرنا بدترین گناہ جانتے تھے، ان کا کوئی منٹ بھی کام سے خالی نہیں جاتا۔ کچھ نہیں تو دوسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے اخبار کے بنڈل ہی باندھ رہے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں، وہ راتوں کی نیند میں بھی صبح کے کاموں کا پروگرام ہی مرتب کرتے ہوں گے۔"[2]

سیاست کا مثبت مقاصد کے لئے استعمال — اسلامی سیاست کے لئے جدوجہد

☆ اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ سیاست کو مثبت مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے قائل تھے، وہ سیاست کو اسلام کا خادم تصور کرتے تھے، اور جس سیاست سے اسلامی کا زکو نقصان پہنچے ان کے نزدیک وہ ایک منفی اور قابل رد سیاست تھی، حکومت بہار کے سابق وزیر اور مولانا کے اہم سیاسی شریک کار ڈاکٹر سید محمد محمود صاحب رقمطراز ہیں:

"ہندوستان کا مستقبل ان کی آنکھوں کے سامنے روشن تھا، وہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے عادی نہیں تھے، دل کے ساتھ ان کا دماغ بھی روشن تھا، البانیہ، پولینڈ، یوگوسلاویہ کی مثالیں

۱- محاسن سجاد، ص ۴۹ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی۔

۲- حیات سجاد، ص ۹۱ مضمون مولانا سید شاہ حسن آرزوؒ

ان کے سامنے تھیں، وہ ڈرتے تھے کہ آگے چل کر یہ ملک بھی کہیں مسلمانوں کے لئے ایک بڑا راجپوتانہ نہ بن جائے، اس لئے وہ ہندوستان کی سب سے بڑی قومی سیاسی جماعت کا ساتھ دے کر اس سے اپنی انفرادیت منوانا چاہتے تھے، یہی ان کا مقصد تھا، اور اسی کے لئے وہ پچیس سال سے کچھ اوپر شب و روز سرگرم کار رہے، ۔وہ کسی مسئلہ پر انفرادی حیثیت سے غور نہیں کرتے تھے، ان کے سامنے ایک مرکب مجموع (Composite Wholf) ہوتا تھا۔''[1]

جناب محمد یونس صاحب سابق وزیر اعظم بہار لکھتے ہیں:

''ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ جانتے ہیں، کہ مولانا مرحوم نے سیاست میں حصہ لیا تو وہ بھی مذہب کے لئے، الیکشن میں حصہ لیا تو وہ بھی مذہب کے لئے، کانسل اور اسمبلی کے مباحثات میں حصہ لیا تو وہ بھی مذہب کے لئے، اور یہ سب باتیں ایسی ہیں، جو انڈی پنڈنٹ پارٹی کے منشور اور اس کے خطبۂ استقبالیہ وغیرہ کے واقف کار پر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہیں۔ان کی ہر حرکت وعمل، ان کی ہر فکر و تامل کا مرکزی نقطہ مذہب رہتا تھا، وہ جب کسی مجلس کے دستور و اصول یا تجویز و بیان یا درمیانی وسائط اور پروگرام پر گفتگو کرتے یا رائے زنی فرماتے تو ان کے سامنے اسلامی اصول رہتے تھے، اسلامی احکام رہتے تھے، اسلامی قوانین رہتے تھے، اسلامی مفاد رہتے تھے، مسلمانوں کی فلاح و بہتری رہتی تھی، چاہے وہ مجلس کانگریس ہو یا مسلم لیگ ہو، یا کوئی اور جماعت ہو، ان کے سامنے پارٹی بازی کی گندگی کبھی نہیں رہتی تھی، وہ پارٹی بازی کے ماتحت کسی مسئلہ کو نہ سوچتے تھے، نہ سوچنا چاہتے تھے، نہ پارٹی بازی کی اس ذہنیت کو وہ درست سمجھتے تھے، بلکہ وہ پارٹی ہی کو اسلامی اصول و احکام کے ماتحت سوچتے تھے، جو اسلامی مفاد کے مطابق اور اسلامی مفاد کے ہم آہنگ ہوتی تھی، اس کی ہم آہنگی میں ان کو کبھی باک نہیں ہوتا تھا، اور جو مجلسیں اپنی پارٹی کے اصول پر مجبور ہو کر ہر طرح کی غلط اور صحیح چیزوں کو اختیار کرتی تھیں، تو مولانا مرحوم اپنے نقطۂ نظر کی بنا پر صاف لفظوں میں غلط کو غلط کہہ دیتے تھے، اور صحیح کو صحیح فرما دیتے۔''[2]

مولاناؒ اسلامی سیاست پر کامل یقین رکھتے تھے، اور سیاست کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے قائل تھے اس ضمن میں علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا یہ اقتباس بہت اہم ہے:

''میرا سوال کہ مسلمانوں کو بادشاہی دلانے کے ساتھ اگر بادشاہوں کو مسلمان یا مسلمانوں کو تاجر بنانے کے ساتھ تاجروں کو مسلمان، یا مسلمانوں کو کاشتکار بنانے کے ساتھ کاشتکاروں کو مسلمان بنانے کی بھی کوشش کوئی طبقہ کرتا تو جو پہلی بات کا حاصل ہے وہی تو پچھلی بات کا نتیجہ ہے، اس سوال

---

[1] -محاسن سجاد ص ۷۳،۸۴ مضمون ڈاکٹر سید محمد محمود سابق وزیر تعلیم وزارت بہار

[2] -حیات سجاد ص ۸۹،۹۰ مضمون مسٹر محمد یونس صاحب۔

کے جواب میں میری اس مسئلہ کے ساتھ خاص دلچسپی کو پاکر مولانا اس راہ میں جو کچھ کرتے تھے اکثر اس کی رپورٹ سنا دیتے، فرماتے اخبار میں اس کی اشاعت مناسب نہیں، فتنہ کا اندیشہ ہے، مولانا مرحوم نے اس سلسلہ میں کیا کیا کیا، کیا کیا کرنا چاہتے تھے اس کی تفصیل تو ان کے رفقاء کار ہی جان سکتے ہیں، میں نے اس کا ذکر اس لئے بھی کر دیا کہ جس پر کفر نوازی کا الزام تھا، ان کو سنانا چاہتا ہوں، ایسے کفر شکنوں میں کفر نوازی کی گنجائش کیا نکل سکتی ہے، **مالکم کیف تحکمون**۔''[۱]

مولانا عثمان غنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا کو جن لوگوں نے سیاسی مجالس میں دیکھا ہے، خواہ وہ مجلس خالص مسلمانوں کی ہو، یا مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی مشترک ہو، جب موقعہ ہوا تو انہوں نے کسی نہ کسی اسلامی مقصد کو پیش کر دیا، اس مقصد کو پیش کرتے ہوئے کبھی وہ لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے، وہ فرقہ پرور اور تاریک خیال ملا کہے جانے سے نہیں ڈرتے تھے۔ اسمبلی اور کونسل میں جب بھی کوئی ایسا مسودۂ قانون آیا جس کا کوئی اثر کسی اسلامی معاملہ پر پڑتا ہو تو سب سے پہلے اس کی مخالفت فرماتے تھے۔

راقم الحروف کو خاص تاکید تھی کہ جب کوئی مسودۂ قانون یا کسی عدالت کا فیصلہ ایسا ہو جس کی زد کسی اسلامی قانون پر پڑتی ہے تو فوراً اس کی مخالفت میں مضامین لکھو اور جمعیۃ علماء ہند کو خط کے ذریعہ اطلاع دو۔''[۲]

حضرت مولاناؒ کے سیاسی مخالف جناب راغب احسن صاحب آپ کے اس وصف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا سجاد اسلامی سیاسیات، اسلام کے اصول شریعت و اصول قانون و دستور، اسلام کے اصول سلطنت و عدالت، اسلام کے اصول تعلقات بین الاقوامی اور اسلام کے نظام اقتصادیات و معاشیات کو تمام مغربی و مشرقی ناموں سے بہتر اور بالاتر مانتے تھے اور اپنے بیانات و تحریرات میں یہ واضح کر چکے تھے کہ وہ اس کو اپنا آئیڈیل یقین کرتے تھے اور ساری دنیا کے لئے اس کو رہنما مانتے تھے، وہ انگریز کے عطا کردہ اصلاحات اور مجالس آئین ساز کو ناقص قرار دیتے تھے۔''[۳]

قانون انفساخ نکاح

☆ مثال کے طور پر مولانا محمد عثمان غنی صاحب لکھتے ہیں:

۱- حیات سجاد مضمون علامہ مناظر احسن گیلانیؒ ص ۶۱۔
۲- حیات سجاد مضمون مولانا عثمان غنی ص ۱۳۹۔
۳- محاسن سجاد ص ۹۵ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

''نکاح، طلاق، تفریق زوجین اور فسخ نکاح وغیرہ کے معاملات میں عدالتوں سے غیر شرعی فیصلوں کا نفاذ ہوتا تھا، اور ان کے سبب سے مسلمان بڑی مصیبتوں اور عورتیں معصیتوں کے ساتھ مصیبتوں میں مبتلا رہتی تھیں، امارت شرعیہ کے دار القضاء سے جو فیصلے ہوتے، وہ شریعت کے مطابق ہوتے اور اس سے مسلمانوں کی معصیتوں اور مصیبتوں کا ازالہ ہوتا، لیکن اس کا فائدہ محدود ہوتا تھا، اور مصیبت عام تھی، جس کے ازالہ کی سعی ہر مسلمان پر فرض تھی، اور اس کے ذریعہ حضرت مولاناؒ بھی خود اپنے مضامین کے ذریعہ اسمبلی کے ارکان کو توجہ دلاتے تھے، اور کبھی راقم الحروف کو لکھنے کا حکم فرماتے تھے، چنانچہ اس طرح کے مضامین جریدۂ امارت اور نقیب میں برابر شائع ہوئے ہیں، لیکن جب کسی نے مفید مقصد مسودۂ قانون پیش نہیں کیا تو حضرت مولانا نے خود انفساخ نکاح مسلم کا مسودۂ قانون مرتب کر کے نقیب میں شائع کرایا، اور جمعیۃ علماء ہند کو توجہ دلائی، چنانچہ پھر جمعیۃ علماء ہند نے ایک مسودۂ قانون انفساخ نکاح مسلم مرتب کیا، اور ارکان اسمبلی کو پیش کرنے کی ہدایت کی، لیکن یہ مسودۂ قانون جب قانون بن کر منظور ہوا، تو اس میں ایسی ترمیم کر دی گئی تھی جس سے یہ قانون مسلمانوں کے لئے شرعاً غیر مفید ہو گیا۔

حضرت مولاناؒ کے حسب ہدایت میں نے اس کے خلاف مضامین لکھے، خود حضرت مولاناؒ نے جمعیۃ علماء ہند کو اس میں ترمیم کرانے کی طرف توجہ دلائی اور جمعیۃ علماء ہند نے اس قانون کی مذمت اور اس میں ترمیم کی تجویز پیش کی، اور بالآخر ایک ممبر نے پھر اس میں ترمیم کی تجویز مرکزی اسمبلی میں پیش کر دی۔۔۔ غرض حضرت مولاناؒ کا مقصد مجالس مقننہ کے انتخاب میں حصہ لینے سے غیر شرعی قوانین کی تنسیخ اور شرعی معاملات کی تنفیذ کی سعی تھی، اور اس سے انہوں نے کسی وقت بھی غفلت نہیں برتی۔''[1]

واردھا تعلیمی اسکیم کی مخالفت

☆ واردھا تعلیمی اسکیم کی جس قدر مولانا نے مخالفت فرمائی اور ان کی نگرانی میں امارت شرعیہ نے انجام دی وہ کسی نے نہیں کی، اس کی تفصیل امارت شرعیہ کی مطبوعہ رپورٹ میں موجود ہے، جو مولانا عثمان غنی صاحب نے مرتب کی تھی۔[2]

اس کی تھوڑی تفصیل شاہ محمد عثمانی صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''کہ انگریزوں نے ہندوستان میں سیکولر طرز کی تعلیم گاہیں قائم کیں جن میں مذہبی تعلیم نہیں ہوتی تھی، سرکاری ملازمتیں اسی طرز کے اسکولوں کالجوں اور یونیورسیٹیوں کے فارغین کو ملتی تھیں، علمائے دین نے ان سرکاری تعلیمی اداروں کے متوازی دینی تعلیم گاہیں قائم کیں، وسائل کی کمی

۱- حیات سجاد ص ۱۴۴ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔

۲- حیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔

کی وجہ سے انگریزی زبان اور سائنس وٹکنالوجی کو ان تعلیم گاہوں میں نہیں رکھا، یہ تعلیم گاہیں عام مسلمانوں کے چندوں سے چلتی رہیں، جن مسلمانوں کو دینی تعلیم کا شوق ہوتا وہ ان آزاد دینی مدارس میں تعلیم پاتے جن سے نکل کر ان کے لئے اپنے معاشی مسائل کا حل کرنا مشکل ہوجاتا اور جن کو مذہبی تعلیم کا شوق نہ ہوتا وہ ان سیکولر اسکولوں میں داخل ہوتے جن سے نکل کر ملازمتوں کے ذریعہ وہ اپنے معاشی مسائل حل کر لیتے، سائنس اور ٹکنالوجی کا رواج ان اسکولوں میں بھی بہت کم تھا، بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم بھی نہ دیتے اور ان کو اسکولوں میں داخل کر دیتے، میں نے ہائی اسکول کے ایسے مسلمان طلبہ کو دیکھا جو یہ بتا نہ سکے کہ قرآن کس کی کتاب ہے؟ اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے پیغمبر ہیں یا نہیں؟ جب مولانا سجادؒ کو ایسے واقعات معلوم ہوئے تو انہوں نے سوچا کہ اسکولوں میں لازمی ابتدائی تعلیم کا نظم ہونا چاہیے۔ کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں تو گاندھی جی نے ڈاکٹر ذاکر صاحب کی صدارت میں ابتدائی تعلیم کی اسکیم تیار کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی بنائی، اس نے جو رپورٹ دی اس کو واردھا اسکیم کہتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا سجادؒ نے مسلمانوں کے لئے لازمی بنیادی تعلیم کی آواز بلند کی، خود ڈاکٹر ذاکر صاحب کو اس پر انشراح نہ ہوا، لوگ یہ کہتے تھے کہ مذہبی اختلافات کی موجودگی میں بنیادی مذہبی تعلیم کا نصاب تیار کرنا مشکل ہے۔ ذاکر صاحب سرے سے اس کے خلاف تھے کہ مذہبی تعلیم حکومت کے ہاتھوں میں ہو، بلکہ وہ تو سب ہی طرح کی تعلیم کو حکومت کے اثر سے آزاد رکھنے کے حامی تھے۔ مولانا سجادؒ کہتے تھے کہ وہ ایسا نصاب تیار کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں جس سے مسلمانوں کے کسی فرقہ کو اختلاف نہیں ہوگا۔ باقی رہا مذہبی تعلیم کا حکومت کے ہاتھوں میں ہونا تو وہ بھی اس کو پسند نہیں کرتے ہیں، لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ مسلمانوں پر دنیاداری اس درجہ غالب ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم دیئے بغیر اسکولوں میں داخل کر دیتے ہیں، چنانچہ مولاناؒ نے ہتھیار نہیں رکھا اور انہوں نے سب سے پہلے اپنی جماعت جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ سے یہ مطالبہ منظور کرایا۔ اس کے بعد یہ مطالبہ گاندھی جی کے سامنے رکھا گیا، گاندھی جی کو اس سے اختلاف نہ تھا کہ مسلمان چاہتے ہیں تو ان کے بچوں کی مذہبی تعلیم کا نظم حکومت کرے، لیکن شاید ان کے سامنے مشکل یہ تھی کہ اگر ایسا ہوا تو ہندوؤں کی طرف سے بھی ایسا مطالبہ ہوگا اور اگر ان کا مطالبہ بھی منظور کیا گیا تو ملک میں توہمات کا زور ہوجائے گا۔''[1]

مولانا سجادؒ کی بعض سیاسی پیش گوئیاں — اور زندۂ جاوید نظریات

☆ اور ایک بڑی خصوصیت جو ان کو تمام معاصر سیاست دانوں پر امتیاز عطا کرتی ہے یہ تھی کہ ان کی سیاست ایک زندہ سیاست تھی، ان کے سیاسی افکار ونظریات کی حیاتیت ان کی وفات کے

۱- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

برسوں بعد بھی آج قائم ہے، دہائیاں گذر جانے کے بعد بھی ان کی معنویت اس قدر تر و تازہ ہے کہ آج کے حالات میں وہ سیاسی پیش گوئیاں معلوم ہوتی ہیں، وہ حالات و واقعات کو حال کی آنکھوں سے نہیں بلکہ مستقبل کی دوربیں نگاہوں سے دیکھتے تھے، معروف مؤرخ و مبصر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ مستعار لیتے ہوئے جوانہوں نے خود حضرت مولانا سجادؒ ہی کے لئے کہے تھے:

''وہ بدلتے ہوئے ہندوستان کو اپنی چشم بصیرت سے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس وقت چشم بصارت سے بھی نہیں دیکھ پا رہے ہیں۔ وہ اقبالؔ کی زبان میں اس وقت زبان حال سے گویا تھے:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی[1]

آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے آپ کے بعض سیاسی نظریات نقل فرمائے ہیں، جن کو ان کی سیاسی پیش گوئیاں بھی کہا جاسکتا ہے، اور جو ان کی بے نظیر سیاسی بصیرت کی آئینہ دار ہیں۔ اس کے کچھ نمونے یہاں پیش کئے جاتے ہیں مثلاً:

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ نے آپ کی ایک تقریر کے کچھ اقتباسات نقل فرمائے ہیں، جن میں آپ کے بعض سیاسی نظریات وتجربات کی تصویریں موجود ہیں، مفتی صاحبؒ تقریر کا پس منظر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اجلاس کے دن قریب آئے، تو حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ خود تشریف لے آئے اور مدرسہ میں قیام فرمایا۔ مولاناؒ کی آمد ہم طلبہ کے لئے بڑی نعمت تھی، اب مولاناؒ کو قریب سے دیکھا اور ان کی خدمت حصہ میں آئی۔ بہت سے خواص آپ سے ملنے آتے تھے، ہندوستان کی آزادی پر روشنی ڈالتے تھے، ہم طلبہ ان کی باتوں کو پورے غور سے سنتے تھے۔''[2]

انگریز نے منصوبہ بند طور پر بعض غیر مسلموں کو کھڑا کیا

(۱) ہندوستان کے غیر مسلموں کے لئے بھی سوال ہوا کرتے تھے۔ حضرت نائب امیر شریعتؒ بتاتے تھے کہ اس ملک پر ہم مسلمانوں کی حکمرانی تھی، انگریزوں نے اس ملک کو ہم سے چھینا ہے

۱- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۲۳ مرتبہ: حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب، مقدمہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ۔

۲- حضرت مولانا محمد سجاد- حیات وخدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

اور حکومت کے قدم جمانے کے لئے بہت سارے علماء کرام اور دوسرے ممتاز مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام کیا ہے، اس لئے ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ انگریزوں کو یہاں سے نکالیں اور ملک کو آزاد کرائیں، غیر مسلم بھائیوں کو بھی ہم نے اس جنگ آزادی میں شریک کیا، خلافت کی تحریک جس وقت یہاں عروج پر تھی، انگریزوں نے جانے کے لئے بوریا بستر باندھ لیا تھا وائسرائے ہند نے غیر مسلم لیڈروں کو بلا کر سمجھایا کہ ہم گئے اور مسلمان پھر حکمران بن گئے، تم غلام کے غلام ہی رہو گے، اس لئے تم مسلمانوں اور ہندوؤں میں تفریق پیدا کرو اور حکمراں بننے کی تیاری میں لگ جاؤ چنانچہ شدھی سنگھٹن کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور انگریزوں کے بندھے ہوئے بستر کھل گئے، اس طرح انگریزوں کو کچھ دن حکومت کا موقع مل گیا۔[1]

مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے فسادات ہونگے

(۲) مولانا مرحوم نے ایک مجلس میں یہ بھی بتایا کہ آزادی جب قریب آئے گی تو ہندو مسلم زبردست فساد ہوگا، تاکہ مسلمان ہندوؤں سے مرعوب اور خوف زدہ ہو جائیں، اگر اس وقت مسلمان منظم نہیں ہوئے تو پٹ جائیں گے۔[2]

چھوٹی چھوٹی مسلم آبادیاں ایک جگہ آباد ہو جائیں

(۳) یہی وجہ ہے کہ میں مسلمان زمین داروں سے کہتا ہوں کہ تم بکھرے ہوئے مسلمانوں کو یکجا کر لو اور چھوٹی چھوٹی مسلم آبادی کو اپنے یہاں بلا لو، اس طرح تمہاری بھی حفاظت ہو جائے گی اور ان غریب مسلمانوں کی بھی، مگر میری یہ باتیں کسی کی سمجھ میں ابھی نہیں آ رہی ہیں، مگر وقت آنے پر دیکھو گے کہ یہ پچھتائیں گے اور ان کا بہت بڑا جانی و مالی نقصان ہوگا۔

چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ۱۹۴۶ء میں ہندو مسلم سخت فساد برپا ہوا، چھپرہ شہر سے شروع ہوا اور پٹنہ ضلع کے دیہاتوں میں پھیل گیا اخبار نقیب کی رپورٹ کے مطابق فساد میں چالیس ہزار مسلمان شہید ہوئے اور سینکڑوں مسلمان بستیاں ویران ہو گئیں اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔[3]

---

۱ - حضرت مولانا محمد سجاد - حیات وخدمات ص۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

۲ - حضرت مولانا محمد سجاد - حیات وخدمات ص۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

۳ - حضرت مولانا محمد سجاد - حیات وخدمات ص۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

مولانا تیس سال آگے کا پلان بناتے تھے

(۴) اس سے ہم نے سمجھا کہ حضرت مولاناؒ بڑے دوراندیش اور معاملہ فہم تھے اور تیس سال بعد جو کچھ ہونے والا تھا اس کو پہلے سمجھتے تھے مولانا اپنی مجلس میں فرماتے تھے کہ انگریزوں کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے تیس سال پہلے سے اس کا پلان تیار کرتے ہیں اس لئے ہم لوگوں کو تیس سال آگے کے مسائل کو سامنے رکھ کر اقدام کرنا چاہئے۔ اس وقت مولاناؒ کی بہت ساری باتیں ذہن اور دماغ میں گونج رہی ہیں مگر اس وقت ان سب کا بیان مناسب نہیں ہوگا اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں افسوس یہ ہے کہ مولاناؒ کا آزادی سے بہت پہلے انتقال ہوگیا۔[1]

آزادی کے وقت اگر مولانا زندہ ہوتے

(۵) یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کی نظر ان تمام چیزوں پر تھی جو آئندہ آزاد ہندوستان میں ہونے والا تھا اور جن کو آپ اور ہم آزادی کے بعد کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اگر مولانا آزادی کے وقت زندہ ہوتے تو ان حالات کے لئے ضرور کوئی تدبیر سوچتے اور مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا نہ ہونے پاتا۔[2]

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کا بھی یہی احساس تھا، مولانا شاہ محمد عثمانی نقل فرماتے ہیں:

> ''مولانا حفظ الرحمٰن صاحب فرماتے تھے کہ افسوس آزادی سے بہت پہلے مولانا سجاد کا انتقال ہوگیا ورنہ وہ مسلمانوں کے مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیتے اگر پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا کوئی حل نہ نکالتے تو بہار کا مسئلہ ضرور حل کر لیتے، نہ صرف مولانا حفظ الرحمٰن بلکہ تمام علماء مولانا کی صلاحیتوں کے بے حد معترف تھے۔''[3]

کچھ انگریزی داں علماء پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں پہنچیں

(٦) حضرت مولاناؒ کی رائے تھی اور اس کی پرزور دعوت دیتے تھے کہ علماء کا ایک طبقہ ایسا ہونا چاہئے جو انگریزی وغیرہ سے واقف ہو اور وہ پارلیمانی سیاست میں حصہ لے اور پارلیامنٹ

---

۱ - حضرت مولانا محمد سجاد - حیات وخدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

۲ - حضرت مولانا محمد سجاد - حیات وخدمات ص ۳۸۱ تا ۳۹۰ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

۳ - ٹوٹے ہوئے تارے ص ۱۰۲ از شاہ محمد عثمانی۔

اور اسمبلیوں میں اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کرے، یہ کام غیر علماء سے نہیں ہوسکتا، اگر ایسا نہیں ہوا تو مسلمانوں کا سخت قومی نقصان ہوگا، حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ نے آپ کی ایک تقریر کا یہ اقتباس نقل کیا ہے کہ:

''مولاناؒ نے اس موقعہ پر یہ بھی فرمایا تھا کہ کچھ ذہین مولویوں کو انگریزی پڑھنا چاہئے، تاکہ اسمبلی اور پارلیامنٹ میں ان کو بھیجا جائے، جہاں قانون سازی ہوگی، اگر ایسا نہ ہوا تو مسلمان بڑے خسارے میں رہیں گے، انگریزی داں کی نظر نہ شرعی مسائل واحکام پر ہوتی ہے، اور نہ وہ اس راہ میں مضبوط ہوتے ہیں، وہ صحیح نمائندگی نہیں کرپاتے ہیں، وہ دنیاوی رو میں بہہ جاتے ہیں۔''[1]

مولاناؒ کے اس نظریہ کی صداقت ومعنویت آج واضح طور پر محسوس ہوتی ہے، پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس طرح آزادانہ قانون سازی ہورہی ہے، اگر انگریزی زبان وبیان سے آشنا، علوم جدیدہ سے واقف اور عصری سیاست کی سمجھ رکھنے والے علماء کی ایک جماعت وہاں موجود ہوتی تو اس فتنہ کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا، ۔۔مگر افسوس! حضرت مولانا سجادؒ نے آج سے تقریباً سو سال قبل جس خطرہ کی وارننگ دی تھی وہ آج ہمارے سامنے ہے، اب بھی ہمارے لئے موقعہ ہے کہ ہم آئندہ کی تیاری کریں ورنہ آنے والا وقت (الامان والحفیظ) اس سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔پھر تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ **الیس منکم رجل رشید**

سمجھوتہ کے بغیر کسی غیر مسلم پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنا مناسب نہیں

(۷) مولاناؒ کا ایک نظریہ بھی تھا کہ کسی غیر مسلم پارٹی کے ٹکٹ پر مکمل سمجھوتہ اور اطمینان کے بغیر مسلمان امیدوار کو الیکشن نہیں لڑنا چاہئے، ورنہ امیدوار عموماً اپنے قومی ومذہبی مسائل کے لئے پارٹی مفادات کے سامنے مجبور رہے گا، حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اپنا تجربہ لکھا ہے کہ:

''کانگریس کے قبول وزارت کے بعد ہم لوگوں کو مولاناؒ کے اس عقیدہ کی صحت کا کافی ثبوت ملا کہ مکمل سمجھوتہ کے بغیر مسلمانوں کو کانگریس ٹکٹ پر اسمبلی نہ جانا چاہئے۔''[2]

جداگانہ معاشرتوں کے لئے جداگانہ قوانین

(۸) مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱-حضرت مولانا محمد سجاد-حیات وخدمات ص ۳۸۴ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

۲-حیات سجاد ص ۱۷۲ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔

''مولاناؒ کا یہ بھی نظریہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کی دو جداگانہ معاشرتیں ہیں، اس لئے ان کی اصلاح بھی جداگانہ قوانین کے ذریعہ ہونی چاہئے، مولاناؒ اس بات کے لئے برابر کوشاں رہے کہ یہ اصول اسمبلی میں رواج پاجائے، مولاناؒ کا یہ بھی خیال تھا کہ اصولاً ایک فرقہ کے معاشرتی قانون میں دوسرے فرقہ کے رکن کو ووٹ دینے کا بھی حق نہ ہونا چاہئے۔''[۱]

ہندوستان کی آزادیٔ کامل کا نظریہ

(۹) حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ہندوستان کی آزادیٔ کامل کے اولین داعی ومحرک تھے، جس وقت دوسری جماعتیں ملک کی آزادی کے مطالبہ پر ابھی غور وخوض کررہی تھیں، مولاناؒ کا آزادیٔ کامل کا نظریہ طشت از بام ہوچکا تھا، مولاناؒ کانگریس کو دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں اسی لئے زیادہ عزیز رکھتے تھے کہ اس نے کھل کر حضرت مولانا سجادؒ کے نظریۂ آزادی کی حمایت کی تھی، حضرت سجادؒ کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی لکھتے ہیں:

''مولانا ہندستان کو مکمل طور پر آزاد دیکھنا چاہتے تھے، تحریک ''آزادی کامل'' کے محرک مولانا ہی تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ دوسری جماعتیں آزادی کامل کے مطالبہ پر غور کررہی تھیں۔''[۲]

گرفتاری کے لئے اپنے کو پیش کرنا مناسب نہیں

(۱۰) مولانا نے ملک کی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، سول نافرمانی کی تحریک میں بھی پیش پیش رہے، کبھی گرفتاریوں سے خوفزدہ نہیں ہوئے البتہ مولاناؒ کا نظریہ تھا کہ خود سے گرفتاری کے لئے اپنے کو پیش کرنا مناسب نہیں، لیکن اگر گرفتار کرلیا جائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، شاہ محمد عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''مولانا کہتے تھے کہ اپنے کو گرفتاری کے لئے پیش کردینا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔ حکومت کے خلاف کام کئے جاؤ، ڈرو نہیں، اگر گرفتار کرلیا جائے تو کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے اور جیل خانے سے نہیں ڈرنا چاہئے، ہندوستان کی آزادی اور انگریزوں کو نکالنے کے جذبہ سے مولاناؒ بھی اپنے ہم عصروں کی طرح سرشار تھے۔''[۳]

۱- محاسن سجاد ص ۱۷۲ تا ۱۷۵ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔
۲- حیات سجاد ص ۶ مرتبہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ
۳- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

یہ چند سیاسی نظریات تھے، اگر حضرت مولاناؒ کی تمام سیاسی تحریرات اور فائلوں کا مطالعہ کیا جائے تو کچھ اور چیزیں بھی مل سکتی ہیں۔

حضرت مولانا سجادؒ کے ناخن تدبیر نے کئی سیاسی گتھیاں سلجھائیں

☆ حضرت مولانا سجادؒ نے بحیثیت سیاستداں بہت سے ملکی اور ملی مسائل میں دلچسپی لی اور آپ کے ناخن تدبیر نے کئی پیچیدہ سیاسی گتھیوں کو سلجھایا، اس کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:
جناب مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب (جو سیاسی امور میں مولاناؒ کے شریک کار تھے) لکھتے ہیں:

حج کا قضیہ

(۱) جب حج کے متعلق قوانین نافذ ہونے لگے اور وائسرائے کی حکومت نے حج بل کے مسودات پیش کئے، حاجیوں کی واپسی، ٹکٹ، جہازوں کے تعین، حاجیوں کی خوراک معلّمین کے لائسنس وغیرہ کے مسائل زیر بحث آ گئے اور در پردہ سیاسی قضیے پیدا ہو گئے۔ یہ باب مولاناؒ کی زندگی کا ایسا اہم ہے کہ مولاناؒ کا سیرت نگار ابھی برسوں غور کرے گا کہ واقعات کی گتھیوں کو کیوں کر سلجھائے — یہی وہ عہد ہے جب کہ مولاناؒ ہندوستان کی بعض عظیم مسلم شخصیتوں سے مقابل ہوئے اور محافظت اسلام کے لئے آپ نے اعلائے کلمۂ حق میں بے باکانہ جرأت سے کام لیا۔ مولاناؒ نے امیر شکیب ارسلان کی کتاب 'حاضر العالم الاسلامی'[۱] اور دیگر خالص عربی ذرائع کے حوالہ سے وائسرائے کی اسمبلی کے تمام مسلمان ممبروں کو قانون حج کے اصل سیاسی مفہوم سے مطلع کیا اور مسودات پیش شدہ کی مخالفت کا مطالبہ کیا۔ حج کمیٹی کی کاروائیوں پر اعتراضات کئے اور تمام ہندوستان کا دورہ کر کے تمام مسلم اداروں کو آئندہ خطرہ سے مطلع کیا اور حج پر سیاسی اغراض سے جو قانونی پابندیاں ہونے والی تھیں ان کو برملا سمجھانا شروع کیا، اس دور میں مولاناؒ نے ان قائدین سے مخالفت مول لی جو اب تک مسلمانوں کی اپنے اپنے حلقے میں بلاشرکت غیر نمایندگی کرتے تھے، ان ہی لیڈروں

۱- حاضر العالم الاسلامی اصل میں امریکی مصنف Stoddard کی کتاب 'دی نیو ورلڈ آف اسلام' کا ترجمہ ہے۔ مترجم سید عجاج نویہض ایک روشناس عرب اہل قلم ہیں، مجاہد جلیل امیر شکیب ارسلان مدظلہ نے اس پر جا بجا حواشی (فٹ نوٹ) لکھے ہیں۔ لیکن امیر البیان کا قلم اور دنیائے اسلام کی سیاست! لکھنے بیٹھے حواشی تو خود پر قابو نہ پا سکے اور یہ حواشی بھی بڑھ گئے اصل کتاب سے، پہلا ایڈیشن عرصہ ہوا دو جلدوں میں چھپا تھا، دوسرا ایڈیشن مزید اضافہ کے ساتھ چار جلدوں میں ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا ہے جس میں اصل مصنف کا ایک ربع سے زیادہ نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی بین الملی سیاسیات پر دنیا کی کسی زبان میں ایسی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی۔
(مولانا مسعود عالم ندوی، محاسن سجاد ص ۸۶ حاشیہ)

میں شفیع داودی بھی ہیں، جن سے مولاناؒ کے سیاسی اختلافات آئندہ الیکشنوں میں عجیب تکلیف دہ صورت اختیار کر گئے ۔غرض صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ قانون حج کے واقعات نے مولاناؒ کو سیاسی پلیٹ فارم پر بہت جلد بلا لیا۔[۱]

مسلم کانفرنس کے سیاسی اختلافات کا حل

(۲) ۱۹۳۰ء کی پہلی مسلم کانفرنس نے مولاناؒ کے سیاسی تدبر کا ایک اور نمونہ پیش کیا۔مولوی شفیع داودی کی کوششوں سے بانکی پور پٹنہ کے محلہ مراد پور کی اشرف منزل میں مسلم کانفرنس کا پہلی بار انعقاد ہوا اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم جو فرانکو (جرمنی) میں بغرض علاج مقیم تھے صدارت کے لئے براہ راست پٹنہ تشریف لائے ۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ مولانا محمد علی مرحوم کانگریس سے علاحدہ ہو چکے تھے اور ایک نئے سیاسی پلیٹ فارم کے بنانے میں مشغول تھے، ڈاکٹر انصاری مرحوم نیشنلسٹ کانگریسی مسلمانوں کے سردار تھے اور مولانا ابوالکلام آزاد اور حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کی ہمت افزا رفاقت ان کو حاصل تھی۔عین کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر انصاری صاحب بھی پٹنہ بلائے گئے اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے ان کی صدارت میں علاحدہ کانفرنس کرنا چاہا، ڈاکٹر انصاری صاحب سر علی امام کے مہمان تھے اور مولانا محمد علی مرحوم مسٹر عبدالعزیز کی کوٹھی ''دلربا'' میں رونق افروز، اس پرانے شہر عظیم آباد کی نئی آبادی میں سخت ہنگامے کا خطرہ تھا، سر علی امام کی کوششوں سے ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی مرحوم میں مفاہمت کی گفتگو ہوئی اور بالآخر یہ طے پایا کہ مسلم کانفرنس کے کھلے اجلاس میں ڈاکٹر انصاری مرحوم صاحب کو بھی اپنی جماعت کا نقطۂ خیال پیش کرنے کی اجازت دی جائے ۔ یہ راز اب کہہ دینے کے قابل ہے کہ ان تمام کوششوں میں حضرت مولانا سجادؒ کا ہاتھ بھی پیش پیش تھا اور علمائے اسلام میں اس موقع پر بھی ہزاروں آنکھوں نے اگر کسی عالم کو ان سیاسی زعمائے ملت کے دوش بدوش ہی نہیں بلکہ اکثر مواقع پر بہترین مشیر اور رہبر دیکھا تو وہ مولانا سجادؒ ہی کی ذات تھی ۔[۲]

مسلم اقلیت کے حقوق کا تعین

(۳) مسلم کانفرنس نے کچھ اصولی مطالبات حقوق کے متعلق بنائے لیکن یہ راز اب تک سربستہ

۱۔محاسن سجادص ۵۷ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔
۲۔محاسن سجادص ۵۷ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔

ہے کہ حقوق مسلم کی تعریف کس نے بتائی، اس کی حد بندیاں کس نے کیں؟ اور کس طرح وہ مخصوص حقوق تجویز کی شکل میں فرداً فرداً شمار کر کے دنیا کے سامنے پیش کئے گئے؟ ۔مسلم کانفرنس کی مجلس مضامین میں مولانا مرحوم نے وہ تجویز جو حقوق مسلمین کے حدود متعین کرتی ہے کافی بحث وتمحیص کے بعد مولانا محمد علی مرحوم کی استدعاء پر قلمبند کر کے دی اور موٴخر الذکر بزرگ نے اس کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔

یہ محدود تجویز مسلم کانفرنس کی طرف سے سائمن کمیشن کے سامنے پیش کی گئی اور پھر کچھ دنوں بعد دوسری گول میز کانفرنس میں پیش کی گئی اور نئے قالب میں مسٹر محمد علی جناح کے ''چودہ پوائنٹ'' میں آ گئی اس میں مولاناؒ نے اقلیت کے مسائل خصوصاً مسلمانوں کے پرسنل لا کے متعلق قوانین سازی کے متعلق یہ اصول وضع کیا کہ جب تک مسلم نمائندگان کی اکثریت کسی بل پر متفق نہ ہو، وہ بل قانون نہ بن سکے ـــــ ہمارے مطالبات آج بھی اس حد سے آگے نہیں بڑھے۔[1]

خلع ایکٹ کی ترتیب اور اس کو قانونی حیثیت دلانے کی کوشش

(۴) جناب مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی صاحب رقمطراز ہیں:

''خلع ایکٹ کی ترتیب اور اس کو مستقل قانون بنوانے میں مولانا نے ہر ممکن سعی کی جو اب کاظمی ایکٹ کے نام سے مشہور ہے ۔اس ایکٹ کی دفعہ نمبر ۶ ر میں مسلم حاکم کی قید کو باقی نہ رکھا گیا۔ مولاناؒ چاہتے تھے کہ دفعہ ۶ میں تبدیلی ہو جائے اور مسلم حاکم کی قید بڑھا دی جائے، اس قانون ہی کو ختم کر دیا جائے ۔اس سلسلہ میں مولانا نے وائسرائے سے بھی خط وکتابت کی اور ایک فتوی مرتب کر کے علماء سے رائے لی، آزاد کانفرنس کے سوال نامہ کی ترتیب کے بعد مولاناؒ اس کے جوابات میں مصروف تھے ۔مولاناؒ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس بات کے آرزومند تھے کہ محکمہ قضا کا قیام اور کاظمی ایکٹ کی دفعہ ۶ کی تبدیلی اور آزاد کانفرنس کے سوال نامہ کے مطابق مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو جائے۔''[2]

۱-محاسن سجادص ۵۷ مضمون مولوی سید مجتبیٰ صاحب۔
۲-حیات سجادص ۶۷، مرتبہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ

فصل ششم

حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ اور کانگریس تعلقات اور مسائل

کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کا رشتہ

☆ حضرت مولانا سجادؒ کانگریسی نہیں تھے، اور نہ کانگریس میں ضم ہونے کے قائل تھے، بلکہ وہ مسلمانوں کو بحیثیت قوم اپنی انفرادیت قائم رکھنے کی تلقین کرتے تھے، البتہ کانگریس کے ساتھ ہمدردی اور کئی مسائل میں فکری اشتراک رکھتے تھے، خصوصاً ملک کی آزادی کے مسئلے میں وہ کانگریس کے حامی تھے۔ اور اس ضمن میں حسب موقعہ کبھی کانگریس کے باضابطہ ممبر بھی بن جایا کرتے تھے۔[۱]

حضرت مولاناؒ نے اپنے اس موقف کا بار بار اظہار فرمایا، اس سلسلے کی ایک اہم ترین تحریر جس کو مولانا عثمان غنی صاحب نے مرتب کیا تھا اور وہ حضرت مولاناؒ کی حیات طیبہ میں 'سیاست حاضرہ اور ادارہ امارت شرعیہ' کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع ہوئی، اس میں کانگریس کے تعلق سے امارت شرعیہ اور حضرت مولاناؒ کے موقف پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ ''امارت شرعیہ کو کانگریس سے کوئی تعلق نہیں ہے، کانگریس کے ساتھ بعض ملی اور اجتماعی مفادات کے حصول کے لئے محض اشتراک عمل کا رشتہ ہے، جو وقفہ وقفہ سے کانگریس کی سیاسی غلطیوں کی بنا پر ٹوٹتا رہتا ہے۔

یہ بیس صفحات کا رسالہ دراصل جناب حاجی نور احمد خان صاحب ڈہری ضلع شاہ آباد کے ایک خط (مرقومہ شعبان ۱۳۵۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۸ء) کا جواب ہے جو مولانا عثمان غنی صاحب ناظم اول امارت شرعیہ کے قلم سے دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ حضرت مولانا سجادؒ کی ہدایات کی روشنی میں لکھا گیا ہوگا۔[۲]

اشتراک عمل ہی کی بنیاد پر حضرت مولاناؒ کانگریس کے پروگراموں میں شریک ہوتے تھے،

۱۔محاسن سجادص ۱۶۸ مضمون مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

۲۔سیاست حاضرہ اور ادارہ امارت شرعیہ ص ۱ تا ۲۰ شائع کردہ حسب فرمائش مولوی حکیم محمد ولی عالم صاحب صدیقی۔ برقی مشین پریس مراد پور بانکی پور۔

لیکن کہیں کوئی غلطی نظر آتی تو برملا تنقید فرماتے تھے، آپ کی موجودگی کانگریس کے لئے بالخصوص مسلمانوں کے حقوق اور معاملات میں ایک آئینی حصار ثابت ہوتی تھی، مولاناؒ نے کبھی کانگریس کی کسی غلط پالیسی پر مصالحانہ رویہ اختیار نہیں کیا، اور بڑی بات یہ تھی کہ کانگریس ان اصلاحات کو قبول کرتی تھی۔

☆ کانگریس کے ایک اجلاس (۱۹/جنوری ۱۹۳۹ء) میں حضرت مولاناؒ کی شرکت اور جوابی تقریر کی رپورٹ نقیب (مورخہ ۲۰/ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ) میں شائع ہوئی تھی، اس کا یہ اقتباس اس سلسلے میں کافی چشم کشا ہے:

''حضرت مولاناؒ نے ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر سید محمود صاحب) کا بھی شکریہ ادا کیا کہ آپ نے مذہبی تعلیم کی ضرورت واہمیت کو اصولاً تسلیم کرلیا، امید ہے کہ وہ اس کی اہمیت کی بنا پر مسلمانوں کے لئے اس کو جلد ہی لازم بھی قرار دیں گے، دیہات سدھار سے گاندھی ازم کے اخراج پر بھی آپ نے شکریہ ادا فرمایا، اخیر میں آپ نے فرمایا کہ صحیح اعتراض سے ڈاکٹر صاحب کو گھبرانا نہیں چاہئے، بلکہ اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہئے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کانگریس یا اس کی حکومت پر صحیح اعتراض کانگریس کی حمایت کے منافی نہیں ہے، چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے خود مجھ سے فرمایا ہے، کہ کانگریس یا اسکی حکومت کی واقعی غلطیوں کو بتانا چاہئے، اس سے چشم پوشی ہرگز نہیں کرنی چاہئے، ان کی غلطیوں کا نہ بتانا، کانگریس اور ملک سے غداری ہے، ہر کانگریسی کو چاہئے کہ وہ غلطیوں کو بتایا کرے، میں اس وقت بھی کہتا ہوں کہ جب بھی حکومت کے طرزِ عمل کی غلطیوں کو دیکھ لوں گا یقیناً اعتراض کروں گا۔''[۱]

☆ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ نے بھی اپنے مضمون میں حضرت مولانا سجادؒ کی ایک تقریر کا اقتباس نقل کیا ہے، جس سے کانگریس کے تعلق سے حضرت سجادؒ کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے:

''انہوں نے الٰہ آباد کی یونیٹی کانفرنس میں ڈاکٹر منجے کی ایک تقریر کا جواب دیتے ہوئے صاف کہا تھا، کہ جہاں تک ملک کی آزادی کا سوال ہے، مسلمان کانگریس کے ساتھ شریک ہیں، اور پوری قوت کے ساتھ کانگریس کی حمایت کرنے کو آمادہ ہیں، لیکن جہاں تک مسلمانوں کی مذہبی اور شرعی زندگی ہے اور ان کے شوشل معاملات کا تعلق ہے، وہ ایک امیر کے ماتحت ہی رہ سکتے ہیں، اور ان کی شرعی زندگی بدون امیر کے نہیں رہ سکتی۔ یہی وہ بات تھی جو بار بار سمجھانے کے باوجود ڈاکٹر منجے کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔''[۲]

۱- اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات ص ۴۷، ۴۸ مرتبہ مولانا عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ، ۱۹۳۸ء۔ یہ کتابچہ بھی حضرت مولانا سجادؒ کی حیات میں شائع ہوا تھا، جو ظاہر ہے کہ آپ کے افادات اور ہدایات کا عکس جمیل ہے۔

۲- حیات سجادؒ ص ۱۰۸ مضمون مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ سابق مفتی دار العلوم دیوبند نے اپنے ایک مضمون میں حضرت سجادؒ کے مواعظ وملفوظات کے بعض اجزاء نقل کئے ہیں، جو انہوں نے چھپرہ میں اپنے عہد طالب علمی میں سنے تھے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے اس سے کانگریس کے بارے میں حضرت سجادؒ کے رجحان پر روشنی پڑتی ہے:

''(۱۹۳۸ء کی) صوبائی کانفرنس کے موقع پر شرکت کانگریس کی تجویز آئی تو ایک طرف زیادہ علماء اس کے قائل تھے کہ بغیر کسی شرط کے کانگریس میں مسلمانوں کو شریک ہونا چاہیئے، تو دوسری طرف چند علماء اس کے قائل تھے کہ ایسا قطعاً درست نہ ہوگا، جب حضرت مولانا سجاد صاحبؒ سے کہا گیا کہ آپ فیصلہ فرمائیں تو مولانا نے فرمایا کہ تجویز میں 'میں' کو 'کے' سے بدل دیا جائے یعنی کانگریس کے ساتھ ہوکر آزادی کی لڑائی انگریزوں سے لڑی جائے، آپ نے فرمایا کہ یقین جانیئے کہ جب آزادی کا وقت آئے گا، برادرن وطن آپ کو دھکا دے کر آگے بڑھ جائیں گے اور آپ غیر منظم ہوں گے تو مسلمانوں کا قتل عام ہوگا، اس وقت کیا تجویز منظور ہوئی میں نہیں جانتا، مگر ملک جب آزادی کے قریب پہنچا تو ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ سارا منظر دیکھا، جس کی مولانا محمد سجاد صاحبؒ پیشین گوئی فرماگئے تھے۔''[۱]

کانگریس کے ساتھ اتحاد وتعاون کی ایک منظم اسکیم

☆ حضرت سجادؒ کے ذہن میں کانگریس کے ساتھ اتحاد وتعاون کا ایک جداگانہ منصوبہ تھا، جس سے انہوں نے اپنے وقت کے بعض قائدین کو آگاہ کیا تھا، لیکن اس پر ان رہنماؤں نے سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں کی، اگر ایسا ہوتا تو آج ملکی سیاست میں مسلمانوں کا بھی ایک مقام ہوتا، حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کو بھی حضرت سجادؒ نے اپنی اسکیم سے آگاہ کیا تھا اور اپنا منصوبہ تحریری صورت میں مطالعہ کے لئے عنایت فرمایا تھا، مولانا نعمانیؒ سے ہی اس کی تفصیل سنئے:

''یہ کوئی چھپی حقیقت نہیں اور کم از کم جمعیۃ علماء سے تعلق رکھنے والوں میں تو سب ہی کو معلوم ہوگا کہ کانگریس کی منسٹری قبول کر لینے کے بعد سے راقم الحروف کی ذاتی رائے شرکت کانگریس کے مسئلہ میں جماعت کے عام رجحان کے خلاف رہی، اسی زمانے میں حضرت مرحوم نے جو اس وقت اس مسئلہ میں بہ نسبت دوسرے اکابر کے مجھ سے قریب الخیال تھے، منظم شرکت کی ایک خاص شکل تجویز فرمائی اور اس نظام کے ماتحت جو شرکت ہوتی وہ یقیناً بہت وزن دار ہوتی،

۱ـ حضرت مولانا سجاد ـ حیات وخدمات ص (مجموعہ مقالات سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء)۔

مولانا مرحوم نے وہ اسکیم مطالعہ کے لئے مجھے بھی عطا فرمائی، میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ اگر آپ اس کو جماعت سے منوالیں تو میں اس اصول پر شرکت کا سب سے بڑا حامی ہوں، اور اس نظام کو بروئے کار لانے کے لئے چھ مہینے کے لئے اپنی خدمات بھی پیش کرسکتا ہوں ۔۔ لیکن بدقسمتی کہ اس وقت غالباً ہمارے تیز رو طبقہ کے اس سے متفق نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسکیم بس یوں ہی رہ گئی اور بعد میں حالات بھی اس کے لئے سازگار نہیں رہے۔"[۱]

حربِ سلمی (سول نافرمانی) کا آغاز مسلمانوں نے کیا

بعض لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ حضرت مولانا سجادؒ نے سول نافرمانی کی تحریک گاندھی جی سے لی تھی، اور اس کو اسلامی جامہ پہننے کی کوشش کرتے رہے اور اسی بنا پر بہت سے لیگی احباب نے اس کی حرمت کے فتوے بھی حاصل کئے تھے[۲]، لیکن یہ ایک خلاف واقعہ بات ہے، حضرت مولانا سجادؒ نے خود اپنے ایک مکتوب میں اس کا جواب دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"اس سلسلہ میں ہندوستان کا ایک تاریخی واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں میری یاد میں سب سے پہلے حرب سلمی ۱۹۰۷ء میں ضلع چمپارن میں کاشتکاروں نے اختیار کیا، جس کے لیڈر شیخ گلاب مرحوم اور شیخ عدالت تھے، چار چار، پانچ پانچ سو اشخاص ایک ایک مرتبہ پرامن طریقہ پر جیل گئے اور مسلسل یہ جنگ جاری رہی، اس کے بعد غالباً ۱۹۱۷ء میں گاندھی جی ان کی مدد میں چمپارن گئے، اس جنگ کی تجویز اور ابتدا مسلمانوں نے کی، جس میں غیر مسلم بھی شریک ہوئے، پھر ۱۹۰۹ء میں صرف مسلمانوں نے حکومت یوپی کے مقابلے میں بمقام لکھنؤ "مدح صحابہ" کے قضیہ میں اسی حرب سلمی کا استعمال کیا، اور تقریباً ایک ہزار مسلمان پرامن طریقہ پر قانون شکنی کرتے ہوئے جیل گئے، جس میں کوئی ہندو شریک نہیں تھا، اور نہ گاندھی سے ہندوستان واقف تھا، مگر بدقسمتی دیکھئے کہ جب اس حربہ کو ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۰ء کی جنگ آزادی میں مسلمان اختیار کرتے ہیں، تو خود مسلمان اس کو ناجائز بتاتے ہیں، اور یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ "یہ گاندھی جی کی ایجاد ہے۔""[۳]

بالآخر پھر ایک وقت وہ آیا کہ مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ (۲۴، ۲۵/دسمبر ۱۹۳۸ء) میں خود مسلم لیگ نے بھی سول نافرمانی کی تجویز قبول کر لی۔ (مکاتیب سجاد ص ۵۸، ۵۹)

۱- محاسن سجاد ص ۵۸، ۵۹ مضمون مولانا منظور نعمانیؒ۔
۲- مکاتیب سجاد ص ۵۸، ۵۹ مع حواشی مولانا عبدالصمد رحمانیؒ بحوالہ "بیان عزیز" ص ۱۱۔
۳- مکاتیب سجاد ص ۶۰، ۶۱

کانگریسی پالیسیوں سے اختلافات واصلاحات

متعدد مسائل میں آپ نے کانگریس سے اختلاف کیا اور اپنے اختلافات کا برملا اظہار بھی کیا، مثلاً:

گاندھی ازم پر کھلی تنقید

(۱) گاندھی جی پر مختلف مسائل میں جتنی کھلی تنقید حضرت مولانا سجادؒ نے کی، خاص طور گاندھی ازم کے فلسفہ پر، کہ شاید اس دور کے ہندوستان میں جب کہ گاندھی جی کی طوطی بولتی تھی کسی نے ایسی تنقیدوں کی جرأت نہیں کی، حضرت مولانا سجادؒ نے ایک مفصل مضمون 'گاندھی جی اور کانگریس' کے نام سے تحریر فرمایا جس میں آپ نے گاندھی جی کے فلسفہ کے (جس کو عام طور پر مذہبی رنگ میں پیش کیا جاتا تھا) تار وپود بکھیر کر رکھ دیئے، اور گاندھی جی کی اصل تصویر ان کے سامنے کردی، کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کی ہمدردی وحمایت کی غرض اور معنویت بھی واضح کردی، اور ان کو کسی قسم کی غلط فہمی میں نہ رہنے کی تلقین فرمائی۔[۱]

بالآخر کانگریس کو بھی حضرت مولاناؒ کے سامنے اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی اور دیہات اسکیم کے نام پر جس کھیل کا آغاز کیا گیا تھا، اس سے واپس آنا پڑا، خود کانگریسی وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود صاحب نے دیہات سدھار اسکیم کی رسم افتتاح کے جلسہ میں اعلان کیا:

> ''دیہات سدھار اسکیم پر بھی حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو اعتراض ہے کہ اس کے ذریعہ گاندھی ازم کی اشاعت ہوگی، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گاندھی ازم کا ذکر دیہات سدھار اسکیم میں غلطی سے آگیا تھا حضرت مولاناؒ کے توجہ دلانے پر اس کو نکال دیا گیا، اور گاندھی ازم کی اشاعت ہرگز نہیں ہوگی۔''[۲]

یہ وہ عظیم ارشاد حق تھا جس میں حضرت مولانا سجادؒ کا کوئی شریک نہیں تھا، اسی لئے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ فرماتے تھے کہ:

> 'کانگریس نے جب بھی کوئی ایسی ٹھوکر کھائی جس سے مسلمانوں کے کاز کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو مولاناؒ نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا، اور بالآخر کانگریس حکومت کو اپنے مطالبۂ حق کے سامنے

۱- مقالات سجاد ص ۳۶ تا ۵۰۔

۲- اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات ص ۴۶ مرتبہ حضرت مولانا عثمان غنی صاحبؒ، ۱۹۳۸ء۔

جھکا لیا۔‘‘ [۱]

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

’’جذبۂ آزادی کی پوری قوت کے باوجود انہوں نے کانگریس یا کانگریسی حکومت کے غلط قدم اٹھانے پر کبھی بزدلانہ یا صلح پسندانہ درگذر سے کام نہیں لیا۔‘‘ [۲]

اور مولوی سید محمد مجتبےٰ صاحب رقمطراز ہیں:

’’کانگریسی لیڈروں سے اور اس کے اداروں سے مولاناؒ کے تعلقات ہمیشہ بے لوث رہے اور ایک مثال بھی ایسی نہیں مل سکتی جس میں مولانا کا دامن اغراض ذاتی سے وابستہ ہوا ہو، مخالفین کے اعتراضات جن بدگمانیوں پر منحصر ہوں ان کی تحقیق کا تو موقع نہیں، مگر مخالفین خود بھی اپنی بد گمانیوں کی کوئی بنیاد آج تک نہ بتا سکے۔ کانگریس کے ساتھ مصلحتاً اتحاد عمل مولاناؒ کا کھلا ہوا تدبر تھا، اور عملی طور پر جب اسلامی حقوق کی محافظت کانگریس کی مخالفت کی داعی ہوتی، تو مولاناؒ کانگریس کی مخالفت سے کبھی باز نہ آتے، یہی وہ اصول عمل تھا جس کی وجہ کر ان کی ذات گرامی سے کانگریس مرعوب بھی تھی اور خائف بھی۔ جولوگ سمجھتے ہیں کہ مولاناؒ کانگریس یا ہندؤوں سے مرعوب ہوتے تھے وہ ان حقائق پر غور کریں جو عارضی وزارت بنانے اور اس بیان کے شائع کرنے میں پوشیدہ تھے، جو بت پرستی کو برداشت کرنے اور مسٹر کرپلانی کے خط فلسفۂ گاندھی ازم کے جواب میں لکھا گیا۔‘‘ [۳]

متحدہ قومیت کا نظریہ

(۲) گاندھی جی نے متحدہ قومیت کا نظریہ پیش کیا، اور اس کو پورے ملک کے لئے قابل قبول بنانے کی کوشش کی تو سب سے پہلے حضرت مولانا سجادؒ کا قلم اس کے خلاف حرکت میں آیا، حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’۱۹۴۰ء کے شروع مہینوں میں ’’واحد قومیت‘‘ کے مسئلے پر گاندھی جی نے اپنے اخبار ’ہریجن‘ میں مسلسل مضامین لکھنے شروع کئے اور ان میں ’’ایک قوم‘‘ کے نظریے کو ایسے انداز میں انہوں نے پیش کیا، جس کو اسلام کسی طرح بھی برداشت نہیں کرسکتا بلکہ اگر مسلمان اس کو قبول کرلیں تو یقیناً

۱- حیات سجادص ۱۵۳ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

۲- محاسن سجادص ۶۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

۳- محاسن سجادص ۹۳ مضمون مولوی سید محمد مجتبیٰ صاحب۔

ان کو دین کے بڑے حصہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا کانگریس سے تعلق رکھنے والے ذمہ دار حضرات میں حضرت مولانا مرحوم نے ہی سب سے پہلے پوری تفصیل کے ساتھ گاندھی جی کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا اور بتلایا کہ واحد قومیت کا جو تصور آپ رکھتے ہیں، وہ مسلمانوں کے لئے نا قابل قبول ہونے کے علاوہ واقعات کے لحاظ سے بھی محض غلط ہے اور ایسی 'متحدہ قومیت' کا کوئی تصور اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک ہندوستان میں ایک مسلمان بھی باقی ہے۔ بلکہ گاندھی جی یا ان کے چیلوں کا اس غلط مفروضہ پر اصرار ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کو بجائے آسان کرنے کے اور زیادہ مشکل کر دے گا۔"[1]

۵ رشوال ۱۳۵۸ھ کے نقیب (ج ۷ شمارہ ۱۹، ۲۰) میں حضرت مولانا سجادؒ کا مسئلۂ قومیت پر ایک نہایت مفصل اور مدلل مضمون شائع ہوا، جس کا عنوان تھا: 'اسلام اور مسلم قومیت کے کیا معنی ہیں؟ گاندھی جی غور کریں' جس میں اس نظریہ کی قباحت معقول بنیادوں پر ثابت کی گئی ہے، اب یہ مضمون 'مقالات سجاد' کا حصہ ہے۔[2]

اہنسا (عدم تشدد) کا نظریہ

(۳) کانگریس حکومت نے بہار کے مکتبی نصاب میں گاندھی جی کے فلسفۂ عدم تشدد (اہنسا) کو داخل کیا تو حضرت مولانا سجادؒ نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی، اور اس کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا، آپ نے اس وقت کے وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود کو خط لکھا، اور اس خطرہ کا اظہار فرمایا کہ:

"مسلمانوں میں بجائے اسلام ازم پھیلانے، گاندھی ازم و ہندو ازم پھیلانے کا تہیہ کیا جا رہا ہے، ممکن ہے آپ کی حکومت کا یہ ارادہ نہ ہو مگر اسکیم کا جو خاکہ ہے وہ میرے اس دعویٰ کی مستحکم دلیل ہے، اس لئے میں پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ للہ مسلمانوں کی دماغی تربیت کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور خلفائے راشدین کی سوانح عمریاں رہنے دیجئے اور "اہنسا دھرم" اور گاندھی جی کی "تلاش حق" کی سرگردانی مسلمان طلبہ پر مسلط کر کے غیر اسلامی تعلیم و تربیت نہ پھیلائیے —— (حضرت مولاناؒ نے خط کے آخر میں یہ دھمکی بھی دی) اس خط کی بھی نقل مولانا ابوالکلام صاحب کے پاس بھیج رہا ہوں، اور ایک ہفتہ آپ کے جواب کے انتظار کے بعد اپنی قومی، مذہبی ذمہ داری کی بنا پر میں اس خط کو پبلک کی

۱- محاسن سجاد ص ۶۰ مضمون مولانا منظور نعمانی۔

۲- مقالات سجاد ص ۲۱ تا ۳۵۔

واقفیت کے لئے پریس میں دے دوں گا۔“ [۱]

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

”جب ایک مرتبہ گاندھی جی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسلام میں اہنسا“ کا تصور ہے، تو اپنے حلقہ میں مولاناؒ ہی نے پوری جرأت وعزیمت کے ساتھ سب سے پہلے اس کے خلاف قلم اٹھایا اور بتلایا کہ سیاسی حیثیت سے بلند مرتبہ رکھنے کے باوجود گاندھی جی کی معلومات اسلام کے بارہ میں ایک طفل مکتب سے زیادہ نہیں ہیں۔“ [۲]

اس موضوع پر حضرت مولانا سجادؒ نے اپنے مقالہ ’اسلام اور مسلم قومیت کے کیا معنیٰ ہیں؟ گاندھی جی غور کریں!‘ میں مدلل بحث کی ہے، جو مقالات سجاد میں موجود ہے۔ [۳]

تجویز نمائندہ اسمبلی

(۴) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

”نمائندہ اسمبلی والی تجویز جب پیش ہوئی تو مولاناؒ کے حکم سے پارٹی کی طرف سے دو ترمیمیں پیش کی گئیں:

(الف) نمائندہ اسمبلی کے نمائندے جداگانہ مذہبی حلقوں سے منتخب ہوں۔

(ب) نمائندہ اسمبلی میں کثرت رائے پر فیصلہ نہ ہو بلکہ باہمی رضامندی شرط قرار دی جائے۔ ان ترمیموں کی معقولیت ظاہر ہے لیکن پھر بھی ان ترمیموں پر کئی دنوں تک مباحثے ہوتے رہے۔

(کانگریسی) وزیراعظم نے اپنی جوابی تقریر میں اور ایوان سے باہر وزیر مالیات نے ہمیں بتایا کہ یہ تجویز کانگریس ورکنگ کمیٹی کی منظور شدہ ہے اس لئے کسی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔

میں نے مولاناؒ سے ساری روئیداد کہی اور اپنی ذاتی رائے ترمیمیں واپس لے لینے کے حق میں دی، لیکن مولاناؒ کو ان ترمیموں پر برابر اصرار رہا، اور وہ یہ کہتے رہے کہ یہ سارے بہانے ہیں، ورنہ اگر وزیراعظم چاہیں تو ابھی چند منٹوں کے اندر صدر کانگریس سے فون پر طے کر سکتے ہیں۔ مولاناؒ کے اس مضبوط رویہ نے بالآخر وزیراعظم کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ فون پر صدر کانگریس سے مشورہ

۱- مکاتیب سجاد ص ۸۴ ☆ حیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب

۲- محاسن سجاد ص ۶۰ مضمون مولانا منظور نعمانی۔

۳- مقالات سجاد ص ۲۱ تا ۳۵۔

کریں، چنانچہ صدر کانگریس پنڈت جواہرلال کی مرضی سے یہ ترمیمیں بہار اسمبلی میں منظور ہوئیں۔ یہ تجویز تمام کانگریسی صوبوں میں پیش کی گئی. لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بہار کے علاوہ تمام صوبوں میں یہ تجویز من وعن منظور ہوگئی۔ صرف سندھ کے ہندو ممبران اپنے نقطۂ نگاہ سے ایک ترمیم منظور کراسکے۔[۱]

زراعتی ٹیکس سے اوقاف کا استثنا

(۵) بہار اسمبلی میں کانگریس کی طرف سے زراعتی آمدنی پر ٹیکس کا مسودۂ قانون پیش ہوا، مولاناؒ کو شبہ ہوا کہ کہیں اس قانون کی زد اوقاف پر نہ پڑے، چنانچہ انہوں نے پورا مسودہ پڑھوا کر سنا، سننے پر مولاناؒ کا خدشہ صحیح نکلا، آپ نے مسلم اوقاف کا بل بہار اسمبلی میں مسٹر محمد یونس صاحب سابق وزیر اعظم صوبہ بہار کے ذریعہ پیش فرمایا[۲]۔ ابتداء مولاناؒ کی یہ کوشش رہی کہ ارباب حکومت سے مل کر اس مسئلہ کو باہمی طور پر طے کرلیا جائے، لیکن جب وہ اس پر راضی نظر نہ آئے تو مولانا کو اخبارات میں بیانات اور پھر سول نافرمانی کی دھمکی دینا پڑی، اسی دوران مولانا ابوالکلام صاحب مدظلہ مسئلہ کو سلجھانے کے لئے پٹنہ تشریف لائے، اور ان کے مشورہ سے حکومت بہار نے ترمیم منظور کرلی، اور بہار اسمبلی میں زراعتی آمدنی پر ٹیکس کے قانون سے اوقاف کو مستثنیٰ کردیا گیا۔ لیکن بہار کونسل سے ابھی وہ پاس نہیں ہو پایا تھا کہ کانگریس حکومت مستعفی ہوگئی۔[۳]

اوقاف پر زرعی ٹیکس کے رد پر حضرت مولانا سجادؒ کا ایک علمی مضمون امارت شرعیہ سے شائع شدہ "قانونی مسودے" میں موجود ہے، اپنے موضوع پر انتہائی مدلل اور مفصل تحریر ہے۔[۴]

دیگر کئی بلوں کی منظوری

(۶) انکم ٹیکس کے قانون میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مولاناؒ نے پارٹی کی طرف سے مسلم وقف بل، لوکل باڈیز (ڈسٹرکٹ بورڈوں سے متعلق) بل، اور میونسپلٹی کا ترمیمی مسودۂ قانون مرتب کیا۔ جب حکومت کو ان مسودوں کی اطلاع ملی تو خود اس نے اپنے طور پر مسلم وقف بل، اور میونسپلٹی کا ترمیمی بل پیش کیا، سب سے پہلے مسلم وقف بل سامنے آیا، مجوزہ بل نہایت ناقص تھا،

۱- محاسن سجادص ۱۷۲ تا ۱۷۵ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔
۲- حیات سجادص ۱۴۴ مضمون مولانا محمد عثمان غنی صاحب۔
۳- حیات سجادص ۱۴۴ مضمون مولانا محمد عثمان غنیؒ ☆ محاسن سجادص ۱۷۲ تا ۱۷۵ مضمون مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔
۴- قانونی مسودے ص ۴۶ تا ۵۴ شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

چنانچہ اس پر غور کرنے کے لئے ایک منتخبہ کمیٹی بنی، کمیٹی نے اپنے جلسوں میں مولاناؒ کو بھی طلب کیا، اور ان کی رائے سے بجز دو چار مقامات کے ہر جگہ اتفاق کیا، رائے شماری کے وقت پارٹی نے مجموعی طور پر بل کی حمایت کی البتہ ان مقامات پر جہاں اتفاق نہ ہو سکا، مخالفت کی، پھر بھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ صوبہ بہار کا وقف بل ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے وقف بلوں سے کئی درجہ بہتر ہے۔[1]

ڈاوری بل کی اصلاح

(۷) کچھ دنوں کے بعد ایک غیر سرکاری مسودۂ قانون جہیز بل (ڈاوری بل) کے نام سے پیش ہوا، مولاناؒ کی دوربین نگاہوں نے اس کے مضر اثرات کا فوراً اندازہ کرلیا، اور یہ مولاناؒ ہی کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ اس بل سے مسلمان بری کردیئے گئے۔[2]

مذہبی تعلیم کا حق

(۸) حضرت مولانا کی کوششوں سے ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم نے ابتدائی تعلیم میں مسلمانوں کے لئے مذہبی تعلیم کے حق کو تسلیم کیا[3]۔ انہوں نے کانگریس کے ایک اجلاس (۱۹/جنوری ۱۹۳۹ء) میں حضرت مولانا سجادؒ کی موجودگی میں یہ اعلان کیا:

> ''ہمارے مخدوم مولانا سجاد صاحب کو سخت اعتراض ہے کہ اس میں مذہبی تعلیم نہیں ہے، حضرت مولانا کے کہنے پر میں نے مذہبی تعلیم کی اجازت دے دی، اور اصولاً میں نے مذہبی تعلیم کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔''[4]

نہرو رپورٹ اور دیگر نام نہاد اصلاحی اسکیموں کی مخالفت

مولانا شاہ حسن آرزو صاحب لکھتے ہیں:

(۹) نہرو رپورٹ جب سامنے آئی تو مولاناؒ نے اس سے اصولی اختلاف شروع کیا اور آخری وقت تک پوری قوت کے ساتھ اختلاف کرتے رہے۔ اسی طرح نئی اصلاحات ملکی سے انہوں نے

۱- حیات سجاد ص ۱۷۴ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی صاحب۔
۲- حیات سجاد ص ۱۷۵ مضمون مولانا منت اللہ رحمانی صاحب
۳- حیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔
۴- اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات ص ۴۶ مرتبہ مولانا عثمان غنی صاحب۔

پوری طاقت کے ساتھ اختلاف کیا، وہ جدید نظامِ حکومت میں مسلم مفادات کا سخت نقصان تصور کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اس سے تو بعض لحاظ سے نہرو رپورٹ ہی بہتر چیز تھی۔[1]

شاردا ایکٹ کی مخالفت

(۱۰) اسی طرح شاردا ایکٹ جب سامنے آئی تو چونکہ اس کا تعلق ہندوؤں کی طرح مسلمانوں سے بھی تھا اس لئے مولاناؒ نے اس کی پوری کوشش کی، کہ مسلمان ہر حال میں اس قانون سے الگ کردیئے جائیں، کیونکہ یہ قانون آئندہ شرعی قانون سے یقینی متصادم ہوگا۔[2]

کانگریسی حکومت کی غیر منصفانہ روش کے خلاف احتجاجی مکاتیب

مولانا عثمان غنی صاحبؒ نے اس سلسلے کے دو اور اہم واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو ان کے خیال میں چند مخصوص حضرات کے سوا بہت کم لوگوں کو معلوم ہے:

(۱۱) ایک یہ کہ حضرت مولانا نے مسلمانوں کے معاملات میں کانگریسی حکومت کی غیر منصفانہ روش اور کانگریسی ورکنگ کمیٹی کی غفلتوں اور غلطیوں کے متعلق ایک تحریر مرتب فرمائی تھی جس کو مکتوب کی شکل میں گاندھی جی، بابو راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو بھیج دیا تھا۔

(۱۲) دوسرا مکتوب جنگ کے متعلق ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند کے نام بھیجا تھا جس میں موجودہ جنگ کے متعلق شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائی تھی۔ پہلی چیز بالکل پرائیوٹ تھی اس لئے وہ شائع نہیں کی گئی اور دوسری چیز ایسی ہے جو موجودہ آرڈیننسوں کی بنا پر شائع ہی نہیں ہوسکتی۔[3]

لیکن مختلف مسائل میں کانگریس سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود کانگریسی لیڈران آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور آپ کو ایک مخلص، بے غرض اور محب قوم و وطن رہنما تصور کرتے تھے۔

مولانا سید شاہ حسن آرزو لکھتے ہیں:

''کہ مولاناؒ آزادیٔ ہند کی حیثیت سے کانگریس کے گرم جوشی سے ممد و معاون اور شریک کار

۱- حیات سجاد ص ۹۸ مضمون مولانا شاہ حسن آرزو صاحب۔

۲- حیات سجاد ص ۹۸ مضمون مولانا شاہ حسن آرزو صاحب۔

۳- حیات سجاد ص ۱۴۵ مضمون مولانا عثمان غنی صاحب۔

تھے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ مفاد اسلامی کے خطرہ کے موقع پر وہ کانگریس کے سخت ترین دشمن ومخالف بھی تھے۔ہمارے صوبہ کی گزشتہ قومی حکومت سے اس لیے جنگ کر گئے کہ وہ جبریہ تعلیم کی اسکیم میں خصوصیت کے ساتھ مذہبی تعلیم کو کوئی جگہ دینا نہیں چاہتی تھی،لیکن اس شدید مخالفت کے باوجود ذمہ داران کانگریس مولاناؒ کو ایک بے غرض محب قوم ووطن سمجھتے ہوئے انتہائی عزت واحترام سے پیش آتے رہے۔"[1]

۱- حیات سجاد،ص ۹۸،۹۹ مضمون مولانا سید شاہ حسن آرزو۔

فصل ہفتم

حضرت مولانا سجادؒ اور مسلم لیگ پارٹی ــــ روابط اور مسائل

اس دور کی دوسری بڑی پارٹی مسلم لیگ تھی، بلکہ مسلمانوں کا عمومی رجحان اسی پارٹی کی طرف تھا، اس لئے کہ اس کی بنیادی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، جبکہ کانگریسی قیادت ہندوؤں کے پاس تھی، اور وہ اپنے کو سیکولر یعنی لامذہب جماعت قرار دیتی تھی، اس کی بنا پر عام مسلمانوں کا اس سے اجتناب قدرتی تھا، اُس دور کی بعض تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداءً حضرت مولانا سجادؒ کا رجحان بھی مسلم لیگ کی طرف تھا، بلکہ اس کے کئی اصول وضوابط کے واضعین میں آپ شامل تھے، آپ اس کے پروگراموں میں قائدانہ طور پر شریک ہوتے تھے، اور آپ کے زیر اثر جمعیۃ علماء ہند کی مذہبی سربراہی کو بھی اس نے دستوری طور پر تسلیم کیا تھا، اس کی مختصر روداد مسلم لیگی رہنما جناب راغب احسن صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

نہرو رپورٹ کی مخالفت اور مسٹر محمد علی جناح کی حمایت

☆ مولانا (محمد سجادؒ) عملی سیاست کا گہرا علم رکھتے تھے حقیقت میں مولاناؒ دل سے لیگ کے موجودہ اصول ودعاوی اور مقاصد سے ہمدردی رکھتے تھے بلکہ ان کے وضع کرنے میں نمایاں حصہ لے چکے تھے ــــ

مولاناؒ ان علماء کے لیڈر تھے جنہوں نے اس سوفسطائی پروپیگنڈا کا زبردست مقابلہ کیا تھا، جو ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کی دوہری غلامی کو اینگلو ہندو سامراج کی صورت میں مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لئے ہندو کانگریس کے سرمایہ سے جاری کیا گیا تھا، طبقۂ علماء کے لئے اس کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ مولانا ابوالکلامؒ اپنے سحر سامری سے جمعیۃ علماء کو مسحور کر کے اپنے ساتھ بہالے جائیں گے لیکن مولانا سجادؒ نے نہایت عقلمندی اور قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور محمد علی جناح کے اس جہاد کا ساتھ دیا جو انہوں نے نہرو رپورٹ کے خلاف جاری کیا تھا۔ مولاناؒ جمعیۃ علماء کے لیڈروں کو لے کر آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اس اجلاس میں بھی شریک ہوئے، جو یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو بصدارت ہز ہائی نس آغا خاں دہلی میں منعقد ہوا اور جس نے نہرو رپورٹ کے لئے وہ مطالبات وضع کئے

جنہیں مسٹر جناح نے مارچ ۱۹۲۹ء میں چودہ نکات کی صورت میں ترتیب دیا تھا۔[1]

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دہلی میں محمد علی جناح کو دعوت

☆ جب ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے پاس ہونے کے بعد مسلم کانفرنس کا دور ختم ہوا اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کی دعوت پر مسٹر محمد علی جناح نے انگلستان سے ہندوستان واپس آ کر مسلم لیگ کو دوبارہ زندہ کرنے کی غرض سے مسلم لیگ کی لیڈری قبول کی تو مولانا سجادؒ ان علماء میں شریک تھے جنہوں نے مسٹر جناح کو جمعیۃ علماء کے جلسہ دہلی میں شرکت اور تقریر کرنے کی دعوت دی تھی اور ان کا خیر مقدم کیا تھا۔[2]

مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں مولانا سجادؒ کی شرکت

☆ جب آل انڈیا مسلم لیگ نے پارلیمنٹری بورڈ بنانا چاہا اور اس کے لئے مختلف صوبوں کے لیڈروں کو ۲۶، ۲۷، ۲۸/اپریل ۱۹۳۶ء کو دہلی میں جمع ہونے کی دعوت دی تو اس میں بھی مولانا سجادؒ شریک تھے۔[3]

مسلم لیگ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ میں مولانا سجادؒ ممبر نامزد

☆ جب مسٹر جناح نے سری نگر کاشمیر سے آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے ممبروں کے نام کا اعلان کیا تو بہار کے ناموں میں مولانا سجادؒ کا نام سب سے اوپر تھا اور بہار کے باقی تین نمائندے خاص مولانا سجادؒ کی امارت شرعیہ کے لوگ تھے یعنی قاضی احمد حسین صاحب، شاہ مسعود احمد صاحب و سید عبدالحفیظ صاحب ایڈوکیٹ۔[4]

مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں مولانا سجادؒ کی شرکت

☆ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس دور جدید کا حقیقی آغاز اس تاریخی جلسے سے ہوتا ہے جو ۸/جون ۱۹۳۶ء کو بمقام لاہور بصدارت مسٹر جناح منعقد ہوا، اس جلسے کے علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال روح رواں تھے، بلکہ انہی کی علالت کے خیال سے جلسہ خاص لاہور میں کیا گیا تھا۔ یہ آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا اولین جلسہ تھا، اس میں مولانا سجاد مرحوم، مولانا کفایت اللہ صدر

۱۔محاسن سجاد ص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۲۔محاسن سجاد ص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۳۔محاسن سجاد ص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۴۔محاسن سجاد ص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

جمعیۃ علماء ہند، مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ علمائے ہند اور مولانا حسین احمد صاحب قائدانہ حصہ لے رہے تھے، اس اجلاس اول نے مسلم لیگ کے دور جدید کا آغاز کیا اور اس کا وہ پارلیمنٹری پروگرام وضع کیا جو آج تک اس کا پروگرام ہے، کیونکہ اس کی تنسیخ کسی دوسرے ریزولیشن کے ذریعہ اب تک نہیں کی گئی ہے۔[۱]

جمعیۃ علماء ہند کی مذہبی سربراہی کو دستوری حیثیت حاصل

یہ دفعہ مولانا سجادؒ نے بڑھائی

☆ لیگ کا یہ پارلیمنٹری پروگرام چودہ دفعات پر مشتمل تھا، جس کی دفعہ اول کا لفظی ترجمہ مطابق ذیل ہے:

''مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت کرنا، تمام ایسے معاملات میں جو خالص دینی نوعیت کے ہیں جمعیۃ علماء ہند اور مجتہدین کی رایوں کو واجبی وزن دیا جائے گا''[۲]

مسلم لیگ کے پروگرام کی یہ دفعہ اول حقیقت میں حضرت مولانا سجادؒ کی تصنیف تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ نہ صرف یہ کہ مسلم لیگ کے جدید پروگرام کے خلاف نہ تھے بلکہ اس کے واضعین میں تھے ـــــ ساری جمعیۃ علماء کے اندر مولانا سجادؒ ہی مسلملیگ سے سب سے زیادہ قریب تھے۔[۳]

مسلم لیگ سے حضرت مولانا سجادؒ کی علٰحدگی۔ اسباب و وجوہ

لیکن اس قدر قربت و تعلق کے باوجود حضرت مولاناؒ اس سے الگ ہو گئے، کیوں؟

امارت شرعیہ یا اپنی سیاسی پارٹی کی وجہ سے؟

(۱) کیا امارت شرعیہ کی وجہ سے؟ جیسا کہ جناب راغب احسن صاحب کا خیال ہے:

''حقیقت اصلی یہ ہے کہ مولانا سجادؒ نے لیگ کو اپنی زندگی کی سب سے چہیتی اور اکلوتی اولاد امارت کے لئے ترک کر دیا اور اسی کے لئے اپنوں سے جنگ مول لی۔''[۴]

لیکن یہ خیال اس لئے صحیح نہیں کہ امارت شرعیہ بہار ۱۹۲۱ء ہی میں قائم ہو گئی تھی، اور مسلم

۱- محاسن سجادص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۲- محاسن سجادص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۳- محاسن سجادص ۱۴۸ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔
۴- محاسن سجادص مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

لیگ سے مولانا سجادؒ کے تعلقات ۱۹۳۷ء کے بعد خراب ہوئے، اس سے پہلے خود جناب راغب صاحب کے بیان کے مطابق مولاناؒ مسلم لیگ میں شریک تھے بلکہ اس کے اصول وقواعد کے واضعین میں بھی شامل تھے۔ راغب صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مسلم لیگ ۱۹۳۶ء میں جب کہ مولانا سجاد اور ان کی جمعیۃ اس کے حامی تھے، ایک کاغذی انجمن تھی، لیکن لکھنؤ کے تاریخی اجلاس اکتوبر ۱۹۳۷ء کے بعد ایک حقیقی طور سے جمہوری نمائندہ تنظیم ہو چکی تھی، جس کا خیر مقدم مولانا سجادؒ کو کرنا چاہئے تھا۔''[1]

☆ اسی طرح حضرت مولاناؒ کی سیاسی پارٹی ''بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی'' اس میں عذر نہیں بن سکتی تھی اس لئے کہ وہ صرف بہار تک محدود تھی، جب کہ مسلم لیگ آل انڈیا پارٹی تھی، ظاہر ہے کہ ایک ریاستی پارٹی کے لئے کل ہند پارٹی سے ترک تعلق کی حماقت کوئی نہیں کر سکتا۔

البتہ امارت شرعیہ جیسی مذہبی اور دینی ادارہ کی مسلم لیگ کی طرف سے جس طرح تخفیف کی گئی اور اس کی تجاویز کو جس انداز میں مسترد کیا گیا وہ حضرت مولانا سجادؒ کے لئے باعث تکلیف ضرور رہی ہوگی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امارت شرعیہ نے ۱۹۳۸ء میں جب 'نظارت امورِ شرعیہ' کا مسودہ تیار کیا، اور ملک کے تمام اہل علم اور اصحاب دانش کو استصواب رائے کے لئے ارسال کیا، تو مسلم لیگ کے مرکزی لیڈر مسٹر جناح نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، البتہ صوبائی قائد جناب سید عبدالعزیز صاحب نے اس کا جواب عدم اتفاق سے دیا، جب کہ ملک کے تمام دیگر اداروں اور اہل علم نے اس مسودہ کی تصویب وتائید کی تھی، بات یہیں تک رہتی تو کوئی بات نہیں تھی، جناب سید عبدالعزیز صاحب نے جواب کا جو لہجہ اختیار کیا وہ بالکل جارحانہ بلکہ گستاخانہ تھا، انہوں نے جواب کی تمہیدی سطروں میں حضرت مولانا سجادؒ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا:

''مسودے کے متعلق میں آپ کو بحیثیت نائب امیر شریعت جواب نہیں دے سکتا، بلکہ آپ کو ایک ذی علم مسلمان اور قومی معاملات سے دلچسپی رکھنے والے انسان کی حیثیت سے جواب دے سکتا ہوں، جس ادارے یا چند اشخاص کی جماعت کو آپ ''امارت شرعیہ'' کہتے ہیں، اس کو زیادہ سے زیادہ ایک انجمن کی حیثیت دی جا سکتی ہے لیکن جہاں تک امیر شریعت اور نائب امیر شریعت کے مسئلہ کا تعلق ہے اس دعویٰ کو میں غیر شرعی اور نہایت مضر سمجھتا ہوں اس لئے میں آپ کو آپ کی ذاتی حیثیت سے ایک ممتاز ہستی قرار دیتے ہوئے مخاطب کرتا ہوں، (اس تمہید کے بعد آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں) آپ سے اور مولوی محی الدین صاحب سے

۱- محاسن سجاد ص ۱۲۱ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

درخواست ہے کہ امارت کے دعویٰ سے باز آجائیں۔'' [1]

جو چیز حضرت مولانا کے نزدیک واجب اور نصب العین کے درجہ میں تھی، اس کو غیر شرعی اور مضر کہنا اور اس دعویٰ سے باز آنے کی تلقین کرنا دو متضاد راستے ہیں، ظاہر ہے کہ دو متصادم فکر رکھنے اشخاص بہت دیر تک ایک ساتھ سفر نہیں کر سکتے تھے۔

مسلم لیگ ہندوستان کی آزادیٔ کامل کے مطالبہ سے دستبردار ہوگئی تھی؟

(۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ مسلم لیگ نے اپنے منشور سے ملک کی آزادیٔ کامل کے مطالبہ کی شق خارج کر دی تھی۔ جبکہ حضرت مولانا سجادؒ آزادیٔ کامل کے مطالبہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ حالانکہ جناب راغب احسن صاحب کو اس سے انکار ہے کہ مسلم لیگ اس شق سے دستبردار ہوگئی تھی لکھتے ہیں:

> ''مسلم لیگ ۱۹۳۶ء میں ڈومنین اسٹیٹس کے کریڈ پر راضی تھی، لیکن لکھنؤ کے اجلاس کے بعد آزادی کامل اور مسلم آزادی کی حامی تھی اور یہ چیز لیگ کو مولانا سجادؒ اور جمعیۃ سے بہت قریب کرنے والی تھی، لیگ مذہبی معاملات میں جمعیۃ کی سیادت کو اپنے دستور اساسی کی رو سے قبول کر چکی تھی، لہٰذا یہ کہنا کہ مسلم لیگ اپنے ۱۹۳۶ کے اصول سے ہٹ گئی تھی، اس لئے مولانا سجادؒ اور جمعیۃ علماء والے حضرات اس سے الگ ہو گئے، قطعاً غلط اور بے بنیاد ہوگا۔'' [2]

لیکن راغب صاحب کا یہ انکار واقعہ کے مطابق نہیں ہے، حضرت مولانا سجادؒ نے ۲۳ر جنوری ۱۹۳۹ء کو مسٹر جناح صاحب کے نام جو تفصیلی خط (تقریباً ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے) تحریر فرمایا ہے، اس میں حضرت مولاناؒ نے اپنے بہت سے وجوہ اختلاف میں سے ایک بڑی وجہ آزادیٔ کامل سے دستبرداری کو قرار دیا ہے، مولاناؒ کے مکتوب کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> ''معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی رہنمائی جن ہاتھوں میں ہے ان کی اکثریت آج بھی انگریزوں پر اعتماد رکھتی ہے، اور کم از کم مسلمانوں کے اصلی اور سب سے بڑے دکھ کے لئے جنگ کرنا نہیں چاہتی ہے۔ اجلاس (پٹنہ جس میں جناح صاحب خود بھی شریک تھے) کے دوران ہی میں ۲۵ر دسمبر کو آپ کے ایک دست راست اور زبردست مرکزی لیڈر ۲ر دسمبر ۱۹۳۸ء والے خط کو بغور پڑھ کر کہا کہ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ ان سے کہا گیا کہ ہاں مقصد تو یہی ہے، کیا آپ اور مسلم لیگ آزادیٔ

۱- مکاتیب سجاد ص ۵۳ مع حواشی۔

۲- محاسن سجاد ص ۱۲۱ مضمون جناب راغب احسن صاحب۔

کامل کا نصب العین قبول کرنے کے بعد بھی یہ نہیں چاہتے؟ انہوں نے اس کے جواب میں بلاتکلف یہ فرمایا کہ پھر اس کا راستہ کانگریس ہے اس میں شریک ہوجائیے۔ ان سے کہا گیا کہ جولوگ مسلم لیگ سے مایوس ہیں وہ تو اسی لئے اس میں آج بھی شریک ہیں، مگر مسلم لیگ کے بانی کمانڈر تو ان کو صرف کافروں کی جماعت کہہ کر مسلمانوں کو اس سے علٰحدہ رکھنے پر مصر ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے وہ اسلامی مقاصد، اسلامی سیاست اور اسلامی حقوق کی حفاظت کے لئے آگے بڑھے۔ جان و مال کی قربانی کی راہ اختیار کرے، تمام مسلمان متحد بھی ہوجائیں گے اور کانگریس بھی آخر مسلم لیگ کی متابعت کرے گی۔ مگر وہ صاحب بار بار یہی فرماتے رہے کہ"اس مقصد کی راہ کانگریس ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ مسلم لیگ کے تمام لیڈروں کا یہی خیال ہے، لیکن ایک بات اور بھی میرے سامنے ہے کہ مسلم لیگ کا جو لیڈر وائسرائے یا وزیر ہند سے مل کر اپنی جگہ پہنچتا ہے تو وہ مسلم لیگ کا داعی اور بہت بڑا حامی بن کر آتا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کیا راز ہے؟ ان باتوں کے علاوہ جب یہ غور کیا جاتا ہے کہ جب سے مسلم لیگ نے اپنا نصب العین کامل آزادی مقرر کیا ہے۔ اس وقت سے لے کر اجلاس پٹنہ تک مسلم لیگ کے جتنے جلسے اور اجلاس ہوئے خواہ وہ آل انڈیا ہوں یا صوبہ جاتی کسی ایک کے خطبہ میں بھی اس نصب العین کا تذکرہ تک نہیں ہے، اور نہ اس مقصد کے لئے آج تک کوئی تجویز منظور ہوئی ہے۔"[1]

خود بہار مسلم لیگ کے صدر جناب سید عبدالعزیز صاحب کے بعض ایسے بیانات شائع جن سے آزادیٔ کامل کے نصب العین کی حوصلہ شکنی ہوتی تھی، مثلاً:

"نہ مکمل آزادی کا تخیل بڑا ہے، نہ اس کے صرف اعلان سے کوئی شخص بڑا حوصلہ مند شمار کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اس سے بھی بڑے حوصلے اور ہمت کے جذبات بہت سے دلوں میں موجود ہوں گے، جیسے مسلمانوں کی یہ خواہش کہ ہندوستان غیروں کی حکومت سے نہ صرف آزاد ہوجائے بلکہ یہاں پھر مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوجائے (بیان عزیز) ایک دوسرے بیان میں کہا:

اول تو اتحاد نہیں، دوم پوری صلاحیت نہیں، سوم سامان حرب نہیں، اس پر مکمل آزادی حاصل کرنے کا حوصلہ یا دعویٰ کہاں تک دانشمندی کا ثبوت دیتا ہے۔"[2]

۱- مکاتیب سجادص ۴۳۲ تا ۴۳۴۔

۲- مکاتیب سجادص ۴۳۴ بحوالہ بیان عزیزص ۶۰۔

جمعیۃ علماء ہند سے کئے گئے وعدے پورے نہیں کئے گئے

(۳) حضرت مولانا سجادؒ اور علماء سے مسلم لیگ نے جو وعدے کئے تھے وہ پورے نہیں کئے، جمعیۃ علماء ہند کی مذہبی سربراہی کو دستوری طور پر تسلیم کیا گیا تھا، لیکن اس کو عملی طور پر برتا نہیں گیا، اور اسلام اور علماء اسلام کا نام لے کر اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا، جس سے مولانا سجادؒ اور ان کی جماعت کو مایوسی ہوئی۔

بالیقین یہ بھی ایک بڑی وجہ تھی، اور صرف مفکر اسلام حضرت مولانا سجادؒ ہی نہیں، بلکہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر کئی مقتدر علماء اسی وعدہ خلافی اور مایوسی کی بنا پر مسلم لیگ سے علٰحدہ ہو گئے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی شہادت

اس کی پوری تفصیل حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے رسالہ 'مسٹر محمد علی جناح کا پراسرار معمہ اور اس کا حل' میں موجود ہے، حضرت مدنیؒ نے اس رسالہ میں مسلم لیگ سے اپنی اور اپنے رفقاء کی علٰحدگی کے اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اسی رسالہ سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

(الف) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح، مولانا شوکت علی، چودھری عبدالمتین، چودھری خلیق الزماں صاحب، نواب اسمٰعیل خاں صاحب وغیرہ حضرات مارچ ۳۶ء سے آئندہ الیکشن کے لیے بورڈ وغیرہ بنانے میں بے قرار نظر آتے تھے۔ جلسے اور اجتماعات اس کے لیے کیے جاتے تھے اور ان پر غور کیا جاتا تھا کہ کس طرح اس میں حسب منشا کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور جس طرح یونیٹی بورڈ میں کوشش کر کے جمعیۃ علماء کو داخل کیا گیا تھا اور ان کی مختلف جماعتوں میں صلح کرائی گئی تھی اسی طرح آئندہ بورڈ کے لیے ان کی امداد و اعانت حاصل کرنے کی مساعی کی جاتی تھیں، جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مسلم عوام پر جمعیۃ کے اراکین کا اثر تھا۔

(ب) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے اراکین یونیٹی بورڈ کو مشورہ دیا کہ وہ زیر قیادت مسلم لیگ مشترکہ بورڈ بنائیں جو کہ مسلم نیشنلسٹ پارٹی، جمعیۃ علماء، خلافت کمیٹی، احرار پارٹی وغیرہ سب کو حاوی ہو، اس کے لیے جلسے خصوصی کیے گئے اور اراکین جمعیۃ کو بار بار بلایا گیا۔

(د) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ دو یا تین اجتماع کے بعد قرار پایا کہ حسین احمد کو بلایا جائے اور اس کو

اس مفاہمت میں شریک کیا جائے اور باوجود یکہ چند رجعت پسندوں نے یہ کہا کہ ہم سکھوں کے ساتھ اشتراک عمل کر سکتے ہیں مگر حسین احمد کے ساتھ اشتراک عمل نہیں کر سکتے ،تاہم مجھ کو تار دے کر ملتان سے (جب کہ میں وہاں بعض جلسوں میں شرکت کی غرض سے گیا ہوا تھا) بلایا گیا۔

(و) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صبح کو تقریباً آٹھ سے دس بجے تک تبادلۂ خیالات اور گفت وشنید ہوتی رہی اور مسٹر جناح نے زور دیا کہ پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو کر آپ لوگوں کو الیکشن میں حصّہ لینا اور عمدہ سے عمدہ آزاد خیال لوگوں کو امیدوار اور کامیاب بنانا چاہیے۔

(ی) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان اسامی میں اُن اراکین جمعیۃ اور احرار کا نام خود چن کر جب کہ وہ کشمیر میں تھے شائع کرایا اور پھر لاہور کے اجلاس میں دعوتی خطوط بھیج کر سب کو بلایا۔

(ک) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میری بلا خواہش اور اسی طرح بغیر خواہش صدر وناظم جمعیۃ العلماء یہ نام چنے گئے اور پھر میرا نام بلا میری خواہش صوبہ یوپی کی مجالس میں بھی چنا گیا اور باوجود ہر قسم کی مشکلات اور اعذار کے مجھ پر ورک (کام) کرنے اور ہر امیدوار کے حلقے میں جانے کا حکم دیا گیا جس کو میں نے بغیر کسی قسم کے لالچ اور نفع مالی کے انجام دیا۔

بیشک مسٹر محمد علی جناح نے نہایت زوردار الفاظ اور طریقوں سے ہم کو اطمینان دلایا کہ رجعت پسند طبقہ اور خود غرض لوگوں کو ہم آہستہ آہستہ لیگ سے نکالیں گے اور آزاد خیال ،قوم پرست مخلص لوگوں کی اکثریت کی کوشش کریں گے اور ایسے ہی لوگوں کے انتخاب کو عمل میں لائیں گے ، ہم نے بعد بحث ومباحثہ اس پر اطمینان کیا اور تعاون پر آمادہ ہو گئے جس کی زوردار خواہش مسٹر محمد علی اور ان کے رفقاء کار کی اس وقت تھی۔

مولانا بشیر احمد صاحب کٹھوری ایک جلسے کی مفصل روداد بتاتے ہوئے اور مسٹر جناح سے بحث وگفتگو کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''لہٰذا ہم کو تو یہ بتلایا جائے کہ ہم یا آپ کسی طرح بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ پارلیمنٹری بورڈ آزاد خیال منتخب ہو تو پھر آپ کی پوزیشن کیا ہو گی؟ اس پر بہت جوش کے ساتھ سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر میں کسی طرح بھی اس پر قادر نہ ہوا تو مسلم لیگ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ آجاؤں گا۔ اس پر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا گیا اور سب حضرات نے فرمایا کہ ہم بھی یہی چاہتے تھے اور پوری مسرت کے ساتھ جلسہ ختم ہو گیا۔

ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اب اس سے بڑھ کر اطمینان حاصل کرنے

اور وعدہ لینے کی دوسری اور کیا شکل ہو سکتی تھی۔ مسٹر جناح کے اخباری بیان کا صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ حقیقت اور واضح ہو جائے گی۔ مسٹر جناح کا ایک بیان ''بمبئی کرانیکل'' میں جون ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ کے ساتھ فروری ۱۹۳۷ء کو مدینہ اخبار میں شائع ہوا۔

(۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایک ایسے نظام کا بروئے کار لانا ہے جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں۔

(۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لیے جو سب کو پسند ہوگا کانگریس کا ساتھ دے گی اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی۔

(۳) مسلم لیگ اس اصول کو برقرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو۔

(۴) اسمبلی میں لیگ تمام قومی معاملات میں کانگریس سے تعاون کرے گی اور اس کے ساتھ رہے گی۔

(۵) لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے اور جنھیں عوام کے حقوق، ضروریات اور مفاد کی مطلق پروا نہیں، سیاسی میدان سے نکال دیا جائے۔[۱]

یہ تھے وہ تمام وعدے، معاہدے، شروط اور پیمان جن کی بنا پر جمعیۃ کے ارکان جن میں حضرت مولانا سجادؒ بھی تھے آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے اشتراک عمل پر تیار ہوئے تھے اور انھوں نے الکشن، میں پوری پوری مدد دی تھی، لیکن الکشنا کے بعد مسٹر محمد علی جناح نے اپنے تمام وعدے اور معاہدے بھلا دیئے۔ اور ایسے حالات پیدا کئے کہ علماء مسلم لیگ سے نکلنے پر مجبور ہو گئے، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی ایم ایل اے بیان کرتے ہیں:

''۱۹۳۶ء میں اسمبلی الیکشن کے سلسلے میں جب کہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی تو ہم لوگ اِس بورڈ میں صرف اس توقع پر داخل ہوئے تھے کہ یہ جماعت آزاد خیال افراد پر مبنی ہوگی اور اس کی تمام تر مساعی اور کوششیں آزادی وطن اور رجعت پسند طبقہ کو زیر کرنے کے لیے ہوں گی، چنانچہ صاف اور واضح الفاظ میں مسٹر محمد علی جناح نے اس کا وعدہ کیا اور ہر طرح جماعت علماء کو اطمینان دلایا اور بڑی حد تک الیکشن کے زمانے میں اس وعدہ کی پابندی بھی کی گئی لیکن الیکشن سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ہی جناح صاحب نے (جو کہ اس بورڈ کے ڈکٹیٹر مطلق تھے) نہ معلوم کن مخفی وجوہ کی بنا پر اپنی روش بدل دی اور باوجود ہماری زبردست مخالفتوں کے انھوں نے اس رجعت پسند طبقہ کو شامل کرنا چاہا جس سے دوران الیکشن میں مقابلہ رہا تھا اور اس مسلم

۱ــ مسٹر جناح کا پراسرار معمہ اور اس کا حل بحوالہ حقیقت سجاد ص ۲۷ تا ۳۶ مرتبہ سید احمد عروج قادری۔

لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو جو مسلم لیگ جمعیۃ العلماء ہند، مجلس احرار اور کانگریس کے ممبران سے ترکیب دیا گیا۔ کانگریس کے مدمقابل بنانے کی انتہائی کوشش کی اور کانگریس کو خالص ہندوؤں کی جماعت قرار دینا شروع کیا۔ جب ہم نے اس معاملے میں احتجاج کیا اور جناح صاحب کو ان کے مواعید یاد دلائے اور بتلایا کہ جماعت علماء اس بورڈ میں صرف اس بنا پر داخل ہوئی تھی کہ کانگریس کے ساتھ مل کر آزادیٔ وطن کے لیے کوشش کی جائے گی اور رجعت پسند طبقہ کو ایک ایک کر کے علاحدہ کر دیا جائے گا اور یہ صرف آزاد خیال لوگوں کی جماعت رہے گی۔ آج آپ رجعت پسندوں کو اس میں داخل کر رہے ہیں اور کانگریس کے ساتھ بجائے اشتراکِ عمل اور اتحادِ عمل کے جو آپ کے مینوفیسٹو میں درج ہے مخالف جا رہے ہیں، تب جناح صاحب نے اور بعض دوسرے لوگوں نے بورڈ کی میٹنگ میں ہتک آمیز رویہ اختیار کیا اور کہا کہ ہمارے سارے وعدے ایک سیاست تھی۔ علماء سیاست سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگر جماعت علماء ہمارے اس طرزِ عمل کو نہ پسند کرے تو ہمیں مطلق اس کی پروا نہیں ہے۔"[1]

مسلم لیگ نے مسلمانوں کی دینی توقعات پوری نہیں کیں

(۴) اور اسی کے ساتھ ایک بڑا محرک مسلم لیگ سے علٰحدگی کا یہ تھا کہ مسلم لیگ نے اپنے بلند بانگ اسلامی دعوؤں کے باوجود وہ دینی توقعات پوری نہیں کیں جو ایک مسلم تنظیم کے ناطے مسلمانوں نے اس سے قائم کی تھیں، ملک میں انگریزی قانون نافذ تھا، جو کئی اہم مسائل میں اسلامی عقائد و نظریات اور شرعی قوانین سے متصادم تھا، مثلاً:

☆ کسی مؤمن کے لئے کسی نص قرآنی پر عمل نہ کرنے کا اختیار ہونا، جیسے مسلمان رہتے ہوئے اسلامی قانون وراثت کو نہ ماننا۔

☆ انگریزی حکومت کی طرف سے اسلامی دار القضاء کی تنسیخ، اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جب مسودۂ فسخ نکاح (جس کو حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے مرتب کیا تھا،) اسمبلی میں پیش کیا گیا تو اس میں مسلم حاکم کی دفعہ خارج کردی گئی، جب کہ کمیٹی میں مسلم ممبران بھی موجود تھے، اسی طرح اس میں یہ دفعہ بغیر اجازت جمعیۃ علماء ہند و امارت شرعیہ بڑھا دی گئی کہ مسلمان عورت کا ارتداد خود بخود موجب فسخ نکاح نہیں ہے۔

☆ کرسچین میرج ایکٹ کے ذریعہ اسلامی قانون نکاح میں مداخلت کی گئی۔

۱- مسٹر جناح کا پر اسرار معمہ اور اس کا حل بحوالہ حقیقت سجاد ص ۷۲ تا ۷۶ مرتبہ سید احمد عروج قادری۔

☆ الٰہ آباد ہائی کورٹ کے ذریعہ مسلمان کے لئے جمع بین الاختین کی اجازت دی گئی، وغیرہ حضرت مولانا سجادؒ چاہتے تھے کہ ایسے قوانین کی مخالفت کی جائے، اور حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے قوانین میں ترمیم کرے، مسلم لیگ اثر ورسوخ اور اہم عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود اس سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔

☆ علاوہ اور بھی کئی اہم قومی وملی مسائل تھے جن میں مسلم لیگ سیاسی بصیرت رکھنے والے علماء سے الگ رائے رکھتی تھی، بلکہ وہ ان علماء کو مورد طعن بھی بناتی تھی۔

☆ نیز اسلامی تہذیب وتمدن مثلاً ڈاڑھی، لباس، پردہ، سلام وکلام اور دولت کا استعمال وغیرہ میں مسلم لیگ نے کبھی اسلامی غیرت اور حساسیت کا ثبوت نہیں دیا، حضرت مولانا سجادؒ نے مسٹر جناح کے نام اپنے اٹھاون صفحات کے مکتوب میں اپنے اختلافات کی مکمل اور مدلل تفصیل لکھی ہے، حضرت مولاناؒ کی علٰحدگی کی اس سے بہتر سند کوئی اور نہیں ہوسکتی، 'مکاتیب سجاد' میں یہ پورا مکتوب شائع شدہ ہے۔[1]

بہر حال حضرت مولانا محمد سجادؒ آخری دنوں میں مسلم لیگ سے علٰحدہ ہوگئے تھے، اور جس طرح انہوں نے کانگریس سے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا، مسلم لیگ سے بھی ان کے کئی اختلافات تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنے مکاتیب، مضامین اور بیانات میں کیا ہے۔

نظریۂ پاکستان سے حضرت مولانا سجادؒ کے اختلاف کی وجہ

حضرت مولانا سجادؒ مسلم لیگ کے نظریۂ پاکستان کے اس لئے خلاف نہیں تھے کہ مسلم لیگ دنیا کے نقشہ پر کسی نئی اسلامی ریاست قائم کرنے کی آرزومند تھی، بلکہ اس لئے کہ اس نے اقلیتی حیثیت سے بسنے والے لاکھوں مسلمانوں کے تحفظ کا انتظام اور تیاری کئے بغیر عجلت میں یہ خوشنما نظریہ پیش کردیا تھا، اس لئے کہ اگر اکثریتی علاقوں کے مسلمان ایک نیا ملک بنا بھی لیں تو اقلیتی مسلمانوں کے ساتھ جو انتقامی ردعمل ہوگا اس کا حل کیا ہوگا؟ نیز ان کمزور مسلمانوں کی دینی وملی اجتماعیت کی صورت کیا ہوگی؟ اس حقیقت کا اظہار حضرت مولانا سجادؒ نے بارہا اپنے مضامین اور مکاتیب کے ذریعہ کیا ہے، مثلاً حضرت مولانا سجادؒ کا ایک تفصیلی مضمون ۱۴/اپریل ۱۹۴۰ء کے نقیب میں شائع ہوا تھا، جس کا عنوان تھا: ''مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا کی اسکیم پر ایک اہم تبصرہ'' اس میں حضرت مولاناؒ نے

۱- مکاتیب سجاد ص ۲۴ تا ۸۱۔

اس مسئلہ کا انتہائی عمدہ تحلیل وتجزیہ پیش فرمایا ہے، جب کہ ابھی تک نظریۂ پاکستان کی پوری تفصیل سامنے نہیں آئی تھی۔ اس میں تاریخی، جغرافیائی اور بعض واقعاتی پس منظر میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ نظریہ نہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے اور نہ اس ملک کے حق میں، خود اس فیڈریشن کے اجزائے ترکیبی پر بھی سوالات اٹھائے گئے ہیں، مولاناؒ کے نزدیک یہ بغیر سوچا سمجھا پرفریب نعرہ تھا، جس کی آندھی میں اکثر لوگ بہہ گئے، حضرت مولاناؒ کا یہ مضمون آج بھی جب کہ پاکستان بن چکا ہے تازہ اور قابل مطالعہ محسوس ہوتا ہے، اور مولاناؒ کی روحانیت مسلمانوں سے مخاطب معلوم ہوتی ہے، یہ پورا مضمون 'مقالات سجاد' میں شائع شدہ ہے۔[۱]

اور اس کا اعتراف کسی نہ کسی درجہ میں خود جناب راغب احسن صاحب کو بھی تھا، لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قمر الدین صاحب قمرؒ کے واسطہ سے مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ مولانا سجاد صاحبؒ اپنی پرائیوٹ مجلس میں یہ فرماتے تھے کہ: پاکستان ہی وہ نصب العین ہے جو مسلمانان ہند کا صحیح سیاسی نصب العین ہوسکتا ہے، البتہ ہمارا اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ قبل از وقت پیش کیا گیا ہے۔''[۲]

اسی بات کو علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے اس طرح بیان فرمایا:

''اگر یہ مطلب ہے کہ وہ ایک ایسی حکومت کے قیام کے خواہاں تھے جو اسلامی قانون کی روشنی میں چلائی جائے، تو بتایا جائے کہ مسلمانوں کی ایسی کون سی جماعت ہے جو اس مقصد کو غلط مقصد قرار دے سکتی ہے، بلکہ جہاں تک میں جانتا ہوں 'پاکستان' کے نام سے اسی نصب العین کو پیش کر کے مسلمانوں کی سیاست کی تنظیم کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ فرق اگر کچھ ہوسکتا ہے تو یہی کہ مسلمانوں کی جن صوبوں میں اکثریت ہے ان ہی کی حد تک اس نظام کو محدود رکھا جائے، یا اکثریت والے صوبے ہوں یا اقلیت والے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، حتی الوسع ان کے لیے اسلامی اصول کے تحت زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ جہاں تک میرا خیال ہے مولانا سجاد مرحوم آخر الذکر نظریہ کے نہ صرف قائل بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک عملاً اسی کی جدوجہد میں مصروف تھے اور اسی خیال کے زیر اثر انھوں نے بہار کے صوبہ میں امارت شرعیہ کا نظام قائم کیا تھا، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں مخالف پارٹیوں میں آخر نقطۂ اختلاف کیا ہے؟ آخر یہ مولاناؒ کا کیا قصور تھا کہ جس چیز کو لوگ اکثریت کے صوبوں میں قائم کرنا چاہتے ہیں مولاناؒ علاوہ اکثریت کے اقلیت کے صوبوں میں اسی کو مروج کرنا چاہتے تھے۔''[۳]

۱- مقالات سجاد ص ۵۵ تا ۵۷۔

۲- محاسن سجاد ص مضمون جناب راغب احسن صاحب

۳- حقیقت سجاد مرتبہ سید احمد عروج قادری، پیش لفظ علامہ مناظر احسن گیلانی ص ۔ ہ، و۔

قیام پاکستان کے سلسلے میں حضرت مولانا سجادؒ کا ایک اور تاریخی قول خود راقم الحروف نے حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ سے سنا کہ:

"جن حالات میں یہ پاکستان تشکیل دیا جارہا ہے، پاکستان بننے کے بعد مسلمانوں کو آپس میں لڑنے کے سوا کوئی کام نہ رہے گا، ان کو اسلام کی قطعی فکر نہ ہوگی، جب کہ جو لوگ ہندوستان میں رہیں گے ان کو کفر کے مقابلے میں اپنے اسلام کی فکر ہوگی، اور اس بنیاد پر ان میں باہم اتحاد بھی قائم رہے گا۔"

یہ بات مجھے تحریری صورت میں کہیں نہیں ملی، لیکن میرے قیام دیوبند کے زمانے (۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۰ء) میں حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مولانا سجادؒ کی یہ بات ایک سے زائد بار نقل فرمائی، اور آج پاکستان کا قومی اور سیاسی منظر نامہ اس قول حق پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔

فصل ہشتم

مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی حضرت مولانا سجادؒ کے بعد

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے وصال کے بعد ''بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی'' کی صدارت پر جناب قاضی احمد حسین صاحب فائز ہوئے، ۲۱/جون ۱۹۴۲ء (۶/جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ) کو پارٹی کی مجلس عاملہ کا جلسہ زیر صدارت نواب تجمل حسین صاحب بار ایٹ لاء پھلواری شریف میں منعقد ہوا، جس میں حسب ذیل حضرات نے شرکت کی:

۱- مولانا عبد الصمد رحمانیؒ
۲- نواب تجمل حسین صاحب
۳- مسٹر یونس بیرسٹر
۴- مولانا سید منت اللہ صاحب
۵- مولانا خلیل احمد صاحب ایڈوکیٹ
۶- قاضی احمد حسین صاحب
۷- مولانا یسین صاحب
۸- عبد الباری فاطمی صاحب
۹- زکریا فاطمی صاحب

اسی مجلس میں جناب خلیل احمد بیرسٹر جج کی تجویز اور مولانا سید منت اللہ رحمانی کی تائید پر قاضی صاحب کو صدر منتخب کیا گیا۔[1]

اس طرح حضرت مولاناؒ کے مخلصین آپ کے بعد بھی کچھ دنوں تک اس سیاسی یادگار کو اپنے سینے سے لگائے رہے، پھر ملک میں حالات تبدیل ہوئے، ذہنوں میں انقلاب آیا اور غیر مسلم ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ عظیم سیاسی پلیٹ فارم قصۂ ماضی بن گیا۔ رہے نام بس اللہ کا۔

۱- حسن حیات ص ۸۴، ۸۵

سیاسی وقومی خدمات

(١٤)

چودھواں باب

حزب اللہ کا قیام

●

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحبؒ کی سیاسی خدمات کا ایک اہم باب حزب اللہ کا قیام بھی ہے۔

پس منظر

ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں گو کہ آپ ماضی کے تلخ تجربات کی روشنی میں آئینی جدوجہد پر یقین رکھتے تھے، اور اسی کو اس دور میں وہ مسلمانوں کے لئے سلامتی کا راستہ تصور فرماتے تھے، چنانچہ آئین میں رہتے ہوئے امارت شرعیہ کا قیام، جمعیۃ علماء کا قیام اور مسلم سیاسی پارٹی کی تاسیس آپ کے اسی نظریہ کے مظاہر ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے اندر سے جہاد کی اسپرٹ ختم ہوگئی تھی، وہ اصلاً ایک انقلابی رہنما تھے، اور انقلاب میں جب جیسی ضرورت محسوس کرتے وہ حکمت عملی اختیار فرماتے تھے، ہندوستان کی مکمل آزادی اور مسلمانوں کا تحفظ ان کی سیاست کا بنیادی نصب العین تھا، اور اس سے وہ کسی لمحے دستبردار نہیں ہوسکتے تھے، اور اس کے لئے جس طرح آئینی سیاست کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح کبھی دفاعی سیاست کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور دفاع کے لئے افرادی قوت اور حربی صلاحیت بھی ضروری ہے، ''حزب اللہ'' کا قیام مولاناؒ کی اسی دفاعی سیاست کا حصہ تھا، جس قوم کے پاس دفاعی صلاحیت نہیں ہوتی وہ کسی سے مصالحت کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوتی، اکثر طاقت والے کمزوروں سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ملک میں ہونے والے مسلسل فسادات نے مولاناؒ کی توجہ ادھر مبذول کرائی کہ مسلمانوں کے تحفظ اور ان کی بنیادی خدمات کے لئے ملک میں رضاکاروں کی ایک جماعت ضروری ہے، جس کی شاخیں ہر مسلم آبادی میں موجود ہوں، رضاکاروں کی اسی جماعت کا نام ''حزب اللہ'' تھا۔

تاسیس اور دستور سازی

آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے حزب اللہ کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی پوری تفصیل دستیاب

نہیں ہے، غالباً اس کا قیام ۹/ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۳/جون ۱۹۲۳ء کو عمل میں آیا، جناب محمد یونس صاحب کو حضرت مولاناؒ سے پہلی بار ملاقات کا شرف اسی حزب اللہ کے قیام کے سلسلے میں حاصل ہوا تھا، اور انہوں نے اس کا سن ۱۹۲۳ء لکھا ہے [1]، حضرت مولاناؒ نے پھلواری شریف میں اس کی میٹنگ بھی طلب فرمائی تھی، اور با قاعدہ اس کے اصول و دستور بھی مرتب فرمائے تھے۔

اغراض و اہداف

جناب یونس صاحب نے اپنے مضمون میں اس کے قیام، مقاصد اور پس منظر پر روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے قومی کاموں کے سلسلہ میں میری پہلی ملاقات ۱۹۲۳ء میں ''حزب اللہ'' کے قیام کے سلسلہ میں ہوئی۔ مولانا کا یہ خیال تھا کہ ایسی حالت میں کہ ملک میں فتنہ انگیز نفوس کے ہاتھوں، فسادات رونما ہوتے رہتے ہیں جس سے مذہبی احکام و شعار کی بے حرمتی اور توہین ہوتی ہے۔ ملک میں بدامنی بھی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف مسلمان پریشان ہوتے ہیں۔ تو دوسری طرف حکومت وقت، نیز امن پسند غیر مسلم بھی اس کے اثرات سے قدرتاً محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ اور نہ رہ سکتے ہیں۔ اس لیے مقتضائے وقت اور ضرورت کی آواز سے کانوں میں انگلیاں ڈالنا اور اس کی طرف توجہ نہ کرنا خطرناک نتائج کا موجب ہوگا، ضرورت کے ماتحت ملک کے حالات کی بنا پر وقت کا یہ ضروری اور ناگزیر مسئلہ ہے کہ ایک جماعت رضا کاروں کی 'حزب اللہ' کے نام سے ہر گاؤں اور تمام شہر و قصبات میں موجود رہے۔ جو ہر قسم کے فتنہ و فساد کا انسداد کرے۔ اور اس کے لیے وہ اپنی طرف سے ہر طرح کی خدمات کو انجام دے۔ اور ملک کے امن کو ہر ایثار و فدویت سے کام لے کر بحال و برقرار رکھے۔
>
> ہم جانتے ہیں، آج جب کہ پانی سر سے اونچا ہو رہا ہے، اس دور میں فقیر صفت بزرگ کے اس نظریہ کو آج چوٹی کے لوگ عملاً برتنے پر مجبور ہیں۔ اور مختلف نام سے اس کی بنیاد رکھ رہے ہیں، مولانا مرحوم نے اس سلسلہ میں 'اُصول و دستور' بھی حزب اللہ کے وضع کیے تھے، اور ان کا خیال تھا، کہ پوری تنظیم کے ساتھ بہار کے ہر ہر گوشہ میں حزب اللہ کا قیام ہو جائے۔ جہاں تک مجھ کو یاد ہے کہ اس کا قیام بھی ہوا۔ اور اس سے اچھے نتائج بھی مرتب ہوئے۔ مگر مسلمانوں کے ہر کام کی طرح یہ بھی ادھورا رہا۔ جس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا مرحوم کی ذات ایک انار

۱- اسی کے ساتھ اس کو شامل کرلیں کہ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کے استاذ مفتی عبداللہ خالد صاحب نے ہجری تاریخ ۹/ذی قعدہ رقم کی ہے (حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ- حیات و خدمات (مجموعۂ مقالات سیمینار ۱۹۹۹ء) ص ۶۵) ان کی اس تحریر کا مأخذ کیا ہے، معلوم نہیں، لیکن اگر اس کو درست مان لیا جائے تو تاریخ قیام وہی نکلے گی جو اوپر درج کی گئی، البتہ سن لکھنے میں مفتی صاحب موصوف سے غالباً سہو ہوا ہے، انہوں نے ۱۳۴۴ھ لکھا ہے، جو ۱۹۲۳ء کے مطابق نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

وصد بیماری کی مصداق تھی ۔وہ جس وقت تک ایک چیز کی تخلیق کر کے، اس کی ابتدائی مبادیات کو درست کر کے عملی ڈھانچہ میں لاکر کھڑا کرتے ۔زمانہ دوسری ضروری چیز ان کے سامنے اس طرح لاکر کھڑا کر دیتا، کہ وہ اس کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ۔اور اس کی فکر میں لگ جاتے اور کوئی دوسرا ایسا صحیح کارکن نہیں ہوتا، جو صحیح طور پر مولانا مرحوم کے پہلے کام کو پھیلاتا۔ ''حزب اللہ'' کا بھی حشر یہی ہوا، ضرورت آج بھی اس کی داعی ہے ۔کہ مولانا مرحوم کے وضع کردہ ''دستور واصول'' کے ماتحت اس کی تمام تنظیم کی جائے ۔''[1]

بیعت جہاد اور مجاہدانہ بے قراری

حضرت ابوالمحاسنؒ کی یہ خدمت امارت شرعیہ کے تابع نہیں تھی، بلکہ اس کی جڑیں قیام امارت کے قبل سے ملتی ہیں، مولاناؒ میں یہ خیالات عرصہ سے پرورش پارہے تھے، اور غالباً اسی کا وہ حصہ ہے جس کو آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اپنے کئی خاص احباب سے بیعت جہاد لی تھی اور آپ کو ان حضرات نے اپنا امیر تسلیم کیا تھا، جب کہ ابھی امارت کی تحریک بھی شروع نہیں ہوئی تھی، نہ جمعیۃ کا کوئی تصور تھا، اور نہ تحریک خلافت کا وجود، قاضی احمد حسین صاحبؒ نے اس دور میں حضرت مولاناؒ کی بے قراری کا حال نقل کیا ہے کہ:

''ابتدا ہی سے مولاناؒ کی اسپرٹ مجاہدانہ تھی، امارت شرعیہ کے قیام کا خیال تو مولانا مرحوم کو بہت پہلے سے تھا لیکن حالات کی ناسازگاری نہ حرف مطلب کو زبان تک لانے کی اجازت دیتی تھی، نہ ماحول عمل کا متحمل تھا، پھر بھی مجاہدانہ جذبہ مولاناؒ کو بے قرار رکھتا تھا، چنانچہ جہاد کی بیعت بعض خاص لوگوں سے مولاناؒ نے قیام امارت سے پہلے لی تھی ۔''[2]

ان خواص میں خانقاہ سملہ کے حضرات بھی شامل تھے، خود خانقاہ کے سجادہ نشیں حضرت شاہ ابوطاہر فردوسی صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

''گیا میں جب مولاناؒ کا قیام رہا سملہ ہر عرس میں تشریف لایا کئے، ایک موقع پر جب کہ آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہاں ارکان اسلام کے ساتھ جہاد پر بھی بیعت ہوتی ہے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ بیعت کے ساتھ اہتمام جہاد بھی کرنا چاہیئے، میں نے عرض کیا تو آپ ہی امیر بنیں، میں امیر تسلیم کرتا ہوں، اس گفتگو کے چند دن بعد میں چند احباب کے ساتھ گیا مدرسہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے تو امیر تسلیم ہی کر لیا ہے، ہمارے یہ مخلص احباب بیعت جہاد کے لئے حاضر ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے ان لوگوں سے بیعت جہاد لی، ان میں سے جن لفظوں میں آپ نے بیعت

۱۔حیات سجادص ۸۶ مضمون جناب محمد یونس صاحب۔

۲۔حیات سجادص ۴۷ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔

لی ان کے ماثورہ الفاظ یہ ہیں: **بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وان لا انازع الامر اہلہ وان نقول بالحق حیث کنا ولا نخاف لومۃ لائم۔**

اس وقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد امارت کی تحریک شروع ہوئی اور اللہ نے آپ کو نائب امیر شریعت بنایا۔"[1]

حربی سیاست کا رجحان

اس زمانہ میں حضرت مولاناؒ پر حربی سیاست کے رجحان کا غلبہ تھا، اس کا اندازہ قاضی احمد حسین صاحب کے اس بیان سے ہوتا ہے:

"وہ اس سلسلہ میں خفیہ انقلاب پسند جماعتوں کی بھی تائید کو جائز رکھتے تھے، جنگ عظیم کے زمانہ میں بنگال کی خفیہ سوسائیٹوں کے غبطہ میں مجھ کو خفیہ سوسائیٹی بنانے اور آتشیں اسلحہ کی فراہمی کا خیال پیدا ہوا، مولاناؒ میرے اس خیال سے نہ صرف واقف تھے بلکہ معین و مشیر بھی تھے، چنانچہ مولاناؒ کے ایک دوست نے جب ان کو بتلایا کہ وہ ریوالور بہم پہنچا سکتے ہیں تو مولاناؒ نے مجھ کو ان سے ملا دیا، ان صاحب نے مجھ سے ڈیڑھ سو روپیہ لیا، ریوالور کیا دیتے روپیہ بھی ہضم کر گئے، بہر حال اس سے مولاناؒ کے ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ خفیہ سوسائٹی کے سلسلہ میں میرے خیالات ابھی عزیمت کی حد سے نکل کر عمل کی سرحد تک بھی نہ پہنچے تھے کہ تحریک خلافت شروع ہوگئی اور مولانا سجاد صاحبؒ نے صوبہ بہار میں پہلی خلافت کمیٹی گیا میں قائم کی اور میں اس کا سکریٹری تھا۔"[2]

مولانا سجادؒ کی مجاہدانہ اسپرٹ آخر تک برقرار رہی

بعد کے ادوار میں مولاناؒ پر آئینی سیاست اور پرامن جدوجہد کا رجحان غالب ہو گیا لیکن کلیتاً یہ رجحان ختم نہیں ہوا تھا، بلکہ حسب ضرورت آپ کے نزدیک ہر دور میں اس کی گنجائش باقی رہی، شاہ ابوطاہر فردوسی صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ:

"مولاناؒ کے علمی و دینی، سیاسی کارناموں میں صرف آئینی جدوجہد کو عموماً اہمیت دی جا رہی ہے، مگر میری دانست میں صرف آئینی جدوجہد میں آپ کے کارناموں کا انحصار صحیح نہیں ہے، اس میں شک نہیں کہ اسلامی اقتدار کے حصول کے لئے حسب استطاعت آئینی جدوجہد کو اختیار فرمایا اور اس میں آپ کو بفضلہ تعالیٰ خلاف امید گونہ کامیابی بھی ہوئی مگر آپ اس کے بھی خواہشمند تھے کہ اگر موقع آئے اور دشمنان اسلام کا تمرد اور ان کی سرکشی سد راہ آئے تو جہاد بالسیف کو بھی کام

۱– حیات سجاد ص ۴۲ مضمون شاہ ابوطاہر فردوسیؒ۔
۲– حیات سجاد ص ۴۷ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔

لایا جائے، اور اس سے ان کے رفقاء کار ناواقف نہیں ہیں، چنانچہ قاضی احمد حسین صاحب کے مقالہ میں جو غالباً الہلال میں شائع ہوا تھا اشارہ کیا گیا ہے، اور امارت کے ذریعہ سے مسلمانوں کو سپاہیانہ فنون کے سکھلانے کا جو نظم کیا گیا تھا وہ بھی اس پر شاہد ہے۔"[1]

قاضی احمد حسین صاحبؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں، انہوں نے اس کے دو شواہد نقل کئے ہیں:

☆ ایک یہ کہ سرحد کے مجاہدین سے ان کی دلچسپی تاحیات قائم رہی اور وہ ان کی مالی مدد بھی فرماتے رہے۔

☆ دوسرے یہ کہ قیام امارت کے بعد وہ سرحد کی طرف ہجرت کر جانا چاہتے تھے، لیکن حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب امیر شریعت اول نے روک دیا، قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"ہندوستان کی تنظیم کے ساتھ مولاناؒ بیرون ہند کے مسلمانوں کی فلاح سے بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے، خصوصاً سرحد کے آزاد علاقہ سے، میرے علم میں مولاناؒ نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک معقول رقم صوبہ سرحد کے مجاہدین تک پہنچانے کو دی تھی، میرا یقین ہے کہ صوبہ سرحد کے مجاہدین کے ساتھ مولاناؒ کی دلچسپی مرتے دن تک قائم رہی۔ مولاناؒ کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے میں نے ایک دفعہ برسبیل تذکرہ مولاناؒ سے کہا، اس صوبہ میں امارت شرعیہ قائم کرکے آپ نے اپنا وقت زندوں کے بجائے مردوں میں ضائع کیا، کاش کہ آپ صوبہ سرحد جا کر ایک چھوٹی سی نمونہ کی اسلامی حکومت قائم کئے ہوتے تاکہ دنیا دیکھتی کہ اسلامی حکومت انسانیت کے لئے کیسی رحمت ہے، تو مولاناؒ نے فرمایا کہ صوبہ سرحد سے کچھ لوگ میرے لینے کو آئے تھے اور میں بھی جانے کو تیار ہو گیا تھا لیکن امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب نے جانے نہ دیا۔"[2]

یہ حالات بتاتے ہیں کہ آئینی سیاست نے آپ کی مجاہدانہ اسپرٹ ختم نہیں کی تھی، بلکہ وہ چنگاری آخر تک خاکستر میں موجود رہی، حضرت مولاناؒ کا ادارہ حزب اللہ بھی اسی حرارت دروں کا ایک حصہ تھا۔ آپ کے جذبۂ جہاد کو ہزاروں ہزار سلام۔

❁❁

۱- حیات سجاد ص ۷۲ مضمون شاہ ابو طاہر فردوسیؒ۔
۲- حیات سجاد ص ۷۶ مضمون قاضی احمد حسین صاحب۔

(۱۵)

پندرہواں باب

موجودہ ملکی و عالمی حالات کے تناظر میں
حضرت مولانا سجادؒ کے افکار و نظریات کی معنویت

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اپنے عہد کے عظیم مفکر تھے، ان کے افکار ونظریات کی افادیت ان کے عہد ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کے کئی نظریات وافکار اپنے عصر کے بعد آج بھی زندہ ہیں، بلکہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی معنویت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، مولاناؒ کو اپنے خیالات وافکار قلمبند کرنے کا زیادہ موقعہ نہیں مل سکا، لیکن جو کچھ بھی ان کی تحریرات اور تذکروں میں بکھرے ہوئے موجود ہیں، وہ علمی دنیا کے لئے نہایت قیمتی سرمایہ ہیں، ان میں سے بعض چیزیں سوانحی حالات کے ضمن میں آچکی ہیں، لیکن کئی باتیں اب بھی تشنۂ بیان ہیں، اس باب میں آپ کے چند وہ افکار ونظریات پیش کئے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے عہد پر گہرے اثرات ڈالے، اور تقریباً ایک صدی گذر جانے کے باوجود آج بھی زندہ وتابندہ ہیں، اور ان کی اہمیت وافادیت عصر حاضر میں بھی محسوس کی جاتی ہے۔

(۱)

حضرت مولانا سجادؒ کا نظریہ تعلیم

بحیثیت عظیم مفکر تعلیم

حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت ایک مفکر تعلیم کی حیثیت سے بھی بے حد ممتاز ہے، درس وتدریس سے مسلسل اشتغال اور طویل تعلیمی تجربات کی بنا پر وہ تعلیم اور نظام تعلیم کے بارے میں کچھ مخصوص نظریات رکھتے تھے، جن میں سے بعض کے عملی تجربات بھی انہوں نے کئے تھے۔

اپنے نظریہ تعلیم پر کام کی مہلت نہیں ملی

لیکن افسوس وقت نے انہیں زیادہ مہلت نہ دی اوران تجربات کا تسلسل قائم نہ رہ سکا، حضرت مولاناؒ پر افکار واشغال کا اس قدر ہجوم تھا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ دیر تک اس سلسلہ کو جاری نہ رکھ سکے، کاش ان تجربات کا امتداد قائم رہتا تو بدلے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے ایک نیا نظام تعلیم روشناس ہوتا، اور ایک نئی تعلیمی تجربہ گاہ اور افراد سازی کی ایک نئی طاقت وجود میں آتی، جس سے قدیم وجدید دونوں طرح کے تعلیمی ادارے مستفید ہو سکتے تھے

قدیم نظام تعلیم کو مفید تر بنانے کا منصوبہ

حضرت مولاناؒ کے ذہن میں قدیم دینی مدارس کے نظام تعلیم کے لئے ایک مرتب اسکیم موجود تھی، اکثر جدید خیال کے حاملین مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام پر صرف تنقیدیں کرتے ہیں اوران کو فرسودہ قرار دینے کے لئے کیڑے نکالتے ہیں، لیکن ان کی روح اور بنیادی چیزوں کو برقرار رکھتے ہوئے نئے تجربات سے ان کو کس طرح ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے اس کا کوئی مرتب خاکہ ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا، قدیم مدارس پر تنقید کرکے اوران کے نظام تعلیم کو بے معنی ثابت کرکے وہ اپنے خیال میں اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہوجاتے ہیں، یا پھر ایسی جدید کاری کی

کوشش کرتے ہیں کہ مدارس کی روح ہی فنا ہونے لگتی ہے، جو ارباب مدارس کے لئے ہرگز لائق قبول نہیں ہوسکتی، حضرت مولانا سجادؒ خود قدیم اداروں کے پروردہ تھے، وہ پرانے علوم وفنون کی اہمیت اور قدیم طرز تربیت کی افادیت پر یقین رکھتے تھے، لیکن موجودہ تقاضوں کے ساتھ ان کو کس طرح ہم آہنگ کیا جائے، اور ان کے فضلاء کی افادیت عصر جدید میں کس طرح دوچند ہوسکتی ہے، ان کے ذہن میں اس کا ایک خاص منصوبہ تھا۔

اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے خود اپنا ایک تجربہ لکھا ہے، مولانا اصلاحی صاحب کا شمار بھی انہی متجددین میں ہوتا ہے جو مدارس کے نظام پر تنقید کرنا اپنا منصبی فرض تصور کرتے تھے، لیکن خود ان کے ذہن میں کوئی مرتب اصلاحی اسکیم موجود نہیں تھی، اس کا مکمل خاکہ ان کو حضرت مولانا محمد سجادؒ کے پاس ملا، وہ لکھتے ہیں:

> ’’چند سال ہوتے ہیں (سنہ ٹھیک یاد نہیں) مظفر پور کے ایک عربی مدرسہ کے جلسۂ تقسیم اسناد و دستار بندی میں شرکت کا اتفاق ہوا، خوش قسمتی سے مولاناؒ صدر تھے، اور میں مقرر، دستار بندی کی تقریب سے علماء کی دستار ہی کو میں نے عنوان تقریر قرار دیا اور اس کی گذشتہ عظمت کو یاد دلاتے ہوئے ان خطرات کی طرف تفصیل سے توجہ دلائی جن سے مستقبل میں اس دستار کو دوچار ہونا ہے، مجھے بھی اچھی طرح یاد ہے کہ اس تقریر میں میں نے قدیم طرز تعلیم، قدیم نصاب اور علماء کی روش پر نہایت تند لہجہ میں تنقید کی اور ان تمام تبدیلیوں کے لئے بے جھجک دعوت دی، جو عربی تعلیم اور خود علماء کی بقا کے لئے ناگریز ہیں۔ جلسہ ختم ہونے پر (انہوں نے) میری قیام گاہ پر مجھے ملاقات کی عزت بخشی ۔۔ وہ میری تقریر پر اظہار خیال کرتے کرتے عربی مدارس کی اصلاح سے متعلق خود اپنے خیالات ظاہر فرمانے لگے، اور تھوڑی دیر کے بعد جب انہوں نے گفتگو ختم فرمائی تو مجھے دفعۃً ایسا محسوس ہوا کہ خود میرے منتشر خیالات اب ایک مرتب ومہذب اسکیم کے قالب میں ڈھل گئے ہیں۔‘‘[1]

نئے نظام تعلیم کے لئے عملی کوششیں

حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نصاب تعلیم کی اصلاح کے لئے شروع سے فکرمند رہے اور اس باب میں ان کو خصوصیت واولیت حاصل تھی، مدرسہ انوار العلوم گیا کے قیام کے پس منظر میں ایک نئے نظام تعلیم کے قیام کا جذبہ ہی اصلاً کارفرما تھا، آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ

۱ــ محاسن سجاد، ص۹۴ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی۔

تحریر فرماتے ہیں:

''مولاناؒ الٰہ آباد چھوڑ کر گیا (صوبہ بہار) کیوں تشریف لائے، اس کے اسباب سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ دراصل اس کا باعث ایک تو مولاناؒ کا تعلیمی نظریہ تھا، دوسرے مدارس عربیہ کی زبوں حالی اور علمی کیفیت کی روز بروز انحطاط پذیری تھی، جو مولاناؒ کو بے چین اور مضطرب رکھتی تھی۔
ان جملہ وجوہ کے ساتھ بہاری طلبہ کے اصرار کو بڑا دخل تھا، جو ہمیشہ مولاناؒ کو مراجعت گیا کے لیے اُبھارتے رہتے تھے، اور کہتے رہتے تھے کہ جب تک آپ معیاری حیثیت کی تعلیم گاہ کی بنیاد رکھ کر جس میں کسی کا دخل نہ ہو، نمونہ قائم نہ کردیں گے، اور براہِ راست جدوجہد کو کام میں نہیں لائیں گے۔ مدارسِ عربیہ کے بوسیدہ نظام میں انقلاب نہیں پیدا ہوگا۔''[1]

ایک انقلابی مفکر تعلیم

اس لئے یہ فکر مولاناؒ سے کبھی جدا نہیں ہوئی، اور وہ انفرادی واجتماعی ہر سطح پر اس کے لئے برابر کوشاں رہے، وقتاً فوقتاً علماء اور ارباب مدارس کو اس جانب متوجہ فرماتے رہے، اور اس دور میں مولاناؒ کے سوا کوئی دوسرا نام ایسا نہیں ملتا جس نے اس فکر کو اپنی مہم کا حصہ بنایا ہو، اور اس قدر محنتیں کی ہوں، مولاناؒ اپنے عہد کے واحد انقلابی مفکر تعلیم تھے جنہوں نے الٰہ آباد کی بھری پری زندگی ترک کر کے رنج ومحن والی زندگی کو گلے لگایا، پھولوں کا راستہ چھوڑ کر کانٹوں بھرا راستہ قبول کیا، اور اس فکر کا عملی نمونہ پیش کرنے لئے متعدد تعلیم گاہیں قائم کیں، مدرسہ انوار العلوم گیا آپ کے مجوزہ نصاب تعلیم کا پہلا عملی شاہکار تھا، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے یہ الفاظ مبنی برحقیقت ہیں کہ:

''بالآخر مولاناؒ نے اس دعوت رنج ومحن کو قبول کرلیا، اور گیا کی مراجعت کے لیے تیار ہوگئے۔ ان غیر معمولی حالات میں مولاناؒ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اس رنج ومحن کے کٹھن ایام میں کبھی بھی مایوس ہوئے ہوں، یا یہ کہ ان کو کبھی خیال ہوا ہو، کہ بیٹھے بٹھائے کیوں الٰہ آباد کی طمانیت کی خوش عیش اور خوشگوار زندگی کو چھوڑ کر اس دردِ سر کو خریدا۔ مولاناؒ ہمیشہ پراُمید رہتے تھے، اور طلبہ کو پراُمید رکھتے تھے، مشکلات سے نہ گھبراتے تھے، نہ کام کے ہجوم سے پریشان ہوتے تھے۔''[2]

انقلابی تعلیمی تحریک کا آغاز

حضرت ابوالمحاسنؒ نے اس فکر کو عام کرنے اور دیگر مدارس کو بھی اس میں شریک کرنے کے

۱- حیات سجاد ص ۵۳،۴۳، ۶۳ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔
۲- حیات سجاد ص ۶۳،۷۳ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

لئے ایک تعلیمی تحریک کا آغاز فرمایا، حضرت مولاناؒ کے ذہن میں تعلیم و امتحان دونوں کے لئے ایک قومی بورڈ بنانے کا تخیل تھا جس سے بہار کے تمام مدارس منسلک ہوں اور سب میں ایک ہی نصاب تعلیم جاری ہو اور ان کے امتحانات بھی اسی بورڈ کے تحت کرائے جائیں، اس سے مدارس کا تعلیمی معیار بلند ہوگا، اور طلبہ میں مسابقت کا جذبہ بیدار ہوگا، البتہ مولانا مدارس کا سرکاری بورڈ بنائے جانے یا اس کے ساتھ مدارس کے الحاق کو مضر قرار دیتے تھے، اسی لئے بہار میں جب مدرسہ اکزامینیشن بورڈ شروع ہوا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند فرمایا، اور اس کو امت کی تعلیمی روحانیت اور دینی اصالت کے منافی قرار دیا ہے۔

ایک قومی تعلیمی بورڈ کا تصور اور قیام

حضرت مولاناؒ کے ذہن میں قومی تعلیمی بورڈ کا ایک مکمل خاکہ موجود تھا، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مولانا چاہتے تھے کہ:

(۱) موجودہ نصاب بدل دیا جائے۔

(۲) صوبہ بہار کے تمام مدارس میں ایک نصاب جاری کیا جائے۔

(۳) مدارس عربیہ کے امتحان کے لیے لائق علماء کی ایک مجلس ممتحنہ ہو، جو امتحان کے سوالات مرتب کرے اور ان کے نتائج کو شائع کرے۔

(۴) تمام مدارس میں جو بڑا مدرسہ ہو، اس کو جامعہ کلیہ قرار دیا جائے۔

(۵) ہر قابل اعتناء مدرسہ کے ذمہ ایک مخصوص فن دے دیا جائے، جس کی تکمیلی تعلیم وہاں ہو، اور ابتدا ہی سے غیر محسوس طریقہ پر اس کا وہاں کے ہر درجہ میں لحاظ رکھا جائے مثلاً کسی مدرسہ کا خصوصی فن حدیث ہو کسی کا فقہ ہو کسی کا قرآن ہو وغیرہ۔''[۱]

بہار شریف میں تعلیمی کانفرنس اور قومی تعلیمی مرکز کا قیام

چنانچہ اس سلسلہ کی ایک کانفرنس حضرت مولانا سجاد نے (جب آپ جمعیۃ علماء بہار کے ناظم تھے) جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۴ء میں مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں طلب فرمائی، جس میں جدید و قدیم اصحاب علم کے ہر طبقہ سے بہار کی انتہائی مقتدر شخصیات نے شرکت کی، ان میں خصوصیت کے ساتھ درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

۱- حیات سجاد ص ۵-۶، ۳-۴، مضمون مولانا عبدالصمد رحمانی۔

☆ حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب مہتمم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (صدر نشین)
☆ حضرت مولانا ابونعیم محمد مبارک کریم صاحب (سپرنٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز بہار)
☆ مولانا حکیم شرف الحق صاحب بہاری
☆ مولانا شاہ نورالحسن صاحب پھلواروی ؒ
☆ مولانا عبدالشکور صاحب لوگانواں
☆ مولانا نورالدین صاحب مہونی
☆ مولانا شاہ قمرالدین صاحب پھلواری شریف
☆ مولانا سید عثمان غنی صاحب گیا
☆ مولانا شاہ ابوالخیرات صاحب سیوان
☆ مولانا حافظ محمد ثانی صاحب بتیا
☆ مولانا نعمت اللہ صاحب مظفرپور
☆ مولانا حکیم عبدالعزیز صاحب دربھنگہ
☆ مولانا عبدالصمد صاحب مونگیر
☆ مولانا حکیم محمد یعقوب صاحب مونگیر
☆ مولانا سید ظہورالحسن صاحب بھاگلپور
☆ حضرت مولانا جمیل احمد (سیوان) بوجہ ضعف خود تشریف نہ لا سکے البتہ طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر اپنی ایک قیمتی تحریر ارسال فرمائی جسے شرکاء اجلاس نے بہت پسند کیا۔
☆ مولانا عزالدین ندوی نواسہ حضرت شاہ سلیمان پھلواروی ؒ
☆ شاہ فصیح احمد کاظمی ایف اے
☆ علاوہ اکثر بڑے مدارس کے مہتممین اور مدرسین شریک ہوئے۔[۱]

کانفرنس میں مدارس اسلامیہ کے گرتے ہوئے معیار اور اصلاح نصاب کی بات زیر بحث آئی اور حضرت مولانا سجادؒ نے اس کے لئے ایک ''قومی امتحانات بورڈ'' کی سفارش فرمائی، اور کئی اہم تجاویز منظور کی گئیں۔ مشہور عالم دین اور حضرت مولانا سجادؒ کے قریب ترین عزیز مولانا مسعود عالم ندویؒ ان دنوں مدرسہ عزیزیہ میں زیر تعلیم تھے، کانفرنس کی چشم دید رپورٹ ان کے قلم

۱- مقالات سجاد ص ۸۰۔

سے ملاحظہ فرمایئے:

''مدرسہ کی تعلیم کے دو چار زینے طے ہوچکے تھے کہ مدرسہ (مدرسہ عزیزیہ بہار شریف) ہی کے احاطہ میں اصلاح نصاب تعلیم کے متعلق علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، شوال کی ابتدائی تاریخیں تھیں، مدرسہ ۸ رشوال کو کھلتا تھا لیکن جلسہ کے شوق میں وقت سے پہلے بہار آ گیا اور تمام نشستوں میں حاضر رہا۔ اس وقت مجھے پہلی مرتبہ مولاناؒ کی عظمت کا احساس ہوا، بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا، مولانا عبدالوہاب صاحب مہتمم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ صدر نشیں تھے، حصہ لینے والوں میں مولانا ابونعیم محمد مبارک کریم صاحب (سپرنٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز بہار) اور مولانا حکیم شرف الحق صاحب بہاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن اجلاس کے روح رواں مولانا محمد سجاد علیہ الرحمۃ ہی تھے، مولاناؒ چاہتے تھے کہ صوبۂ بہار کے تمام عربی مدرسے ایک نظام کے ماتحت آ جائیں اور ایک نصاب تعلیم پر ہر جگہ عمل درآمد ہو، اس تجویز کے ذریعہ درحقیقت وہ مدرسہ اگزامنیشن بورڈ کے نئے فتنہ کا سد باب کرنا چاہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ سرکاری امتحانات کے بدلے آزاد قومی امتحانات ہوں، تجویز یہ تھی کہ مدرسہ عزیزیہ کو اس نئے قومی تعلیمی نظام کا مرکز قرار دیا جائے، اور اپنی پائیدار مالی حیثیت کی وجہ سے وہ اس کا اہل بھی تھا، اجلاس تو کامیاب رہا اور ہم ناسمجھ تو بڑی امیدیں لے کر اٹھے تھے، لیکن کچھ ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ خود ہمارا مدرسہ سرکاری اگزامنیشن بورڈ سے ملحق کر دیا گیا، جب حریفوں نے مجوزہ مرکز ہی کو توڑ لیا تو پھر کیا امید ہوسکتی تھی۔''[1]

قومی تعلیمی بورڈ کا خاکہ

اس اجلاس کے موقعہ پر چند تجاویز پر مشتمل ایک تحریر بھی حضرت مولانا سجادؒ نے پیش فرمائی تھی، جس میں کچھ اضافہ اور کاروائی اجلاس وغیرہ شامل کر کے افادۂ عام کی غرض سے ''اصلاح تعلیم ونظام مدارس عربیہ'' کے نام سے خود حضرت مولاناؒ ہی نے اس کو شائع فرما دیا تھا، یہ مضمون اب مقالات سجاد کا حصہ ہے بطور نمونہ اس کے کچھ ضروری نکات پیش کئے جاتے ہیں:

''چوں کہ مدارس عربیہ اسلامیہ میں جو نصاب تعلیم رائج ہے اور جو طریق تعلیم وتربیت عموماً شائع ہے، وہ ایک حد تک موجودہ ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے کافی نہیں ہے، انہی وجوہ سے کثرت مدارس کے باوجود علمی کیفیت روبروز انحطاط پذیر ہوتی جاتی ہے، اگر چہ علماء کی تعداد میں ہر سال ایک غیر معمولی اضافہ ہوتا رہتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سے حضرات کے دلوں سے

۱- محاسن سجاد، ص ۶۶ مضمون مولانا مسعود عالم ندویؒ

مدارس عربیہ اسلامیہ کی وقعت زائل ہوگئی ہے، اور انہی وجوہ سے ملک میں ایک عام بددلی پھیلتی جاتی ہے، اس لئے جمعیۃ علماء بہار کا یہ جلسہ (جس میں ارکان جمعیۃ علماء بہار کے علاوہ مدارس اسلامیہ صوبہ بہار کے مدرسین و مہتممین و دیگر اہل الرائے شریک ہیں) متفقہ طور پر یہ تجویز کرتا ہے کہ اسلامی عربی تعلیم کو ترقی دینے اور اس کی عزت و وقار کے قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ عربی تعلیم کو زیادہ مفید و بااثر بنانے اور تمام مدارس اسلامیہ کی عظمت بڑھانے کے لئے حسب ذیل اصول اختیار کئے جائیں:

(الف) صوبہ بہار کے تمام مدارس عربیہ اسلامیہ میں ایک ہی نصاب رائج کیا جائے، اور موجودہ نصاب مروج میں جن امور کی ضرورت ہو اس کو لحاظ کرتے ہوئے کمی بیشی کر کے نصاب کی مزید تکمیل کی جائے۔

(ب) صوبہ بہار کے تمام مدارس اسلامیہ کے لئے ایک مجلس ممتحنہ قائم کی جائے، جس کے اندر نہایت لائق و فائق مدرسین شریک ہوں، یہی مجلس تمام مدارس کے امتحان کے اصول و نوعیت باعتبار کتاب و درجات قائم کرے اور تمام مدارس کے نتائج کو باضابطہ شائع کیا جائے اور بغیر کامیابی طلبہ کو ترقی نہ دی جائے، لیکن جامعہ کلیہ (جو آئندہ قائم ہوگا) کے امتحانات میں اگر کسی خاص ایک مضمون میں ناکامیاب ہو جائے تو اس کا دوبارہ امتحان اسی مضمون خاص میں لیا جائے، اور بصورت کامیابی ترقی دی جائے، اور نیچے درجے کے امتحانات میں ہر مدرسہ کے مدرس اعلیٰ ناکامیاب طلبہ کو ان کی استعداد کی بنا پر ترقی دے سکتے ہیں۔

(ج) تمام صوبہ کے اندر درجہ متوسط سے اعلیٰ تعلیم تک کے درجات میں جو لڑکے سب سے اعلیٰ کامیابی حاصل کریں ان کے لئے ایک سال تک انعامی وظیفہ مقرر کیا جائے۔

(د) صوبہ بہار کے جملہ مدارس اسلامیہ میں نہایت پابندی کے ساتھ یہ نظام قائم کیا جائے کہ جو لڑکا کسی مدرسہ سے نکل کر کسی اور مدرسہ میں داخل ہونا چاہے، تو جب تک وہ سابق مدرسہ کی سند پیش نہ کرے داخل نہ کیا جائے، اس صوبہ میں اس کی پابندی کے بعد بیرونی صوبہ کے مدارس سے بھی معاہدہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، تا کہ طلبہ کی لاپرواہی کا سد باب ہو جائے اور تعلیم و تربیت کی نگرانی کامیاب ہو سکے، لیکن اگر کوئی لڑکا سند نہ پیش کرنے کی وجہ سابق مدرسین کی عدم توجہی یا مدرسین و مہتممین کے دوسرے ناجائز وجوہ کو بیان کرے، تو ایسی صورت میں اہل مدرسہ کا فرض ہوگا کہ کامل تحقیقات کے بعد لڑکے کے بیان کردہ وجوہ کے ثابت ہونے کی صورت میں اس کو داخل مدرسہ کرلیں۔

(س) اور اگر کوئی طالب علم کسی معقول وجہ سے کسی دوسری تعلیم گاہ میں جانا چاہے اور اس کی

سند اہل مدرسہ سے طلب کرے تو اہل مدرسہ کا فرض ہوگا کہ اس کو دے دیں۔

(ہ) صوبہ بہار کے کسی ایک بڑے مدرسہ کو جامعہ کلیہ کا درجہ دیا جائے۔"[1]

اسی موقعہ پر جمعیۃ علماء بہار کی مجلس منتظمہ کا بھی اجلاس ہوا، ان تجاویز کو اس مجلس نے بھی منظور کیا، کانفرنس کے اخراجات جناب سید شاہ محمد قاسم صاحب بیرسٹر متولی صغریٰ وقف اسٹیٹ نے برداشت کئے۔[2]

مدرسہ شمس الہدیٰ بورڈ کے لئے ایک جامع نصاب تعلیم کی ترتیب

بہار میں ڈاکٹر سید محمود کی وزارت تعلیم کے زمانہ میں جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے حوالے سے نصاب تعلیم کی اصلاح کی آواز اٹھی اور ایک جامع نصاب تعلیم کی منظوری کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، تو حضرت مولانا سجادؒ اس کمیٹی کے رکن رکین مقرر ہوئے، اور اس کمیٹی نے آپ کی فکر و تجربات سے پورا استفادہ کیا، اور ایک جامع نصاب تعلیم مرتب کیا، علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کو امید تھی کہ اگر بہار ان نئے نصابی خطوط پر اپنا تعلیمی سفر جاری رکھتا تو ہندوستان کا کوئی صوبہ تعلیم کے میدان میں اس کی ہمسری نہ کرسکتا تھا مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا بیان ہے کہ مولاناؒ ایک روایتی قدیم نصاب تعلیم کے پروردہ تھے اور اکثر تعلیمی زندگی بھی اسی ماحول میں گذاری اس لئے شروع میں ہمیں مولانا کے بارے میں اندازہ نہیں تھا، بلکہ یک گونہ خوف کا احساس تھا لیکن نصاب تعلیم کے تعلق سے مولانا کی دقت نظر، فکرمندی اور دور بینی دیکھ کر ہمیں اپنی جھوٹی روشن خیالی پر ندامت ہونے لگی، اس نصاب تعلیم کا ابتدائی مسودہ علامہ گیلانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تیار کیا تھا، لیکن آخری شکل دینے والی کمیٹی میں مفکر تعلیم حضرت علامہ محمد سجادؒ کے تعلیمی نظریات نے اس نصاب کو ایک طاقتور تعلیمی نصاب میں تبدیل کردیا، مولانا گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر محمود صاحب وزارت تعلیمات کے زمانہ میں میرے اور سید سلیمان صاحب کے بنائے ہوئے نصاب متعلقہ مدرسہ شمس الہدیٰ پر بعض جہات سے اعتراضات ہوئے، کمیٹی نظر ثانی کے لئے بنی، مولاناؒ بھی اس کمیٹی کے رکن تھے، مجھے کچھ اندیشہ تھا کہ شاید تعلیمی حیثیت سے مولانا کے قدیم نقطۂ نظر میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے، کہیں اعتراضات ان ہی کی طرف سے نہ ہوں، خوف زدہ تھا کہ ان کی گرفتوں کا جواب آسان نہ ہوگا، لیکن جو شکلاً، صورۃً، لباساً، وضعاً بالکل ملا قدیم ملاؤں

۱- مقالات سجاد ص ۷۶ تا ۸۱۔

۲- مقالات سجاد ص ۸۰، ۸۱۔

کے پختہ رنگ میں رنگین تھا، کمیٹی کے وقت ان کی دوررس نظر کو دیکھ کر اپنی جھوٹی روشن خیالی پر مجھے شرمندہ ہونا پڑا، ترمیم نصاب کے مسئلہ میں مولاناؒ کا قدم ہم سے آگے تھا، نتیجہ یہی ہوا کہ تحتانی کلاسوں کی چند جزئی ترمیمات کے سوا مخالفین کی اس مطلوبہ کمیٹی کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، بحمداللہ وہ نصاب اپنے موجودہ حال میں جاری ہے اور ان شاء اللہ پچیس تیس سال کے اندر اندر ہندوستان کو ماننا پڑے گا کہ اسلامی علوم کے سلسلہ میں بہار کا قدم تمام صوبوں سے آگے ہے، بشرطیکہ اس نصاب کو ان ہی شرائط کے ساتھ پڑھایا جائے جو تدریس کے لوازم ذاتی ہیں۔"[1]

مکاتب کا نصاب تعلیم

حضرت مولانا سجادؒ مدارس کے ساتھ مکاتب کے تعلیمی نظام کے لئے بھی بہت فکر مند تھے، اس لئے کہ مکاتب کا دائرہ مدارس سے زیادہ وسیع ہے، ہر مسلمان مدرسہ تک نہیں پہنچ سکتا، لیکن مکتبی تعلیم سے ہر شخص کو گذرنا پڑتا ہے، مولاناؒ چاہتے تھے کہ مکاتب کے لئے بھی ایک ایسا نصاب تعلیم مرتب کردیا جائے جو اس کو پڑھنے والے طالب علم کی پوری زندگی کے لئے مشعل راہ (گائڈ لائن) ہو، اور اس کے بعد مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر نہ بھی ہوں تو انسان اپنے مذہب کی بنیادی چیزوں اور ضروری عقائد و مسائل سے بے بہرہ نہ رہے، اوپر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کی جس کانفرنس کا ذکر آیا ہے، اس میں مولاناؒ نے مکاتب کے لئے بھی اپنے عزم کا اظہار فرمایا تھا، اور شرکاء سے اپیل کی تھی کہ وہ اپنے ذوق کے مطابق نصاب کے اصولوں کی نشاندہی کریں اور اگر کوئی صاحب علم مسودہ کا خاکہ تیار کرسکیں تو تیار کر کے ارسال کردیں تاکہ نصاب کی ترتیب میں آسانی ہو، اور آئندہ کسی نشست میں اس پر غور و خوض کیا جاسکے۔ خود حضرت مولانا سجادؒ کے مضمون میں اس کا ذکر موجود ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> "ایک اور اہم مسئلہ رہ گیا ہے جو اس مسئلہ سے کم اہم نہیں ہے، اور وہ ابتدائی مکاتب کے نصاب کا مسئلہ ہے اس کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ حضرات کو تکلیف دی جائے گی، لیکن آپ حضرات اس پر آج ہی سے غور و خوض شروع کردیں کہ وہ نصاب کن اصولوں پر بنایا جائے، اور کس حد تک رکھا جائے، اور جو حضرات اس کے متعلق کوئی مسودہ تیار کریں ہمارے نام روانہ فرمائیں، تاکہ ترتیب میں مجھے سہولت ہو، اور آئندہ آپ کو بھی آسانی ہو اسی سلسلہ میں ناظم (حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ) نے یہ بھی بتایا کہ کتابی تعلیم اور مذہبی تعلیم و تعلم کلیۃً و عموماً فرض ہے اور یہ

۱- حیات سجادؒ ص ۶۲، ۶۳ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانیؒ۔

فرض زبانی تعلیم سے پوری ہوسکتی ہے، اس پر بھی غور کرنا چاہئے۔" [۱]

آج جامعات سے زیادہ مکاتب کی ضرورت ہے

حضرت مولانا سجادؒ مکتبی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، ان کے نزدیک آج کے دور میں بڑے مدارس اور جامعات کے بجائے چھوٹے چھوٹے مکاتب قائم کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، آج علماء کا بڑا مرض یہ ہے کہ وہ جامعہ، کلیہ اور دارالعلوم سے کم پر راضی نہیں ہوتے، حضرت مولانا سجادؒ اکثر لوگوں کو اس جانب متوجہ کرتے تھے، ایک مضمون میں انہوں نے اپنا یہ درد بیان کیا ہے تحریر فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ جا بجا مدارس بھی جاری ہیں، مگر ان مدارس سے زیادہ فائدہ متصور نہیں ہے، کیونکہ جہاں مدرسہ قائم ہوتا ہے، تو اس کے منتظمین اور مدرسین کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہر مدرسہ گویا ایک جامعہ کلیہ ہو، اور اقل درجہ یہ ہے کہ عربی کی تعلیم دی جائے، اور علماء پیدا کئے جائیں، بے شک خیال تو نہایت مبارک ہے مگر یہ عملاً ناممکن ہے اور اصلی مرض کا علاج نہیں ہے، بلکہ ضرورت یہ ہے کہ دیہات وقصبات میں چھوٹے چھوٹے مکاتب ہوں، جہاں صرف کلام مجید اور بذریعہ اردو دینیات کی تعلیم دی جائے تاکہ معمولی لکھنا پڑھنا آجائے، اگر کوئی لڑکا اس سے زائد تعلیم حاصل کرنا چاہے تو پھر اس کے لئے صدر مقامات کے مدارس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، مجھے افسوس ہے کہ ہمارے علماء کرام و زعمائے ملت ابتدائی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کرتے جو سب سے زیادہ قابل توجہ چیز ہے اکثر صحبتوں میں میں نے اپنے خیالات اس باب میں ظاہر کئے ہیں، اور ان شاء اللہ کسی فرصت میں اب اس مسئلہ پر مستقل مضمون لکھوں گا۔" [۲]

مکاتب میں زبانی طریقۂ تعلیم کو فروغ دینے کی ضرورت

مکاتب کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لئے حضرت مولاناؒ کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ کتابی سے زیادہ زبانی طریقۂ تعلیم کو فروغ دینا چاہئے، اس سے ہر عمر اور ہر صلاحیت کے لوگ فائدہ اٹھاسکتے ہیں، بعد میں اس کو طلب ہوگی تو کتابی تعلیم بھی حاصل کرلے گا، خیر القرون کا طرز تعلیم یہی تھا، اس میں بڑی مصلحتیں اور فائدے پوشیدہ ہیں، اس کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے اپنے مضامین اور خطابات میں اس جانب لوگوں کی

۱- مقالات سجاد ص ۷۹، ۸۰۔

۲- مقالات سجاد ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

توجہات مبذول فرمائی ہے:

☆ مدرسہ عزیزیہ میں اصلاح نصاب کانفرنس (۱۹۲۴ء) کے موقعہ پر آپ نے جو فکر انگیز خطاب فرمایا، اس میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے:

''کتابی تعلیم اور مذہبی تعلیم و تعلم کلیتۃً و عموماً فرض ہے اور یہ فرض زبانی تعلیم سے پوری ہو سکتی ہے ،اس پر بھی غور کرنا چاہئے۔''[1]

☆ اسی طرح آپ کے ایک مضمون کا یہ اقتباس بھی بہت اہم ہے:

''تعلیم دین جو فرض عین ہے اس کے حصول کا ذریعہ صرف کتابی تعلیم نہیں ہے ،اور یہ فرض صرف کتابی تعلیم سے ادا بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ سب سے اول زبانی تعلیم کی حاجت ہے، کیونکہ تعلیم کے عام ہونے کی یہی صورت ہے، اس کے بعد کتابی تعلیم ہونی چاہئے ۔اس لئے ابتداءً بچوں کو بھی زبانی تعلیم دینی چاہئے، اور پانچ چھ ماہ زبانی تعلیم دینے کے بعد کتابی تعلیم شروع کی جائے ، اور بڑے بوڑھوں کو تو عموماً صرف زبانی ہی تعلیم دینی ممکن ہے ، جس قدر بھی وقت میسر آئے اس کے اندر ان کو عقائد، عبادات اور اخلاقی مسائل کی تعلیم دی جائے ، مذہبی وقومی روایات یاد کرائے جائیں، مگر ہم لوگوں نے تعلیم کے اصلی طریقوں کو اختیار نہیں کیا، حالانکہ خیر القرون کے زمانہ میں تعلیم کے یہی طریقے مروج تھے اس لئے اس عام جہالت کی ذمہ داری صرف عوام الناس پر نہیں ہے بلکہ سب سے زائد اس کی ذمہ داری ہماری قوم کے رہبروں، بالخصوص ہمارے علماء کرام پر ہے، ہمیں معاف کیا جائے تو ہم عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی زندگی کا مقصد زائد سے زائد یہ بنالیا ہے کہ کچھ لوگوں کو ہم عالم دین بنادیں مگر افسوس کہ ہم اس مقصد میں بھی اب حقیقتاً ناکام ہو رہے ہیں۔''[2]

عربی مدارس میں صنعتی تعلیم

حضرت مولانا سجادؒ مسلمانوں میں صنعتی تعلیم کے فروغ پر بھی بہت زور دیتے تھے ، یہاں تک کہ عربی مدارس کے طلبہ کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ کوئی نہ کوئی صنعتی تعلیم ان کو بھی دی جائے تا کہ وہ معاشی طور پر کسی کے محتاج نہ رہیں اور ان کی غربت و افلاس کا استحصال نہ کیا جا سکے، علامہ مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عربی مدارس میں کے طلبہ کی معاشی سہولتوں کے لئے یہ پرانی

۱- مقالات سجاد ص ۷۹، ۸۰۔

۲- مقالات سجاد ص ۱۰۹، ۱۱۰۔

تجویز کہ ہر مدرسہ میں کسی ایسی مقامی غیر مقابلاتی[1] صنعت اور ہنر کی طلبہ کو تعلیم دی جائے، جس کے ذریعہ وہ اپنی روزی کے لئے مسلمانوں کے سینوں کے بوجھ یا غیر مسلموں کے مقاصد کے آلۂ کار نہ بنیں۔ اس تجویز کا آغاز جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ اسی متولی کے ذریعہ سے بہ شکل خطاطی و کاپی نویسی مدرسہ عزیزیہ میں شروع ہوا جسے حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی نگاہ انتخاب نے اس عہدہ تک پہنچایا تھا۔ پس سچ یہ ہے کہ وقف اسٹیٹ کے دور یوسفی کے ڈھائی سال کے زمانہ کو اگر دور سجادی قرار دیا جائے تو یہ ایک واقعہ کا اظہار ہوگا۔"[2]

صنعتی تعلیم کے لئے مستقل ادارہ کا قیام

حضرت مولانا سجادؒ نے مسلمانوں کی صنعتی تعلیم کے لئے دیدار گنج پٹنہ کی وسیع و عریض شاہی مسجد (جو لب دریا واقع ہے) میں باقاعدہ ایک بڑی درسگاہ کی بنیاد بھی ڈالی تھی، اور اس کو بڑے پیمانہ پر لے جانا چاہتے تھے، آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نے اس ادارہ کا ذکر کیا ہے[3]، جس کا تفصیلی ذکر پیچھے آچکا ہے۔

حضرت مولاناؒ چاہتے تھے کہ مسلمان سرکاری ملازمتوں پر انحصار نہ کریں، بلکہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، نیز اس صنعتی دور میں کوئی ملک صنعتی ترقیات کے بغیر ترقی یافتہ نہیں ہوسکتا، آپ کی خواہش تھی کہ ہندوستان خود ہندوستانیوں کی بدولت آگے بڑھے۔

علاوہ آج کے دور میں سرکاری ملازمتوں کے لئے بالخصوص مسلمانوں کے لئے جو مشکلات ہیں ان کے تناظر میں حضرت مولانا سجادؒ کے اس نظریہ کی معنویت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے۔

عصر حاضر میں مسلمان سائنس میں کمال پیدا کریں

حضرت مولانا مسلمانوں کے لئے عصری علوم میں انگریزی زبان کے ساتھ سائنسی علوم کو ترجیح دیتے تھے، مولانا چاہتے تھے کہ مسلم طلبہ سائنس میں کمال حاصل کریں اور اس کے ذریعہ اسلام کی خدمت کریں، اس لئے کہ آج کے دور میں سب سے زیادہ اسی راستے سے تشکیک پیدا کی

۱- غیر مقابلاتی سے مراد ایسی صنعتیں ہیں جن میں یورپ امریکہ، جاپان وغیرہ کی میکانکی صنعتوں سے مقابلہ نہ ہو، مثلاً زرگری، آہن گری، نجاری، معماری، شیرنی سازی، طباخی، پولٹری (مرغبانی)، باغبانی، کاشت کاری وغیرہ کہ بہر حال ان چیزوں کے لئے ہندوستان کی دستکاری سے نفع اٹھانے پر مجبور ہونا پڑتا ہے، بخلاف پارچہ بافی وغیرہ میکانکی صنعتوں کے کہ ہندوستانیوں کی دستکاریاں مشین استعمال کرنے والے ممالک کا مقابلہ نہیں کرسکتیں (علامہ مناظر احسن گیلانیؒ حیات سجاد ص ۵۳ حاشیہ)

۲- حیات سجاد ص ۵۳ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانیؒ۔

۳- حیات سجاد ص ۱۳۱ مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

جارہی ہے، شاہ محمد عثمانی صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

''ایک بار اپنے ایک دوست کے ساتھ مولاناؒ سے ملا تھا وہ ایم اے میں فلسفہ کے طالب علم تھے ۔ مولانا نے کہا کہ انگریزی پڑھئے تو سائنس لیجئے جس میں مسلمان پیچھے ہیں، ادب اور فلسفہ کے میدان میں مسلمان پیچھے نہیں ہیں ۔ مولاناؒ دراصل اسلام اور سائنس کے ربط کے حامی تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان ایک طرف اسلام سے واقف ہوں اور دوسری طرف جدید سائنس پر بھی ان کی نظر ہو ۔ مولاناؒ کے عہد میں کم علماء ہوں گے جن کے اندر یہ حقیقت پسندی ہوگی ۔''[1]

۱ـ ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲۔

(۲)

ہندو مسلم اتحاد کا نظریہ

حضرت ابوالمحاسنؒ کے سیاسی نظریات میں ہندو مسلم اتحاد کے نظریہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے ، وہ ہندوستان کے موجودہ پس منظر میں بہت سے سیاسی اور ملکی مسائل کے لئے اس اتحاد کو مفید تصور کرتے تھے ، بالخصوص جنگ آزادی میں کامیابی کے لئے اس کو آخری کلید کے طور پر دیکھتے تھے۔

ہندو مسلم اتحاد کے اولین علمبردار

حضرت مولاناؒ ہندوستان میں اس نظریہ کے اولین علمبرداروں میں تھے، بلکہ کہنا چاہئے کہ سب سے پہلے اس میدان میں حضرت مولاناؒ نے ہی قدم آگے بڑھایا، اور آپ کی فکر سے متأثر ہوکر جمعیۃ علماء ہند اور دیگر جماعتوں نے بھی اسے قبول کیا، خود آپ نے اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

> ''میں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اتحاد مابین اقوام ہند پر زور دیا ہے اور آج پھر باوجود تلخ تجربات کے کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ اور بھی مصالحت اور موادعت کی کوشش کر لی جائے ، اور غالباً اگر تمام ہندوستان میں نہیں تو کم از کم اپنے صوبہ کے علماء کے خدام میں میں پہلا شخص ہوں جس نے سنت نبویہ پر عمل کرنے کے لئے سب سے پہلے آگے قدم بڑھایا ہے کہ گھر کے غیر مسلم قوموں سے پہلے مصالحت و موادعت کی جائے ، پھر بیرونی دشمنوں سے گھر کی حفاظت متحدہ اور مشترکہ طاقت سے کی جائے ۔''[1]

عزیمت و رخصت

حضرت مولاناؒ اپنے مطالعات اور تاریخی تجربات کی روشنی میں اس اتحاد کو ملک و ملت کے

۱۔ خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۱۰۳۔

لئے مفید اور قومی مقاصد کے حصول میں معاون سمجھتے تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مولاناؒ کے نزدیک ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ و بقا، یا ملک کی آزادی کا حصول اسی اتحاد پر موقوف تھا، بلکہ وہ مسلمانوں کی جداگانہ جدوجہد کو عزیمت اور ہندو مسلمانوں کی متحدہ کوششوں کو رخصت قرار دیتے تھے، فرماتے تھے کہ:

> ''میرا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اگر ہندو مسلمانوں سے متحد ہو کر کام نہ کریں یا ان سے مصالحانہ رویہ نہ رکھیں تو مسلمان ہندوستان میں زندہ نہیں رہ سکتے، یا انگریزوں کی غلامی سے نجات نہیں پا سکتے ہیں، اور یہ محض تخیل اور شاعری اور جذبہ کا اظہار نہیں ہے، بلکہ اپنی فراست اور بصیرت کے ساتھ نہایت ٹھنڈے طور پر غور کر کے عرض کرتا ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس صورت میں ہمارے لئے مشکلات زیادہ ہیں مگر اس کے بعد راحت بھی زیادہ ہے لیکن اسی کے ساتھ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر ہندو اور دیگر اقوام مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں اور مصالحانہ اور مسالمانہ رویہ اختیار کرلیں تو یہ طریقہ نہایت اسلم اور نہایت سہل ہے اور تمام اقوام کے لئے یکساں مفید ہے، بشرطیکہ جن امور کا لفظوں سے اقرار کیا جائے عمل سے بھی اس کا ثبوت دیا جائے اس اسلوب کے اختیار کرنے میں زندگی پرسکون گذرے گی اور انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کی امید کی جا سکتی ہے۔''[1]

اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک

اسلام بنیادی طور پر امن و سلامتی اور محبت و بھائی چارہ کا مذہب ہے، وہ خواہ مخواہ حرب و جنگ کا قائل نہیں ہے بالخصوص اپنے پڑوسیوں کے ساتھ انتہائی حسن سلوک اور ہمدردی کی تلقین کرتا ہے، خواہ پڑوسی مسلمان ہو یا غیر مسلم، مذہبی اختلاف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ باہمی تعلقات میں ناخوشگواری پیدا کی جائے، قرآن پاک میں اس طرح کی متعدد آیات موجود ہیں جن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور حدود پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک آیت اس سلسلے میں بہت ہی زیادہ واضح ہے۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (الممتحنۃ: ۸، ۹)

ترجمہ: خدا تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے مذہب میں لڑائی نہیں کرتے، اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں، خدا انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

ایک دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر محارب کافر بھی صلح پر آمادگی کا اظہار کرے تو مسلمانوں کو خدا کے بھروسہ پر اس کی پیشکش بھی قبول کرنی چاہئے:

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۱۰۳۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (الانفال:٦١)

ترجمہ: اگر وہ لوگ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی صلح کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (یعنی اگر وہ تمہیں فریب دینا چاہیں گے تو بیشک تمہاری مدد کرنے کے لئے اللہ کافی ہے)

رواداری کا فائدہ

مسلمانوں کے اخلاق اور رواداری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دوریاں کم ہوتی ہیں، اور عداوت محبت میں تبدیل ہوجاتی ہے، قرآن کریم نے اس نتیجہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (الممتحنۃ:۷)

ترجمہ: اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کردے اور اللہ بڑی قدرت والا ہے، اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

امن باہم کے بغیر فرض منصبی کی تکمیل ممکن نہیں

علاوہ تمام مخلوقات عالم کی خدمت مسلمانوں کے سپرد کی گئی ہے، اور یہ دوہری ذمہ داری اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتی جب تک کہ سب کے ساتھ امن ومحبت کے تعلقات استوار نہ کئے جائیں، خطبۂ صدارت مرادآباد میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرات! یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کسی سے جنگ کی جائے، وہ تو تمام دنیا کے لئے پیام امن لے کر آیا ہے، اور اللہ کی تمام مخلوقات کی خدمت مسلمانوں کے سپرد کی گئی ہیں،

کما قال اللہ تعالیٰ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ الآية (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: جو امتیں لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کی گئی ہیں، ان سب میں تم بہتر امت ہو، کیونکہ تم دنیا میں امر بالمعروف یعنی ہر نیک اور بھلے کام کی اشاعت کرتے ہو اور نہی عن المنکر یعنی برے کاموں سے لوگوں کو منع کرتے ہو۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جن اقوام کی خدمت اسلام نے مسلمانوں کے سپرد کی ہو، ان سے

جنگ کرنے کی تعلیم دے ہاں البتہ خود انسانی مخلوق کی حفاظت کے بعض حالات میں جنگ کی اجازت ہے بلکہ فرض ہے۔‘‘[1]

اسلامی تعلیمات نہ خالص محاربانہ ہیں اور نہ خالص مسالمانہ

اسلامی تعلیمات نہ خالص محاربانہ ہیں اور نہ خالص مسالمانہ، بلکہ عادلانہ ہیں، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں تحریر فرماتے ہیں:

’’پس اسلام کی تعلیمات کو محض محاربانہ کہنا اسی طرح نادانی ہے جس طرح اس کی تعلیم کو بہرحال مسالمانہ اور عاجزانہ کہنا غلط ہے لیکن ان تعلیمات کا یہ منشا نہیں ہے کہ کسی دوسری قوم اور دوسری جماعت کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ امن کی زندگی کی تعلیم اسلام میں نہیں ہے اور مسلمان اس تعلیم کے خوگر نہیں ہیں، یہ کہنا ظلم اور سراسر ظلم ہے۔‘‘[2]

ہندو مسلم اتحاد کا معتدل راستہ

مولاناؒ کے نزدیک قیام اتحاد کی پہلی منزل بنیادی قدروں پر صلح وہدنہ اور دوسری منزل مقررہ اہداف کے لئے تناصر و تعاون کا معاہدہ ہے، مولاناؒ فرماتے تھے کہ اپنے حقوق و مراعات کی تفصیلات زیر بحث لانا اور مسلکی امتیازات سے تعرض کرنا اکثر اتحاد کے راستہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے، اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں فرماتے ہیں:

’’میں سمجھتا ہوں جس قدر حقوق و مراعات کے قضیہ پر بحث ہوتی رہے گی، اسی قدر حالت بدتر ہوتی جائے گی، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعی قوم کے ذمہ دار اصحاب صحیح اصول پر کام کرنا چاہتے ہیں، اور باہمی جنگ اور فتنہ وفساد کو بند کرنا چاہتے ہیں، عام ازیں کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ جنگ کریں یا نہ کریں تو سب سے پہلے اس مقصد کے لئے وہ پہلی منزل ہدنہ اور صلح کی اختیار کریں۔ اور اس ہدنہ اور صلح میں صرف ایک بات طے کریں کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم سے قومی اور مذہبی معاملات کی انجام دہی میں کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کرے اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ نہ کرے اور نہ ایک قوم دوسری قوم کے معتقد علیہ کی نسبت توہین آمیز الفاظ کہے: اس ہدنہ کے بعد اور فضا صاف ہوجانے کے بعد دوسری منزل موادعت کی ہے، باہمی معاہدہ اور تعاہد و تناصر کی منزل تو اس وقت ہے جب کہ پہلے امن اور صلح ہوجائے اور جذبات کا ہیجان رفع

ا-خطبۂ صدارت مرادآباد ص۱۰۰، ۱۰۱۔

۲-خطبۂ صدارت مرادآباد ص۱۰۱، ۱۰۲۔

ہو جائے۔'' [1]

جادۂ اعتدال برقرار نہ رہ سکا

لیکن اب تک کے تجربات میں اتحاد کے اس زریں اصول کو اکثر نظر انداز کیا گیا، مولاناؒ کو ایک طرف کانگریس اور بالخصوص مسٹر گاندھی جی سے شکایت تھی کہ انہوں نے اتحاد کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ [2]

دوسری طرف مسلمانوں سے شکوہ تھا کہ وہ محبت و جنگ اور قربت و فاصلہ کے درمیان اعتدال قائم نہ رہ سکے، مدارات اور مداہنت کا فرق باقی نہ رکھ سکے کسی قوم سے قریب ہوئے تو ایسا اندھا اعتماد کیا کہ اپنی ہستی کے تشخص کی فکر بھی نہ رہی، یہاں تک کہ اپنی تہذیب فنا کر کے غیروں کی نقالی شروع کردی، جیسا کہ ۱۸۵۷ھ کی جنگ کے بعد سرسید احمد خان کی صلح جویانہ کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس طبقہ کے اکثر لوگ فنافی النصاریٰ نظر آتے ہیں، اور پھر جب ہندوؤں سے اتحاد کر کے انگریزوں سے جنگ شروع ہوئی تو بہت سے مسلمان فنافی الہنود بن بیٹھے، اور بہت سی ہندوانہ رسم وروایات مسلم گھرانوں میں داخل ہونے لگیں (حضرت مولاناؒ کے الفاظ میں)

> ''حالانکہ غیر مسلم قوم سے صلح یا موادعت کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اپنے عقائد و اعمال اور اخلاق وتمدن اور معاشرت خصوصی کو مصالح و معاہد قوموں کے اثرات سے پیوست کردیا جائے، اور اپنی حیات کے اصل اصول سے بے اعتنائی برتی جائے، مگر کیا یہ امر قابل تردید ہے کہ غلامی کا طوق گلے میں پڑنے کے بعد مسلمانوں کی روش ہمیشہ ہر دور میں اس کے خلاف رہی اور انہوں نے اپنے کو بے پیندی کے لوٹے کے مانند بنا دیا۔
>
> انگریزوں سے ملے تو ان کی خوشامد اور ثنا خوانی میں رطب اللسان رہے کہ الامان والحفیظ، یہاں تک کہ قوم کے بچوں کے سادہ دلوں میں نصاریٰ کی محبت، ان کے آداب و اخلاق کی الفت سرایت کرگئی اور اسلامی روح فنا ہوگئی، ۔اسی طرح آج جب ہندوؤں سے صلح وآشتی کے لئے بڑھے تو پھر اس طرح جوش صلح میں حدود سے تجاوز کر گئے اور بلا ضرورت وہ وہ کلمات استعمال کئے گئے اور وہ وہ اعمال اختیار کئے گئے جو اگرچہ ابھی تک کفر و شرک کی حد تک نہیں پہنچے ہیں، اور یقیناً مجھے معلوم ہے کہ بولنے والا راسخ الایمان ہے، مگر یقین کیجئے کہ یہ چیزیں رفتہ رفتہ عوام الناس سادہ لوح مسلمانوں کو ایک دن کفر تک پہنچا دیں گی۔ اگرچہ میں اس سے واقف ہوں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے مگر اس کے ساتھ یقین بلکہ حق الیقین ہے کہ ناممکن نہیں ہے

۱۔ خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۱۰۴، ۱۰۵۔

۲۔ خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

کیونکہ جس چیز کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر برت کر مسلمانوں کو دکھلا دیا [1] اور اس کے لئے

---

[1]- اس سے مراد وہ معاہدات ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد کے غیر مسلموں کے ساتھ کئے تھے، اس حقیر نے اپنے ایک مقالہ ''بین مذہبی مذاکرات - احکام وآداب'' میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

''میثاق مدینہ میں یہود کی شمولیت: -(۱) تاریخی طور پر اس سلسلے کا سب سے اہم اتحاد جس کو مذاکرات کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا وہ ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کا اتحاد ہے، اور اس کے لئے جو دستور مرتب کیا گیا اس میں اکثر ان بنیادوں کو جگہ دی گئی جن پر دونوں فریقوں کا اتفاق ممکن تھا، تاریخ الکامل، البدایۃ والنہایۃ، اور سیرت ابنِ ہشام وغیرہ میں یہ معاہدہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے، یہاں بطورِ مثال صرف چند مشترکہ بنیادوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر میثاق کی اساس تھی۔ ☆ **وان یهود بنی عوف امة مع المؤمنين**۔ یہود اور مسلمانوں کا ایک اتحاد ہوگا۔ ☆ **و ان بينهم النصر على من حارب هذه الصحيفة**۔ جو شخص اس میثاق کی مخالفت کرے گا اس کے خلاف دونوں مل کر کارروائی کریں گے۔ ☆ **و ان بينهم النصح و النصيحة و البر دون الاثم**۔ ان کے درمیان باہم ہمدردی اور خیر خواہی اور نیکی کا رشتہ ہوگا کسی ظلم وگناہ کا نہیں۔ ☆ **وان النصر للمظلوم** مظلوم کی مدد کی جائے گی۔ ☆ **و ان بينهم النصر على من دهم يثرب** مدینہ منورہ پر جو حملہ کرے گا اس کے خلاف دونوں مل کر کارروائی کریں گے۔ ☆ **و اذا دعوا الى صلح يصالحونه و يلبسونه فانهم يصالحونه و يلبسونه و انهم اذا دعوا الى مثل ذلك فانه لهم على المؤمنين الامن حارب فى الدين**۔ اگر یہود کو کسی ایسے معاہدہ کی پیشکش کی جائے جس پر اتفاق ممکن ہو تو وہ اس پیشکش کو قبول کریں گے اور اس طرح کے معاہدات میں جو طے ہوگا وہ مسلمانوں پر بھی نافذ ہوگا۔ الا یہ کہ خلافِ دین کوئی چیز طے کرلی جائے (یعنی مشترکہ بنیاد کے بجائے کوئی امتیازی بنیاد اختیار کرلی جائے تو معاہدہ کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا) وغیرہ تقریباً ۴۷ دفعات ہیں جن کا تذکرہ میثاق مدینہ میں کیا گیا ہے۔ **(الروض الأنف ج ۲ ص ۳۴۵ المؤلف: أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى: 581هـ)، السيرة النبوية ج ۲ ص ۳۲۲ المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: 774هـ)، السيرة النبوية ج ۱ ص ۵۰۳ المؤلف: أبو محمد عبد الملك بن هشام البصري (المتوفى: 213هـ)، عيون الأثر ج ۱ ص ۲۶۱ المؤلف: محمد بن عبد الله بن يحيي بن سيد الناس (المتوفى: 734هـ)**

البتہ اس اتحاد میں مسلمانوں کی حیثیت ایک بالا دست قوت کی تھی اور متعدد اختلافی معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیا گیا تھا، اس لئے کہ یہ اتحاد مدنی دَور میں قائم کیا گیا تھا اور مدنی دَور مسلمانوں کے غلبہ کا دَور ہے، لیکن فی الجملہ اس سے مشترکہ انسانی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر غیر مسلموں کے ساتھ مذاکرات اور اتحاد کا جواز ملتا ہے۔

حلف الفضول: - اسی قسم کا ایک بین القبائلی اتحاد (جس کو آج ہم بین الاقوامی یا بین المذاہبی اتحاد بھی کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ اس وقت ہر قبیلہ اپنے سیاسی اور اقتصادی معاملات میں خود مختار تھا اور ہر ایک کے مذہبی تصورات دوسرے سے مختلف تھے) بعثتِ نبویؐ سے تقریباً بیس سال قبل جنگ فجار کے چار ماہ بعد مکہ معظمہ میں ہوا تھا، جب حضور ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی، آپ اس معاہدہ میں شعوری طور پر شریک تھے۔ اس کو حلف الفضول کہا جاتا ہے، ایک مخصوص واقعہ کے تناظر میں امن وسلامتی، انسانی ہمدردی، مظلوموں کی مدد، ظالموں کا مقابلہ اور اس جیسی بعض مشترکہ سماجی اور سیاسی مسائل پر بنو ہاشم، زہرہ، تیم بن مرۃ، وغیرہ قبائل کے درمیان یہ اتحاد قائم ہوا، جو تاریخ اسلامی میں کافی معروف ہے، (تفصیل کے لئے دیکھا جائے **البداية والنهاية: ج ۲، ص ۳۵۵، باب شهود النبیؐ حلف الفضول، البدء والتاريخ ج ۱ ص ۲۲۶ المؤلف: للمطهر بن طاهر المقدسي (المتوفى: نحو 355هـ) الكامل في التاريخ ج ۱ ص ۲۵۱ المؤلف: أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد، المعروف بابن الاثير (المتوفى: 630هـ)، الأوائل ج ۱ ص ۱۳ المؤلف: أبو هلال الحسن بن عبد الله بن سهل بن سعيد بن يحيى بن مهران العسكري (المتوفى: نحو 395هـ)** ہمارے لئے زیرِ بحث مسئلہ میں اس اتحاد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اصل اہمیت رکھتا ہے، جو حضرت طلحہ بن عبد اللہ بن عوفؓ سے مروی ہے: **لقد شهدت فى دار عبد الله بن جدعان حلفا ما أحب أن لى به حمر النعم ولو أدعى به فى الإسلام لأجبت -)«سنن البيهقي الكبرى ج ۶ ص ۳۶۷ حديث نمبر: ۱۲۸۵۹ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر: مكتبة دار الباز - مكة المكرمة، ۱۴۱۴ - ۱۹۹۴ تحقيق: محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء: ۱۰ تهذيب الآثار (الجزء المفقود) ج ۱ ص ۱۷ أبو جعفر محمد بن جرير الطبري سنة الولادة 224هـ / سنة الوفاة 310هـ تحقيق علي رضا بن عبد الله بن علي رضا الناشر دار المأمون للتراث سنة النشر ۱۴۱۶ هـ - 1995م مكان النشر دمشق / سوريا عدد الأجزاء ۱ ←**

← ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر اس معاہدہ میں شریک تھا، یہ معاہدہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے، اگر مجھے آج عہدِ اسلامی میں بھی اس قسم کے کسی معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔

یہ عہدِ اسلامی سے قبل کا معاہدہ تھا اور ظاہر ہے کہ اس میں شریک قبائل مسلمان نہیں تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت نوعمری مگر مکمل شعور کا دور تھا، اس معاہدہ میں کسی معاہد فریق کی بالادستی کا بھی سوال نہیں اٹھتا تھا، ایسے معاہدہ اور ایسے اتحاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس قسم کے اتحاد کی دعوت مجھے آج بھی دی جائے تو میں بخوشی اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان ملی تشخصات اور مفادات کے تحفظ کی شرط کے ساتھ قیامِ امن، بقائے باہم اور بدگمانیوں کے خاتمہ وغیرہ نیک مقاصد کے لئے دیگر اہل مذاہب سے مشترکہ بنیادوں پر (جن میں کوئی بات خلافِ شریعت نہ ہو) مذاکرات اور معاہدات کرسکتے ہیں بالخصوص اس وقت جب مسلمان حالت مغلوبی میں ہوں، اور اس طرح کے معاہدات سے ان کو قومی تحفظ اور دعوت دین وغیرہ کے مواقع زیادہ فراہم ہوسکتے ہوں۔

حلف خزاعہ کی تجدید:-اسی طرح کا ایک معاہدہ عہدِ جاہلیت میں بنو عبدالمطلب اور خزاعہ کے درمیان ہوا تھا، جس کو حلفِ خزاعہ کے نام سے جانا جاتا ہے، تاریخ طبری اور بغدادی وغیرہ میں واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے، اس معاہدہ کی اساس بھی باہم نصرت ومحبت اور امن وسلامتی پر تھی، اس کی یہ دفعہ بطورِ خاص بہت اہم تھی۔

وأن عبد المطلب وولده ومن معهم ورجال خزاعة متكافئون متظاهرون متعاونون، فعلى عبد المطلب النصرة لهم بمن تابعه على كل طالب، وعلى خزاعة النصرة لعبد المطلب وولده ومن معهم على جميع العرب في شرق أو غرب أو حزن أو سهل، وجعلوا الله على ذلك كفيلاً، وكفى بالله جميلا(المنمق في أخبار قريش ج ١ ص ٢١ المؤلف: أبو جعفر محمد بن حبيب بن أمية البغدادي (المتوفى: 245هـ)

ترجمہ: "عبدالمطلب اور ان کی اولاد اور ان کے رفقاء اور قبیلۂ خزاعہ کے لوگ باہم مساوی اور ایک دوسرے کے مددگار رہوں گے، عبد المطلب پر ان کی مدد ہر اس شخص کے مقابلے میں لازم ہوگی جن کے لئے ان کو مدد کی ضرورت ہو اس طرح خزاعہ پر عبدالمطلب اور ان کی اولاد اور رفقاء کی مدد لازم ہوگی پورے عرب کے مقابلے میں، خواہ وہ مشرق ومغرب میں سخت زمین یا نرم زمین کہیں بھی ہوں، اور اس پر اللہ کو کفیل بناتے ہیں اور اس سے بہتر کوئی ضمانت نہیں"۔

اس معاہدہ کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، صلح حُدیبیہ کے موقعہ پر قبیلۂ خزاعہ کے لوگ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور معاہدہ نامہ کی ایک کاپی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، حضرت اُبی بن کعبؓ نے اس کا مضمون پڑھ کر سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ معاہدہ برقرار رہے گا، اسلام عہدِ جاہلیت کے معاہدوں کو منسوخ نہیں کرتا، آپ نے اس معاہدہ کی تجدید فرمائی اور اس میں ایک دفعہ کا اضافہ فرمایا: **ان لا يعين ظالما وانما ينصر مظلوما** کہ ظالم کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی بلکہ مدد صرف مظلوم کی جائے گی (تاریخ طبری: ص ۱۰۸۴، الیعقوبی: ج ۱، ص ۲۷۸، ۲۷۹، بحوالہ الوثائق السیاسیۃ ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادیؒ: ص ۲۷۳-۲۷۴) اہمیت محض معاہدہ کی نہیں ہے، عہدِ جاہلیت میں اس طرح کے قبائلی معاہدے ہوتے رہتے تھے، اہمیت اس کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک مقاصد پر مبنی اس معاہدہ کی توثیق فرمائی، آپؐ کی توثیق کے بعد یہ شریعت کا حصہ بن گیا۔

غیر مسلموں سے دفاعی اتحاد:-حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جنگی مواقع پر غیر مسلموں سے جو دفاعی اتحاد قائم فرمائے، مثلاً بنو قریظہ کے مقابلے میں یہود بنو قینقاع سے فوجی مدد لی، صفوان بن اُمیہ نے حُنین وطائف میں مسلمانوں کے ساتھ ملکر جنگ کی جبکہ وہ مشرک تھا، اس کو بھی سیاسی مذاکرات کے لئے ایک نظیر بنایا جاسکتا ہے، اگرچہ کہ بعض مواقع پر آپ نے مشرکین سے فوجی مدد لینے سے انکار بھی فرمایا ہے **(السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج٩ ص٣٦ حديث نمبر :١٨٣٣٤ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة: الطبعة: الأولى۔ 1344هـ عدد الأجزاء: ١٠)**

آپؐ کے ان دونوں طرح کے طرزِ عمل سے جمہور فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کفار سے فوجی اتحاد مشروط طور پر قائم کیا جاسکتا ہے، جس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا ملی وقار مجروح نہ ہو، تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

(شرح السیر: ج ۳، ص ۱۸۶، ردالمحتار ج ۶، ص ۲۴۲، کتاب الام: ج ۴، ص ۸۹-۹۰)

اس چیز کو دستور العمل بنا دیا وہ نہ ناممکن ہے اور نہ ہوسکتا ہے مگر استقامت اور باہمہ اور بے ہمہ کی منزل پھولوں سے سجی ہوئی نہیں ہے، اس کی راہ میں مخمل کا فرش نہیں ہے بلکہ تمام نہایت بڑے بڑے نوکدار کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔"[1]

اتحاد کا مطلب مداہنت فی الدین نہیں ہے

غرض حضرت مولاناؒ غیر مسلم جماعتوں سے سیاسی اتحاد کے پرجوش حامی تھے لیکن جہاں دینی معاملات میں کوئی لچک محسوس کرتے تو:

"پھر نہ کسی شخص کی پرواہ کرتے اور نہ جماعت کی، نہ اپنوں کی پرواہ کرتے تھے اور نہ غیروں کی۔"[2]

ترک گاؤ کا مسئلہ

مولانا عبدالصمد رحمانی نے ۱۹۱۹ء ۱۹۲۰ء کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ بعض مسلم لیڈران اتحاد کے جوش میں حدود سے تجاوز کرنے لگے، اور ان کی دینی حسیت کمزور ہونے لگی، بعض لوگ قشقہ تک لگانے لگے اور گائے کی قربانی مصلحتاً ترک کرنے کی بات کرنے لگے، یہاں تک کہ مسلم لیگ نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے اور باقاعدہ ترک گاؤ کی تجویز پاس کردی جس کے الفاظ یہ تھے:

"آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ رائے ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اہل ہنود نے جس نیک رویہ کا اظہار کیا ہے، اس کے اعتراف اور ہندؤں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اتحاد کو زیادہ مضبوط کرنے کی غرض سے بقرعید کے موقعہ پر جہاں تک ممکن ہوسکے، گائے کی قربانی کے بجائے دوسرے جانوروں کی قربانی کی جائے۔"[3]

بلکہ بعض علمی اور دینی ہستیاں بھی اس فتنہ کے آگے ڈھیر ہوگئیں اور انہوں نے اس باب میں بہت نرم رویہ اختیار کرلیا اور اسی میں مصلحت و عافیت محسوس کرنے لگے[4] لیکن حضرت مولانا

۱-خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۱۰۹ تا ۱۱۱۔

۲-حیات سجاد مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۴۲۔ یہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے الفاظ ہیں۔

۳-روئداد آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس امرتسر ص ۲۱ از حیات سجاد مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۴۲۔

۴-اس کی ایک مثال حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی ذات گرامی ہے، خود آپ کے چھوٹے بھائی اور شاگرد رشید مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ بیان کرتے ہیں کہ:

"اس امر کی کوشش شروع ہوئی، کہ ہندو مسلمانوں میں پہلے اتفاق قائم ہوجائے، حضرت مولانا (عبدالباری صاحب) رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے قائد اعظم تھے، اجمیر شریف سے واپسی پر آگرہ سے سب سے پہلے حضرت مولاناؒ نے گاندھی جی کو تار دیا، کہ میں گائے کی قربانی خود نہ کروں گا اور کوشش کروں گا کہ دوسرے مسلمان بھی نہ کریں، اس کے بعد مولاناؒ نے کوشش کی کہ کسی مقام پر سربرآوردہ ہندو مسلمان حضرات کا جلسہ ہو اور کوئی عملی پروگرام طے کیا جائے۔" (حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق ص ۲۵)

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی اسی حمایت کا نتیجہ تھا کہ گاندھی جی نے ترک گاؤ کے لئے کل ہند تحریک چلانے کا پروگرام بنالیا، اور اس میں ان کے دست راست حضرت مولانا عبدالباری کے مرید خاص مولانا محمد علی جوہرؔ تھے۔

سجادؒ نے اپنے نور بصیرت سے سب سے پہلے اس فتنہ کے غلط اثرات کا ادراک فرمایا، اور کسی لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر یہ اعلان کیا کہ:

''غیر مسلموں سے مصالحت وموادعت کا منشا کیا ہے، احکام مذہب، شعار ملت، خصائص قومی کی حفاظت، اور اپنے مخصوص اخلاق حسنہ کے ذریعہ سے ان قوموں میں تبلیغ ودعوت، اس لئے اگر ضرورت ہو تو دنیا کی بہتر سے بہتر اور قیمتی سے قیمتی چیز غیر مسلموں کی مصالحت پر قربان کر دی جاسکتی ہے، ان کے دلوں میں گھر کرنے کے لئے اپنے گھر کی ساری دولت لٹا دی جاسکتی ہے، مگر احکام اسلام، شعار ملت، حقوق وخصائص قومی میں سے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہیں چھوڑی جاسکتی ہے، کیونکہ یہ دنائت فی الدین ہے اور نہ غیر مسلموں کے مخصوص مراسم کو اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ شرک فی الاسلام اور فنائے قومیت اور تفویت مقاصد اسلام ہے۔''[1]

اسی کے ساتھ مولاناؒ نے مذکورہ بالا بے اعتدالیوں سے متعلق ایک فتویٰ بھی مرتب فرمایا جس کو جمعیۃ علماء بہار کے اجلاس دربھنگہ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) میں متفقہ طور پر منظور کیا گیا (تفصیل پیچھے آچکی ہے)

بکسر میں مولاناؒ کی گاندھی جی سے ملاقات

مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے اس ضمن میں ایک اور اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ:

''اس سلسلہ میں مولاناؒ کی زندگی کا ایک تاریخی واقعہ بکسر کا ہے، اخباروں میں یہ اعلان ہوا کہ ترک ذبح گاؤ کے متعلق چاہے وہ قربانی کی شکل میں ذبح ہو، یا عام طور پر غذا میں کھانے کے لئے ذبح ہو، گاندھی جی، مولانا محمد علیؒ اور دوسرے مسلمان لیڈروں کی معیت میں ملک کا دورہ کریں گے، اور اس کی تبلیغ کریں گے اور ترغیب دیں گے، کہ ہندوؤں کی خاطر مسلمان ذبح گاؤ ترک کر دیں، تو مولاناؒ مضطرب ہو گئے اور نہ معلوم ان کے فکر وتدبر کے عمیق سمندر میں چند منٹ کے اندر کیا تلاطم برپا ہوا کہ چہرہ تمتما اٹھا، پیشانی پر بل پڑ گیا اور حسب عادت ہونٹوں کو دانتوں کے اندر دبا لیا اور بول اٹھے کہ یہ نہایت ہی خطرناک فتنہ ہے، جس کو پوری قوت سے پہلے ہی قدم پر دبا دینا چاہئے ——

اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گئے اور پانچ منٹ کے بعد فرمایا کہ بہار کی سرحد پر داخل ہونے سے پہلے میں گاندھی جی سے مل کر قربانی گاؤ کے مسئلہ پر گفتگو کروں گا ان کی سمجھ میں بات آ گئی تو خیر ورنہ میں ان کے جلسہ کے مقابلہ میں ہر جگہ جلسہ کروں گا اور مسلمانوں کو اس فتنہ میں

۱- حیات سجاد مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۴۲، ۴۳، ۴۶، ۴۷۔

مبتلا نہیں ہونے دوں گا۔آخر مولاناؒ گاندھی جی سے ملے اور یہ بات طے پاگئی کہ بہار کے دورہ میں ترک ذبح گاؤ پر کہیں تقریر نہیں ہوگی، زیادہ سے زیادہ مسلمانوں سے رواداری کی درخواست کی جائے گی،اور بس۔مولاناؒ وہاں سے کامیاب ہوئے،مگر اس فیصلہ کے باوجود بھی وہ گاندھی جی کے جلسوں کی نگرانی کرتے رہے۔''[1]

اس باب میں حضرت مولاناؒ کی حساسیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جس کو مولانا عثمان غنی صاحبؒ نے نقل کیا ہے:

''متعدد دیہاتوں میں بقرعید کے موقع پر مسلمانوں کو قربانی سے دفعہ ۱۴۴ کے ذریعہ روکا گیا، جس جگہ کے مسلمانوں نے بروقت اطلاع دی ان کو یہ مشورہ دیا کہ قربانی کرو اور لکھ کر درخواست دے دو کہ ہم نے قربانی کی، چنانچہ جس جگہ مسلمانوں نے ایسا کیا وہاں چند سال کے بعد وہ اطمینان سے قربانی کرنے لگے ہیں۔''[2]

۱- حیات سجاد مضمون مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ص ۴۲، ۴۳، ۴۶، ۴۷۔

۲- حیات سجاد مضمون مولانا عثمان غنی ص ۱۳۸۔

(۳)

متحدہ قومیت کا نظریہ

اسی اتحاد کے اصول پر حضرت مولاناؒ نے 'متحدہ قومیت' کی محدود حمایت کی، جس میں قومیت کی بنیاد وطنیت پر رکھی گئی تھی، لیکن متحدہ قومیت کے مروجہ مفہوم کو آپ نے قبول نہیں فرمایا، اس لئے کہ یہ اسلامی تصورات کے منافی ہے، اور ملک کے عام مفادات کے بھی خلاف ہے، حضرت مولاناؒ نے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ایک اجلاس کا خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اور ان خصوصیات کو قطع نظر کر کے مغربی سیاسین کے نظریہ کی اتباع کرتے ہوئے اس براعظم میں اس قسم کی قومیت متحدہ کی تخلیق کی سعی کرنا جو یورپ کے کسی ملک میں ہے، محض بے سود ہی نہیں بلکہ ملک کے لئے تباہ کن بھی ہے، کیونکہ اس ملک کی دو بڑی جماعتیں مسلمان اور ہندو بحیثیت مجموع دو علاحدہ علاحدہ ممتاز قومیت رکھتی ہیں، مغربی تخیل کے مطابق ہندوستان میں متحدہ قومیت کا قیام ناممکن ہے۔''[1]

متحدہ قومیت کا قابل قبول مفہوم

اسی خطبہ میں ''متحدہ قومیت'' کے قابل قبول اور ممکن العمل نظریہ کے خط و خال کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''مگر ان اصولوں کے ذکر سے پہلے ضرورت ہے کہ ایک دوسرا بنیادی مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے اور وہ ہندوستانی قومیت متحدہ کی تخلیق کا مسئلہ ہے۔ بلاشبہ یہ امر واضح ہے کہ ہندوستان میں جتنے انسان آباد ہیں چاہے وہ کسی نسل سے ہوں، کسی مذہب کے پیرو ہوں یا سرے سے مذہب ہی کے معتقد نہ ہوں ہندوستانی باشندہ ہونے کی حیثیت سے وہ سب کے سب ایک قوم ہیں اور اس ایک حیثیت سے تمام باشندگانِ ملک کو ایک قوم کہنا صحیح و درست ہے۔ یعنی سب کے

۱- محاسن سجاد ص ۹۸- نوٹس مولانا مسعود عالم ندویؒ، بحوالہ خطبہ صدارت مجلس استقبالیہ بہار پراونشل مسلم انڈپنڈنٹ پارٹی۔

سب ہندوستانی ہیں یعنی نہ وہ ایرانی و تورانی ہیں اور نہ چینی و جاپانی وغیرہ، اور بحالت موجودہ ہندوستانی، متحدہ قومیت کی خاص خصوصیت صرف اس قدر ہے کہ اس ملک کی قدرتی و مصنوعی پیداوار کے حصول میں سب کا اشتراک ہے اور اسی ملک کی آب وہوا اور سامان خورد و نوش سے سب لوگوں کے جسموں کی تربیت ہوتی ہے اور ان خصوصیات کو قطع نظر کر کے مغربی سیاسیین کے نظریے کا اتباع کرتے ہوئے اس براعظم میں اس قسم کی قومیت متحدہ کی تخلیق کی سعی کرنا جو یورپ کے کسی ملک میں ہے محض بے سود ہی نہیں بلکہ ملک کے لیے تباہ کن بھی ہے ۔کیوں کہ اِس ملک کی دو بڑی جماعتیں مسلمان اور ہندو بحیثیت مجموع دو علاحدہ علاحدہ تمدن کے مالک ہیں اور ہر شخص بیّن طور سے ایک کے تمدن کو دوسرے کے تمدن سے ممتاز پاتا ہے اور یقین کرنا چاہیے کہ جب تک اِن دونوں تمدن کا امتیاز باقی ہے مغربی تخیل کے مطابق ہندوستان میں متحدہ قومیت کی تخلیق ناممکن ہے اور اس حیثیت سے ہندوستانیت میں اتحاد و وحدت کے باوجود ان دونوں تمدنوں کے لحاظ سے ہندو اور مسلمان دو قومیں آج بھی ہیں اور کل بھی رہیں گے ــــ

اور جب مسلمانوں کی قومیت کا معیار و مدار اسلامیت ہوا اور اسلامیت کی حقیقت وہ ہوئی جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے ،تو اب ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کا معیار و مدار غیر مبتدل ہے اور کوئی مسلمان بحیثیت مسلمان اس کو ترک نہیں کرسکتا ہے ۔"[1]

قومیت کا مغربی تصور اسلامی اتحاد کو توڑنے کی کوشش

حضرت مولاناؒ کے نزدیک قومیت وطنیت کے بجائے عقائد و اقدار کی اساس پر استوار ہوتی ہے، خاص طور پر مسلمانوں کی اسلامی قومیت کی بنیاد تو صرف کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہے ،قومیت کو وطنیت کے ساتھ وابستہ کرنا اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش ہے حضرت مولاناؒ نے اپنے خطبۂ صدارت مرادآباد میں پوری وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"تیسرا نہایت مہلک مرض جواب چند سالوں سے پیدا ہو رہا ہے وہ مسلمانوں کی وطنی فدویت ہے یعنی قومیت کی تعمیر اپنی وطنیت کی زمین پر کی جائے کیونکہ

حب الوطن از ملک سلیماں خوشتر

حالانکہ اسلامی قومیت کی تعمیر صرف کلمہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ اور اصول اسلام کی تسلیم

۱- حقیقت سجاد ص ۳۹ تا ۴۲ مرتبہ عروج احمد قادری بحوالہ خطبۂ صدارت مجلس استقبالیہ بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی منعقدہ ۱۲۔ ۱۳ ر ستمبر ۱۹۳۶ء۔

اور انقیاد پر ہے اور یہ اسلامی قومیت حدود جغرافیہ سے بالاتر ہے۔ وطنیت کے جذبہ کا یقیناً آخری یہی اثر و نتیجہ ہوگا کہ مختلف ممالک کے مسلمان ایک دوسرے سے بے نیاز ہوکر اس وطن پرستی میں مشغول ہو جائیں گے، جو یقیناً اتحاد عالم اور اسلامی مرکزیت کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنادے گا، اس کے بعد مغربی گرگے ایک ایک کرکے ہر ایک کو نگلنا شروع کردیں گے۔''[1]

اسلامی قومیت کے بارے میں گاندھی جی کا غلط تصور

مسلمانوں کی جداگانہ قومیت پر گاندھی جی کے خیالات کا رد کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں حضرت ابوالمحاسنؒ نے تحریر فرمایا:

''گاندھی جی نے اس مضمون میں اسلامی قومیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو علٰحدہ قوم سمجھنے کا مسئلہ بحث طلب ہے لیکن میں نے یہ کبھی نہ سنا کہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں اتنی ہی قومیں ہیں، اگر معاملہ ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی شخص جب اپنا مذہب تبدیل کرے تو اس کی قومیت بھی بدل جائے، گاندھی جی مسلمانوں کی مستقل قومیت یا یوں کہئے کہ ایک علٰحدہ مستقل ملت ہونے کو بحث طلب سمجھتے ہیں، اس کی بنیاد بھی اسلامیات پر عبور نہ ہونا ہے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم تمام دنیا کے انسانوں کو ایک ہی نسل کے افراد قرار دے کر باعتبار نسل ایک قوم (نیشن) قرار دیتا ہے، تاکہ تمام دنیا کے انسان نظام زندگی کی ایک وحدت سے منسلک ہو جائیں، وہ انسانوں کو اونچ نیچ اور شریف ورذیل نہ باعتبار نسل تسلیم کرتا ہے، اور نہ زمین اور جغرافیائی تقسیم سے انسانی وحدت کو پارہ پارہ کرنا خوش گوار سمجھتا ہے۔

انسانوں کی تقسیم قطعات ارض جیسی بے روح اور بے کیف چیز سے کیوں کر وابستہ کی جاسکتی ہے، یہ تو حقیقت میں انسانیت کی تذلیل وتوہین ہے، بلاشبہ انسانوں کی تقسیم کسی ایسی ہی چیز سے ہونی چاہئے جو شرف انسانیت کے مناسب ہو اور وہ انسانوں کا بلند ترین اور صحیح ترین آئیڈیل اور عمل ہے جس پر انسانی مدنیت اور انسانی خوشگوار زندگی اور ترقی کا دارومدار ہو اور وہ آئیڈیل وتخیل اور عملی پروگرام، انسانی مذہب کے لئے وہی ہے جو دنیا کے سامنے قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ پس جو لوگ اس الٰہی آئیڈیل کو اعتقاداً و عملاً قبول کریں گے وہ قدرتاً وطبعاً انسانوں کی ایک مستقل ملت اور مستقل گروپ اور مستقل قوم میں خود بخود منتقل ہو جائیں گے، اور جو لوگ اس آئیڈیل سے انکار کریں گے وہ خود بخود انسانوں کا ایک دوسرا گروپ ہو جائے گا،

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵، ۴۳، ۶ ۳۔

خواہ یہ لوگ اس میں بھی مختلف آئیڈیل رکھتے ہوں لیکن خدائی گروپ ان سب سے بہرحال قدرتاً علیحدہ ہوگا۔"[1]

بقول علامہ اقبالؔ:

قوم اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اُڑ گیا دُنیا سے تو مانند خاک رہ گذر
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز

آج کے دور میں جس طرح مسلمانوں کے تشخصات کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، اور عالم اسلامی خشک پتوں کی طرح بکھر رہا ہے، حضرت مولاناؒ کے اس نظریہ کی معنویت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

۱- مقالات سجاد ص ۳۱، ۳۲۔

(۴)

نظریۂ جمہوریت

جمہوریت ایک ناقص نظام حکومت

حضرت مولاناؒ کے نزدیک اسلامی حکومت ایک کامل نظام حکومت اور ہر زمان ومکان میں انسانیت کے لئے مفید ہے، اس کے مقابلے میں مغربی جمہوریت ایک ناقص اور ناکارہ نظام حکومت ہے، جس میں اجتماعی مسائل ومفادات کے حل کی پوری صلاحیت موجود نہیں ہے، اس لئے کہ انسان کا بنایا ہوا نظام قانون ایک تو ناقص قانون ہے، دوسرے تمام انسانوں کا اس سے اتفاق ممکن نہیں، بلکہ اکثریت کا اتفاق بھی مشکل ہے، تو جس قانون کے مخالفین کی بڑی تعداد معاشرہ میں موجود ہو اس کو کلیتاً نافذ کرنا ممکن نہیں ہے، حضرت مولاناؒ جمہوریت کو عصر حاضر کا طاعون قرار دیتے تھے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد اور جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

اس سراب رنگ وبو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

جمہوریت کو اسلامی شورائیت سے کوئی نسبت نہیں

حضرت مولاناؒ کو اس بات سے بھی سخت اختلاف تھا کہ مروجہ جمہوریت کو اسلامی شورائیت

کا عکس قرار دیا جائے، حالانکہ مروجہ جمہوریت اسلامی شوریٰ کے مقابلے میں ایک حد درجہ کمتر نظام ہے۔ آپ کے خطبۂ صدارت مرادآباد میں ہے:

"دوسرا نہایت سخت مرض جمہوریت فاسدہ کا طاعون ہے، اس کا منشا بھی وہی ہے کہ اسلامی جمہوریت اور اسلامی شوریٰ کو مغربی ڈھانچہ میں خواہ مخواہ ڈھالا گیا اور یقین کیا گیا کہ اسلامی جمہوریت اور اسلامی شوریٰ کی وہی صورت و شکل ہے جس کو مغربی اقوام میں سب سے پہلے فرانسیسیوں نے اختیار کیا اس کے بعد دیگر اقوام اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

حالانکہ موجودہ جمہوریت کے تخیل کو اسلام سے کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ موجودہ اور مروجہ جمہوریت، اسلامی جمہوریت اور شوریٰ سے نہایت کمتر اور ناقص ہے، تم شوریٰ کو چند افراد میں محدود کر دیتے ہو، بہت ممکن ہے کہ بہت سے ایسے افراد ملک کے اندر ہوں جو عقل و فہم و فراست کے اعتبار سے ان افراد سے زیادہ ہوں جو تمہارے منتخب کردہ ہیں۔

بخلاف اسلامی جمہوریت کے کہ اصحاب شوریٰ معین اور محدود نہیں ہیں بلکہ ملک کا ہر اہل الرائے والعلم صاحب شوریٰ ہے، اور ہر ایک کے مشورہ کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔"[1]

جمہوریت ہمیشہ اکثریت کی نمائندہ نہیں ہوتی

جمہوریت کو تکثیری نظام کہا جاتا ہے، یعنی اکثریت اقلیت پر حکومت کرتی ہے، لیکن حضرت مولاناؒ کے نزدیک یہ محض فرضی تخیل ہے، مولاناؒ نے اپنی کتاب "حکومت الٰہی" میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، بطور نمونہ اس کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں جس سے جمہوریت کی مفروضہ اکثریت کا پول کھل جاتا ہے:

"جس حلقے سے تین چار امیدوار کھڑے ہوتے ہیں، ان امیدواروں میں سے جس شخص کو سب سے زیادہ رائیں ملتی ہیں تم اس کو اس حلقہ کا جمہوری نمائندہ سمجھتے ہو، اور تمہارے وضعی قوانین کے ماتحت اسمبلی میں اس کی رائے گویا اس حلقہ کے تمام لوگوں کی رائے سمجھی جاتی ہے، مگر کیا عقل و بصیرت کے نزدیک یہ نتائج اور ثمرات کسی طرح درست ہیں؟ ہر گز نہیں اس لئے کہ تمہارے اس جمہوری اصول کی بنا پر ایک حلقۂ انتخاب سے اگر ایک شخص کو ایک چوتھائی رائے دینے والوں نے اس کے خلاف رائے دی ہو، جب بھی جمہوری اسمبلی کا نمائندہ منتخب ہو جائے گا، اور ایسے شخص کو بھی تم اس حلقہ کا نمائندہ کہتے ہو باوجودیکہ اکثریت نے اس کے مخالف رائے دی ہے اور اس لئے اس کو نمائندہ نہ ہونا چاہئے تھا، مثلاً ایک حلقہ میں چار ہزار رائے دہندے بالغ ہیں، اور چار امیدوار کھڑے ہوئے، تین کو ۹۹۹ رائیں ملیں اور ایک کو ۱۰۰۳ تم اس آخری شخص کو اس

۱- خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۳۴۔

حلقہ کی جمہوریت کا نمائندہ کہو گے اور اس شخص کی رائے کو پورے حلقہ کی رائے قرار دو گے؟ مگر کیا سچ مچ اس حلقہ کی رائے دینے والوں کی اکثریت کا اعتماد اس کو حاصل ہو گیا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جنھوں نے دوسرے امیدواروں کے حق میں اپنی رائے استعمال کی ہے، ان کی رائے اس کامیاب امیدوار کے خلاف ہے، اور جب خلاف ہے تو یہ کون سی عقل کی بات ہوئی، کہ جس شخص کے خلاف ۲۹۹۷ رائیں ہوں اور صرف ۱۰۰۳ رائیں موافق ہوں تو تم اس کو نمائندہ تسلیم کر لیتے ہو۔"[۱]

آج کے دور میں جس طرح امیدواروں کی فوج ظفر موج میدان انتخاب میں نزول کرتی ہے، اور تیس سے چالیس فی صد ووٹ لے کر کوئی سیاسی پارٹی حکومت بناتی ہے اس کے تناظر میں مولاناؒ کا یہ نظریہ کس قدر مبنی بر حقیقت اور بالکل آج کا نظریہ معلوم ہوتا ہے۔

اس طرح حضرت مولاناؒ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے جمہوری طریقہ انتخاب کی خامیوں کو اس قدر شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا، آپ کے برسوں بعد یہی بات جے پرکاش نارائن نے لکھی، اور راور کیلا اور جمشید پور کے مہیب فسادات کے بعد ڈاکٹر محمود صاحب نے بھی اس طرف اشارہ کیا اور لکھا کہ طریق انتخاب میں تبدیلی ہونی چاہئے۔[۲]

حضرت مولاناؒ نے اس کتاب (حکومت الٰہی) میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے، انسانی نظام حکومت کی ناکامیوں کے اسباب ونتائج پر بھی انتہائی بصیرت افروز گفتگو کی ہے، تفصیل کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا، حضرت مولاناؒ کی یہ کتاب اسلام کے نظام حکومت اور اس کے فلسفہ وآثار پر ایک شاہکار کتاب اور فکری وفنی لحاظ سے اپنے موضوع پر پہلی منفرد کوشش ہے، جو افسوس کہ مکمل نہ ہو سکی، لیکن پھر بھی اسلامی سیاسیات سے متعلق بہت سے اصول وکلیات اس کتاب میں جمع ہو گئے ہیں، جن سے اہل علم اور محققین فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور ان خطوط پر ایک مستقل کتاب السیاسۃ کی تصنیف کی جا سکتی ہے۔

۱- حکومت الٰہی مصنفہ حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ ص ۶۱، ۶۲۔

۲- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

(۵)

اتحاد اسلامی کے لئے قیام خلافت ضروری ہے

☆ حضرت مولاناؒ اتحاد اسلامی کے بڑے علمبردار تھے، وہ چاہتے تھے تمام ممالک اسلامیہ کا ایک طاقتور بلاک بنے تا کہ مغربی تہذیب وفلسفہ کے بالمقابل اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء کیا جاسکے، اسی لئے وہ ساری زندگی خلافت کے تحفظ کے لئے بے چین رہے، وہ عالم اسلام کی ترقی واتحاد اور اسلامی تمدن کی بقا کے لئے خلافت کو ضروری تصور کرتے تھے (جس کی تفصیل تحریک خلافت کی بحث میں آ چکی ہے)

(۶)

جزیرۃ العرب میں نصاریٰ کو قیام کی اجازت نہ دی جائے

☆ اسی ضمن میں وہ یہ بات بھی بہت اہمیت کے ساتھ فرماتے تھے کہ جزیرۃ العرب میں نصاریٰ کو قیام کی اجازت نہ دی جائے تاکہ وہ مرکز اسلام میں کوئی سازش نہ کرسکیں، نیز عالم اسلامی کے اتحاد کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے، مدرسہ انوارالعلوم گیا کا سالانہ جلسہ ہوتا تو اس میں یہ کتبے لگواتے تھے:

اخرجو الیہود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب۔ (حدیث)[1]

---

[1]- البحر الزخار۔مسند البزار ج ۱ ص ۳۰۱ حديث نمبر:۲۳۵ المؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى: 292هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث ★ أخبار مكة للفاكهي ج ۴ ص ۲۲۴ حديث نمبر:۱۲۸۷ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن العباس المكي الفاكهي (المتوفى: 272هـ) ★ الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم ج ۱ ص ۲۳۲ حديث نمبر:۲۲۵ المؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو النبيل أبو عاصم الضحاك الشيباني (المتوفى: 287هـ)

زیادہ تر روایات میں اخرجوالمشرکین کے الفاظ ہیں :أخرجوا المشركين من جزيرة العرب (صحيح البخاري] والكتاب: الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۱۱۱ حديث نمبر :۲۸۸۸ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1987 – 1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 ★ الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۵ ص ۷۵ حديث نمبر:۴۳۱۹ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة۔بيروت الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات)

لیکن المشرکین میں یہود ونصاریٰ خصوصیت کے ساتھ داخل ہیں، اسی لئے بہت سے مصنفین کتب حدیث نے اس مضمون کی روایات پر باب اخراج الیہود والنصاریٰ کا عنوان قائم کیا ہے، (دیکھئے: باب إِخْرَاجِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ- الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۵ ص ۱۶۰ المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة۔بيروت ★ سنن الترمذي] الكتاب: الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ ص ۱۵۵ المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها ★ سنن أبي داود ج ۳ ص ۱۲۸ المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت عدد الأجزاء: 4 وغیرہ) نیز بعض روایات میں خود حضور علیہ ﷺ سے منقول ہے کہ میں جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کو ضرور نکالوں گا، اس سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے:

☆ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ أَخْبَرَنِى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ لأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَلاَ أَتْرُكُ فِيهَا إِلاَّ مُسْلِمًا (سنن أبي داود ج ۳ ص ۱۲۹ حديث نمبر:۳۰۳۲ المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت عدد الأجزاء:۴

لا تتخذوا الیہود و النصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض۔ (المائدۃ:۵۱)

ولن ترضی عنک الیہود و النصاریٰ حتی تتبع ملتہم۔ (البقرۃ:۱۲۰)[۱]

نصاریٰ مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک ہیں

مولاناؒ کا خیال تھا کہ دوسری غیر مسلم قومیں بھی مسلمانوں کی دشمن ہیں، لیکن نصرانیوں کی عداوت عالمگیر اور دائمی ہے، ان کی معاندانہ سازشیں تمام عالم اسلامی میں پھیلی ہوئی ہیں، ایک صاحب نے حضرت مولاناؒ کے سامنے وہ آیت پڑھی جس میں نصاریٰ کو یہود اور مشرکین سے بہتر بتایا گیا ہے[۲]، مولاناؒ نے جواب دیا کہ سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ تمام نصاریٰ کے لئے یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہے کہ یہ قرآن کی آیتیں سنتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس آج کے نصاریٰ میں کسی کی آنکھ سے آنسو جاری نہیں ہوتے، بلکہ یورپ میں انہوں نے اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان گنت کتابیں لکھی ہیں جن میں جھوٹے اتہامات لگائے گئے ہیں۔ مولاناؒ نے کہا کہ جلالین میں، تفسیر مظہری میں اور بعض دوسری تفسیروں میں یہ وضاحت ہے کہ نصاریٰ کی یہ تعریف جو قرآن میں ہے، خاص نجاشی اور اس کے لوگوں کے لئے ہے، جو قرآن کی آیات سن کر متاثر ہوئے اور جنہوں نے اسلام کی تصدیق کی، وہاں پر یہود سے مراد یہود مدینہ اور مشرک سے مراد مشرکین مکہ ہیں کہ ان دونوں کے مقابلہ میں نجاشی نے اسلام کی حمایت کی[۳]، نصاریٰ

۱-ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۲-وہ آیت کریمہ یہ ہے: لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (المائدۃ:۷۷)

ترجمہ: آپ لوگوں میں مسلمانوں کا سب سے بدترین دشمن یہود اور مشرکین کو پائیں گے، اور محبت کے لحاظ سے مسلمان سے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، اور اس (قربت وملائمت) کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر علماء اور مشائخ موجود ہیں، اور وہ لوگ کبر کو پسند نہیں کرتے۔

۳-جلالین میں ہے: "لَتَجِدَنَّ" يا محمّد "أَشَدَّ النَّاس عَدَاوَة لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُود وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا" مِنْ أَهْل مَكَّة لِتَضَاعُفِ كُفْرهمْ وَجَهْلهمْ وَانْهِمَاكهمْ فِي اتِّبَاع الْهَوَى "وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبهمْ مَوَدَّة لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَٰلِكَ" أَيْ قُرْب مَوَدَّتهمْ لِلْمُؤْمِنِينَ "بِأَنَّ" بِسَبَبِ أَنَّ "مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ" عُلَمَاء "وَرُهْبَانًا" عُبَّادًا "وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ" عَنْ اتِّبَاع الْحَقّ كَمَا يَسْتَكْبِر الْيَهُود وَأَهْل مَكَّة, نَزَلَتْ فِي وَفْد النَّجَاشِيّ الْقَادِمِينَ عَلَيْهِ مِنْ الْحَبَشَة قَرَأَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُورَة يس فَبَكَوْا وَأَسْلَمُوا وَقَالُوا مَا أَشْبَه هَذَا بِمَا كَانَ يَنْزِل عَلَى عِيسَى (تفسير الجلالين ج ۲ ص ۲۵۹ المؤلف: جلال الدين محمد بن أحمد المحلي (المتوفى: 864هـ) وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي (المتوفى: 911هـ)

☆تفسیر ابن کثیر میں ہے: قال علي بن أبي طلحة، عن ابن عباس: نزلت هذه الآيات في النجاشي وأصحابه، الذين حين تلا عليهم جعفر بن أبي طالب بالحبشة القرآن بكوا حتى أخضلوا لحاهم. وهذا القول فيه نظر؛ لأن هذه الآية مدنية، وقصة جعفر مع النجاشي قبل الهجرة۔←

کی مودت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ (وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ[1]) یہ تم سے راضی نہ ہوں گے جب تک ان کا دین اختیار نہ کرلو۔ مولاناؒ نے کہا کہ آج جو مسلمانوں میں بے دینی پھیل رہی ہے وہ انہیں نصاریٰ کی حکومتوں کی بدولت ہے۔[2]

← وقال سعيد بن جُبَير والسُّدِّي وغيرهما: نزلت في وَفْد بعثهم النجاشي إلى النبي صلى الله عليه وسلم ليسمعوا كلامه، ويروا صفاته، فلما قرأ عليهم النبي صلى الله عليه وسلم القرآن أسلموا وبَكَوا وخَشَعوا، ثم رجعوا إلى النجاشي فأخبروه ـــــ وقال ابن أبي حاتم: ذكره أبي، حدثنا يحيى بن عبد الحميد الحماني، حدثنا نُصَير بن زياد الطائي، حدثنا صلت الدهان، عن حامية بن رئاب قال: سمعت سلمان وسئل عن قوله: {ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا} قال: هم الرهبان الذين هم في الصوامع والخرَب، فدعوهم فيها، قال سلمان: وقرأت (9على النبي صلى الله عليه وسلم {ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ [وَرُهْبَانًا]} (10فأقرأني: "ذلك بأن منهم صديقين ورهبانا"(تفسير القرآن العظيم ج ۳ ص ۱۶۶، ۱۶۷ المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: 774هـ)

المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ - 1999م عدد الأجزاء ۸

☆ تفسیر ابن عباسؓ میں ہے: {لَتَجِدَنَّ} يا محمد {أَشَدَّ الناس عَدَاوَةً} وأقبح قولاً {لِّلَّذِينَ آمَنُوا} محمد وأصحابه {اليهود} يعني يهود بني قريظة والنضير وفدك وخيبر {والذين أشركوا} وأشد الذين أشركوا مشركو أهل مكة {وَلَتَجِدَنَّ} يا محمد {أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً} صلة وألين قولاً {لِّلَّذِينَ آمَنُوا} محمد وأصحابه {الذين قالوا إِنَّا نصارى} يعني النجاشي أصحابه وكانوا اثنين وثلاثين رجلاً ويقال أربعون رجلاً اثنان وثلاثون رجلاً من الحبشة وثمانية نفر من رهبان الشام بحيرا الراهب وأصحابه أبرهة وأشرف وإدريس وتميم وتمام ودريد وأيمن {ذلك} المودة {بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ} متعبدين محلقة أوساط رؤوسهم {وَرُهْبَاناً} أصحاب الصوامع مع علماءهم {وَأَنَّهُمْ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ} عن الإيمان بمحمد والقرآن {وَإِذَا سَمِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَى الرسول} قراءة ما أنزل إلى الرسول من جعفر بن أبي طالب {ترى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ} تسيل {مِنَ الدمع مِمَّا عَرَفُواْ مِنَ الحق} من صفة محمد صلى الله عليه وسلم ونعته في كتابهم {يَقُولُونَ رَبَّنَآ} يا ربنا {آمَنَّا} بك وبكتابك وبرسولك محمداً {فاكتبنا مَعَ الشاهدين} فاجعلنا من أمة محمد صلى الله عليه وسلم الذين آمنوا فلامهم قومهم بذلك فقالوا {وَمَا لَنَا لاَ نُؤْمِنُ بالله وَمَا جَآءَنَا مِنَ الحق} يقول وبما جاءنا من الحق من الكتاب والرسول {وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا} في الآخرة الجنة {مَعَ القوم الصالحين} مع صالحي أمة محمد صلى الله عليه وسلم (تنوير المقباس من تفسير ابن عباس ج ۱ ص ۱۲۹ المؤلف: ينسب لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى: 68هـ)، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادي (المتوفى: 817هـ)

۱-البقرة: ۱۲۰

۲-ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

(۷)

علماء سیاست پر توجہ دیں

☆ حضرت مولاناؒ اس بات پر بھی بہت زور دیتے تھے کہ علماء سیاست پر توجہ دیں، اس کے بغیر نہ صحیح اسلامی سیاست وجود میں آسکتی ہے، اور نہ احیاء اسلامی کا عمل آسان ہوسکتا ہے، آپ کو اس بات کا بہت دکھ تھا کہ:

''جس طرح کتاب الطہارت، کتاب الصلاۃ اور نکاح وطلاق کے ابواب میں بال کی کھال نکالی گئی ہے، نظام اسلام کے اصول وفروع میں اس تفصیل سے کام نہیں لیا گیا ہے۔''[1]

ان کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کا بڑا سبب یہ ہے کہ علماء دین نے ملکی سیاست سے اعراض و بے توجہی اختیار کر لی:

''سیاست مدن اور اجتماعی زندگی کے باب میں علمائے ربانیین اور فضلائے عظام اور ماہرین شریعت نے عملی حیثیت سے اتنا حصہ نہیں لیا جتنی کی ضرورت تھی، اگر یہ حضرات عملاً حصہ لیتے اور اپنے اوقات کا معتدبہ حصہ اس پرخار وادی میں گذارتے، تو امید یہ تھی کہ اتنے مفاسد نہ پیدا ہوتے، اور شریعت اسلامیہ کے اصول وفروع کی اتنی بے حرمتی نہ ہوتی، اور مسلمانوں کی بے عزتی جو وقوع میں آئی ہے نہ ہوتی، جس کے تصور سے آج بدن پر لرزہ آتا ہے، اور رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور دل کے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں۔''[2]

وہ مزید وضاحت کرتے ہیں:

''میرا مقصد یہ نہیں کہ میدان سیاست میں ان حضرات نے کبھی قدم نہیں رکھا، اور اجتماعی زندگی کی خار دار وادی میں انھوں نے کبھی بادیہ پیمائی نہیں کی، اگر خدانخواستہ یہ حضرات ان ابواب میں کچھ بھی نہ کرتے تو مسلمان جس حالت میں اس وقت موجود ہیں غالباً یہ بھی نہ ہوتا، بلکہ میرا مقصد یہ

۱- خطبہ صدارت مرادآباد ص ۷۰۔ حضرت مولانا محمد سجادؒ، شائع کردہ: امارت شرعیہ پٹنہ ۱۹۹۹ء۔

۲- خطبہ صدارت مرادآباد ص ۴۳، ۴۴۔ حضرت مولانا محمد سجادؒ، شائع کردہ: امارت شرعیہ پٹنہ ۱۹۹۹ء۔

ہے کہ جس قدر کرنا چاہئے تھا، وہ قرون اولی کے بعد نہ ہوا، اور ان میدانوں میں ہمیشہ علمائے ربانیین کی کمی نمایاں طور پر محسوس ہوتی رہی، اگر علمائے کرام کی معتد بہ جماعت علمی وعملی حیثیت سے ان میدانوں میں پیش پیش رہتی تو غالباً معاملہ اس حد تک نہ پہنچتا۔''[1]

اگر حضرت مولاناؒ کے اس مشورہ پر توجہ دی گئی ہوتی اور علماء نے سیاست کو شجرۂ ممنوعہ سمجھ کر اس سے علٰحدگی اختیار نہ کی ہوتی تو آج ملک میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم پارٹیوں کی طرف سے ووٹ بینک کی جو سیاست چل رہی ہے، مسلمانوں کا جس طرح سیاسی استحصال ہورہا ہے، اوران کے ووٹ کی طاقت کمزور کی جارہی ہے شاید یہ دن ہمیں دیکھنا نہ پڑتا، لکن قدر اللہ ماشاء۔ آج پھر اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنے کی ضرورت ہے۔

۱- خطبہ صدارت مرادآباد ص ۴۰۔ حضرت مولانا محمد سجادؒ، شائع کردہ: امارت شرعیہ پٹنہ ۱۹۹۹ء۔

(۸)

سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اشتراک کی اسکیم ’نظام ملت‘

☆ حضرت مولاناؒ نے سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مضبوط اور باوقار اشتراک وتعاون کی ایک اسکیم ”نظام ملت“ کے نام سے تیار کی تھی، اس کی تفصیل تو معلوم نہیں ہے البتہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ (جنہوں نے اس اسکیم کا مطالعہ کیا تھا) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اشتراک کی یہ سب سے وزن دار، باوقار اور مؤثر اسکیم تھی، لیکن تیز رو طبقہ نے اس اسکیم کو چلنے نہیں دیا، مولانا نعمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

”منظم شرکت کی ایک خاص شکل تجویز فرمائی اور ’نظام ملت‘ کے عنوان سے ایک مفصل اسکیم اس کے لئے مرتب فرمائی، فی الحقیقت شرکت کا یہ صحیح راستہ تھا، اور اس نظام کے ماتحت جو شرکت ہوتی وہ یقیناً بہت وزن دار ہوتی، مولانا مرحوم نے وہ اسکیم مطالعہ کے لئے مجھے بھی عطا فرمائی، میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ اگر آپ اس کو جماعت سے منوالیں تو میں اس اصول پر شرکت کا سب سے بڑا حامی ہوں، اور اس نظام کو بروئے کار لانے کے لئے چھ مہینے کے لئے اپنی خدمت بھی پیش کرسکتا ہوں، لیکن بدقسمتی کہ اس وقت غالباً ہمارے تیز رو طبقہ کے اس سے متفق نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسکیم بس یوں ہی رہ گئی اور بعد میں حالات بھی اس کے لئے سازگار نہیں رہے۔ آج بھی اس ملک میں مسلمانوں کے سیاسی استحکام کے لئے اسی قسم کے کسی منصوبہ کو دلیل راہ بنانے کی ضرورت ہے۔“[۱]

۱- محاسن سجاد ص ۵۹ مضمون مولانا منظور نعمانی صاحبؒ۔

(۹)

مسلمانوں کے کسی مذہبی ادارہ کو آئینی حیثیت ملنی چاہئے

☆ حضرت مولاناؒ کی مختلف تنظیمی اور جماعتی سرگرمیوں کے پیچھے ان کا اصل ہدف یہ تھا کہ ہندوستان کے آئین میں مسلمانوں کی کسی بڑی مذہبی جماعت مثلاً: جمعیۃ علماء ہند، امارت شرعیہ یا تحریک خلافت کو دستوری حیثیت سے شامل کیا جائے، جو آئندہ مسلم مسائل کے تحفظ اور مشکلات وموانع کے سدباب کے لئے مفید ثابت ہو، آپ کے کئی تذکرہ نگاروں نے آپ کے اس فکر وعزم کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت سحبان الہندؒ رقمطراز ہیں:

''حضرت مولانا محمد سجاد مرحوم کا یہ خیال تھا کہ جب تک ہندو مسلمانوں کی جد و جہد کامیاب ہو اور ہندوستان میں نیشنل گورنمنٹ قائم ہو اس وقت تک مسلمانوں کا اندرونی نظام اور ان کی شرعی تنظیم مکمل ہو جائے تاکہ نیشنل گورنمنٹ کے زمانے میں مسلمانوں کی معاشرت، ان کا کلچر، ان کی سوشل تہذیب، ان کے اوقاف، ان کے نکاح اور طلاق وغیرہ ان کی زکاۃ اور ان کا عشریہ تمام باتیں ایک شرعی امیر کے ماتحت ہوں، اور ان تمام امور میں یہ ایک امیر کے ماتحت ہوں، اور اس شرعی تنظیم کو آئندہ ہندوستان کے دستور اساسی میں مسلمانوں کے ایک شرعی حق کی حیثیت سے تسلیم کرالیا جائے، تاکہ مسلمانوں کے اندرونی اور اصلاحی معاملات حکومت کی مداخلت سے محفوظ ہو جائیں۔ یہ ان کی اسکیم کا مختصر خلاصہ ہے جو میں نے عرض کیا، کاش اس مفید اور خالص مذہبی تحریک کو مسلمان سمجھتے۔''[1]

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کی یہ عبارت بھی حضرت مولانا سجادؒ کی اسی فکر کی عکاس ہے:

''ان کو پہچاننے والوں اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے دو مسئلے اس آخری زمانے میں بلکہ ان کی سیاسی زندگی کے آغاز ہی سے ان کی توجہ کا خاص مرکز تھے اور خدا کی قسم اگر قدرت کی طرف سے آج بھی ان کو بولنے اور آواز ہم تک پہنچانے کا موقع مل جائے تو

۱- حیات سجادؒ ص ۱۰۸ مضمون سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ۔

مجھے یقین ہے کہ وہ قبر سے پکار کے انہی دو چیزوں کے متعلق عہد حاضر کے مسلمانوں کو وصیت فرمائیں گے، ایک قیام نظام امارت اور نصب امیر فی الہند، دوسرے کم از کم مسلمانوں کی حد تک نظام شرعی کو اپنی پوری وسعت کے ساتھ ہندوستان میں مستقل آئینی حیثیت حاصل ہو جانا۔''[1]

افسوس مولاناؒ آزادی سے بہت قبل وصال فرما گئے، اگر مولاناؒ آزادی کے وقت زندہ ہوتے تو اپنے اس ہدف کے حصول میں کوئی کوتاہی نہ فرماتے، آج کے بدلے ہوئے حالات میں مسلمان اپنے قومی اور ملی مسائل میں بھی جس طرح خود کو غیر محفوظ تصور کر رہے ہیں مولانا کے اس منصوبہ کی معنویت زیادہ بہتر طور پر سمجھ میں آتی ہے۔

۱۔محاسن سجاد ص ۶۴، ۶۵ مضمون مولانا منظور نعمانی صاحبؒ۔

(۱۰)

مسلمانوں کی چھوٹی آبادیاں بڑی آبادیوں میں منتقل ہوجائیں

☆　مولاناؒ کا نظریہ تھا کہ آنے والے ہندوستان میں مسلمانوں کے جان ومال کے تحفظ نیز اسمبلیوں میں ان کی صحیح نمائندگی کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی چھوٹی آبادیاں بڑی آبادیوں میں منتقل ہوجائیں، انہوں نے بہت سے زمینداروں کو اس جانب توجہ بھی دلائی تھی، مگر:

کون سنتا ہے فغان درویش
قہر درویش بر جان درویش

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب نقل فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۸ء میں ایک مجلس کے اندر سیاست حاضرہ پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''میں مسلمان زمین داروں سے کہتا ہوں کہ وہ اُن بکھرے ہوئے مسلمانوں کو یکجا آباد کرنے کی سعی کریں جو چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں منتشر ہیں، اس سے خود ان زمینداروں کو بھی فائدہ ہوگا اور آکر بسنے والے مسلمانوں کو بھی، مگر میری یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ:

انگریزوں کو اس ملک سے جانا ہے مگر ان کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد بڑا نازک وقت آئے گا، یہاں بڑی کشمکش ہوگی، بڑے پیمانے پر خوں ریزی بھی ہوگی، اس وقت مسلمان جہاں تھوڑی تعداد میں ہوں گے ان کا بچنا مشکل ہوجائے گا، اگر یہ اس وقت ایک جگہ جمع ہوکر بڑی بڑی آبادیاں بنالیں گے تو آئندہ یہ قلعہ کا کام دیں گی، خود یہ زمیندار گھرانے بھی محفوظ ہوجائیں گے، اور یہ بکھرے ہوئے غریب ومفلس مسلمان بھی، گو ابھی یہ بات ذہن نشیں نہیں ہوتی، مگر انہیں دیر سویر پچھتانا پڑے گا اور پھر یہ موقعہ بھی میسر نہیں ہوگا، جو آج حاصل ہے، زمیندار مفت زمین دیتے ہوئے گھبراتے ہیں، اور عوام اپنی آبادی سے جدا ہونا برداشت نہیں

کرتے مگر نہ زمینداروں کی زمینداری رہے گی، اور نہ ان بکھرے ہوئے تھوڑے تھوڑے مسلمانوں کے جان ومال کی کوئی گارنٹی۔"

ان باتوں کو ۱۹۳۸ء میں اچھے اچھوں نے کوئی اہمیت نہیں دی، مگر ۱۹۴۶ء میں جب بہار میں فساد ہوا اور چھوٹی آبادیاں جلنے اور اجڑنے لگیں اور بہت سے زمیندار گھرانے برباد ہوئے، اسوقت اندازہ ہوا کہ مؤسس امارت شرعیہ نے کتنی دوراندیشی کا ثبوت دیا تھا۔[1]

علاوہ آج جس طرح مسلم ووٹوں کا استحصال ہورہا ہے، اگر حضرت مولانا سجادؒ کی اس اسکیم پر عمل کیا گیا ہوتا تو بڑی حد تک اس کا بھی سدباب ہوسکتا تھا۔

حضرت مولاناؒ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب یہ چیز اپنے اختیار میں تھی، اب نہ مسلم زمیندار باقی رہے اور نہ نقل مکانی کی کوئی صورت باقی رہی، اور نہ اس جانب توجہ دلانے والا کوئی رہا۔

گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات
قافلۂ حجاز میں کوئی حسین ہی نہیں

آج اس نظریہ کی معنویت وحیاتیت تسلیم کرنے کے باوجود کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، فالامر الی اللہ۔

۱- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب، ص ۲۲۶، ۲۲۷ مرتبہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی صاحبؒ۔

(۱۶)

سولہواں باب

محاسنِ اخلاق
کمالات وامتیازات

●

حضرت مولاناؒ کے بعض اخلاقی محاسن کا ذکر آپ کے تصوف وتزکیہ کے ضمن میں آ چکا ہے، ان کے علاوہ چند چیزیں اور یہاں بطور نمونہ پیش کی جارہی ہیں جن سے مولاناؒ کی علمی، فکری اور اخلاقی عظمت وانفرادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ظاہری سراپا

سب سے پہلے ایک نظر آپ کے ظاہری سراپا پر ڈال لیتے ہیں:

''حضرت مولاناؒ کا قد میانہ مگر نکلتا ہوا تھا، چھ پونے چھ فٹ سے کم نہ ہوگا، دبلے پتلے، رنگ گندمی سانولا مائل، چوڑا دہانہ، ہونٹ باریک، لمبی اور کچھ اونچی ناک، متوسط درجہ کی آنکھیں جو ہر وقت نشۂ محبت سے مخمور رہتی تھیں، چہرہ خفیف لمبا، کشادہ پیشانی، مونچھیں گھنی، اور ڈاڑھی ہلکی، رخساروں پر کم اور ٹھڈی پر زیادہ تھی، سر کے بال بہت نرم، ہوا میں ریشم کی طرح اڑتے ہوئے، پیشانی کے اوپر کے بال غور وفکر کی نذر ہو چکے تھے، سر پر زلف تھا، اس کے اوپر تہائی پگڑی یعنی چونن دی ہوئی پگڑی بندھی ہوتی تھی، یہ پگڑی عام طور پر عرب علماء کے سروں پر دیکھی گئی ہے، بخارا کے علماء بھی اسی طرح کی پگڑی پہنتے ہیں، کرتا بہت لمبا اور پائجامہ اونچا، اوپر سے ایک صدری جس کے دونوں طرف جیب ہوتے، ہندوستان کے قدیم علماء کی یہ عام وضع تھی۔''[1]

ذکاوت وحاضر جوابی

آپ انتہائی درجہ کے ذکی وفہیم اور حاضر جواب تھے آپ کے علمی مناقشات کی تاب کسی میں نہیں تھی، بر موقعہ ایسی صحیح بات فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ اس سے زیادہ درست بات اس موقعہ پر کہی نہیں جاسکتی تھی، شاہ محمد عثمانی صاحبؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

۱- حیات سجاد ص ۱۸، ۱۹ مضمون حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔ ☆ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد- حیات وخدمات (سیمیناری مجلہ ص ۱۲۲ مضمون شاہ محمد عثمانی مکہ مکرمہ (باختصار)

''ایک دفعہ مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ کے یہاں مولاناؒ کی موجودگی میں ایک صاحب تشریف لائے جوکسی رسالہ کے ایڈیٹر تھے، انہوں نے مولاناؒ سے پوچھا کہ آپ نے کانگریس میں شرکت مشروط کی ہے یا غیر مشروط، مولاناؒ نے جواب دیا کہ مشروط، شرط یہ ہے کہ اسلام کے خلاف کوئی بات ہوگی تو نہیں مانیں گے اور اس کی مخالفت کریں گے انہوں نے پوچھا کہ شرط تحریری ہے یا تقریری، مولاناؒ نے کہا تحریری نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ اسلام کا حکم ہے کہ معمولی کام جیسے نکاح ہوتو بھی لکھ لو مولاناؒ نے جواباً کہا کہ آپ کے خیال میں جن لوگوں کا نکاح ہوتا ہے اور لکھا نہیں جاتا، ان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا؟ جولوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ ہنس پڑے، اور یہ صاحب خاموش ہو گئے، اصل میں بہار میں نکاح کی رجسٹری نہیں ہوتی، خاندان کا کوئی بڑا آدمی یا کوئی عالم دین فریقین سے زبانی اقرار لے لیتا ہے اور بس۔''[۱]

مولانا حکیم یوسف حسن خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

''اسی زمانہ (الٰہ آباد) کا ایک لطیفہ ہے کہ ایک بہت بڑا آریہ مناظر مولاناؒ سے ملنے آیا اور کہنے لگا کہ مولانا اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان گائے کی قربانی ترک کردیں اور ہنود مسلمانوں کو بکرا دے کر قربانی کا انتظام کردیں، مولاناؒ نے فوراً برجستہ فرمایا کہ میاں ہم لوگوں کو جانور کے بالوں کی تعداد کے مطابق ثواب ملتا ہے اتنا بال اور جانوروں میں کہاں؟ وہ لاجواب ہوگیا اور کچھ دیر خاموش ہو کر رخصت کی اجازت چاہی اور چلا گیا۔''[۲]

وسیع النظری اور ہر دل عزیزی

شاہ محمد عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''مولاناؒ علماء میں تفریق کے قائل نہیں تھے، ہر مکتب فکر کے عالم دین سے ملتے اس کی عزت کرتے اور اس کا تعاون حاصل کرتے اور اس کو اپنی کارگزاری سناتے اور اپنے کاموں سے روشناس کراتے، اس لئے ہر طبقہ علماء میں وہ پسند کئے جاتے تھے۔

مجھ سے مولانا عبدالخبیر امیر جماعت اہل حدیث بہار نے کہا کہ میں پٹنہ سے باہر کسی کے جنازے میں شرکت کے لئے جاتا ہوں تو اپنی ہی جماعت کے لوگوں کے جنازے میں، لیکن میں نے مولانا سجادؒ کے انتقال کی خبر سنی تو فوراً پھلواری شریف گیا تاکہ جنازے میں شرکت کروں، لیکن ان کا جنازہ اس قدر جلد دفن کیا گیا کہ اس کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح بریلوی

۱- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۲- محاسن سجادص ۲۴۳ مضمون حکیم قاری یوسف حسن خان صاحب۔

عالم مولانا ظفر الدین صاحب سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ کہتے تھے کہ مولانا سجادؒ اس طرح ملتے تھے اور بغیر الجھے اور بغیر لڑائی کئے ہوئے محبت سے اس طرح مدعا سمجھاتے کہ اختلاف کی ہمت نہیں ہوتی تھی، یہی وجہ تھی کہ بہار میں ہر مسلک کا عالم ان کا مداح اور ان کا حامی تھا۔ 'اختلافات سے بلند ہونا فکر ونظر کی بلندی اور قلب کی وسعت کی علامت ہے۔‘‘[1]

عثمانی صاحبؒ ہی کا بیان ہے کہ:

’’میں اپنے سسرال جارہا تھا، مولانا نے کہا کہ اسلام پور کے سجادہ نشین شاہ ابوالبرکات صاحب کو میرا اسلام کہنا، چنانچہ میں نے سلام پہنچا دیا۔ مولاناؒ کو معلوم تھا کہ وہ مسلم لیگ سے متاثر ہو گئے ہیں لیکن مولاناؒ کو اس سے غرض ہی کیا تھی، ان کے یہاں تو مسلمان ہونا اور مذہبی ہونا کافی تھا۔ وہ جانتے تھے کہ تعلقات رکھنے سے اصلاح ہوسکتی ہے۔ پھر یہ فکری اختلافات تو اضافی چیزیں ہیں، اصل چیز ہے انسان کا خدا سے تعلق اور اسی چیز کا نام دین ہے۔‘‘[2]

تواضع و بے نفسی

بے پناہ علم وفضل کے باوجود حضرت مولاناؒ کی زندگی بہت سادہ تھی، ان کے یہاں تکلف کا نام ونشان نہیں تھا، وہ **أقلّها تكلُّفًا**[3] کی زندہ مثال تھے۔

شاہ محمد عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’مولاناؒ کی سادگی اور بے نفسی مثالی تھی، علماء کے طبقہ میں کم لوگ اس معاملہ میں ان کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں ـــــ مولاناؒ کھانا بھی معمولی کھاتے تھے، مولاناؒ کا انتقال ہوا تو مولانا کا سامان ایک بستر اور ایک جوڑا کپڑا تھا، ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے جس میں انتقال ہوا، یہی اس مرد مجاہد کی زندگی کا کل اثاثہ تھا، مولاناؒ بڑے عالم دین تھے، مولاناؒ بڑے سیاسی لیڈر تھے، مولاناؒ جماعتوں کے بانی تھے لیکن مولاناؒ کی زندگی سادہ تھی۔‘‘[4]

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۲- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

۳- جامع الأصول في أحاديث الرسول ج ۱ ص ۲۹۲ حديث نمبر: ۸۰ المؤلف: مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري ابن الأثير (المتوفى: ۶۰۶هـ) تحقيق: عبد القادر الأرنؤوط الناشر: مكتبة الحلواني - مطبعة الملاح - مكتبة دار البيان الطبعة: الأولى - أخرجه ابن عبد البر في جامع بيان العلم وفضله ۹۷/۲

۴- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

''وہ بے حد خاکسار اور متواضع تھے، کبھی کوئی اچھا کپڑا انہوں نے نہیں پہنا، کبھی کوئی قیمتی چیز ان کے پاس نہیں دیکھی، کھدر کا صافہ، کھدر کا لمبا کرتا، کھدر کی صدری، پاؤں میں معمولی دیسی جوتے اور ہاتھ میں ایک لمبا عصا، یہ ان کی وضع تھی، مگر وہ اپنی سادہ اور معمولی وضع کے ساتھ بڑے بڑے جلسوں، اور بڑے بڑے مجمعوں میں بے تکلف جاتے تھے اور اپنا لوہا منواتے تھے، جوہر پہچاننے والے بھی تلوار کی کاٹ دیکھتے تھے غلاف کی خوبصورتی نہیں —

ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، غربت اور عُسرت کی زندگی تھی، گھر کے خوشحال نہ تھے، امارت سے معاوضہ بہت قلیل لیتے تھے، سفر معمولی سواریوں اور معمولی درجوں میں کرتے تھے اور اسی حال میں پورب سے پچھم، اور پچھم سے پورب، اور اتر سے دکھن اور دکھن سے اتر دوڑتے رہتے تھے۔''[۱]

''ان کے ملنے والوں میں کون تھا جس کی عزت اپنی محبت سے وہ نہ بڑھاتے، ان کی تواضع میں بلندی، سادگی میں بناؤ اور خاموشی میں گویائی تھی، وہ اکیلے تھے لیکن لشکر تھے، پیادہ تھے مگر برق رفتار تھے، وہ قال نہ تھے سراپا حال تھے، کہتے کم کرتے زیادہ تھے۔''[۲]

بلند مقام و مرتبہ اور فضائل و کمالات کے حامل ہونے کے باوجود کسی معمولی سے معمولی کام کرنے میں عار محسوس نہیں فرماتے تھے، مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''ان سب باتوں کے باوجود عملاً وہ مل جل کر رہنے میں، اتنے خاکسار اور متواضع تھے، کہ وہ ان امور میں بھی شریک ہوجاتے تھے، جو تقسیم کار کے اصول پر ہم لوگ اپنے ذمہ لیتے تھے۔ اور یہ مولاناؒ کی طبیعت ثانیہ تھی، وہ اس میں نہ اپنے لیے عار سمجھتے تھے اور نہ ان کی جھجھک ہوتی تھی، پھر یہ انداز مرتے دم تک رہا، اور مولاناؒ کی زندگی کے ہر دور میں یہ خصوصیت نمایاں رہی۔''[۳]

خطبۂ صدارت مراد آباد میں آپ کی یہ عبارت بھی آپ کی اسی فروتنی کی عکاس ہے:

''میں اپنی جمود طبیعت و خمود قریحہ اور پراگندگی طبع، و انتشار فکر کے باعث ایک نہایت مسلسل اور مرتب عنوان اور شائستہ اور مذہب و مہذب بیان کے ساتھ عرض کرنے سے قاصر ہوں، بہت ممکن ہے کہ ہمارے بھدے الفاظ اور غیر متناسق جملے آپ حضرات کے لئے باعث تکلیف ہوں، اور مضامین کے اندر بھی کوئی چیز آپ کے ذوق کے مناسب نہ ہو، اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات ان تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے ہماری قابل عفو خطاؤں سے درگذر فرمائیں گے۔''[۴]

۱- محاسن سجاد ص ۱۴ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ
۲- محاسن سجاد ص ۶ ۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ
۳- حیات سجاد ص ۸ ۳ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔
۴- خطبۂ صدارت مراد آباد ص ۱۳، ۱۴۔

مصیبت میں لوگوں کے کام آنا

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''ہر شخص کی مصیبت میں ہر وقت کام آتے تھے، اور ہر ایک کی سفارش میں ہر وقت سینہ سپر ہو جاتے اللہ تعالیٰ نے ان کو جاہ ومرتبہ بھی عنایت فرمایا، انہوں نے خود اپنی پارٹی کی وزارت بھی بنائی اور بادشاہ گر نہیں تو وزیر گر ضرور رہے، کانگریس حکومت کے زمانہ میں بھی ان کو اچھا اقتدار حاصل رہا، مگر خدا گواہ ہے کہ وہ اس اثر واقتدار کو اپنی ذات کے لئے کبھی کام میں نہیں لائے، جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے لئے ——

ان کا دن کہیں گذرتا تھا اور رات کہیں، مسلمانوں کی سلامتی اور تنظیم کی ایک دھن تھی کہ ان کو دن رات چکر میں رکھتی تھی، کہیں قربانی کا جھگڑا ہو، مسلمانوں پر مقدمہ، کہیں سیلاب آئے، کہیں آگ لگے، کہیں ہندو مسلمان کا تنازعہ ہو، وہ ہر جگہ خود پہنچ جاتے تھے، معاملہ کا پتہ لگاتے تھے، مظلوموں کی مدد کرتے تھے، جہاں سے ہوسکتا وہ ان کولا کر دیتے تھے اور خود خالی ہاتھ رہتے تھے۔''[۱]

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے چمپارن کا قصہ نقل کیا ہے کہ آپ غریبوں اور مزدوروں کا بھی ہاتھ بٹاتے تھے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے، جب کہ آپ اس وقت بہار واڑیسہ کے نائب امیر شریعت تھے:

''زلزلہ کے موقع پر جب مولاناؒ چمپارن کے دیہاتی علاقہ میں تشریف لے گئے اور غریب کسانوں کی حالت زار دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ یہ خانہ برباد تنگدستی کے ہاتھوں اس قابل نہیں ہیں کہ مزدور کی مزدوری ادا کر کے اپنے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے کوئی جھونپڑا ہی بناسکیں تو مولاناؒ نے تعاون باہمی کے اصول پر بعض جگہ اس طرح کام شروع کرادیا کہ گاؤں کی آبادی کو متعدد جماعتوں پر تقسیم کردیا اور ہر جماعت کا فریضہ قرار دیا کہ وہ باہم مل کر اپنی جماعت کے ہر فرد کا نوبت بہ نوبت چھپر، ٹھاٹھ، ٹٹی وغیرہ بنائیں، اور عملاً اس میں سرگرمی بھی پیدا کی، کہ خود بھی انکے ساتھ بیٹھ کر دن بھر مزدور کی طرح ٹھاٹھ بناتے تھے اور ہاتھ میں رسّی اور چاقو لیے ہوئے ٹھاٹھ کی بندھن باندھا کرتے تھے۔''[۲]

مدرسہ انوارالعلوم گیا کی تعمیر کے موقعہ کا قصہ ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

''مولاناؒ رات کو یہ کرتے کہ اتنی اینٹیں جو کل دن کے کام کے لیے کافی ہوجائیں، اینٹ کے بھٹہ سے جو عمارت کے قریب ہی احاطۂ باغ میں تیار کیا گیا تھا، طلبہ کو ساتھ لے کر ڈھوتے تھے، اور

۱- محاسن سجادؒ ص ۱۴ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ

۲- حیات سجادؒ ص ۳۹ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

بنیاد کے پاس لا کر جمع کر دیتے تھے، اس طرح روز روز کا کام بھی سہولت اور کفایت سے ہوتا تھا۔ اور طلبہ میں عمل کی گرم جوشی رہتی تھی، اور نہ کسی کا بوجھ ہوتا تھا اور نہ کسی میں تنگ دلی پیدا ہوتی تھی۔ ہر شخص مولاناؒ کے ساتھ خوشی خوشی اس کام کو انجام دیتا تھا اور اپنے لیے سعادت سمجھتا تھا اور یہ سب مولاناؒ کے اخلاص اور عملی زندگی کی برکت تھی۔''[1]

بڑے تو بڑے مولاناؒ اپنے شاگردوں کی بھی خدمت کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مولاناؒ کا سلوک طلبا کے ساتھ اس درجہ بہتر تھا کہ ان دنوں اس کا تصور مشکل ہے، کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے، اوڑھنے میں مولاناؒ نے کبھی امتیاز روا نہ رکھا۔ یہ ناممکن تھا کہ مولانا کھائیں، اور طالب علم بھوکا رہ جائے۔ بیمار طلبہ کے علاج کا نظم خود مولاناؒ کیا کرتے تھے۔ حکیم کے یہاں لے جانا، دوا لانا، دوا پلانا، تیمارداری کرنا۔ ان میں سے زیادہ کام مولاناؒ خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ مولاناؒ پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے، آج بھی مولاناؒ کے جو شاگرد موجود ہیں، وہ اس وقت بھی مولاناؒ کی شفقت اور مہربانیوں کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں اور انھیں اس کا اعتراف ہے کہ جتنی خدمت مولاناؒ نے ہماری کی ہوگی، اتنی خدمت ہم مولاناؒ کی نہیں کر سکے ہیں۔''[2]

ایثار و مروت

آپ سراپا ایثار تھے، مشکل سے مشکل حالات میں بھی آپ کا دریائے جود و کرم رواں دواں رہتا تھا، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

''میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی، جب میں یہ دیکھتا تھا کہ عین اس حالت میں کہ مولاناؒ خود مقروض ہوتے تھے۔ ان کے خاص احباب جب ان سے قرض مانگتے تھے، تو خودداری اور مروّت کا یہ عالم تھا کہ انکار نہیں فرماتے تھے بلکہ قرض لے کر ان کو قرض دیتے تھے۔ اور ایک لفظ ایسا زبان پر نہیں لاتے تھے، جس سے اس کا وہم بھی ہو کہ ان کو کسی طرح پریشانی لاحق ہے۔ مولاناؒ کی طبیعت بہت حساس واقع ہوئی تھی۔ اس لیے ان کا پورا پورا خیال رکھتے تھے کہ اس کو میری حالت کا احساس نہ ہو، ورنہ اس کو ندامت ہوگی کہ پریشانی کی حالت میں مولاناؒ کو کیوں پریشان کیا۔ اس معاملہ میں مولاناؒ صحیح طور پر اس کے مصداق تھے کہ:

۱- حیات سجادؒ ص ۳۸ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔
۲- حیات سجادؒ ص ۱۱، ۱۲ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ۔

یؤثرون علیٰ أنفسهم ولو کان بهم خصاصة

(وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ اپنے او پر فاقہ ہو۔)

پھر مرؤت کے ساتھ تلطف کا یہ عالم تھا کہ احباب تو احباب وہ بدخواہ بھی جن کو مولاناؒ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے، جب مولاناؒ کے حضور میں آتے تھے تو مولاناؒ اس طرح پیش آتے تھے کہ گویا ان سے کوئی شکوہ ہی نہیں ہے اور نہ کوئی تکلیف ہی ان سے پہنچی ہے۔

اگر یہ احساس مجھ کو مانع نہ ہوتا کہ مولاناؒ کی روح کو اذیت ہوگی کہ کیوں میں نے ان لوگوں کے ستر حال کا لحاظ نہیں کیا، تو میں ان کی نشان دہی کرتا اور اس سلسلہ میں مرؤت وتلطف کے چند واقعات لکھتا، ہوسکتا ہے کہ جن کو آج ہم نہیں لکھنا پسند کرتے ہیں، کل یہی واقعات مولاناؒ کے سوانح نگار کی زبان قلم پر آ جائیں۔''[1]

ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم حکومت بہار کی شہادت ہے کہ:

''گذشتہ بیس برس سے جو انتھک اور پُرخلوص خدمت مسلمانوں کی اور ملک کی انہوں نے کی، اس کا احساس تو مسلمانوں کو نہیں، لیکن اس کا اجر خدا دے گا، ایسا جانباز مجاہد جس نے فاقے کر کے قوم و ملک کی خدمت انجام دی، جو جان کو جان اور مال کو مال نہ سمجھا، جس نے اپنا گھربار سب کچھ قوم کی راہ میں لٹا دیا، جواں سال ہونہار بیٹے کی خطرناک علالت اور پھر موت بھی جسے فرض سے غافل نہ کرسکی، جس نے اللہ کے راستہ میں اپنوں کی گالیاں اور غیروں کے طعنے ہنسی خوشی برداشت کئے، ایسے جانباز مجاہد اور ہمہ تن سوز خادم ملت کی یاد جس قدر تازہ رکھی جاسکے غنیمت ہے اور اس کی یاد میں نذر عقیدت کے جس قدر پھول چڑھائے جاسکیں، حق تو یہ ہے کہ ان کی خدمات کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔''[2]

جامعیت وکمال

وہ ہر شخص کی قائم مقامی کرسکتے تھے ان کی قائم مقامی کوئی نہیں کرسکتا تھا ان کی شخصیت مختلف صفات وکمالات کا مرقع تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ان کا وجود گو سارے ملک کے لئے پیام رحمت تھا مگر حقیقت یہ ہے صوبہ بہار کی تنہا دولت وہی تھے، اس صوبہ میں جو کچھ تبلیغی، تنظیمی، سیاسی اور مذہبی تحریکات کی چہل پہل تھی وہ کل انہی کی

۱- حیات سجادؒ ص ۱۴۱ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

۲- محاسن سجادؒ ص ۴۵، ۴۶ مضمون ڈاکٹر سید محمود صاحب۔

ذات سے تھی، وہی ایک چراغ تھا جس سے سارا گھر روشن تھا، وہ وطن کی جان اور بہار کی روح تھے، وہ کیا مرے کہ بہار مرگیا، مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا۔''[۱]

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ نے حضرت مولانا کی وفات پر ایک زوردار مضمون لکھا تھا، اس کا یہ اقتباس بطور خاص پڑھنے کے لائق ہے:

''مولانا ابوالمحاسن محامد اخلاق اور محاسن فضائل کے جامع تھے، فکر ونظر، علم وعمل، محنت و دیانت، تفقہ وتدبر، ایثار و جفاکشی، خلوص وللہیت، ان سب اوصاف کے بیک وقت جمع ہونے نے ان کی ذات کو ایسا گلدستۂ خوبی بنا دیا تھا، کہ وہ اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم کا مصداق بن گئے تھے، اور ان پر ''ابوالمحاسن'' کی کنیت واقعی طور پر صادق آتی تھی، ہندوستان میں کوئی قومی اور مذہبی تحریک ایسی نہیں ہے جس میں مولاناؒ نے پورے جوش وخروش کے ساتھ حصہ نہ لیا ہو، اور اس میدان میں اپنے ساتھیوں سے پیش پیش نہ رہے ہوں، سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا دماغ نہایت دقیقہ رس اور معاملہ فہم تھا، وہ موضوع فکر کے ایک ایک پہلو پر بڑی سنجیدگی اور عالی ہمتی کے ساتھ غور وخوض کرتے تھے، اور اس میں ایسی باریکیاں پیدا کرتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے، وہ عملاً بڑے جری اور بہادر تھے لیکن ان کا دماغ انتہائی جوش وخروش کے عالم میں بھی کبھی مغلوب نہیں ہوتا تھا، جذبات کی گرمی کے ساتھ وہ ہر معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تھے، حق یہ ہے کہ جماعت علماء ہند میں وہ اپنی گوں ناگوں خصوصیات کے لحاظ سے گوہر یکتا تھے، بقول کسی کے ''وہ ہر شخص کی قائم مقامی کر سکتے تھے لیکن ان کی قائم مقامی کوئی نہیں کر سکتا۔''[۲]

صبر وحلم

مولانا سید شاہ حسن آرزوؒ لکھتے ہیں:

''مولاناؒ صبر وتحمل کے بھی ایک پہاڑ تھے۔ میں نے تقریباً پچیس سال کی مدت میں بجز ایک موقع کے کبھی کسی سخت گو کا جواب سختی کے ساتھ دیتے نہ سنا شریر اخبار نویس یا دوسرے خودغرضوں نے مولاناؒ کو گندی اور غلیظ گالیاں دیں۔ حالات و واقعات سے ناآشنا لوگوں نے مولاناؒ پر اعتراض کے تیر برسائے۔ بدمعاشوں نے اتہامات تراشے، ہجوئیں لکھیں۔ لیکن مولاناؒ خموش،

۱- محاسن سجاد ص ۴۰ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ
۲- مولانا سعید احمد اکبرآبادی نظرات ۲۰۲، ۲۰۳، دسمبر ۱۹۴۰ء۔

سب دیکھتے اور سنتے رہے۔مولانا کے عقیدت مندوں میں کچھ صاحب قلم بھی تھے۔مگر مولانا نے انھیں سختی کے ساتھ روک رکھا تھا۔''۱

جناب بیرسٹر محمد یونس صاحب لکھتے ہیں:

''ان خصوصیات کے ساتھ مولانا مرحوم کی بے نفسی اور تحمل، جماعتی اور قومی، دینی اور مذہبی مفاد کے لیے ہر جا اور بیجا اعتراض کو سننا، اور درگزر کرنا، ایسی خصوصیت تھی کہ اس کی مثال مشکل سے ملے گی، ایسے واقعات ہماری آنکھوں نے دیکھے ہیں۔ اور ایسے دل آزار، اور بے محل الزامات میرے کانوں نے سنے ہیں، جس کا محض جماعتی مفاد کے لیے تحمل کرلینا نہیں بلکہ اس سے درگزر کرلینا اور محض درگزر کرلینا نہیں بلکہ اس طرح سننا کہ گویا سنا ہی نہیں۔اور دل پر اس کا کوئی اثر ہی نہیں۔حیرت ہوتی تھی جب وہی شخص دوسرے قومی کام کو لے کر مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا تو مولانا مرحوم اس سے اس طرح پورے تپاک اور اخلاص دلی کے ساتھ ملتے تھے۔ اور اس کی باتوں کو سنتے تھے۔اور اس کے کام کو پوری دردمندی کے ساتھ انجام دیتے تھے کہ گویا آج کے پہلے دنوں میں اس سے کوئی ناگوار بات ظہور میں آئی ہی نہیں ہے۔نہ اس کا اس سے کوئی ذکر کرتے تھے۔نہ اس کے کام میں اس کا کوئی اثر پڑتا تھا۔مولانا مرحوم کے ہر کام کا اصول یہ تھا کہ اس کے پہلے جو کچھ کیا تھا وہ بھی اللہ کے لیے تھا۔اور آج بھی جو کچھ کررہے ہیں وہ بھی اللہ کے لیے ہے۔درمیانی وسائط کی ذاتیات ان کی نگاہ میں کبھی نہیں رہتی تھی۔''۲

غیوری وخودداری

ڈاکٹر سید محمود صاحب خود اپنا تجربہ لکھتے ہیں:

''میں عرصہ سے جانتا تھا کہ ان کی زندگی حد درجہ عُسرت سے گذرتی ہے لیکن انتہائی گہرے تعلقات کے باوجود کبھی لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی، ان کی خودداری کچھ پوچھنے کا موقع نہ دیتی تھی ابھی چند مہینے ہوئے مجھے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ نہایت عُسرت کی زندگی بسر کررہے ہیں، بلکہ گھر میں فاقے تک کی نوبت آجاتی ہے، اس پر میرا دل تڑپ کر رہ گیا، ضبط نہ ہوا تو دریافت کیا، وہ مسکرا کر خاموش رہے، جانباز مجاہد ایسے ہوتے ہیں، مگر افسوس! ہماری قوم کو کیا قدر اور کیا پروا؟ اب جب نظر دوڑاتا ہوں تو صوبہ بہار کو ہر طرف خالی پاتا ہوں۔''۳

۱- حیات سجادص ۹۹ مضمون مولانا شاہ حسن آرزو صاحب

۲- حیات سجادص ۸۸ مضمون بیرسٹر محمد یونس صاحب

۳- محاسن سجادص ۴۶ مضمون ڈاکٹر سید محمود صاحب۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مولاناؒ کی زندگی موجودہ حالت میں بالکل وجہ کفاف پر تھی۔ مگر اس حالت میں بھی وہ دوسروں کے لیے فیاض، اور اپنے احباب کے لیے مہمان نواز تھے، مجھ کو ذاتی طور پر اس کا علم ہے، مولانا اس سلسلہ میں مقروض بھی ہوجاتے تھے، اور شاید ان کے خاص لوگوں میں سے بھی بہت کم لوگ ہیں، جن کو مولاناؒ کی اس غمگین زندگی کی اطلاع ہو۔ اس پر بھی مولاناؒ کی خودداری کا یہ حال تھا کہ کسی کا احسان مند ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ نواب خاں بہادر عبدالوہاب خاں صاحب مونگیر نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں نے تنہائی میں مولاناؒ سے ایک دفعہ کہا کہ مجھ کو اس کا موقع دیجیے کہ میں آپ کی خدمت کر کے اپنے لیے سعادت حاصل کروں، تو مولاناؒ نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو معاف رکھیے اس سے ہمارے اور اللہ کے درمیان میں توکل کا جو معاملہ ہے اس میں خلل واقع ہوجائے گا۔ نواب صاحب ممدوح نے مجھ سے کہا، اس کے بعد میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں ایک لفظ زبان پر لاؤں۔''[1]

سادہ زندگی

آپ کی زندگی انتہائی سادہ اور تکلفات سے بالکل پاک تھی، عام انسان کی سطح سے بھی فروتر زندگی گذارتے تھے، لباس، رہن سہن اور خورد ونوش ہر جگہ یہی حیرت انگیز سادگی نمایاں تھی، جس کو ہر ملنے والا محسوس کرتا تھا۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ فرماتے ہیں کہ:

''ان تمام خوبیوں کے باوجود جو ابوالمحاسن کے ''محاسن'' کا لب لباب ہیں اس بزرگ ہستی کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ ایک نہایت سادہ اور منکسر المزاج انسان تھے۔ قناعت کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے اور پہننے، غرض معاشرتی زندگی میں پندرہ بیس روپیہ ماہانہ کی حیثیت کے انسان سے زیادہ گذران نہ رکھتے تھے، اخلاق کا پیکر تھے، انکسار فطرت بن گیا تھا۔''[2]

شاہ محمد عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''مولانا کھانا بھی معمولی کھاتے تھے، چائے اور پان تمباکو کے عادی تھے۔''[3]

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے حضرت مولانا کی سادہ زندگی کا نقشہ ان الفاظ میں کھنچا ہے:

۱- حیات سجادؒ ص ۴۰ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔

۲- حیات سجادؒ ص ۱۵۴ مضمون حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔

۳- ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی، ص ۱۰۲

''مولانا ہمیشہ بہت سادہ اور معمولی لباس پہنتے۔ پیر میں پرانی وضع کا معمولی جوتا جو اکثر پھٹا رہتا تھا۔ پرانے ہی وضع کا کھدر کا پائجامہ، کھدر کا لانبا کرتا، جس میں گریباں کے دونوں طرف بڑی جیبیں جو ہر وقت کاغذ سے بھری رہتی تھیں، اس کے اوپر ایک بنڈی۔ سر پر کھدر کا ایک بڑا سا عمامہ جو خراب طریقہ سے بندھا رہتا تھا۔ یہ تو گرمی کا لباس ہوا۔ جاڑے میں عمامہ کے علاوہ یہی سب چیزیں موٹے اور معمولی اونی کپڑے کی ہوا کرتی تھیں۔ داہنے ہاتھ میں ایک بھاری اور موٹی سی لکڑی، جس کے نیچے وزنی لوہا لگا ہوا تھا، بائیں ہاتھ میں چھوٹی سی اٹیچی، جس میں کاغذ، روشنائی اور ضروری کاغذات بھرے رہتے تھے۔

مولانا کھانا بھی بہت سادہ اور معمولی کھاتے تھے۔ میرے علم میں اپنے اختیار سے مولانا نے کبھی بھی اپنے لیے اچھے کھانے کا نظم نہیں کیا۔ اگر حساب لگایا جائے تو مولانا نے برسوں ہوٹل کی خمیری روٹی اور گائے کا کباب کھایا ہے۔ ایک دفعہ مجھے مولاناؒ کے یہاں کھانے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت مولاناؒ پھلواری شریف میں کرایہ کا مکان لے کر اہل وعیال کے ساتھ مقیم تھے۔ دسترخوان بچھا۔ گھر سے جو کھانا آیا اس کی فہرست یہ تھی: موٹے اور لال چاول کا پکا ہوا بھات، تیل میں بگھری ہوئی پتلی دال، اور آلو کا بھرتا جس میں پیاز پڑی تھی مگر بگھارا نہیں گیا تھا۔ مولانا نے محض میری وجہ سے ہوٹل سے گوشت منگوالیا تھا۔

۱۹۳۷ء میں جب مولاناؒ نے وزارت قائم کی تھی تو میں پٹنہ آیا ہوا تھا۔ اور نواب عبدالوہاب خاں وزیر مالیات کا مہمان تھا۔ میں اور نواب صاحب کے بھائی مسٹر وصی احمد خاں وکیل مولاناؒ سے ملنے پھلواری شریف گئے۔ کچھ عرصہ سے مولاناؒ نے پھلواری ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ مکان کرایہ کا تھا۔ مٹی کی دیواریں، اور کھپریل کی چھت، اندر کتنی وسعت تھی اس کو تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن باہر جس میں مولانا تشریف فرما تھے۔ وہ دو دروازوں کی ایک کوٹھری تھی، ایک باہر سے آنے کے لیے، اور ایک زنان خانہ میں جانے کے لیے۔ کوٹھری میں ایک طرف مٹی ہی کا اونچا چبوترا تھا۔ اس پر ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی جس کے سرہانے مولانا کا بستر بندھا ہوا رکھا تھا۔ چارپائی کے نیچے کھجور کی چٹائی بچھی تھی۔ اس پر قلم و دوات، کچھ کتابیں اور مولانا کی وہی اٹیچی رکھی تھی۔ ایک طرف موٹے ٹین کے دو بکس تھے۔ ایک میں کتابیں، دوسرے میں کپڑے، چبوترے سے نیچے ایک کونے میں مٹی کا گھڑا، وہیں پر تانبے کا ایک بڑا لوٹا، اور دوسرے کونے میں مولانا کی وہی لکڑی کھڑی تھی، غرض یہ تھا صوبہ بہار میں حکومت قائم کرنے والے کے گھر کا اثاثہ۔''[1]

جرأت واولوالعزمی

حضرت مولاناؒ عزم وہمت کے پہاڑ تھے، کسی کام کا ارادہ فرما لیتے تو اس کو منزل تک

---

[1] حیات سجادؒ ص ۱۹، ۲۰ مضمون حضرت مولانا منت اللہ رحمانی۔

پہنچا کر ہی دم لیتے تھے، اور راستہ کی ہر دشواری کا مقابلہ کرتے تھے، حضرت مولانا احمد سعید صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ میں جہاں بے شمار خداداد قابلیتیں موجود تھیں، ان تمام خوبیوں اور قابلیتوں میں ان کی پختہ کامی، عزم بالجزم، مستقل مزاجی، اور ہمت اور ارادے کی طاقت ضرب المثل ہے۔ وہ بڑی سے بڑی مشکل کا ان تمام قوتوں کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے، وہ کام کرنے سے تھکتے نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان تمام طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔''[1]

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''جمعیۃ علمائے ہند کے جو جلسے گذشتہ چند سالوں کے اندر ہوئے ہیں، ان میں سے بعض میں مولاناؒ ہی کی دعوت پر میں شریک ہوا، ان جلسوں کی مخالفت میں جو ہنگامے اٹھے ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، بعض مرتبہ تو مخالفین کی خوش تمیزیاں ایسی ہولناک شکل اختیار کر لیتی تھیں کہ آدمی کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ جائے یا دامن امید، اور ظاہر ہے کہ ان تمام یورشوں کا اصلی نشانہ کم از کم صوبہ بہار میں مولاناؒ ہی کی ذات تھی، مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولاناؒ ان ہنگاموں سے ایک لحہ کے لئے بھی بے حوصلہ یا بے صبر ہوئے ہوں۔ ان کا دماغ ہمیشہ پرسکون اور دل ہر حالت میں مطمئن رہتا تھا۔ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر وہ پسند کرتے تو اپنے مخالفوں کے اوچھے ہتھیاروں کا مقابلہ اوچھے ہتھیاروں سے کر کے ان کو زک دے سکتے تھے، مگر اپنے طرز عمل کی کامیابی کا یقین کسی حالت میں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اور ان کی اولوالعزمی ہمیشہ اوچھے ہتھیاروں کے استعمال سے ابا کرتی تھی مولاناؒ کی یہ عزیمت اگر بے مثال نہیں تو کم از کم اپنی نوعیت میں غیر معمولی ضرور تھی۔

اس عزیمت کے ساتھ وہ انتھک کام کرنے والے تھے، میں نے ان کو کبھی خالی الذہن یا غیر مشغول نہیں پایا، وہ سوچتے یا کام کرتے، ستاتے کبھی نہیں تھے، وہ ایک ایسی دریا کے مانند تھے جس میں تموج وطغیانی کی سرجوشی تو نہ ہو لیکن روانی کا پورا جوش وخروش موجود ہو جو بغیر دم لئے ہر آن وہر لحہ چٹانوں سے ٹکراتا، پتھروں سے لڑتا، جھاڑیوں سے الجھتا، رواں دواں، ان کے پبلک اشغال نہ فیشن کے طور پر تھے نہ حصول سروری وسعادت کی طمع میں، وہ جس مسئلہ کو اٹھاتے وہ زندگی اور موت کا سوال بن کر ان سے چمٹ جاتا، اس لئے وہ کسی کام کو بے دلی (Dishearteadly) کے ساتھ کر کے اپنے نفس کو مطمئن نہیں کر سکتے تھے، بلکہ مجبور تھے کہ اس کے

۱- حیات سجادؒ ص ۱۰۶، ۱۰۷ مضمون حضرت مولانا احمد سعید۔

لئے اپنے فکر وعمل کی تمام قوتیں میدان میں ڈال دیں، سوتے جاگتے بس وہی مسئلہ ان کے سامنے ہوتا اور ان کی ساری راحت وطمانیت اس کے انہماک کے اندر سمٹ آتی، وہ اپنے پبلک اشغال سے تھک کر نہ تو کوئی امن کا گوشہ تلاش کرتے، نہ دوسری غیر پبلک دلچسپیوں کو ان کے ساتھ شریک کرکے ان کی حرمت کو بٹہ لگاتے، اس اعتبار سے ان کا مزاج ایک سیاسی لیڈر سے بالکل مختلف تھا، ان کی دُھن میں عاشق کی دُھن کی شان تھی اور چونکہ وہ ایک زبردست عالم تھے اس لئے یقیناً یہ چیزیں انہوں نے پیغمبران عظام کے اسوۂ حسنہ سے اخذ کی تھیں، میں نے یہ چیز وقت کے بڑے سے بڑے لیڈروں میں بھی نہیں پائی۔‘‘[۱]

مولانا سید شاہ حسن آرزو تحریر فرماتے ہیں:

’’میں نے پہلے ہی ملاقات میں اس دبلے پتلے نحیف وکمزور عالم دینؒ سے مل کر یہ محسوس کیا کہ اس کے سینے کے اندر گوشت کا لوتھڑا نہیں، دہکتی آگ کا شعلہ ہے۔ اس کی نظر کی گہرائی، اس کے دماغ کی بلندی اور فہم وفراست، ارتقائے ملک کے لیے صاف اور سیدھا نظام عمل اپنے اندر مخفی رکھے ہوئے ہے۔ وہ جس منزل کے متجس تھے، وہاں تک پہنچنے میں سبھی کے پاؤں تھکتے تھے، لیکن سجادؒ اپنے مقصد میں تھکنا نہیں جانتے تھے وہ اپنی آخری ساعت تک سعی پیہم سے باز نہ آئے۔ سختیاں جھیلیں، مصیبتیں برداشت کیں، جھڑکیاں سہیں، غیروں سے نہیں اپنوں سے گالیاں کھائیں۔ دشنام سنے، مگر ارادہ اور مضبوط ارادہ کا یہ ہمالیہ ایک قدم بھی اپنے مقصد ومرکز سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوا۔‘‘[۲]

صداقت وحق گوئی

مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں کہ:

’’مولانا میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی جماعت کی پارٹی پالیٹکس سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، ان کے نزدیک جو بات حق ہوتی تھی، اس کو برملا کہتے تھے، وہ ہندوستان کی آئینی ترقی کے سلسلہ میں کانگریس کے پرجوش حامی تھے، مگر انہوں نے کبھی کانگریس کو اس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے میں تساہل نہیں کیا، وہ گاندھی جی کے عقیدہ عدم تشدد کے بھی بہت بڑے نقاد تھے۔‘‘[۳]

۱- محاسن سجادص ۳۱، ۳۲ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی۔
۲- حیات سجادص ۹۲، ۹۳ مضمون سید شاہ حسن آرزو صاحب۔
۳- برہان دہلی ص ۴۰۳، ۴۰۴ دسمبر ۱۹۴۰ء۔

آزمائشیں

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں پر آزمائشیں بھی آتی ہیں، نیز کوئی بھی مقام بلند بہت آسانی سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے بڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے، اوران پر صبر کرنا پڑتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ★الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ★أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔ [۱]

حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ اللہ پاک کے یہاں جو جس قدر صاحب مقام ہوتا ہے اس کو اسی قدر آزمائشوں اور امتحانات سے دو چار ہونا پڑتا ہے،

أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل۔ [۲]

ترجمہ:- انسانوں میں سب سے زیادہ مصیبتیں انبیاء پر آئیں پھر درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں پر۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی بھی آزمائشوں اور تکلیفوں سے بھری ہوئی تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ بیان فرماتے ہیں:

> ''شاید یہ کم لوگوں کو علم ہو کہ مولاناؒ کی خانگی زندگی غمگین تھی، ان کے بڑے بھائی مجذوب تھے، ان کی بیوی معذور و مختل تھیں، ان کا بڑا لڑکا جو پڑھ لکھ کر فاضل اور گھر کا کام سنبھالنے کے قابل ہوا، عین اس وقت کہ اس کے نکاح میں چند روز باقی تھے، باپ نے دائمی جدائی کا داغ اٹھایا اور یہ سننے کے قابل ہے کہ وہ لڑکا مرض الموت میں تھا کہ مسلمانوں کی ایک ضرورت ایسی سامنے آئی کہ باپ بیمار بیٹے کو چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا، واپس آیا تو جوان بیٹا دم توڑ رہا تھا۔
>
> ان کی اپنی زندگی بھی دین وملت ہی کی نذر ہوئی۔ ترہت کے دُور افتادہ علاقہ میں جہاں کہ ملیریا کے ڈر سے ادھر کے لوگ اُدھر جانا موت کے منہ میں جانا سمجھتے ہیں، یہ مردِ خدا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر سال میں کئی کئی بار جاتا تھا اور کئی کئی دن وہاں رہتا تھا۔ آخری سفر بھی وہیں ہوا، اور

۱- البقرۃ: ۱۵۵-۱۵۷

۲- رواہ البخاری فی ترجمۃ ج ۷ اص ۱۸۱ وأحمد فی مسند ج ۶ ص ۳۶۹ حدیث نمبر: ۲۷۱۲۴۔

وہیں سے ملیریا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا اور اسی حال میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔" [1]

جناب سید شاہ حسن آرزو لکھتے ہیں:

''مولانا کا بڑا لڑکا خدا اُسے جنت نصیب کرے۔ دیوبند کا تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل تھا۔ ۱۹۳۰ء کے سیاسی ہنگامے، سول نافرمانی کے سلسلہ میں اُسے بھی ۶رماہ کی جیل ہوگئی۔ مدت تمام کرنے کے بعد جب مکان آیا تو اس پر کچھ دنوں بعد ہی نمونیا کا حملہ پڑا، اور سخت حملہ۔ مولانا تبلیغی ضرورتوں کے سلسلہ میں چمپارن کا دورہ فرمارہے تھے، یہاں سے تار پر تار گیا لیکن مولانا اس وقت مکان پہنچے، گویا لڑکا مر چکا تھا۔ مولاناؒ کے آنے کے دو تین بعد لڑکے کا انتقال ہوگیا۔ مولاناؒ کے پاس کچھ زمین ایسی بھی تھی جس کا لگان دوسرے زمین دار کو دینا پڑتا تھا۔ اتفاقاً زمین داروں نے ڈگری کرا کر بعض زمین نیلام کرانی چاہی۔ لوگوں نے مولاناؒ کو اطلاع دی۔ مولاناؒ نے ہنس کر فرمایا، جانے بھی دو۔ اس کا بھی تعلق لگا ہی رہتا ہے، وہ بھی ختم ہوجائے تو اللہ کے بندوں کی خدمتوں میں پوری یکسوئی حاصل ہو رہی ہے:

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اللہ اکبر مولاناؒ اپنے ایمان وصداقت کی راہ میں جتنا جھنجھوڑے گئے اور آزمائش میں ڈالے گئے اور بار بار ڈالے گئے، اتنے ہی کھرے ثابت ہوئے جس کی مثال اس دور میں کم کیا مل ہی نہیں سکتی ہے۔" [2]

۱- محاسن سجاد ص ۴۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی

۲- حیات سجاد ص ۹۹، ۱۰۰ مضمون سید شاہ حسن آرزو صاحب

اوّلیات وخصوصیات

(۱۷)

ستر ہواں باب

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی اوّلیات

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ فکر وعمل کے کئی میدانوں میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے، کئی محاذوں پر ان کے قدم سب سے پہلے اور سب سے آگے رہے ہیں، کہیں فکر کے لحاظ سے سابق القدم ہیں تو کہیں فکر وعمل دونوں لحاظ سے، اس کتاب میں ان کی تفصیلات گذر چکی ہیں، یہاں بطور خلاصہ آپ کی مثالی زندگی کے چند جلی عنوانات کی فہرست دی جارہی ہے جن کو پہلی مرتبہ آپ کے فکر وعمل نے وجود بخشا:

(۱)

انجمن علماء بہار کا قیام

ہندوستان میں جب ہر طرف انتشار ہی انتشار تھا، امت واحدہ کئی طبقات میں منقسم ہو چکی تھی، جس کی بنا پر ملک وملت کے بہت سے اہم اجتماعی مسائل معطل ہو کر رہ گئے تھے، ایسے نازک وقت میں سب سے پہلے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی دوررس نگاہ اس نقطہ پر پہنچی کہ امت کی شیرازہ بندی سے قبل علماء کی شیرازہ بندی ضروری ہے، جب تک علما اپنی جنگ ختم نہ کریں گے، یہ امت لڑتی ہی رہے گی، بعد کے حالات وواقعات نے ثابت کیا کہ یہ اس وقت کا سب سے صحیح اور دوررس فیصلہ تھا، حضرت مولانا سجادؒ کی یہ فکر عالمی تھی، مگر ان کے وسائل محدود تھے، لیکن انہوں نے اپنے صدق وخلوص کی بدولت ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے، جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

علماء کو منظم کرنے کے لئے آپ نے ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو مدرسہ انوار العلوم گیا میں ''انجمن علماء بہار'' قائم کی، جو بعد میں 'جمعیۃ علماء بہار' کے نام سے تبدیل ہوگئی، یہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی جمعیۃ تھی۔

(۲)

خلافت کمیٹی کی بنیاد

حضرت مولانا محمد سجادؒ تحریک خلافت میں بھی پیش پیش رہے اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے ساتھ مل کر ۱۹۱۸ء میں خلافت کمیٹی کی بنیاد ڈالی، اور پھر بمبئی کی مرکزی خلافت کمیٹی قائم ہونے کے بعد اسی سال اس کی پہلی شاخ گیا میں قائم فرمائی۔

(۳)

جمعیۃ علماء ہند کی تحریک

جمعیۃ علماء بہار ہی کے بطن سے ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو 'جمعیۃ علماء ہند'' وجود میں آئی، جس کی تاسیس میں آپ اور آپ کے رفقاء اولین (مثلاً مولانا عبدالحکیم صاحب اوگانویؒ، اور مولانا

خدا بخش مظفر پوریؒ وغیرہ) بھی ہر طرح شریک رہے۔ اور اس کا پہلا اجلاس امرتسر میں ۲۸؍ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ہوا۔

——————(۴)——————

نظام قضا کی بنیاد

حضرت مولانا سجادؒ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے غیر مسلم ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی اور ملی مسائل کے حل کیلئے انجمن علماء بہار کے تحت ۲۵؍ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ م ۱۴؍ مئی ۱۹۲۰ء کو نظام قضا کی بنیاد ڈالی، جب کہ ابھی امارت شرعیہ کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔

——————(۵)——————

امارت شرعیہ بہار کی تاسیس

علماء کی شیرازہ بندی کے بعد حضرت مولانا سجادؒ نے ہندوستان میں ''امارت شرعیہ'' کے قیام کی جدوجہد شروع کی، ان کے نزدیک کسی غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کی وحدت و تنظیم کی اس سے بہتر کوئی اساس نہیں تھی، مولاناؒ کے پیش نظر ایک طرف مسلم اقلیتی ممالک کے بارے میں فقہاء کی ہدایات وتصریحات تھیں تو دوسری طرف ہندوستان کا موجودہ سیاسی منظر نامہ، اس تناظر میں جب کہ ہندوستانی مسلمان سیاسی شوکت واقتدار سے محروم ہو چکے تھے، ان کے مذہبی شعائر و آثار کی حفاظت اور ان کو کسی مضبوط اور مقدس رشتۂ واحد میں جوڑنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ مسلمان اپنے داخلی مسائل و معاملات کو منظم و مستحکم کرنے کی فکر کریں اور ایک امیر شریعت کی ماتحتی میں اپنی زندگی گذارنے کی عادت ڈالیں، جہاں تک وہ نہیں پہنچ سکتے اس کے انتظار میں جہاں تک پہنچ سکتے ہیں اس کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، اور ناممکن کی تلاش میں ممکن کو نہ کھو بیٹھیں، یہ ایک انتہائی مثبت اور دانشمندانہ سوچ تھی اس سے ایک طرف ان نصوص و روایات کی تعمیل ہوتی تھی، جن میں نصب امیر کی تاکید کی گئی ہے اور امارت سے آزاد موت و حیات کو جاہلیت کی موت و حیات سے تعبیر کیا گیا ہے ___ دوسری طرف فقہاء کی ہدایات کے مطابق وہ اہم ذمہ داری پوری ہوتی تھی، جو کسی غیر مسلم ملک میں مسلم اقلیت ہونے کی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے ___ تیسری طرف اس بکھری ہوئی زوال پذیر قوم کی تنظیم ہوتی تھی، جو برسوں کی غلامی و مظلومی کی وجہ سے صحتمندانہ سوچ اور تعمیری کردار سے محروم ہوتی جارہی تھی۔

'قیام امارت' کے تعلق سے حضرت مولانا سجادؒ کے دل میں جو خیال آیا، یہ محض ان کے مطالعہ و تحقیق کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتا، بلکہ یہ توفیق ربانی کا حصہ اور عطاء خداوندی کی ایک کڑی محسوس ہوتی ہے، جو اللہ کے خاص بندوں پر ہوتی ہے، کیوں کہ اس وقت ہندوستان میں نہ ارباب علم کی کمی تھی اور نہ کتابوں کی، ایک پر ایک محقق اور دقیقہ رس علماء، فقہاء اور دانشور موجود تھے؛ لیکن اس کار عظیم کے لیے انتخاب حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کا کیا گیا۔

چنانچہ ۱۸، ۱۹/شوال المکرم ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۵/جون ۱۹۲۱ء کو محلہ پتھر کی مسجد پٹنہ میں ایک عظیم الشان اور تاریخ ساز اجلاس میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا، جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک سمت راہ متعین کیا۔

(۶)

آئینی و سیاسی بصیرت میں کمال

اسی طرح آپ ہندوستان کے پہلے عالم دین تھے جو اسلامی قانون کے ساتھ ملکی آئین اور دنیا کے دیگر ملکوں کے قوانین پر بھی گہری اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔

(۷)

بہار مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کی تشکیل

☆ آپ علماء ہند میں پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ۲۵/اگست ۱۹۳۵ء مطابق ۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو ایک مستقل سیاسی پارٹی ''بہار مسلم انڈی پنڈنڈنٹ پارٹی'' قائم کی، اور اس پارٹی نے امارت کے زیر نگرانی انتخابی سیاست میں حصہ لیا اور تاریخی کامیابی حاصل کرنے کے بعد یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو بہار میں حکومت کی تشکیل کی۔

(۸)

بہار میں اردو زبان کو دستوری درجہ عطا کیا

غیر مسلم ہندوستان میں پہلی بار (۱۹۳۷ء میں) صوبۂ بہار میں اردو زبان کو دستوری زبان کا درجہ آپ کی حکومت نے دیا، بہار میں اردو زبان کا غلغلہ آپ کے اسی تاریخ ساز فیصلہ کی دین ہے۔

(۹)

تخت شاہی پر فقیری کی مثال قائم کی

☆ اسلامی ہند کے سقوط کے بعد آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شاہی میں فقیری کی تاریخ دہرائی اور اپنی پارٹی کے عہد حکومت (۱۹۳۷ء) میں بھی مٹی کے کچے مکان میں رہے اور یہ مکان بھی اپنا نہیں بلکہ کرایہ کا تھا اور کرایہ حکومت نہیں خود اپنی جیب خاص سے ادا کرتے تھے اور اسی کچے مکان کے آستانے پر بڑے بڑے علماء واعیان اور امراء ورؤساء اپنی حاضری میں شرف محسوس کرتے تھے، ایسے واقعات پچھلی تاریخوں میں بہت بار پڑھے گئے تھے، لیکن اس دور میں حضرت مولانا سجادؒ ان واقعات کی عملی تصویر اور ان اخلاقی وروحانی اقدار کا زندہ نمونہ تھے۔

(۱۰)

ہندوستان کے نئے پس منظر میں ہندو مسلم اتحاد کی پہلی دعوت

☆ ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں جب محسوس ہونے لگا کہ تنہا مسلمانوں کی جدوجہد سے ملکی آزادی کا حصول اور اجتماعی مسائل کا حل بہت مشکل ہے، تو سب سے پہلے اور سب سے طاقتور انداز میں حضرت مولانا سجادؒ نے ہندو مسلم اتحاد کی دعوت دی، اور اس کے بعد ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بدلنے لگا، اور ہندو مسلم مشترکہ طاقت سے ملک کی آزادی اور دیگر مقاصد کے حصول کے لئے نئی جنگ کی شروعات ہوئی، اس اتحاد کا ایک بڑا مقصد فرقہ وارانہ فسادات پر بھی بندھ باندھنا تھا، جو انگریزوں کی سازش کے تحت پورے شمالی ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔

(۱۱)

ناجائز مقدمات کے خلاف آئینی کاروائیوں کا آغاز

☆ جب ملک میں بدامنی پھیل گئی، اور فرقہ وارانہ فسادات (۱۹۳۷ء وغیرہ) کی آگ سے ہندوستان جلنے لگا، اور خاص طور پر مسلمان ان فسادات کا نشانہ بنے، پھر ستم بالائے ستم الٹے انہی کو قصوروار قرار دے کر گرفتار کیا جانے لگا، تو سب سے پہلے اس کے خلاف حضرت مولانا سجادؒ نے آواز بلند کی، اور آئینی احتجاج کی طرف قدم بڑھایا اور مسلمانوں کی ناجائز گرفتاریوں کے خلاف

مقدمات دائر کئے، اور منصوبہ بند طور پر آئینی جہاد کا سلسلہ شروع کیا، کام کرنے والے افراد کی خود ہی آئینی تربیت کی اور مقدمات کی پیروی کے گر بتائے، بڑے بڑے وکلاء اور ماہرین قانون نے آپ کی آئینی صلاحیت کا لوہا مانا، مسلمان حربی جنگ ہار چکے تھے، حضرت مولانا سجادؒ نے آئینی جنگ کا آغاز کیا، اور ایک ایک گرفتار کو قید سے نجات دلائی، بلکہ نقصانات کا ہرجانہ بھی دلوایا، غیر مسلم ہندوستان میں یہ وہ سنت سجادؒ ہے جو آج بھی ملت اسلامیہ ہندیہ کیلئے بہترین نمونہ عمل ہے۔

(۱۲)

غیر مسلم اقتدار میں اسلام کی سیاسی شناخت

☆ حضرت مولانا سجادؒ نے جمعیۃ علماء بہار، جمعیۃ علماء ہند، نظام قضا، امارت شرعیہ اور سیاسی پارٹی وغیرہ اداروں اور جماعتوں کے قیام وتاسیس کے ذریعہ غیر اسلامی ملک میں اسلامی سیاست کو نئی شناخت عنایت فرمائی، مسلمان حالت مغلوبی میں اسلام کی سیاسی تعلیمات کے کن خطوط پر چل کر اپنے دین وایمان اور اجتماعیت کی روح کو بچا سکتے ہیں، یہ تلقین حضرت مولانا سجادؒ کی تعلیمات اور عملی اقدامات میں ملتی ہے، مولانا سجادؒ نے غیر مسلم اقتدار میں نئی سیاسی قوت کو دریافت کیا اور اس کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کر کے امت کے سامنے پیش فرمایا، اس لحاظ سے مولانا سجادؒ اپنے وقت کے صرف عظیم مفکر ہی نہیں مجدد بھی معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۳)

بحیثیت مفکر تعلیم - ایک نئے نصاب ونظام تعلیم کی ترتیب ودعوت

حضرت مولانا سجادؒ کا ایک بڑا امتیاز یہ تھا کہ وہ مخصوص تعلیمی نظریات کے حامل تھے، ہندوستان سے اسلامی اقتدار کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں میں جو تعلیمی انحطاط پیدا ہوا، اور رفتہ رفتہ علماء عصری علوم ومسائل سے اور عصری تعلیم یافتہ حضرات علم دین سے دور ہوتے چلے گئے، اس تناظر میں حضرت مولانا سجادؒ نے علماء اور ماہرین تعلیم کو ایک نئے نصاب تعلیم اور نئے نظام تعلیم مرتب کرنے کی دعوت دی، اور اس کا تحریری خاکہ بھی پیش کیا، عملی طور پر اس کو مختلف مدارس میں جاری کرنے کی کوششیں کیں، اور کئی تعلیمی اداروں کی اس طرح کی سرگرمیوں کو قوت پہنچائی۔۔

حضرت مفکر اسلام مولانا محمد سجادؒ کی سربراہی میں جو نصاب تعلیم تیار ہوا تھا، علامہ مناظر احسن

گیلانیؒ (جو اس کی تسوید میں شامل تھے) کو بڑی امیدیں تھیں کہ اگر یہ نظام کامیاب ہوجاتا تو ایک مثالی تعلیمی نظام وجود میں آتا اور ملک کا کوئی خطہ بہار کے تعلیمی معیار کا مقابلہ نہ کرسکتا۔

(۱۴)

مدارس اسلامیہ کے لئے ایک تعلیمی وفاق کا تصور اور آغاز

مدارس اسلامیہ کے تعلیمی نظام کو منضبط اور ترقی یافتہ بنانے کیلئے بھی حضرت مولانا سجادؒ کے ذہن میں ایک خاکہ تھا، انہوں نے ایک جامع تعلیمی وفاق کا نقشہ مرتب کیا تھا، جس میں تمام مدارس بحیثیت رکن شریک ہوں اور کسی ایک بڑے مدرسہ کو جامعہ کلیہ کا درجہ دیا جائے اور مختلف مدارس کو مختلف علوم وفنون کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے، ایک مدرسہ ایک ہی فن پر محنت کرے اور اسی فن کے ماہرین پیدا کرے، اس طرح ہر فن کو الگ الگ مدرسوں پر بانٹ دیا جائے اور فن ہی کی بنیاد پر مدارس کی درجہ بندی کی جائے اور سب کا مشترکہ امتحان ہو اور جامعہ اس میں مرکزی کردار ادا کرے۔

حضرت مولانا سجادؒ نے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کو مرکز بنا کر ۱۹۲۴ء میں اس نظام کا عملی آغاز بھی کردیا تھا، اس کے لئے بڑی تعلیمی کانفرنس بلائی، تجاویز منظور کیں، لیکن دوسری مصروفیات کے ہجوم میں اس پر پوری توجہ نہ دی جاسکی اور پھر عمر عزیز نے بھی وفا نہ کی۔

حضرت مولانا سجادؒ کی یہ تعلیمی کوشش اپنے عہد کی اولین کوشش تھی، اس سے قبل اس طرح کی کسی سعی جمیل کا ذکر کسی علاقے کی تاریخ میں نہیں ملتا۔

(۱۵)

ایک منفرد جامع تعلیمی ادارہ کا تصور اور آغاز

حضرت مولانا ایک منفرد انداز کے تعلیمی ادارہ کا تصور بھی اپنے دماغ میں رکھتے تھے، جہاں دین کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ علوم جدیدہ کی بھی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہو، مولاناؒ موجودہ ہندوستان کو قدیم اسلامی تعلیم گاہوں سے علمی اور تاریخی طور پر مربوط کرنا چاہتے تھے، جہاں ایک ہی ادارہ سے محدثین اور فقہاء بھی تیار ہوکر نکلتے تھے اور ماہرین لسانیات ومعاشیات، اطباء، انجینئر اور معقولی علماء ومفکرین بھی —— علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب 'ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم

وتربیت' میں جس نظام تعلیم کی ترجمانی کی ہے، اس کا بنیادی خاکہ حضرت مولانا سجادؒ کے یہاں موجود ہے، علامہ گیلانیؒ بھی مولانا سجادؒ کے تعلیمی افکار ونظریات سے متاثر تھے، اور کئی تعلیمی مجالس میں آپ کے ساتھ شرکت کا بھی ان کو موقعہ ملا تھا، علامہ گیلانیؒ کی یہ کتاب حضرت مولانا سجادؒ کے تعلیمی تصورات کا عکس جمیل محسوس ہوتی ہے۔

(۱۶)

مسلمانوں کے لئے صنعتی تعلیمی ادارہ کا تصور اور آغاز

حضرت مولانا سجادؒ مسلمانوں کے لئے (بشمول طلباء مدارس اسلامیہ) صنعتی (ٹیکنیکل) تعلیم کے بڑے حامی تھے، فرماتے تھے کہ ملک وقوم کی ترقی صنعتی ترقیات سے وابستہ ہے، جس ملک کی صنعت جتنی زیادہ مضبوط ہوگی وہ ملک اتنا ہی زیادہ ترقی یافتہ ہوگا، حضرت مولاناؒ نے دیدار گنج پٹنہ کی وسیع وعریض شاہی مسجد میں ایک جدید نوعیت کے تعلیمی ادارہ کی بنیاد ڈالی تھی، جس میں وہ مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ صنعتی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہتے تھے، لیکن عمر عزیز نے اس کا بھی موقعہ نہیں دیا، مولاناؒ کی مثال ''یک انار صد بیمار'' کی تھی، ایک کام پورا نہیں ہوتا کہ دوسرا اس سے اہم کام آپ کے سامنے آجاتا تھا۔

بین الاقوامی نشان ملت

آج ضرورت ہے کہ حیات سجادؒ کی خصوصیات وامتیازات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، ان کے افکار ونظریات کی اشاعت پر توجہ دی جائے، اور ان کو داستان ماضی کے طور پر نہیں، بلکہ بین الاقوامی نشان ملت، اور غیر مسلم اقتدار میں اسلام کی سیاسی علامت کے طور پر پیش کیا جائے، حضرت سے وابستہ تمام اداروں پر یہ ذمہ داری بطور خاص عائد ہوتی ہے۔

خاتمة الكتاب

(۱۸)

اٹھارہواں باب

وفات حسرت آیات

فصل اول

مرض الموت اور وفات

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ کے فکر وعمل کا سفر جس طرح نقطۂ ارتقاء کی طرف جاری تھا اس کے پیش نظر کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ ان کا سفر آخرت بھی اب قریب ہے، ابھی چند ماہ قبل جون ۱۹۴۰ء کے اجلاس جونپور میں ان کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا، اور عہدۂ نظامت پر آپ کے فائز ہونے سے جمعیۃ علماء ہند کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا، آپ کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں، آنکھوں کی روشنی بھی متاثر تھی، لیکن اتنی جلد آپ رخصت ہو جائیں گے یہ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا، بظاہر آپ صحت مند بھی نظر آتے تھے، اگرچہ بعض اہل نظر کو کئی ماہ قبل ہی سے آپ کی بعض کیفیات کو دیکھ کر خطرہ کا احساس ہونے لگا تھا۔۔ان میں آپ کے برادر بزرگ صوفی احمد سجاد صاحبؒ اور آپ کے ہم وطن اور عقید تمند حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

الوداعی آہٹ

خود علامہ گیلانیؒ لکھتے ہیں:

''جس سال مولاناؒ اس ناسوتی جدو جہد سے اپنا تعلق توڑنے والے تھے، ٹھیک وفات سے چند مہینے پہلے مولانا لطف اللہ سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ (مونگیر) خلف اکبر حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے اور سخت بیمار، علاج کے لئے پٹنہ آئے، میں حیدرآباد سے گرمی کی تعطیلوں میں گھر جا رہا تھا، مولوی لطف اللہ کی علالت کی خبر سن کر راستہ میں پٹنہ چلا آیا، یہ عجیب اتفاق تھا کہ انہیں دنوں میں حضرت مولانا محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ بھی مولانا لطف اللہ کی عیادت کے سلسلہ میں پٹنہ آئے اور اللہ نے یوں ایک دور افتادہ مخلص کو حضرت کے قدموں میں چند دن گزارنے کا موقع دیا۔ ایک ہی کمرہ میں ہم دونوں کا قیام تھا کھل کر گفتگو کا موقع ملا، مولانا منت اللہ (فرزند خورد مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ) اپنے بھائی کی تیمار داری کر رہے تھے، ہم تینوں آدمیوں کا یہ اتفاقی اجتماع تھا، بیسیوں مسائل پر خیالات کا تبادلہ عمل میں آتا تھا مگر انہیں دنوں مولاناؒ کی صحت جو میرے خیال

میں ہر قسم کے موسمی تاثرات سے بالاتر تھی اور اکثر ان کی اس خصوصیت پر رشک بھی کرتا تھا، اپنی جگہ سے کھسکی نظر آئی، ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا لیکن اس کا یقین نہ تھا کہ صحت کی یہ تبدیلی اتنا جلد رنگ لانے والی ہے۔ غرض چار پانچ دن یوں آخری دنوں میں حضرت کی قدموسی کی سعادت نصیب ہوئی اور خوب ہوئی، ان صحبتوں میں بھی اپنے عمل کے اصلی مقصد کو کبھی کبھی ظاہر فرما دیتے۔ یاد پڑتا ہے کہ ان ہی دنوں میں حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے بڑے بھائی احمد سجاد صاحبؒ جن کا شمار سلسلۂ فقراء کے طائفۂ مجاذیب و بہالیل میں کیا جاتا ہے، ان کا قول نقل کرتے تھے کہ ان کو موجودہ مشاغل سے الگ ہوجانے کی تاکید فرماتے ہیں، شاید یہ اسی اضطراری علاحدگی کی طرف اشارہ تھا۔"[1]

وفات سے تین ہفتہ قبل کی بات حافظ محمد ثانی صاحب نقل فرماتے ہیں کہ:

"مولاناؒ وفات کے تین ہفتہ قبل یعنی رمضان شریف کے آخری ایام میں دفعتہً بتیا تشریف لائے، دو روز قیام فرمایا، ایڈیٹر الہلال[2] بھی ان کے ساتھ تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد ایک مختصر تقریر کی، روزہ کے فلسفہ کو بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اب میں بوڑھا ہوا ممکن ہے وعظ و نصیحت کا موقع ملے نہ ملے، مجھے حیرت تھی کہ مولانا بلا کسی اہم ضرورت کے اس قدر جلدی ہی کیوں تشریف لائے مگر انتقال پُر ملال کی خبر سن کر یہ راز فاش ہوا کہ مولانا اپنے مخصوص مقام پر اپنے خاص خادموں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے آئے تھے۔"[3]

مختصر علالت اور وفات

حضرت مولاناؒ علاقۂ ترہت کے دورہ سے واپس تشریف لائے تھے، جہاں ملیریا وبائی صورت میں پھیلا ہوا تھا، بظاہر کوئی بیماری نہیں تھی، بعض مبصرین کا خیال ہے کہ مولاناؒ غیر محسوس طور پر ملیریا سے وہیں متاثر ہوئے[4] لیکن ایام علالت میں آپ کے قریب رہنے والے لوگوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ آپ کے خصوصی تیماردار اور تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے مطابق علالت کا آغاز پھلواری شریف میں ۹ر شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۰ر نومبر ۱۹۴۰ء روز یکشنبہ

۱- حیات سجاد ص ۶۴، ۶۵ ارتسامات گیلانیہ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانیؒ

۲- غالباً مولانا زکریا فاطمی صاحب مراد ہیں۔

۳- حیات سجاد ص ۱۱۳ مضمون حافظ محمد ثانی صاحب۔

۴- یہ بات حضرتؒ کے ہم وطن علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھی ہے:

"ترہت کے دُور افتادہ علاقہ میں جہاں کہ ملیریا کے ڈر سے ادھر کے لوگ اُدھر جانا موت کے منہ میں جانا سمجھتے ہیں، یہ مرد خدا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر سال میں کئی کئی بار جاتا تھا اور کئی کئی دن وہاں رہتا تھا۔ آخری سفر بھی وہیں ہوا، اور وہیں سے ملیریا کی سخت بیماری اپنے ساتھ لایا اور اسی حال میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔" (محاسن سجاد ص ۴۲، ۴۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندویؒ)

کوہوا، اور نو(۹) دن کی مختصر علالت کے بعد ۱۷رشوال المکرم یوم دوشنبہ ۱۳۵۹ھ (مطابق ۱۸رنومبر ۱۹۴۰ء) کو پونے پانچ بجے شام میں وصال ہوا، ایام علالت کے چشم دید احوال بھی انہوں نے قلمبند کئے تھے، اکابر کے آخری لمحات کی تفصیل بھی بڑی سبق آموز ہوتی ہے، حضرت مولانا رحمانیؒ کی وہ پوری روداد بےحد اہم اور پڑھنے کے لائق ہے، انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت ۹رشوال یوم یکشنبہ ۱۳۵۹ھ سے ناساز ہوئی۔ صبح کو حسب معمول دفتر امارت شرعیہ میں تشریف لائے۔ روزانہ کے خطوط سنے اور ہدایات دیئے۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر یہ ارشاد فرما کر مکان تشریف لے گئے کہ طبیعت اچھی نہیں ہے، سردی معلوم ہوتی ہے، اور خفیف سی حرارت بھی ہے۔

مکان پہنچ کر کچھ دیر دھوپ میں لیٹے رہے، پسینہ آیا، اس سے کچھ طبیعت ہلکی معلوم ہوئی تو صحن سے اٹھ کر کوٹھری میں چلے گئے۔ اس دن نہ غذا کی گئی، نہ کسی طبیب کی طرف رجوع کیا گیا۔

دوسرے دن ۱۰رشوال یوم دوشنبہ کو ہم لوگوں کے اصرار پر جناب حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب پھلواری شریف کو نبض دکھلائی گئی، اور دوا استعمال کی گئی۔ دفتر امارت شرعیہ میں تشریف لانا موقوف ہوگیا۔ آج کی ڈاک کے ضروری خطوط لے کر میں مکان ہی پر حاضر ہوا، ان کو سنا کر اور ضروری ہدایات لے کر دفتر چلا آیا۔

تیسرے دن ۱۱رشوال کو حکیم صاحب ممدوح ایک عزیز کی علالت کے سلسلہ میں موضع 'حسینا' تشریف لے گئے تو چوتھے دن ۱۲رشوال کو حکیم مولوی حافظ محمد شرف الدین صاحب پھلواری شریف کی طرف رجوع کیا گیا۔

پانچویں دن تک طبیعت کے انداز اور بخار کے اتار چڑھاؤ میں کوئی غیر معمولی کیفیت نہیں پیدا ہوئی، مگر ضعف ونقاہت بہت زیادہ ہوگئی۔ اور ضرورت اس کی محسوس کی گئی کہ پوری نگرانی کے ساتھ تیمارداری کی جائے۔ خصوصاً رات کی نگرانی پورے انضباط کے ساتھ کی جائے۔ چنانچہ رات کے بارہ گھنٹے اس طرح تقسیم کر دیئے گئے کہ ابتدائی شب کے تین گھنٹے اور انتہائی شب کے تین گھنٹے کی ذمہ داری میرے حصے میں رہی، اور وسط شب کے چھ گھنٹوں میں تین گھنٹے مختار سید محمد منظور صاحب (شرطی دفتر امارت شرعیہ) اور تین گھنٹے عبدالعزیز صاحب (شرطی دفتر بیت المال) کی ذمہ داری میں دی گئی۔ چھٹے دن بخار میں گیارہ بجے دن سے غیر معمولی اشتداد ہوگیا اور تکلیف زیادہ بڑھ گئی، سب سے زیادہ جو چیز پریشان کن ہوتی تھی، وہ ریاح کا صعود تھا۔ اس سے کرب واضطراب اور بےچینی اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ تقریباً دن کے تین بجے تک کسی ایک کروٹ پر نہ قرار رہتا تھا، اور نہ کسی طرح کا سکون حاصل ہوتا تھا، چار بجے سے بخار کم ہوگیا، اور

کرب واضطراب جاتا رہا، رات بخیریت گذری، اور کوئی غیر معمولی بات پیش نہیں آئی۔

طبیعت جب کچھ بھی سکون میں رہتی تھی تو عام باتوں کے ساتھ اس حال میں بھی علمی باتیں فرمانے لگتے تھے۔

ایک دفعہ مجھ کو یاد ہے کہ فرمانے لگے کہ اس کی وجہ سمجھتے ہو کہ بیمار پرسی کے لیے حدیث شریف میں ''عیادت'' کا لفظ کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی تعبیر میں لقاء مریض، زیارتِ مریض، یا اس طرح کے اور دوسرے الفاظ کیوں نہیں ارشاد فرمائے۔ پھر فرمایا: کہ نکتہ یہ ہے کہ اس تعبیر سے ذہن میں یہ بات ڈالنی ہے کہ مریض اس کا محتاج ہے کہ بار بار اس کی خبر گیری کے لیے اس کے پاس پہنچا جائے۔ کیوں کہ عیادت کا مادۂ عوذ ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس وقت جب یہ فرما رہے تھے، تکلیف سے مضطرب تھے، ایک دو جملے فرماتے پھر خاموش ہو جاتے تھے۔ پھر ایک دو جملے فرماتے اور خاموش ہو جاتے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ عزیز محترم مولوی عبداللہ صاحب سلمہ بازید پوری بھی تھے۔ جو عیادت کے خیال سے دفتر سے میرے ساتھ ہو لیے تھے اور غالباً ان ہی کی عیادت لفظ عیادت کی تشریح کی تقریب بن گئی تھی۔

عزیز ممدوح سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ خصوصی محبت رکھتے تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کے والد حضرت استاذ مولانا حکیم محمد صدیق صاحب مدظلہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا گہرا مخلصانہ رابطہ تھا کہ ایام علالت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علالت کی اطلاع کے لیے اور دعا کرنے کے لیے صرف مولانا مدظلہ کا نام لیا تھا، اور خط لکھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ ساتویں دن جناب مولانا حکیم محمد کفیل صاحب داناپور کی طرف رجوع کیا گیا اور حکیم حافظ شرف الدین صاحب اور مولانا محمد کفیل صاحب کے مشورے سے علاج بدل دیا گیا، اور یہ سمجھا گیا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خراب قسم کا ملیریا ہے۔ آج اور دنوں کے اعتبار سے طبیعت پر مرض کا زیادہ اثر تھا۔ کرب واضطراب کے ساتھ قلب زیادہ متألم تھا۔ اور نبض کے نظام میں نمایاں ضعف محسوس ہوتا تھا۔ بخار آج بھی کل کی طرح سے بڑھا لیکن رات کے آخری حصہ میں بالکل اتر گیا۔

آٹھویں دن صبح سے لے کر حسبِ معمول دس گیارہ بجے تک بخار معمولی درجہ میں رہا۔ اس کے بعد اس کا اشتداد ہوا، اور پھر کرب واضطراب میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا لیکن رات کے ڈھائی تین بجے بخار کم ہو گیا اور ۹۶ ر ڈگری تک اتر آیا، اس وقت سے صبح تک بخار بالکل نہیں رہا۔ معمولی گفتگو باطمینان فرماتے رہے۔ خشکی کی حالت میں کبھی انار کے دانے، کبھی سنترا کا نچوڑ، (شیرہ) دیتا رہا، اور مولاناؒ اس کا بلا تکلف استعمال فرماتے رہے

صبح کی جب اذان ہوئی تو میں ایک بنچ پر جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ کے باہر پڑی ہوئی تھی، نماز کے لیے کھڑا ہوگیا۔ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خود سے اُٹھ کر چار پائی ہی پر حسب معمول بیٹھ کر نماز ادا کی اور لیٹ رہے۔ اور آہستہ آہستہ تسبیح پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔

آج علالت کا نواں دن ہے۔ نماز سے فارغ ہوکر مولاناؒ کے پاس آکر بیٹھ گیا، ہاتھ پر ہاتھ رکھا، نبض کا نظام بالکل صحیح تھا، چہرہ پرسکون وطمانیت کے آثار تھے۔ اولاً مزاج پرسی کی۔ جواب میں نہ تو کسی غیر معمولی بات کا اظہار فرمایا گیا، نہ کوئی بے ربط بات فرمائی گئی۔

علالت کے پورے ایام میں اس وقت بھی جب کہ کرب واضطراب سے آپ بے چین رہتے تھے، اور اس وقت بھی جب کہ بخار کو انتہائی اشتداد ہوتا تھا، کبھی بھی مولاناؒ کا دماغ بے قابو نہیں ہوا، اور نہ کوئی بے ربط بات فرمائی۔ بجز اس کے کہ ایک دن آپ نے اضطراب کی حالت میں کروٹ بدلتے ہوئے یہ فرمایا کہ آہ دین کی یہ توہین! اور ایک دن انہی حالات میں گھبراہٹ کے لہجہ میں یہ فرمایا کہ کیا مصر پر بھی قبضہ ہوگیا، یا ہوجائے گا؟ (یعنی دم آخر بھی دین اور امت کی فکر) اس کے سوا کسی وقت، کسی دن کوئی بے ربط بات زبان پر نہیں آئی۔ بس یہ چند جملے ہیں جو نہیں معلوم کہ عمیق فکر کے پیش نظر بے اختیار زبان پر آگئے۔ یا بالارادہ گہری عمیق فکر کے نتیجہ میں فرمایا گیا۔

آٹھویں کی شام کو حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب 'حسینا' سے تشریف لے آئے تھے۔ نویں دن کی صبح کو میں حکیم صاحب کو مولاناؒ کے دیکھنے کو لے آیا، حکیم صاحب تشریف لائے تو مولاناؒ سے مزاج پوچھا۔ مولانا نے اپنا حال بیان فرمایا۔ حکیم صاحب نے ڈھارس بندھائی کہ بخار نہیں ہے، دل ودماغ سب کا فعل درست ہے۔ اس پر مولاناؒ نے فرمایا کہ پکا گیارہ بجے سے اشتداد ہوتا ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ آج بخار نہیں آئے گا۔ اس پر مولاناؒ نے فرمایا، تو یہ آپ کی کرامت ہوگی۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے نسخہ دیکھا، جو دوا استعمال ہورہی تھی، اسی کو باقی رکھا، تقویت قلب کے لیے خمیرہ مروارید عنایت کیا، جو استعمال کرایا گیا۔

گیارہ بجے سے بخار میں اشتداد ہونا شروع ہوا، مگر زیادہ سے زیادہ ایک سو تک پہنچا لیکن ریاحی بواسیر کے اثر سے قلب کی طرف ریاح کا صعود اتنا ہوا کہ متألم قلب متحمل نہ ہوسکا اور کرب واضطراب یک بیک بہت زیادہ ہوگیا۔ اور بارہ بجنے کے بعد حواس قابو میں نہ رہا۔ حالت نے نازک صورت اختیار کرلی، نبض ڈوبنے لگی، اور سانس اکھڑ اکھڑ کر چلنے لگی۔

تقریباً ایک بجے قاضی سید احمد حسین صاحب بانکی پور سے ڈاکٹر محمد عثمان صاحب کو لے کر آئے۔ ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالجلیل صاحب بھی تھے، ان کو مولانا سے خاص ارادت تھی، مولانا کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوری کوشش کی

کہ انجکشن کے ذریعہ حالت پر قابو پایا جائے۔مگر وقت پورا ہو چکا تھا، کامیابی نہیں ہوسکی۔

نبض کے ساتھ ہی ساتھ تمام شریانی رگیں بھی ڈوب چکی تھیں۔ یہاں تک کہ اب سانس بے قابو ہوگئی، اور تھوڑی دیر کے بعد سکرات کی کیفیت طاری ہوگئی۔

حضور امیر شریعت مدظلہ کو اطلاع ہوئی۔آپ تشریف لائے تو نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے چند منٹ کے بعد ہی، متاعِ جان، جان آفریں کو سپرد کردی، اور تقریباً پونے پانچ بجے ۱۷رشوال یوم دوشنبہ ۱۳۵۹ھ (مطابق ۱۸رنومبر ۱۹۴۰ء) کو زندگی بھر کے تھکے ہارے مسافر نے اپنی آنکھیں موندلیں اور اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ اِنا للّٰہ وانا اِلیہ راجعون رات کے دس بجے جنازہ کی نماز ہوئی، اور تقریباً ساڑھے دس بجے علم وعرفان کے خزانہ کو خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں آغوش لحد کے سپرد کردیا گیا۔[1]

جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

۱- حیات سجاد، ص ۲۲ تا ۲۶ مضمون حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی۔

فصل دوم

سانحۂ وفات پر علماء وقائدین امت اور ملی اداروں کے تعزیتی تاثرات اور قراردادیں

آپ کے حادثۂ وفات کی خبر متعلقین پر ایک صاعقۂ آسمانی بن کر گری، آناً فاناً یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی، اور ہر جاننے والے کو رلا گئی، علمی اور سیاسی دنیا میں ایک سناٹا چھا گیا، اس ناگہانی حادثہ نے ہر واقف کار شخص پر ایک سکتہ کی کیفیت طاری کر دی۔

☆ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''یہ کیسے بتاؤں کہ اس ناگہانی اور غیر متوقع غم سے مجھے کیوں چپ سی لگ گئی، ہر چند زبان خاموش تھی لیکن کئی دنوں تک سوتے جاگتے مرحوم کی صورت آنکھوں میں پھرتی اور خواب میں نظر آتی رہی۔ تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا مایرضی ربنا وانابفراقك لمحزونون۔[1]

☆ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ:

''میں حیدرآباد آچکا تھا، مشہور مصنف پروفیسر الیاس برنی کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب تھی، اس مجلس سے باہر نکل رہا تھا کہ اچانک ایک ملنے والے نے خبر سنائی:

بہار کے مولانا سجادؒ کا انتقال ہوگیا

جوتے پہن رہا تھا، ہاتھ کانپنے لگے، پاؤں میں لغزش تھی، دُہرا کے پوچھا کیا کہتے ہو، پھر توثیق کی۔ تقریباً نصف کروڑ مسلمانان بہار کی یتیمی کا نقشہ آنکھوں میں گھومنے لگا، بار بار زبان پر عربی کا یہ مشہور شعر جاری تھا:

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهد ما

عجیب حال میں گھر آیا، چند مصرعے بے ساختہ دماغ میں چکر کھانے لگے، روتا جاتا اور لکھتا جاتا تھا۔''[2]

۱- محاسن سجاد ص ۵۳ مضمون علامہ سید سلیمان ندوی ؒ، یادرفتگاں علامہ سید سلیمان ندوی ص ۲۳۹ طبع اول کراچی ۱۹۵۵ء۔
۲- محاسن سجاد ص ۶۵، ۶۶ مضمون علامہ مناظر احسن گیلانی

☆ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ:

''میں ایک صبح کو راولپنڈی جیل میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا کہ انقلاب اور ملاپ میں جمعیۃ علمائے ہند کا یک برقیہ نظر سے گذرا جس میں یہ حسرت زدہ الفاظ درج تھے: کل پھلواری شریف (پٹنہ) میں حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند کا چند روز علیل رہ کر انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون کہتا ہوا دل پکڑ کر بیٹھ گیا، اور پھر دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اپنے اکابر واحباب کے نام خدا جانے مرثیہ خوانی میں کیا کچھ لکھا گیا اور اس طرح دل کے بوجھ کو ہلکا کیا۔''[1]

☆ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ فرماتے ہیں:

''مسلمان قوم کے سر پر سے ایک ایسے بزرگ کا سایہ اٹھ گیا، جس کا بدل مستقبل قریب میں نظر نہیں آتا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ۔''[2]

☆ حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ نے ''برہان'' میں ان الفاظ کے ساتھ حضرت مولاناؒ کی روح کو خراج عقیدت پیش کیا اور گویا اپنا دل نکال کر رکھ دیا:

''پچھلے دنوں ہندوستان نے اس خبر وحشت اثر کو نہایت رنج واندوہ سے سنا کہ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد بہاریؒ چند روز کی علالت کے بعد اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ خبر چونکہ بالکل غیر متوقع طور پر ملی تھی، اس لئے فرط حزن والم نے حیرت کی صورت اختیار کرلی یعنی ہم یہ جانتے ہیں کہ ہماری بزم علم وعمل کا کوئی لعل شب چراغ گم ہوگیا ہے لیکن اس احساس کے باوجود تحیر کی فراوانی ہم کو رخصت گریہ اور فرصت نوحہ بھی نہیں دیتی ——

آہ صد آہ! کہ مسلمانان ہند کی یہ متاع گرانمایہ ان سے ۱۷ رشوال ۱۳۵۹ھ بروز دوشنبہ ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی، اچھا مرنے والے رخصت! تو جا اور اپنے ساتھ ہندوستان کے لاکھوں مسلمانوں کی حسرت نصیب آرزوؤں اور تمناؤں کو بھی لیتا جا، شاید ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی تجھ سے برداشت نہ ہوسکی، کہ تو یہاں سے گھبرا کر خدا کی بارگاہ میں ان کی طرف سے فریاد کرنے جارہا ہے لیکن تو نے ہم میں اسلامی حریت وآزادی اور عملی جدوجہد کی جو گرم روح پیدا کردی ہے وہ ہم کو تیرے بعد بھی شعلۂ سوزاں وتپاں کی طرح بے قرار رکھے گی، اور ہمارے کاروان طلب کا جب کبھی کوئی قدم منزل مقصود کی طرف بڑھے گا، تیرے نقش پا کی یاد سے خالی نہ ہوگا، رب السماء والارض تجھے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، تو یہاں ہمیشہ مسلمانوں کے غم میں

۱- حیات سجاد،ص ۱۵۴ مضمون مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔
۲- حیات سجاد،ص ۱۰۹

پریشان حال رہا، خدا تجھے اپنے دامان رحمت میں ایک مقام نبیل وعظیم عنایت فرمائے کہ اس زندگی کو تو نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اعلان حق کے لئے ہی وقف رکھا، آمین۔"[1]

☆ آپ کے سانحۂ وفات کا سب سے زیادہ صدمہ جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ بہار میں محسوس کیا گیا، جو کہ ایک قدرتی بات ہے، آپ کی وفات پر ایک سے زائد مرتبہ تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں، کئی جلسوں میں خراج عقیدت پیش کی گئی:

☆ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس دہلی میں ۵، ۶ر جولائی ۱۹۴۱ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی صدارت میں منعقد ہوا، اور اس میں یہ تعزیتی قرارداد منظور کی گئی:

"جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ زعیم الامۃ، مجاہد ملت، مفکر جلیل، عالم نبیل حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند و نائب امیر شریعت صوبہ بہار کی وفات پر اپنے عمیق رنج واندوہ کا اظہار کرتا ہے اور اس سانحہ روح فرسا کو مسلمانان ہند کے لئے ناقابل تلافی نقصان سمجھتا ہے، مولاناؒ کی ذات گرامی مذہب وملت اور اسلامی سیاست کی ماہر خصوصی تھی، ان کی مذہبی، قومی، وطنی خدمات صفحات تاریخ پر آب زر سے لکھی جائیں گی، اور مسلمانان ہند ان کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد بہاریؒ غیر معمولی علمی وعملی اور فکری صلاحیتوں کا مجموعہ تھے، اور جمعیۃ علماء ہند کا بیش قیمت سرمایہ تھے، ان کی کمی شدت سے محسوس کی گئی، یہ مجلس مولانا کی اہلیہ محترمہ اور —— دیگر اعزاء کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی ظاہر کرتی ہے، اور رب العزت جل شانہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہے کہ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے، اور ان کی تربت کو اپنی رحمتوں کی بارش سے سیراب کرے۔"[2]

☆ ایک اور تعزیتی قرارداد جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس لاہور (منعقدہ: ۲ تا ۴ر ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۰ تا ۲۲ر مارچ ۱۹۴۲ء زیر صدارت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ) میں منظور کی گئی:

"جمعیۃ علماء ہند کا یہ جلسہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار و ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، مولانا کی ذات گرامی مجمع الکمالات تھی، جس طرح ان کو علوم دینیہ میں اعلیٰ مہارت حاصل تھی، اسی طرح اسلامی سیاست

۱- برہان دہلی دسمبر ۱۹۴۰ء ص ۴۰۲ تا ۴۰۴ نظرات مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ۔

۲- جمعیۃ العلماء کیا ہے؟ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ص ۳۲۵ مطبوعہ دہلی ☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی سیاسی ڈائری ج ۳ ص ۱۵۳، ۱۵۴۔

میں بھی قدرت نے ان کو کامل دستگاہ عطا فرمائی تھی، خلق خدا کی خدمت اور مسلمانوں کی حفاظت ان کے نصب العین کے خاص اور اہم اجزاء تھے، علماء ہندوستان میں ان کی شخصیت ان کی خدمات جلیلہ کے لحاظ سے نمایاں تھی، ان کے اخلاص وایثار کے موافق اور مخالف یکساں معترف تھے، حق تعالیٰ ان کی تربت کو اپنی رحمتوں سے سیراب کرے، اور جنت الفردوس میں ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔''[1]

☆ پھر صدر اجلاس حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں قلبی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''حضرات! رفقاء کار کے اس اجتماع میں ہم حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحبؒ کی عظیم اور برگزیدہ شخصیت کو فراموش نہیں کر سکتے، جنہوں نے گذشتہ تیس سال میں مسلمانان ہند کی زبردست خدمات انجام دی ہیں، اس عرصہ میں مسلمانان ہند کی تمام اہم مذہبی اور سیاسی تحریکات میں کوئی ایک تحریک بھی ایسی نہیں ہے، جس میں مرحوم نے پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ نمایاں حصہ نہ لیا ہو، جمعیۃ علماء ہند میں ان کی شخصیت بہت اہم تھی، انہوں نے اپنی تمام زندگی جمعیۃ علماء کی خدمت اور اس کو ترقی دینے کے لئے وقف کر دی تھی، اپنی زندگی کے آخری دور میں مرحوم جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے ان کی وفات مسلمانوں کے لئے عموماً اور جمعیۃ علماء ہند کے لئے ایک ایسا قومی وملی سانحۂ عظیم ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔''[2]

پورے ملک میں یوم سجاد منایا گیا

جمعیۃ علماء ہند نے حضرت مولاناؒ کی یاد اور اعتراف خدمات میں کئی جلسے منعقد کئے، دو جلسے جامع مسجد دہلی میں ہوئے، پہلا جلسہ ۲۱ رشوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۲۲ر نومبر ۱۹۴۰ء) جامع مسجد دہلی میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی صدارت میں ہوا جس میں حضرت مولانا سجادؒ کی وفات حسرت آیات پر تقریریں ہوئیں، اسی اجلاس میں یہ طے کیا گیا کہ ایک ہفتہ کے بعد اسی جگہ ایک بڑا عام جلسۂ تعزیت ہوگا، اور اسی دن پورے ملک میں ''یوم سجادؒ'' منایا جائے گا۔

اس تجویز کے مطابق ۲۸ رشوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۲۹ر نومبر ۱۹۴۰ء) کو پورے ملک میں 'یوم سجادؒ' منایا گیا، اور ظاہر ہے کہ اس مناسبت سے ملک کے مختلف حصوں میں متعدد جلسے بھی ہوئے،

۱- جمعیۃ العلماء کیا ہے؟ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ص ۱۳۳ مطبوعہ دہلی
۲- شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی ڈائری ج ۳ ص ۱۵۶۔

ایک بڑا اجلاس عام جامع مسجد دہلی میں ہوا، جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی بھی تقریر ہوئی، ایک جلسۂ تعزیت جوبلی باغ دہلی میں کیا گیا، ملک کے دوسرے حصوں میں کئے گئے جلسوں اور پروگراموں کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

☆ امارت شرعیہ تو آپ کا گھر ہی تھا، آپ کی وفات سے تو گویا گھر ہی اجڑ گیا، آپ ۱۸ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ (۲۵ رجون ۱۹۲۱ء) کو نائب امیر شریعت منتخب ہوئے تھے، اور ٹھیک پورے بیس سال مکمل ہونے پر ۱۷ رشوال المکرم ۱۳۵۹ھ (۱۸ رنومبر ۱۹۴۰ء) کو آپ کا وصال ہوا، یہاں کا پورا نظام در اصل آپ ہی کے ہاتھ میں تھا، آپ کی وفات سے پورے حلقۂ امارت میں صف ماتم بچھ گئی، بہار کی تو آپ جان تھے، آپ ہی ایک چراغ تھے جس سے سارا گھر روشن تھا، امارت شرعیہ کے لئے یہ بہت صبر آزما وقت تھا، حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین صاحب قادری پھلوارویؒ اور دوسرے ذمہ داران اس حادثہ سے کتنے متأثر تھے اس کی شدت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سجادؒ کی وفات پر پورے چار سال بیت گئے لیکن آپ کی جگہ (نائب امیر شریعت) پر کسی شخص کا انتخاب عمل میں نہ آسکا، اس لئے کہ حضرت مولانا سجادؒ نے اس منصب کو اتنی بلندی عطا کردی تھی کہ کوئی شخص اس جگہ پر بیٹھنے کے لائق نظر نہ آتا تھا، لیکن جگہ تو بہر حال پر کرنی تھی، چار سال کے بعد حضرت امیر شریعت ثانیؒ نے اس جگہ پر آپ ہی کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کا انتخاب فرمایا، لیکن فرمان میں یہ صراحت کردی کہ حضرت مولانا سجادؒ کا کوئی بدل ہندوستان میں موجود نہیں ہے، دیکھئے فرمان کی یہ عبارت:

> ''مولانا سجادؒ کے وصال کے بعد سے ادارہ امارت شرعیہ میں نائب امیر شریعت کی جگہ خالی تھی، عملاً اگرچہ مولانا عبدالصمد رحمانی ناظم امارت شرعیہ نیابت کے بعض امور کو انجام دیتے رہے تھے، لیکن ضابطہ کے طور پر وہ اس منصب کے لئے مامور نہیں کئے گئے تھے۔
>
> ان چار سال کے کام نہایت اطمینان بخش ہیں، اس وقت بجز اس کے کہ مولانا مرحوم کی مجمع الکمالات ذات سے ادارہ امارت شرعیہ محروم ہے اور جس کا بدل بظاہر ہندوستان میں نہیں ہے۔ آج ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ یوم جمعہ کو مولانا عبدالصمد رحمانی کا تقرر عہدۂ نیابت امارت پر کردیا گیا۔''[۲]

۱- تذکرۂ ابوالمحاسن مرتبہ اختر امام عادل قاسمی ص ۱۸۵ مضمون مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی بحوالہ اندراج روزنامچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔

۲- امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۱۱۴، ۱۱۵ مؤلفہ حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب۔

حضرت امیر شریعت ثانیؒ نے آپ کی وفات پر انتہائی اثر انگیز مضمون تحریر فرمایا جس کی سطر سطر سے محبت وعقیدت ٹپکتی ہے، مضمون کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے:

''مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد غفراللہ لہ ورحمہ کا حادثۂ ارتحال بے حد جاں سوز اور انتہائی صبر آزما ہے، ایسی ذات جس نے دین ومذہب کی حمایت اور مسلمانوں کی صلاح میں جان لگادی، عافیت وآرام سب کچھ لٹادیا، خلوص مجسم تھے۔''[1]

ممتاز محقق مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب کا یہ احساس مبنی برحقیقت ہے کہ:

''مولانا سجادؒ کی وفات کا صدمہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برسوں تک تازہ رہا، اور جب بھی کوئی بڑی ملی ضرورت یا سانحہ پیش آتا اس وقت مولانا سجادؒ کی بصیرت، دانشمندانہ قیادت اور دوراندیشانہ رہنمائی کی یاد کی جاتی اور شاید لوگ زبان سے کہتے ہوں گے:

جب کوئی فتنہ زمانہ میں نیا اٹھتا ہے
لوگ اشارہ سے بتادیتے ہیں تربت میری [2]

۞۞

۱- حیات سجاد ص ۶۷۔
۲- تذکرۂ ابوالمحاسن مرتبہ اختر امام عادل قاسمی ص ۱۸۵، ۱۸۶ مضمون مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی۔

منظوم تاثرات

آپ کی وفات کے بعد بہت سے اہل علم اور اصحاب قلم نے نثر کے علاوہ مختلف زبانوں میں منظوم مرثیے اور تعزیتی نظمیں بھی لکھی تھیں، ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ بھی کافی دراز رہا ہوگا، اور ملک کے مختلف رسائل وجرائد میں اس قسم کے کلام شائع ہوئے ہونگے، لیکن ان کا بڑا حصہ آج ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے، حضرت مولانا مسعود عالم ندویؒ نے 'محاسن سجاد' میں اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے 'حیات سجاد' میں جو کچھ محفوظ کر دیا ہے بس وہی سرمایہ ہم تک پہنچ سکا، اس ذخیرہ میں سے کچھ منتخب کلام یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

☆ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کا کلام انتہائی غم انگیز اور رقت آمیز ہے، علامہؒ کا خود بیان ہے کہ ''روتے جاتے تھے اور لکھتے جاتے تھے۔''

بجھ گیا جو تھا دیا ایک اپنے مزار کا

قصہ ہی ختم ہو گیا دوستو سب بہار کا
بجھ گیا جو تھا دیا ایک اپنے مزار کا

روئیے جاکے اب کہاں، حال کسے بتائیے
سینۂ دل فگار کا، دیدۂ اشک بار کا

آج نہیں بہار میں ماتم نائب امیر
ماتم سخت بلکہ ہے ملت سوگوار کا

کس کی رہے گی اب نگاہ دشمنوں کی چال پر
کون بنے گا اب سپر مسلم خستہ زار کا

کفر کی چیرہ دستیاں ہوں گی جو بیکسوں پہ اب
دے گا جواب کون ہائے ان کی ہر ایک پکار کا

کس سے کہیں کہ کیا ہوا آہ وہ ہم سے چھن گیا
تھا نہ جواب ہند میں جس کے سیاسی وار کا

کفر کی سرزمین میں اس نے کیا علم بلند
دین کے احترام کا، علم کے بھی وقار کا

روزوں سے ہوں جو دور دور جو ہوں نمازوں سے نفور
آئے انہیں خیال کیوں دین کے ہر شعار کا

کس کے یہ بس کی بات ہے ہوتا ہے کیسے اب رفو
سینۂ چاک چاک کا، دامن تار تار کا

تھا علماء کی جو چٹان گرچہ وہ اب اکھڑ گیا
پھر بھی مگر بھروسہ ہے خالق کردگار کا[1]

---

[1] - حیات سجاد ص ۱۵۸

مجاہد جس کے نعروں سے لرز اٹھی زمین ہند

مولانا سید احمد عروج قادری امجھریؒ

یہ کیا حالت ہے میری، آج میرا دل دھڑکتا ہے
یہ کیوں رہ رہ کہ سینے میں اک انگارہ بھڑکتا ہے

مجھے کیوں آج نظم علم و دیں برہم نظر آیا
یہ کیوں ہر دیدۂ حق آشنا پُرنم نظر آیا

صف مردان آزادی پہ حسرت چھائی جاتی ہے
ہوا کیا ہے، وطن میں مردنی سی پائی جاتی ہے

زمیں تا آسماں مجھ کو عجب حالت نظر آئی
تحیر تھا کہ اتنے میں یہ جاں فرسا خبر آئی

کہ مرد حریت سجاد نے اذن سفر پایا
سفر وہ جس سے کوئی آج تک واپس نہیں آیا

سیاست دم بخود، صدق وصفا مرہون حیرانی
تدبر برسر زانو، روئے مذہب پر پریشانی

عمل کی آنکھ روئی، علم کے دل سے فغاں نکلی
تفقہ کے لبوں سے آہ بے تاب وتواں نکلی

وہ عامل عضو وکامل فرد وشمع ملت بیضا
نڈر، بے باک، سرتاپا مجاہد تھا، مجاہد تھا

مجاہد جس نے ساری زندگی آرام تج ڈالا
مصیبت مول لے لی اور وقار و نام تج ڈالا

ارادے کا دھنی، پیری میں بھی جوش جنونانہ
سراپا علم، سرتاپا عمل جانباز وفرزانہ

مجاہد جس کے نعروں سے لرز اٹھی زمین ہند
مجاہد جس کے سجدوں سے چمک اٹھی جبین ہند

مجاہد وہ جو فاقوں سے نہ شرمایا، نہ گھبرایا
جبین صاف پر جس کی مصائب میں نہ بل آیا

مجاہد جس کے عزم آہنی پر آسماں حیراں
فرشتے دم بخود، جبریل چپ، کون ومکاں حیراں

حکومت عزم سے جس کے ہزاروں بار ٹکرائی
ہوئی ہر بار رسوائی، ہوئی ہر بار پسپائی

وہ عالم جس کی تحریروں میں حکمت پرورش پاتی
صداقت پرورش پاتی، شجاعت پرورش پاتی

امارت کا مربی اور جمیعت اس کے ہاتھوں میں
شریعت اسکے ہاتھوں میں سیاست اس کے ہاتھوں میں

تدبر، نکتہ دانی ختم تھی جس ذات عالی پر
نظر جاتی نہیں اندوہ سے اس جائے خالی پر

جگر سے ہوک اٹھتی ہے، سمجھ میں کچھ نہیں آتا
کلیجہ پھٹ رہا ہے، غم سے کچھ لکھا نہیں جاتا

الٰہی ان کی قبر پاک پر رحمت کی بارش ہو
تلطف کی نظر ہو اور عنایت کی تراوش ہو[1]

---

[1] محاسن سجاد، ص ۱۹۲

ہمنشیں کیسے بھلائیں حضرت سجادؒ کو

مولانا سید عروج احمد قادریؒ

گرم آہوں نے جلا ڈالا دل ناشاد کو
لو جگر تھاموکہ لب کھلتے ہیں اب فریاد کو

ہائے وہ علم سراپا، ہائے وہ دردآشنا
کیا کریں، کیا کہہ کے بہلائیں دل ناشاد کو

ہم مسلمانوں کی خاطر جس نے سب کچھ تج دیا
ہمنشیں کیسے بھلائیں حضرت سجادؒ کو

شعلۂ جوالہ تھی جس کی حیات کامیاب
جانتا تھا کاہ، جو کہ کوہِ استبداد کو

جان دے دی جس نے احیائے شریعت کے لئے
جھیل ڈالا جس نے اس رستہ میں ہر بیداد کو

آہ! وہ مرد خدا رشد وہدایت کا چراغ
قبر کو اس کی بنادے اے خدا جنت کا باغ

دفتر حسن عمل میں نام باقی ہے ابھی
تو نہیں لیکن ترا پیغام باقی ہے ابھی

تو نے پھونکی ہے وہ روح تازہ جسم مردہ میں
دل میں جوش خدمت اسلام باقی ہے ابھی

کیسے مٹ سکتی ہے تیری زندگی کی یادگار
دہر باقی، چرخ نیلی فام باقی ہے ابھی

منقلب کرنا ہے دنیا کو بانداز دیگر
اہتمام گردش ایام باقی ہے ابھی

انقلابی رو کو اسلامی بنانا ہے ہمیں
یعنی ہم لوگوں کے ذمہ کام باقی ہے ابھی

مطمئن رہ تیرا مقصد کھینچ لایا جائے گا
خار زار ہند کو گلشن بنایا جائے گا [۱]

وفات حضرت سجادؒ ایک پیغام ماتم ہے

مولانا محمد سلیمان آسی قاسمی مظفر پوریؒ

ہوا او جھل نگاہوں سے وہ چشم قوم کا تارا
الٰہی ہو گیا کیا آہ! غم سے دل ہے سیپارہ

بنی صبح بہاری شام کی ظلمت کا گہوارہ
ڈھلک کر مل گیا انوار سے وہ نور کا پارا

وفات حضرت سجادؒ ایک پیغام ماتم ہے
جہاں کا ذرہ ذرہ غم میں اس کے چشم پرنم ہے

زعیم قوم کا پی لینا اف جام شہادت کا
یہ طوفانی زمانہ میں ہے اک طوفان آفت کا

عَلَم ہے سرنگوں کردار تحریک امامت کا
بپا ہے عالم امکاں میں ہنگامہ قیامت کا

۱- حیات سجاد ص ۱۵۹

جگر شق ہو نہ جائے صاحبِ احساس انساں کا
کلیجہ پھٹ نہ جائے کثرتِ غم سے مسلماں کا

سیاست کی مسلمانوں کے گتھی کون سلجھائے
شریعت پر سیاست کو چلا کر کون دکھلائے

عمل کر کے شریعت کی حقیقت کون سمجھائے
صدائے حق سے دل اسلامیوں کا کون گرمائے

گری آفت کی بجلی خرمن امید مسلم پر
بڑھا زور گہن، غالب ہوا خورشید مسلم پر

غم سجادؒ میں آسی کا گھلنا کام ہے گویا
مجاہد پر فدا ہونے کا یہ انجام ہے گویا

مجھے اس سے محبت کا ملا انعام ہے گویا
خلاصہ زندگی کا جس کی یہ پیغام ہے گویا

ہر اک عالم کی قربانی کی ملت کو ضرورت ہے
یہی روح عمل سجادؒ کی روشن حقیقت ہے

سر اپنا میں تری اسکیم پر ایثار کرتا ہوں
رہ سجادؒ پر مرنے کا میں اقرار کرتا ہوں

تری اسکیم کے دبنے سے میں انکار کرتا ہوں
اور اس انکار پر بالجزم میں اصرار کرتا ہوں

رگوں میں جب تلک ہے جوش اسلامی کا خوں باقی
تری اسکیم پر سجاد! میں مرنے کو ہوں باقی [1]

رفت از قوم مسلم مصلح اعظم

از جناب مولانا حکیم شاہ محمد شعیب نیر رضویؒ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

جہاں پر شور و محشر زا، وخلقت خستہ و حیراں
نچوں گردد کہ رفت از قوم مسلم مصلح اعظم

فلک گریاں، زمیں نالاں، مکدر بر فلک اختر
فضائے آسماں مغبر نظام ماہ و خور درہم

خلش در سینہ ہا پیدا، خلش زیں غم بہر دلہا
پریشاں حال ہر مسلم بپا ہر جاست ایں ماتم

گذشت از ما ہمہ سجادؒ جان علم و روح فن
ازاں شور قیامت گشت پیدا در ہمہ عالم

امیر شرع رانائب زہے رایش ہمہ صاحب
امور شرع زو منظم اساس دیں ازو محکم

بنال اے قوم مسلم زار کز تو گم شد ایں گوہر
گریبان در، واشک خوں رواں از چشم کن دہرم

بگوش اے نیر محزوں زغم تا کے کنی نالہ
صبوری کار فرما، و بداغ دل بنہ مرہم

بسال رحلتش نیر شنید از ہاتف غیبی
بدرد قوم و مذہب مرد آہ آں مصلح قومم

۱- حیات سجادؒ ص ۱۶۰

تاریخ رحلت حضرت نائب امیر شریعتؒ

حضرت مولانا حکیم شاہ محمد شعیب نیرؔ رضویؒ پھلواری شریف

در غم آں ہادی دیں مصلح ہمدرد قوم
خاک برسر بیختم شد عالمے اندوہگیں
سال ترحیلش چو جستم ہاتف غیبی بگفت
رخت چوں بربست زیں دنیا سوئے خلد بریں
إنّ موتَ العالِم واللّٰہِ مَوتُ العَالَم
۱۳۵۹ ہجری
کلک نیرؔ زد رقم سال وفاتش ایں چنیں

عربی مرثیہ

مولانا محمد امین صاحب استاذ جامعہ ڈابھیل سورت گجرات نے حضرت مولاناؒ کی وفات پر ایک مبسوط عربی مرثیہ لکھا تھا، جو ”حیات سجاد“ میں شائع ہوا، لیکن اس کے بعد شائع ہونے والے کسی مجموعہ میں دوبارہ اس کو جگہ نہیں دی گئی، حالانکہ اس کی علمی اورادبی شان کے علاوہ ایک یادگاری حیثیت بھی ہے، وہ عربی مرثیہ پیش خدمت ہے:

فی رثاء زعیم الهند مولانا السید
ابی المحاسن محمد سجاد

ناظم الجمعية لعلماء الهند و نائب امير الشرعية فی بهار
رحمه الله و اثابه دار رضاه

تهمی الجفون علی زعیم عباد　داع الملة سید الامجاد
شهم نبیل مفرد متوقد　بر ابر الی المكارم هاد
حبر خطیب مصقع متیقظ　بطل نجید بارع نقاد
نحب خشوع صابر فیما دهت　نوب الزمان علیه صوب غوادی

مولی البریۃ عصرۃ لا ماثل ولقد یجاء الیہ فی استرشاد
باغ لمرضاۃ الالٰہ ولا ینی عن نصرہ فی یقظہ ورقاد
فاق الاکارم فی محاسن ذاتہ وصفاتہ والی النجاۃ ینادی
طابت شمائلہ بمجد واضح یثنی علیہ صدیقہ ومعادی
یتلو الکتاب وکان یعمل بالذی فیہ من الابلاغ والارشاد
احیی الشریعۃ للنبی محمد لم یخش فیہ نجدۃ الانجاد
جم المناقب لا یزال مفکراً فیما یذب الناس عن الحاد
ومحامیاً لحمی الالٰہ وناصراً دین النبی ولیس بالحیاد
رحب الفناء لکل ضیف طارق من رائح عجل الرکوب وعاد
تبکی علیہ امارۃ الشریعۃ من فقدہ ورفاقہ فی الناد
وادارۃ العلماء من جمعیۃ وضعت لہا الایدی علی الاکباد
کسعید نائم الرئیس کفایت ال لاہ من اشیاخ اولی ارشاد
قادو النافی نہضۃ وطنیۃ جمعاً کمثل الروح فی الاجساد
نبکی علی جبل العلوم وفضلہا لابی المحاسن اذ مضی سجاد
کم من رجال قدامرّ اذا مضوا حزن المماۃ مسرۃ الاعیاد
قد کان بین القوم نجماً ثاقباً نُہدیٰ بہ فی مظلم من وادی
جلت رزیتنا فعز عزائنا من فقد حبر الملۃ المنقاد
فسقی الالٰہ ضریحہ سحب الرضا من کل ساریۃ ہمت وغوادی
واثابہ رضوانہ بجنابہ یوم الحساب ومجمع الاشہاد

ثم الصلوٰۃ علی النبی محمد
ما قام عبد صالح لرشاد [1]

۔۔۔

۱۔ حیات سجاد ص ۱۵۵ تا ۱۵۷

فصل سوم

آئینۂ حیات

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ — عہد بہ عہد

- اسم گرامی: ابوالمحاسن محمد سجادؒ بن مولوی حسین بخشؒ ابن سید فرید الدینؒ
- والدہ ماجدہ: بی بی نصیرن (نصیر النساءؒ)
- نانا بزرگوار: سید داؤد علیؒ
- نسب: جاجنیری سادات
- مقام ولادت: پنہسہ، بہار شریف نالندہ بہار
- ولادت: صفر ۱۲۹۹ھ/دسمبر ۱۸۸۱ء
- وفات والد ماجد: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء
- آغاز تعلیم: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء
- مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں داخلہ: ———— شوال ۱۳۱۰ھ/اپریل ۱۸۹۳ء
- روانگی کانپور اور دار العلوم کانپور میں داخلہ: ———— شوال المکرم ۱۳۱۴ھ/مارچ ۱۸۹۷ء
- دیو بند کا سفر اور دار العلوم دیو بند میں داخلہ: ———— شوال المکرم ۱۳۱۶ھ/مطابق فروری ۱۸۹۹
- دیو بند سے وطن واپسی اور نکاح: ———— ربیع الاول ۱۳۱۷ھ مطابق جولائی ۱۸۹۹ء
- مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں داخلہ: ———— غالباً شوال المکرم ۱۳۱۷ھ مطابق فروری ۱۹۰۰ء
- مدرسہ سبحانیہ سے فراغت: ———— شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ مطابق نومبر ۱۹۰۲ء
- شادی اور رخصتی: ———— ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
- حضرت قاری سید احمد شاہجہاں پوری نقشبندیؒ سے بیعت: ———— ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء
- مدرسہ سبحانیہ میں دستار بندی بموقع اجلاس سالانہ: — ۱۷ تا ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ/ ۳ تا ۵ جون ۱۹۰۴ء
- مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تقرر: ———— ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء
- مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں بحیثیت نائب صدر مدرس تقرر: — یکم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ/ ۱۳ فروری ۱۹۰۷ء

- الہ آباد سے مدرسہ اسلامیہ بہار شریف واپسی: ______ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ/جون ۱۹۰۷ء
- دوبارہ بہار شریف سے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف آوری: ____ ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ/اکتوبر ۱۹۰۸ء

تا ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء

- سیاسی فکر کا آغاز: ______ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء
- الہ آباد سے گیا واپسی: ______ شعبان ۱۳۲۹ھ/اگست ۱۹۱۱ء
- مدرسہ انوار العلوم گیا کی تاسیس (نشأۃ ثانیہ): ______ شعبان ۱۳۲۹ھ/اگست ۱۹۱۱ء
- انجمن علماء بہار کی تاسیس: ______ ۳۰ر صفر المظفر ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۷ء
- انجمن علماء بہار کا پہلا اجلاس: ______ ۵،۶ر شوال ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۴،۱۵ر جولائی ۱۹۱۸ء
- دوسرا نکاح: ______ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء
- تحریک خلافت کا آغاز: ______ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء
- بمبئی میں دفتر خلافت کا قیام: ______ ۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۳۳۷ھ/۲۰ر مارچ ۱۹۱۹ء
- گیا میں خلافت کمیٹی کا قیام: ______ رجب ۱۳۳۷ھ/اپریل ۱۹۱۹ء
- آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ میں شرکت اور قیادت: ____ ۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ/۱۸ر ستمبر ۱۹۱۹ء
- خلافت کمیٹی کے پہلے اجلاس دہلی میں شرکت: ____ ۲۸ر صفر المظفر ۱۳۳۸ھ/۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء
- جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس: ______ ۲۸ر صفر المظفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء
- خلافت کمیٹی کے دوسرے اجلاس امرتسر میں شرکت: ____ ۵ر ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء
- جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس اور مجلس منتظمہ کی باقاعدہ تشکیل: ____ ۵ تا ۹ر ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ

مطابق ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء

- جمعیۃ علماء بہار کا دوسرا اجلاس: ______ ۲۵ر شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۴ر مئی ۱۹۲۰ء
- جمعیۃ علماء بہار کے تحت دار القضا کا قیام: ____ ۲۵ر شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۴ر مئی ۱۹۲۰ء
- جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس خاص کلکتہ میں شرکت: ______ ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۶ر ستمبر ۱۹۲۰ء
- جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس عام دہلی: ____ ۷ تا ۹ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ م ۱۹ تا ۲۱ر نومبر ۱۹۲۰ء
- امارت شرعیہ کی تاسیس و بحیثیت نائب امیر شریعت انتخاب: ______ ۱۸،۱۹ر شوال ۱۳۳۹ھ

مطابق ۲۵،۲۶ر جون ۱۹۲۱ء

- دفتر امارت شرعیہ کا قیام: ______ ۹ر ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ م ۱۵ر جولائی ۱۹۲۱ء

- گیا میں عظیم الشان جمعیۃ وخلافت کانفرنس: ــــــــــ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ/دسمبر ۱۹۲۲ء
- حزب اللہ کا قیام: ــــــــــ ۹/ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ م ۲۳/جون ۱۹۲۳ء
- قومی تعلیمی مرکز کا قیام: ــــــــــ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۴ء
- اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد کی صدارت: ــــــ ۱۵/جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ م ۱۱/جنوری ۱۹۲۵ء
- جمعیۃ علماء ہند کے ادارۂ حربیہ کے سربراہ: -- ۳۱/مارچ تا یکم اپریل ۱۹۳۱ء (کئی سال تک)
- آزاد ہند کے دستور اساسی کی تسوید: ــــــــــ ۱۸/ربیع الاول ۱۳۵۰ھ م ۳/اگست ۱۹۳۱ء
- جواں سال اکلوتے فرزند مولانا حسن سجاد (فاضل دیوبند) کا انتقال: ــــــ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء
- یونٹی بورڈ لکھنؤ کے جلسہ میں شرکت اور تجاویز کی ترتیب: ــــــــــ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء
- بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی تاسیس: ــــــ ۲۵/اگست ۱۹۳۵ء م ۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ
- پارٹی کی پہلی صوبائی کانفرنس اور عہدہ داران کا انتخاب: ــــــــــ ۱۲، ۱۳/ستمبر ۱۹۳۶ء

مطابق ۲۵، ۲۶/جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ

- انڈی پنڈنڈنٹ پارٹی کی حکومت سازی: ــــــــــ ۱۹/محرم الحرام ۱۳۵۶ھ/یکم اپریل ۱۹۳۷ء
- مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی حکومت کا خاتمہ: ــــ ۱۹/جولائی ۱۹۳۷ء م ۱۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ
- نظارت امور شرعیہ کا مسودہ: ــــــــــ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء
- مدح صحابہ ایجی ٹیشن لکھنؤ کی قیادت: ــــــــــ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء
- بحیثیت ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند انتخاب: ــــــــــ یکم جمادی الاولی ۱۳۵۹ھ م ۹/جون ۱۹۴۰ء
- وفات حسرت آیات: ــــــــــ ۱۷/شوال المکرم ۱۳۵۹ھ/۱۸/نومبر ۱۹۴۰ء بروز سوموار
- مدفن: ــــــــــ قبرستان خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

کل مدت حیات: ــــ • بلحاظ سن ہجری قریب انسٹھ برس دس ماہ • اور بلحاظ سن عیسوی قریب اٹھاون برس دس ماہ

تصنیفات

• فتاوی امارت شرعیہ جلد اول (محاسن الفتاویٰ) • حکومت الٰہی • مقالات سجاد • قضایا سجاد • مکاتیب سجاد • قانونی مسودے • خطبۂ صدارت اجلاس مرادآباد • امارت شرعیہ- شبہات وجوابات • تذکرۂ جمعیۃ علماء ہند ☆ دستور امارت شرعیہ • متفقہ فتویٰ علماء ہند ☆ وغیرہ۔

❁❁

سنگ مزار حضرت مفکر اسلام ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ

مرقد مبارک حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ (بمقام قبرستان خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)

مصادرومراجع کتاب

قرآن کریم ومتعلقات

(۱) قرآن كريم

(۲) احسن البیان فی خواص القرآن از مولانا محمد احسن استھانوی، مکتبہ اسحاقیہ، اردو بازار کراچی

(۳) الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، المؤلف: أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدي، النيسابوري، الشافعي (المتوفى: ۴۶۸ھـ)

(۴) تفسير اللباب في علوم الكتاب، المؤلف: أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى: ۷۷۵ھـ)۔

(۵) لباب التأويل في معاني التنزيل المؤلف: علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن، المعروف بالخازن (المتوفى: ۷۴۱ھـ)

(۶) مختصر تفسير البغوي المؤلف: عبد الله بن أحمد بن علي الزيد الطبعة: الأولى الناشر: دار السلام للنشر والتوزيع – الرياض تاريخ النشر: 1416ھـ عدد الصفحات: 1040 عدد الأجزاء: 1

(۷) معالم التنزيل المؤلف: محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى: 510ھـ) المحقق: حققه وخرج أحاديثه محمد عبد الله النمر - عثمان جمعة ضميرية - سليمان مسلم الحرش الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الرابعة، 1417ھـ - 1997م عدد الأجزاء: 8۔

(۸) تفسیر جواہر علامہ طنطاویؒ مصری

(۹) إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم المؤلف: أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفى: 982ھـ) مصدر الكتاب: موقع التفاسير

(۱۰) تفسير الجلالين المؤلف: جلال الدين محمد بن أحمد المحلي (المتوفى: 864ھـ) وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي (المتوفى: 911ھـ

(١١) تفسير القرآن العظيم المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: 774هـ) المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ - 1999م۔

(١٢) تنوير المقباس من تفسير ابن عباس المؤلف: ينسب لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى: 68هـ)، جمعه محمد بن يعقوب الفيروزآبادى (المتوفى: 817هـ)

حدیث شریف ومتعلقات

(١٣) الجامع الصحيح المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة — بيروت الطبعة الثالثة، 1987 - 1407 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق: تعليق د. مصطفى ديب البغا

(١٤) صحيح مسلم، المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة۔ بيروت الطبعة: عدد الأجزاء

(١٥) الجامع الصحيح سنن الترمذي المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي — بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها۔

(١٦) فيض الباری شرح صحيح البخاری، علامه انور شاه کشمیری، دار الكتب العلمية بيروت ١٤٢٦ھ/٢٠٠٥ء

(١٧) كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، المؤلف: علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى: 975هـ) المحقق: بكري حياني - صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة 1401هـ / 1981م مصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية۔

(١٨) جامع الأحاديث المؤلف: الحافظ جلال الدين عبدالرحمن السيوطي (م ٩١١ھ)، دار الفكر بيروت، ١٩٩٤ء/١٤١٤ھ۔

(١٩) سنن الدارمي المؤلف: عبدالله بن عبدالرحمن أبو محمد الدارمي الناشر: دار

الكتاب العربي – بيروت الطبعة الأولى ، 1407 تحقيق : فواز أحمد زمرلي , خالد السبع العلمي الأحاديث مذيلة بأحكام حسين سليم أسد عليها۔

(۲۰) المستدرك على الصحيحين المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، - 1411 1990 تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا،عدد الأجزاء : 4مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص

(۲۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل،المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ) الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

(۲۲) سنن أبي داود المؤلف :أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي-بيروت

(۲۳) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد المؤلف : أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى : 463هـ)المحقق : مصطفى بن أحمد العلوى ومحمد عبد الكبير البكرى الناشر : مؤسسة القرطبه

(۲۴) السنن الكبرى المؤلف : أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى : 303هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب[ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

(۲۵) سنن البيهقي الكبرى،المؤلف:أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز-مكة المكرمة ، 1994 – 1414 تحقيق : محمد عبد القادر عطا۔

(۲۶) السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ،المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق:الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة:الطبعة: الأولى۔ 1344هـ

(۲۷) فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة -بيروت، 1379 تحقيق: أحمد بن علي

بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي

(۲۸) الجامع الصغير من حديث البشير النذير المؤلف : الإمام جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر بن محمد بن سابق الدين السيوطي

(۲۹) منهاج السنة النبوية تأليف: أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني 728هـ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، المملكة العربية السعودية الأولى، 1406هـ/1986م۔

(۳۰) المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة المؤلف : شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي (المتوفى : 902هـ) المحقق : محمد عثمان الخشت الناشر : دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة: الأولى، 1405هـ-1985م

(۳۱) تذكرة الموضوعات المؤلف: محمد طاهر بن علي الفتني (المتوفى: 986هـ)

(۳۲) سنن الدارقطني المؤلف: علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر : دار المعرفة - بيروت، 1966 - 1386 تحقيق: السيد عبد الله هاشم يماني المدني۔

(۳۳) البحر الزخار ـ مسند البزار، المؤلف : أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (المتوفى : 292هـ) مصدر الكتاب : موقع جامع الحديث

(۳۴) الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم المؤلف : أبو بكر أحمد بن عمرو النبيل أبو عاصم الضحاك الشيباني (المتوفى: 287هـ)

(۳۵) أخبار مكة للفاكهي المؤلف : أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن العباس المكي الفاكهي (المتوفى: 272هـ)

(۳۶) جامع الأصول في أحاديث الرسول المؤلف: مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري ابن الأثير (المتوفى : 606هـ) تحقيق: عبد القادر الأرنؤوط الناشر : مكتبة الحلواني - مطبعة الملاح - مكتبة دار البيان الطبعة : الأولى - أخرجه ابن عبد البر في جامع بيان العلم و فضله (2/97

(۳۷) حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ-2000م. مكان النشر بيروت.

(۳۸) الشرح الكبير، المؤلف: أبو البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير (المتوفى: 1201هـ)

(۳۹) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، المؤلف: محمد بن أحمد الدسوقي (المتوفى: 1230هـ)

(۴۰) منح الجليل شرح على مختصر سيد خليل. محمد عليش. الناشر دار الفكر سنة النشر 1409هـ-1989م. مكان النشر بيروت۔

(۴۱) حاشية الطحطاوي على الدر

(۴۲) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية - بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ-1986م محمد عارف بالله القاسمي

(۴۳) الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق: الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ-1991م مكان النشر

(۴۴) الاختيار لتعليل المختار المؤلف: عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر: دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان - 1426هـ - 2005م الطبعة: الثالثة تحقيق: عبد اللطيف محمد عبد الرحمن

(۴۵) مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرح آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ -1998م مكان النشر لبنان/بيروت

(۴۶) الفتاویٰ البزازية على ہامش الهندية ،المطبعة الكبرىٰ الاميرية ،بولاق مصر، ۱۳۱۰هـ۔

(۴۷) الأحكام السلطانية للماوردي

(۴۸) تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام، المؤلف: إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى: 799هـ)

(۴۹) فتاویٰ امارت شرعیہ ج ا، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۸ء

(۵۰) قضایا سجاد، شائع کردہ: امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء۔

(۵۱) اکفار الملحدین فی ضروریات الدین مصنفہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مطبوعہ مجلس علمی سملک ڈابھیل گجرات طبع ثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء

(۵۲) قانونی مسودے، تالیف حضرت علامہ سید ابوالمحاسن محمد سجادؒ، ترتیب مولانا عثمان اللہ ندیمؒ، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ھ

(۵۳) الحیلۃ الناجزۃ، مطبوعہ مکتبہ رضی دیوبند، سن طباعت ۱۹۹۳ء

(54) مکاتیب سجاد، شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پٹنہ، سن اشاعت ۱۹۹۹ء

(۵۵) حجة الله البالغة للإمام أحمد المعروف بشاه ولي الله ابن عبد الرحيم الدهلوي تحقيق سيد سابق الناشر دار الكتب الحديثة - مكتبة المثنى مكان النشر القاهرة —بغداد

(۵۶) کتاب الفسخ والتفریق مصنفہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ مع مقدمہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۰ء

(۵۷) حکومت الٰہی، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ، طبع دوم از امارت شرعیہ ۱۹۹۹ء)۔

(۵۸) امارت شرعیہ شبہات وجوابات، مرتب کردہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء

(۵۹) متفقہ فتویٰ علماء ہند، ناشر منشی مشتاق احمد میرٹھ، مطبع ہاشمی میرٹھ

(۶۰) کفایت المفتی مجموعۂ فتاویٰ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، مرتب: مولانا حفیظ الرحمن واصف مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۱ء

(۶۱) نظام قضاء کا قیام مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۶ء۔

(۶۲) مجموعہ فتاویٰ عزیزی، فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔

(۶۳) ہندوستان اور مسئلۂ امارت مصنفہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ، ناشر جمعیۃ علماء ہند، ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء

(۶۴) المبسوط للسرخسي تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق:خليل محي الدين الميس الناشر:دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع،بيروت،لبنان الطبعة الأولى،1421هـ2000م۔

(۶۵) شرح فتح القدير كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة/سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت۔

(۶۶) البحر الرائق شرح كنز الدقائق زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت۔

(۶۷) حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ، أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة/سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر۔

(۶۸) السياسة الشرعية فى اصلاح الراعى والرعية لابن تيميةؒ القسم الثانى الحدود والحقوق الناشر دار ابن حزم 1424هم 2003ء۔

(۶۹) الاحکام السلطانیہ للامام ابی الحسن الماوردیؒ (متوفی ۴۵۰ھ) مطبعۃ السعادۃ مصر

(۷۰) مسودہ فرائض واختیارات امیر الشریعۃ فی الہند مع مفصل نظام نامہ امیر الشریعۃ مرتب کردہ سب کمیٹی وحضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء

(۷۱) اختلاف مسلک اور امارت شرعیہ، شائع کردہ مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

(۷۲) معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام المؤلف : علي بن خليل الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين (المتوفى : 844هـ، طبع مصطفى البابى الحلبى مصر، ۱۳۹۳ء۔

(۷۳) مقالات سجاد ،جمع وترتيب:مولانا ضمان الله نديم ،شائع كرده :امارت شرعيه پهلوارى شريف پٹنه، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء

(۷۴) المدونة الكبرى،المؤلف : مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى:179هـ)المحقق:زكريا عميرات،الناشر : دار الكتب العلمية بيروت ۔لبنان۔

(۷۵) حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة/سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى

الأميرية ببولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر عدد الأجزاء۔
(۷۶) المواقف فی علم الکلام، قاضی عبدالرحمن بن احمد الایجیؒ، طبع عالم الکتب بیروت
(۷۷) جامع الفصولین، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی
(۷۸) ہندوستان میں شرعی پنچایت ہی کیوں دارالقضا کیوں نہیں ؟ افادات: حضرت مفتی عبدالقدوس رومیؒ، جامع: مفتی مجدالقدوس خبیب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یوپی، ناشر مجمع الفقہی الحنفی الہند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔
(۷۹) إحياء علوم الدين المؤلف: محمد بن محمد أبو حامد الغزالي (المتوفى: 505هـ
(۸۰) سیاست حاضرہ اور ادارہ امارت شرعیہ، شائع کردہ حسب فرمائش مولوی حکیم محمد ولی عالم صاحب صدیقی۔ برقی مشین پریس مراد پور بانکی پور، ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء
(۸۱) اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات، مرتبہ مولانا عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ، ۱۹۳۸ء

سیر وسوانح

(۸۲) حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ حیات وخدمات (مجموعۂ مقالات سیمینار ۲۰، ۲۱/اپریل ۱۹۹۹ء) مرتبہ: مولانا انیس الرحمن قاسمی، ۲۰۰۳ء
(۸۳) حیات محی الملۃ والدین، مؤلفہ: حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ، شائع کردہ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ۔
(۸۴) نقوش سلیمانی، علامہ سید سلیمان ندویؒ، ناشر: دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء
(۸۵) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مؤلفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ
(۸۶) مآثر الکرام، مصنفہ مولانا آزاد بلگرامیؒ، اردو ترجمہ شاہ محمد میاں فاخری، دائرۃ المصنفین کراچی ۱۹۸۳ء
(۸۷) مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ، مرتبہ: مولانا طلحہ نعمت ندوی، ناشر جمعیۃ علماء ہند، ۲۰۱۸ء
(۸۸) تذکرۂ ابوالمحاسن۔ مرتبہ: اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۲۰۱۹ء
(۸۹) تذکرۂ علماء ومشائخ پاکستان وہند مؤلفہ محمد اقبال مجددی، مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور، ۲۰۱۳ء
(۹۰) حیات گیلانی، تالیف حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی، ناشر: مولانا یوسف اکیڈمی بنارس، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء
(۹۱) حیات سلیمان از مولانا شاہ معین الدین ندویؒ، ناشر دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ھ
(۹۲) محاسن سجاد، مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ مطبوعہ کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار دہلی، اپریل ۱۹۴۱ء

(۹۳) حیات سجاد مرتبہ: حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ ، ناشر: مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، پرنٹر: برقی مشین پریس، مراد پور بانکی پور پٹنہ، اکتوبر ۱۹۴۱ء

(۹۴) حیات سجاد مصنفہ: مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی، شائع کردہ: حسب ارشاد مولانا عبدالحلیم صدیقی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند، مطبوعہ انصاری برقی پریس دہلی

(۹۵) حقیقت سجاد، مرتبہ: سید احمد عروج قادری، آستانہ مجہر شریف ضلع گیا، ۱۹۴۱ء

(۹۶) تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری، مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منوروا شریف، ۲۰۱۸ء

(۹۷) درس حیات، مرتبہ قاری فخر الدین گیاویؒ، مطبوعہ مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا طبع دوم ۱۴۳۱ھ م ۲۰۱۰ء

(۹۸) الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام المسمیٰ بنزھۃ الخواطر مصنفہ حضرت مولانا عبدالحی الحسنی لکھنویؒ، دار ابن حزم بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء

(۹۹) الاستاذ مسعود عالم الندوی فی ضوء حیاتہ وخدماتہ، تالیف: مولانا طلحہ نعمت الندوی ناشر: مجمع الاسلام بھٹکل

(۱۰۰) حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نقوش وتاثرات، مرتبہ طلحہ نعمت ندوی، مطبوعہ علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی استھانواں، بہار شریف، ۲۰۱۶

(۱۰۱) تذکرہ علماء ہندوستان (مظہر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء) تالیف مولانا سید محمد حسین بدایونی (متوفیٰ ۱۹۱۸ء) تحقیق، تدوین، تحشیہ: ڈاکٹر خوشتر نورانی، شائع کردہ مکتبہ جام نور، مٹیا محل، دہلی، ۱۹۱۸ء

(۱۰۲) نور ہدیٰ حیات خدمات نور الہدیٰ بیرسٹر ابن شمس الہدیٰ بانی مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، مطبوعہ برقی مشین بانکی پور پٹنہ، ۱۹۴۱ء

(۱۰۳) حضرت امیر شریعت نقوش وتاثرات از مولانا عطاء الرحمن قاسمی

(۱۰۴) سید محمود، مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمن

(۱۰۵) تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ از مولانا اسیر ادروی، ناشر: دار العلوم حیدر آباد، منتظم اشاعت: دار المؤلفین دیوبند، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء

(۱۰۶) ٹوٹے ہوئے تارے، مصنفہ شاہ محمد عثمانیؒ، مطبوعہ دہلی

(۱۰۷) تذکرہ مولانا ابوسلمہ شفیع بہاریؒ، مرتبہ مولانا رشید احمد فریدی شائع کردہ ادارہ ترجمہ وتالیف، سر سید احمد روڈ کلکتہ، ۲۰۰۹ء

(۱۰۸) تذکرہ علماء بہار مؤلفہ مولانا ابوالکلام شمسی سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، ناشر:

جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالا ساتھ سیتا مڑھی، ۱۹۹۵ء
(۱۰۹) تاریخ اطباء بہار، مولفہ: حکیم محمد اسرار الحق صاحب سابق پروفیسر گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ، ۱۹۸۰ء
(۱۱۰) حسن حیات سوانح قاضی سید احمد حسین صاحبؒ- مصنفہ: شاہ محمد عثمانیؒ، شائع کردہ مجلس علمی، ذاکر باغ اوکھلائی دہلی، ۱۹۹۱ء
(۱۱۱) حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق، مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، ناشر: اشاعۃ العلوم فرنگی محل، سن تصنیف: ۱۹۲۹ء
(۱۱۲) یادِ رفتگاں، تصنیف علامہ سید سلیمان ندویؒ، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی، ۲۰۰۳ء
(۱۱۳) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، مرتبہ مولانا مفتی محمد میاں صاحب
(۱۱۴) تذکرہ نسوان ہند، مؤلفہ: فصیح الدین بلخی، مطبوعہ شمسی پریس پٹنہ
(۱۱۵) نقش حیات خودنوشت سوانح حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مطبوعہ دار الاشاعت اردو بازار کراچی
(۱۱۶) عرس حضرت بانسہؒ، مؤلفہ معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: قادری بک ایجنسی نمبر ۸۱ وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء
(۱۱۷) تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ مؤلفہ محمد رضا انصاری فرنگی محل لکھنؤ، ۱۹۸۶ء
(۱۱۸) شیخ الہند مولانا محمود حسن ایک سیاسی مطالعہ، مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مطبوعہ فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء
(۱۱۹) مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن ایک سیاسی مطالعہ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، ناشر فرید بک ڈپو، ۲۰۱۱ء
(۱۲۰) تذکرۃ الرشید مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ
(۱۲۱) سیرت سید احمد شہید، مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مطبوعہ لکھنؤ
(۱۲۲) ذکر آزاد، مصنفہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر: مکتبہ جمال لاہور، ۲۰۱۰ء
(۱۲۳) سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ مصنفہ مولانا محمد ثانی الحسنیؒ، ناشر مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۰ء
(۱۲۴) اعیان وطن (آثارات پھلواری شریف، مصنفہ مولانا حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب، طابع وناشر: دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۴۷ء
(۱۲۵) تحفۂ احسان (شعرائے کشن گنج کی مختصر تاریخ) مرتبہ حکیم رکن الدین دانا، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو کشن گنج، ۱۹۴۰ء
(۱۲۶) حیات مجاہد مرتبہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ، طبع ۲۰۰۲، ۲۰۰۳ء حیدرآباد

(۱۲۷) مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ مفتی دارالعلوم دیوبند ناشر دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء

(۱۲۸) التحبير في المعجم الكبير المؤلف : عبد الكريم بن محمدبن منصور التميمي السمعاني المروزي، أبو سعد (المتوفى:562هـ) المحقق: منيرة ناجي سالم الناشر رئاسة ديوان الأوقاف - بغداد الطبعة: الأولى، 1395هـ - 1975م

(۱۲۹) الأعلام المؤلف : خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى : 1396هـ) الناشر : دار العلم للملايين الطبعة : الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وتراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000 ترجمة)]

(۱۳۰) پرانے چراغ، مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔

(۱۳۱) ذکر یونس مرتبہ تقی رحیم صاحب، شائع کردہ: بیرسٹر محمد یونس میموریل کمیٹی، یونس کیمپس، ایس پی ورما روڈ پٹنہ، اشاعت دوم مئی ۲۰۱۲ء

(۱۳۲) مسٹر محمد یونس بارایٹ لا ایک تعارف از کامریڈ تقی رحیم

(۱۳۳) صوبہ بہار کے پہلے وزیر اعظم بیرسٹر محمد یونس کے دور وزارت کا ایک عکس مرتبہ اصغر امام فلسفی

تاریخ وجغرافیہ

(۱۳۴) تاریخ مگدھ مرتبہ مولوی فصیح الدین بلخی صاحب عظیم آبادی، شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی - ۱۹۴۴ء

(۱۳۵) تاریخ دعوت وعزیمت مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی

(۱۳۶) اردو ادب کی تاریخ میں نالندہ ضلع کی خدمات (ابتدا تا ۲۰۰۰ء) مصنفہ ڈاکٹر عشرت آراء سلطانہ، ناشر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶، ۲۰۱۰ء

(۱۳۷) بزم تیموریہ، مؤلفہ سید صباح الدین عبدالرحمن ام اے دارالمصنفین، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

(۱۳۸) تاریخ فرشتہ، مصنفہ محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ اردو: عبدالحی، مطبع علمی پرنٹنگ پریس لاہور نومبر ۱۹۶۲ء

(۱۳۹) شرفاء کی نگری (تذکرۂ صوفیاء بہار) از سید قیام الدین نظامی قادری فردوسی، ناشر: نظامی اکیڈمی کراچی پاکستان، ۱۹۹۵ء/ ۱۴۱۶ھ

(۱۴۰) تاریخ بارہ گانواں ومضافات، از ڈاکٹر مجیب الرحمن، سال اشاعت مئی ۱۹۷۸ء

(۱۴۱) علمائے بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۰۲ مقالہ پی ایچ ڈی ،مصنفہ: مہر النساء ،شعبۂ علوم اسلامی معارف اسلامیہ کراچی دسمبر ۲۰۰۵ء

(۱۴۲) تاریخ مشائخ بہار، مؤلفہ ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی سجادہ نشین خانقاہ صوفیہ اسلام پور نالندہ بہار، شائع کردہ مکتبہ، خانقاہ صوفیہ نالندہ، اپریل ۲۰۰۳ء

(۱۴۳) شہر ادب کانپور مرتبہ: ڈاکٹر سید سعید احمد، مطبوعہ سید اینڈ سید (پبلشرز) کراچی ۲۰۰۱ء۔مقام اشاعت: شاہراہ سعدی، کلفٹن، بلاک ۲ کراچی پاکستان

(۱۴۴) امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب، تالیف: حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ شائع کردہ مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ مطبوعہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء

(۱۴۵) مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تاریخ کے آئینے میں، مرتبہ عطاء الرحمن رضوی، ناشر: مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، ۲۰۰۵ء

(۱۴۶) مدرسہ انوار العلوم کا تعارف، مرتبہ قاری غضنفر قاسمی، ۲۰۰۰ء

(۱۴۷) تحریک خلافت، مرتبہ قاضی محمد عدیل عباسی، شائع کردہ: ترقی اردو بورڈ نئی دہلی، ۱۹۷۸ء

(۱۴۸) ترک ناداں سے ترک دانا تک، مرتبہ مفتی ابولبابہ شاہ منصور، ناشر: السعید پبلیکیشن کراچی

(۱۴۹) خلافت اور ہندوستان، مرتبہ علامہ سید سلیمان ندویؒ مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۴۰ھ

(۱۵۰) **أحسن التقاسيم في معرفة الأقاليم المؤلف: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر البناء المقدسي المعروف بالبشاري (المتوفى: نحو 380هـ**

(۱۵۱) واقعات دار الحکومت دہلی، مصنفہ بشیر الدین احمد دہلویؒ ایم، آر، اے، ایس، لندن، اول تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام، شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان ومحمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی، ۱۹۱۹ء

(۱۵۲) جمعیۃ علماء ہند پر تاریخی تبصرہ، مؤلفہ مولانا حفیظ الرحمن واصف سابق مہتمم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی، سینٹرل بکڈ پو اردو بازار، دہلی، ۱۹۶۹ء

(۱۵۳) مختصر حالات انعقاد جمعیۃ علماء ہند، مرتبہ حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ناظم اول جمعیۃ علماء ہند، محبوب المطابع دہلی

(۱۵۴) جمعیۃ علماء ہند کی دوسالہ روداد بابت ۱۳۳۸ھ و۱۳۳۹ھ، افضل المطابع پریس دہلی، نومبر ۱۹۲۱ء

(۱۵۵) جمعیۃ علماء کیا ہے؟ مرتبہ: مولانا سید محمد میاں صاحب، مطبوعہ الجمعیۃ بکڈ پو۔

(۱۵۶) تاریخ امارت، مصنفہ مولانا عبد الصمد رحمانی۔طبع ثانی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔۱۳۶۷ھ

(۱۵۷) جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد، ناشر: مکتبہ خدام القرآن لاہور، طبع پنجم، ۲۰۱۳ء

(۱۵۸) مجموعۂ فرامین حصۂ اول۔حضرت امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ۔مدظلہ العالی۔مرتبہ مولانا ابوالبیان صاحب اعجاز گیلانی ناظر دارالامارۃ الشرعیۃ صوبہ بہار واڑیسہ،مطبوعہ دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف۔ ۱۳۰۴ھ
(۱۵۹) مقدمہ ابن خلدون۔مطبعۃ الشرفیۃ
(۱۶۰) تاریخ ابن خلدون ،المؤلف : عبد الرحمن بن محمد ، ابن خلدون (المتوفى : 808هـ)دار احیاء التراث العربي بیروت–لبنان
(۱۶۱) (المنمق في أخبار قريش المؤلف: أبو جعفر محمد بن حبيب بن أمية البغدادي (المتوفى:245هـ)
(۱۶۲) تحریک آزادی میں بہار کے مسلمانوں کا حصہ،مصنفہ: جناب تقی رحیم صاحب،شائع کردہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۱۹۹۸ء
(۱۶۳) یکہتہ واطراف اور یہاں کی دو نامور شخصیات تالیف :مولانا منور سلطان ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ،شائع کردہ: شفیع اردو لائبریری یکہتہ،ضلع مدھوبنی بہار، ۲۰۱۲ء
(۱۶۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی ڈائری،مرتبہ:ابوسلمان شاہ جہاں پوری، ناشر:فرید بکڈ پو دہلی
(۱۶۵) تاریخ جمعیۃ علماء ہند ص ۱۴ مرتبہ مولانا اسیر ادروی صاحب،شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند، ۱۴۰۳ھ

زبان وادب

(۱۶۶) بہار میں اردو نثر کا ارتقاء(۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک)مرتبہ :ڈاکٹر سید مظفر اقبال صدر شعبۂ اردو بھاگلپور یونیورسیٹی، ناشر: کتاب خانہ ترپولیا پٹنہ، ۱۹۸۰ء پہلا ایڈیشن
(۱۶۷) دیوان رونق –مقدمہ تحریر کردہ جناب سید مطیع الرحمن صاحب ،یہ دیوان جناب مولوی محمد محسن صاحب محسنؔ بی اے ایڈمنسٹر مسلم ایچ ای اسکول دربھنگہ،اور جناب مولوی عزیز الرحمن صاحب بی اے وکیل کی فرمائش پر جناب سید مطیع الرحمن غوثی سکریٹری دارالتصنیف والتالیف بھیرو پٹی ڈاکخانہ چک بہاء الدین ضلع دربھنگہ کے زیر اہتمام مطبع سلفی بھیرو پٹی دربھنگہ سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔
(۱۶۸) برید فرنگ (مجموعۂ خطوط علامہ سید سلیمان ندوی)–جو علامہ نے ۱۹۲۰ء میں یورپ سے ہندوستان کی مختلف شخصیتوں کے نام لکھے تھے–شائع کردہ: مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۹۷ء

رسائل، جرائد اور خطبات ومواعظ ومتعلقات

(۱۶۹) خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند مرادآباد، ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ
(۱۷۰) آئینہ ۳۰/مئی ۲۰۱۶ء مضمون مولانا شاہ محمد طیب عثمانی ندوی
(۱۷۱) الواقعۃ کراچی شمارہ: ۶۶-۶۷، ذیقعدہ وذی الحجہ ۱۴۳۸ھ، ستمبر ۲۰۱۷ء
(۱۷۲) زندگی نو، اپریل ۱۹۹۸ء
(۱۷۳) ملفوظات محدث کشمیریؒ، مرتبہ حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ، ناشر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۳۱ھ
(۱۷۴) خطبۂ صدارت جمعیۃ علماء ہند گیا حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، مطبع قاسمی دیوبند
(۱۷۵) خطبۂ صدارت جمعیۃ علماء ہند پشاور، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، جید برقی پریس بلی ماران دہلی
(۱۷۶) خطبۂ استقبالیہ دوروزہ عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ۱۵، ۱۶ اپریل ۲۰۰۶ء، پیش کردہ منتظمہ کمیٹی مدرسہ انوار العلوم گیا
(۱۷۷) خطبات آزاد، ناشر: ارشد بک سیلرز علامہ اقبال روڈ میر پور آزاد کشمیر
(۱۷۸) خطبۂ صدارت اجلاس عام جمعیۃ علماء ہند کلکتہ، علامہ سید سلیمان ندویؒ۔
(۱۷۹) مکاتیب سجاد جمع وترتیب مولانا محمد ضمان اللہ ندیمؒ، شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۹۹ء
(۱۸۰) دوسیاسی دستاویز (حضرت مولانا محمد سجادؒ اور مسٹر عبدالعزیز کے دوخطوط کا مجموعہ) شائع کردہ حسب فرمائش حضرت مولانا عثمان غنی صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۳۶ء

ویب سائٹ

(۱۸۱) آزاد دائرۃ المعارف، ۱۸۲- ویکی پیڈیا، ۱۸۳- فیس بک